

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۴۳۰۷
الطبرانی ج ۱

Name of Book
۱۹۲۷
الطبرانی ج ۱

of Author

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224013

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۴۳۰۵

Accession No. ۱۰۴۷۰

Author اقبال جیل

Title

۱۹۲۷ جیل اقبال

This book should be returned on or before the date last marked below.

کتابت

مکتبہ اسلامیہ

علاقہ اسلامیہ

ابلاغ پر کلکتہ



الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	پانچ آنہ

- (۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفظ ” پر “ ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے ۔
- (۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا ۔
- (۳) منیجر الہلال خط و کتابت میں ” منیجر الہلال “ کے نام سے رس خط لکھے ۔
- (۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیں جسکی اطلاع وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے ۔
- (۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو ہم اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ۔ ورنہ بصورت فوری بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا ۔
- (۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت فرمیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرائیے ، مقامی ڈاکخانہ کی اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے ۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دینا پتہ تبدیل کرائیں ۔
- (۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کاپیوں پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھ دیں ۔
- (۸) ایسے جواب طلب کے لئے جلتا تعلق ہفتہ کے دنوں کو ارسال (منٹو سٹاکس اور اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) کے نام سے لکھ کر منیجر الہلال کے دفتر پر غیر معمولی کارڈ کتابت کے طور پر رکھنا ۔

سیرنی الارض

Checked 1965

اولیٰ کیسہ دانی الارض فی نظر کیف کانت عاقبة الذین من قبلہم؟

(۸-۳۰)

سیاحان عالم کے مشاہدات

ایک مصری سیاح کے آثار

Checked 1973

ٹیونس اور البانیہ

ٹیونس

اگر الجزائر فرانس کا محکمہ ہو تو ٹیونس بھی فرانس کے جولاں حکومت سے پال ہو چکا ہو۔ جو فرانسیسی یہاں ہیں وہی فرانسیسی وہاں بھی ہیں۔ محکومی اور ماتحتی، موت کی طرح سخت اور سخت و قنارہ۔ ایک خفیہ زہر ہے۔ دوسرا علانیہ ہے۔ لہذا کچھ عجیب نہیں اگر دونوں ملکوں کی زندگی باہم مشابہ ہو۔ بلکہ پہلی نظر میں تو دونوں کی زندگی ایک ہی طرح کی معلوم بھی ہوتی ہو۔ لیکن میرے خیال میں باوجود اس گہری مشابہت کے دونوں میں بڑا فرق ہو۔ ایک بیماری سوزش کی پڑتی ہو، دوسرے کی ۴۰ برس سے بھی کم کی کچھ ٹیونس میں جیہ زندگی کے سبب دیات موجود ہیں، اور امیدوں کے لئے بھی دیکھی یورپاں نہیں ہیں جیسی الجزائر اور مراکش میں محسوس ہوتی ہیں۔ ٹیونس کی بیداری ٹیونس قوم کی سہی دہمت کا نتیجہ ہو۔ شامی افریقہ میں ظلم کی کیا سبب سے مظلومیت کی حالت یکساں نہیں ہو جاسکتی تھی۔ مراکش، الجزائر، ٹیونس، لبنان، ان تمام مقامات میں یورپین استعمار یکساں قوت و خصلت کے ساتھ نمودار ہوا، لیکن ان تمام مختلف مقامات کی جماعتی حالت و استعداد یکساں نہ تھی۔ ٹیونس کی بیداری کے اور بھی متعدد اسباب ہیں۔ بعض قوی ہیں۔ بعض ضعیف ہیں۔ بعض اچھے ہیں، بعض برے ہیں۔ بعض غلط فہمی کے حکم میں داخل ہیں۔ بعض سم قابل حکم رکھتے ہیں۔ کبھی برائی سے بھی بھلائی پیدا ہو جاتی ہو۔ کبھی زہر سے بھی شفا حاصل ہوتی ہو۔ جب خدا کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہو تو ہر چیز اس کی خدمت گزار ہو جاتی ہو۔ ہر راہ اسے منزل مقصود کی طرف پہنچاتی ہو۔ لیکن جب کسی قوم کی تباہی کے دن آجاتے ہیں تو ہر چیز اسے نقصان پہنچاتی ہو۔ معلوم ہوتا ہو ٹیونس پر خدا کی ہر عنایت ہو۔ اچھی اس کے سامنے بھلائی اور ترقی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ ٹیونس میں مدرسے ہیں اور قوم میں علم و نور پھیلا رہی ہیں۔ ٹیونس میں عربی اخبارات ہیں، اور اگرچہ بہت پست اور بے لغت ہیں، لیکن ہر حال ملک کی بیداری کا سرچشمہ ہیں۔ ٹیونس میں ایک کرسی بھی ہے، جسے تخت شاہی کہتے ہیں۔ اس پر ایک ٹیونسی شہزادہ بھی بیٹھا ہے، جسے بادشاہ یا دہان کی اصطلاح میں کہتے ہیں۔

کہتے ہیں۔ اس کے سر پر ایک غلات بھی چڑھا ہے۔ اسے "تاج" کہتے ہیں۔ پچھلے ہیں۔ "بانی" کی پیش و عشرت بالکل دیسی ہی ہو جیسی شامی بادشاہوں کی ہوا کرتی تھی۔ بہت سے اس وقت اس کے عمل کا اسی طرح طوائف کرتے ہیں جس طرح مغرب کتبہ کا طوائف کرتے ہیں۔ اس کے دروازوں اور چوکھٹوں کو چوستے ہیں اور جہز و ثواب کی امیدیں لکھتے ہیں! ٹیونس میں نوجوان بھی ہیں۔ قریب ہو کہ ان کی آنکھیں کھل جائیں اور زندگی کا جلوہ دیکھ لیں۔ ٹیونس میں ترقی کا جذبہ بھی موجود ہے اگر محکومی کی بندش ذرا بھی ٹوٹتی ہو جاتی ہو تو قریب ہو کہ خوب پھلے اور پھولے۔ مگر موجودہ قید و بند بھی اسے روک نہیں سکتی۔ یہ جذبہ، سنگ چٹان کی طبیعت رکھتا ہو۔ بتنا کر گرجا جاتا ہو، آٹنا ہی چمکتا اور مشتعل ہوتا ہو! ٹیونس کی بیداری کا ایک سبب، اچھی تسلط و جبر بھی ہو۔ ٹیونس خواب خرگوش میں پڑا سو رہا تھا۔ اچھی توپوں نے گرجا سے بیدار کر دیا اور اس طرح بیدار کیا کہ پھر اس کی آنکھیں بند نہ ہوئیں۔ اچھی تسلط و استعمار قوموں کے لئے تازیانہ عجز ہوتا ہو، اور لائق قوموں کے لئے پیام ہلاکت! ٹیونس کی بیداری میں تقلید و جمود اور قدامت پرستی کے عناصر کو بھی طرا ویز ہو۔ ٹھیک اسی طرح، جس طرح یہ عناصر مصر کی موجود بیداری کا ایک سبب بن گئے ہیں۔ اس دنیا میں شرمسار کا وجود نہیں۔ تقلید و جمود اور قدامت پرستی میں کتنا ہی بڑا شرمسار نہ ہو، لیکن اس فہم بھی موجود ہو۔ کسی قوم کے لئے مناسب نہیں کہ اپنا اصلی بالکل بھلائے۔ اصلی اور قدیم کا صلح جو ہر ہمیشہ قوم میں موجود رہنا چاہئے، اور نہ قوم اپنی قومیت کی اساسی روح سے محروم ہو جائے گی۔ یہ قدامت پرست طبقہ اپنے اندر اصلی اور قدیم کی نفس محفوظ رکھتا اور قدیم کو اس کے اصلی خط و خال دکھاتا رہتا ہو۔ یہ طبقہ کتنا ہی مصر ہو مگر اس سے یہ فائدہ ضرور ہو کہ اصلی اور قدیم کی یاد و روشنی ہوئے نہیں جاتی، اور تفریط و تفریط کی بے اعتدالیان اور اعتدال کی حالت پیدا کر لیتی ہیں۔

لے مصلحتیں! اس مخلوق پر دم کھاؤ، جس کا نام خدمت پر ہے۔ یہ بخاری نظروں میں ایک برائی نفس ہی کیسے ہو گویا۔ تمنا سے ہی اصلی کی نفس! اس کی حفاظت کرو۔ اسے بے درگاہ میں جلدی نہ کرو۔ اگر یہ نابود ہو گئی، تو قدامت کی نفس کے ساتھ قدامت کی روح بھی نابود ہو جائے گی!

احمد زو غولی مملکت "البانیہ"

البانیہ میں سرفہرست تکلیف وہ ہو۔ سمندر سے سفر کی سہولت یہ ہو کہ کوئی سلاخی جہاز ہر ہفتہ روانہ جاتے ہوئے البانی ساحل پر بھی رکتے ہیں۔ یہی راستہ میں نے اختیار کیا۔ وہاں ایک بندہ ڈانگیز سے سوار ہوا اور البانی ساحل و دریاؤں میں لگا رہا۔

میرے ساتھی سا فریک ایک اقلیتی انگریزوں پر مشتمل تھے۔ جہاز کا کپتان کردائی نسل کا مقدسین قدامت پرست تھے۔ ساتھ دیر تک باقی کیا کرتا۔ ایک دن مجھے ایک کشتی میں جا کر کھنے لگا،

دیکھو البانیہ قریب آگیا۔ یہ کشتی گریبان کسی کشتی بھی نہ کھولنا جو سوسوں کی کشتی تھی۔ البانی پولیس تھیں زیادہ تنگ نہیں کرے گی۔ بالکل بالکل کشتی کو اندر ہی رات میں ڈوگولیاں تھامیں گی۔ کشتی کو قدامت پرست قدامت پرست چاہیں۔ تمنا کا کام تمام ہو جائے گا مگر قیامت کبھی نہیں پلے گا کہ یہ گولیاں کہاں لے آئی تھیں؟

ہمارا جہاز پہلے خطاؤں میں رکا۔ پھر بمباری کے خطاؤں میں پڑا۔ میں ٹھرا۔ مجھے ہم بندہ گاہ و دماند کے سامنے کھڑے تھے۔ سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ بعد ازاں آخر میں پتہ چلے کہ جہاز کا پانی خشک ہو گیا۔

یہ شہر ترکی کی قصبات کا منظر پیش کرتا ہو۔ تنگ گھوٹی چلی شہر میں، اچھی بریچوٹی چھوٹی دکانیں، دکانوں میں دکاندار اپنے کاموں میں ٹھیک اسی طریقہ پر مشغول جیسے وہیں پہلے آئے آبار و اجاد تھے۔ کس طرح کی ٹوپیاں پہن رہی ہیں۔ کس طرح کی سامان لیا رہا ہو رہا ہو۔ کس طرح کے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ کس کھار بیٹھا اپنا آواز اٹھاتا ہو۔ کس طرح کی ترکاری دالے بھی دکان لگائے بیٹھے ہیں۔

موجی جوتے کا گنڈ ہے ہیں۔ پھر ان سب کے سامنے ایک بڑے آواز سنائی نہیں دیتی۔ تاہم پورے اطمینان سے اس کے ہونے کو شہر کے قدرتی مناظر نہایت دلچسپ ہیں۔ ساجد کے ساتھ لے فضا میں بلند ہو کر منظر ادبھی زیادہ دلچسپ بنا دیا ہو!

شہر کے سامنے ایک وسیع میدان ہو۔ اس میں ایک چھوٹی سی عمارت کھڑی ہو اور سینما کی عمارت معلوم ہوتی ہو، حالانکہ وہ اصل ملک کی پارلیمنٹ ہو۔

پارلیمنٹ کے کچھ اوڑھے ہوئے کپڑے ہیں۔ حال ہی میں تیار ہوئی ہیں اور شرمک شرمک دروازے کھول کر کھڑی ہیں۔

میں نے اپنا اسباب شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں کھا اس ہوٹل کا نام "بین الاقوامی" ہوٹل ہو۔ لیکن وہ ترکی ہواؤ اس کی ہر چیز بھی ترکی ہو۔ ہوٹل، میدان کے سامنے جو میدان میں موٹر کاروں کا جھم جھم رہتا ہو۔ یہ تمام موٹریں بہت پڑانی اور جنگ عظیم کی میراث ہیں۔

عورتیں صاف پانی پھرنے کے لئے چشمیں پر جوتی جوتی جاتی ہیں۔ مگر کیا حال کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر آجائے۔ ہر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپیٹی ہوئی، کتنی کتنے بھی چھپا کر صورت ایک طرف کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، آنکھیں آنکھیں کی صورت

لے مصلحتیں! اس مخلوق پر دم کھاؤ، جس کا نام قدامت ہے۔
جو۔ یہ تمہاری نظروں میں ایک پرانی فحش ہی کیوں نہ ہو کہ ہے
تمہارے ہی ماضی کی فحش! اس کی حفاظت کرو۔ اسے ابدی طور پر
میں جلدی نہ کرو۔ اگر یہ نابود ہوگئی، تو قدامت کی فحش کے ساتھ
قدامت کی روح بھی نابود ہو جائے گی!

احمد زو غو کی مملکت "البانیہ"

البانیہ میں سفر بہت تکلیف دہ ہے۔ سمندر سے سفر کی سہولت
یہ ہے کہ لوگوں کو سلاوی جہاز ہر ہفتہ یونان جاتے ہوئے البانی ساحلوں
پر بھی رکتے ہیں۔ یہی راستہ میں نے اختیار کیا۔ لوگوں کو سلاوی بندر
آگیر سے سوار ہوا اور البانی ساحل دروازوں میں آگرا۔

میرے ساتھی مسافر ایک آمد کی آٹھ گھنٹوں پہلے جاتے
تھے۔ جہاز کا کپتان کردائی نسل کا مقدونین تھا جس نے اس کو ہمارے
ساتھ دیر تک بائیں کیا کرنا۔ ایک دن مجھے ایک کشتی نے میں لپکا کر
کہنے لگا:

"دیکھو البانیہ قریب آگیا۔ یہ دیکھو گریبان کی قوت
بھی نہ کھولنا۔ جاسوسوں کو پھانسی دینا۔ البانی پولیس ہمیں
زیادہ تنگ نہیں کرے گی۔ لیکن بالکل اس میں کہ اندھیری رات
میں دو گولیاں ہوا میں آگیا۔ اس نے ہمارے ساتھ ساتھ قوت
جائیں۔ تمہارا کام تمام ہو جائے گا مگر قیامت تمہارے پیٹ میں پلے
گا کہ یہ گولیاں کہاں سے آئی تھیں؟"

ہمارا جہاز پہلے آٹھ گھنٹوں میں دکانوں سے گزرا۔ پھر ہر ہفتہ صبح
میں ٹہرا۔ صبح کے چھ بجے ہم بندر گاہ دور اند کے سامنے تھے۔ یہاں
سے سخت تکلیف دہ سفر کے بعد آخر ٹیرا پینچ گئے، جو البانیہ کا
پائے تخت ہے۔

یہ شہر ترکی قبضات کا منظر پیش کرتا ہے۔ تنگ گھوٹی ہوئی
سڑکیں، وہاں پر چھوٹی چھوٹی دکانیں، دکانوں میں دکاندار اپنے
کاموں میں ٹھیک اسی طریقہ پر مشغول ہیں جیسے صدیوں پہلے ان کے
آباؤ اجداد تھے۔ کہیں لڑکی کو ٹوپیاں پہن رہی ہیں۔ کہیں لڑکی کا
سامان تیار ہو رہا ہے۔ کہیں کھانے کے ظروف بنائے جا رہے
ہیں۔ کہیں کھانا پکانا آٹھ گھنٹوں کے ساتھ ہی تیار کر دیا
دائے بھی دکان لٹکائے بیٹھے ہیں۔ جگہ جگہ پر گھر پر گھر پر

ہو جی جوئے کا گھٹھ ہے۔ پھر ان کے سامنے دکانوں پر گھڑیاں
پڑے آواز سنائی دیتی ہے۔ تاہم پورے اطمینان کے ساتھ
ہو کر شہر کے قدرتی مناظر نہایت دل فریب ہیں۔ ساجد کے مینار
نے فضا میں بلند ہو کر منظر اور بھی زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے۔

شہر کے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ اس میں ایک چھوٹی سی
عمارت کھڑی ہے اور سینما کی عمارت معلوم ہوتی ہے، حالانکہ وہ
اصل ملک کی پارلیمنٹ ہے۔

پارلیمنٹ کے چھوٹے فوکلے بائیں ہیں۔ حال ہی میں تعمیر
ہوئی ہیں اور شہر کی شب و روز بگڑا کر کرتی ہیں۔

میں نے اپنا اسباب شہر کے سٹ سے بڑے ہوٹل میں کھا
اس ہوٹل کا نام "بین الاقوامی" ہوٹل ہے۔ لیکن وہ ترکی ہواؤ
اُس کی ہر چیز بھی ترکی ہے۔ ہوٹل، میدان کے سامنے ہے میدان
میں موٹر کاروں کا جھوم رہا ہے۔ یہ تمام موٹریں بہت پُرانی
اور جنگ عظیم کی میراث ہیں۔

موٹریں صاف پانی بھرنے کے لئے چشموں پر جوت جوت
جاتی ہیں۔ مگر کیا حال کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر آجائے۔ سڑ
سے پاؤں تک کپڑوں میں لپیٹی ہوئی، کشتی کو نہ بھی چھپائے ہوگا
صوت ایک طرف کی آنکھ کھلی ہوئی ہے۔ آہٹ کی آنکھ مضرب کی

50

Checked 1965

اولیٰ کیسیر دانی الارض فی نظر کیف کان عاقبة الذين من قبلهم؟

(۸-۳۰)

سیاحان عالم کے مشاہدات

ایک مصری سیاح کے مشاہدات

ٹیونس اور البانیہ

Checked 1978

Checked 1965

Checked 1965

ٹیونس

اگر الجزائر فرانس کا محکمہ ہے تو ٹیونس بھی فرانس کے جولان ملکیت
سے پالا ہو چکا ہے۔ جو فرانسیتھی یہاں ہیں وہی فرانسیتھی وہاں بھی
ہیں۔ محکومی اور ماتحتی، موت کی طرح سخت اور سخت رفتار ہے۔
ایک خفیہ زہر ہے۔ دوسرا ملائیم ہے۔ لہذا کچھ عجیب نہیں اگر دونوں
ملکوں کی زندگی باہم مشابہ ہو۔ بلکہ پہلی نظر میں تو دونوں کی زندگی
ایک ہی طرح کی معلوم بھی ہوتی ہے۔ لیکن میرے خیال میں باوجود
اس گہری مشابہت کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک باری سوز
کی پڑائی ہے، دوسرے کی مہر سے بھی کم کی ہے۔ ٹیونس میں جدید
زندگی کے مبادیات موجود ہیں، اور امیدوں کے لئے بھی دینیسی
یاد دیاں ہیں یہی جیسی الجزائر اور مراکش میں محسوس ہوتی ہیں۔

ٹیونس کی بیداری ٹیونس قوم کی سعی و محنت کا نتیجہ ہے۔ شہر
افریقہ میں فکر کی یکسانیت سے مظلومیت کی حالت یکساں نہیں ہو
جاسکتی تھی۔ مراکش، الجزائر، ٹیونس،黎巴嫩، ان تمام مقامات میں
یورپین استعمار یکساں قوت و حوصلہ کے ساتھ نمودار ہوا لیکن
ان تمام مختلف مقامات کی جماعتی حالت و استعداد یکساں نہ تھی۔

ٹیونس کی بیداری کے اور بھی متعدد اسباب ہیں۔ بعض قوی
ہیں۔ بعض ضعیف ہیں۔ بعض اچھے ہیں، بعض برے ہیں۔ بعض غلط
ناتج کے حکم میں داخل ہیں۔ بعض سم قابل کا حکم رکھتے ہیں۔ کبھی
برائی سے بھی بھلائی پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی زہر سے بھی شفا حاصل ہوتی
ہے۔ جب خدا کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو ہر چیز اُس کی خدمت گزار
ہو جاتی ہے۔ ہر راہ اُسے منزل مقصود کی طرف پہنچاتی ہے۔ لیکن
جب کسی قوم کی تباہی کے دن آجائے ہیں تو ہر چیز اُسے نقصان
پہنچاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے ٹیونس پر خدا کی مہربانیت ہے۔ اچھی
اُس کے سامنے بھلائی اور ترقی کی راہیں کھلی چلی جاتی ہیں۔

ٹیونس میں مدرسے ہیں اور قوم میں علم و نور پھیلا رہی ہیں۔
ٹیونس میں عربی اخبارات ہیں، اور اگرچہ بہت پست اور بے لغت
ہیں، لیکن بہر حال ملک کی بیداری کا سرچشمہ ہیں۔ ٹیونس میں ایک
کسی بھی ہے، جسے "تخت شاہی" کہتے ہیں۔ اُس پر ایک ٹیونسی شہر
بھی رکھی دیتی ہے، جسے بادشاہ یا دہان کی اصطلاح میں "بانی" ہے۔

کہتے ہیں۔ اُس کے سر پر ایک غلات بھی چڑھا ہے۔ اُسے "تاج" کہتے
پکارتے ہیں۔ "بانی" کی پیش و عشرت بالکل دیسی ہی ہے جیسی مشرقی
بادشاہوں کی ہوا کرتی تھی۔ بہت سے ابن الوقت اس کے محل کا
اُسی طرح طوفان کرتے ہیں جس طرح سون کعبہ کا طوفان کرتے ہیں۔
اُس کے دروازوں اور چڑھنوں کو چوستے ہیں اور جہز و ثواب کی
امیدیں رکھتے ہیں!

ٹیونس میں نوجوان بھی ہیں۔ قریب ہر کہ اُن کی آنکھیں کھل چکی
اور "زندگی" کا جلوہ دیکھ لیں۔ ٹیونس میں ترقی کا جذبہ بھی موجود ہے
اگر محکومی کی بندش ذرا بھی ڈھیلی ہو جائے تو قریب ہر کہ خوب پھلے
اور پھولے۔ مگر موجودہ قید و بند بھی اُسے روک نہیں سکتی۔ یہ جذبہ،
سنگ حقائق کی طبیعت رکھتا ہے۔ جتنا رگڑا جائے، اتنا ہی چمکتا
اور شعل ہوتا ہے!

ٹیونس کی بیداری کا ایک سبب، اجنبی تسلط و جبر بھی ہے۔ ٹیونس
خواب خرگوش میں پڑا سو رہا تھا۔ اجنبی قوتوں نے گرجکر اُسے بیدار
کر دیا اور اس طرح بیدار کیا کہ پھر اُس کی آنکھیں بند نہ ہوئیں۔ اجنبی
تسلط و استبداد قوموں کے لئے تازیانہ عبرت ہوتا ہے، اور لائق
قوموں کے لئے پیام ہلاکت!

ٹیونس کی بیداری میں تقلید و جمود اور قدامت پرستی کے عناصر
کو بھی برا دخل ہے۔ ٹھیک اُسی طرح جس طرح یہ عناصر مصر کی موجود
بیداری کا ایک سبب بن گئے ہیں۔

اس دنیا میں شریکوں کا وجود نہیں۔ تقلید و جمود اور قدامت
پرستی میں کتنا ہی بڑا شرکوں نہ ہو، لیکن اس فتنے بھی موجود ہے۔
کسی قوم کے لئے مناسب نہیں کہ اپنا ماضی بالکل بھلائے۔ ماضی
اور قدیم کا صلح جو ہر ہیشہ قوم میں موجود رہنا چاہئے، ورنہ قوم
اپنی قومیت کی اساسی روح سے محروم ہو جائے گی۔ یہ قدامت
پرست طبقہ اپنے اندر ماضی اور قدیم کی فحش محفوظ رکھتا اور قوم
کو اُس کے اصلی خط و خال دکھانا دھتا ہے۔ یہ طبقہ کتنا ہی مغرور
مگر اس سے یہ فائدہ ضرور ہے کہ ماضی اور قدیم کی یاد فراموش
ہوئے نہیں باقی، اور بغیر طلب و قوتوں کی بے اعتدالیان اعتدال
کی حالت پیدا کر لیتی ہیں۔

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر

مشاہیر عالم اپنے اوقات و قایل

حسین بن علی علیہما السلام

۲

آنکھ ایک دن میں نے چند عورتوں کی تصویر آنا مانا چاہی۔ ان کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ انہوں نے مجھے گھونٹے دیکھا کر دم مٹا اور منظر کا ایاں دینا شروع کر دیا!

رات کو شہر میں بڑی چل پہل ہوتی جو۔ پوری آبادی معلوم ہوتا جو، باہر نکل آتی۔ امراء، سکون دودے پلٹے ہیں۔ ہر ایک کے آگے پیچھے حبشی خواجہ سرا لکڑیوں لے جاتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی جگہ پر البانہ کا پادشاہ معلوم ہوتا جو۔ اس وقت عورتیں بھی چل نکلتی کرتی نظر آتی ہیں۔ بڑی بڑی سیاہ چادریں اڈرہ ہوئی ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ مرغوب خارجی آرائش یہ ہو کہ رات کو بھی جھیراں لگاتے رہیں!

پورا ایک سلسلہ ہو۔ ایک آدمی بھی ہنسا دکھائی نہیں دیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ طرط اس ان تمام ہی سیر کوئی اپنی جان کو ڈرنا ہے، اور کسی پر گواہی دیتی نہیں کرتا۔ میں ٹیڑھا ہوں دھنستے رہا مگر میں نے ایک دن بھی بازاروں میں جھگڑا مٹا نہیں سچھا۔

البانہ کے باشندے عموماً بڑے دیانت دار ہوتے ہیں اور ان کی کبھی کوئی بے پرواہی نہیں ملتی۔ مکاروں کے دروازے عموماً شب کو بند ہوتے ہیں۔ فصل لکھنے کا رواج تقریباً مفقود ہو۔

ایک اجنبی کے لئے جس کا نام نہ تھا میں خرید و فروخت بہت مشکل ہو۔ تمام یورپ اور آرمینیا کے طلائی، چاندی، اور نکل کے سکے چلتے ہیں۔ آدمی جب تک ان تمام سکوں سے کوئی وقت نہ ہو جوئے شمار قسم کے ہیں، لیکن میں نہیں کر سکتا۔ مگر اگلے کچھ روز میں نے نوٹ خریدے جو چھاپا ہو خرید۔ دکاندار جو سکے بھی لے لے لے گئے۔

ناممکن ہو گئیں کبھی دھوکا دیا جائے۔ ایک دن میں نے نوٹ خریدے دکاندار نے میرے نوٹ کی رنگاری دیکھ کر ہنسی دے دی۔ اس نے کہا کہ اگر تم اس کو دے دے تو میں اس کے بدلے میں نوٹ دے دوں گا۔ اور صریح (دروازے) کے بدلے میں نوٹ دے دوں گا۔ گئے جیب میں کھری اور روانہ ہو گیا۔ اچھی طرح دیکھا کہ وہی نوٹ تھا کہ تیجھے سے آواز آئی کہ اس کے نوٹ میں چار آدمی بے تحاشا دوڑتے چلے آئے ہیں۔ اس نے کہا کہ وہی نوٹ ہے۔ میں رک گیا۔ کیا دیکھتا ہوں۔ اس نے کہا کہ اس کو اس کے پاس رکھو۔

”خدا کی قسم! اس وقت سے انھیں نئی کر کے کہا۔ مجھ سے کہیں بڑا ہی بیوقوف ہوں۔ بازار میں بیٹھے آپ کو کم رقم دی ہو۔ یہ لیجئے آپ کے دام ہیں۔“

لیکن پراس البانہ کے سربراہ جنگ کا بیٹھ چڑھ رہا ہے۔ تیرا اڑت فوج سے لبریز ہے۔ شب در در جنگی قوا اعداد اور جنگی مظاہرے ہو رہے ہیں۔ تمام فوجی باریکس یا ہوں سو پڑیں حتیٰ کہ اکثر سجدیں بھی کیا ہوں کے لئے خالی کر دی گئی ہیں۔

مگر یہ جنگی تیاریاں کیوں ہیں؟ ”لوگو سلاویا کی طرف سے اندیشہ ہو“ یہ جواب دیا جاتا ہو۔ مگر یہ پوری حقیقت نہیں ہو پوری حقیقت کچھ اور ہے۔ اور وہ یہ ہو کہ احمد زوغو کو اپنی شخصیت بڑانے کی فکر ہو۔ ترکی کے مصطفیٰ کمال، الملی کے موسولینی، این کے برائو ڈیروا کی طرح احمد زوغو بھی البانہ کا مطلق العنان ڈیکٹیٹر ہو۔ مگر وہ اس منصب پر قائل نہیں۔ وہ البانہ کا نہیں بننا چاہتا ہو۔ تاج شاہی کے لئے اس کا سر مضطرب ہو۔ وہ چاہتا ہے، تلوار کی نوک سے ایک طلائی تاج اٹھائے اور اپنے پرور رکھے!

احمد زوغو کا خاص باڈی گارڈ بہت ہی خوفناک ہو۔ تین ہزار زبردست سپاہی اس کی شہ در حفاظت کرتے ہیں اس کے محل کے سامنے ایک مکان میں اس کی اس رہتی ہو۔ مذرا اس کی

آ کی حسرت اور اصحاب کی وفاداری!

فوج کی داپسی کے بعد رات کو اپنے اپنے ساتھی جمع کئے اور اور خطبہ دیا:

”خدا کی حمد و ثناء اللہ کرتا ہوں، رنج و راحت ہر حال میں اس کا شکر گزار ہوں۔ الہی! تیرا شکر کرتے ہوئے ہمارے گھر کو نبوت کو شرف کیا، قرآن کا فہم عطا کیا۔ دین میں سچ بختی، اور ہمیں کچھ سننے اور عبرت پڑنے کی قوتوں سے سرفراز کیا۔ اما بعد۔ لوگو! میں نہیں جانتا آج روئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر بھی لوگ موجود ہیں، یا میرے اہل بیت سے زیادہ ہمدرد اور غم گسار اہل بیت کسی کے ساتھ ہیں۔ لے لوگو، تم کو اس امر میری طرف سے بڑا خیر ہے! میں سمجھتا ہوں کل میرا ان کا فیصلہ ہو جائے گا۔ غور و فکر کے بعد میری رائے یہ ہو کہ تم ب خاموشی سے نکل جاؤ۔ رات کا وقت ہو۔ سرے اہل بیت کا ہاتھ بچو اور تاریکی میں ادھر ادھر چلے جاؤ۔ میں خوشی سے تمہیں نصحت کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ حسرت مجھ چاہتے ہیں میری جان لے کر تم سے غافل ہو جائیں گے۔“

یہ سن کر آپ کے اہل بیت بہت رنجیدہ اور غمیں ہوئے خضر عباس نے کہا ”یہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ ہم آپ کے بعد زندہ پڑیں خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے!“

حضرت نے سلم بن عقیل کے رشتہ داروں سے کہا ”لے دو لا و عقیل! اس کو قتل کا کافی ہو۔ تم چلے جاؤ۔ میں نے تمہیں اجازت دی“ وہ کہنے لگے ”لوگ کیا کہیں گے؟ یہی کہیں گے کہ ہم اپنے شیخ، سردار، اور غم زادوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے ہم نے ان کے ساتھ نہ کوئی تیرہ بیٹھا، نہ نیزہ چلایا، نہ تلوار لگھائی۔ نہیں دامیہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہمتو آپ پر اپنی جان، مال، آل و لا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔ جو آپ پر گزرے گی وہی ہم پر بھی گزرے گی۔ آپ کے بعد خدا ہمیں زندہ نہ رکھے!“

آپ کے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ سلم بن عجمہ اسٹہی کہا: ”کیا ہم آپ کو چھوڑ دیں گے؟ حالانکہ اب تک آپ کا حق انہیں کر سکے ہیں۔ دامنہ نہیں، ہرگز نہیں۔ میں اپنا نیزہ ان شہر کے سینے میں توڑوں گا۔ جب تک قبضہ ہاتھ میں رہوگا، تلوار

چلا رہوں گا۔ ہنسا ہو جاؤں گا تو پتھر پھینکوں گا۔ یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے!“

سعد بن عبداللہ الحنفی نے کہا ”والہم آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک خدا جان نہ لے کہ ہم نے رسول اللہ کا حق محفوظ رکھا۔ والدہ اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا، چلایا جاؤں گا، آگ میں بھونا جاؤں گا، پھر میری خاک ہوا میں اڑادی جائے گی۔ اور ایک مرتبہ نہیں۔ ۷ مرتبہ مجھ سے یہی سلوک کیا جائے گا۔ پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپ کی حیات میں فنا ہو جاؤں۔“

زہیر بن العقیل نے کہا ”بخدا اگر میں ایک ہزار مرتبہ بھی آپ سے جیرا جاؤں تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ خوش نصیب! اگر میرے قتل سے آپ کی اور آپ کے اہل بیت کے ان نوہاؤں کی جائیں بچ جائیں!“ (ابن جریر کامل، شرح صحیح البلاغہ وغیرہ)

حضرت زینب کی بیچھنی اور آپ کا تھوہ صبر حضرت زین العابدین سے روایت ہو کہ جس رات کی صبح میرے والد شہید ہوئے ہیں، میں بچا تھا اور میری بچھنی زینب میری تیار وادی کر رہی تھیں۔ اچانک میرے والد نے خیمہ میں اپنے ساتھیوں کو طلب کیا۔ اس وقت خیمے میں ابوذر غفاری کے قلم حوی تلوار اصات کر رہے تھے اور میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے:

یاد ہرات لک من خلیل یا کم لک بالاشراق والاضل

لے زانہ! تیرا راہو، تو کیا یوفادوت ہو! صبح اشد شام تیرے ہاتھوں

من صاحب اوطالب قتل والدہم لا یقنع بالبدیل!

کتے اے جاتے ہیں؟ زانہ کسی کی ریتا نہیں کرتا۔ کسی سے عزم قبول نہیں کرتا۔

دامنا اللہ الرالی الجلیل دکل حی سالک اسبیل!

اور سالامہ! اللہ کے ہاتھ میں ہو۔ ہر زندہ ہو تو کی راہ پر چلا جاؤ!

تین چار مرتبہ آپ نے یہ شعر پڑھئے۔ میرا دل بھر آیا۔ انھیں ڈبڈبائیں۔ مگر میں نے اسنو روک لئے۔ میں سمجھ گیا مصیبت ملنے

والی ہیں۔ میری بچھنی نے یہ شعر سننے وہ بے قابو ہو گئیں بے

اختیار و ڈوڑتی ہوئی آئیں اور شہید و فریاد کرتے لگیں۔

حضرت امام نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا۔ ”لے رہیں یہ کیا حال

ہو؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ لعل شیطانی کی بے عبریاں چلے یا ان

و اشتقاق پر غالب آجائیں!“ انہوں نے روئے ہوئے کہا:

۲ ملاقات کو پہنچا۔ مگر اس طرح اس کے

المال کی تین مکمل جلدیں

گاہے گاہے باز خواں میں دفتر یا رہنما
تازہ خواہی داشتن گردا غمائے سینہ را
المال کی پہلی اور دوسری اشاعت کی جلدوں کے کوشائیں
علم و ادب شائق تھے چند جلدیں جو دفتر بیکار سکا جو جیل جیت پر بھی
جاسکتی ہیں:

المال جلد سوم
جلد چہارم
جلد پنجم
قیمت فی جلد ۱۰ روپیہ
البلاغ (یعنی المال کا دوسرا سلسلہ اشاعت) ۸ روپیہ (نچوالمال)

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

سہ وقت دنیا میں بہترین فائنٹن قلم
امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت
یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں
ہو سکتا

(۲) آتنا منسوبہ کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی
زندگی بھر کام لے سکتا ہے

(۳) آتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری
بیل بوٹوں سے مزین کہ آتنا خوبصورت قلم
دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو
آپ کو "شیفر" کا
"لائف ٹائم"
لینا چاہئے!

اگر آپ کو

دست

(ضیق نفس)

یا

کسی طرح کی بھی مہموبی کھانسی کی
شکایت ہو، تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے
سے قریب دوا فروش کی دکان

سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی مشہور عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی تیار کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما

(گائیڈ بک)

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں
ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آمار قدیم و غیرے

آپ کو مطلع کرے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی
جاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک

ڈنلاپ گائیڈ بک برٹین

THE DUNLOP
GUIDE
TO GREAT BRITAIN

کادوئسٹراٹیشن ہو

ہندوستان

کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے
بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے مال فروشوں سے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں پہنچانے کا شرف حاصل ہے! انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوتا ہے۔

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی، اور سستے سے سستے طبع

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں ہے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے۔

”کیونکہ اس حالت پرصر کیا جائے کہ آپ اپنے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں؟
آپ نے کہا ”شیت کا ایسا ہی فیصلہ ہو“ اس پر ان کی بقیہ راہیں اندر زیادہ
بڑھ گئیں اور شیت غم سے بے حال ہو گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے ایک
طوفانی تیز صراحتاً فرمائی۔ آپ نے کہا ”ہن اعدا سے ڈر، خدا
کی تعزیت سے تسلی حاصل کر۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لئے ہو سکتا
والے بھی ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے
خیال سے اس قدر رنج و بے قراری کیوں ہو؟ دیکھ، ہمارے لئے،
اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مسو
حسنہ ہے، یہ نہ تو ہمیں کیا سکھاتا ہے؟ یہ ہمیں ہر حال میں ہر شے
اور توکل و رضائے تعلیم دیتا ہے۔ چاہئے کہ کسی حال میں بھی اس کو متن
نہ ہوں“ (یعقوبی دین جبر)

پوری رات عبادت و تلاوت میں گزاری

پوری رات آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے نماز، استغفار اور
دعا و تضرع میں گزاری۔ رات کتنا ہی دشمن کے سوار رات بھر تار
لشکر کے گرد چکر لگاتے رہے۔ حضرت جبریلؑ بلند آواز سے یہ آیت پڑھ
لے تھے ”الایحیون الذین کفرو انما علیہم وحیہ لا ینفکون
انما علیہم الوحیہ واداء انما لہم عذاب مہین۔ ما کان اللہ لید
الموتین علی ما انتہر علیہ حتی یصلی الخلیفۃ من الطیبین“ دشمن
کے ایک سوار نے یہ آیت سنی تو چلا کر کہنے لگا ”قسم رب کعبہ کی، ہم ہی
طیب ہیں، اور تم سے الگ کر دینے گئے ہیں!“

عشرہ کی صبح

جمعہ یا سینچر کے دن دسویں محرم کو نماز فجر کے بعد عمر بن سعد اپنی
فوج لے کر نکلا۔ حضرت حسین نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں
ان کے ساتھ صرف ۳۲ سوار، ۴۰ پیادے، ۲ آدمی تھے۔ سینچر
پر نہر بن لہوین کو مقدر کیا۔ میسر، جبکہ یہ منظر کے سپرد کیا۔ علم اپنے
بھائی عباس بن علی کے ہاتھ میں دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر
اس میں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا گیا تھا اور آگ جلا دی تھی تاکہ
دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

شمر کی یادہ گوئی

فوج سے شمر بن ذی الجوشن گھوڑا دوڑا آ نکلا۔ آپ کے لشکر کے
گرد پھرا اور آگ دیکھ کر چلایا ”لے جین ا قیات سے پہلے ہی تو نے
آگ قبول کر لی؟“ حضرت نے جواب دیا ”لے چر داسے کے لڑکے!
تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے!“ مسلم بن عوف نے عرض کیا ”مجھے اجازت
دے دیجئے اے تیرا لڑکا لڑاؤں۔ کیونکہ بالکل زبردستی، حضرت نے
منہ کیا ”ہیں۔ میں لڑائی میں پہل نہیں کر دوں گا“ (ایضاً)
دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے!

دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھ کر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیے
”اللہ! ہر مصیبت میں تو ہی میرا بھروسہ ہو! ہر سختی میں تو ہی میرا پشت
پناہ ہو! کتنی مصیبتیں تیریں، دل کو درد ہو گیا، تدبیر نے جواب دے دیا،
دست نے ہونانی کی، دشمن نے خوشیاں چھائیں، مگر میں نے صرف
تجھی سے التجا کی اور تو نے ہی میری دست گیری کی! تو ہی ہر نعمت
کا مالک ہو۔ تو ہی ارحم الراحمین والا ہو۔ آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے!“
(شرح نوح البلاغ)

دشمن کے سامنے خلیہ

جب دشمن قریب آ گیا تو آپ نے اٹھی طلب کی۔ سوار ہوئے۔ قرآن

لے دشمن یہ خیال نہ کریں کہ ہاری ڈھیل ان کے لئے بھلائی ہے۔ ہر طرف ہاں
لے ڈھیل لے رہے ہیں کہ ان کا جرم اور زیادہ ہو جائے۔ خدا زمین کی کسی مٹا
میں چھوڑ رکھنے والا نہیں ہو۔ وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دے گا۔

سامنے رکھا، اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز
سے یہ خطبہ دیا:

”لوگو! میری بات سنو۔ جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کر لینے دو۔
اپنا عذر بیان کرنے دو۔ اپنی آمد کی وجہ کہنے دو۔ اگر میرا عذر مقبول
ہو، اور تم اسے قبول کر سکو، اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو یہ تھار
لئے خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور تم میری مخالفت سے باز آ جاؤ گے
لیکن اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے
سے انکار کرو، تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہو۔ تم اور
تمھارے سارے ساتھی ایک کر دو، مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے ذرا بھی ملت
نہ دو۔ میرا قتاد ہر حال میں صرف پروردگار عالم پر ہو اور وہ نیکو
کاروں کا حامی ہے“

آپ کی اہل بیت نے یہ کلام سنا تو شدت تاثر سے بے اختیار
ہو گئیں اور خیر سے آہ بھجائی کہ بلند ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی عباس
اور اپنے فرزند علی کو بھیجا تاکہ انھیں خاموش کر آئیں۔ اور کہا ”بھی
انھیں بہت ردنا باقی ہے“ پھر بے اختیار پکار اٹھے ”خدا عباس
کی عمر دراز کرے“ یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس کی۔ رات کتنا ہی
یہ جملہ اس لئے آپ کی زبان سے نکل گیا کہ مدینہ میں عبداللہ ابن عباس
نے عورتوں کو ساتھ لیجانے سے منع کیا تھا۔ مگر آپ نے اس پر توجہ نہ کی
تھی۔ اب ان کا خزع و فزع دیکھا تو عبداللہ ابن عباس کی بات
یاد آ گئی پھر اپنے از سر نو تقرر شروع کی:

”لوگو! میرا حب لب یا درو۔ سوچو میں کون ہوں؟ پھر اپنے
گیاہوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کر دیا
تمھارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا اور اسے
کیا میں تمھارے نبی کی لڑکی کا بیٹا، اس کے عم زاد کا بیٹا نہیں
ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالحجہ
حین جعفر الطیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ کا یہ
مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں ملے
تھے ”سید شباب اہل الجنۃ“؟ (جنت میں نو عمروں کے سردار)
اگر میرا یہ بیان سچ ہے، اور ضرور سچا ہے کیونکہ داند میں ہوش
سنبھالنے کے بعد سے لے کر آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتلاؤ،
کیا تمھیں برہنہ تلواریں میرا استقبال کرنا چاہئے؟ اگر تم میری
بات یقین نہیں کرتے تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق
کر لے سکتے ہو۔ جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھو۔ ابوسعید خدری
سے پوچھو۔ سہل بن سعد عدی سے پوچھو۔ زید بن ارقم سے پوچھو
النس بن مالک سے پوچھو۔ وہ تمھیں بتائیں گے کہ انھوں نے میرے
اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے یا
نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمھیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟
واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا
موجود نہیں۔ میں تمھارے نبی کا بلا واسطہ نواسہ ہوں! کیا تم مجھ
اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا
خون بہایا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے؟ کو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصہ
کیا ہے؟

کوفہ والوں کا جواب

آپ نے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ آخر آپ نے بڑے
بڑے کوفیوں کو نام لے کر پکارنا شروع کیا تاکہ شیت بن لہو
لے جابجاء ابھرا لے قیس بن الاشعث لے زید بن الحارث!
کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ ”پہل پک نمے، زمین سرسبز ہوگی،
نہیں اہل طبرستان! آپ اگر آئیں گے تو اپنی فوج جرار کے پاس
آئیں گے۔ جلد آئے۔ اس پر ان لوگوں کی زبانیں ٹھٹھکیں، اور انھوں

نے کہا ”ہرگز نہیں، ہم نے تو نہیں لکھا تھا کہ آپ چلا آئے“ یہاں
اللہ یہ کیا جھوٹا ہوا دہرا، تم ہی نے لکھا تھا!“ اس کے بعد اپنے
پھر پکار کر کہا: ”اے لوگو! چونکہ تم اب مجھے ناپسند کرتے ہو اس لئے
بترسہ کہ مجھے چھوڑ دو، میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں“

ذلت منطوق نہیں

یہ منکر قیس بن الاشعث نے کہا ”کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے
آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالہ کریں؟ وہ دہی بڑا ذکاوت رکھتے جو
آپ کو پسند ہو۔ آپ کو ان سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا“
آپ نے جواب دیا ”تم سب ایک ہی تھلی کے چنے بنے ہو۔ لے غصہ
کیا تو یہ چاہتا ہے کہ کسی ہاشم مجھ سے مسلم بن عقیل کے ہوا ایک اور
خون کا بھی مطالبہ کریں؟ نہیں! اللہ! میں ذلت کے ساتھ اپنے
آپ کو کبھی ان کے حوالے نہیں کر دوں گا“ (ابن جریر)
یہ کہہ کر آپ نے اٹھی تھادی۔ عقبہ بن سحمان کو حکم دیا کہ اسکی
کونچیں بازو سے اودھ بکھا کر دشمن کے لشکر نے آپ کی طرف حرکت
شروع کر دی ہو۔

زہیر کا کوفہ والوں سے خطاب

زہیر بن لہوین اپنا گھوڑا بڑا کر لشکر کے سامنے پہنچے اور چلاؤ
”لے اہل کوفہ! عذاب الہی سے ڈرو! ہر مسلمان پر اپنے بھائی
کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو، اس وقت تک ہم سب بھائی بھائی
ہیں، ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ پر قائم ہیں جب تک تلواریں
نیام سے نہیں نکلتیں۔ تم ہماری نصیحت اور خبر خواہی کے ہر طرح
حقدار ہو۔ لیکن تلوار کے درمیان آتے ہی ابھی حرمت ٹوٹ جاو
گی اور ہم تم الگ الگ دو گروہ ہو جائیں گے۔ دیکھو خدائے ہمارا
اور تمھارا اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔
ہم تمھیں اہل بیت کی نصرت کی طرف بلاتے اور سرکش عبد اللہ
بن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو، ان حاکموں
سے کبھی تمھیں کوئی بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہ تمھاری آنکھیں پھوٹیں
گے، تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، تمھارے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے،
تمھیں درختوں کے تنوں پر پھانسی دیں گے، اور نیکو کاروں
کو جن جن کو قتل کریں گے۔ بلکہ وہ تو کب کا کر بھی چکے ہیں۔ ابھی حجر
بن عدی، ہاشمی بن عروہ وغیرہ کے واقعات اتنے پڑے ہیں
ہوئے ہیں کہ تمھیں یاد نہ رہی ہوں“

کوفیوں نے یہ تقریر سنی تو زہیر کو برا بھلا کہنے لگے اور انہیں
کی تعریفیں کرنے لگے۔ ”خدا ہم اس وقت تک نہیں ملیں گے جب تک
حسین اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کر لیں یا انھیں امیر کے
دروہ حاضر نہ کر دیں“ یہ ان کا جواب تھا۔

زہیر نے جواب دیا ”خیر، اگر ناطق کا بیٹا سمیٹے کے جھوکے
(یعنی ابن زیاد) سے کہیں زیادہ تمھاری حمایت و نصرت کا مستحق
ہو تو کم از کم اولاد رسول کا اتنا پاس تو کرو کہ اسے قتل نہ کرو۔ اے
اؤس کے عم زاد زید بن معاویہ کو چھوڑ دو تاکہ آپس میں اپنا معاملہ
طے کر لیں۔ میں تمھارے کتا ہوں کہ زید کو خوش کرنے کے لئے
یہ ضروری نہیں ہو کہ تم حسین کا خون بہاؤ“ (ابن جریر و شرح نوح
البلاغ)

حسین زید کی نفقت

عدی بن حرمہ سے روایت ہے کہ ابن سعد نے جب فوج کو
حرکت دی تو حسین زید نے کہا ”خدا آپ کو سناوے: کیا آپ
اس شخص سے واقعی لڑائی کر چکے؟“ ابن سعد نے جواب دیا ”ہاں
داند لڑائی! ایسی لڑائی جس میں کہے کہ یہ ہوگا کہ سرکٹیں گے اور
ہاتھ، شانوں سے اڑ جائیں گے“ ”خونے کہا“ کیا ان تین شرطوں

زیرِ سرگئی شہادت

لحے کی بات تھی۔ حُر زخموں سے چھد ہو کر گرے اور جان بحق ہو گئے۔ اب نذر کا وقت ختم ہو رہا تھا حضرت نے اپنے لڑکوں کے ساتھ صلوة الحنون پڑھی۔ بنا زکے بعد دشمن کا دباؤ زیادہ ہو گیا۔ اس موقع پر آپ نے مینہ کے پسلا مار ڈیہر میں مدد ماننے لگے، اچانک ہوا بولے لالہ اور شوخیتر مے کے فوجی

پر ٹوٹ پڑے:

انا نبرونا ابن القین اذ وہم بالسف عن حین
میں نبروں، ابن القین ہوں۔ ابنی تلوار کی نوک سے انھیں حق سے دھوکہ
صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ پھر لوٹے اور حضرت حسین کے شانے پر
ہاتھ مار کر جوش سے یہ شعر پڑھے:

اقدم دیت ہا دیا ہمدیا فالیوم تلتی جسدک البنا
بڑے، خدا نے مجھے دیت دی، آج تپانے انا جی ہو ملا تار کجا
حسنًا والمرقعی علیًا وذا الجناحین الفتی لکما
اور حسن سے اور علی کو تم سے، اور بہادر جوان جعفر طیار سے
واسد المرشد الشہید الحیا

اور زندہ شہید اسد المرشد ہے!
پھر دشمن کی طرف لوٹے اور قتل کرتے رہے یہاں تک کہ قتل ہو گئے!
غفاری بھائیوں کی بہادری
اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دشمن کو روکنا نامکن ہو چنانچہ
انھوں نے کیا کہ آپ کے سامنے ایک ایک کر کے قتل ہو جائیں۔ چنانچہ
دو غفاری بھائی آگے بڑھے اور لڑنے لگے۔ یہ شعر ان کی زبان
پر جاری تھے:

قد علمت حقنا بنو غفار وخذنت بعد بنی نزار
بنی غفار اور قبائل نزار نے اچھی طرح جان لیا ہو
لنفرین معشر الفجار بکل عصب صادم تبار
کہ ہم نے پانچ ہتھیار امداد سے فاجروں کے گھر پر اڑائیں گے
یا قوم ذود دماغ بنی الاحرار بالشری والحقنا الحطال
اے قوم! تلواروں اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کرو!

جابر بنی لڑکوں کی فداکاری

انکے بعد دو جابری لڑکے سامنے آئے۔ دونوں بھائی تھے۔ زنا
قطار رو رہے تھے۔ حضرت نے انھیں بکھا تو فرمائیے لگے۔ میرے
بھائی کے فرزند اب کیوں روئے ہو؟ واسد مجھے یقین ہوا ابھی چند
لحے بعد بھائی کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ انھوں نے گریہ سے
ٹوٹی ہوئی آوازیں عرض کیا۔ ہم اپنی جان پر نہیں روئے۔ ہم آپ پر
روئے ہیں۔ دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہو اور ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں
آ سکتے۔ پھر دونوں نے ٹری ہی شجاعت سے لڑنا شروع کیا۔ بار
بار جلاتے تھے۔ اسلام علیک یا ابن رسول اللہ! آپ جواب دیتے
تھے۔ وعلیک السلام دعوۃ الشہداء اور وہ دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے۔
آخر دونوں شہید ہو گئے۔

حفظہ بن اسعد کی شہادت

انکے بعد حفظہ بن اسعد، حضرت کے سامنے آکر کھڑے ہوئے
اور با داؤ بلند دشمن سے مخاطب ہوئے۔ اے قوم! میں ڈرتا ہوں خدا
و خود کی طرح تمھیں بھی دودھ نہ دیکھنا پڑے! میں ڈرتا ہوں تم
برباد نہ ہو جاؤ! اے قوم! حسین کو قتل نہ کرو، ایسا نہ ہو خدا تم پر عذاب
نازل کرے! بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے۔

علی اکبر کی شہادت

غرفہ کے بعد دیکھو تمام اصحاب قتل ہو گئے۔ اب بنی ہاشم
اور خاندان نبوت کی باری تھی۔ سب سے پہلے آپ کے صاحبزادے
علی اکبر میدان میں آئے اور دشمن پر چل گیا ان کا جزیہ تھا:
انا علی بن حسین بن علی عن رب البیت دلی البی
میں علی بن حسین بن علی ہوں۔ تم رب کعبہ کی ہم نبی کے ترکے زیادہ خدا ہیں
تا اسد لایکھ فینا ابن الدعی
تم خدا کی نافرمانی کے آپ کے کاٹنا میری حکومت نہیں کر سکتا!
بڑی شجاعت سے لڑے۔ آخر عمر بن سعد العبدی کی تلوار سے شہید

ہو گئے۔ ایک رادی کتا ہو میں نے دیکھا کہ خیمہ سے ایک عورت تیزی
سے نکلی۔ اتنی حسین تھی جیسے اٹھتا ہوا سورج! وہ چلا ہی تھی "آہ!
بھائی! آہ! مجھے!" میں نے پوچھا یہ کون ہو؟ لوگوں نے کہا: "زینب
بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لیکن حضرت حسین نے ان کا ہاتھ
پکڑ لیا اور خیمے میں پہنچائے۔ پھر علی کی فحش اٹھائی اور خیمے کے
سامنے لا کر رکھ دی۔ (ایضاً)

ایک جوان رونا

ان کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جعفر و شقیل
ہوئے یہے یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رونا نودار ہوا وہ
کرتے پھرتے، تہ بند باندھے، اور پاؤں میں نعل پہنے تھے۔ بائیں
نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ اس کا چہرہ
چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ شہر کی طرح پہتا آیا اور دشمن پر ٹوٹ
پڑا۔ عرو بن سعد اندی نے اس کے سر پر تلوار مار دی۔ نوجوان چلایا
"اے چچا!" اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سنستے ہی حضرت حسین مجھے
باز کی طرح لوٹے اور غضبناک شہر کی طرح قاتل پر لپکے۔ بے پناہ
تلوار کا داریا۔ قاتل نے ہاتھ اٹھا دیا مگر ہاتھ کہنی سے کل کر اڑ
چکا تھا۔ زخم کھا کر قاتل نے پکارنا شروع کیا۔ فوج اسے بچانے
کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مگر گھبراہٹ میں بچانے کی جگہ اسے روند ڈالا۔
رادی کتا ہو: جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھا ہوں حضرت حسین
لڑکے کے سر پر کھڑے ہیں۔ وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اور آپ
فرماتے ہیں "ان کے لئے ہلاکت جنھوں نے مجھے قتل کیا ہو اتنی
کے دن تیرے نام کو یہ کیا جواب دیں گے؟ بخدا تیرے چچا کے لئے
یہ سخت حسرت کا مقام ہو کہ تو اسے بچا لے اور وہ جواب نہ دے!
یا جواب دے کر مجھے اس کی آواز نفع نہ پہنچا سکے! انھیں سیز
چچا کے دشمن بہت ہو گئے اور دوست بانی نہ ہو! پھر لاش اپنی
گود میں اٹھالی۔ لڑکے کا سینہ آپ کے سینہ سے ملا ہوا تھا اور پاؤں
زمین پر رگڑتے جاتے تھے۔ اس حال سے آپ اسے لائے اور
علی اکبر کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا۔ رادی کتا ہو میں نے لوگوں
سے پوچھا یہ کون ہو؟ جواب ملا "قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب"
مولود تازہ کی شہادت

حضرت حسین پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ عین اس وقت آپ کے
ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے گود میں
رکھا اور اس کے کان میں اذان دینے لگے۔ چنانچہ ایک تیرا
اور بچہ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ بچہ کی روح اسی وقت پرواز
کر گئی۔ آپ نے تیرا اس کے حلق سے کھینچ کر نکالا، خون سے چلو ہوا
اور اس کے جسم پر لے کر اور فرمائیے لگے۔ "واسد تو خدا کی نظر میں
حضرت علی کی ادنیٰ سے زیادہ عزیز ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تمام
سے زیادہ افضل ہیں! الہی! اگر تو نے ہم سے اپنی نصرت روک
لی ہو تو وہی کر جس میں بہتری ہو!" (یعنی دلی و ابن جریہ وغیرہما)
بنی ہاشم کے مقتول

اسی طرح ایک ایک کر کے اکثر بنی ہاشم اور اہل بیت شہید
ہو گئے۔ (ان میں سے ذیل کے نام مروجین نے محفوظ رکھے ہیں:
(۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۳) عبداللہ
بن عقیل (۴) عبدالرحمن بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل (۶) محمد بن ابی
بن جعفر (۷) عون بن عبداللہ بن جعفر (۸) عباس بن علی (۹) عبد اللہ
بن علی (۱۰) عثمان بن علی (۱۱) محمد بن علی (۱۲) ابوبکر بن علی (۱۳)
ابوبکر بن الحسن (۱۴) عبداللہ بن الحسن (۱۵) قاسم بن الحسن (۱۶) علی
بن عیینہ (۱۷) عبداللہ بن الحسن۔

ایک بچے کی شجاعت

ان کے بعد اب خود آپ کی باری تھی۔ آپ میدان میں تنہا کھڑے

تھے۔ دشمن لیٹا کر کے آتے تھے مگر کسی کو مار کرنے کی ہمت نہیں ہوتی
تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس قتل کا گناہ دوسرے کے سر لٹے
لیکن شمر بن ذی الجوش نے لوگوں کو بائیمتہ کرنا شروع کیا۔ ہر طرف
سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہل بیت کے خیمے میں عورتیں اور بچہ دم عمر
لڑکے وہ گئے تھے۔ اندر سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرا
دیکھا تو جوش سے بے خود ہو گیا اور خیمہ کی لکڑی لے کر دوڑ پڑا یا
کتا ہو اس کے کانوں میں دوڑ پڑے ملے تھے۔ یہ گھبرا ہوا دین
بائیں دیکھا ہوا چلا۔ حضرت زینب کی نظر پڑ گئی دوڑ کر بچو چلا۔
حضرت حسین نے بھی دیکھا لیا اور بہن سے کہا "میرے دے رہو۔ آتے
نہ پائے" مگر لڑکے نے زور کر کے اپنے آپ کو گھرا لیا اور حضرت
کے پہلو میں پہنچ گیا۔ عین اسی وقت شمر بن کعب نے آپ پر تلوار اٹھائی
لڑکے نے فوراً ڈانٹ بتائی۔ ادبیت! میرے چچا کو قتل کر سکتا
سنگدل حملہ آور نے اپنی بلند تلوار لڑکے پر چھوڑ دی۔ اس نے ہاتھ
پر رکھی۔ ہاتھ کٹ گیا۔ ذرا سی کھال لگی رہی تھی۔ بچہ کھٹک سہ
چلایا۔ حضرت نے اسے سینے سے چٹا لیا اور فرمایا "میرے بچے
نواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے صالح بھائیوں
تک پہنچا دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، علی بن ابی طالب، حمزہ، جعفر
اور حسن بن علی تک!"

حضرت حسین کی شجاعت

اب آپ پر ہر طرف سے زور شروع ہوا۔ آپ نے بھی تلوار چلائی
کی۔ بیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تنہا اس کے قدم اٹھا ڈنڈو
عبداللہ بن عمار، جو خود اس جنگ میں شریک تھا، وادیت کرتا
ہو کہ میں نے نیزے سے حضرت حسین پر حملہ کیا اور ان کے بالکل
قریب پہنچ گیا۔ اگر میں جاہتا تو قتل کر سکتا تھا مگر یہ خیال کر کے
ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ میں نے دیکھا دامن بائیں
ہر طرف سے ان پر حملے ہو رہے تھے، لیکن وہ جس طرف چلے جاتے
تھے دشمن کو جھکا دیتے تھے۔ وہ اس وقت کرتے پھرتے اور عامر
باندھے تھے۔ والدین نے کبھی کسی شکستہ دل کو حیل گھر کا گھر
خود اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو، ایسا شجاع ثابت
قدم، مطمئن، اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دامن بائیں
سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے جس طرح شہر کو دیکھ کر
کبیراں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک ہی حالت یہی۔ اسی اثناء میں
آپ کی بہن زینب بنت فاطمہ (علیہا السلام) خیمہ سے باہر نکلیں۔ شمر
کانوں میں ایساں پڑی تھیں۔ وہ چلاتی تھیں "کاش آسمان زمین
پر ٹوٹ پڑے!" یہ وہ موقع تھا جبکہ عمر بن سعد حضرت حسین سے
بالکل قریب ہو گیا تھا۔ زینب نے پکار کر کہا "اے عمر! ابوالفضل
تمھاری آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں گے؟" عمر نے منہ پھر
لیا مگر اس کے رخسار اور دائرہ ہی پر اس قدر دل کی لڑاؤں ہو گئیں

آپ کے حلق میں تیر پیوست ہو گیا

لڑائی کے دوران میں آپ کو بہت سخت پیاس لگی۔ آپ بانی
پینے فرات کی طرف چلے۔ مگر دشمن کب جانے دیتا تھا؟ اچانک
ایک تیرا آ اور آپ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے تیر کھینچ لیا
پھر اپنے ہاتھ منہ کی طرف اٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے
آپ نے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا "الہی!
میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسول کے نواسے سے کیا باز
ہو رہا ہے!"

تو نیز سیرام اک خوش تاشا کیت!

شمر کو میرا دشمن

پھر آپ اپنے خیمے کی طرف لوٹنے لگے تو شمر اس کے ساتھیوں

انسان

محبت اور قربانی یا انعام اور سزا

دیکٹر ہیوگو کا ”بشپ“ اور تاریخ اسلام کا ”بغدادی“

درس دفا اگر بوز زمزمہ محبت
جمعہ بکتاب آمد طفل گرینپائے را

(دوسرا حصہ)

کا حسانے کھولتی ہو، دولت سرفلک عمارتیں بناتی ہو، حکومت دلائل شان شکوہ کے سامان آماستہ کرتی ہو۔ لیکن دوسری طرف نیکی نصرت ہو جاتی ہو، محبت اور فیاضی کا سراغ نہیں ملتا، ادما میں دراحت کی جگہ انسانی مصیبتوں اور شقاوتوں کا ایک لازوال دور شروع ہو جاتا ہے۔ دہی انسان کی بستی جو پہلے نیکی و محبت کی دنیا اور راحت و برکت کی بہشت تھی، اب افلاس و مصیبت کا قتل اور جرموں اور بدیوں کی دوزخ بن جاتی ہو۔ دہی انسان جو جھوٹوں کے اندھ محبت و فیاضی کی گرمی تھی، اب شہر کے سرفلک محفلوں کے اندھے ہری و خود غرضی کا پھر ہوتا ہو۔ جب وہ اپنے مالیشان مکانوں میں عیش و لغت کے دسترخوان پر بیٹھا ہو، تو اس کے کتے ہی چرس ٹرکوں پر بھوک سے اڑیاں دھڑکتے ہیں! جب وہ عیش و راحت کے ایوانوں میں من و جمال تھی بھلیں آراستہ کرتا ہو، تو اس کے ہمایہ میں سیموں کے آئینے تھمتے اور کتے ہی بھولیں ہوئی ہیں جن کے بد نصیب مردوں پر چادر کا ایک تاریخی نہیں ہوتا! زندگی کی قدرتی یکسانی کی جگہ اب زندگی کی مصنوعی گریبے دم فطرت ہر گوشے میں نمایاں ہو جاتی ہیں!

پھر جب انسانی بے مری اور خود غرضی کے لازمی نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں، کمزوری، افلاس، ادبے نوائی سے مجبور ہر بدبخت انسان جرم کی طرف قدم اٹھاتا ہو، تو چاہے دنیا کی زیادہ کاسب سے زیادہ بے مسمی لفظ جہود میں آجاتا ہو۔ یہ ”قانون“ اور ”انصاف“ ہو۔ اب بڑی بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں اور ان کے دروازہ پر لکھا جاتا ہو ”انصاف کا گھر“ انصاف کے اس ”مقدس گھر“ میں کیا ہوتا ہو؟ یہ ہوتا ہو کہ دہی انسان جو اپنی بے رحمی و تغافل سے مفلس کو چوری پر اور نیک انسان کو بد اطوار بنانے پر مجبور کر دیتا تھا، قانون کا پھر بہت جبر پہنکاتا تھا، اور فرشتوں کا سامعہم اور ماہیوں کا سانچہ چہرہ بنا کر

ہجرت کی تیسری صدی قریب الاختتام ہو۔ بغداد کے تحت خلافت پر العفند باد عباسی ممکن ہو۔ معتمد کے زمانے سے دار الخلافہ کا شاہی اور فوجی مستقر سامہ میں منتقل ہو گیا ہو۔ پھر بھی سرزمین باہلی کے اس نئے باہلی میں پندہ لاکھ انسان بستے ہیں۔ ایران کے اصغر، مکر کے یسوس، اور یورپ کے روم کی جگہ اب نیا کا تمدنی مرکز بغداد ہو۔

دنیا کی اس ترقی یافتہ مخلوق کا جسے ”انسان“ کہتے ہیں کچھ عجیب حال ہو۔ یہ جتنا کم ہوتا ہو، اتنا ہی نیک اور خوش ہوتا ہو۔ اور جتنا زیادہ بڑھتا ہو، اتنی ہی نیکی اور خوشی اس سے دور ہونے لگتی ہے۔ اس کا کم ہونا خود اس کے لئے اور خدا کی زمین کے کمزور کر ہے۔ یہ جب بھولتی بھولتی بستیوں میں گھاس بھوس کے چھوڑا کر رہتا ہو، تو کیسا نیک، کیسا خوش، اور کس درجہ حلیم ہوتا ہو؟ محبت اور رحمت اس میں اپنا آشیانہ بناتی ہو اور روح کی پاکیزگی کا نور اس کے جھونپڑوں کو روشن کرتا ہو۔ لیکن جوں ہی یہ جھونپڑوں سے باہر نکلتا ہو، اس کی بڑی بڑی بیخیریں ایک خاص رقیب میں اکٹھی ہو جاتی ہیں، تو اس کی حالت میں کیسا عجیب انقلاب ہو جاتا ہو؟ ایک طرف تجارت بازاروں میں آتی ہو، صنعت و حرفت

م

عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حنین کی فتنہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے دند ڈالے۔ اب اس کا وقت آیا۔ آئے بیکار کر کہا ”اس کام کے لئے کون طیار ہو؟“ دس آدمی طیار ہوئے اور گھوڑے دوڑا کر حنین مبارک روز دلا! چوں بگڑی نظری خوش کن جشر: خلقے فخال کنند این ادوا کہست؟ اس جنگ میں حضرت حنین کے ۲۵ آدمی لے گئے اور کوئی فوج کے مقتول ہوئے (ابن جریر۔ ساہل۔ یعقوبی) (باقی)

نے یہاں بھی تعرض کیا۔ حضرت نے محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہو۔ خیرہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا ”اگر تم میں میں نہیں اور تم روز آخرت سے ڈرتے نہیں، تو کم سے کم دنیاوی شرافت پر تو قائم رہو۔ میرے خیمے کو اپنے جاہلوں اور اداہاتوں سے محفوظ رکھو“ شمر نے جواب دیا ”اچھا ایسا ہی کیا جائے گا۔ اور آپ کا خیر محفوظ رہے گا“

آخری تنبیہ

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ رادی کتاہو کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے قتل کر دیتا۔ مگر گناہ کوئی بھی اپنے سر نہیں چاہتا تھا۔ آخر شمر بنی الجوشن چلایا ”مختاراً برا ہو کیا انتظار کر رہی ہو؟ کیوں کام تمام نہیں کرتے؟“ اب ہر طرف سے پھرنے ہوا اپنے پکار کر کہا ”کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو اٹھاتے ہو؟ داسد میرے بعد کسی بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش نہیں ہوگا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہوگا“

شہادت!

مگر اب وقت آچکا تھا۔ زمین شریک تھی نے آپ کے بائیں ہاتھ کو زخمی کیا۔ پھر شام نے بزلوار ماری۔ آپ کمر دہی سے لڑا کھڑے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے۔ مگر ستان بن انس غنی نے بڑھ کر نینو مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اس نے ایک شخص سے کہا ”سر کاٹ لے“ وہ سر کاٹنے کے لئے لپکا مگر جرات نہ ہوئی ستان بن انس نے دانت میں کر کہا ”خدا تیرے ہاتھ شل کر لے!“ پھر جوش سے اتر۔ آجیو ذبح کیا اور سر تن سے جدا کر لیا! جعفر بن محمد بن علی سے مروی ہو کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ آپ کے جسم پر نیزے کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۴۴ گھاؤ تھے!

نتیجہ

ستان بن انس قاتل کے دماغ میں کسی قدر نفور تھا۔ قتل کے وقت اس کی عجیب حالت تھی۔ جو شخص بھی حضرت کی فتنہ کے قریب آتا، وہ اس پر حملہ آور ہوتا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کوئی دوسرا ان کا سر کاٹ لے جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خوشی بن کر زید امجدی کے حوالہ کیا اور خود عمر بن سعد کے پاس دوڑا گیا۔ خیرہ کے سامنے کھڑا ہو کر بیٹھا:

اور قزاقی نصرت و دہیا انا قتل الملک لہجیا
مجھے چاندی سونے سے لادو، میں نے بڑا بادشاہ لارہا!
قتل خیر الناس ادا دابا وخرم اذینوں نسا
میں نے اسے قتل کیا جو مجھے ماں باپ سے افضل ہیں اور جو اپنے نسب میں سب سے اچھا ہو!
عمر بن سعد نے اسے اندر بلا لیا۔ بہت ڈنکا ہوا۔ کہنے لگا ”وہ تو مجنون ہو!“ پھر اپنی لکڑی سے اسے مار کر کہا ”پاگل! ایسی بات کہتا ہو۔ مجدا اگر عبید اللہ بن زیاد سنا تو تجھے ابھی مروا دیتا!“ (ابن جریر)

لوٹ کھسٹ

قتل کے بعد کوفیوں نے آپ کے بدن کے کپڑے تک آٹارنے پھر آپ کے خیمے کی طرف بڑھی۔ زین العابدین بستر پر جا رہے تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پہنچا اور کہنے لگا ”اس بھی کیوں نہ قتل کر ڈالیں؟“ لیکن اس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی کہ ”کیا بچوں کو بھی مار ڈالو گے؟“ ایسی شناساں عمر بن سعد بھی آگیا اور حکم دیا ”کوئی عورتوں کے خیمے میں نہ گئے۔ اس سپاہ کو کوئی نہ چھیڑے جس کسی نے خیرہ کا کوئی اسباب لوہا ہو واپس کرے“ زین العابدین نے یہ سن کر اپنی جاہ و آواز سے کہا ”عمر بن سعد! خدا تجھے جزا خیر دے! تیری زبان نے ہمیں بچایا!“

حکم دیتا ہو کہ مجرم کو سزا دی جائے۔
کیوں؟

اس لئے کہ اسے جوری کی ہے۔

اس بدعت نے جوری کیوں کی؟

اس لئے کہ وہ انسان ہے، اور انسان بھوک کا عذاب بردہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ شوہر ہے، اور شوہر اپنی بیوی کو ٹھوک سے اڑیاں دے دیتے دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وہ باپ ہے، اور باپ کی طاعت سے باہر ہونے پر اپنے بچوں کے ان آئینوں کا نظارہ دیکھ کر جو بھوک کی اذیت سے ان کے معصوم چہروں پر ہے ہوں!

پھر اگر بدعت انسان قید خانہ اور تازیانے کی سزائیں جھیل کر بھی اس قابل نہیں ہو جاتا کہ بغیر غذا کے زندہ رہ سکے، تو "مقدس انصاف" اصلاح اور انسانیت کا آخری قدم اٹھاتا ہے، اور کتا جو ایسے سولی کے تختے پر لٹکا دیا یہ گریا انسان کے پاس اس کے ابناء جنس کی مصیبتوں اور شقاوتوں کا آخری علاج ہے!

یہ ہے انسان کی شہری اور تمدن زندگی کا اخلاق اور خودی انسان کو برائی پر مجبور کرنا اور خودی سزا بھی دیتا ہے۔ پھر ظلم اور جرم کے اس سلسلے کو "انصاف" کے نام سے تعبیر کرنا ہے۔ اس "انصاف" کے نام سے، جو دنیا کی سب سے زیادہ مشہور مگر سب سے زیادہ غیر موجود حقیقت ہے!

چوتھی صدی جوری کا بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر اور انسانی تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ انسانی آبادی و تمدن کے یہ تمام لازمی نتائج موجود ہوتے۔ گندگی، کھیاں اور لڈل میں پھیرا کس تیزی سے پیدا نہیں ہوتے جن تیزی سے شہروں کی آب و ہوا جرم اور مجرموں کو پیدا کرتی ہے۔ بغداد کے قید خانے مجرموں سے بھرے ہوئے تھے۔ پھر بھی اسکی آبادی میں مجرموں کی کوئی کمی نہ تھی!

بغداد میں آج کل جس طرح حضرت شیخ عبید بغدادی کی زندگی و درویشی کی شہرت ہے، اسی طرح ابن سابط کی جوری اور عیاری بھی مشہور ہے۔ پہلی شہرت نیکی کی ہے۔ دوسری بدی کی۔ دنیا میں بدی، نیکی کی ہر چیز کی طرح، اس کی شہرت کا بھی مقابلہ کرنا چاہتا ہے اگر یہ نہیں کر سکتی۔

دس برس سے ابن سابط دہائیں کے محبس میں قید ہے۔ اس کے خونناک حملوں سے لوگ محفوظ ہو گئے ہیں۔ تاہم اسکی عیاری اور بے یاکوں کے انسانے لوگ بھولے نہیں۔ وہ جب بھی کسی لڑا جوری کا حال سنتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں "یہ دوسرا ابن سابط ہے" اس دس برس کے اندر کہنے ہی نے ابن سابط پیدا ہو گئے مگر ابن سابط کی شہرت کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ بغداد والوں کی بولی چال میں وہ جرائم کا شیطان اور برائیوں کا عفریت تھا!

ابن سابط کے خاندانی حالات عوام کو بہت کم معلوم ہیں۔ جب وہ پہلی مرتبہ سولی اتھاڑ میں جوری کرنا ہوا گرفتار ہوا تو کوٹوالی میں اس کے حالات کی تفتیش کی گئی۔ معلوم ہوا یہ بغداد کا باشندہ نہیں ہے۔ اس کے ابا باطرس سے ایک خانہ کے ساتھ آ رہے تھے۔ راہ میں بیمار پڑے اور مر گئے۔ خانہ والوں کو دم آیا اور اپنے ساتھ بغداد پہنچا دیا۔ یہ اب سے دس برس پیشتر کی بات ہے۔ یہ مدبریں اسخ کھان اور کینز کمر کے؟ اس کا حال کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ مگر تاحی وقت اس کی عمر پندرہ سولہ برس کی

تھی۔ کوٹوالی کے چوتھے پرائیوٹ تازیانے اسے لے کر اچھوڑ دیا گیا۔

اس پہلی سزائے اس کی طبیعت پر کچھ عجیب طرح کا اثر ڈالا۔ وہ اب تک ایک ڈراما کما سن لڑکا تھا۔ اب اچانک ایک دیوانہ بے باک مجرم کی روح اس کے اندر پیدا ہو گئی۔ گویا اس کی تمام شقاوتیں اپنے ظلم کے لئے تازیانے کی ضرب کی منتظر تھیں۔ مجرمانہ اعمال کے تمام بھید اور چھپاؤ گناہوں کے تمام مخفی طریقے جو کبھی اس کے دم و گمان میں بھی نہیں گزرتے تھے، اب اس طرح اس پر کھل گئے، گویا ایک تجربہ کار اور شائق مجرم کا داغ اس کے سر میں آ کر دیا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے اندر وہ ایک پتلا عیا اور ایک جھٹا ہوا جلالہ مشہور انسان تھا!

اب وہ جھوٹی چھوٹی چوریاں نہیں کرتا تھا۔ پہلی مرتبہ جوری اسے جوری کی تھی، تو دوسری کی تھوڑے سے نان بائی کی دکان پر لے گئی تھی۔ لیکن اب وہ بھوک سے بے بس ہو کر نہیں بلکہ جرم کے ذوق سے دانستہ ہو کر جوری کرتا تھا۔ اس لئے اس کی نگاہیں نان بائی کی روٹیوں پر تھیں بلکہ صرافوں کی ٹھیلیوں اور سودا گروں کے ذخروں پر پڑتی تھیں۔ دن ہو یا رات، بازار کی مٹی ہو یا پیر کا دیوانہ خانہ، ہر وقت اور ہر جگہ اس کی کارستانیاں جاری رہیں۔ اس کے اندر ایک فوج کا جوش تھا سپر سالار کا سا عزم تھا، اس کا کی مراد انگی تھی، مگر کسی دانشمندی تھی، لیکن دینانے اس کے لئے یہی پسند کیا کہ وہ بغداد کے بازاروں کا چور ہو۔ اس لئے اس کی فطرت کے تمام جوہر اسی راہ میں نمایاں ہونے لگے۔ انوس، فطرت کس نیا عینی سے بخشی ہے، مگر انسان کس بے دردی سے برباد کرتا ہے!

کچھ دنوں کے بعد جب ابن سابط کی دراز دیتیاں صلیو پڑ گئیں تو حکومت کو خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی۔ آخر ایک دن گرفتار کر لیا گیا۔ اب یہ ایک کم سن لڑکا تھا۔ شہر کا سب سے بڑا چور تھا۔ عدالت نے فیصلہ کیا کہ ایک ماہ کاٹ ڈالا جائے۔ فوراً تعین ہوئی، اور جلا دے ایک ہی ضرب میں اس کا پتلا الگ کر دیا۔

ابن سابط کے ماہ کا کٹنا، کٹنا تھا، بلکہ سیکڑوں نے ہاتھوں کو اس کے شانے سے جوڑ دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے، دنیا کے سائے شیطان اور عفریت اس واقعہ کے انتظار میں تھے۔ جونی اس کا ماہ کٹا، انھوں نے اپنے سیکڑوں کو ماہ کے حوالے کر دیے۔ اب اسے عراق کے تمام چور اور عیاری جمع کر کے اپنا اچھا خاصہ جہان بنالیا اور فوجی ساز و سامان کے ساتھ ٹوٹ مار شروع کر دی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اس کے دلیرانہ حملوں نے تمام عراق میں ہلکے مچا دیا۔ وہ قافلوں پر حملے کرتا، دیہاتوں میں ڈاکے ڈالتا، محل سراؤں میں فتنہ لگاتا، سرکاری خزانے لوٹ لیتا، اور پھر یہ سب کچھ اس ہوشیاری اور فرزانگی کے ساتھ کرتا کہ اس پر یا اس کے ساتھیوں پر کوئی آہ آتی۔ ہر موقع پر صحت بچکر نکلتا۔ لوگ جب اس کے مجرمانہ کارنامے سنتے تو دہشت و حیرت سے ہوت رہ جاتے۔ "یہ ڈاکو نہیں ہے جرم کی ایک خبیث روح ہے۔ وہ انسان کو لوٹ لیتی ہے مگر انسان اسے چھو نہیں سکتا" یہ بغداد والوں کا متفقہ فیصلہ تھا!

مگر ظاہر ہے، یہ حالت کب تک جاری رہ سکتی تھی؟ آخر وہ قوت آگیا کہ ابن سابط تیسری مرتبہ قافلوں کے پنجے میں گرفتار ہو جائے۔ ایک موقع پر جب اسے اپنے تمام ساتھیوں کو بحفاظت بچال دیا

تھا اور خود بچل بھاگنے کی طیاری کر رہا تھا، حکومت کے سپاہی پنج لگے اور گرفتار کر لیا۔

اس مرتبہ وہ ایک رہزن اور ڈاکو کی حیثیت میں گرفتار ہوا تھا اس کی سزا قتل تھی۔ ابن سابط نے جب بچھا کر صلا دی تو اس پر چمک رہی ہے تو اس کے مجرمانہ خصائل نے اچانک ایک دہشت گرد اختیار کر لیا۔ وہ تیار ہو گیا کہ اپنے بچاؤ کے لئے اپنے ساتھیوں کی جانیں قربان کرے۔ اسے عدالت سے کہا۔ اگر اسے قتل کی سزا نہ دی جائے تو وہ اپنے جتنے کے تمام چور گرفتار کرے گا۔ عدالت نے منظور کر لیا۔ اس طرح ابن سابط خود تو قتل سے بچ گیا، لیکن اس کے تحت سے زیادہ ساتھی اس کی نشان دہی پر موت کے گھاٹ اتار دیے گئے! ان سو چوروں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو قتل ہونے سے پہلے ابن سابط کے نام پر نفرت نہ بھیجے ہو۔ بعد ازاں اور بے وفائی ایسی برائی ہو جسے بے بسی سے برائی نہ کہے۔ ابن سابط نے اپنے اس طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ جرم سے بھی بڑھ کر برائی کا کوئی ایک درجہ رکھتا تھا!

بہر حال اب ابن سابط دہائیں کے قید خانہ میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔ اس کی آخری گرفتاری دس برس گزرنے کے بعد دس برس کا زمانہ اس کے لئے کم مدت نہیں ہے کہ ایک مجرم کی سیاہ کاریاں بھلا دی جائیں، لیکن ابن سابط جیسے مجرم کے کا زمانے مدتوں تک نہیں بھلائے جاتے۔ دس برس گزرنے پر بھی اس کے دلیرانہ جرائم کا ذکر کچھ بچہ کی زبان پر ہے۔ لوگوں کو یہ بات تو کبھی بھولنے سے بھی یاد نہیں آتی کہ ابن سابط ہمہ کمال اور کبریات میں؟ کیونکہ یہ معلوم کرنے کی انھیں ضرورت بھی نہیں ہے۔ البتہ وہ اس کے دلیرانہ کارنامے بھولنا نہیں چاہتے، کیونکہ اس تذکرہ میں ان کے لئے لطف اور دلچسپی ہے۔ انھیں ابن سابط کی نہیں اپنی دلچسپیوں کی فکر ہے!

انسان کی بے مہربانی کی طرح اس کی دلچسپیوں کا بھی عجیب حال ہے؟ وہ عجیب عجیب اور غیر معمولی باتیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے، لیکن اس کی پردہ نہیں کرتا کہ اس کی دلچسپی کا یہ تاشا کیسی کسی مصیبتوں اور شقاوتوں کی پیدائش کے بعد ظہور میں آ سکا ہے؟ مگر ایک چور دلیری کے ساتھ چوری کرتا ہے تو یہ اس کے لئے بڑی ہی دلچسپی کا واقعہ ہے۔ وہ اس کی صورت دیکھنے کے لئے بے قرار ہوتا ہے۔ وہ گھنٹوں اس پر رائے زنی کرتا ہے اور وہ تمام اخباریں دیکھتا ہے جو جن میں اس کی تصویر چھپی ہو یا اس کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ لیکن اس واقعہ میں جو اس کے لئے کبھی شقاوت ہے؟ اور جس سکین کا مال جوری گیا ہے اس کے لئے کیسی مصیبت ہے؟ اس کے سوچنے کی وہ کبھی زحمت گوارا نہیں کرتا!

اگر ایک مکان میں آگ لگ جائے تو انسان کے لئے بڑا ہی دلچپ نظارہ ہوتا ہے۔ سارا شہر اٹھ اٹھتا ہے جس کسی کو دیکھو بے تحاشا دوڑا جاتا ہے لوگ اس نظارہ کے شوق میں اپنا کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں اگر چند زندہ انسانوں کے جھلکے ہوئے چہرے آگ کے شعلوں کے اندر نمودار ہو جائیں اور ان کی جینیں اتنی بلند ہوں کہ دیکھنے والوں کے کانوں تک پہنچ سکیں، تو پھر اس نظارہ کی دلچسپی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہے، تاشائی ہوئی نظارہ میں مجازی ہو کر ایک دوسرے پر چڑھنے لگتے ہیں۔ لیکن انسانی دلچسپی کے اس جہنی منظر میں اس مکان اور اس کے کنبوں کے لئے کیسی ہلاکت اور تباہی ہے؟ اور جان لیوا کیسی ہلاکت

نے اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔

اندرونی جذبات کے ہجان اور پردہ کی فصل کی بے سودعت نے ابن سابط کو بہت جلد تھکا دیا۔ وقت کی کمی، عمل کا قدرتی خوف، مال کی گرانی، محنت کی شدت، اور فائدہ کی قلت، اس کے دماغ کے لئے تمام مخالفتی تاثرات جمع ہو گئے تھے۔

اجانک وہ چونک اٹھا۔ اس کی تیز قوت سماعت نے کسی کے قدموں کی نرم آہٹ محسوس کی۔ ایک لمحہ تک خاموشی رہی پھر ایسا محسوس ہوا، جیسے کوئی آدمی دروازہ کے پاس کھڑا ہو۔ ابن سابط گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا، مگر قبل اس کے کہ وہ کوئی حرکت کر سکے، دروازہ کھلا اور روشنی نمایاں ہوئی خوف اور ہشت سے اس کا خون منجمد ہو گیا۔ جہاں کھڑا تھا، وہیں قدم گر گئے۔ غلط! اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک شخص کھڑا ہو۔ اس کے ایک ہاتھ میں شعلہ جی اداس، اس طرح ادب کر رہا کہ اس کے کمرے کے تمام حصے روشن ہو گئے ہیں۔

اس شخص کی دفعہ قطع سے اس کی شخصیت کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ لگے رنگ کی ایک لمبی عبا اس کے جسم پر تھی جسے کمرے کے پاس ایک موٹی ریشمی لپٹ کر جسم پر چھت کر لیا تھا۔ سر پر سیاہ نقشہ دار کپڑا دیا کی ٹوپی تھی، اور اس قدر کشادہ تھی کہ اس کے کناروں کے قریب تک پہنچ گئے تھے جسم نہایت خفیف تھا۔ اتنا خفیف کہ صرف کی موٹی عبا پہننے پر بھی اندر کی ابھری ہوئی ٹہلیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں، اور قد کی درازی نے جس کمرے کے پاس خفیف سی حمید کی پیدا ہوئی تھی، یہ خافت اور زیادہ نمایاں کر رکھی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جسم کی اس غیر معمولی خافت کا کوئی اثر اس کے چہرہ پر نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا کمزور جسم کھنے پر بھی اس کا چہرہ کچھ عجیب طرح کی تاثیر و گرائی رکھتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چہرے کے ایک ڈھانچے پر ایک شاندار اور دلائی چہرہ جوڑ دیا گیا ہو۔ رنگت زرد تھی، رخسار بے گوشت تھی، چہرے کی تیز مندی کا نام و نشان نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی چہرہ کی بڑی ہیئت میں کوئی ایسی شاندار چیز تھی کہ دیکھنے والا محسوس کرتا تھا، ایک نہایت طاقتور چہرہ اس کے سامنے ہو خصوصاً اس کی نگاہ میں ایسی روشن، ایسی مطمئن، ایسی ساکن تھیں، کہ معلوم ہوتا تھا، دنیا کی ساری راحت اور سکون اپنی دھلکوں کے اندر سما گئی ہو!

چند لمحوں تک یہ شخص شمع ادبھی کئے ابن سابط کو دیکھتا رہا پھر اس طرح آگے بڑھا، گویا اسے جو کچھ سمجھ تھا، سمجھ چکا ہو۔ اس کے چہرہ پر ہلکا سا زیر لب تبسم تھا۔ ایسا دلائی دار شیریں تبسم جس کی موجودگی انسانی روح کے سامنے اضطراب اور خوف دور کر دے سکتی ہو۔ اسے شعلہ جی ایک طرف رکھ دیا، اور ایک ایسی آدا میں جو شفقت و ہمدردی میں ڈوبی ہوئی تھی، ابن سابط کو کیا: "میرے دوست! تم پر خدا کی سلامتی ہو۔ جو کام تم کرنا چاہتے ہو، یہ بغیر روشنی اور ایک ذوق کے انجام نہیں پاسکتا۔ دیکھو یہ شمع روشن ہو اور میں تمہاری رفاقت کے لئے موجود ہوں۔ روشنی میں ہم دونوں اطمینان اور سہولت کے ساتھ یہ کام انجام دے لیں گے۔"

وہ ایک لمحہ کے لئے ٹوکا۔ جیسے کچھ سوچو لگا ہو پھر اسے کہا: "مگر میں دیکھتا ہوں تم بہت تھک گئے ہو۔ تمہاری پٹیاں پسینے سے تر ہو رہی ہیں۔ یہ گرم موسم، بند کردہ تارکی اور تاریکی میں ایسی

کے ساتھ جو صرف شائق مجربوں ہی کے قدموں میں ہو سکتی ہو، اندر چلا گیا۔ اندر جا کر دیکھا تو ایک وسیع ایوان (ہال) تھا۔ لیکن سالن رحمت میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی جتنی اشیاء کا نام و نشان نہ تھا۔ صرف ایک کھوکھلے بیل کی پرانی پٹیاں کچھ تھیں، اور ایک طرف چڑے کا ایک تکیہ پڑا تھا۔ البتہ ایک گوشہ میں، پشیمین کے موٹے کپڑے کے بہت سے تھان اس طرح بے ترتیب پڑے تھے۔ گویا کسی نے جلدی میں ہینک لئے ہیں اور ان کے قریب ہی پھیر کی کھال کی چند ٹپیاں بھی پڑی تھیں۔ اسے سامنے مکان کی موجودات کا یہ پورا جائزہ کچھ کوڑی انہری میں دیکھ لینے کی انتہا تھی۔ اسے لے لیا تھا اور کچھ اپنے ہاتھ سے ٹٹل ٹٹول کر لیکن اس نے اتنا ایک ہی تھا۔ یہ تعداد دونوں کی بول چال میں ایک ہاتھ کا نشان تھا۔ اس کو اب پھر قید و بند کی رنجش تو لو کر آزاد ہو گیا ہو!

اس برس کی قد کے بعد کچھ ابن سابط کو پہلی مرتبہ موقوف ہوا تھا۔ اپنے دلپسند مکان کی جستجو میں آزادی کے ساتھ بچکے۔ جب اسے دیکھا، اس مکان میں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے، اور یہ پہلا قدم یہ کیا ثابت ہو گا، تو اس کے تیز اور بے لگام جذبات سخت متزلزل ہو گئے۔ وہ دل ہی دل میں اس مکان کے رہنے والوں کو گالیاں دینے لگا۔ جو اپنے مکان میں کھٹے کے لئے قیمتی اشیاء فراہم نہ کر سکے۔ ایک مفلس کا افسانہ اس کے لئے اس قدر درد انگیز نہیں ہوتا جس قدر اس شخص کے لئے جو رات کے پچھلے پیراں و دولت تلاش کرنا ہوا پہنچتا ہو۔ اسے شک نہیں، پشیمین کے بہت سے تھان یہاں موجود تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے آزاد کی فکر نہ کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی اپنی قیوت رکھتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ ابن سابط تنہا تھا۔ اور صرف تنہائی نہیں تھا بلکہ وہ دو تھانوں کی جگہ صرف ایک ہاتھ رکھتا تھا۔ وہ ہزار ہا کرتا، مگر اتنا بڑا پوچھ اس کے سمجھانے بھل نہیں سکتا تھا۔ وہ تھانوں کی موجودگی پر غور نہیں کرتا۔ ان کے وزن کی گرانی اور اپنی مجبوری پر متاسف تھا۔ اتنی ذہنی چیز جو رہا کھانا آسان نہ تھا! "ایک ہزار لغت کرے اور اس کے تمام باشندوں پر" وہ اندر ہی اندر غور کرتا تھا۔ "میں معلوم یہ کون تھیں جو جیسے یہ یطوئ تھان بن کر کھٹے ہیں؟ غالباً کوئی تاجر ہو۔ لیکن یہ عجیب طرح کا تاجر جو جیسے بے نیاز ہیں تجارت کرنے کے لئے اور کوئی چیز نہیں لی۔ اتنا بڑا مکان بنا کر اس میں گہروں اور چوروں کی جھول بنائے کا سالن جمع کر دیا" اسے اپنے ایک ہی ہاتھ سے ایک تھان کی ٹٹول ٹٹول کر پائیس کی "بھلا یہ ماحول بوجھ کس طرح اٹھایا جاسکتا ہو؟ ایک تھان کے اٹھانے کے لئے گن کر دس گدے ساتھ لائے جائیں! لیکن ہر حال کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ رات جا رہی تھی، اور اب وقت نہ تھا کہ دوسری جگہ تاک جاتی۔ اسے جلدی سے ایک تھان کھولا اور اسے فرش پر بچھا دیا۔ پھر کوشش کی زیادہ سے زیادہ تھان جو اٹھائے جاسکتے ہیں اٹھائے۔ شکل بھی کمال کی قیمت مگر بہت زیادہ وزنی تھا۔ کم لیتا ہو تو بیکار ہو۔ زیادہ لیتا ہو تو بوجھ نہیں سکتا۔ عجیب طرح کی کشمکش میں گرفتار تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح یہ مرحلے طے ہوا، لیکن اب دوسری شکل پیش آئی۔ صرف کا کپڑا بچھ دیا تھا۔ اسے ضرور دیکھ کر گرا گنا آسان نہ تھا۔ دو ہاتھوں سے بھی یہ کام مشکل تھا چہ جائے کہ ایک ہاتھ سے؟ بلاشبہ اس کے پاس ہاتھ کی طرح پاؤں ایک نہ تھا۔ ہاتھ لیکن وہ بھاگنے میں مدد دے سکتے تھے صوت کی گھڑی بانہنے کے لئے مسدود نہ تھے۔ اسے بہت سی تجویزیں سوچیں، طرح طرح کے تجربے کو دانتوں سے کام لیا۔ کٹی ہوئی کٹی سے سہرا بایا۔ لیکن کسی طرح بھی گھڑی میں گونگ نہ لگ سکی، وقت کی مصیبتوں میں تاریکی کی شدت

بربادوں کے بعد آگ اور موت کی۔ ہولناک دلچسپی جو دل کی کڑواہٹ کے سوچنے کی نہ تو لوگوں کو فرصت ملتی ہو۔ مددہ سوچنا چاہتے ہیں!

اگر انسان کے اندر ایسا ہے، ایک بد بخت مخلوق سولی کے تھم پر لٹکا دیا جائے، تو ان تمام افسانوں میں سے جس کے دیکھنے کا انسان خائف ہو سکتا ہے، اس سے زیادہ دلکش نظارہ ہوتا ہو۔ اتنا دلکش نظارہ کہ کسی نے کبھی نہ دیکھا ہو۔ وہی نفس دیکھتا رہتا ہو مگر اس کی ہر ہر شے ہوتی ہو۔ لوگ دیکھوں پڑے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے گناہ گناہیں اس میں بغیر ہر چیز کے نکلی جاتا ہے۔ یہیں کہیں، اس کے گناہ گناہیں اس کے گناہ کو عیاں کرتی ہیں۔ وہی نفس دیکھتا رہتا ہو۔ دیکھنے کے لئے اس کی لذت حاصل کر لیں اس کے جس انسان کے یہاں ایسا ہے۔ اس کی انسانی نظارہ کا یہ سب سے زیادہ دلکش نظارہ جو دیکھ کر اسے اس کی انسانی نظارہ کا یہ سب سے زیادہ دلکش اور شرمناک صحنہ کا عیاں ہوگا۔ سکڑوں ہزاروں تاشا بکوں پر اسے ایک سو نہیں بھی اس غیر معمولی اور غیر عجب پہلو کی طرف نہیں دیکھا!

شعرا جملہ

گرمیوں کا موسم ہے۔ وہی رات گزری ہو، مہینہ کی آخری پہلی ہیں۔ تعداد کے آسمان پر ہزاروں کی مجلس شبنم آئے ہو، مگر جانہ کے ہر آدمی نے اس میں اپنی دیر ہو۔ تاجدار کے بارگاہ کی تمام آزادی تیز کی خاموشی اور رات کی تاریکی میں گم ہو۔

اجانک ایک تاریکی میں ایک تارکی نمایاں ہوئی۔ سیاہ دبا دیے میں ایک لپٹا ہوا آدمی ناخوشی اور آرتھک کے ساتھ جا رہا ہے۔ وہ ایک لمبی کے تھم کر دوسری کٹی میں بیٹھا، اور ایک مکان کے ساکنان کے نیچے کھڑے ہو گیا۔ اب اسے سامنے کی گویا یہ مدت کی بند سانس تھی جسے اسے آزادی سے ابھرنے کی اُملت کی ہو پھر اسے آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ "یہ تین پہر رات گزری ہوگی؟" وہ اپنے دلیس کے لئے، "مگر کیا لاشیہ ہی ہو کس طرف رخ کیا؟" کی ہی ہوئی۔ کیا پوری رات اس طرح ختم ہو جائے گی؟

یہ خوفناک ابن سابط جو دس برس کی طول طوئی زندگی قید خانہ میں بسر کر کے اب کسی طرح بھل بھاکا ہو، اور بچنے کے ساتھ ہی اپنا قدیم پیشہ اندر نوکری کر رہا ہو۔ یہ اس کی نئی غرا زندگی کی پہلی رات ہو، اس نے وقت کے بے نتیجہ مقابلے جانے پر اس کا بے صبر دل سچ بکھار دیا ہو۔

اسے ہر طرف کی آہستہ سی زبان سے کان لگا کر درد و کی صداؤں کا جائزہ لیا، اور مطمئن ہو کر آگے بڑھا۔ کچھ دور چل کر اسے ایک احاطہ کی دیوار دیکھ چلی تھی جو اور وسط میں بہت بڑا پھاٹک ہو۔ کرخ کے اس علاقہ میں زیادہ تر امراء کے باغ تھے، یا سودا گروں کے گودام تھے۔ اسے خیال کیا یہ احاطہ تو کسی امیر کا باغ ہو، یا کسی سودا گروں کا گودام۔ وہ پھاٹک کے پاس پہنچ کر رگ گیا اور سوچنے لگا، اندر کو نہ کر جائے؟ اسے اہستہ سے دروازہ پر ہاتھ رکھا، لیکن اسے نہایت تعجب ہوا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا صرف کھڑا ہوا تھا۔ ایک سسٹم کے اندر ابن سابط کے قدم احاطہ کے اندر پہنچ گئے۔

اسے دلہیز سے قدم آگے بڑھایا تو ایک وسیع احاطہ نظر آیا اس کے مختلف گوشوں میں چھوٹے چھوٹے حجرے بنے تھے اور وسط میں ایک لمبے بڑی عمارت تھی۔ یہ درمیانی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ عجیب بات ہو کہ اس کا دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ چھوٹے ہی کھل گیا۔ گویا وہ کسی کی آنکھ نظر تھا۔ یہ ایک ایسی بے باکی

ہو؟ آؤ یہ کام جلد بنالیں جو ہمارے سامنے ہو۔ دیکھو، میں نے دو گھنٹوں باندھ لی ہیں۔ ایک چھٹی ہے۔ ایک بڑی ہے۔ پتھار ایک ہاتھ ہو اس لئے تم زیادہ بوجھ نہیں سنبھال سکتے لیکن میں دونوں ہاتھوں سے سنبھال لوں گا۔ چھوٹی گھڑی تم اٹھاؤ۔ بڑی میں اٹھالیتا ہوں۔ باقی رہا میرا حصہ جس کے خیال سے تمھیں اتنی آرتی ہوئی ہو، تو میں بھی نہیں چاہتا۔ اس وقت اس کا فیصلہ کروں۔ تم نے کہا کہ جو کم ہیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر سکتے ہو۔ مجھے بھی ایسا ہی۔ مالہ بند ہو۔ میں چاہتا ہوں تم ہیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کرو۔

”ہاں، اگر یہ بات ہو تو پھر سب کچھ ٹھیک ہو۔ تمھیں بھی معلوم نہیں میں کون ہوں؟ فوسے ملک میں تمھیں محبت بہتر کوئی سزا نہیں مل سکتا۔“ اس نے بڑی گھڑی کے اٹھانے میں سبکی کو دیکھ کر ہنسے۔

یہ گھڑی اس قدر بھاری تھی کہ ابن سابط اپنی حیرانی نہ چھپا سکا۔ وہ اگرچہ اپنے نئے ذہنی کی زیادہ جرات افزائی کرنا نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی اس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ ”دوست، تم دیکھنے میں تو بڑے فٹے پٹے ہو لیکن بوجھ اٹھانے میں بڑے مضبوط نکلتے۔ سناہر بن اس نے اپنے دل میں کہا یہ جتنا مضبوط ہو۔ اتنا عقلمند نہیں ہو درنہ اپنے حصے سے دست بردار نہ ہو جاتا۔ اگر آج یہ اتفاق نہ لجاتا تو مجھے سارا مال چھوڑ کر صرف ایک دو تھانوں پر تنہا رہ کر رہنا پڑتی۔“

اب ابن سابط نے اپنی گھڑی اٹھائی جو بہت ہی لمبی تھی اور دونوں بازو پہنچتے۔ اجنبی کی چٹھ جیسے پٹے سے خم موجود تھا۔ اب گھڑی کے بوجھ سے بالکل ہی جھک گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں اتنا بھاری بوجھ اٹھا کر چلنا نہایت دشوار تھا۔ لیکن ابن سابط کو قدرتی طور پر ہندی تھی۔ وہ بار بار حکمانہ انداز سے ہرگز کرنا کہ تیز جاؤ۔ اور جو کم تو اس کا بوجھ بہت ہلکا تھا، اس نے تو دیکھنے میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں کرتا تھا۔ اجنبی قبیلہ کے کم کی پوری کوشش کرتا، لیکن اتنا بھاری بوجھ اٹھا کر قدرتی انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اس نے پوری کوشش کر کے پوری زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا۔ کئی بار تھک کر بیٹھ گیا، بار بار بوجھ اٹھانے کے لئے کوشش کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اتنی سخت جوت اٹھائی کہ قریب تھا کہ گرنے لگے۔ پھر بھی اسے رکنے یا سستے لے کر نام نہیں لیا گیا۔ چلنا اپنے ساتھ ہی کے ساتھ تیز چلتا ہی رہا۔

لیکن ابن سابط اس پر بڑی خوش نہ تھا۔ اس نے پہلے تو ایک دو مرتبہ تیز چلنے کا حکم دیا۔ پھر بال بال کیوں پر اثر کیا۔ چلنے کے بعد ایک سخت گالی دیتا اور کہتا تیز جاؤ۔ اتنے میں جس قدر چل گیا۔ یہاں چرائی تھی۔ ہم کمزور اور تھکا ہوا، بوجھ بھر بھاری، اجنبی قبیلہ کے مکان اور بے اختیار گر پڑا۔ ابھی وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اوپر سے ایک سخت بات پڑی۔ یہ ابن سابط کی لات تھی۔ اس نے عقبنہانگ ہو کر کہا: ”مٹنے کے بیٹے! اگر تمھارا بوجھ سنبھال نہیں سکتا تھا تو لاؤ لایا کیوں؟“ اجنبی اپنا ہاتھ اٹھا۔ اس کے چہرہ پر درد و شکایت کی جگہ شرمندگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ اس نے فوراً گھڑی اٹھا کر پیڑ پر رکھی اور صبر و دانہ ہو گیا۔

اب یہ دونوں شہر کے کنارے، ایک ایسے حصہ میں پہنچے جو بہت ہی کم آباد تھا۔ یہاں ایک انعام عمارت کا پرانا اور نچرے احاطہ تھا۔ ابن سابط اس احاطہ کے ایک جانب پہنچ کر لگا

کہ اس تمام معاملہ کا مطلب کیا ہو؟ اور یہ شخص جو کون؟ تو اس کی عقل حیران رہ جاتی اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس نے اپنے دل میں کہا: ”یہ تو قطعی ہو کہ یہ شخص اس مکان کا مالک نہیں ہو۔ مکان کے مالک کبھی جو دونوں کا اس طرح استبدال نہیں کیا کرتے۔“

..... مگر پھر یہ شخص جو کون؟ اچانک ایک نیا خیال اس کے اندر پیدا ہوا۔ وہ ہنسا استغفر میں بھی کیا احمق ہوں۔ یہ بھی کوئی شخص ہے اور حیران ہونے کی بات قطعی؟ معاملہ بالکل صاف ہو۔ تعجب جو مجھے پہلے کیوں خیال نہیں ہوا؟ یقیناً یہ بھی کوئی میرا ہی ہم ہیشہ آدمی ہو، اور اسی نوع میں رہتا ہو۔ اتفاقات نے آج ہم دونوں جو دونوں کو ایک ہی مکان میں جمع کر دیا۔ چونکہ یہ اسی نوع کا آدمی ہو، اس لئے اس مکان کے تمام معاملات سے واقف ہو گا۔ اسے معلوم ہو گا کہ آج مکان نے تہہ والوں سے خالی جو دروازہ اطمینان کو کم کرنے کا موقع ہو۔ اسی لئے وہ روشنی کا سامان ساتھ لے کر آیا۔ لیکن جب دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو آمادہ ہو گیا کہ میرا ساتھ لے کر ایک حصہ کا حصہ بن جائے۔“

وہ ابھی سوچ رہا تھا کہ دروازہ کھلا، اور اجنبی ایک نلکری کا پڑا پیالہ ہاتھ میں لئے نمودار ہو گیا۔ ”یہ لو، میں تمھارے لئے دوہ لے آیا ہوں۔ اسے لی لو۔ یہ جھوک اور پیاس، دونوں کے لئے مفید ہو گا۔“ اس نے کہا، اور پیالہ ابن سابط کو بچھا دیا۔ ابن سابط واقعی ہو کا پیاسا تھا بلاتل منہ لگا لیا اور ایک ہی مرتبہ میں ختم کر دیا۔

اب اسے معاملہ کی فکر ہوئی۔ (بہت دیر کے وقفے نے اس کی طبیعت بھال کر دی تھی) ”دیکھو، اگرچہ میں تم سے پہلے یہاں پہنچ چکا تھا اور اندازہ لگا چکا تھا، اور اس لئے ہم لوگوں کے قاعدہ کے بموجب پتھار کوئی حق نہیں، لیکن پتھاری بہت سیاری اور مستعدی دیکھ لینے کے بعد مجھے کوئی نا امل نہیں کہ تمھیں بھی اس ل میں شریکے ہوں۔ اگر تم پسند کو گے تو میں ہیشہ کے لئے تم سے معاملہ کروں گا۔ لیکن دیکھو میں کہے دیتا ہوں کہ آج جو کچھ بھی یہاں سے لے جائیں گے، اس میں تم برابر کا حصہ نہیں پاسکتے۔ کیونکہ وہیں آج کا کام میری ہی کا تھا۔ اس نے صاف آد میں کہا۔ اس کی آوازیں اب تاثر خیز ہونا چکے تھیں۔

اجنبی مسکرایا۔ اس نے ابن سابط پر ایک ایسی نظر ڈالی جو اگرچہ شفقت و ہر سے غالی نہ تھی، لیکن اس کے علاوہ بھی ایک اور کوئی چیز تھی۔ لیکن ابن سابط سمجھ نہ سکا۔ اس نے خیال کیا۔ شاید یہ شخص اس طرحی تقسیم پر قائل نہیں ہو۔ اچانک اس کی آنکھوں میں اس کی خوفناک جمرانہ درندگی چھانک اٹھی۔ وہ غصہ سے مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا:

”بے وقوف، چپ کیوں ہو؟ یہ نہ سمجھنا کہ دوہ کا ایک پیالہ پلا کر ادھنی چٹری بائیں کر کے تم مجھے احمق بنا لو گے۔ تم نہیں تو میں کون ہوں۔ مجھے کوئی احمق نہیں بنا سکتا۔ میں ساری دنیا کو احمق بنا چکا ہوں۔ بلو۔ اسپر راضی ہوا نہیں؟ اگر نہیں ہو تو.....“

لیکن ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اجنبی کے لب متحرک ہوئے۔ اب بھی اس کے لبوں سے اس کی مسکراہٹ نہیں ہٹی تھی:

”میرے عزیز دوست! کیوں بلاوجہ اپنی طبیعت آزرہ کرتے

سخت محنت؟ افسوس، انسان کو اپنے رزق کے لئے کسی گنجی محنت برداشت کرنی پڑتی ہیں! دیکھو، یہ چٹائی بھی ہو۔ یہ چڑے کا کیس؟ میں اسے دیوار کے ساتھ لٹکا دیتا ہوں۔“ اس نے تکیہ دیوار کے ساتھ لٹکا کر رکھ دیا۔ ”بس ٹھیک ہو۔ اب تم اطمینان کے ساتھ ٹیک لگا کر یہاں بیٹھ جاؤ اور اچھی طرح سناؤ۔ اپنی دیر میں میں تمھارا ادھوا کام پورا کئے دیتا ہوں۔“

اس نے یہ کہا، اور ابن سابط کے کانڈی پر زری سے ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر جب اس کی نظر دوبارہ اس کی عرق آلود پیشانی پر پڑی، تو اس نے اپنی کمرے دیوال کھولا اور اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالا۔ جب وہ پسینہ پونچھ رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں باپ کی سی شفقت اور ہاتھوں میں بھائی کی سی محبت کام کر رہی تھی!

صورت حال کے یہ تمام تغیرات اس تیزی سے نمودار ہوئے کہ ابن سابط کا دماغ غفل ہو کر رہ گیا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکا کہ معاملہ کیا ہو؟ ایک مدہوش اور بے ارادہ آدمی کی طرح اس نے اجنبی کے اشارہ کی تعمیل کی اور چٹائی پر بیٹھ گیا۔

اب اسے دیکھ کر واقعی اجنبی نے کام شروع کر دیا ہو۔ اس نے پہلے وہ گھڑی نکولی جو ابن سابط نے باندھی چاہی تھی مگر نہیں بندھ سکی تھی۔ پھر دو تھان کھولا، کھولا، کھولا، اور جس قدر بھی تھان موجود تھے، ان سب کو وہ حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ زیادہ بھروسہ ایک میں کم۔ پھر دونوں کی ایک ایک دو گھنٹوں باندھ لیں۔ یہ تمام کام اس نے اطمینان اور سکون کے ساتھ کیا، گویا اس میں کسی لئے کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

پھر اچانک اسے کچھ خیال آیا۔ اس نے اپنی عبا، مار طالی اور اسے بھی گھڑی کے اندر رکھ دیا۔

اب وہ اٹھا اور ابن سابط کے قریب گیا:

”میرے دوست، تمھارے چہرے کی نرمی سے معلوم ہوتا ہو کہ تم صرف تھکے ہوئے ہی نہیں ہو بلکہ تھکے بھی ہو۔ بہتر ہو گا کہ چلنے سے پہلے دوہ کا ایک پیالہ لی لو۔ اگر تم چند لمبے انتظار کر سکو تو میں دوہ لے آؤں۔“ اس نے کہا، جبکہ اس کے پشت کو چہرہ پر بدمنو مسکراہٹ کی دلاویزی موجود تھی۔ لیکن نہ تھا کہ اس مسکراہٹ سے انسانی قلب کے تمام اضطراب مٹ نہ جاتیں!۔

قبل اس کے کہ ابن سابط جواب لے، وہ تیزی کے ساتھ ٹوٹا، اور باہر نکل گیا۔

اب ابن سابط تنہا تھا۔ لیکن تنہا ہونے پر بھی اس کے دل میں حرکت نہ ہوئی۔ اجنبی کے طرز عمل میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے اس کے اندر خوف پیدا ہوتا۔ وہ صرف تیز اور بہت تھا!

اجنبی کی ہستی اور اس کا طرز طریقہ ایسا عجیب و غریب تھا کہ جب تک وہ موجود رہا، ابن سابط کو تجر و تاثر نے سوچنے سمجھنے کی ہمت ہی نہ دی۔ اجنبی کی شخصیت کی تاثیر سے اس کی داخلی شخصیت منقلب ہو گئی تھی۔ لیکن اب وہ تنہا ہوا، تو آہستہ آہستہ اس کا دماغ اپنی اصلی حالت پر واپس آنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام داخلی خصائل پوری طرح ابھر آئے، اور وہ اسی روشنی میں معاملات کو دیکھنے لگا جس روشنی میں دیکھنے کا ہیشہ سے عادی تھا۔ وہ جب اجنبی کا بستم چہرہ اور دلہناز صافیں یاد کرتا، تو شک اور خوف کی جگہ اس کے اندر ایک ایسا ناقابل فہم جذبہ پیدا ہوتا جو آج تک اسے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ لیکن پھر جب وہ سوچتا

النحر الحلال مجلدات الهلال

گاہ گاہ ہے بازخان این دفتر پارسینہ را
مانہ خواہی داشت گردانہاے سینہ را

کلمے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علحدہ کر کے بیابان نہیں۔ پہلے دنوں ”البلاغ پریس“ کا جب تمام اساتذہ کرام نے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے کوشش کی کہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

جدیدچہ الحمد للہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ منفرد پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں بڑی مکمل ہو چکی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آذنی وقوعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت سی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہو سکے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لکھی گئی ہے۔

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
” ” ” ” چہارم ۱۰ روپیہ ” ” ” ” پنجم ۱۰ روپیہ
جلد ”البلاغ“ (جب دوسری مرتبہ الهلال اس نام سے شائع ہوا)
قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے منفرد پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آٹھ - محمول ذات و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

منیجر ”البلغ پریس“

اردو صحافت کی تاریخ میں الهلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔ اس نے ملک کے سیاسی، علمی، ادبی، اور دینی افکار و عقائد پر جو انقلاب انگیز اثرات ڈالے، قریب ہے کہ مستقبل ہند کا مورخ ان پر بحث کرے گا اور ان کے اندر وہ عناصر و مبادیات دھندھیکا جن سے ہندوستان کی سنہ ۱۹۱۹ء کے بعد کی اجتماعی تہذیب طرز پذیر ہوئی۔

الهلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مقرر رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و قدر کی نئی روح پیدا کر رہی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراک کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے طے تھے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہاف ٹن تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹالپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست ستر روپیہ میں خرید کیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بغاظات جمع

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف انڈیا کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فنِ تعلیم کے تمام نصیری اور عملی تعبیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا نامہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے نام سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

یہ طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف انڈیا کا تعلیمی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ

کرتا ہے۔

اس کے سوا کسی اور تعلیمی حلقوں میں معلوم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی مواد پر بھی ہوتے ہیں جن کی اہمیت کا علم طور پر اعتراف دیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے اس کا نام لے لیجئے کہ وہ ٹائمز آف انڈیا کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کو بھیجے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ باکس نمبر ۴۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میوزوں اور خشک کرنے کے پیداوار کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں اس کارخانے میں طیارے ای جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ پہلا کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجئے۔

یاں رکھیں

میوزوں، ترکاریوں اور ہر طرح کے زرعی مواد اور خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "ٹے سسٹم" کے نام سے مندرجہ ممالک میں مشہور ہے۔ اس "ٹے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، تمام پناش ایجنسیوں اور ہندوستانی سے تمام پیداوار کی چیزیں، ٹیلی فنی ایجادات سے اپٹ ملک کو آشد کوں، توڑی سی، مچلت اور توڑا سا سواریہ لکڑی ایک دفعہ کاروبار شروع کریں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح آپ تجارت کے گرو اور بعد سے اپنے کارخانوں، ہندوستانی کے تمام کارخانوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوہنوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کر کے چاہئیں۔ یہ پیراس کے آپ تجارت نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت کم خرچ کر کے یہ ساری باتیں نامعلوم عالمی اصول اور مواد حاصل کریں، تو آپ کو چاہئیں کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ خط و کتابت ایک ماہر فن کے ذریعہ کریں۔ خط و کتابت کے ذریعہ ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کو کیا کرنا ہے اس پر ہم غور کریں گے۔

تجارتی تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّهُ يَكْنُزُ مَوَاسِيْرَ كَثِيْرَةً

الْمَلَال

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۲۹ - محرم ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۷

Calcutta : Friday, 29, July 1927.

کیا حروف کی طباعت اور دو طباعت کیلیں موزون نہیں ؟

ضروری ہی کہ ہم اسکا اب فیصلہ کر لیں

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی ۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے ۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی ۔

ہندی اور ہندوستان کی تمام زبانوں میں ، نیز عربی ، فارسی ، ترکی ، تینوں سامی زبانوں
میں حروف کی چھپائی اختیار کر لی ہے اور انکی طباعت یورپ کی طباعت کا مقابلہ کر رہی ہے ۔
کیون اردو زبان بھی ایسا نہ کری جو اسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے ؟

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں ، وہ ہیں جن میں الھلال
چھپتا ہے ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں ۔ آپ ان
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں ۔ لیکن پتھر کی چھپائی میں اپنی زبان کو نجات دلائیں ۔
ہماری رائے میں بہترین حروف یہی ہیں ۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیں یہ نا موزون
نہیں تو اردو کیلیں کیون نا موزون ہوں ؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے ۔ یاد رکھیے ۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے ۔ ضروری ہے کہ اسکی
تمام تقایم ایک بار دور کر دی جائیں ۔

الھلال

ان تمام اصحاب کیلی

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، ایرانی، فارسی اور مطبوعہ نقائیں، ایرانی تصاویر، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زہر، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ ہم آرام ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں بھی منگوا دیجیے۔ اہل عام اور اہل دولت، دونوں اہلادے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادری عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مسامی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔

دنیا کے تمام قدیم تمدنی موزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، تورستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

با این ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد آگ ازاں ہیں !

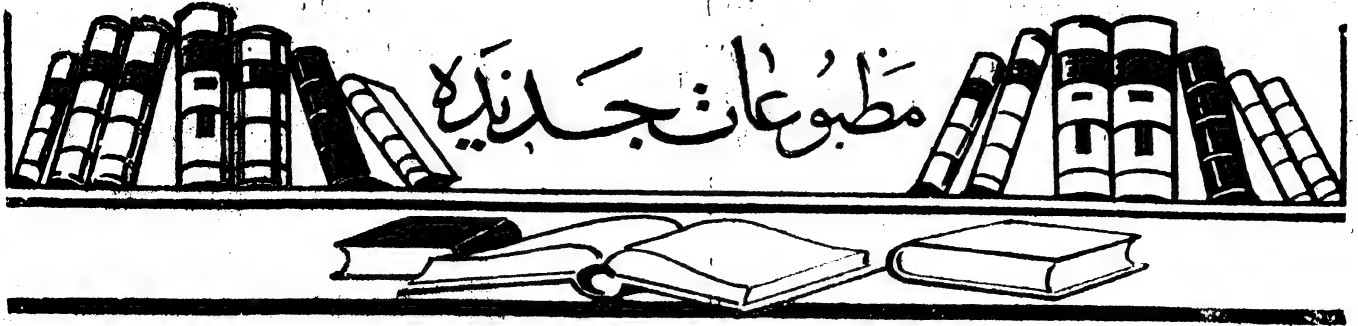
براعظم یورپ، امریکہ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتاب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاترہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کیے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو آپ فروخت کرنے کیلئے بھی بکے ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفیری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔

فرائیسیوں نے مصری دیوان کے تمام ارکان کی تصویریں کھینچ لی تھیں۔ از بطور عجائب شرق کے اچھے ساتھ فرانس لے گئے تھے۔ جبروتی نے یہ تصویریں دیکھی ہیں، ازراں کی صفائیوں پر تعجب ظاہر کیا ہے۔ مستشرق مارسل نے جسے نپولین عربی طباعت کے



پان یورپین تحریک اور امن عالم

ایک جرمن مدبر کی تحریروں

اس وقت جبکہ جلیو میں اسلحہ کی تخفیف و تعدید کے مسئلہ پر بحثیں ہو رہی ہیں، ایک نئی کتاب کے مصامین یقیناً دلچسپی کے ساتھ پڑھ جائیں گے جو حال میں شائع ہوئی ہے اور ”پان یورپین تحریک“ یعنی وحدۂ اقوام یورپ کی تحریک کے ایک جرمن داعی ڈونٹ ریچرڈ کورڈنر کیلرگی Richard Caudenhove Kalergi کے قلم سے نکلی ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے پان امن عالم کی ضرورت پر بہت موثر پیرایہ میں نظر ڈالی ہے۔ پھر ثابت کیا ہے کہ اسکا تنہا ذریعہ یہی ہے کہ ”یورپین طاقتوں کی روز افزوں ہتھیار بندی موقوف کر دی جائے“ لیکن ”ہتھیار بندی“ سے مقصود کیا ہے؟ صرف لوہے اور آگ کے ہتھیار؟ مصنف اس سے انکار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے ”صرف لوہے کے ہتھیاروں سے نہتہ کر دینا کچھ مفید نہ ہوگا۔ یورپ کو اس کے سیاسی، اخلاقی، اور اقتصادی حربوں سے بھی نہتہ کر دینا چاہئے۔ اسے بغیر ہتھیار بندی کی مخالف تحریک کے فائدہ ہے۔ جیتک بغض و حسد کے چھالے قوموں کے دلوں میں موجود رہیں گے، اس وقت تک دنیا میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا“

اسکے بعد مصنف لکھتا ہے: ”یورپ کی سلامتی کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں: مختلف قوموں کے مابین عدل قائم ہو جائے، اور جنگ اور جنگ کے اسباب راز کے لیے سلطنتیں اپنی قوت استعمال کرنے پر متفق ہو جائیں“

اگرچہ مصنف نے مختلف مغربی طاقتوں کی موجودہ جنگ جوہانہ حالت پر نظر ڈالی ہے:

”وارسلیز کے معاہدہ کے جرمنی کو نہتہ کر دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ لیکن یہ کہاں ہی عملمندی ہے کہ جرمنی کو اس کے مسلم پڑوسیوں کے درمیان نہتہ کر کے چھوڑ دیا جائے؟ یورپ کے امن و امان کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ تمام سلطنتیں ایک ساتھ اور ایک ہی قسم کا قدم اٹھائیں۔ یا تو سب مسلح ہو جائیں، یا سب ہتھیار راندیں۔ بعض کا ہتھیار بند رہنا اور بعض کا ہتھیار رکھ دینا، امن کا نہیں جنگ کا موجب ہے“

”یورپین سرحال کی سلامتی کی سب سے زیادہ آسان اور عملی صورت یہ ہے کہ برطانیہ اپنے جنگی بیڑے کے ذریعہ حفاظت کی ذمہ داری لے لے۔ اور اس کے بعد اس سلطنت اپنی بحری قوت بڑھا کر جنگ کا ایک اور خطرہ پیدا کر دے۔ اگر برطانیہ اس پر راضی ہو جائے کہ اپنا جنگی بیڑا یورپ کی ضرورتوں کیلئے وقف کر دیگی تو بلا شک دنیا کا امن و امان یقینی ہو جائیگا۔ لیکن برطانیہ یہ اسی وقت منظور کر سکتی ہے جب تمام دلوں یورپ طے کر لیں کہ اپنی مجموعی بحری قوت، برطانیہ کی بحری قوت سے کم کر دیں گی“

”ترکی کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد روس ہی ایک ایسی سلطنت ہے جسکی سرحدیں خشکی میں یورپ سے ملتی ہیں۔ روسی سرحدیں بہت وسیع ہیں اور بے شمار مشکلات کا سبب بنی ہوئی ہیں۔ روس کا اپنے تمام پڑوسیوں سے جھگڑا ہے۔ سب سے زیادہ اہم اس کے سیاسی اور اجتماعی جھگڑے ہیں۔ پھر روس کی آبادی بھی بہت بڑی ہے۔ جنگی طیاریاں بھی عظیم ہیں۔ اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اس کی اصلی غرض تمام دنیا میں انقلاب پیدا کرنا ہے۔ روسی مدبر حیثیت انگیز مستعدی سے انقلاب کی تخم ریزی کر رہے ہیں۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ روس اپنے مقاصد کی اشاعت امن و آشتی سے کرنی چاہتا ہے، وہ سخت فریب خوردہ ہے۔ روس جنگ کو اپنے مقاصد کی کامیابی کا ایک ہی ذریعہ سمجھتا ہے“

”روس سے مفاہمت کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ یورپ اس کی سرحدوں کا احترام کرے اور وہ یورپ کی سرحدوں کا“

”یورپ کو کسی حال میں بھی روس پر حملہ کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے۔ نہ اس کے اندرونی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت کرنی چاہیے“

”یورپ کی داخلی سلامتی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اس کے موجودہ سیاسی نظام میں کامل تبدیلی نہ ہو جائے۔ یورپ کی حفاظت کے لیے کوئی نظام ضرور مرتب ہونا چاہیے“

”یورپ سے اچانک ہتھیار رکھا لینا ناممکن ہے۔ اس معاملہ میں پیش قدمی ان سلطنتوں کو کرنی چاہیے جو اس کی زیادہ ضرورت محسوس کرتی ہیں۔ جب یہ سلطنتیں باہم ایک رائے پر متفق ہو جائیں گی، تو دوسری سلطنتیں بھی ان کی پیروی پر مجبور ہو جائیں گی۔ جنگی قوت کے اعتبار سے یورپ کی نو سلطنتیں زیادہ اہم ہیں۔ اگر یہ آپس میں متحد خیال ہو جائیں تو تمام دلوں یورپ کو سر جھکا دینا پڑیگا جن کی تعداد اس وقت ۲۵ ہے۔ مجلس اقوام یا دلوں عظمیٰ میں سے کسی ایک کو اس مقصد کے لیے کانفرنس بلانی چاہیے۔ کانفرنس میں حسب ذیل امور طے کرنے چاہئیں:

(۱) تمام دلوں یورپ پختہ عہد کر لیں کہ ان میں سے کوئی کسی پر اعلان جنگ نہ کرے گی۔

(۲) ہر باہمی نزاع میں اقوامی پنچائت کے سامنے فیصلہ کے لیے پیش کیا جائیگا۔

(۳) غیر یورپین حملوں کے مقابلہ میں تمام یورپ متحد ہو جائیگا۔

(۴) اگر اس معاہدہ پر دستخط کرنے والی ایک سلطنت، دوسری پر حملہ کرے گی، تو تمام دلوں کو اسے سزا دیں گی۔

(۵) غیر یورپین سلطنتوں سے دلوں یورپ نے جتنے معاہدے کر رکھے ہیں، سب منسوخ کر دیے جائیں“

ادبیات

تین ہزار سال پہلے کی شاعری

قدیم مصری شاعری

مصر، دنیا کے قدیم ترین تمدن کا مرکز ہے۔ یونان اور روم جبکہ
جہل کی ظلمتوں میں لپٹے پڑے تھے، تو مصر میں علم و حکمت کا آفتاب
نصف النہار پر تھا۔

دنیا "توت آنچ آمون" کے نام سے واقف ہو چکی ہو حال
ہی میں اس کا مقبرہ اور معجہ و سالم جتنہ برآمد ہوا ہے۔ ہم اسی بادشاہ
کے ایک عزیز بادشاہ کے زمانہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نام
"آمی توت" "چام توت" ہے۔ "توت آنچ آمون" کا بہنوئی تھا،
اور شہنشاہ قبل مسیح میں مصر کے تخت پر حکمران تھا۔

قدیم شاہان مصر میں اس بادشاہ کو خاص امتیاز حاصل
ہو۔ اس کے عہد میں مصر کا تمدن اپنے گولے عروج تک پہنچا۔ مصر
نے صرف ادنیٰ ترقی ہی نہیں کی تھی معنوی ترقی کے بھی کئی مرحلے
طے کئے تھے۔ اس سے پہلے مصر میں طرح طرح کے توہن
عام تھے۔ عام اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندگی
صرف اسی طرح مل سکتی ہے کہ اس کی قبر پر شیطاؤں کی تصویریں بنائی
جائیں۔ مینرڈ پر کھانا پینا رکھا جائے۔ نخی نخی مورتیں اس
کے کفن میں بطور تزیین کے لٹکا دی جائیں۔ خیال تھا یہ سب
چیزیں "کا" کو زندہ کر دیتی ہیں، اور "کا" زندہ ہو کر مرنے میں
ازبھر توجہ پھونک دیتا ہے۔ قدیم مصری زبان میں "کا" وہی
وہمی چیز ہے جسے آجکل ہمزاد کہا جاتا ہے۔ ان کا بھی عقیدہ تھا کہ
ہمزاد ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ صرف موت اسے جدا کر دیتی
ہے۔ لیکن اگر مذکورہ بالا چیزیں قبر میں ہیا کر دی جائیں تو تیزاد
کا تعلق مرنے سے باقی رہتا ہے اور کبھی نہ کبھی اس کی دوبارہ زندگی
کا باعث ہوتا ہے۔

"آمی توت چام" نے یہ مقام متوجہانہ عقائد باطل کو دئے۔
اسی قدر نہیں بلکہ مصر کے تمام دینی عقائد بھی بدل ڈالے۔ ایک نیا
مذہب ایجاد کیا۔ اور اس کی بنیاد آفتاب پرستی پر رکھی۔ پہلے
مصریوں کا معبود "عظم" "آمون" تھا۔ اس بادشاہ نے اسے منسوخ
کر کے "اخاتن" کی عبادت جاری کی۔ "اخاتن" "دومصری
لفظوں سے مرکب ہے "اخا" اور "آتن"۔ "اخا" کے معنی
ہیں روشنی اور تودہ۔ "آتن" کا اطلاق سورج پر ہوتا تھا۔ پس
"اخاتن" کے معنی ہوئے "سورج کی روشنی"۔

اس بادشاہ کے عہد کے بہت سے آثار اور مقبرے برآمد
ہوئے ہیں۔ ان مقبروں میں مذکورہ بالا خرافات کا کوئی نشان
نہیں ملتا۔ ان میں نہ تو شیطاؤں کی تصویریں ہیں، نہ چھوٹی
چھوٹی مورتیں۔ نہ کھانے کے مینرڈ ہیں۔ ان میں جو کچھ ہے وہ بادشاہ
اور ملکہ کے مجلسوں اور جشنوں کی تصویریں ہیں، یا مصر کی مذہب

قدیم مصری نظم
اسی عہد کے ایک قبرستان میں بہت سے اشعار کندہ لے ہیں۔
یہ پڑھ لے گئے ہیں۔ ان کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ یہ حقیقت جو عظم
"آتن" (آفتاب) کی تعریف و ستائش کے قصیدے ہیں لیکن یہ
اس سے بھی بڑے کچھ ہیں۔ یہ تین ہزار سال پہلے کی ترقی یافتہ انسانی
ذہنیت دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ شعر، انسانی جذبات و
قلبی کیفیات کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس مصری شعر کے اندر موجودہ
انسانیت، اپنی قدیم شکل دیکھ سکتی ہے۔ ذیل میں اس کے چند
نمونے ملاحظہ ہوں:

"آتن" کا جلال!

کیا دلفریب ہو ترا اطلو افق آسمان میں!

لے رو پہلے طباق! لے سرخسہ حیات!

ہر صبح ہم تجھے آسمان کے درجہ میں دیکھتے ہیں

تو قوری زمین اپنے حسن سے معمور کر دیتا ہے!

تو ہی خوبصورت ہو، عظیم ہو، روشن ہو، زمین پر بلند ہو!

تیری شاخیں تمام زمینوں کو اپنے دھنوں میں لے جاتے ہیں!

ہاں، تمام زمینوں کو لے ہوئے، جنھیں تیری نے بنایا ہے!

اور تو ہی نے ان پر انسانوں کو آباد کیا ہے!

ہاں، انسانوں کو جنھیں تو ہی نے پیدا کیا ہے!

وہ انسان، جنھیں تو نے نعت کے بندہ سے جوڑ دیا!

کہتے ہیں، تو دودھو، بہت دودھو!

مگر تو دودھ کہاں ہے؟ تیری شاخیں تو زمین پر پھیلی ہوئی ہیں!

لے بلند تر کیا دن کی تابناکی پر اپنی ایک جلوہ لڑائی نہیں ہے؟

رات

لے بادشاہ! جب تو آسمان کے کچھ میں لیٹ جاتا ہے

تو سامے جہان پر موت کی تاباکی چھا جاتی ہے!

آدمی اپنے گھر میں سو جاتا ہے

مٹے لپٹے، بے حرکت، صحت سانس چلتی ہے!

کوئی کسی کو نہیں سمجھتا۔ آنکھیں بند ہوتی ہیں

آنکے سرانے چمکھڑا ہوتا ہے، مگر انھیں خبر نہیں!

شیر کچا سے بچتے ہیں، سانپ بیٹھا شروع کرتے ہیں!

کیا ملکہ ملک کی فرازدانی نہیں؟

کیا دنیا دے سناتے میں نہیں ہے؟

ہاں سب کا بنانے والا افق کی محل سرا میں کو خواب ہے!
دن اور انسان

یہ کسی ہا ہی ہے؟

زمین مسرت سے کیوں اچھل رہی ہے؟

دیکھو بادشاہ کی سواری افق میں نمودار ہو گئی!

تو نے کائنات روشن کر دی!

تاریکی کا پتہ نہیں!

تو آسمان پر مگر تیری شاخیں زمین پر!

یہ ہمارے بادشاہ کا جلال ہے!

آدمی خوشی سے اپنے پردوں پر کھڑے ہوئے

تو نمودار ہوا اور زندگی کا آغاز ہوا!

سب ہٹا دھو کر لے۔

سب کے ہاتھ مشرق کی طرف اٹھ گئے۔

ہاں مشرق کی طرف، تیری راجدھانی کی طرف!

تیری بندگی کے بعد دنیا کے کام شروع ہوئے!

دن اور حیوان و نبات

جو پائے چراگاہ ہوں میں پہنچ گئے۔

درخت اور پودے کھلکھلانے لگے

چڑیاں بھی گونگنوں سے اڑ گئیں

پراٹھائے، تیری تسبیح کرتی ہوئیں!

ہر پرندہ اڑ رہا ہے!

ہر کوئی تیری روشنی میں زندگی پا رہا ہے!

دن اور پانی

کشتیاں آنے جانے لگیں

اپنے مسئولان میں اڑا رہی ہیں!

سب راہیں تیرے نور سے روشن ہو گئیں!

پھیلیاں تلخ پرورد آئیں!

لے تودہ تیرے سجدے میں گر پڑیں!

تیری شاخوں نے مویں توڑ دیں!

سمندر کی تہ پر کچھ گئیں!

انسان کی پیدائش

تو ہی نے عورت سے انسان کو پیدا کیا!

تو ہی نے مرد میں زندگی کا تخم رکھا!

ماں کے پیٹ میں بچے کو زندگی بھی سے ملی!

وہ نہ روتا ہے نہ گھڑا ہے!

رحم مادر میں پڑا ہوا ہے!

تیرا دست شفقت اُس پر دھرا ہے!

ماں کے پیٹ سے بچتا ہے اور نور دیکھتا ہے!

تو اس کا معصوم منہ کھول دیتا ہے!

تب وہ بولتا ہے!

پھر تو ہی اس کی مزدتیں پوری کر رہا ہے!

لے بادشاہوں کے بادشاہ! تیرا نام پڑا ہے!

حیوان کی پیدائش

مغی کا اٹھا!

اُس کے اندر بچہ!

یہ تیری ہی قدرت ہے!

زندگی، یہ تیری ہی صنعت ہے۔

تو ہی نے اٹھ سے میں سانس ڈالی،

دیکھو، بچہ اب ہل رہا ہے!

بصائر و حکم

الانسانیت موت کے دروازہ پر!

شاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

حسین بن علی علیہما السلام

۳

ذلت پسند کر لی۔ خدا انھیں اسے جو ذلت قبول کرتے ہیں! (بعض روایات میں یہ واقعہ خود تیری کی طرف منسوب ہو مگر صحیح یہی ہو کہ ابن ابی نے پھڑی ادا کی تھی)

(ابن زیاد اور حضرت زینب

راوی کہتا ہے جب اہل بیت کی خاتونیں اور بچے عیدائہ کے سامنے پہنچے تو حضرت زینب نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ بچائی نہیں جاتی تھیں۔ ان کی کنیزیں انھیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ قبیلہ نے پوچھا: یہ کون بھی ہے؟ انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر ان کی ایک کنیز نے کہا: ”یہ زینب بنت فاطمہ ہیں!“ عیدائہ شہادت کی راہ سے چلیا، ”اُس خدا کی تائش جس نے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا، اور تمھارے نام کو بڑھایا! اُس پر حضرت زینب نے جواب دیا: ”ہزار تائش اُس خدا کے لئے جس نے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عزت بخشی، اور ہمیں پاک کیا، نہ کہ عیباً تو کہتا ہو۔ فاسق رسوا ہوتے ہیں۔ فاجروں کے نام کو بڑھایا ہو!“ ابن زیاد نے کہا: ”تو نے دیکھا خدا نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟“ حضرت زینب بولیں: ”ان کی ہمت میں تیرے کی موت لکھی تھی اس لئے وہ قتل میں پہنچ گئے۔“ عنقریب خدا تجھے اور انھیں ایک جگہ جمع کرے گا اور تم باہم اُس کے حضور سوال و جواب کرو گے!“ ابن زیاد غضبناک ہوا۔ اُس کا غصہ دیکھ کر عمرو بن حریث نے کہا: ”خدا امیر کو سزا دے! یہ تو محض ایک عورت ہے۔ عہد قول کی بات کا خیال نہیں کرنا چاہئے۔“

پھر کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا: ”خدا نے تیرے سر کو سرور اور تیرے اہل بیت کے مافوقان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا! اُس پر حضرت زینب اپنے تیل سے نہاں نہ سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ انھوں نے کہا: ”واللہ تو نے میرے سرور کو قتل کر دیا! امیرا خدا کا بیٹا والا امیری شاخیں کاٹ دیں! امیری جڑا کھا ڈی! اگر اس سیرت پر دل ٹھنڈا ہو سکتا ہو تو ٹھنڈا ہو جائے!“ ابن زیاد نے مسکرا کر کہا: ”یہ شجاعت ہو! تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا!“ زینب نے کہا: ”عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کر دیا ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، یہ تو دل کی آگ ہے!“

ابن زیاد اور امام زین العابدین

اس گفتگو سے نافع ہو کر ابن زیاد کی نظر زین العابدین علی بن حسین پر پڑی۔ یہ بیمار تھے۔ ابن زیاد نے ان سے ان کا نام پوچھا۔ انھوں

حضرت زینب نے پامال لاش دیکھی

دوسرے دن عورتیں سجدے میں جان جنگ سے کورج کیا۔ اہل بیت کی خاتونیں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوثر روانہ ہو گیا۔ قرہ بن قیس (جو شاہی بیٹی ہے) روایت کرتا ہے کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسین اور ان کے لڑکوں اور غریزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فغاں کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ میں گھوڑا دھڑا کر ان کے قریب پہنچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھ پر زینب بنت فاطمہ (علیہا السلام) کا یہ بین کسی طرح بھی نہیں بھولتا۔ ”اے محمد! تجھے پر آسان کے فرشتوں کا درود سلام! یہ دیکھ حسین! ریگستان میں ٹرا رہے! خاک و خون سے آلود ہو! تمام بدن مسخڑے ہو! تیری بیٹیاں قیدی ہیں! تیری اولاد مقتول ہو! ہوا ان پر خاک ڈال رہی ہے!“ رادی کہتا ہے دوست دشمن کوئی نہ تھا جو ان کے بین سے رونے نہ لگتا ہو۔ (ابن جریر)

۲۷ سمر!

پھر تمام معتدلوں کے سر کاٹے گئے۔ کل ۷۲ سر تھے۔ شمر بنی الحوشن قیس بن الاشعث، عمرو بن الحجاج، غزہ بن قیس، یہ تمام سر عیدائہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت کا سر ابن زیاد کو سامنے

حمید بن سلم (جو غولی بن زید کے ساتھ حضرت حسین کا سر کوڈ میں لایا تھا) روایت کرتا ہے کہ حسین کا سر ابن زیاد کے دربار رکھا گیا۔ مجلس حافیں سے لبرز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک پھڑی تھی۔ پھڑی آپ کے پاؤں پر پڑے لگا۔ جب اُسے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارم صحابی چلا آئے: ”ان لوگوں سے اپنی پھڑی ہٹا لے۔ قسم خدا کی! میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا دوسرے ہاتھ لیتے تھے“ یہ کہہ وہ زار قطا رونے لگے۔ ابن زیاد خفا ہو گیا۔ ”خدا تیری آنکھوں کو رلائے! والدہ اگر تو بڑا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو امی تیری گردن مار دیتا!“ زید بن ارم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے۔ ”اے عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو! تم نے ابن ابی لہ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (یعنی عیدائہ) کو صاف بنا دیا۔ وہ تمھارے نیک انسان قتل کرنا اور تمھارے شہریروں کو غلام بنا کر تم

لے بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت انس نے یہ کہا تھا (منہاج السنہ)

پوری قوت سے چلا آ رہا
خائف کی تائش کرتا ہے!
اپنے بچوں پر دودھ پھرتا ہے!
دنیا کی پیدائش
تیری منقش کسی عجیب ہے؟
ہماری عقل سے بھی بڑا ہے!
اے ایک اکیلے بھڑا
تیری جیسی قوت کہاں ہے؟
تو نے زمین پیدائی جس طرح پیداکرنا چاہا!
تیرے اکیلے ہاتھوں نے زمین بنائی!
تو نے آدمی اور چھوٹے بڑے جان پیدائے!
تمام زمین کی مخلوق، پرورد سے چلنے والی!
تمام آسمان کی مخلوق، پرورد سے اُٹنے والی!
تو نے سرزمین شام پیدائی، تو بیا پید کیا!
تو ہی نے مصر کی سرزمین بھی پیدائی!
ہر انسان کو اُس کی جگہ پر لایا!
اُس کی زندگی کا سامان بیا کر دیا!

اُسے دولت دی،

اُس پر موت لکھی،

سب کی سٹخیں الگ الگ،

سب کی زبانیں جدا جدا،

کوئی کالا کوئی گورا،

اے سب کے الگ! یہ تیرا ہی جلوہ ہے!

دریائے نیل

تو نے دوسرے عالم میں نیل پید کیا،

اپنی پسند کے مطابق اُسے جاری کیا،

سب نے اُس سے اپنی زندگی پائی،

اے پروردگار! اگر درود کے مددگار!

اے زمین کے ہر گوشے کے مالک!

اے روز روشن کے آفتاب!

تو ہی نے سب کو پید کیا،

تو ہی پہاڑوں پر موسلا دھار میخ برساتا ہے،

پانی مریضوں کو زہن پر ہوتا ہے!

سب ملکوں میں آدمی اپنے کھیت پیختے ہیں،

اے ابدیت کے الگ! تیرے کارنامے کیسے شاندار ہیں!

سب جاؤ بھی تیرے ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں

لیکن تمھارا نیل دوسری دنیا سے کہا ہے!

تیری شاخیں اُس پر پڑتی ہیں!

سبز و لہلہا اُٹھتا ہے!

بلوغت جو منے لگتے ہیں!

تیرا روز زندگی ہے!

کبھی سے کامنات باقی ہے!



اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھر آگئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں

ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.**

جو

دنیا میں کتبِ فردوسی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے! انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں و ملحقہ ممالک میں شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقتے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں ہے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت چاہتے ہیں
یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں،
ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کرے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کجھیکر

جنگلی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف

ڈولپ گائیڈ بک بریٹن

The Dunlop
Guide
to Great Britain

کاؤنٹر ایڈیشن ہے

ہندوستان

کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک شال سے مل سکتی ہے

تاریخ راجگان ہند

موسوم ہے

دقائق رجستان

یہ کتاب جس بلکہ کشور ہندوستان کے لئے ایک آئینہ جہان نامہ ہے۔ اس میں
ہندو اقوام و ملخصوٹا سرزمین ہند کی سرزمین نامہ ہندو قوم راجپوت اور
اسکی مختلف شاخوں کا مفصل دستہ بیان از ابتدا تا انتہا موجود ہے۔ یہ ایک
نکارخانہ ہے جس میں ان غیر قوم کی جاتی اور بھی تصویریں نظر آتی ہیں جو اہم
ہند میں پرستش سے آئیں، اہلی باشندگان ہند کو غلبہ کر کے اقتدار
ملک پر قابض ہوئے اور ہندوستان میں کمر ہندو کھلائے لگیں یہ ایک
مرتبہ ہے جس میں سلاطین کی آمد ان کے اقبال و زوال کی کیفیت اور انکی سلطنت
کے سقوط کا مفصل حال درج ہے۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں ہندو قوم و ملخصوٹا
روایات و رسوم تاریخی و جغرافیائی حالات وغیرہ تازہ حال بیان
کئے گئے ہیں۔ الفرض یہ کہ یہ ضخیم کتاب ایک نادر الوجود اور بیش بہا الم ہے۔
کرشن ٹاڈا اور دیگر مؤرخین کی غلط بیانیوں کی فاضل و محققوں نے
نے نہایت شرح و بسط اور دلائل قاطعہ سے اصلاح و تردید فرمائی۔ اس کے نتیجے
کا اخذ ریاست عالیہ یامپو کا بیش بہا کتب خانہ ہے اور دیگر ریاستوں
کے کتب خانوں اور ان دستی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے جو خزائن میں محفوظ
ہیں علماء و علماء مدرسین و مبلغین کے لئے یہ نادر کتاب معلومات کا ایک
بیش بہا خزانہ ہے جو حالات تاریخی و جغرافیائی روایات و رسوم و عقائد و
تہذبات اس میں درج ہیں وہ کسی ایک کتاب میں ہرگز نہیں مل سکتے۔
والیان ریاست قلعہ داران، امر اور دوسرے کے کتب خانے بغیر
بے نظر کتاب کے ہرگز مکمل نہیں کھلا سکتے۔ فی زمانہ برائی باتوں پر جو نیازنگ
چرا کر پیش کیا جا رہا ہے اسکی تفسیر کھولنے کے لئے یہ کتاب ایک ضرورت آلہ
اور الزامی جواب دینے کے لئے ایک ہلک حریہ ہے۔ تقیہ بڑی صفحات ۶۳۰

قیمت صرف مبلغ ۷۰ روپے

آج ہی کارڈ بک کریم بک گینسی لکھنؤ سے منگائے

دنیا کی بہترین پینل

امریکن کارخانہ "شیفر"

کی

"لائف ٹائم" پینل ہے

اسلئے کہ

(۱) "لائف ٹائم" یعنی عمر بھر کے لئے کافی ہے۔

(۲) اسکا خول اس قدر خوشنما اور دیدہ زیب ہے کہ دنیا

کی کوئی پینل خوبصورتی میں اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(۳) آؤڈنی میں بھی تمام قسموں کی پینلوں کا مقابلہ کرتی ہے

یاد رکھئے

آپ کو "لائف ٹائم" پینل خریدنی ہے!

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا میں بہترین فائین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) آہنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت

یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) آہنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی

زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) آہنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری

بیل بوٹوں سے مزین کہ آہنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو

"شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

الملال کی قدیم مکمل جلدیں

کھائے گا ہے باز خواں اس دفتر یا رینرا
تازہ خواہی داشتن گرد اغنائے سینرا

الملال کی پہلی اور دوسری اشاعت کی جلدوں کے لئے شائقین علم
ادب و شائق تھے چند جلدیں دفتر ہیا کر سکا ہوئے بل قیمت بھیجی

الملال جلد سوم

الملال جلد چارم

جلد پنجم

قیمت فی جلد ۱۰ روپیہ

الملال (یعنی الملال کا دوسرا سلسلہ اشاعت) قیمت ۸ روپیہ (نمبر الملال)

سرکارِ کرم
دعوت

(ضیق نفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شیت

ہو، تو تامل نہ کیجئے

اپنے سے

قریب دوا فروش کی دکان

سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا سنگو آکر

استعمال کیجئے

تاریخ کبیر دہوی

یزید کا تاثر

یزید کے غلام قاسم بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ جب حضرت حسین
اور ان کے اہل بیت کے سر پر زید کے سامنے لگے گئے تو انہوں نے یہ شعر
پڑھا:

یظنن ہا من جال اغرة علینا دم کاذا اذ اعق واطما
تلوا بر لبو کو سر بھاتی ہن جوہن عزیزین، حالانکہ دراصل وہی حق فراموش
کرنے والے ظالم تھے۔

پھر کہا: "والدہ حسین! اگر میں ہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا!"

اہل بیت دشمن میں

حضرت حسین کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دشمن قرار
کر دیا۔ شمر بن ذی الجوشن اور مخزوم بن عبداس قافلے کے سردار اور الم
زین العابدین ماستہر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔
یزید کے دروازے پر پہنچ کر مخزوم نے قتل کیا۔ "میں امیر المؤمنین کے پاس
فاجر کیسیوں کو لایا ہوں!" یزید یہ سن کر خفا ہوا۔ کہنے لگا "مخزوم! ان
سے زیادہ کمینہ اور شریر کچھ کسی عورت نے پیدا نہیں کیا!"

یزید اور ام زین العابدین

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو
بھی بٹھایا اور ام زین العابدین سے مخاطب ہوا۔ "اے علی! تمہارے
بہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا، میرا حق بھٹایا، میری حکومت چھینا چاہی
اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو۔"

ام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی: "ما اصاب من
مصيبة فی الارض ولا فی الفسک الا فی کتاب من قبل ان ننزلھا
ان فلک علی اللہ لیسیر لک لئلا تسو علی ما فاکم ولا تفرحوا بما آتاکم
واللہ لا یحب کل محتال فخور"۔ یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اُس نے
چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے۔ مگر خالد کے کچھ میں کچھ نہ آیا
تب یزید نے خالد سے کہا "کتنا کیوں نہیں" "ما اصابکم من مصیبة
فما کسبت ایدکم ولقد عرفت لکین"۔

پھر یزید دوسرے بچوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ انھیں
اپنے قریب بلا کر بٹھایا۔ ان کی بہت خراب ہو رہی تھی۔ دیکھ کر
مناست ہوا اور کہنے لگا "خدا! ابن مرجمہ کا بڑا کرے اگر تم سے اس
کا کوئی رشتہ نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا، نہ اس حال
سے انھیں میرے پاس بھیجتا۔"

حضرت زینب کی مہیا کا نہ گفتگو

حضرت فاطمہ بنت علی سے مروی ہے کہ جب ہم یزید کے سامنے
بٹھائے گئے تو اُسے ہم پر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دے کر کاٹ کر دیا۔ بڑی
مہربانی سے پیش آیا۔ اسی آٹا میں ایک شیشہ رنگ کا شامی بٹھا ہوا
اور کہنے لگا "امیر المؤمنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے" اور میری
طرف اشارہ کیا۔ اس وقت میں کہیں اور نہ دیکھ رہی تھی۔ میں خوف سے
کاٹنے لگی اور اپنی بہن زینب کی چادر بکڑی۔ دد مجھ سے بڑی تھیں
زیادہ سمجھا رہیں، جانتی تھیں یہ بات ہوئی نہ تھی۔ انھوں نے کچھ
کر کہا "تو کمینہ ہو۔ نہ تجھے اس کا اختیار ہو نہ اسے (یزید کو) اسکا
حق ہو!" اس جرأت پر یزید کو غصہ آیا۔ کہنے لگا "تو جوڑی بکڑی
ہو والدہ مجھے یہ حق حاصل ہو۔ اگر جاہلوں تو ابھی کر سکتا ہوں" زینب

لے تھاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے اکل
آسان ہو۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر تم اسوں کو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو
خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہو۔ لے جو مصیبت بھی آتی ہو
تمہارے لئے اچھا آتی ہو۔ اور بہت سی غلطیاں تو خدا ممان کرتا ہو۔

نے کہا "علی بن حسین" ابن زیاد نے قہر سے کہا "کیا اللہ نے علی بن حسین
کو قتل نہیں کر ڈالا؟" زین العابدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابن زیاد نے
کہا "بولتا کیوں نہیں؟" انھوں نے جواب دیا "میرے ایک اور بھائی کا
نام بھی علی تھا۔ لوگوں نے اُسے مار ڈالا" ابن زیاد نے کہا "لوگوں نے
نہیں، خدا نے مارا ہو!" اس پر زین العابدین نے یہ آیت پڑھی "اللہ
یتوفی المنافسین"۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ
اس پر ابن زیاد چلایا "خدا تجھے اے! تو بھی اُسی میں سے ہو" پھر اس کے
بعد ابن زیاد نے چاہا، انہیں بھی قتل کر ڈالے لیکن زینب مقرر ہو کر تجھ
اتھیں "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو مومن ہو اور اس لڑکے
کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہو تو تجھے اسی کے ساتھ مار ڈال!" ام زین
العابدین نے بلند آواز سے کہا "اے ابن زیاد! اگر تو ان عورتوں سے
اپنا ذرا بھی رشتہ بھٹتا ہو تو میرے بعد ان کے ساتھ کسی قسم کی آدمی کو بھیجا
جو اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے بڑا ذرا کرے" ابن زیاد دیر
تک زینب کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "رشتہ بھی
کیسی عجیب چیز ہو؟ والدہ مجھے یقین ہو کہ یہ سچے دہی سے لڑکے کے ساتھ
قتل ہونا چاہتی ہو۔ اچھا، لڑکے کو چھوڑ دو یہ بھی اپنے خاندان کی
عورتوں کے ساتھ بنائے" (ابن جریر کمال وغیرہ)

ابن عقیق کا قتل

اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہداء والوں کو جمع کیا
اور طلبہ تھے ہوئے اُس خدا کی تعریف کی "جس نے حق کو ظاہر کیا، حق کو
کو قہیاب کیا، امیر المؤمنین یزید بن معاویہ امدان کی جماعت غالب ہوئی
اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی اور اُس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا
... یہ سن کر عبد اللہ بن عقیق ازدی (جو حضرت علی کے مشہور صحابی
ہیں اور جنگ جمل یقین میں تھے) ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھولنے لگے
کھڑے ہو گئے اور چلائے "خدا کی قسم! ابن مرجمہ! کذاب ابن کذاب
تو تو جو نہ کہ حسین بن علی" ابن زیاد نے یہ سن کر انھیں قتل کر ڈالا۔

یزید کے سامنے

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسین کا سر اہل بیت پر نصب کر کے حجر
بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیج دیا۔ قاتلین رمیہ کرتا جو جس وقت
زجر میں نہیں پہنچتا، میں یزید کے پاس بھیجتا تھا۔ یزید نے اُس کو سوال
کیا "کیا خبر ہو؟" قاصد نے جواب دیا "نتیجہ نصرت کی بشارت لا رہا ہوں
حسین بن علی اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ۹۰ حامیوں کے ساتھ ہم تک
پہنچے۔ ہم نے انھیں بڑھ کر دکان اور مصلیہ کیا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالہ
کر دیں ورنہ لڑائی لڑیں۔ انھوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی چنانچہ
ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر حملہ کر دیا۔ جب تلواریں اڑنے
سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھاڑیوں و درختوں
میں چھپنے لگے جس طرح کھوڑا باز سے بھاگتے اور پچھتے ہیں۔ پھر ہم نے
ان سب کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت ان کے لاشے بہت بڑے ہیں۔ ان کے
کپڑے خون میں تر ہیں۔ ان کے رخسار غما سے میلے ہو رہے ہیں،
ان کے چہرہ دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔
گردن کی خوراک بن گئے ہیں!"

یزید رونے لگا

راوی کہتا ہے یزید نے یہ سنا تو اُس کی آنکھیں تنگ بار ہو گئیں۔
کہنے لگا "بغیر قتل حسین کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا
تھا۔ ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! والدہ اگر میں دہاں
ہوتا تو حسین سے ضرور دو گزر کر جاتا۔ خدا حسین کو اپنے جوار رحمت
میں جگہ دے!" قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا (ابن جریر کمال
لے خدا ہی تو کے وقت جاہل لیتا ہے۔ کوئی بھی بغیر اس کی اذن کے نہیں جتا۔

نے کہا "ہرگز نہیں! خدا نے تجھے جتن ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہو کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرو۔" یزید اور بھی زیادہ خفا ہوا۔ کہنے لگا "وہن سے تیرا باپ اور تیرا بھائی بھل چکا ہو،" زینب نے ملتا ملتا جواب دیا "اگر میرے دین سے میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے ہدایت پائی ہو!" یزید چلا گیا "لے دشمن خدا! تو بھولی ہو!" زینب بولیں "تو ہر دینی تمام بن چکا ہو۔ ظلم سے گریباں دیتا ہو۔ اپنی قوت سے مخلوق کو دبا رہا" حضرت فاطمہ بنت حسین میں یہ گفتگو سن کر شاید یزید شرمندہ ہو گیا۔ کہہ کر پھر کچھ بولا۔ مگر وہ شامی پھر کھڑا ہوا اور دینی بات کہی۔ پر یزید نے غضبناک آواز میں اسے ڈانٹ بتائی "دور ہو، کجوت! خدا تجھے موت کا تحفہ بخشے!"

یزید کا مشورہ کرنا

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی رسول داورا کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا "ان لوگوں کے ہاں سے کیا مشورہ دیتے ہو؟" بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا مگر عثمان بن ہشام نے کہا "انکے ساتھ وہی کچھ جو رسول الصلعم افضل بن حال میں دیکھ کر کرتے، حضرت فاطمہ بنت حسین نے یہ سن کر کہا "لے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں!" اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متاثر ہوئی۔ وہ اور دوبارہ اپنے اسو نہ ردک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ انکے تمام کے لئے علوہ مکان کا انتظام کر دیا جائے۔

یزید کی بیوی کا غم

اس اثنا میں واقعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی مل گئی۔ حضرت عبداللہ بن ابی سہل نے یزید کی بیوی نے پھر زینب ڈالا اور باہر آکر یزید سے کہا "اے میرا کونین! کیا حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ کا سراپا ہے؟" یزید نے کہا "ہاں! تم خود دو، میں کرو، رسول اللہ کے نواسے اور قریش کے افضل پر آدم کرو۔ ابن زیاد نے بہت حد تک کی قتل کر ڈالا، خدا اسے بھی قتل کرے!"

"حسین کی اجہادی غلطی!"

اس کے بعد یزید نے صاحبزین مجلس سے کہا "تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ حسین کے اجتہاد کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے سوچا میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں، اور میں خود بھی یزید سے زیادہ خود بھی یزید سے افضل ہوں، اس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ مستحق ہوں۔ حالانکہ اس کا یہ کہنا کہ ان کے والد میرے والد سے افضل تھے صحیح نہیں۔ علی اور معاویہ نے باہر بھاگ کر اکیلا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا، رہا ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے افضل تھی، تو بلاشبہ یہ جھجک ہے۔ فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ان کے نانا، میرے نانا سے افضل تھے، تو ستم خدا کی، کوئی بھی اللہ اور پوم آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول اللہ، افضل بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھتا۔ حسین کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل بھول گئے "اللہم صل علی محمد و آلہ" توئی ملک من تشاء و تبرع الملک من تشاء و تبرع من تشاء و تدل من تشاء، سیدک الخیر! ایک علی کل شئی قدیہ!" (ایضاً)

پھر اہل بیت کی خاتونیں، یزید کے محل میں پہنچائی گئیں۔ خدا کی عبادت کی عہدوں نے انہیں سال میں لے کر لے کر اختیار روئے بیٹھے لیکن۔

یزید کی سعی تلافی

پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسین نے اسے ہو کہا "لے یزید! کیا رسول

کی لڑکیاں کینز ہو گئیں؟" یزید نے جواب دیا "لے میرے بھائی کی بیٹی! اکیلا کیوں ہونے لگا؟" فاطمہ نے کہا "بھدا ہاں کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی،" یزید نے کہا "تم لوگوں کا جتنا گیا ہو، اس سے کہیں زیادہ میں تجھیں دے گا،" چنانچہ جیسے اپنا جتنا نقصان بتایا، اس سے دو گنا بھگنا دیدیا گیا۔

یزید کا دستور تھا روز صبح شام کے کھانے میں علی بن حسین کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حسن کے کم میں بچے مگر دو بھی ملایا اور ہنسی سے کہنے لگا "تو اس سے لڑیگا؟" اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمر بن حسن نے اپنے بچنے کے بھونے پن میں جواب دیا "ہوں نہیں۔ ایک پھری مجھے دو، اور ایک پھری اپنے دو، پھر ہماری لڑائی دیکھو،" یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمر بن حسن کو گود میں اٹھا کر سینے سے چٹالیا اور کہا "ساپ کا بچہ بھی ساپ ہی ہوتا ہو!"

یزید کی "زود پشیمانی"

یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا ہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں ان کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا "کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کرتا جیتوں کہ اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ ان کے مطالبہ پر غور کرتا، اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی کی نہ پڑ جاتی۔ لیکن اس سے رسول الصلعم کے حق اور رشتہ داری کی تحفظ ملتی ہوئی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر جس نے جیتوں کو لڑائی پر مجبور کیا جیتوں کے ساتھ میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دین کے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے۔ مگر ابن زیاد نے ان کی کوئی بات بھی نہیں مانی۔ اور قتل کر ڈالا۔ ان کے قتل لے تمام مسلمانوں میں مجھے ممنوع بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر! خدا کا غضب ابن مرجانہ پر!"

اہل بیت کو رخصت کرنا

پھر جب اہل بیت کو مدینہ بھیجے لگا تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ اور کہا "ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں جیتوں کیساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں ان کی جان پر ممکن ذریعہ سے بچا، اگر چاہتا کہ میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو یہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو، مجھ سے برابر خط کتابت کرتے رہنا، جو ضرور بھی پیش کئے، مجھے خبر دینا، بعد میں حضرت سکینہ برابر کہا کرتی تھیں "میں نے کبھی کوئی ناشکر انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا!"

اہل بیت کی قیاضی

یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک مختبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر ان مصیبت زدوں سے اچھا بڑا دیکھا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینب بنت علی اور حضرت فاطمہ بنت حسین نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اٹھائے پھر اور کہا "یہ بھاری سبکی کا بدلہ ہو۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہو کہ تمہیں دیں" اس شخص نے زبور واپس کر دئے اور کھلایا "واللہ میرا یہ بڑا وکسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلم کے خیال سے تھا!"

مدینہ میں اقامت

اہل بیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جانگل خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلائی ہوئی کچھ بڑیں حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور یہ شہر چڑھتی جاتی تھیں،

ماذا تقولون ان قال لہی لکم ماذا فعلتم و انتم اخلا ام؟ کیا کہو گے جب بنی تم سے سوال کریں گے کہ لے وہ جو سے آخری ہتھیار بھرتی دیا ہلی بعد مقتدی منم اساری و منم ضرابم تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں مبتلا پڑے ہیں!

مرثیہ

حضرت حسین کی شہادت پر بہت سے لوگوں نے مرثیے کہے۔ سلیمان بن قتہ کا مرثیہ بہت زیادہ مشہور ہوا۔

مرثیہ علی ابیات آل محمد فلم ارہم کھلم یوم ملت میں خاندان محمد کے گھروں کی طرف سے گزرا مگر وہ کبھی دیکھ نہ سکے تھے جیسے اس دن جب ان کی حرمت توڑی گئی!

فلایبعد اللہ الیاد الہما وان اصحت من الہما و تفلت خدا ان مکانات اور کیڑوں کو دودھ نہ کرے! اگرچہ وہ اب اپنے کینوں سے خالی پڑے ہیں!

وان قتیلا اللطیف من آل ہاشم اذل رقاب المسلمین فذل! کر لائیں ہاشمی مقتول کے قتل نے مسلمانوں کی گردنیں ذلیل کر دیں! وکانوا رجاء ثم صاروا ذریۃ فقد غفلت تلک الازیاد و جل! ان متدوں سے دنیا کی امیدیں وابستہ تھیں مگر وہ مصیبت بن گئے۔ آہ! یہ مصیبت کبھی بڑی اور کبھی سخت ہو!

الم تر ان الارض صحت مرخصۃ فقد حسین و البلاد اقشعرت کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین جس کے ذائق میں بیاد ہو اور دنیا کا پٹا ہی ہو؟ و قد اعولت تبکی السمار لفقہہ و انجما نحت علیہ و صلت آسان بھی اس کی جدائی پر روتا ہو۔ جسے بھی اتم کرتے اور سلام بھیج دیا!

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی

تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا

کہ اسلامی احکام کی دوسرے مسجد کن کن اغراض کے لئے

استعمال کیا جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح

اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب ہلت

تمام نفع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۲۷ء میں جتھہ نئے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی

کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف

کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہو۔ قیمت ۱۲

میٹر الامال ملکت

برید فرنگ

مکتوب امریکہ

(الامال کے مقالہ نگار معتمد شنگھن کے قلم سے)

آمریکہ میں قدرتی اور مادی ترقی کے افراط کا ردِ فعل۔ امریکہ کی عورتیں زندگی سے بیزار ہو رہی ہیں اس لحاظ کہ زندگی کی لذتانی سرسبز ناہید ہو گئی ہیں!

آمریکہ عجیب و غریب کی دنیا ہے، تجارت، صنعت و حرفت، دولت، علم کی ایسی فراوانی ہے کہ اس کا تصور بھی مردنی دنیا کے لئے مشکل ہوگا۔ دنیا کا عام خیال یہ ہے کہ دولت اور مادی طاقت حاصل ہو جائے تو دنیا کی زندگی کی تمام راحتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ پھر کیا امریکہ میں..... زندگی کی راحتیں حاصل ہیں؟ کیا امریکن سرت جیات کی جستجو سے نافع ہو سکتی ہیں؟

مجھے بیکری کسی ناکل کے جواب دینا ہو کہ نہیں! قوموں کی اجتماعی زندگی کا مرکزی نقطہ عورت ہے۔ اسی کی زندگی سے ہم سوسائٹی کی اجتماعی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ عورت، انسانی سوسائٹی کی نصف ہے۔ قومی مزاج کا پورا حال، اس شخص پر انکشی رکھنے سے آئینہ دار ہوتا ہے۔ عورت، قوموں کی سعادت و شقاوت کا لکڑی ہے۔ وہ قومی قوم کو اپنے وجود میں پیش کرتی ہے!

آمریکہ کی موجودہ اجتماعی زندگی کے سکون یا اضطراب کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے "آمریکن عورت" کی دائمی سیو پر نظر ڈالنی چاہئے۔

چند نئے نئے ڈیل دسٹ میں ایک کیٹی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ان اسباب کی تحقیق کرے جنہوں نے تیس سال سے ۴۵ سال کی عمر والی شادی شدہ عورتوں کو اپنی موجودہ زندگی سے بیزار کر رکھا ہے

اس کیٹی نے اپنی رپورٹ ۳۹ صفحوں میں شائع کی ہے۔ تمام اسباب و حالات پر بحث کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ "آمریکن عورت، علم کے ہاتھوں پریشان ہے!"

اس اجمال کی مختصر تشریح حسبِ ذیل ہے:

امریکن دامن شہرلوں کو چھوڑ کر تھیں کا بھی یہ حال ہے کہ امریکن اس اپنے نئے گھر میں پہنچی ہو تو علم و فضل سے آراستہ ہوتی ہے، اچھی طرح ان مادی و مادی آلات کے استعمال سے واقف ہوتی ہے جن سے اسے اپنا گھر چلانا ہے۔ امریکہ کی گھر لیز زندگی میں بھی کلیں داخل ہو گئی ہیں۔ بہت کم کام عورت کو اپنے ہاتھ سے کرنا پڑتا ہے۔ تمام کام آلات سے لئے جاتے ہیں جن میں ایک طرف تو محنت کم ہوتی ہے دوسری طرف وقت بھی بہت بچتا ہے۔ گھر میں روزانہ کے مشکل کام، گھر کی صفائی، برتنوں کی دھلائی، کھانا پکانا، کپڑے دھونا ہیں۔ لیکن ان کاموں میں عورت کو بہت کم محنت کرنا پڑتی ہے۔ مشینیں اور آلات اس کی خدمت کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ عورت جلد اپنے سے نالغ ہو جاتی ہے۔ اگر گھر میں کچھ نہیں ہیں تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہے۔

وہ سوچتی ہے "اب میں کیا کروں؟" اسے اخبار کا خیال آتا ہے

اخبار پڑھنے لگتی ہے، پھر سارے دیکھتی ہے۔ پھر کتابیں مطالعہ کرتی ہے۔ مگر کب تک؟ تنگ جاتی ہے۔ اب سوچتی ہے "کیا کروں؟" اس سوال کا اسے کوئی جواب نہیں ملتا۔ جا ہی لیتی ہے۔ ادھنکے لگتی ہے۔ سوچاتی ہے۔ مگر جاتے ہی پھر یہی بھانک سوال اس کے سامنے آ جاتا ہے۔ وہ کہتی ہے "اب میں کیا کروں؟"

"آہ میری سرت!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر کہتی ہے "میری شادی تو ہو گئی، مگر میری سرت کہاں ہے؟" وہ اپنے شوہر کا خیال کرتی ہے۔ شوہر اس کی نظر کے سامنے کہاں ہے؟ وہ تو اپنے دفتر میں بیٹھا ہے اور اپنی بیوی کی طرف سے بالکل غافل تجارتی حساب میں مستغرق ہے! عورت سوچتی ہے "میرے شوہر کو کبھی مجھ سے محبت تھی؟" لیکن وہ کبھی ہو گیا ہوگا تو اسے محبت پر غور کرنے کی محنت ہی کہاں ہے؟ اب اس کی تجارتی زندگی نے کامیابی کا منہ دکھا لیا ہے۔ پتہ تو اسے ہو ہی چکا ہے "ڈالر" (امریکن سکہ) سے محبت ہے۔ ہفتہ کے دن تجارت میں تنگ رہتا ہے۔ گھر میں آتا ہے۔ مگر اس قدر متفرق ہے کہ اس قدر پرانہ خاطر، اس قدر خستہ، کہ اسے اپنی "قدیم بھوہ" سولماٹ کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ اس کا گھر گھر میں ہوتا ہے، دماغ و ذہن۔ باتیں ہوئی سے کرتا ہے، خیال حساب میں ہوتا ہے۔ یہی ضبط کرتی ہے اور ضبط کرتی ہے۔ بے صبری سے اتوار کا انتظار کرتی ہے۔ لو اتوار بھی آگیا! اگر شوہر اس کے پہلو میں نظر نہیں آتا تو آج اتوار ہے، وہ میدان میں لگدو "یا فٹ بال" کھیل رہا ہے۔ ہفتہ کے دن سخت دماغی کام کیا ہے۔ آج اپنی "متندسی" کا حق ادا کر رہا ہے! مگر اس کی بے فیضی ہوئی کا حق؟ بیوی کا حق تو "ڈالر" "تجارت" اور "شہرت" کی جستجو میں ڈر کر کس گیا!

بیوی کا دل گھر سے اچاٹ ہو جاتا ہے۔ میدانوں، تماشوں اور کلب گھروں کی راہ لیتی ہے۔ مگر بالکل غبت۔ گھر میں تسلی نہیں ملتی۔ دوسری جگہ جگہ مل سکتی ہے؟

علم حقائق ہشیاء امریکہ کی سب سے زیادہ قابلِ غور مسائل، مشترک زمانہ مردانہ زندگی و ریشاں ہیں۔ لیکن امریکن عورت کی خانگی شقاوت کی بنیادیں بھی یہیں لیتی ہیں۔ یہاں عورت اپنی زندگی کے بہترین تین چار سال گزارتی ہے۔ وہ کیا سیکھتی ہے؟ اعلیٰ دقیق علوم، فلسفہ، علمِ اہستہ، علمِ اعمیاء وغیرہ وغیرہ اس کی جسمانی زندگی میں ہرگز کوئی کام نہیں دیتے۔ ایک دن میں نے ایک خوبصورت و فزینہ سے سوال کیا کہ تم یہ علم کیوں پڑھتی ہو؟ اسے فوراً جواب دیا "حقائق" اشیا معلوم کرنے کے لئے! لیکن اب "حقائق" اشیا کا قیمتی علم بلائے جانے لگا

ہو گیا ہے! امریکہ کے تمام جوان مرد اور عورتیں اسی حقائق اشیا کے جنون میں مبتلا ہیں۔ پھر یہ حقائق "علی اصول" پر معلوم ہو چکے ہیں! وہ زندگی کی ہر بات "علی مسئلہ" کی شکل میں دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور علی مسئلہ، محل بحث و نظر ہے! محبت، شادی، اولاد، محنت، خانہ داری، کھیل، یہ سب اپنی جگہ پر "حقائق" ہیں، "علی مسائل" ہیں۔ علم الحیاء اور علم الاقتصاد کے اصول پر انھیں عمل ہونا چاہیے! پھر وہ عمل بھی ایسا ہو جو ہر اعتبار سے علمی و منطقی ہو! یہی سب ہے کہ امریکہ میں جرات کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ امریکن نوجوان اسی کام میں جرات دکھاتا ہے، جس میں جرات کرنا اقتصادِ حیثیت سے مفید ہو۔ امریکہ کی یہ مشترک یونیورسٹیاں اس لئے وجود میں آئی ہیں کہ "مرد اور عورت کی تفریق باطل ہو جائے" یہ قول ایک یونیورسٹی کی قانون پریسل کا ہے۔ ایک مشہور فریج پر ڈیسر کے سائے میں نے یہ قول نقل کیا، "توہ چلا آٹھا" "اٹ" ناقابلِ تصور سنگین ہے! زندگی کے قدرتی جذبات کی لطافت کی جگہ اب ایک سرتا پانٹا اور آلاتی زندگی ہو چکی ہے، امریکہ سرت و جلد ہوتا ہے!

ناول اور افسانے میں نے بہت سی یونیورسٹوں کے کتب خانوں کی سیر کی۔ مجھ سے دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ان کی فریٹس ناولوں اور افسانوں سے تقریباً خالی ہیں۔ اقتصادیات، طبیعیات، فلسفہ، نفسیات، غرضکہ دقیق علوم کی کتابیں بھی ہوتی ہیں۔ امریکن نوجوان زیادہ تر یہی خست کتابیں پڑھتے ہیں۔ یہی وہ ہے کہ قریباً آٹھ آن میں بہت کم ہو گئے ہیں۔ مادی اور فلسفی ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور قلب کی قوتیں دب گئی ہیں۔

ہمارے فنی کا غلو بھر آدھ کی خانگی زندگی کو تلخ بنانے والی ایک چیز اور بڑی درد کی تعلیم عام طور پر کسی ایک خاص علم و فن ہی کی ہوتی ہے تاکہ کسی ایک پیشہ میں درجہ اختصاص حاصل ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگر اس کی بیوی بھی اس خاص فن میں ماہر نہیں ہوتی جس میں اس کے شوہر نے مہارت حاصل کی ہے، تو وہ دن کی زندگی میں بے لطفی بلکہ تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ شوہر کا دماغی رجحان اور بیوی کا دماغی رجحان اہم مختلف ہو جاتا ہے۔ دونوں اپنی صحبتوں کے لئے کوئی دلچسپ موضوع بحث نہیں پاتے۔ رسمی گفتگو کے بعد اپنے اپنے خیالات میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اس وقت عورت کو محسوس ہوتا ہے کہ اسے جو تعلیم کوئی درستی میں حاصل کر رہی ہے، بے فائدہ ہے۔ انھیں یہ ہاتھ لگتی ہے۔ مگر انھیں کرنے سے خانگی سرت حاصل نہیں ہو سکتی!

قبل از وقت شادی ان مشترک تعلیم کاروں نے ایک اور سخت محنت بھی پیدا کر دی ہے۔ نوجوان مرد اور عورتیں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور ان میں تدریج و دوستی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسری محنت کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اور محبت کا نیچہ شادی ہوتا ہے۔ یہ کچھ بڑا تھا، اگر ایسی عمر میں ہوتا جو سچے کاری کی عمر ہو۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اکثر شادی ۱۹ اور ۲۱ برس کی عمر میں ہو جاتی ہے، اور اس لئے محنت شکست کا پیش جیمہ بن جاتی ہے۔ مرد اور عورت دونوں علمی زندگی کی ازدنیاء ذمہ داریوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ بلکہ دونوں ہنوز طالبِ علم ہوتے ہیں۔ گھر میں چار چار پچھلے ہوتے ہیں مگر ان کے ان اور بچے دونوں یونیورسٹی کے کمرہوں میں اساتذہ کے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں! اس صحت حال سے جو پریشانی پیدا ہو سکتی ہے، متحمل نہ نہیں۔ لیکن عجب ہے امریکہ کے معیار اس کا سبب نہیں مگر

امریکن عورت کی روزمرہ کی زندگی

آئینِ عورت، بہت مسرت ہوتی ہو۔ اس کا ثبوت ہر روز
 بازار میں دیکھا جاسکتا ہو۔ دوکان میں عورتوں سے گریز دیتی ہیں۔
 دوکانداروں کا اپنے اعلانوں میں خطاب عورتوں ہی سے ہوتا ہو
 کیونکہ وہ جانتے ہیں مردوں کو خرید و فروخت کی ٹھکڑیاں نہیں۔ خرید و
 کما جانتے ہیں، خرچ کرنا نہیں جانتے۔ عورتیں ان کی ہفتہ بھر یا
 مہینہ بھر کی آمدنی پر قابض ہو جاتی ہیں اور با زائدوں میں اگر بے
 دیرلے خرچ کر دے گی تو اپنی ہی عورتوں کے اسراف کا اندازہ صرف اپنی
 بات سے کرنا پڑتا ہے اگر شہہ و اس سال کے اندر دیکھ کر بے دیرلے
 رد غفلت کی فروخت میں فی صدی و دہائی کا اضافہ ہو گیا ہو!

آہ کہہ کے زمانہ سلیب، دُنیائیں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ بُرے
 ہی شاندار خوبصورت، اور جدید ترین سامان سے آراستہ ہوتے ہیں
 عورت چونکہ گھر میں شہر کو کہیں پانی، اور دلچسپی سے مُردم ہوتی جو۔
 اس لئے ایسا زیادہ وقت کتب ہی میں گزرتی جو۔ عام و متور یہ کہہ
 عذرت اپنے شہر کو موٹر میں چٹکارا اُس کے دفتر میں چھوڑ آتی اور
 باقی پورا دن کتب میں صرف کرتی جو۔ شام کو پھر بڑے میٹھی چٹائی
 شہر کو دفتر سے لے آتی جو۔ راتوں رات کھانا، عورتیں ہل چلی
 ہیں اور یہ گنگر اگر سو رہی ہیں!

(۴) سحر و ساحری کی حقیقت۔

یہ آرم کی قدرتوں میں سے ایک ہے جو دیگر خصوصیات کے ساتھ مل کر اس کی کارکردگی کو متاثر کرتی ہیں۔

(المآل کے مقالہ نگار مقیم انگورہ کے قلم سے)

شورائے دولت

۴ عورتوں کو کیا حال ہو گا جن کی ساری زندگی اپنی سب گھر میں ادا
ان کے بچہ میں گزرتی ہو؟

بیخود فانی ماں

آمریکیں میٹارڈ انجینس اس غرض سے موجود ہیں کہ ان کے لئے نعمت
 شیعہ سے بھرا کرے۔ ان میں بیشک کچھ لوگ کا سلسلہ جاری رہتا ہوا اور ادا
 کرتا رہا جو کہ کون کون کتائیں پڑھیں، کس قسم کا کھانا کھائیں، کیا
 سوچیں، کیا بھینیں، غرض کہ ہر معاملہ میں! قاعدہ علی مشورہ دیا جانا
 ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ امریکہ میں جس طرح سب مسلمان، امریکی
 قواعد کے ماتحت لکھے گئے ہیں، اُسی طرح انسانیت بھی علی اصول
 پر منطق کی جا رہی ہے۔ یہی حصہ زیادہ علمی الطباق، ”انسانیت
 اور مرد و عورت کی حیثیت کی فطرت کا خاتمہ ہوا“

دینا میں امر کی کو جوان عورتوں سے منظم ترک کی چیز موجود
 رہا اظہار نہیں ہوتی۔ اُنے شوہر کی طرح کئی کئی علمی اہم ترین
 ہر ہر ہوتی ہو۔ اپنے گھر کو مرتب و منظم رکھتی تھی۔ امرین عورت، اکتفا
 کی عورت سے کہیں زیادہ تامل اور بلکہ مند ہوتی ہو۔

امریکن ماں اپنے بیوں سے بے حد محبت کرتی ہو۔ ہندوستان کی طرح
 امریکہ میں بھی اولاد اپنے ماں باپ کی ملکیت سمجھی جاتی ہو۔ گھر میں
 بچوں کے لئے علحدہ کمرے نہیں ہوتے۔ پورا گھر بچوں کے لئے کھلا ہو
 اور وہ دن بھر ادوہم بجائے رہتے ہیں۔ اسی طرح دایاں اور
 کھلانیاں بچے کا بھی رواج کم ہو۔ خود ماں ہی دانی ہوتی ہو۔ ماں
 اپنے بچوں میں کسی کی مداخلت گوارا نہیں کرتی۔ وہ اُن کا مستقبل
 اپنے مستقبل سے وابستہ سمجھتی ہو۔ اُن پر وہ تمام نیک و تربیت کے اصول
 مسلط کرتی جو وہ کب گھر میں منشی اور کدواؤں میں ٹرنٹی ہو

لیکن اس کے باوجود بھی اس کی زندگی بڑی حد تک مسرت سے خالی ہوتی ہے، کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، علم کی فزادانی و تجارت کی افزودنی نے اس پر اندماجی مسرتوں کا دائرہ تنگ کر رکھا ہے۔ اس کے علم و ادب کی ترقی سے اب امالاں ہی اچھا نہیں

شہرہ ترکی ڈاکٹر حسن رشاد بک کے متعلق اجابرات نے ریخبر
سایب کی کہہ کر انھوں نے آتشک کا علمی علاج دریافت کر لیا ہے۔ ان
کا دعویٰ ہے کہ ان کی دوا کا صرف ایک انجیکشن ہیشہ کے لئے اس
خبیث بیماری کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ ترکی حکومت ڈاکٹر موصوت کو
اپنے خرچ سے یورپ بھیج رہی ہے تاکہ وہاں امیرین فن کے سامنے اپنی
تجربے دکھائیں۔

وزیر خارجہ کی تقریحات

ڈاکٹر توفیق رشتہی بک ترکی وزیر خارجہ نے اس ہفتہ اخبار کی
مائندوں کے سامنے حبیلِ قہر میں کی ہیں:

”اہں دقت ٹرکی کے تعلقات متمدن دنیا کے جملہ ملکوں سے
دوستانہ ہیں۔ اسوقت دنیا کی کسی سلطنت سے بھی ہمارا کوئی اختلاف
نہیں۔ پیچھے رہوں جو افسوسناک حادثے بعض سلطنتوں کے امین
واقع ہوئے ہیں، انہوں نے ہمارے ملک پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔
ہمارے ملک کی بنیاد اہں عقیدے پر جو کہ دنیا کا امن، امان و سہار
ملک کے لئے مفید ہو۔ یہی باعث ہو کہ ہم حکومتوں کے درمیان بڑی
ڈاکٹر خود دفع نہیں اٹھاتے۔ کیونکہ یہ ہمارے مقصد ہیں کہ صلح ہو۔
”بلقانی ریاستوں سے بھی ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں۔ ہم
اُنھیں اور بھی مضبوط کرنے کی کوشش میں ہیں۔ روس سے ہمارے
علاقہ خاص طور پر بہت ہی اچھے ہیں۔ روس نے کبھی ہمارے داخلی
معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ وہ ہمیشہ ہمارا دوست رہا اور دوست
بھی دوست ہو۔

”چین کی موجودہ تحریک آزادی سے ہیں پوری دلچسپی ہو رہی ہے۔
ابنِ عظیم الشان مشرقی قوم کی آزادی کے دل سے مشتاق ہیں۔ بھرتے
ہیں، جو ملی تعلق جو وہ کسی شرح و تفصیل کا محتاج نہیں“

ترکی مجلس کا نیا انتخاب

موجودہ ترکی مجلس (پارلیمنٹ) کی مدت ختم ہو گئی۔ اب نئے انتخابات کا وقت ہے۔ قانون کی کڑی سے اس مجلس کی عمر اہل پارٹی تک نہیں۔ مگر اُسے دو مہینے اور پڑائے۔ اب وہ دو مہینے بھی گزرنے کے ہیں۔ نئے انتخابات اہ جولائی میں شروع ہونگے۔ باخبر لوگ جانتے ہیں کہ انتخابات کا نتیجہ کیا ہوگا؟ تمام ملک کو فاضی مصطفیٰ الگال پاشا اور اُن کی جماعت پر کڑا اعتماد ہے۔ لہذا آئندہ مجلس میں یہی تقریر اُنہی ممبروں کا انتظار کرنا چاہئے جو موجودہ مجلس کے ارکان تھے۔

ترکی عودت اور حق انتخاب

نئے انتخابات کے پیش آجانے کی وجہ سے اس کا غوغا بہت بڑھ گیا۔ حقہ طلب خواتن بڑی سختی سے مقابلہ کرتا رہا اور اگر

مقالہ

محرم الحرام ۱۴۲۸ھ ہجری

نئے ہجری سنہ کا آغاز!

تذکار ہجرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

۲

واقعہ ہجرت کا مختصر

پچھلی تحریر میں حقیقت واضح ہو چکی ہو کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک نئے سنہ کی ضرورت اس لئے محسوس کی کہ قومی زندگی کے قیام و تکمیل کے لئے قومی سنہ کی ضرورت تھی، اور اسلام کی تعلیم و تربیت نے ان کی قومی ذہنیت کا جو مزاج پیدا کر دیا تھا، اس کا تقاضا یہی تھا کہ اس ضرورت کی کھٹک طبیعتوں میں پیدا ہوتی۔ لیکن اب اس کے بعد معاملہ کا سب سے زیادہ ضروری سوال سامنے آتا ہے۔ سوال یہ کہ قومی سنہ کا بعد از قیام دینے کے لئے سامنے کی جتنی چیزیں بھی ہو سکتی تھیں، ان میں سے کوئی چیز بھی اختیار نہیں کی گئی، اور ایک دور کی چیز جو یہ ظاہر اس غرض کے لئے کوئی سبب نہیں کھتی، ان کے سامنے آگئی، اور اُس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آخر اس کی علت کیا ہے؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لئے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے کی تھیں، وہ اسلام کا نلو تھا۔ داعی اسلام کی پیدائش تھی نزول وحی کی ابتدا تھی۔ بدر کی تاریخی فتح تھی۔ مکہ کا فتح نامہ داخلہ تھا۔ حجۃ الوداع کا اجتماع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل و فتح کا آخری اعلان تھا۔ لیکن ان تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ ہجرت مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ کوئی پیدائش کا جشن ہو، نہ کسی نلو کی شریعت۔ نہ کسی جنگ کی فتح ہو، نہ کسی غلبہ و تسلط کا شادیاں۔ بلکہ اس زمانہ کی یاد آواز کرتا ہے جو آغاز اسلام کے پے سر دس امانیاں اور اذکار میان اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعی اسلام کے لئے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی ناممکن ہو گیا تھا۔ بیچاریگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ ایسا وطن اپنا گھر اپنے عزیز و اقارب، اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر، صرف ایک رفیق غمگسٹ کے ساتھ، رات کی تاریکی میں، رہسپار دشت غربت ہوا تھا!

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کے حالات میں قدرتی طور پر دوسری قوموں کے نمونے سامنے آیا کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور صحابہ کے ساتھ بھی یہ نمونے موجود تھے۔ لیکن وہ ان کی تقلید پر آمادہ نہ ہو سکے اور انھوں بالکل ایک دوسری ہی راہ اختیار کی۔

دنیا کے قومی سنین

قومی سنہ دراصل قوم کی پیدائش اور مدیج و اقبال کی تاریخ

ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے ابھی یہ مسئلہ دودھ جو۔ کم سے کم آئندہ انتخابات میں اس کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اس ہفتہ حکومت انگور نے اعلان کر دیا ہے کہ عورتوں کو حق انتخاب بالفعل نہیں دیا جاسکتا ہے یہ بتائی ہو کہ انھوں نے ابھی کافی ترقی نہیں کی ہے۔

برطانیہ کی سازشیں

یونانی اخبارات کی اس خبر نے ترکی اخبارات کو سخت مشتعل کر دیا ہے کہ "برطانیہ نے حکومت یونان سے خواہش کی ہے کہ روس کے خلاف تمام دول بلقان کی ایک خفیہ کانفرنس منعقد کرے مگر اس میں ترکی کو شریک نہ ہونے سے" ترکی اخبارات کی رائے میں یہ تجویز ترکی کے لئے ایک مبارزت ہے۔ انگور کا سربراہ کردہ اخبار "جمہوریت" اپنی پچھلی اشاعت میں یوں اظہار خیال کرتا ہے:

"اگر یہ خبر صحیح ہو تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ برطانیہ روس کے ساتھ ترکی کی مخالفت پر بھی تیار ہو جائے۔ اگر اس تجویز سے برطانیہ کا مقصد یہ ہے کہ ترکی کو دھمکا کر روس سے الگ کرے، تو ہم صاف غفلت میں اس کی عقل سے ابھار کر دیتے ہیں۔ اب وہ زمانے کو جب ترکی اسی دہائیوں سے مرعوب ہو جایا کرتا تھا۔ گزشتہ تین صدی کے تجربات ہمیں خوب سکھایا ہے کہ ہمیں صرف اپنی قوت پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور ہم صرف اپنی قوت ہی پر اعتماد رکھیں۔ ہمارے پاس اپنی قوت میں جو جو ہیں ہر شکل سے بجا سکتی ہے۔ روس سے ہماری دوستی، زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ روس کو ہماری دوستی کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس کی دوستی کی ضرورت ہے۔ ہم روس سے ہرگز علیحدہ نہیں ہوسکتے۔"

ترکی اور افغانستان

باختر ملقوں میں خیال کیا جا رہا ہے کہ برطانیہ عنقریب افغانستان سے چھڑ چھاؤ شروع کرے گا۔ روسی خطرے نے برطانیہ کو بدحواس کر دیا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ روس کے تعلقات افغانستان سے بہت گہرے ہیں۔ افغانستان، ہندوستان کا پڑوسی ہے، لہذا روسی بلخانی دوستی ہندوستان کے لئے خطرناک ہے۔ اور چونکہ اس دوستی میں ہندوستان کے لئے خطرہ ہے اس لئے یا تو افغانستان کو روس سے توڑ لیا جانا چاہئے، یا برطانیہ سے دست بگریباں ہونے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

یہ جو برطانیہ کا نقطہ نظر، اور اسی بنا پر وہ بہت بھلا افغانستان سے نئی محالمت شروع کرنی چاہتا ہے۔ ہیں جہاں تک حالات کا علم ہے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ برطانیہ کو افغانستان کے روس سے الگ کرنے میں دوسری ہی ناکامی ہوگی، جیسی ترکی کے معاملہ میں ہو چکی ہے۔ افغانستان، روس سے علیحدہ نہیں ہوسکتا۔ اسے خوب معلوم ہے کہ برطانیہ اسے ہرگز کوئی نفع نہیں پہنچائے گا۔ لیکن روس اسے بے شمار نفع پہنچا رہا ہے۔

یہی باعث ہے کہ پچھلے چند ماہ سے افغانستان کے دہرا سکواؤ انگور کا دودھ کر رہے ہیں۔ نئی محال انگورہ میں شہر افغانی مدبر محمد غاں طرزی موجود ہیں۔ سرکاری طور پر ان کی آمد صرف سرریاحت کی غرض سے بتائی گئی ہے۔ خود انھوں نے بھی اخبار "حاکمیت" کے نامہ نگار سے یہی بیان کیا ہے لیکن ان کے یہ الفاظ خاص فی لکھے ہیں "افغانستان کی دلی آرزو ہے کہ ترکی سے اس کے تعلقات اور بھی زیادہ مضبوط ہو جائیں"



ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ تو میں اپنی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور بڑا واقعہ یاد رکھنا چاہتی ہیں۔ اس کا دور بارہ مہینے کے بعد ختم ہوتا اور از سر نو شروع ہوتا ہے، اور اس طرح سال نو کی مسرتوں کے ساتھ اس کی تاریخی روایات کی شادمانیاں بھی تازہ ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی بنیاد کسی ایسے واقعہ پر نظر آتی ہے جس سے کسی قومی فتح و اقبال کا آغاز ہوا ہے۔ چونکہ اس طرح کا آغاز عموماً کسی بڑے انسان کی پیدائش سے ہوا ہے، یا کسی بڑے بادشاہ کی تخت نشینی سے، یا کسی بڑی جنگ کی فتح اور کسی نئی سرزمین کے قبضہ و تسلط سے۔ اس لئے دنیا کے اکثر سنوں کی ابتدا شاہیرو کا برکی پیدائش اور تخت نشینی ہی سے ہوتی ہے۔ یہی نے آثار الباقیہ نامی کتاب سر تین دتواریخ کے موضوع پر لکھی ہے، اور اس درجہ کی لکھی ہو کہ آج بھی اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جاسکتی۔ وہ دنیا کے تمام سنوں کا تذکرہ کر کے لکھتا ہے: "قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیان حکومت و مذہب کی پیدائش، یا بادشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت، ملکوں کی فتح و تسخیر، سلطنت کے انقلاب و ارتعاش، اور حواری عظیمہ ارضیہ سے تواریخ و سنن کی ابتدا کیا کرتے ہیں"

قدیم سنوں میں بابلی، یہودی، رومی، مسیحی، ہندوستانی، اور ایرانی سنن سب سے زیادہ مشہور و مستعمل رہے ہیں، ان سب کی ابتدا کسی ایسے ہی واقعہ سے ہوتی ہے۔ بابلی سنہ کی بنیاد بخت نصر اور کی پیدائش پر رکھی گئی تھی کیونکہ اس کے ظہور کے باطل کی عظمت کا آغاز ہوا۔ یہودیوں نے پہلے تھورے خروج کے واقعہ پر سنہ کی بنیاد رکھی تھی۔ کیونکہ اسی واقعہ سے ان کی قومی آزادی کا دور شروع ہوتا تھا۔ پھر جب فلسطین میں یہودی حکایت قائم ہو گئی تو حضرت سلیمانؑ کی تخت نشینی سے بھی سنہ کا حساب کرنے لگے۔ پھر یہی کل کی زیادہ کے بعد جب دوبارہ قیہ کا واقعہ ظہور میں آیا، تو چونکہ اس سے یہودیوں کے اجتماع و توفیق کا نیا دور شروع ہوتا تھا اس لئے اس کی یاد آوری کے جذبہ تاریخ و سنہ کی صورت اختیار کر لی۔ رومیوں کا سب سے زیادہ مشہور سنہ اسکندری سنہ ہے جو سکندر فاتح کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ پھر گسٹس کی پیدائش سے نیا سنہ شروع ہوا جسکی تحفہ دیوں نے قومی عظمت کا نیا دور شروع کر دیا تھا۔ مسیحی

اقبال کی صورت اور برگ و بار میں کچھ تھے حقیقت اور حتم و اساس نظر رکھتے تھے۔ اُن پر حقیقت کھل چکی تھی کہ اسلام کی پیدائش ظہورِ اندیش و اقبال کی اصلی بنیاد اُن واقعات میں نہیں ہو جو بظاہر نظر آتے ہیں۔ ہجرت مدینہ اور اُس کے اعمال و حقائق میں ہیں۔ اس لئے جو اہمیت دنیا کی نگاہ میں پیدائش، بعثت، بدر، اندیش کہ کو دیتی تھیں، وہ اُن کی نظر میں ہجرت مدینہ کو حاصل تھی۔

ہجرت نبوی کی حقیقت

لیکن واقعہ ہجرت کیا تھا؟ وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا۔ بے شمار اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اُس کی حقیقت پر بھی غور کر لینا چاہئے۔

اسلام کے ظہور کی تاریخ دراصل دو بڑے اور اصولی مہمل میں منقسم ہے۔ ایک عہدِ مکہ کی زندگی اور اعمال کا ہے۔ دوسرا، مدینہ کے قیام اور اعمال کا۔ پہلا آنحضرت (صلعم) کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا غارِ حراء کے اعتکاف سے ہوتی ہو اور تکمیل غارِ ثور کے اندر ہے۔ دوسرا ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور حجۃ الوداع پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا مدینہ کی فتح سے ہوتی، اذ تکمیل مکہ کی فتح پر۔

دنیا کی نظر میں اسلام کے ظہور و اقبال کا اصلی دور، دوسرا دور تھا۔ کیونکہ اسی دور میں اسلام کی پہلی غریب ختم ہوئی اور نظامِ ہر طاقت و حاکمیت کا سر و سامان شروع ہوا۔ بدر کی جنگی فتح گیتاؤں کی پہلی فتح تھی۔ مکہ کی فتح، عرب کی فتح کا اعلان عام تھا۔ لیکن خود اسلام کی نظروں میں اُس کی زندگی کا اصلی دور، دوسرا نہیں تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُس کی ساری قوتوں کی بنیادیں دوسریں نہیں پہلے دور میں استوار ہوئی ہیں۔ بلاشبہ بدر کے ہتیاروں نے اپنی غیر سحر طاقت کا دنیا میں اعلان کر دیا۔ لیکن جو اہمیت اُن ہتیاروں کے قبضوں پر جمے تھے، اُن کی طاقتیں کس میدان میں طیار ہوئی تھیں؟ بلاشبہ مکہ کی فتح عرب کی فیصلہ کن فتح تھی، لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آتی، تو مکہ کی فتح کی راہ کیونکر کھلتی؟ یہ سچ ہو کہ مکہ ہتیاروں سے فتح ہوا، لیکن مدینہ ہتیاروں سے نہیں بلکہ ہجرت اور اُس کے دور کے اعمال سے فتح ہوا تھا۔ پس دوسرے دور میں حتم کتنا ہی طاقتور ہو گیا ہو، لیکن اُس کی روح پہلے ہی مدینہ میں ڈھونڈ لی جاتی ہے۔

پہلا دور عہدِ مکہ تھا۔ دوسرا اُس کے برگ و بار تھا۔ پہلا دور بنیاد تھی دوسرا ستون و محراب تھا۔ پہلا نشو و نما کا عہد تھا۔ دوسرا ظہور و انفجار کا۔ پہلا معنی حقیقت تھا۔ دوسرا صورت و اظہار۔ پہلا روح تھا۔ دوسرا جسم۔ پہلے سے پید کیا، درست کیا، اور مستحکم کیا۔ دوسرے نے قدم اٹھایا، آگے بڑھا، اور فتح و تسخیر کا اعلان کیا۔ دوسرے کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو، لیکن پہلی بنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہو!

استعداد و اخلاقی و خارجی

وجود اور زندگی کے ہر گوشہ کے لئے خدا کا قانون وجود ایک ہی ہے۔ تم اُس کے کتنے ہی مختلف نام رکھ دو اگر وہ خود ایک سے زیادہ نہیں ہو۔ اب ایک لمحہ کے لئے طرہ، اور غور کرو کہ تخلیق و حیل وجود کے لئے خدا کا قانون حیات کیا؟

خود کی طرح جماعت کا بھی وجود ہے۔ عالم صورت کی طرح عالم معنی بھی اپنی ہستی رکھتا ہے، لیکن کوئی چیز ہو، تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہو کہ یکے بعد دیگرے دو مختلف دوروں سے گزرے۔

پہلا دور "استعداد و اخلاقی" کا ہے۔ دوسرا "استعداد و خارجی" کا۔ ضروری ہو کہ پہلے اندر کی استعداد وجود میں لے، اور ضروری ہو کہ

طرح جانی ہو جی ہوئی تھی کہ اُس کی طرف صرت ایک اشارہ کر دینا ہی کافی تھا۔ داعی اسلام کے تزکیہ و تربیت اور درس کتاب و حکمت نے اُن کے اندر ایک ایسا صالح فرائض پیدا کر دیا تھا، کہ کوئی بات خواہ کتنی ہی سامنے کی اور مقبول و معمول کیوں نہ ہو، لیکن اگر حقیقت اور دانائی کی گہرائیوں سے ذرا بھی ہٹی ہوئی ہوتی تھی، تو فوراً اُن کی طبیعت میں کلک پیدا ہو جاتی تھی، اور پھر جتنی تھی تو اسی وقت جب اصلی اور اہل چیز سامنے آ جاتی تھی۔ تم اُن لوگوں کی نیکیاں اور پاکیاں ہمیشہ یاد رکھتے ہو، لیکن تم نے اُن کے علم اور دانائی کی گہرائیاں بھلا دی ہیں، حالانکہ صرت اُن کے دل ہی زیادہ نیک نہ تھے بلکہ اُن کی دانائی و حکمت بھی سب سے زیادہ گہری تھی جیسا کہ خود انہی میں سے ایک حقیقت شناس انسان نے کہا تھا: ادلک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کا نوا فضل هذه الامة۔ اہم قلوباً، واعظمها علماً، واطلها کلفاً، اختارهم اللہ لصحبہ نبیہ دلائمۃ دینہ (عن عبدالرحمن بن مسعود۔ رواہ الدارمی)

اس بارے میں قوموں کا طریقہ اُن کے سامنے آیا، اور خود اُنہیں بھی یہ بات صاف دکھائی دی کہ داعی اسلام کی پیدائش یا بعثت کو اپنی قومی تاریخ کی بنیاد ٹھہرائیں، لیکن چونکہ یہ بات اُن کے معیارِ نظر سے ہٹی ہوئی تھی جو اس طرح کے معاملات میں اسلام نے قائم کیا تھا، اس لئے نہایت واضح اور نمایاں ہونے لگی تھی اُن کی طبیعت کو مطمئن نہ کر سکی۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگے کہ کوئی دیگر بات جوتی چاہئے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ ہجرت مدینہ کا واقعہ۔ جو نہی یہ بات سامنے آئی، سب کے دلوں نے قبول کر لی۔ تاریخ کا یہ مبدع دنیا کی تمام تاریخوں اور قومی یادگاروں کے خلاف تھا۔ صرت خلاف ہی نہ تھا۔ بلکہ صریح اُٹا تھا۔ دنیا کی تمام قومیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں۔ انھوں نے بیچارگی و دراندازی کے واقعہ سے اپنی تاریخ شروع کی۔ دنیا کی تمام قوموں نے چاہا اپنے ظہور کی سب سے بڑی فتح یاد رکھیں۔ انھوں نے چاہا اپنی تاریخ ظہور کی سب سے بڑی بے سروسامانی یاد رکھیں۔ دنیا کی تمام قوموں کا فیصلہ یہ تھا کہ اُن کی قومی تاریخ اس وقت سے شروع ہوئی، جب اُن کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہوا، اور اُسے جنگ و قتال کے میدانوں میں فتح حاصل کی۔ لیکن اُن کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتدا اُس دن سے ہوئی، جب بڑے انسان کی نہیں بلکہ بڑے عمل کی پیدائش ہوئی، اور جنگ کے میدانوں میں نہیں بلکہ صبر و استقامت کے میدانوں میں فتح حاصل ہوئی۔ دنیا کی تمام قوموں کا یقین تھا کہ اُن کی طاقت و شوکت کی بنیاد اس وقت پڑی، جب انھوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کر لیا۔ ان کا یقین تھا کہ طاقت و شوکت کا دوزخ و آواز اُس دن کھلا، جب ملکوں پر انھوں نے قبضہ نہیں کیا، بلکہ اپنا ملک و وطن بھی ترک کر دیا۔ بلاشبہ اُن کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں سے الٹی سمجھ تھی، لیکن اُس سمجھ سے عین مطابق تھی جو اسلام کی تربیت نے اُنکے اندر پیدا کر دی تھی، وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر قوموں کی تعلیم سے نہیں بلکہ اسلام کی روح و فکر و عمل سے کرتی چاہتے تھے۔

مصیبت یہ ہو کہ دنیا معنی سے زیادہ لفظ کی اور روح سے زیادہ جسم کی پرستار ہے۔ وہ پھل ڈھونڈتی ہو لیکن تخم کی جستجو نہیں کرتی۔ وہ منار و محراب کی بلندیاں اور خوشنمایاں دیکھتی ہو، لیکن زیریں میناؤں کے لئے نگاہ نہیں کھتی۔ صحابہ کرام نے جب پیدائش و بعثت کے واقعاتِ عظیم ترک کر کے ہجرت کا واقعہ انتخاب کیا، تو اُن کی نظر بھی پیدائش و ظہور، فتح و اقبال اور جشن و کامرانی ہی پر تھی۔ وہ کچھ ناگامی و نامرادی کے طلب گار نہ تھے۔ البتہ تسخیر و

سنہ کا تو نام ہی میلادی سنہ ہے۔ لیکن اس کی ابتدا حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ پر رکھی ہو۔

ہندوستان میں جہاں ہر گزہ کے لئے الگ الگ زبان اور الگ الگ پیشہ قرار دیا گیا تھا، وہاں مختلف حلقوں کے مختلف سنہ بھی قرار پائے تھے۔ جو کتنوں نے اپنے حساب کے لحاظ سے جو کتنی سنہ قرار دیا تھا۔ عوام اپنی یادداشت کے لئے الگ سنہ رکھتے تھے۔ حکومتوں اور بادشاہوں کے سنہ اُن کے لئے مخصوص تھے، مگر اُن سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی واقعہ پر تھی۔ آخری سنہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا اور آج تک مستعمل ہو، ہجرتِ ہجری سنہ ہے اور یہ راجہ ہجرت کی پیدائش سے شروع ہوا ہے۔ ایرانیوں میں میں بھی جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی ابتدا پیدائش، تخت نشینی، اور کسی ایک خاندان کے دوسرے خاندان میں انتقالِ حکومت کا واقعہ ہے۔ اس رسم کی ہر پادشاہ پچھلا سنہ منسوخ کر کے اپنی تخت نشینی کا نیا سنہ جاری کرے اور اُسے سنہ جلوس کہا جائے، ایرانیوں ہی نے بنیاد ڈالی۔ مسلمانوں اور ایرانیوں میں جب جنگ ہوئی ہو، تو ایران کا سرکاری سنہ بزرگوار آخری فرما لے ایران کا سنہ جلوس تھا۔

حضرت عمر کا تردد

اُن روایات سے جو کچھ تاریخ میں درج ہو چکی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی ابتدائ میں خیال ہوا تھا کہ اُن حضرت (صلعم) کی پیدائش یا بعثت کے وقت سے سنہ کی ابتدا کی جائے۔ متحد بن سبب اور یقین کی روایت میں ہو کہ آپ نے جب حضرت علیؓ سے مشورہ کیا تو اُن کی رائے یہ ہوئی کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ بات آپ کے دل میں اُتر گئی اور صحابہ بھی اس سے متفق ہو گئے۔ ابن ہریر کی روایت میں ہو کہ مبدع تاریخ کے بارے میں جب مہول صحابہ نے مشورہ کیا تھا مختلف رائیں لوگوں نے دیں۔ بالآخر ابی بن ہریر کے واقعہ ہجرت سے ابتدا کی جائے، فاقفقوا علی اُن یا کون المبدع ومن الھجرت۔ ان تقریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ پر اچھی طرح غور و فکر کیا گیا تھا، اور ہر طرح کی رائیں ظاہر ہوئی تھیں چونکہ سلسلے کی صاف بات یہ تھی کہ آنحضرت کی ولادت یا بعثت سے تاریخ شروع کی جائے جو ظہور اسلام کی اصلی بنیاد ہے، اس کو حضرت عمرؓ کا خیال ابتدا میں ہی طے کر گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات اس میں سی تھی کہ آپ کی طبیعت کو اسیر انشراح نہیں ہوا تھا۔ متردد تھے۔ بات قرینہ تھی لیکن دل میں پھٹی نہ تھی۔ بالآخر مزید مشورہ کیا، اور حضرت علیؓ علیہ السلام نے رائے دی کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ رائے اتنی بہتر اور چمکی تھی، کہ فوراً حضرت عمرؓ کے دل میں اُتر گئی، اور تمام اکابر صحابہ بھی اس متفق ہو گئے۔ گویا ایک جھولی ہوئی بات تھی جو سب کے حافظہ میں تازہ ہو گئی۔ اب معلوم کرنا چاہئے کہ واقعہ ہجرت کی وہ کونسی مناسبت تھی جسے حضرت علیؓ کو مدینہ علم نبوت کے باب اور حکمت و سنہ رسالت کے محرم اسرار تھے، اُس طرف توجہ دلائی؟ اور پھر وہ کونسی ایسی شے معلوم خصوصیت تھی، جس کی وجہ سے اپنی دور کی بات تمام اکابر صحابہ کے فہم میں فوراً آئی، اور اس طرح تسلیم کر لی گئی، جیسے ایک مسلم اور طے شدہ بات ہو؟

واقعہ ہجرت صحابہ کے نظر میں

ہاں، آج ہمارے لئے کہ اسلام کے صدر اول کا داغ اور رخ و دونوں کھو چکے ہیں، یہ بات کتنی ہی عجیب و غریب ہو، مگر صحابہ کرامؓ کے لئے جو اسلام کے جتنے ہوئے دل اور اُس کے بنائے ہوئے داغ، دونوں کے ایک تھے، یہ بات اتنی صاف، اتنی کھلی ہوئی، اور اس

اندر کی استعداد کی تکمیل کے ساتھ ہی باہر کی استعداد بھی اسکے اندر پیدا ہو جائے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے لئے مثال کی ضرورت ہو۔ خدا کی رحمت و ربوبیت نے تمام کائنات ہی کو بخشش کا خزانہ اور فیضان عام کی بارش بنا رکھا ہے۔ زندگی اور وجود کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان میں سے ہر چیز موجود ہے، اور اُس کی موجودگی صرف اس لئے ہے تاکہ استعداد کو ڈھونڈنے، صلاحیت کو پالنے، اور انفعال کو فعل سے اور انجذاب کو جذب سے الگ کر دے۔ سورج روز آسمان پر چمکتا ہے۔ ستارے ہمیشہ زمین کی طرف بھاگتے ہیں۔ ہوائیں کیساں بھر جو جوش سے چلتی ہیں، یا دلوں کی رفتار میں کمی و زیادہ نہیں پڑتی۔ سورج کی کرنیں سنہریں دھندلے کھینچنے اور پانی کے ذریعہ جمع کرنے میں بھی کوتاہی نہیں کرتیں۔ زمین کی سطح اپنے سالے خزانے لئے ہوسے موجود ہے۔ خاک کے ذروں میں سے ہر ذرہ اپنا خاصہ اپنی تاثیر رکھتا ہے۔ موسموں کی تبدیلی اور دھندلے کی گردش بھی اپنے مقصد اور حکمت سے باہر نہیں۔ یہ، اور اسی طرح کی تمام اُن گنت اور سجدہ حساب چیزیں:

وَاللَّهُ دَاخِلُ الْعِلْمِ لَا تَحْصُوها اِنَّ رُكُوْا تَمَّ خَلْقِ الْغَيْثِ اِنَّ بَشَائِشِ شَارِكِيْ جَابِرِ (۱۳: ۳۲)

تو وہ اپنی ہیں کہ کبھی تمہارا اندازہ احاطہ نہیں کر سکتا! تو لوں کا خزانہ اور بخشائش اور ربوبیتوں کا فیضان عام ہیں اور اپنی مجموعی صورت میں کائنات ہستی کی وہ "خارجی استعداد" جو وجود کے لئے خلق و تسویہ کا سامان مہیا کرتی اور ہمیشہ اُس کے انتظام میں چم رہی ہے۔ لیکن خارج کی اس استعداد سے صرف وہی اشیاء فائدہ اُٹھا سکتی ہیں اور اپنے حصہ کی بخشش پاسکتی ہیں جن کے اندر خود اُن کے "اندر کی استعداد" وجود میں آتی ہے۔ یہ اندرونی استعداد باہر کے کارخانہ استعداد کی تاثیر کے لئے بمنزلہ انفعال ہے جب تک انفعال کا لب سوال دانہ ہوگا، فعل و تاثیر کا جواز فیضان، حرکت میں نہیں آسکتا!

دھقان ایک بیج اُٹھا رہا ہے اور زمین کے حوالے کر رہا ہے۔ اب دیکھو، اس ایک بیج کے بار آور ہونے کے لئے قدرت الہی نے کس طرح اپنا تمام کارخانہ ہستی مہیا کر دیا ہے؟ سورج منظرے کا پسپا گرمی اس کے لئے دھت کرے، بادل طیار ہیں کہ اپنے ذریعہ کارآمد کو لے لے۔ زمین مستعد ہے کہ اپنی آغوش اُس کے لئے داکوے، لیکن ہا تمام کارخانہ بخشش سے وہ جیسی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جبکہ خود اس کے اندر کی استعداد صحیح و صلح ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے، تو پھر یہ تمام کارخانہ بخشش ذوال اُس کے لئے بیکار ہوگا۔ سورج اپنا دھت ہوا تو گرمی پر بھی اسے گرم نہ کر سکے گا، بادل اگر اپنا تمام ذخیرہ آب ختم کر دے، جب بھی اُسے زندگی کی رطوبت کا ایک قطرہ نہیں لیگا!

پھر ایک صلح بیج جب زمین میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے، تو اُس کے اندر کی استعداد ظاہر ہوتی ہے اور اندر ہی اندر بچنے اور بڑھنے لگتی ہے۔ اُس وقت وہ ایک چھوٹا سا وجود ہوتا ہے جس کے اندر ایک ذرہ اور ریشوں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ لیکن انہیں تو اور ریشوں کے اندر اُس کی آنے والی ہستی کی ساری برائیاں اور عظمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک عظیم اور شاندار درخت کی ساری گہٹیاں اور پتے، اور اس کے ہزاروں پھول اور پھل انہیں ذروں اور باریک ریشوں کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ وہ بتدریج نشوونما پاتا ہے، اور یکے بعد دیگرے تخلیق و تسویہ کے مختلف درجوں سے گزرتا ہے۔ پھر جب یہ سب کچھ ہوجاتا ہے، تو وقت آجاتا ہے جب زمین کی سطح چاک ہوتی ہے اور اُس کی پہلی شلخ

باہر نکلتی ہے۔ چنانچہ وہ ابھرتا ہے، اور کائنات فطرۃ کے جس کا فائدہ فیضان سے زمین کے اندر کتبائے فیض کر رہا تھا، اب اُس سے زمین کی سطح پر بخشش و دوال حاصل کرنے لگتا ہے۔ اُس وقت تم دیکھتے ہو کہ عالم نباتات کا یہ جوان نوجوان سرور کھڑا ہے، اور اس کا رفا فطرۃ کے ہر سامان سے زندگی اور وقت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اب تم اُس کی ہستی کا اعتراف کرتے ہو، لیکن تم ہوجاتے ہو کہ باہر کی استعداد اُس کے لئے جو کچھ ہم پہنچا رہی ہے وہ دراصل اُسی استعداد کا جواب اور نتیجہ ہے جو زمین کے اندر اُس کی داخلی طبیعت نے پیدا کر لی تھی!

عالم حیوانات میں دیکھو تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے۔ حیوان اور انسان کا وجود عالم ہستی میں قدم رکھتا ہے، اور بچپن سے لے کر بڑاپے تک کی منزلیں طے کرتا ہے، دراصل یہی وجود جو پہلے خود اپنی ہستی کے اندر تخلیق و تکمیل کی منزلیں طے کر چکا ہے۔ اگر اُس کی داخلی استعداد کا دورِ صحت اور وقت کے ساتھ ختم نہ ہوتا، تو اس کی خارجی استعداد کا یہ دور وجود ہی میں نہ آتا۔ وہ پہلے تکمیل اور میں تین کا ابتدائی مادہ تھا۔ پھر اندر ہی اندر بڑھنے اور پھیلنے لگا، بتدریج تخلیق و تسویہ کی مختلف منزلیں جو میں آئیں پہلے چھوٹے چھوٹے کڑے تھے جنہوں نے ایک جگہ کی کسی شکل اختیار کر لی۔ پھر یہ جگہ بڑھتے بڑھتے گشت کا ایک گھراؤ بن گئی، گھڑے میں گھڑوں کا ڈھانچہ بنا شروع ہوا، اور ڈھانچے پر گشت پوت کا غلاف چڑھ گیا، پھر گشت اور گھڑوں کا یہی مجموعہ منظر و تناسک ایک ایسے سانچے میں ڈھل گیا، کہ شکل و ہیکل کی تمام اہمیاں اور خال و دخل کی ساری دلاویزیاں مکمل ہو گئیں۔ پھر جب اندر ہی اندر تکمیل و تسویہ کے یہ تمام مراتب طے ہو گئے، تو یہ وجود اس قابل ہوا کہ شکم اور سب سے باہر دم نکالے۔ اور دم نے دیکھا کہ خلقت اور ہستی کا ایک زندہ اور مستعد وجود تھا جسے سامنے ہے، تم انسان! خَلَقْنَا آخِرًا، فَبَارِكْ لِلَّهِ جَنَّاتِ الْغَايِبِ! (۱۲: ۲۳)

ہر حال دنیا میں ہر چیز کی تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کارخانہ فیضان فطرۃ سے اکتساب فیض کی صحیح استعداد پیدا ہو۔ اور اہل استعداد کے نطفہ کا پہلا عمل اندرونی ہے جو دوسرا برہدنی۔ جب تک کوئی چیز اپنے اس پہلے دور میں صحیح استعداد پیدا نہیں کر لے گی، دوسرے دور کی استعداد پیدا نہیں کر سکتی۔ خارج کے نشوونما کے لئے داخل کا نشوونما، بمنزلہ سبب و علت ہے۔ جب تک سبب موجود نہ ہوگا، نتائج نطفہ میں نہیں آئیں گے۔

جماعت کی داخلی استعداد

فرد اور جماعت دونوں کا ایک ہی حال ہے۔ یہ افراد و شیا کی مثالیں تھیں۔ انہی کو جماعتوں اور قوموں پر بھی منطبق کر دے۔ افراد کی طرح "جماعت" بھی پیدا ہوا کرتی ہے۔ اس کی تخلیق، نشوونما، اور ترقی و تکمیل کے لئے بعینہ وہی قوانین ہیں، جو اشیا و افراد کے لئے ہیں۔ جس طرح فطرۃ الہی کی ربوبیت نے مخلوقات کی زندگی اور نشوونما کے لئے اپنی بخشائشوں کے بادل زمین پر پھیلائے ہیں ہر شے زندگی دینے والی، ہر شے پرورش کرنے والی، اور ہر شے وجود و کمال تک لیجانے والی ہے، تھک اُسی طرح "جماعت" اور "امت" کے نطفہ و نشوونما کے لئے بھی طرح کی بخشائش اور ہر طرح کی فیض رسانیوں کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ ربوبیت اُس کے نطفہ کا انتظار کرتی اور بخشائش فطرۃ اُس کے قدم اٹھانے کی راہ تکمیل ہے۔ لیکن جس طرح افراد و اشیا کے لئے فطرۃ کا تمام سامان فیض صرف اُسی حالت میں مفید ہو سکتا ہے جبکہ خود ان کے اندر صحیح صلاحیت استعداد موجود ہو۔ اسی طرح "جماعت" کا مولود بھی وقت کے فیضا اور قوی و مرزوبی احوال کی بخشائشوں سے اُسی حالت میں فائدہ

اُٹھا سکتا ہے، جبکہ خود اُس کے اندر کائنات انفعالی کی صحیح استعداد موجود ہو۔ پھر جس طرح اس استعداد کی تکمیل کے پہلا مرحلہ داخلی ہے، دوسرا خارجی، اسی طرح جماعتوں اور قوموں کی مزاجی استعداد کے لئے بھی پہلا مرحلہ داخلی ہے۔ دوسرا خارجی۔ کوئی جماعت کوئی قوم، انسان کی کوئی ہیئت اجتماعیہ، کشاکش حیات کی کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتی، اگر پہلے ایک شخص اور جنس کی طرح اپنی داخلی استعداد کی منزل طے نہیں کر لیتی۔ اس کی داخلی تخلیق و تکمیل کا بھی ایک مہین وقت اور وقت کی معین مقدار ہے، اگر ایک جماعت وجود و کمال کا پورا درجہ حاصل کرنا چاہتی ہے، تو ناگزیر یہی کہ پہلے داخلی استعداد کی تکمیل کا وقت بسر کرے اُس کے بعد خارج کے اعمال و فتوح کا دروازہ خود بخود اس پر کھل جائے گا۔ کیونکہ خارج کی تکمیل کرنا اُس کی داخلی استعداد کی تکمیل کا نتیجہ و ثمر ہوتی ہے۔

جس طرح اشیا و افراد کے جسم کی داخلی استعداد کا دار و مدار اُن کے اندر ہی اندر نشوونما پانے اور اندر ہی اندر بچنے پر ہے، اسی طرح فرد و جماعت کی داخلی اور اخلاقی استعداد کا دار و مدار اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر ہے جسے قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں "تربیکہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ "تربیکہ" اخلاق و نفس سے مقصود ہے جو کہ ایک جماعت کو بحیثیت ایک جماعت کے جس طرح کے ذہن و مزاج کی ضرورت ہے، وہ اس کے ایک ایک فرد کے اندر پیدا کر دیا جائے، اور اس رسوم و نفوذ کے ساتھ پیدا کر دیا جائے گا۔ گویا ایک ایسی کالبد لیکر ان میں سے ہر فرد کا دل و دماغ اُس میں ڈھال دیا گیا ہے۔ جس طرح عالم اجسام میں جسم کی بہتر خلقت اور بہتر نشوونما طاقات و برتری کا موجب ہوتی ہے، اُسی طرح قوم اور جماعتوں کے لئے اُن کے افراد کا اخلاق اور اخلاق کی بہتر قسم اور بہتر نشوونما جماعتی طاقات اور برتری کا باعث ہوتی ہے۔ یہی اخلاق "جماعت" کی زندگی کی اصلی استعداد ہے۔ اسی استعداد سے وہ سب کچھ پاتی ہیں، اور بغیر اس استعداد کے کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تربیکہ نفوس کا عمل یہی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اسی کی تولید و تکمیل، جماعتوں اور قوموں کی داخلی استعداد ہے۔

"جماعت" کی داخلی استعداد کے لئے جن جن داخلی و اخلاقی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اگرچہ فرداً فرداً ہر فرد جماعت کے لئے خلق رکھتی ہے، لیکن اُس کا سارا زور "جماعتی ذہن و اخلاق" کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی وہ جماعت کے لئے ذہن و اخلاق کا ایک خاص مزاج پیدا کر دینا چاہتی ہے۔ چونکہ یہ مزاج پیدا نہیں ہو سکتا، جب تک جماعت کا ہر فرد اپنا انفرادی ذہن و اخلاق معوم کر کے جماعتی مزاج پیدا نہ کرے، اس لئے وہ ذہن و عمل کا ایک خاص سانچہ ڈھال لیتی ہے اور پھر تمام افراد کا ذہن و اخلاق اُسی میں ڈھالنا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام افراد کی ذہنی و اخلاقی خصوصیات ایک ہی انداز اور روش کی ہوجاتی ہیں، اور اپنے جیسا انفرادی اختلافات رکھنے پر بھی ذہن و اخلاق کی طبیعت میں یک ظم متاثر اور تشابہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اُن کی خواہشیں یکساں ہیں ہو سکتیں اور یکساں نہیں ہوتیں۔ اُن کی طبیعتوں کی عام روش ایک طرح کی نہیں ہو سکتی اور ایک طرح کی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی سمجھ میں اپنی لئے ہیں، اپنی زندگی و معیشت کے تمام معاملات میں ایک نہیں ہو جاسکتے اور ایک نہیں ہو جاتے! لیکن وہ ذہن و عمل کی اُن ساری باتوں میں جو جماعتی زندگی کی بنیاد ہیں اور اخلاق و سیرۃ کی فضیلت کا مینا ہیں، اس طرح یکساں اور ایک جگہ و عمل ہو جاتے ہیں، کہ معلوم ہوتا ہے، سب کے اندر ایک ہی دماغ کام کر رہا ہے اور سب کے

اندر ایک ہی روح بول رہی ہو!

یہ موقع نہیں ہو کہ اطناب سے کام لیا جائے، در نہ جزو تھی کہ ان اخلاق و خصائص میں سے ایک ایک چیز کی شرح و تفصیل کی جاتی، اور واضح کیا جائے کہ قرآن و سنت نے جماعتی طبیعت کے کیا کیا بنیادی اوصاف بتلائے ہیں، اور اس کی داخلی استعداد کے امکان و مہمائی کیا کیا ہیں؟

بہر حال اشیاء و افراد کی طرح جماعت و اقوام میں بھی زندگی کی اصلی سرچشمی اُن کی داخلی استعداد میں پنہاں ہوتی ہو۔ نہ کہ خارجی اعمال میں۔ کیونکہ خارج کے اعمال اس سے زیادہ نہیں ہیں کہ داخلی استعداد کے لازمی نتائج و ثمرات ہیں۔

پہلا دور داخلی استعداد کا دور تھا

ظہور اسلام کا پہلا دور جو بحث سے شروع ہو کر ہجرت خیمہ ہوا اور جس کا نقطہ تکمیل ہجرت کا معاملہ تھا، دراصل جماعت کی داخلی استعداد کا دور تھا۔ اور اس لئے ظہور اسلام کی تمام فتح مندوں اور کامرائوں کا مبدیہ یہی دور تھا۔ نہ کہ مدنی زندگی کا دوسرا دور بلاشبہ دنیا کی ظاہر میں نگاہوں میں یہ دور مصیبتوں کا دور اور بے چارگیوں اور دُرماندگیوں کا تسلسل تھا، لیکن یہ باطن امت مسلمہ کی ہرگز نہ والی فتنہ ہی اسی کی مصیبتوں اور کھفروں کے اندر نشوونما پا رہی تھی۔ یہی مصیبتیں تھیں جو "جماعت" کے ذہن و اخلاق کے لئے تعلیم و تربیت کا مدرسہ اور تکریم نفوس و ادوار کا ایوان گاہ تھیں۔ بدو کہ فتنہ ہی کے اندر بہت سے بے ہوش فوج مکہ کے کامران اسی کے اندر بن اور دھل رہے تھے۔ اُنہا ہی میں بلکہ یرمک اور قادیسیہ کی پیدائش بھی اسی کے آریا شیوں اور خود فروشیوں میں ہو رہی تھی۔ یہی وجہ ہو کہ قرآن حکیم نے اُس جہاد کو تو صرف جہاد کہا جو مدنی زندگی میں اسلحہ جنگ سے کرنا پڑا تھا۔ لیکن نفس و اخلاق کے تزکیہ و تربیت کا جو جہاد اس پہلے دور میں ہو رہا تھا، اسے "جہاد کبیر" سے تعبیر کیا۔ کیونکہ فی الحقیقت بڑا جہاد ہی جہاد تھا، فلا نظم انکافہین و جہاد ہم بہ جہاد اکبیر (۵۳:۲۵)

بالاتفاق سورہ فرقان کی ہے۔ کی زندگی میں جس بڑے جہاد کا حکم دیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ وہ قتال کا جہاد نہ تھا۔ صبر و استقامت اور عزم و ثبات کا جہاد تھا اور اپنی اوصاف میں جماعت کی داخلی استعداد کی اصلی بنیادیں تھیں

ہجرت تکمیل کار کا اعلان تھی

ہجرت کا واقعہ اس دور کی مصیبتوں کی انتہا تھا، اس لئے اُس کی برکتوں اور سعادتوں کی بھی آخری تکمیل تھا۔ صحابہ کرام اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے۔ اور کیونکہ خبر ہو سکتے تھے جبکہ اُن کی داخلی تربیت کی اصلی روح اسی معاملہ میں مضمر تھی؟ پس جب یہ سوال بنو آلاء اسلامی سنہ کی ابتدا اس واقعہ سے کی جائے؟ تو انہیں کسی ایسے واقعہ کی جستجو ہوئی جو امت کے قیام و اقبال کا اصلی حربہ ہو۔ آنحضرت کی پیدائش کا واقعہ یقیناً اس سے بڑا واقعہ تھا لیکن اُس کے تذکار میں شخصیت سامنے آتی تھی شخصیت کا عمل سامنے نہیں آتا تھا۔ بحث کا واقعہ بھی سب بڑا واقعہ تھا، لیکن یہ معاملہ کی ابتدا تھی، انتہا و تکمیل نہ تھی۔ بدو کہ جنگ اور مکہ کی فتح، عظیم واقعات تھے لیکن وہ اسلام کی فتح و اقبال کی بنیاد نہ تھے۔ کسی دوسری بنیاد کے نتائج و ثمرات تھے۔ یہ تمام... واقعات اگر سامنے آئے، لیکن ان میں سے کسی پر بھی طبیعتیں مطمئن نہ ہوئیں۔ بالآخر ہجرت کا واقعہ سامنے آگیا، تو سب کے دلوں نے قبول کر لیا، کیونکہ انہیں یاد آگیا، اسلام کے ظہور و عروج کا مبدیہ حقیقی

اسی واقعہ میں پوشیدہ ہے، اور اس لئے ہی واقعہ ہو جسے اسلامی تاریخ کا مبدیہ بننا چاہئے۔

ہجرت مدینہ کی تسخیر تھی

اور پھر یہ حقیقت کس درجہ واضح ہو جاتی جو جب اس پہلو پر نظر ڈالی جائے کہ ظہور اسلام کی تمام فتنہ دلوں میں سے پہلی فتح مدینہ کی فتح تھی اور اُس کی تکمیل ہجرت ہی کے واقعہ سے ہوئی تھی مدینہ کے ساتھ "فتح" کا لفظ سکر تعجب ہوا ہوگا کیونکہ تم صرف اُن فتح کے شناسا ہو جو جنگ کے میدانوں میں حاصل کی جاتی ہو لیکن محققین معلوم نہیں کہ میدان جنگ کی فتح سے بھی بڑے کردلوں کی آبادی اور درجوں کی انقلابوں کی فتح ہو، اور اسی فتح سے میدان جنگ جنگ کی فتنہ دیاں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ مین اسوقت جبکہ اسلام کا داعی اپنے وطن اور اہل وطن کی شقاوتوں سے ایسے ہو گیا تھا۔ باشندگان شرب کی ایک جماعت پہنچی ہو، اور رات کی تاریکی میں پوشیدہ ہو کر اپنی روح کا ایمان اور دل کی اطاعت پیش کرتی ہو۔ اسوقت دنیوی جاہ و جلال کا نام و نشان نہیں ہوتا سیف و دسان کی ہمت و جبروت کا دم ہوگا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ سراسر غربت ادنیٰ کی بے سرو سامانیاں اور عمدہ مصائب محن کی دراندازیاں ہوتی ہیں۔ بایں ہمہ شرب کی پوری آبادی اُس کے سامنے جھک جاتی ہو، اور ایمان کے ایسے جوش اور عشق و اطاعت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ اُس کے استقبال کے لئے طیار ہو جاتی ہو جو تاریخ عالم کے کسی طبقے سے بڑے فاتح اور شہنشاہ کو بھی سیر نہ آئی ہوگی۔ قیس بن مرہ انصاری نے کیسے بے سے اور دلنشیں غفلتوں میں اہل مدینہ کے جوش و خروش ایمانی کی تصویر کھینچی ہو؟ دکان عبد اللہ ابن عباس میٹھلت الیہ و یحفظ منہ ہذا الابیات:

یذکر لولیع حبیب منواتیا
ذی فی قریش بعض عشرہ حمۃ
و یرضی فی اہل المدائن نفسہ
فلما آتانا واستقرت بہ النوی
واسج لا یخشی ظلماتہ ظالم
بذلنا لہ الاموال من جل مالنا
لغادی الذی عادی من اناس کم
و فلما ان الامر لاب غیبرہ
دلوں اور دلوں کی اس فتح و تسخیر سے بڑھ کر بھی اور کوئی فتح ہو سکتی تھی؟ لیکن یہ فتح کیونکر ہوئی؟ دور ہجرت کے آلام و محن میں اس کا آغاز ہوا، اور ہجرت نے اس فتح کی تکمیل کر دی!

یہی وجہ ہو کہ قرآن حکیم نے واقعہ ہجرت کا ذکر اس طریقہ پر کیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بے سرو سامانی و غربت کے اس عمل ہی میں فتح و نصرت الہی کی سب سے بڑی معنویت پوشیدہ تھی:

ثانی اشنین الذی جافی الخاد، اذ
یعول لصاحبه: کا تھی، اذ
اللہ معنا فان اللہ سلکنا علیہ
دلیلہ کا مجبور ہو کر دھا و جمل
کلمۃ الذین کفر و الاسفل و
کلمۃ اللہ ہی العلیا، واللہ عز و
حکیم (۱۱:۹)

شکوک سے اسکی مدد کی جیسی دنیا کی ظاہر میں اور حقیقت نا آشنا آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُن سرکشوں کی بات جو انکار کرتے تھے، ہمیشہ کے لئے پت ہو گئی، اور مکہ حق ہی کو برتری اور کامیابی حاصل ہوئی۔ ۴

فہرست

آثار عتیقہ

- ۳ علم الامام مصر
منہج کی تاریخ جدید کے بحال تاریخ
۴ والیٹر

تاریخ و عمر

- ۸ فرانس کا فلاح عظم احمد اسلام
مطبوعہ جدیدہ
۱۲ بان یویدین تحریک اور اس عالم

ادبیات

- ۱۳ تین ہزار برس پیش کی شاعری
بصائر و حکم
۱۶ انسانیت موت کے دروازہ پر
حسین بن علی علیہما السلام

برید فرنگ

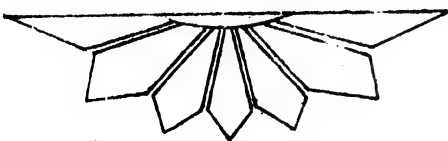
- ۱۹ مکتوب آرمیک
برید شرق
۲۰ مکتوب آگورہ

مقالات

- ۲۱ تذکار ہجرت نبوی

تصاویر

- ۵ والیٹر
۸ نپولین بوناپارٹ مصری لباس میں
۸ مزارک ملک
۸ شیخ عبداللہ شرفاوی
۹ شیخ سلیمان فیومی
۸ شیخ خلیل بکری نقیب السادات



دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معادل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی نوآند پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میوز کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میوزوں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو ”نئے سسٹم“ کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس ”نئے سسٹم“ کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گور اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.

EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

سَلَامٌ عَلَيْكَ

المال

ایک ہیفتہ وار مصوٰ رسالہ

نمبر ۸

کلیکتہ : جمعہ ۶ - صفر ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 5, August 1927.

جلد ۱

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

ضروری ہی کہ ہم اسکا اب فیصلہ کر لیں

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہیں رکھتی ۔
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے ۔
بتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہیں کر سکتی ۔

ہندی اور ہندوستان کی تمام زبانوں نے، نیز عربی، فارسی، ترکی، تینوں سامی زبانوں نے حروف کی چھپائی اختیار کر لی ہے اور انکی طباعة یورپ کی طباعة کا مقابلہ کر رہی ہے۔ کیون اردو زبان بھی ایسا نہ کری جو اسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے؟

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں ، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں ۔ آپ ان دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں ۔ ہماری رائے میں بہترین حروف یہی ہیں ۔ اگر فارسی اور ترکی کیلئے یہ ناموزون نہیں تو اردو کیلئے کیون ناموزون ہوں ؟

براه عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رای سی همین اطلاع دیجیہی ۔ یاد رکھیہی ۔
طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلپی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی ۔ ضروری ہی کہ اسکی
تمام تفایص ایک بار دور کر دی جائیں ۔

الہلال

ایک مہینہ وار موصوٰر سال

نمبر ۸

کلکتہ : جمعہ ۶۔ ستمبر ۱۳۴۶ھ

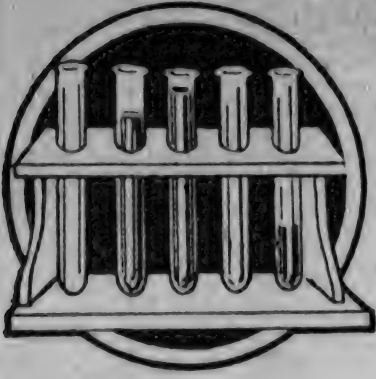
Calcutta : Friday, 5, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

ضروری ہی کہ ہم اسکا اب فیصلہ کر لیں

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔
ہندی اور ہندوستان کی تمام زبانوں نے، نیز عربی، فارسی، ترکی، تینوں سامی زبانوں
نے حروف کی چھپائی اختیار کر لی ہے اور انکی طباعت یورپ کی طباعت کا مقابلہ کر رہی ہے۔
کیون اردو زبان بھی ایسا نہ کری جو اسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے؟
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان
دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
ہماری رائے میں بہترین حروف یہی ہیں۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیں یہ نا موزون
نہیں تو اردو کیلیں کیون نا موزون ہوں؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی
تمام تقاضاں اہلکار ہر دور کر دی جائیں۔



مذاکرہ علمیہ



مفقودہ“ قرار دیا جا سکے۔ تاہم علماء حیوانات و تشریح کا خیال ہے کہ قرائن و آثار بہت حد تک تشفی بخش ہیں، اور بہت ممکن ہے کہ انکی بحث و فحوص سے کم شدہ حلقہ کا مسئلہ حل ہو جائے۔

حال میں امریکہ کے بعض علماء حیوانات نے اس قسم کا مراد یک جا کر کے اُن کی نوعیت پر نہایت دلچسپ نظر ڈالی ہے۔ ہم اُس کا مختصر خلاصہ قارئین الہلال کی معلومات کے لیے درج کر دیتے ہیں۔

یہ امریکن پروفیسر (جس کا نام ڈاکٹر رھاٹ ہے) لکھتا ہے :

”گزشتہ دس سال کے اندر جو انکشافات ہوئے ہیں، وہ سلسلہ بحث کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔ علم کی احتیاط کا مقصد یہی ہے کہ اظہار و ترقی میں جلدی نہ کی جائے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوتا، تو یہ انکشافات اپنی موجودہ حالت میں بھی اتنے واضح ہیں، کہ کہا جا سکتا تھا، کم شدہ حلقوں کا سراغ مل گیا ہے۔“

اس وقت سب سے زیادہ قوی قرائن رکھنے والے آثار پانچ ہیں :

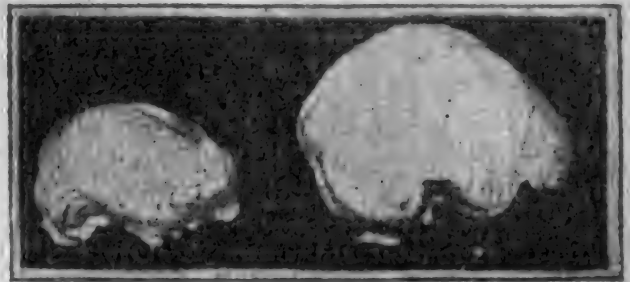
(۱) انسان ہڈی برگ : یہ ایک کھوپڑی ہے جو جرمنی کے مندرجہ بالا مقام میں ملی تھی۔ تشریحی تحقیقات کے بعد ثابت ہو گیا ہے کہ یہ نہ تو موجودہ انسان کی کھوپڑی ہوسکتی ہے، نہ کسی جانور کی۔ یہ ضرور ایک تیسری اور درمیانی قسم ہے۔



وہ کھوپڑی جو ٹرنکس میں ملی ہے، اور جسکی نسبت خیال کیا گیا ہے کہ کم شدہ حلقہ کی کھوپڑی ہے

نظریۂ ارتقا کا گم شدہ حلقہ

کیا حلقہ مفقودہ مل گیا ہے ؟



گوریل کا دماغ

انسان کا دماغ

نظریۂ ارتقا کے ”حلقہ مفقودہ“ سے مقصد وہ ذہنی حیوان ہے، جسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کی موجودہ شکل اور ہیڈٹ کے ارتقا سے پہلے زمین پر موجود تھا۔ وہ انسان میں، جو سلسلہ ارتقا کی آخری کڑی ہے، اور ترقی یافتہ جانوروں میں، جو ہیڈٹ انسانی سے بہت زیادہ قرب رکھتے ہیں، درمیانی بروز تھا۔

اس نظریہ کے قائلین کا خیال ہے کہ بندر کی ترقی یافتہ قسمیں مثلاً گوریل، اس قسم کی مخلوق ہیں جنکی ظاہری ہیڈٹ، جسمانی بناوت، تشریحی نظام، اور اعضاء معذری کے وظائف و خواص، انسان سے بہت زیادہ قرب اور ملتے جلتے ہیں۔ لیکن اسدرجہ قرب اور تمائل نہیں ہے کہ اُسکے بعد ہی انسان کا وجود آجائے۔ ضروری ہے کہ درمیان میں کوئی ایک یا ایک سے زیادہ کڑیاں رہی ہوں اور وہاں ”جانور“ کی سرحد ختم ہوئی ہو اور ”انسان“ کی حدود کا آغاز ہوا ہو۔ چونکہ علم الحیوانات کی موجودہ اور مدون معلومات میں کوئی ایسا مخلوق موجود نہیں ہے، اسلئے انہیں اسکی جستجو ہوئی، اور اسکا نام ”حلقہ مفقودہ“ یعنی گم شدہ حلقہ قرار پا گیا۔ علماء عام الحیوانات نصف صدی سے اس گم شدہ حلقہ کی جستجو میں ہیں۔ آثار قدیمہ اور عام طبقات الارض کی تحقیقات کے سلسلہ میں بارہا اس طرح کی چیزیں دستیاب ہوئیں کہ خیال ہوا، کم شدہ حلقہ کا سراغ مل گیا ہے، لیکن پھر مطالعہ و تفحص سے اس خیال کی تصدیق نہوسکی۔

لیکن سنہ ۱۹۲۰ء سے بعض نئے انکشافات پے درپے ہو رہے ہیں اور انہوں نے ایک نیا مزاد باعث پیدا کر دیا ہے۔ اگرچہ ان میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے علمی وثوق کے ساتھ ”حلقہ“

ریڈیم

خزانہ فطرۃ کا سب سے زیادہ کمیاب جوہر !

حال میں اخبارات نے یہ خبر شایع کی تھی کہ ”ریڈیم کا ہزار گریگا ہے اور ایک اونس ریڈیم کی قیمت ۳۳۰،۰۰۰،۰۰۰ ڈالر کی جگہ اچانک ۲۵،۰۰۰،۰۰۰ ڈالر ہو گئی ہے۔ اس کمی کی وجہ یہ ہے کہ بلجیم کانگو (افریقہ) کے علاقہ ”کاتنگا“ میں ریڈیم کی ایک بہت بڑی مقدار نظر آئی ہے۔ زنگولابا کی کانڈے کی بعض قدیم کانوں میں بھی ریڈیم پایا گیا ہے۔ اگر یہ تمام ریڈیم حاصل کر لیا گیا تو قیمت میں اور بھی کمی ہوجائے گی“

لیکن اس خبر سے لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کوئی خیال کر بیٹھے کہ جب ریڈیم کے بھاؤ میں اس طرح اتار چڑھاؤ ہو رہا ہے تو ہر دولت مند آدمی کیلئے اسکی زیادہ سے زیادہ مقدار خرید لینا ممکن ہے۔ مثلاً امریکہ کا ہنری فورڈ جیسا کروڑ پتی اگ چاہے تو بڑا سانی آدہ سیر ریڈیم خرید لے۔ اپنے بینک نوٹوں کا بیگ بغل میں دبائے، اور بازار جانے جب چاہے ریڈیم لے آئے۔

لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ہنری فورڈ کی تمام دولت بھی آدہ سیر ریڈیم خرید نہیں سکتی۔ امریکہ کے دوسرے کارون رانفلز اور مللو بھی اگر اپنے خزانے جمع کر دیں، اور امریکا، فرانس، انگلستان، بلکہ سارے عالم کی سلطنتیں بھی اپنے جملہ خزانے پیش کر دیں، جب بھی آدہ سیر ریڈیم حاصل نہیں کیا جاسکتا !

یہ عجیب بات ہے۔ مگر واقعہ ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ گزشتہ اٹھائیس برس میں، یعنی جب سے ریڈیم دریافت ہوا ہے، دنیا اُس کی اتنی مقدار حاصل ہی نہیں کر سکی ہے، جسے ترازو میں آدہ سیر کے بات سے تول سکیں۔ اس وقت تک وہ صرف آدہ پاؤ ڈی مقدار میں حاصل ہو سکا ہے !

جن خوش نصیبوں کے قبضہ میں ریڈیم ہے، یا جنہیں اُس کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً سائنس دان اور ڈاکٹر، وہ اُس کے ایک ایک ذرہ کی قدر کرتے اور زیادہ سے زیادہ قیمت پر خریدنا چاہتے ہیں۔ ریڈیم کی خرید و فروخت اونس کے حساب سے نہیں ہوتی، ٹن کے حساب کا تو وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ریڈیم سونے سے بھی کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ اُس کی قیمت سونے سے ایک لاکھ گنا زیادہ ہے۔ ریڈیم کی خرید و فروخت رتوں کے حساب سے ہوتی ہے۔ اس وقت تک ریڈیم کی سب سے بڑی مقدار جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوئی ہے، صرف دو گرام ہے۔ اور معلوم ہے کہ ایک گرام، اونس کا تیسواں حصہ ہوتا ہے۔ یہ مقدار بھی فروخت نہیں ہوئی ہے بلکہ حکومت زنگولابا نے انگلستان کو علمی تحقیقات کے لیے عاریتاً دیدی ہے۔

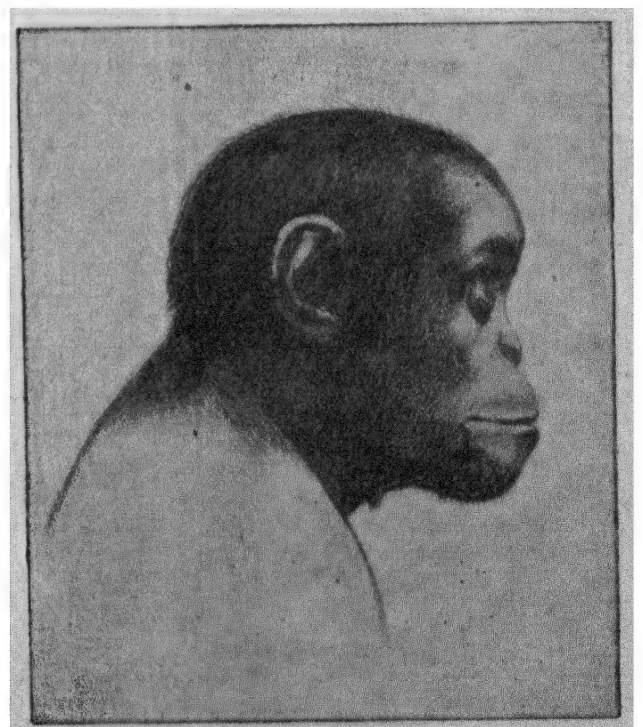
اس کی کوئی امید نہیں کہ کانگو میں ریڈیم کی کان اُس کی موجودہ مقدار میں غیر معمولی اضافہ کر دے گی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس وقت اُس کی جتنی مقدار دنیا کے ہاتھ میں موجود ہے، اُس کے صرف ۲۵ گنا زیادہ ریڈیم کانگو کی کان سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اُس کا نکالنا بجائے خود ایک نہایت مشکل اور بڑے خرچ کا کام ہے۔ اس کان کی ہر ۵۰۰ ٹن رزنی چٹان میں سے زیادہ سے زیادہ ایک گرام ریڈیم نکلے گا۔ وہ بھی خالص نہیں بلکہ ”کرول“ اور دوسرے مواد سے ملا ہوا۔ ان مواد سے اُسے علیحدہ کرنے

(۲) روتسیا کا انکشاف: سنہ ۱۹۲۱ء میں ایک سیاح کو جنوبی افریقہ میں ایک کھوپڑی ملی۔ یہ بھی پہلی کھوپڑی کی طرح ایک تیسری تشریحی حالت رکھتی ہے۔ علماء تشریح و وظائف اعضاء کی تحقیق میں یہ غالباً ابتدائی قسم کے وحشی انسان کی کھوپڑی ہے۔

(۳) جازا کا انکشاف: جازا کی ایک غار سے بھی ایک قیمتی کھوپڑی ملی ہے جسکی نسبت دو مختلف رائیں قائم کی گئی ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے، یہ کم شدہ حلقہ کی خبر دیتی ہے۔ دوسری جماعت کا خیال ہے، یہ بندرہ کی کوئی زیادہ اونچی قسم ہے۔ وہ کہتے ہیں، اس کھوپڑی میں پیشانی کا بیداد ابھار اور رخسار کی ہڈیوں کی نوعیت، کم شدہ حلقہ کی نوعیت سے مختلف ہے۔

(۴) سب سے زیادہ قیمتی انکشاف ”وحشی انسان“ کا انکشاف ہے جسکے جسم کی ہڈیاں اور سر کی کھوپڑیاں بکثرت جمع ہو گئی ہیں۔ اسکا جسم اور چہرہ بالکل موجودہ انسانوں کا سا تھا۔ لیکن اسکے جسم پر بکثرت بال تھے۔ اسے بال جیسے بندرہ کے جسم پر ہوتے ہیں۔ بعض قدیم سیاحوں نے اسٹولیا، امریکہ، اور جزائر جنوب میں ایسے زندہ انسان دیکھے بھی ہیں۔

(۵) آخری انکشاف پروفیسر ڈارٹ کا مشہور انکشاف ہے جو سنہ ۱۹۲۵ء میں ہوا۔ پروفیسر مورف کوٹانگس میں ایک بالکل نئی قسم کی کھوپڑی ملی ہے جو پچاس قدم سے زیادہ زمین کے اندر مدفون تھی۔ یہ کھوپڑی تمام پچھلے آثار سے کہیں زیادہ کم شدہ حلقہ کا اذعان پیدا کرتی ہے۔ اسکے تمام حصے موجودہ انسان کی کھوپڑی جیسے ہیں۔ البتہ منہ کا نیچلا حصہ بہت زیادہ باہر نکلا ہوا ہے، اور یہ بات عام وظائف اعضاء میں طے پاچکی ہے کہ انسانی چہرے کا نیچلا حصہ ابتدا میں ایسا ہی ابھرا ہوا تھا۔ پھر یہ تدریج گھٹتے گھٹتے موجودہ تناسب تک پہنچ گیا۔



ٹونگس سے جو کھوپڑی ملی ہے، زندگی میں وہ ایسا چہرہ رکھتی ہوگی، جیسا اس تصویر میں دکھلایا گیا ہے۔

(بے رنگ) یا قوت، ریڈیم کے زیر اثر رکھ دیا جائے تو عیسہ کے لیے زمرہ بن جاتا ہے۔ نقلی اور مصنوعی نہیں۔ حقیقی، بیش قیمت زمرہ! "

اس عجیب و غریب اور نادر چیز "ریڈیم" کا خاصہ کیا ہے؟ مختصر جواب یہ ہے کہ "شعاعی قوت"۔ شعاعی قوت کے کیا معنی ہیں؟ ٹھیک رہی جو ان دو لفظوں سے سمجھ جائے ہیں۔ یعنی شعاعوں کی شکل میں قوت۔ مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

(ریڈیم کا انکشاف)

حیرت انگیز ریڈیم کا انکشاف اس طرح ہوا کہ سنہ ۱۸۹۵ء میں مشہور فرینچ سائنس دان ہنری بکریل اپنی علمی تحقیقات میں مصروف تھا۔ فوسفورسی روشنی کے تجربے کر رہا تھا۔ اچانک اس نے دیکھا، ایک خاص عنصر "اور انیم" کے اجزاء فوٹو گرافی کی تختی پر تاریکی میں اثر ڈال رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر سیاہ کاغذ سے چھپا دیا جائے، جب بھی انکا اثر پہنچ جاتا ہے۔ اس پر اسے بڑی حیرت ہوئی مگر ریڈیم کی طرف رہنمائی نہ ہو سکی۔ البتہ علمی دنیا نے یہ تسلیم کر لیا کہ اور انیم میں شعاعی قوت موجود ہے، اور اس سے کام لیا جائے گا۔ چنانچہ اس وقت سے شیشہ اور چینی کے ظروف رنگے میں اکسائیڈ اور انیم برابر استعمال ہونے لگا ہے۔

اس کے بعد ایک نوجوان پولش خاتون میڈم کیری نے اور انیم کے مخفی خواص کی پیرس میں تحقیقات شروع کی۔ اس نے بہت جلد معلوم کر لیا کہ یہ شعاعی قوت والا مادہ، خود اور انیم نہیں ہے، بلکہ کوئی اور عنصر ہے اور اکسائیڈ اور انیم سے ملا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے یہ مادہ تحلیل کرنا اور مختلف قسم کے تیزابوں سے بار بار دھونا اور صاف کرنا شروع کیا۔ اب اس کی حیرت و مسرت بے حساب تھی۔ کیونکہ تحلیل کے بعد جو مادہ باقی رہ گیا تھا، اس کی شعاعی قوت برابر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے بعد وہ الیکٹروسکوپ کی مدد سے تین اونس ایک نیا عنصر حاصل کر لینے میں کامیاب ہو گئی۔ یہ عنصر اور انیم سے بھی ساآہ گنا زیادہ سخت تھا۔ فوراً اس مادہ کے چند کیمیائی خواص بھی دریافت ہو گئے۔ اس نے بڑے فخر و مباہات سے اپنے عظیم انکشاف کا اعلان کر دیا، اور اپنے وطن کے نام پر اسکا نام "پولونیم" رکھا۔ یہ "پولونیم" ریڈیم کے انکشاف کی طرف عملی قدم تھا۔ تین سال کی مزید تحقیقات کے بعد اسی خاتون نے اعلان کیا کہ اکسائیڈ اور انیم میں شعاعی قوت کا اصلی سرچشمہ اس نے دریافت کر لیا ہے۔ اسی سرچشمہ کا نام بالآخر "ریڈیم" پڑا۔ اور آہستہ آہستہ اس کے مزید خواص معلوم کیے گئے۔

اس کے بعد سرانست آرتھر فورڈ نے دریافت کیا کہ ریڈیم کی شعاعیں تین قسم کی ہیں۔ چنانچہ یونانی ابجد کے تین ابتدائی حروف پر ان کے نام رکھ گئے۔ پہلی شعاع کا نام "الفا" دوسری کا "بیٹا" تیسری کا "گاما"

(ریڈیم کے خواص)

پھر تحقیقات سے ثابت ہوا کہ پہلی شعاع "الفا" مثبتہ کربائی لہروں کا مجموعہ ہے۔ وہ اس قدر تیز رفتار ہے کہ ہر سکند میں ۲۰۰۰۰ میل حرکت کرتی ہے۔ یعنی لوپ کے گولے سے بھی ۳۰۰۰۰ مرتبہ زیادہ تیز رفتار ہے۔ لیکن یہ شعاع، فوٹو و مرچان کی زیادہ قوت نہیں رکھتی۔ شیشے کی نہایت رقیق تختی حائل کر کے اسے رک دیا جاسکتا ہے۔

کے لیے کم از کم ۵۰۰ ٹن دوسرے کیمیائی اجزاء درکار ہونگے۔ ۱۰۰۰ ٹن پتھر کا کوئلہ خرچ ہوگا۔ ۱۰۰۰ ٹن مقطر پانی لگے گا۔ ایک مہینہ تک ۱۵۰- مزدور کام کریں گے۔ پانچ ہفتے ماہرین کیمیا کی ایک بڑی جماعت کو صرف کرنا ہونگے۔ پھر اس کے بعد مزید چار مہینے اسے کار آمد بنانے میں لگیں گے۔ ان تمام کوششوں، محنتوں، اور کثیر مصارف کے بعد، شاید ایک گرام ریڈیم دستیاب ہو سکے۔ اگر کانگو کی پوری کار سے فائدہ اٹھایا جائے، تو بھی زیادہ سے زیادہ نصف اونس ریڈیم ملنے کی امید ہے۔ اس کے معنی یہ ہرے کہ اس تمام درد سہی کے بعد ریڈیم کی موجودہ مقدار میں یعنی تقریباً دو چھٹانک میں صرف تیس گرام کا آؤر اضافہ ہو جائیگا!

(ریڈیم کی نوعیت)

آخر ریڈیم ہے کیا چیز جس کی جستجو میں سارا عالم سرگرداں ہو رہا ہے، اور جس کی مدح و ثنا میں دنیا کے تمام علماء طب اللسان ہیں؟

ماہر کیمیا سے پوچھو۔ وہ بڑے جوش سے جواب دے گا "ریڈیم اگرچہ لوہے، تانبے، توتیے کی طرح ایک دھات ہے، مگر سب دھاتوں سے زیادہ زہنی ہے، حتیٰ کہ سب سے بھی زیادہ۔ سب دھاتوں سے زیادہ قیمتی ہے، حتیٰ کہ سونے چاندی بلکہ اعلیٰ اور الماس سے بھی زیادہ۔ ریڈیم، نیچر کے خزانے کا سب سے زیادہ بیش قیمت جواہر ہے۔ یہی وہ پارس ہے جس کے عشق میں قدیم فلاسفہ اور حکماء دیوانے ہو رہے تھے، اور سمجھتے تھے، اس کے ذریعہ ہر دھات سونا بن جا سکتی ہے!"

ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ اسے بھی قصیدہ خواں پاؤ گے۔ وہ کہے گا "یہی وہ اکسیر حیات ہے جس کی مدد سے تلاش تھی۔ یہ عنقریب دنیا کی جملہ بیماریوں کا تریاق بننے والا ہے"

سائنس دان سے سوال کرو۔ فوراً بول اٹھے گا "یہ سب سے زیادہ عجیب چیز ہے جو دنیا نے دیکھی ہے۔ یہ اسی کے خواص کی برکت ہے کہ ذراتی ترکیب (ایٹم) کا نظریہ قائم ہو سکا ہے جو عنقریب تمام علوم میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دے گا"

عالم طبقات الارض (جیالوجی) سے مخاطب ہو۔ وہ فوراً کہے گا "ریڈیم، آتش فشاں پہاڑوں اور زمین کی اندرونی حرارت کا بہترین مفسر ہے"

عالم فلکیات سے دریافت کرو۔ وہ کہے گا "ریڈیم، آفتاب اور ستاروں کے نور حرارت کا سرچشمہ اور ان کی قوت کا راز ہے"

علم الحیاء (بیالوجی) کا ماہر تو یہاں تک کہ دیکھا "شاید ریڈیم ہی زندگی کا اصلی منبع ہے"

عام ہندسہ کا عالم کہیگا "اگر ریڈیم کی کافی مقدار حاصل ہو جائے تو اتنی عظیم الشان قوت انسان کے قبضہ میں آجائے جس کا اس وقت تصور بھی مشکل ہے۔ ایسے حیرت انگیز آلات ایجاد ہو جائیں جنکے مقابلہ میں موجودہ آلات بالکل ہیچ ہیں۔ وہ آلات ایسے محیر العقول نام کر سکیں گے جن کا عشر عشیر بھی حال کے آلات سے ممکن نہیں۔ پھر صنعت و حرکت میں بھی بالکل نیا پلٹ ہو جائیگی۔ ابھی ریڈیم کی جتنی قابل مقدار موجود ہے، وہی بے شمار فوائد پہنچا رہی ہے۔ اسکا ایک ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ اس سے ایک ایسا رزغن ایجاد ہو گیا ہے جو گھڑی کی سوئیل، بھری اور ہوائی جہازوں کے آلات اور برقی کنجیل، اندھیری رازوں میں روشن رکھتا ہے۔ قیمتی جواہرات اس سے نظار ہو جاتے ہیں۔ اگر کچھ مدت کے لیے سفید

جو لوگ ریڈیم کے علاج میں مشغول رہتے ہیں، وہ اپنی حفاظت سے کی صدیاں پہنکر کرتے ہیں۔ تاہم انکی صحت کو آخر کار سخت نقصان پہنچتا ہے۔ ریڈیم کی شعاعیں براہ راست کوئی تکلیف نہیں پہنچاتیں۔ لیکن آہستہ آہستہ خون کے سفید اور سرخ ذریعے بگاڑ دیتی ہیں۔ خون کا دباؤ ہلکا کر دیتی ہیں۔ اکثر خون میں کمی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ناخن بد صورت اور انکے گرد کی کھال کھری اور موٹی ہو جاتی ہے۔ چہرہ اور ہاتھوں کی جلد میں بھی التهاب پیدا ہو جاتا ہے۔

ریڈیم کی ابھی جتنی مقدار حاصل ہوئی ہے، وہ تمام مریضوں کے علاج کے لیے بالکل نا کافی ہے۔ تاہم اسے نہایت ہوشیاری سے استعمال کیا گیا ہے، اور ایسے طریقے ایجاد کیے گئے ہیں کہ اسکا نفع زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے۔ ریڈیم کی شعاعی قوت کا گیس چھوٹی چھوٹی نالیوں میں اس طرح بند دیا گیا ہے کہ اس سے علاج میں کام لیا جاسکے۔ ہر نلی ۱۸ - ۲۰ - ریڈیم میں فروخت ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ چار دن تک کام دیتی ہے۔ یہ نلی بیمار کے جسم میں اسی طرح داخل کر دی جاتی ہے جس طرح انجکشن کی سرنی داخل کی جاتی ہے۔

اس وقت کوئی شخص بھی پیشین گوئی نہیں کر سکتا کہ ریڈیم کے آئندہ فوائد آرزو کیا کیا دریافت ہونگے؟ اور کن کن طریقوں پر اسے استعمال دیا جاسکے؟ امید کی جاتی ہے کہ سائنس کوئی ایسا طریقہ ایجاد کر سکے جس سے ریڈیم کے حصول میں آسانی ہو جائے، اور علماء طبقات الارض کا یہ نظریہ ایک دن صحیح ثابت ہو جائے کہ ہماری زمین کے شکم میں سراسر ریڈیم ہی بھرا پڑا ہے۔ اگر کبھی یہ نظریہ صحیح ثابت ہو گیا تو ان اندازہ کر سکتا ہے کہ انسان کو کتنی قوت، کتنی حرارت اور مستند روشنی حاصل ہو جائیگی؟

اگر ریڈیم بگڑ کر سیسہ ہو جاتا ہے تو یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شروع ہی سے زمین میں ریڈیم کی بہت بڑی کمیت موجود تھی؟ اور کیا تمام موجودہ سیسہ اصل میں ریڈیم ہی تھا؟ بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو، اگر ایسا ہی ہے تو پھر زمین شروع میں اپنی موجودہ حالت سے بالکل مختلف ہوگی۔ شروع میں زمین ایک دنیا سا آتشیں گہ نہی یا خود آفتاب کا ایک چھوٹا سا جزء۔

عام طور پر علماء کا یہی خیال ہے کہ زمین اصل میں ایک آتشیں گہ نہی اور آفتاب یا کسی دوسرے عظیم گہ سے کٹ کر جدا ہوئی ہے۔ بے زندگی سے بالکل خالی تھی۔ پھر بندرجیم سرن ہونے کے بعد زندگی کے تخم سے آباد ہوئی، اور ذی ریح کا مسکن بن گئی۔ زندگی کے یہ تخم اب پھر میں پڑے بہہ رہے تھے۔ اگر واقعہ یہی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ زندگی کے یہ تخم اصل میں ریڈیم ہی کے گیس ہوں؟ بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ کیونکہ سائنس کے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ شعاعی قوت کا زندگی کے حقیقی عناصر سے گہرا تعلق ہے۔ دلیل اسہی یہ ہے کہ بعض بدیم کی شعاعوں کے زیر اثر آئے ہی فوراً اونیاں پیدا کر دیتے ہیں، اور پھر غیر معمولی سرعت و قوت سے بڑھنے لگتے ہیں!

لیکن علماء کا بخند خیال ہے کہ ریڈیم ہی اس کی اصلی اور بے میل شکل میں زیادہ کمیت، زمین ہی سطح پر ابھی موجود نہ تھی۔ یہ اسلئے کہ اسکی کیمیائی خواص اسے تقویداً نا ممکن ثابت اور رہے ہیں۔ وہ ہمیشہ دوسرے مواد سے مرکب ملتا ہے۔ خالص ریڈیم کا حصول بہت ہی مشکل ہے۔ اگر حاصل ہو بھی جائے تو اسکا اصلی حالت میں محفوظ رکھنا اور یہی مشکل ہوگا۔ کیونکہ وہ ہوا سے جلد متاثر ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریڈیم ہی عام تجارت اسکے مختلف نمونوں: برومائیڈ، کلورائیڈ، ڈیوایت، سلفائیڈ کی شکل میں ہوتی ہے۔

(طبی فوائد)

روشنی کے رشتوں کے علاوہ ریڈیم سے طب میں بھی بڑے بڑے کام لے جاتے ہیں۔ طب میں اسکے استعمال کی طرف سب سے پہلے سنہ ۱۹۰۱ء میں پیر کوری نامی طبیب اور ہنگامی ہوئی۔ یہ شخص ریڈیم کی دریافت ہونے والی مدم لوزی کا شوہر ہے۔ لیکن ریڈیم کے علاج کا اصلی موجد ہنگری ڈویمینسی ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں اسنے دریافت کیا کہ اگر سیسہ کی تختی میں ریڈیم کی شعاعیں دو عربیہ جہان لی جائیں تو وہ جسم سے ان ریشوں کو زائل کر دیتی ہیں جو سرطانی مادن سے آلودہ ہوتے ہیں۔ مگر تندرست ریشوں پر ان کا کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔

اس وقت سے ریڈیم مختلف امراض کے علاج میں استعمال ہونے لگا۔ مثلاً سرطان، طرح طرح کے ورم، نفوس، عصبی درد، عرق النساء، زبردہ درد، ذیابیطس، خون لی امی، ہیضہ، قیقرہ وغیرہ۔ خیال دیا جاتا ہے کہ ریڈیم ایکس ریز کے جملے ہوئے زخم اچھ دیتا ہے۔ قیقرہ، ہیضہ اور بھیری کے حرائیم وائل اور دالفا ہے۔ معدے اور درست کرتا ہے۔ اشتہا پیدا کرتا ہے۔ اور ان تمام کیمیائی تبدیلیوں میں مساند ہوتا ہے جو انسانی جسم میں برقرار چاہی رہتی ہیں۔

(ریڈیم کے مضر اثرات)

لیکن جہاں ریڈیم کے بے شمار فوائد ہیں، اسیکی مضرتیں بھی ہیں۔ مدت تک ریڈیم سے زیر اثر رہنا سخت نقصان کا موجب ہوتا ہے۔

الہلال

کا

یہ ۸ - وان نمبر ہی

لیکن

اسوقت تک ضرورت باقی ہے کہ توسیع اشاعت کی طرف آپ کو توجہ دلائی جائے۔

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الہلال کا استقبال کیا، شاید ہی اسی کوئی دوسری نظیر اردر اخبارات میں مل سکے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ پرچہ کی ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ہے، اور قیمت اسکے مقابلہ میں بہت کم۔ اب یا تو قیمت بڑھانی چاہیے۔ یا اتنی وسیع اشاعت کرنی چاہیے کہ اس سے قیمت کی کمی کی تلافی ہو جائے۔

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

”دنیا میں ہر شخص کا ایک نام ہوتا ہے۔ میرا نام یہی ہے کہ میں تلخ مگر مفید سچائی عوام پر ظاہر کروں۔ جہاننگ میری استطاعت میں تھا، میں نے انسانیت، شرافت، اور رزا داری کی دعوت دی ہے۔ اگر دنیا نے نہیں سنا، تو یہ میرا قصور نہیں ہے۔ میں نے اپنے لیے ایک قاعدہ بنا لیا ہے۔ میں عالمگیر سچائیوں کا ساتھ دوں گا۔ میں کسی پر الزام نہیں لگانا، کسی کی تضحیک نہیں کرتا، کسی معین شخص پر حملہ نہیں کرتا۔ میرا حملہ انسانوں پر ہے۔ میں کسی خاص فعل کو برا نہیں کہتا۔ میں شر کو برا کہتا ہوں“ (روسو)

ہے۔ یہ مجموعہ اسقدر دلچسپ اور گونا گوں معلومات سے لبریز ہے کہ ضرورت ہے، کم از کم ایک در تحریریں روسو کے مکاتیب پر بھی لکھی جائیں۔ اگر یہ لکھی جاسکیں تو یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہو جائیگی۔

انقلاب فرانس کے دماغی ارکان دراصل از منہ وسطی (میدل ایجز) کے کایسائی اور شاہی استبداد کا رد فعل تھے۔ اس لیے ناگزیر تھا کہ پچھلے افراط کے مقابلہ میں ایک نئی تقریب پیدا ہو جائے۔ ”التیور“ روسو، اور ”دیدر“ ذہن و عقل کی اسی تقریب کی مخلوق ہیں۔ انکی ذہنی روح تعمیر سے نہیں بلکہ تخریب کے ہیجان سے پیدا ہوئی۔ وہ اثبات کے نہیں، نفی کے راعظ تھے۔ مسیحی دلیسا کے جمود اور شاہی نظام کے استبداد نے ”اثبات“ اور ”اعتقاد“ کا جو غار پیدا کر دیا تھا، اس نے اس رد فعل میں ”نفی“ اور ”شک“ کا انبراق پیدا کر دیا۔ یہ بلاشبہ اُس زمانے کی طبیعت کا قدرتی مقتضی تھا۔ پچھلی ”تعمیر“ کی درسنگی کیلئے ایک نئی ”تخریب“ کی ضرورت تھی۔ انہوں نے کایسائی اور شاہی جمود کا بت توڑ دیا۔ لیکن جیسا کہ فائدہ ہے، اس بت شکنی میں وہ خود بھی ایک نیا بت کندہ بنا گئے۔ اور اسکے لیے پھر دنیا کو ایک نئے بت شکن کا انتظار ہے!

بہر حال انقلاب فرانس کے مبادیات پر یہ جدید نقد و نظر، اس سلسلہ کی اصلی چیز ہوگی۔ یہ میرے قلم سے نکلی ہے، اور میرے قید خانہ کے مسودات میں سے ہے۔ (ابوالکلام)

ایک مرتبہ ایک مجلس میں انگریزی نام ادب کا غیر معمولی انسان اور انقلاب فرانس کا سب سے بہتر واقع نگار، ٹارلائل موجود تھا۔ لوگ حکما کی خیالی نقشہ آرائیوں پر بحث کر رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا ”اجتماع و معاشرت کے انقلابات کے نقشہ ایک خوش دل کن تخیل سے زیادہ نہیں ہیں“ جونہی اس رائے زانی نے ایک ٹارلائل کے کانوں میں پڑی، اُس نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا:

”حضرات کچھ عرصہ گزرا، اس دنیا میں ایک شخص تھا۔ روسو۔ اس نے ایک کتاب لکھی تھی۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو بہت سے آدمیوں نے اُس کی ہنسی اڑائی۔ لیکن جب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا، تو اُس کی جلد باندھنے کے لیے انہی لوگوں کے جسم کا چمڑا استعمال کیا گیا تھا، جنہوں نے اس کی ہنسی اڑائی تھی!“

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

جان جاک روسو

یہ سلسلہ شروع کرتے ہوئے گذشتہ نمبر میں ہم نے ”التیور“ کے مختصر حالات درج کیے تھے، اور لکھا تھا کہ آئندہ نمبروں میں اُسکے اجتماعی اصول و مبادیات پر ایک مقالہ شائع کیا جائیگا۔ پھر اس پر نقد و تبصرہ کیا جائیگا۔ لیکن پھر ہمیں خیال ہوا کہ اس ترتیب کی جگہ یہ ترتیب بہتر ہوگی کہ پہلے ان تینوں ارکان انقلاب کے مختصر حالات و افکار شائع کر دیے جائیں۔ پھر اُنکے اصول و مبادیات کا خلاصہ دیدیا جائے۔ اُس کے بعد ہر ایک دفعہ اُن پر نقد و تبصرہ کیا جائے۔ چنانچہ آج روسو پر ایک مختصر تحریر شائع کی جاتی ہے۔ یہ غالباً دو نمبروں میں ختم ہو جائیگی۔ اسکے بعد فرانسیسی انسائیکلو پیڈیا اور اسکے مصنفین کے حالات و افکار پر نظر ڈالی جائیگی، اور اسکی اشاعت کے بعد نقد و تبصرہ کا سلسلہ شروع ہوگا۔ حال میں ایک نہایت قیمتی مجموعہ روسو کے تمام مکاتبات کا بھی پیرس سے شائع ہو رہا ہے۔ تین جلدیں گذشتہ سال شائع ہو چکی تھیں۔ چوتھی جلد پچھلی ڈاک سے ہندوستان پہنچی

اور مضمون لکھا۔ اُس کا مضمون سب سے بہتر ثابت ہوا۔ مجمع علمی نے اِس گمنام "عالم" کی قابلیت کا اعتراف کیا۔ اور اُسے مقابلہ کا انعام دیکر ہمت افزائی کی۔ اِس طرح دنیا نے پہلی مرتبہ سنا کہ روس، فرانس میں ایک بڑا عالم ہے!

(حکومت اور کلیسا کا متحدہ حملہ)

اب روس پر شہرت کا دروازہ کھل گیا۔ بڑی تیز گامی سے وہ آگے بڑھا، اور تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اپنے عہد کا سب سے بڑا عالم تسلیم کر لیا گیا۔

مگر کیا اِس شہرت و عزت سے اُس کی زندگی کی مصائب دور ہو گئیں؟ نہیں، اور زیادہ ہو گئیں۔ پہلے وہ صرف تنگ دستی کا شکار تھا، اب وہ حکومت اور کلیسا کی دشمنی کا بھی شکار ہو گیا۔ جون ہی اُس کی تصانیف سوشل کنٹریکٹ، ہلواز، اور امیل نامی شائع ہوئیں، حکومت اور کلیسا کے ایوانوں میں تہلکہ مچ گیا۔ دونوں نے بیک وقت اُس پر یورش کر دی، اور انتقام لینے کیلئے اپنے تمام ہتھیار سنبھال لیے۔

جسٹس

حکومت

کرسکرا آئے

طریقہ پہنچا

سے سلت نہ

حصول دیکھ کر

ایک کے

سے منتقل

ہوا۔ وہ

حلقہ سے

صادر

ہے لی۔

میکھا۔

صیت

چھینا

تھا۔ وہیں دشمن کا ہاتھ دراز ہو جاتا تھا: ضاقت علیہم الارض بما رحبت

وضاقت علیہم انفسہم کے عالم میں مبتلا تھا۔ ابھی یہ مصیبت بڑھتی

ہی جاتی تھی کہ ایک دوسری مصیبت بھی شروع ہو گئی۔ یعنی

طرح طرح کے جسمانی امراض و آلام نے آکھیرا۔ آخر اسی حالت

میں، کہ دنیا اپنی ساری وسعت کے ساتھ اُس پر تنگ

ہو چکی تھی، سنہ ۱۷۷۸ ع میں انتقال کیا، اور گوشہ قبر میں

پناہ لی!

ان مصائب نے روس کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا؟ کیا وہ ان

سے مرعوب ہو گیا تھا؟ کیا اپنے عقائد و افکار سے دست بردار ہو گیا تھا؟

کیا اُس نے اپنے بے پناہ دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے؟

اگر وہ ایسا کرتا تو یقیناً عیش کی زندگی بسر کرتا۔ مگر صرف

زندگی ہی بسر کرتا۔ زندگی کی عظمت حاصل نہ کر سکتا۔ اپنی

موت کے ساتھ ہی مرجاتا۔ اُسکی ساری عظمت، اُسکی دماغی

قابلیتوں سے زیادہ، اُسکے دل کی مضبوطی میں ہے۔ بلاشبہ وہ اپنا

جسم کرنے کرنے میں چھپاتا پھرتا، مگر اُسکا قلم بے پناہ شمشیر بن کر

ہمیشہ دشمن کا قلع قمع کرتا رہا۔ اُسکی بلیغ ترین کتابیں، اسی

ہیں۔

یہ ہے یورپ کے اٹھارہویں صدی کی عجیب و غریب شخصیت جان جاک روس۔ اور یہ ہے اُس کی انقلاب انگیز اور عالم افکن تعلیمات کا ساحرانہ نفوذ، جس کی طرف کارلائل نے ان ضرب المثل بن جانے والے لفظوں میں اشارہ کیا تھا!

نپولین کہا کرتا تھا "انقلاب فرانس کچھ نہ تھا مگر روس" ایک اور موقع پر اُس نے کہا "روس ہی انقلاب کا باپ تھا" بلاشبہ روس انقلاب فرانس کا باپ تھا، لیکن وہ اس سے بھی بڑھ کر تھا۔ اُس نے صرف فرانس ہی میں نہیں بلکہ اپنے پورے عہد کی عقلی و اجتماعی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس کے مبادیات و اصول کو لوگ سمجھ سکتے تھے یا غلط، لیکن عملی دنیا کا فیصلہ یہی ہوا کہ اُنکے بند کر کے اُس کی رہنمائی پر چل پڑی، اور اُس کے سوا دوسروں کی رہنمائی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اٹھارہویں صدی سے لیکر اس وقت تک دنیا کے قوموں کی حکومتوں میں، ان کی سوسائٹی اور معاشرت میں، اُن کے عقلی اعمال و عقائد میں، ان کے عام و فن کے کار و بار میں، ایک بہت بڑی زندہ حقیقت روس اور روس کے اصول و مبادی ہیں!

(مختصر حالات زندگی)

سنہ ۱۷۱۲ ع میں روس جنیوا میں پیدا ہوا تھا۔ اُس کا باپ آئزک روس ایک غریب آدمی تھا، مگر سست، ناچار، اور بد اخلاق۔ گھڑیوں کی مرمت کرنا اور عورتوں کو ناچنا سکھانا کر پیت پالنا۔ لیکن اُس کی ماں بہت ہی شریف عورت تھی۔ اُس کی شرم و حیا اور شریفانہ نسوانی جذبات کا تمام سوانح نگاروں نے اعتراف کیا ہے۔ روس میں اپنے ماں اور باپ، دونوں کے اخلاق جمع ہو گئے تھے۔ البتہ بعد میں اُس نے بہت کچھ اصلاح کرائی تھی۔

روس کی ابتدائی تعلیم نہایت ناقص تھی۔ اُسے بچپن ہی سے افسانے اور خیالی قصے پڑھنے کا شوق ہو گیا تھا۔ لیکن اُس کے تمام سوانح نگار تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مطالعہ اُس کے عجیب ذہن کے لیے مضر نہیں بلکہ مفید ثابت ہوا۔

روس ابھی بڑی طرح جوان بھی نہیں ہوا تھا کہ اپنی روزی کمانے پر مجبور ہو گیا۔ اُس کے والد نے اُسے دستکاری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ کئی مقامات میں اُس نے نوکری کی مگر اپنی تنگ مزاجی اور خاص قسم کی طبیعت کی وجہ سے کہیں جم نہ سکا۔ نہ وہ اپنے کسی اقا کو خوش کر سکتا تھا۔ نہ اُس کا کوئی اقا اُسے مطمئن کر دینے کی قابلیت رکھتا تھا!

اپنی زندگی کا یہ زمانہ اُس نے سخت مصائب میں گزارا۔ تنگ دستی ہمیشہ اُس کی رفیق رہی۔ بے اطمینانی نے ابھی ساتھ نہ چھوڑا۔ صحبت نہایت خراب تھی۔ سوسائٹی کا سب سے زیادہ بدترین طبقہ اُس کے حصے میں آیا تھا۔

(ترقی و شہرت کا پہلا موقع)

۳۹ سال اِس طرح گزر گئے۔ اب تک وہ بالکل کم نام تھا۔ لیکن قدرت کی نظر غلیظت اُس پر شروع ہی سے تھی۔ وہ اُسے اپنے مدرسہ مصائب میں طیار کر رہی تھی۔

سنہ ۱۷۴۹ ع میں اچانک اُس کے اقبال کا ستارا طلوع ہوا۔ فرانس کے ایک علمی مجمع (اکیڈمی) نے ایک موضوع مقرر کیا، اور اہل عالم کو اُس پر بحث کی دعوت دی۔ مقابلہ سخت تھا۔ منتخب علماء میدان میں اتر پڑے تھے۔ تاہم روس نے ہمت کی

پھر تربیت کی کتاب لکھتا ہے - مگر سراسر الحاد کی دعوت دیتا ہے !

آگے چلکر آسقف نے روس کی کتاب ”تربیت“ پر اعتراض کیے ہیں اور اس پر زور دیا ہے کہ یہ ”دعوت الحاد“ ہے - یہ کتاب آج ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے - اسمیں جس ”الحاد“ کی دعوت دی گئی ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ کہتا ہے : ”بچہ کی دماغی تربیت و تعلیم ایسی ہونی چاہیے کہ وہ خود اس قابل ہو جائے کہ دین حق کی معرفت پیدا کر سکے“ اور اسے تقلید و رسوم کی بنا پر نہیں بلکہ فہم و بصیرت کے ساتھ منتخب کرے - ہمیں اس بات سے احتراز کرنا چاہیے کہ اُسے کوئی ایسی دماغی جتن بندی کی تعلیم دیں جس سے اُس میں دماغی بصیرت اور معتمدانہ فکر کی قوت پیدا نہ ہو سکے اور دل و دماغ کسی جابرانہ تاثیر سے متاثر نہ ہو جائیں - ہمیں اس سے بھی احتراز کرنا چاہیے کہ اس کے دماغ میں کوئی ایسی بات اُتار دیں جس سے وہ خود اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتا“

اس پر آسقف نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے : ”ہمیں اس نظریہ پر کوئی اعتراض نہیں ہے - لیکن سوال یہ ہے کہ کیا بچہ کو گمراہ ہو جانے کیلئے چھوڑ دینا چاہیے ؟ اگر ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اُسے ہمیشہ فطرت کی سچی راہ پر رکھنا چاہیے تو وہ سچا طریقہ کیا ہے ؟ کتاب تربیت کا مولف بند بند لفظوں میں الحاد کی طرف دعوت دیتا ہے - لیکن ہم فطرت کے سچے طریقے یعنی مسیحیت کو پیش کرتے ہیں - درحقیقت دین مسیحی فطرتی دین ہے - فطرت ہمیشہ اسی کی طرف رہنمائی کرتی ہے - عقل انسانی بجز انجیل کے راستہ کے کوئی دوسری راہ قبول ہی نہیں کر سکتی - یہ اس لیے کہ انجیل کا دین فطرت اور عقل کا دین ہے !“

روسو آسقف کی تمام تشریحات برداشت کر لے سکتا تھا لیکن یقیناً اس بات کی برداشت اُسکی طاقت سے باہر ہو گئی کہ ”مسیحیت فطرت کی سچائی ہے“ اور وہ ”فطرت اور عقل کے دین کی طرف رہنمائی کرتی ہے“ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ پر جوش آسقف اور اس کے تمام ہم مشرب جس ”مسیحیت“ اور ”انجیل“ پر عامل تھے اور اُسکی دعوت دے رہے تھے وہ ”کلیسا“ اور ”پوپ“ کی ”مسیحیت“ تھی - نہ کہ مسیحیت کی پلے عہد کی سادہ اور بے میل مسیحیت - امریکن مصنف ڈریور کے لفظوں میں ”اٹھارویں صدی کے تمام اجتماعی انقلابات غیر ضروری ہو جاتے“ اگر کلیسا اور پوپ کی نمایندگی کی جگہ مسیحیت اور مذہب کی کوئی دوسری نمایندگی وجود میں آ سکتی“

در اصل ازمنہ وسطی سے مسیحیت کا جو جہل پرور اور مستبد مزاج پیدا ہو گیا تھا اسکا قدرتی رد فعل رائیور اور روسو کا انکار اور کفر تھا !

اس کے بعد آسقف کہتا ہے ”اگر دین مسیحی ہی وہ سچا طریقہ ہے جسے سوا فطرت انسانی کوئی دوسری راہ تصور ہی نہیں کر سکتی - تو پھر روسو کا دینی تعلیم و تربیت پر نکتہ چینی کرنا بھڑاسیے کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ مخروق کو ہدایت سے ہٹا کر ضلالت کی طرف بلا رہا ہے !“

روسو نے کہا تھا ”ہر بچہ جو اپنے بچپن میں خدا پر ایمان رکھتا ہے“ ایک طرح کا بت پرست ہے اور خدا کو انسان کی

آخری عہد مصائب کی یادگار ہیں - انہیں سب سے بلند درجہ اُسکے ”مکالمات“ اور ”اعترافات“ کو حاصل ہے - ان سے بھی بڑھکر اُسکی وہ تحریریں ہیں جو اُسکے پیروں کے آسقف (لات پادری) اور جنیوا کی حکومت کے جواب میں لکھی تھیں -

(روسو اور کلیسا کا معرکہ)

”اس جنگ میں کون فتح مند رہا : روسو یا اُسکے دشمن ؟

اسکا جواب مدت ہوئی خود زمانہ دے چکا ہے ! زندگی میں اُسکے لیے دنیا چار بالشت زمین کا گوشہ بھی مہیا نہ کر سکی لیکن اس کے مرنے کے بعد یورپ کا تمام براعظم اپنے ذہن و فکر کا صرف ایک ہی حکمراں رکھتا تھا اور وہ بھی معزوب عالم ”روسو“ تھا !

لیکن آج ہمیں روسو کی زندگی پر تبصرہ کرنا نہیں ہے - روسو کی زندگی پر تبصرہ رسائل کے مقالات میں نہیں ضمیمہ کتابوں میں ہو سکتا ہے - آج ہم صرف اُسکی فکری اور قلمی معرکہ آرائیوں میں سے ایک خاص معرکہ دکھانا چاہتے ہیں - یہی اس کے قلم کے معرکے ہیں جو تھوڑے عرصے کے اندر انقلاب فرانس کے خونیں معرکوں کی شکل میں مبدل ہو گئے - یہ معرکہ اُس میں اور پھوس کے آسقف کے درمیان واقع ہوا تھا - بلکہ یوں کہنا چاہیے علم و عقل کے نئے ظہور اور مسیحی کلیسا کے قدیم جہل و جمود میں ہوا تھا - ہم اختصار پر مجبور ہیں -

(آسقف کا بیان)

آسقف نے اپنا بیان اس انوس کے ساتھ شروع کیا ہے کہ فرانس میں کفر اور الحاد پھیلنا جاتا ہے - پھر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ صورت حال ”قرب قیامت کی علامت“ ہے جیسا کہ یولس رسول نے پیشین گوئی کی ہے - پھر اس مقدس مگر ہولناک تمہید کے بعد وہ روسو پر پے در پے حملے شروع کر دیتا ہے :

”یہی وہ الحاد ہے جسے ایک شخص (یعنی روسو) نے اپنی کتاب ”امیل“ Emilius میں پیش کیا ہے - اس شخص نے گناہ میں نشو و نما پائی ہے - یہ ایک ایسی زبان بولتا ہے جو فلسفہ کی زبان ہے - مگر وہ خود فلسفہ سے تہی دست ہے - یہ ایک ایسا ذہن ہے جس میں معلومات بے ترتیبی سے تھونس دیے گئے ہیں - مگر وہ ہنوز تاریک ہے“ اور صرف اپنی تاریکی ہی پر قانع نہیں ہے بلکہ دوسرے دلوں میں بھی تاریکی اتار رہا ہے - یہ ایک ایسی طبیعت ہے جو عجیب و غریب افکار کی دلدادہ اور مجہول راستوں کی شیفٹہ ہے - اس میں اخلاق کا افلاس اور فکر کی ثروت دونوں بیک وقت جمع ہو گئی ہیں - ایک طرف اُسے متقدمین کے اصول سے شغف ہے دوسری طرف عقلی بدعتوں کی ایجاد کا جنون ہے - وہ محض پسند بھی ہے اور شہرت پسند بھی - علم کی محبت کا بھی دعویٰ رکھتا ہے اور علم کی عداوت کا بھی علم اٹھائے ہے - انجیل کے کمال کا بھی اعتراف کرتا ہے اور اُسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی بھی کوشش کرتا ہے - فضیلت کی ایسی خوبصورت تصویریں اتارتا ہے کہ بے اختیار تحسین و آفریں کا نعرہ بلند ہو جاتا ہے - مگر پھر فوراً ہی فسق و فجور کے پہاڑوں سے اپنی بنائی ہوئی شاندار عمارت گرا بھی دیتا ہے - یہ نوع انسانی کا معلم بنکر سامنے آیا ہے مگر الحاد اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں رکھتا - یہ ضلالت کا امام ہے - فساد کا مرشد ہے - شیطان کا پیام بر ہے - تاریکی کا رہبر ہے - اور اس سے بھی کچھ زیادہ ہے - وہ اپنی کتاب میں انسان کو حیوان کے درجہ میں رکھتا ہے - ایک اور رسالہ میں نفس پرستی کی تبلیغ کرتا ہے -

عالم شرق و اسلام

مکتوب شام

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

دروزی جہاد آزادی کا خاتمہ

میں یہ مکتوب اس حال میں لکھ رہا ہوں کہ ہاتھ میں رعشہ ہے، آنکھوں میں آنسو ہیں، دل میں حسرت رالم ہے۔ میں ہی نہیں، اس وقت شام میں کون ہے جو خون کے آنسو نہیں رر رہا ہے؟ دمشق کے آسمان پر اندھیرا چھا گیا ہے۔ اور شام کے مرغزار مایوسی کی خزاں سے مرجھا گئے ہیں۔ اس لیے کہ آزادی کی امیدیں ملتوی ہو گئیں۔ تین سال ہوئے شام کے ابطال وطن نے آزادی کا علم بلند کیا تھا۔ آج وہ علم گر گیا ہے۔ اس لیے پورا ملک اور اس کی قومی غیرت، سرنگوں ہے!

ملک شام خصوصاً دمشق نے اپنی سرزمین پر تاریخ کے عظیم ترین واقعات مشاہدہ کیے ہیں۔ دروز کا جہاد آزادی بھی ایک ایسا ہی عظیم واقعہ ہے۔ مشرق کی تاریخ میں ہمیشہ یہ زریں حرف میں ثبت رہے گا۔ جبل دروز، جو اس جہاد کا مرکز تھا، صرف پچاس سالہ ہزار کی آبادی رکھتا ہے۔ یہی آبادی، دروزیوں کی مرکزی آبادی ہے۔ اور یہی دروز ہیں جنہوں نے فرانس جیسی عظیم الشان سلطنت کے قدم، شام سے اکھاڑ دیے تھے! ابتدائی

اسقف کا بیان بہت طویل ہے۔ اس مضمون میں اسکا پورا خلاصہ بھی ممکن نہیں۔ لیکن اسکا آخری اعتراض ضرور نقل کر دینا چاہیے۔ روسو نے بادشاہوں کے وجود پر سختی سے حملہ کیا ہے۔ اسقف اس کے جواب میں لکھتا ہے:

”یہ بھی مؤلف کا الحاد ہی ہے جس سے متاثر ہو کر وہ بادشاہوں کے وجود پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ بادشاہوں کو برباد کر کے وہ ایسے قواعد جاری کرنا چاہتا ہے، جنکا نتیجہ بجز بد امنی اور طوائف الملکی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ مصنف کے مذہب اور دین حق میں کتنا تضاد ہے؟ مصنف بد اخلاقی اور بد امنی کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن دین حق خشیت الہی اور بادشاہ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ دین کا حکم یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے آقا کی فرمانبرداری کرے۔ دین کہتا ہے بادشاہی، خدا کی قوت ہے۔ اسکا پاک سایہ ہے۔ اور اسی نے زمین پر نازل کی ہے۔ جو اس کا مخالف ہے، وہ خود خدا کا باغی ہے۔ اس پر خدا کی ابلی لعنت ہو!“

اس طرح اسقف نے اپنا رسالہ قرب قیامت کی ہولناکی سے شروع کر کے ”ابلی لعنت“ کی پیشکش پر ختم کر دیا ہے!

یہ روسو کے سب سے بڑے کلیسائی مناظر کا حملہ تھا۔ اب دیکھنا چاہیے، روسو نے اسکا دفاع کیونکر کیا ہے؟ روسو کے سخت نکتہ چیں بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسکا جواب اسکی مناظرانہ قوت بدائیہ کا بے نظیر ثبوت تھا۔

ہم آئندہ اشاعت میں اسکا خلاصہ درج کریں گے۔

صورت میں یقین کرتا ہے۔ نقل انسانی اس عمر میں، خدا کا منزہ اور مطلق تصور کر ہی نہیں سکتی!“

اسقف کا اس پر اعتراض یہ ہے ”اگر بچہ بت پرست ہوتا تو کئی خداؤں کا قائل ہوتا۔ اگر اس کے تفکر میں تجسم ہوتا (یعنی خدا کو انسان کی صورت دیتا) تو پروردگار کا جسم بناتا۔ حالانکہ مسیحی بچوں کا بڑی ایسا اعتقاد نہیں ہوتا۔ وہ صحیح معنوں میں موحّد ہوتے ہیں۔ مؤلف (روسو) نے یہ کہہ کر دراصل مسیحیت کو بت پرستی قرار دیا ہے!“

روسو نے لکھا تھا ”میں جانتا ہوں کہ نظام عالم کو ایک قادر و حکیم ارادہ چلا رہا ہے۔ میں یہ دیکھتا یا محسوس کرتا ہوں، اور اسکی معرفت میری زندگی کیلئے ضروری ہے۔ لیکن یہ عالم کب سے اور کس طرح ہے؟ اشیاء کی اصل ایک ہے یا متعدد ہیں؟ انکی طبیعت کیا ہے؟ یہ میں نہیں جانتا، ورنہ مجھے جاننے کی ضرورت ہے۔۔۔ یہی باعث ہے کہ میں یہ حقیر مسائل نظر انداز کر جاتا ہوں۔ ممکن ہے یہ میری عقل کو مشغول کر لیں، مگر مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ یہ وہ مسائل میری عقل سے بالا تر بھی ہیں۔۔۔“

اس پر اسقف اعتراض کرتا ہے ”بے شک مصنف کا اس قول سے کیا مقصود ہے؟ وہ جانتا ہے کہ کائنات کا نظام ایک قادر و حکیم ارادہ کے ماتحت ہے۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ اس حقیقت کا علم اس کے لیے ضروری ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہتا ہے، نہیں معلوم اشیاء کی اصل ایک ہے یا ایک سے زیادہ ہے؟ پھر دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اس نقطہ کے معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مصنف، دراصل خدا کی وحدانیت پر شک رکھتا ہے۔ اس علم کے بعد کہ کائنات ایک قادر و حکیم ارادہ کے تصرف و اختیار میں ہے، کیا یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اشیاء کی اصل ایک ہے یا کئی ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ پہلی حقیقت کا علم ضروری ہو اور دوسری کی معرفت غیر ضروری قرار پائے؟ کیا یہ صریح تناقض اور الحاد نہیں ہے؟ وہ کہتا ہے میں خدا کی طبیعت و حقیقت سے باخبر ہوں، لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقی، عالم، قدرت، ارادہ، اور حکمت رکھتا ہے! اس سے تو معلوم ہوا کہ وحدانیت اس کے خیال میں ایک ”حقیر سا مسئلہ“ ہے، اور کسی طرح بھی اسکی عقل میں نہیں آسکتا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے، متعدد خداؤں کا تصور اسکی عقل کے نزدیک معقول ہے۔ بھلا اس حماقت سے بڑھ کر بھی کوئی حماقت ہو سکتی ہے؟“

روسو، معجزات کو اس معنی میں تسلیم نہیں کرتا کہ وہ خارق عادت ہیں۔ معجزات پر گفتگو کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے ”یا للعجب! ہمیشہ آدمیوں ہی کی گواہیاں! آدمی، اپنے ہی جیسے آدمیوں سے سنتے ہیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے ہیں! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کتنے آن گت واسطے قائم ہو گئے ہیں!“

اس پر اسقف لکھتا ہے ”اگر آدمیوں کی گواہی معتبر نہیں ہے تو بہرہم پوچھتے ہیں مؤلف نے اسپارٹا، ایتھنز، اور روم کو کیونکر جانا جنکی عظمت کا وہ ہمیشہ راگ لایا کرتا ہے؟ ان قدیم جمہوریتوں اور مؤلف کے مابین آدمیوں کے کتنے بہت سے واسطے موجود ہیں؟ وہ ان واسطوں پر شک نہیں کرتا۔ لیکن مسیحی معجزات کی روایت میں وہ کوئی واسطہ منظور کرنا نہیں چاہتا۔ دراصل اس کے اعتراض کی اصلی علت، الحاد ہے۔ وہ خدا ہی کو نہیں مانتا!“

اس کے شرابے پہنچ جالینے اور یورپی عربی قوم میں حوت طلبی کی نئی سوگرمی پیدا ہو جائیگی۔ برطانیہ نے خیال کیا، یہ تمام کے جینی صرف اس وجہ سے ہے کہ دروزوں کی کامیابیوں نے عربوں کے دل بڑھا دیے ہیں اور فرانس کی پیچہ شکستوں سے خود بڑھا گیا۔ کاعرب و داب بھی بے اثر ہونا چاہتا ہے۔ وہ فرانس کی پٹ پٹاؤں کیلئے طیار ہوگئی۔ فلسطین کے برطانوی حکام نے علاقہ فرانس کی طرف امداد کا ہاتھ بڑھایا، اور اپنی جنگی قوت سے دروزوں کو دباؤ ڈالنے لگے۔

بد قسمتی سے جغرافیائی اور جنگی حالات نے دروزوں کو شوق اردن کا سخت معالج بنا دیا تھا۔ ان پر تمام دروازے بند تھے۔ صرف شرق اردن کا دروازہ کھلا تھا۔ یہیں وہ پناہ لیتے تھے۔ انہیں تازہ دم ہوتے تھے۔ اور اسی راستہ سے انہیں باہر کی مدد بھی مل جاتی تھی۔ برطانیہ کے مخالف ہوتے ہی یہ دروازہ بھی الپہر بند ہوگیا۔ لہذا ہی نہیں بلکہ انہیں سرحدیں پر پریشانی بھی پیدا جانے لگا۔ اب دروزوں کو دو سلطنتوں سے یہ ایک وقت عقابانہ کرنا پڑا: فرانس اور برطانیہ۔ یہ بھی انہوں نے کیا۔ اور پورے بارہ مہینے ایک میدان میں جمع رہے۔ مگر کنگلک جمع رہنے سے سامانی جنگ ختم ہوگئی۔

رسد بلد ہوگئی۔ اب
بچہ بیٹہ جانے کے کوئی
چارہ نہ باقی نہیں رہا تھا۔
جنتہہ اس علاقہ کے بس
ہوکر بیٹہ جانے کا فیصلہ
کرلیا ہوا! اتالہ و اما الہ
راجہوں!

بقیہ تاریخ عرب و اسلام
شریف حسین اور آگے پہنچیں
کو انہیں معاف نہیں کر سکی۔
جنگی بددلت وہ تمام مصائب
بلاد عربیہ پر نازل ہوئے۔
شم۔ فلسطین، شرق اردن،
عراق، یہ تمام ممالک برطانیہ

اور فرانس کے قبضہ میں صرف اسی خاندان کی خدمات اور طبعی
تے آئے۔ اس ساری جہاد آزادی کی تاریخی میں بھی شریک
حسین کے مددگارے آئے امیر عبداللہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ وہ نے
خدمت برطانیہ کے فکروں پر شرق اردن میں ہڑا ہے۔ اور برطانوی ملک
تدبیر کی بنیادیں اپنی عزت و شرف سے مضبوط کر رہا ہے۔ اس نے
دور سے لڑی ہی ہے درہی اور بے حدی کا سلوک کیا۔ وہ جب
پلہ کی امیدیں لیا اور اسکی سر زمین میں پہنچے۔ تو اس نے انہیں
فورا لٹل جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے یہاں اور رہائشیوں میں جادو
بندہ کی۔ مگر اسنے وہاں بھی آٹا تعاقب کیا اور ایک ایک کر کے
سب کو فرانس کے حوالہ کر دیا!

آئینی سب سے آخری جماعت، تلافی اڑق میں پڑا گزرتی تھی۔
اسکی تعداد دو ہزار تھی۔ امیر عبداللہ کو معلوم ہوا تو اسنے وہاں
ایک طاقتور فوج جمع کی۔ حاکمی فنانوں، اعلان کردیا، اور انہیں
معتزل کر دیا۔ اس نے فرانس کے خلاف بیسی۔ جانتے تمام لوگوں
کے معذور ہونے کے سبب فرانس کے خلاف۔ دیکھ کر کے والیں
میں خود خدائے فلسطین کے ایک ایسے ملک متعجب و یک
طرحش علی۔ اطرس، عبداللہ اور اسکی عظیم

معزوں کے بعد آئی عیبت فرانسیسی فوجوں پر اس قدر بیٹہ گئی
تھی کہ انکا نام سننے ہی میدان سے بھاگ جاتی تھیں۔ بچہ تے
سال ہزار دروزوں کا پلہ بھاری رہا، واقعات ثابت کر رہے تھے کہ فرانس
کو بہت جلد سر جھکانا پڑے گا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دو مرتبہ فرانس
کے اندر ہی اندر سو جھکا دینے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا۔

مگر افسوس، نتیجہ بالکل برخلاف نکلا۔ فرانس نے وہی طریقہ
اختیار کیا جو اسے مرتبہ دو ہمیشہ طاقتور حربہ اختیار کیا کرتا ہے۔
اُس نے جنگ کو طول دینا شروع کر دیا۔ یہ طوالت نے سر و سامان
دروزوں کیلئے ناقابل قبول تھی۔ وہ معافی کی اول درجہ کی
سلطنت کے مقابلہ میں تھا۔ خود انے وطن کی دوسری
جماعتیں بھی انے ساتھ شریک نہ تھیں۔ جنگ نے زراعت،
تجارت، اور ہر طرح کے وسائل معیشت سے انہیں محروم کر دیا تھا۔
بہت دنوں تک جمعے رہے۔ لیکن آخر کب تک قدرتی موانع سے
جنگ کرنے؟ بے بس ہوکر نوب جنگ پر آمادہ ہوگئے۔ اب پورا
ملک پھر فرانس کے زخم پر ہے، آسوقت تک کیلئے، کہ مجاہدین
وطن بارہ دم ہوکر کوئی دوسرا قدم اٹھا سکیں۔

یہ واقعہ تمام عشق و محبت ایک نیا نازانہ عورت ہے۔ اسنے ایک
مردانہ دھڑ بھونک حقیقت ظاہر
کر دی کہ تمام دل یورپ اس
طرح مشرق کے غلام بنائے
اور غلام راجے پر ملحق ہوگئی
ہیں۔ انہیں تمام کنگی
ہی مفاہست و رعایت
نہیں ملے ہوئے۔ مگر مشرقی
مردوں کا سر نہ جانے میں وہ
اپنی تمام رعایتیں بھول
جاتی ہیں۔ انہیں انہیں
بے ایک دوسری کی
امداد و اعانت پر اپنی آمادہ
ہو جاتی ہیں۔ شامی
جہاد آزادی، اس کی ناز



شام کے پناہ دہشت دمشق کا ایک منظر عام

مثال ہے۔ جنگ کے والے اپنی طرح جانتے ہیں کہ وہ فرانس نہیں
بے حصہ اس وطن پر ستارن شام کو نیچا دکھاتا ہے۔ بلکہ وہ برطانیہ
بے حصہ اٹالہ و اما الہ و مادی امداد و اعانت سے فرانس کو ملے
لگا ہے۔ فرانس کو اپنا پورا اور لٹا کر ایک چکا لگا ہے۔ وہ پناہ دہشت
دمشق کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ روز دروز آئے تھے اور پوری
آزادی سے دمشق کی سڑکیں پر حملے کرتے تھے۔ حالانکہ یہاں فرانس
کا حدی مرکز قائم تھا۔ لیکن یہ اُس وقت کی بات ہے، جب
فرانس اس جہاد کے مقابلہ میں ایلا تھا۔ برطانیہ کی اعانت آتے
حاصل نہ تھی۔ یہ واقعہ ہے کہ اُس نے کھنڈ کو دو مرتبہ ایرانہ کر لیا
تھا کہ شامیوں کے مطالبات منظور کر لے۔ اور اپنے طالبانہ مقامات سے
باز آجائے۔

برطانیہ اس معاملہ میں ایمنو شریک ہوا؟ محض مفصل اس
کی نہ ہے کہ جب دروزوں کو فرانس کے مقابلہ میں نمائند کامیابی
ہوئے لیکن تو فلسطین، شرق اردن، اور عراق میں بھی اس کی
صدائے بازگشت بلند ہونے لگی۔ شرق اردن کے لیور سب سے زیادہ
خراب تھے۔ بلکہ جابجا شورش بھی شروع ہوگئی تھی۔ برطانیہ نے
دیکھا کہ اگر اس علاقہ میں آگ لگ اٹھی تو فلسطین اور عراق تک

(سلطان پاشا اطرش)

لیکن جہاد آزادی کے علم بردار سلطان پاشا اطرش نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ دمشق میں آنکے بعض دوستوں کے پاس میں نے انکا ایک قاری پڑھا ہے۔ اسیوں وہ لکھتے ہیں:

”میں نے ہتھیار رکھنے سے انکار کر دیا ہے۔ کیونکہ مرد ہتھیار نہیں رکھا کرتے۔ میں صحراء کی طرف اپنے خاندان کے ساتھ جا رہا ہوں کیونکہ برطانی حکام اور امیر عبداللہ نے مجھے علاقہ ازرق میں رہنے نہیں دیا!“

مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ انگریزوں نے سلطان پاشا اطرش سے کہا تھا کہ ”فلسطین چلے آئیں، ہم امن دینگے“ اس سے انکی غرض یہ تھی کہ فرانس پر دباؤ رکھنے اور اپنی مطلب برابروں کے لیے انہیں نظر بند کر کے رکھے چھوڑیں۔ مگر سلطان پاشا نے انکار کر دیا:

”میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی ایسے ملک میں ہرگز نہیں رہونگا جس پر اجنبی علم لہراتا ہو!“

یہ انکا قطعی جواب تھا!

پھر آخر سلطان پاشا کہاں پناہ لینگے؟ یہ سوال تھا جو برطانی، فرانسیسی، اور عربی حلقوں میں گشت لگا رہا تھا۔ مگر اسکا جواب بہت جلد مل گیا اور ایسا ملا کہ سب کو حیرت ہو گئی۔ لوگوں کو اچانک معلوم ہوا کہ سلطان پاشا اطرش اور آنکے ۴۵ رفیق ”سلطان ابن سعود“ کے مہمان ہو کر حجاز جا رہے ہیں، اور پانچ سو سے زیادہ دروزی جو اب تک مسلح ہیں اور ہتھیار نہ رکھنے کا فیصلہ کر چکے ہیں، وہ بھی عنقریب اسی طرف روانہ ہونے والے ہیں۔

لوگوں کو حیرت اس وجہ سے ہوئی کہ نجدی از حد متعصب مشہور ہیں۔ اس صورت میں وہ دروزیوں کے سردار کا کیونکر استقبال کرسکتے ہیں جو اسلام کے تمام فرقوں میں سب سے زیادہ عام اسلامی رسوم و عوائد سے دور ہیں؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سلطان ابن سعود نے ایک مرتبہ پھر اپنی اور اپنی قوم کی بے تعصبی اور عربی حمیت کا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ انہوں نے جرنہی سنا کہ دروزی مجاہدین پر عرصہ زمیں ٹنگ ہے، فوراً دعوت دی اور اپنے جوار حمایت میں پناہ دینے کا اعلان کر دیا۔ ان کے طرز عمل نے صرف یہی ثابت نہیں کر دیا کہ وہ اپنے عقائد میں حد درجہ بے تعصب ہیں، حتیٰ کہ دروز جیسے عقائد رکھنے والوں کو بھی اپنا مہمان بنا لیتے ہیں، بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ فرانس اور برطانیہ دونوں سے بے خوف ہیں اور اداء فرض اسلامی و عربی کی راہ میں ان کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ میں یہ بات بھی آپ کے علم میں لانی چاہتا ہوں کہ مجاہدین شام اور سلطان ابن سعود کے درمیان راہ و رسم پیدا کرنے کے لیے بعض ہندوستانی زعماء نے جو سعی مشکور کی تھی، اس کا یہاں ہر شخص کو اعتراف ہے۔ یقیناً آپ کے لیے اس کی ضرورت نہ ہوگی کہ مزید تشریح کی جائے۔

سب سے زیادہ تعجب لوگوں کو اس پر ہوا کہ سلطان پاشا اطرش ”دومة الجندل میں قیام کر رہے گے۔“ ”دومة الجندل“ کے لفظ میں عربی تاریخ و روایت کے جو جذبات پوشیدہ ہیں، ان سے آپ سے بے خبر نہ ہونگے۔ جغرافیائی حیثیت سے اس مقام کی جو اہمیت ہے، وہ بھی آپسے پوشیدہ نہ ہوگی۔ یہ وہی مقام ہے جسے آج کل ”جنوب“ کہتے ہیں۔ یہ نجد، حجاز، اور شرق اردن کی سرحدوں پر واقع ہے، اور جنگی نقطہ نظر سے تینوں ملکوں کے لیے

اہم ترین مقام ہے۔ سلطان پاشا کا یہاں قہلم یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ شام کی سیاست سے بالکل الگ نہیں ہو گئے ہیں، اور ان کے دلوں کی امیدیں اب تک زندگی کی آرزوئیں رکھتی ہیں!

(امن کے مظاہرے)

دروزیوں کے ہتھیار رکھ دینے کے بعد ہی ہر طرف حکومت نے امن کے مظاہرے کرنا شروع کر دیے ہیں۔ دمشق کے اندر جاتے مورچے اور جنگی چوکیں تھیں، سب اٹھا لی گئی ہیں۔ فوجی قاتلوں کی عدالت بھی اٹھ گئی ہے۔ جنگی قوانین بھی امروز فردا میں اٹھا دیے جائینگے۔ حکومت کی طرف سے کئی نئی سرکاری جاری کرنے کا اعلان ہوا ہے۔ کئی نئی عمارتوں کی تعمیر بھی شروع ہو گئی ہے۔ ان تمام باتوں سے حکومت کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ اب ملک حاکم امن میں ہے، اور اس کی قوت تمام مخالفوں پر غالب آگئی ہے۔

ہاں، ان کے جسموں پر تو غالب آگئی ہے، لیکن دلوں پر جو زخم لگ چکے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں جو صدیوں سے پہلے مندمل ہو سکیں!

(ہائی کمشنر کی مہر سکوت)

اب تک ہائی کمشنر موسیو بونسو، بالکل خاموش تھے، اور اپنا انداز کچھ اس طرح کا بنا رکھا تھا، گویا وہ ملک کو کچھ دینے اور اس کے مطالبات منظور کرنے والے ہیں۔ مگر دروزیوں کے ہتھیار رکھنے ہی ان کی مہر سکوت بھی ٹوٹ گئی۔ انہوں نے ایک اخبار کے نامہ نگار سے شام کے مستقبل کے متعلق یہ عجیب تصریح کی ہے:

”اخبارات مجھے ملامت کر رہے ہیں کہ میں خاموش ہوں۔ مجھے بولنے کا اصرار کیوں ہے؟ کیا یہ چاہا جاتا ہے کہ میں کوئی ایسا وعدہ کر لوں جسے بعد میں پورا نہ کروں؟ میں عمل پسند کرتا ہوں۔ قول پسند نہیں کرتا“

اخبار کے نمائندے نے بہت اصرار سے پوچھا ”آخر شام کے مطالبات کب منظور کیے جائینگے؟ کچھ تو کہیے؟“ ہائی کمشنر نے جواب دیا ”آپ مجھے یہ خواہش کیوں کرتے ہیں کہ دو دن کے اندر آسمان طیار کردوں؟“

ہمیں اس جواب کی معقولیت سے انکار نہیں۔ دو دن کے اندر موسیو بونسو کا آسمان جہمی بن سکتا ہے، جب بنائے والے نوک شمشیر سے بنا ڈالنے کا عزم کر لیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یقیناً دو صدیاں بھی اس کے لیے کافی نہیں۔ شام نے مجبور ہو کر تلوار اٹھائی اور اپنا آسمان سیاست تعمیر کرنا شروع کر دیا، مگر افسوس ہے کہ یہ مرحلہ پہلے قدم میں طے ہونے والا نہ تھا۔ ان کی شمشیریں جن سے وہ اٹھ تعمیر کا کام لے رہے تھے، ٹوٹ گئیں۔ اب دنیا کو انتظار کرنا چاہیے کہ یہ ٹوٹی ہوئی شمشیریں پھر ڈھالی جائیں، اور از سر نو شام کی قسمت کا آسمان تعمیر کیا جاسکے!

نہیں کہا جاسکتا یہ وقت کب آئیگا؟ مگر یقین رکھئے اس وقت کی آمد میں ہمیں کوئی شک نہیں ہے۔ اگر شام کی تمام آبادی سے قطع نظر بھی کر لی جائے، جب بھی صرف دروزی قبائل ہی کا گروہ ایک ایسا گروہ ہے جو اس طرح کی ہزاروں کامیابیوں اور ہرادیوں کے بعد بھی جنگ آزادی سے باز نہیں آسکتا۔ آج وہ تھک کر بیٹھ گئے ہیں، تو کسی دوسرے دن اٹھ بھی سکتے ہیں۔ اس سفر میں وقفہ دیکھیں کے بغیر چارہ نہیں۔ یہ ضروری ہے کہ ہونی انہیں دوسرا موقع ملا ان میں سے ہر متنفذ کا سر اس کی ہتھیلیوں پر آجائیگا۔ اور وہ پھر دنیا کو اپنے جہاد آزادی سے متعجب کر دیں گے!

بصائر حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

شاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

عمر بن العاص

”پھر ایک ناز کیا جس میں ہنوبت سے ادب پر خراج کام کو نہیں جانتا اب میرا کیا حال ہو گا؟“
میں آہستہ آہستہ ڈالنا

”جب میں غزوں تو میرے ساتھ دوٹے والیاں نہ جائیں، نہ آگ جائے۔ دفن کے وقت مجھ پر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ میری قبر سے فانی ہو کر اس وقت تک مجھ سے قریب رہنا، جب تک باوجود فوج کر کے اُن کا گوشت لقمہ نہ ہو جائے۔ کیونکہ تمہاری ہوشیاری سے مجھ اس حاصل ہو گا پھر میں جان لوں گا کہ اپنے پروردگار کے قاصدوں کو کیا جواب دوں؟“ (طبقات ابن سعد)

بگڑتا زیادہ ہوں، بتا کم ہوں!
ہوش حواس آخر وقت تک قائم تھے۔ معاویہ بن صلیح میاں کو گئے۔ تو دیکھا نزع کی حالت ہو۔ پوچھا کیا حال ہو؟ اپنے جواب دیا ”بچھل رہا ہوں۔ بگڑا زیادہ ہوں، بتا کم ہوں۔“ اس صورت میں بڑھ کر کا پنا کیونکر ممکن ہو؟“ (مقداد بن عمرو)

حضرت ابن عباس سے سوال ہوا
حضرت عبداللہ بن عباس عبادت کو لئے۔ سلام کیا۔ طبیعت پوچھی۔ کھنے لگے۔ میں نے اپنی دنیا کو بنائی مگر اپنا دین زیادہ بگاڑ لیا۔ اگر میں نے اُسے بگاڑا ہوتا جسے سزاوار ہو، اور اُسے سزاوار ہوتا جسے بچھاؤ، تو یقیناً باری بھلا۔ اگر مجھے اختیار ملے تو مردہ کی آرزو کروں۔ اگر بھگتے سے پنج سکوں تو مردہ بھال جاؤں۔ اگر دقت تو میں بھینٹ کی طرح آسان اور زمین کے درمیان ملتی رہ رہا ہوں۔ نہ اپنے ہاتھوں کے نود سے اوپر چڑھ سکتا ہوں۔ نہ گور بردوں کی قوت سے نیچے اتر سکتا ہوں۔ اے میرے بیٹے! مجھ کو کوئی ایسی نصیحت کر جس سے فائدہ اٹھاؤں!

ابن عباس نے جواب دیا۔ اے ابو عبداللہ! نصیحت کا وقت کہاں؟ آپ کا بھیجتا تو خود بڑھ کر آپ کا بھائی بن گیا ہو۔ اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں رونے کو حاضر ہوں۔ مگر جو وہ سفر کا کیونکر یقین کر سکتا ہو؟“

عمر بن العاص یہ جواب سن کر بہت افسردہ ہوئے اور کہنے لگے۔ ”اُن کی سخت گھڑی ہو! کچھ اور برائی برس کا بس اہل ہے۔ عباس تو مجھے پُر درد لگا کر رحمت سے باریس کرنا ہو؟ الہی! یہ ابن عباس ہو جو مجھے تیری رحمت سے ناامید کر رہا ہو! الہی! مجھے خوب تکلیف دے، یہاں تک کہ تیرا غصہ دُور ہو جائے اور تیرا رضامندی لوٹ لے!“

ابن عباس نے کہا۔ ”ہیات ابو عبداللہ! اپنے جو جزیل تھی وہ تو تھی اور اب سے دہی ہیں وہ چیز جو پرانی ہو! یہ کیسے ممکن ہو؟“

اس پر وہ آندہ خاطر ہو گئے۔ ”ابن عباس! مجھے کیوں پریشان کرنا ہو؟ جو بات کہتا ہوں، اُسے کاٹ دیتا ہو!“ (استیعاب)

موت کی کیفیت
عمر بن العاص زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے۔ ”مجھے اُن لوگوں پر تعجب نہیں جن کے موت کے وقت حواس دُور ہوئے ہیں مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے۔“ لوگوں کو یہ بات یاد تھی جب وہ خود اس منزل میں پہنچے، تو حضرت عبداللہ بن عباس نے یہ قول یاد دلایا (ایک روایت میں ہے کہ خود اُنکے بیٹے نے سوال کیا تھا) عمر بن العاص نے غصہ کی سانس لی۔ ”جان من!“
”انہوں نے جواب دیا۔“ موت کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔ خوش ناقابل بیان ہو۔ لیکن میں موت صرت ایک اشارہ کر سکتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر آسان، یہ میں پر ٹوٹی پڑا ہوں

تم میں سے کوئی ایک آدمی بھی اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ ابن ابی طالب (حضرت علی) کا بھلا ہو۔ کیا ہی خوب کہ گیا ہو: آدمی کی سب سے بڑی محافظت خود اُس کی اپنی موت ہو!“ (طبقات ابن سعد)

دیواری کی طرف منہ کر کے رونے لگے
آدمی کہتا ہو ہم عمر بن العاص کی عبادت کو حاضر ہوئے۔ وہ موت کی سختیوں میں مبتلا تھے۔ اچانک دیواری کی طرف منہ پھیر لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اُنکے بیٹے عبداللہ نے کہا۔ آپ کیوں رونے ہیں؟ کیا رسول اللہ آپ کو یہ یہ بشارتیں نہیں دے چکے ہیں؟ اُنہوں نے بشارتیں سنائیں۔ لیکن ابن عباس نے رونے ہونے سے اشارہ کیا۔ پھر ہماری طرف منہ پھیرا اور کہنے لگے:

”میرے پاس سب سے افضل دولت“ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت ہو۔

”مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں:
”ایک وقت وہ تھا کہ رسول اللہ سے زیادہ میں کسی کی لینے دینے میں شہمی نہیں رکھتا تھا۔ میری سب سے بڑی تباہی کسی طرح قابو پا کر آپ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو یقیناً جہنمی ہوتا۔“

”پھر ایک وقت آیا جب خدا نے میرے دلیں اسلام ڈال دی ہیں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! تمہارے بڑھائے، میں بیت کرتا ہوں۔ آپ نے دست مبارک دے دیا۔ مگر پھر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا ”عمر! تجھے کیا ہوا؟“ میں نے کہا۔ ”ایک شرط چاہتا ہوں“ فرمایا ”کوئی شرط؟“ میں نے عرض کیا۔ ”یہ شرط کہ میری بخشش ہو جائے۔“ اس پر ارشاد ہوا ”اے عمر! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہ مٹا دیتا ہو؟ ہجرت بھی مٹا دیتی ہو؟ حج بھی مٹا دیتا ہو؟“ (یہ ابن عباس کی مشہور روایت ہے جو جسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے)

”اس وقت میں نے اپنا یہ حال دیکھا کہ تو رسول اللہ سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا انسان محبوب تھا، اور رسول اللہ سوزنا کسی کی موت میری بگڑا میں تھی۔ میں سچ کہتا ہوں، اگر کوئی مجھ سے آپ کا جلیہ پوچھے، تو میں بتا نہیں سکتا۔ کیونکہ انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے میں آپ کو نظر پھیر کے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس حالت میں مر جاتا تو میرے جتنی ہونے کی پوری امید تھی!“

حضرت عمر بن العاص (رضی) کی شجاعت، تدبیر، فتوحات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ ستر کی فتح سرسراہٹ کی تدبیر قیادت کا نتیجہ تھی۔ خلافت اموی کے قیام میں انہی کی سیاست کا رفا تھی۔ اپنے عہد کی سیاست میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مورخین نے اتفاق کیا ہو کہ عرب کی سیاست تین صدیوں میں جس طرح ہو گئی تھی: عمر بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، زیاد بن ابیہ۔ اتفاق سے یہ تینوں سر لکڑا ایک ہو کر انہوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی سیاست کا دھارا اُس طرح پھیرا جو بد پروردہ پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام اور خلافت ائمہ کے نظام کو صرف امیر معاویہ کی سیاست نے شکست نہیں دی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ کارفرما عمر بن العاص کا تھا۔

ایک ایسے سیاسی دہرے نے موت کا کس طرح خیر مقدم کیا تھا؟
ذیل کی سطروں میں اس کی تفصیل ملے گی:

ایک عجیب سوال
جب بیماری نے خطرناک صدمہ اختیار کر لی اور عرب کے اس دانشمند کو زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی، تو اُسے اپنی فوج خاص کے افسر اور سپاہی طلب کئے۔

لیٹے لیٹے اُن سے سوال کیا۔ ”میں تمہارا کیا ساتھی تھا؟“
”سبحان اللہ! آپ نہایت ہی مہربان آقا تھے۔ دل کھول کر دیتے تھے۔ ہمیں خوش رکھتے تھے۔ یہ کرتے تھے۔ وہ کرتے تھے۔۔۔“
وہ بڑی سرگرمی اور جوش سے جواب دیتے گئے۔

ابن عباس نے یہ سن کر سجدگی سے کہا۔ ”میں یہ سب کچھ صرف اُس لئے کرتا تھا کہ تم مجھے موت سے بچاؤ گے کیونکہ تم سپاہی تھے اور میدان جنگ میں اپنے سردار کے لئے سپر تھے۔ لیکن یہ دیکھو، موت کتنی گھڑی ہو اور میرا کام تمام کر دینا چاہتی ہو۔ آگے بڑھو اور اسے مجھ کو دودھ کر دوا۔“

سب ایک دوسرے کا حیرت سے منہ سینے لگے۔ پریشان ہو گیا
جواب دیں؟

”اے ابو عبداللہ! دیر کے بعد انہوں نے کہا۔“ عالم ہم ان کی زبان سے ایسی فضول بات سننے کے ہرگز متوجہ نہ تھے۔ آپ بات کر رہے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔ انہوں نے آہ سرور بولی۔ ”اللہ میں یہ حقیقت خوب جانتا ہوں۔ انہوں نے صبر سے کہا۔ ”واقعی تم مجھے موت سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ لیکن اے کاش! یہ بات پہلے سے سوچ لیتا! اے کاش میں

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سو گھرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.**

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتنے نہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے! انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں و ملحقہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

گے؟ میں نے سوال کیا۔

سب کا جواب ہو کر میرا منہ تھکے گئے۔ ایک نے کہا "پھر تھاری کیا ہے؟" میں نے کہا:

"ایک سخت اور پیچیدہ حرکت کی ضرورت ہے۔"

مگر ہاں کیا حشر ہوگا؟ یہ برطانوی تو ہیں کچھ نہیں ہوگا۔" دیر نہ ہوئی

نے آہستہ سے کہا۔

"تم وہاں چلے آنا جہاں میں جا رہا ہوں!" میرا آخری جواب تھا۔

اب میں سلطان عبداللہ سے رخصت ہونے کے لئے تھرا پور پہنچا۔

میں پہنچا۔ سلطان نے اپنے کمرے میں مجھ سے بات شروع کی۔ کمرے کی

کھڑکیاں کھلی تھیں۔ اس وقت وہاں کی جنگیں مسلح سامنے تھیں۔ بنگالی فوج

لنگر انداز تھے۔ ان کی توپوں کے دھانے خاص سلطان کے محل کی طرف

تھے۔ ہم دونوں کی نظریں ایک ساتھ اٹھیں اور انگریزی آہیں پڑھیں

ڈیڈ ناؤں پر پڑیں۔ سلطان اپنی خیانت سے واقف تھا۔ ہادی نظر

سندھ سے آکر کرکری میں آئیں اور ایک دوسرے سے لگے۔ مگر

سلطان نے اپنی نظریں فوراً نیچی کر لیں۔ وہاں سے کہا "مصلحتی" یہ

دیکھتے ہو میرا دل خون ہوتا ہے! افسوس عظیم ترکی قوم اب اس حالت

کو پہنچ گئی کہ اس کا سلطان، دشمنوں کے ہاتھ میں تھیں۔ اس کی زندگی

انہی توپوں کے ہتھ پڑے ہوئے۔ تم انکو لے جاؤ۔ میری دعا جو خدا تعالیٰ

رفیق و مددگار ہو۔ ترکی قوم کے کنا کہ اس کا سلطان اس حال میں

ایک لمحہ خاموش رہ کر سلطان نے پھر کہا "تمہارے کارنامے آج

اس کتاب میں چلے گئے ہیں!" یہ کہہ کر انہوں نے اپنے سامنے رکھی

ہوئی ایک کتاب پر زور دے دیا۔ پھر کہنے لگے "ہاں اب تمہارا

کارنامے تاریخ کے حوالے ہو گئے ہیں۔ اب تم انہیں بھول کر آؤ۔

کارنامے کر دکھاؤ کہ سلطنت تباہی سے بچے گی!"

اس جملہ سے سلطان کا مطلب یہ تھا کہ میں انکو لے جا کر اتحاد

کے خلاف خیالات کا خاتمہ کر دوں۔ میں ان کی فرض سمجھ گیا۔

"اعلیٰ حضرت! یقین کریں میں کسی لیے کام کی انجام دہی میں کبھی

کو تباہی نہیں کر دوں گا جس سے ملک کو تباہی حاصل ہو۔"

میں نے یہ کہا اور سلطان کو تسکین ہو گئی۔ دونوں کی زبانوں پر

بات ایک ہی تھی، لیکن دونوں کے مقصد میں کتنا عظیم فرق تھا؟

تھراپور میں نہایت متاثر ہوا اور شیشی میں اپنے مکان

پہنچا۔ یہاں مجھے ایک دوست نے خبر پوچھا کہ "اگر قادی طاقتوں نے

سازش کی ہو کہ تمہارے جہاز کی روانگی میں پرہیز جائے تاکہ تمہارا

بھی سفر کے لیے تیار ہو جائیں اور بدیع سندھ میں تمہارا جہاز غرق کر دیا

یہ سننے ہی میں فوراً سر پر تیزی سے ساحل کی طرف روانہ ہو گیا

کیونکہ اب ایک منطقی اور بھی خطرناک تھی۔ میں نے جہاز پہنچنے ہی

کے لیے جہاز کو روکا۔ لیکن جہاز روانہ نہ ہوا۔ بار بار میرے

سوال کرنے پر کہیں نے کہا: "تمہارے جہاز کی آمد پر اس وقت جہاز

کے کل پرنسے معائنہ کر رہے ہیں۔ ان کا حکم ہے، جب تک وہ اجازت

دیں جہاز نہ چلے۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی سازش کی گئی ہو

میں نے فوری سختی سے کہتا ہوں کہ حکم دیا۔ ان ماہرین سے کہہ دو۔ فوراً

جہاز سے نکل جائیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو تم ان کی پرواہ نہ کرو، جہاز کا

میں منہ مقلد تک پہنچا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ انگریزوں کے جنگی جہاز میرے پیچھے چلے تھے۔

مگر خوش قسمتی سے میں بہت آگے پہنچ گیا تھا۔ اور سندھ میں طوفان

شروع ہو گیا تھا جس نے انگریزی جہازوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

یہ کہہ کر اس حکم کارما کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ میرے ناچیز ارادے کا کیا

ہوں۔ اس لئے دشمنوں کی کوئی تدبیر میری راہ روک نہ سکی!"

غازی کا درود

بہر حال تالیوں اور فوٹوں کے شور میں غازی مدح کا نہایت

شاہی محل "طوبالما غم" پہنچا۔ ایک طرف پرجوش باشندہ کاشو

تھا، دوسری طرف تمام قلعوں اور جنگی افسروں سے توپوں کی سلاخی

داغی جا رہی تھی!

"طوبالما غم" میں غازی نے آرام نہیں کیا۔ فوراً فوجی اور ملکی فہر

کو ملاقات کے لئے طلب کر لیا۔ اس کے بعد ملاقات کے ایوان میں

پہنچے۔ یہاں شہر کے... نمائندے سلام کے لئے جمع تھے۔

میں نے ایک مرتبہ یہ شاہی ایوان اب سے پہلے ہی دیکھا تھا۔

یہ وقت سلطانوں کا تھا۔ اس میں پرشکوہ تخت شاہی رکھا تھا۔ اس کے

گرد و رکش لاسوں، چمکیے تختوں، سلطانوں سے آراستہ، دروازے

دائرہ کھڑے تھے۔ اور شاہی ہیبت و جلال کا ایک عجیب منظر پیدا ہو گیا

تھا!

آج پھر مجھے اس کی زیارت کا موقع ملا۔ لیکن آج وہ خرم کی جگہ

دک سے خالی تھا۔ بالکل ساہ تھا کسی قسم کا کوئی تکلف نظر نہیں

آتا تھا۔ صرف شہر کے نمائندے جمع تھے۔ آزادی سے چلے پھرتے

تھے۔ اور سادہ انداز میں اپنے رئیس حکومت سے مصافحہ کر رہے

تھے۔ بلاشبہ پچھلی شوکت و جبر اب مفقود ہو گئی ہو لیکن سادگی اور

حقیقت نے اس سے کس زیادہ حقیقی تاثیر غفلت پیدا کر دی ہو!

یہیں آستانہ کی مجلسِ ملکہ (مجلسِ ملکہ) کا پاس نامہ پیش ہوا۔

غازی نے جواب میں ایک جہت سے ترکی کی ان کی آواز حب عادت

بہت صاف، بلند اور مضبوط تھی۔ تو ایوان گونج رہا تھا۔ تقریر کا

خلاصہ جیٹیل ہو!

غازی کی تقریر

"میں خوش نصیب ہوں کہ آج آپ کے واسطے آستانہ، اُسے،

باشندوں، اس کی انجمنوں، اور اس کی تمام جماعتوں کو سلام کر رہا ہوں

پہنچے ہو کہ میں ان شاندار مظاہر سے از حد متاثر ہوا ہوں جس کے

ذریعہ میرے ہوشوں نے مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہو۔ آپ میری

جانب سے بہت بہت شکریہ قبول کیجئے۔

"آج پورے ۸ سال کے بعد میں نے آستانہ کی صند دیکھی ہو۔

اگر یہ صبح ہو کہ صحت اور فراق کی گھڑیاں بہت سخت، دوا، اور تلخ

ہوتی ہیں، تو آپ آسانی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ میں نے آستانہ کی

جدا میں یہ آٹھ برس کیونکر گزارے ہوں گے؟"

"آستانہ جو بڑا عظیم دنیاؤں کے امین واقع ہو، ترکی وطن

کی زینت، ترکی تاریخ کی دولت، ترکی قوم کی آنکھ کا تار ہو۔ تمام

انسانے وطن کے دلوں میں اس کی محبت جڑ بیٹھے ہوئے ہو۔ ایک

مرتبہ جب محسوس حواشی نے یہ شہر گھیر لیا تھا، تو نہ صرف ترکوں کے

بلکہ تمام مشرق کے دل بھی ہونگے تھے۔ ان میں ایک میں بھی تھا اور

اپنے بچوں کو چھانک دینے پر تھکا تھا۔

"لیکن آج ہم دیکھتے ہیں، تاریک راتوں نے نورانی آفتاب کی

شعاعیں پیدا کر دیں۔ رات کب کی ختم ہو چکی ہو، اور ہماری تاریخ کا نیا

دن طلوع ہو چکا ہو!"

"مستغرب اور دہشت انگیز آستانہ کو میں نے ۸ سال پہلے اس

حال میں چھوڑا تھا کہ میرا دل زخموں سے چھوڑا، اور ایک شخص بھی

مجھے خدا مافک کرنے کے لئے نہیں کیا تھا۔ لیکن آج میں آستانہ

ہوں، تو اس کا خدہ مسرت اور قہر، انسان میرے سامنے ہو گیا

حسن اب دوبالا ہو گیا ہو۔ میرا دل بھی مسرت ہو، میں اس وقت اپنے

آپ کو آستانہ بیلوں کی محبت بھری گود میں پاتا ہوں۔

گزشتہ ۸ سال، یہی ہماری ہیبت اجتماعیہ کا مددگار

بنا دلوں، انقلابوں، انداز کے نتائج سے کبریز ہو۔ ہماری قوم

سیاسی، اجتماعی، تمدنی ترقی کے لئے اس میں جو قابلیت ظاہر

کی ہو، وہ بلاشبہ عظیم قابلیت ہو۔ ہر فرض ہو کہ پوری ہوشیاری

اور کوشش سے ہم اس قابلیت کو برابر ترقی دیتے رہیں۔ وطن

کی تعمیر اور قوم کی ترقی، بہت ہی عظیم غیرت اور بہت ہی عظیم حاکم

مطالبہ کر رہی ہو۔ اس وقت ہمارا ایک عظیم ترین کام ہے جو کہ مفید اور مفید

علم و فن کے ذریعہ قوم کے جذبات اور فہمی کی تربیت کر دینا کہ وہ جلد

سے جلد حقیقی تمدن اور حقیقی سعادت تک پہنچ جائے!"

"میں آپ سے بے فزوان آستانہ! یہ سچے اس محل میں کھڑا

ہوں۔ اب سے ۸ برس پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ اس میں ایک ایسی

شخصیت رہتی ہو جسے، دیوں کی قوت حاصل ہو! آج یہ محل ان

شخص سے خالی ہو جسے "ظل اصدی الاوان" (زمین بر خدا کا سایہ)

کہتے تھے۔ آج یہ محل، قوم کی ملکیت ہو، جو سامنے نہیں بلکہ عمومی حقیقت

ہو۔ اس وقت میرا وجود اس محل میں صرف اس لئے ہو کہ میں ہی تم

کا ایک فرد اور اپنی قوم کا ہمارا ہوں..."

اس تقریر کے بعد غازی نے ایک ایک کے تمام حاضرین کو

مصافحہ کیا۔ پھر محل کے باغ میں فوجی قواعد دیکھی۔ یہاں کنگرے

ہو گئے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ موصوف اسی آستانہ میں قہر سے کبھی وہ کہیں

گئے۔ یہ افواہ بھی گشت کر رہی ہو کہ موصوف اور بلگرڈ بھی جائیں گے تاکہ

بلغاریہ اور یوگوسلاویا سے عہد صلہ سرانجام دیں۔

جامع الشواہد طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی

جب دہ رانچی میں نظر بند تھی۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی

احکام کی روش سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیا جاسکتی

ہو؟ اور اسلام کی رد اداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں

کا دروازہ بلا امتیاز مذہب ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا۔

۱۹۱۹ء میں جتوہ تھوٹے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی

کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گیا۔ اب مصنف کی نظر

ثانی کے بعد دوبارہ لیتور میں چھپی ہو قیمت ۱۲-۱۲ (دو روپے)

کے بعد دوبارہ لیتور میں چھپی ہو قیمت ۱۲-۱۲ (دو روپے)

خاطر و سوانح

”میری صحیفہ نگاری کی زندگی کا ایک“

(مشہور فرانسیسی اخبار نویس، فرانس ٹیلیزی کے قلم سے)

قلین انقلاب ابھی بھولے دھبے کے گم نے انقلاب کے پہلے اور دوسرے برس میں ایک فرانسیسی کتاب کا ذکر کیا تھا جس میں فرانس کے تین بڑے بڑے اخبار نویس نے اپنی صحافتی زندگی کے اہم واقعات لکھے ہیں۔ اسی کتاب میں فرانس ٹیلیزی نے الجوز اور ٹیونس کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور جرت انگیز سا خاکہ لکھا ہے۔ یہ سخت کی بات ہے کہ جب فرانس میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ ٹیونس کا باقاعدہ الحاق و ضم مستحکم سے کیا جائے یا اسے قائم و جاری حالت میں رہنے دیا جائے؟ فاشا تسلط و حالتوں میں تھا لیکن پہلی حالت صاف اور کھلی تھی، دوسری میں منافقانہ پردہ پوشی تھی۔ اسی اثنا میں تیس کی ایک مقتدر سیاسی جماعت نے ایک سیاسی ضیافت کا انتظام کیا اور اس ملک کے بڑے بڑے اخبارات کے ایڈیٹریں مدعو کئے گئے۔ مقالہ نگاری بھی اسی لوگوں میں سے ہوئی اور اس کی سرگزشت حوالہ قلم کرتا ہوں۔ اس مختصر سی سرگزشت میں یورپ کے سیاسی اور سرمایہ دارانہ اخلاق کا جیسا مکمل نقشہ دکھایا گیا ہے، شاید ایک بہت بڑی کتاب سے بھی اتنی وضاحت نہ ہو سکے۔ طرزیان کی تعریفی نظرات نے سرگزشت کی دلچسپی اور زیادہ بڑھادی ہے:

فرانس کی مشرقی حکمت عملی کا راز

میں نے ابھی اخبار نویس کے پیش میں قدم رکھا ہی تھا کہ سترہ سالہ میں مجھے اس ضیافت (ڈنر) میں شرکت کا اتفاق ہوا جو ”انجمن قوت“ ہر ماہ ملک کے مردوں کو جمع کرنے کے لئے دیا کرتی تھی۔

گرامر ٹیونس کے بڑے ہال میں تقریباً ۵۰ آدمی جمع تھے۔ ہال کی دیواروں کی آرائش منظر فریب تھی۔ وسط میں خوبصورت گول میز تھا۔ گرد و قریب کرسیاں بھی تھیں۔ حاضرین میں لیون اور تورڈو کے سرمایہ دار، ایل اور انسی کے کارخانہ دار، مارسیلی کی جائزہ لکھنے والے کے الگ، مجلس (سینیٹ) کے سربراہ اور دہ ممبر، اور اراکین اور با دیوں کے نمائندے، اور چند مشاہیر اخبار نویس شامل تھے۔

قلم کے لئے لکھنے والے اور تفسیر شرا میں جاری منتظر تھیں۔ ولیم جاکسون میں جب منظر شہین اور ٹیلی گئی، اور بلیبلے سطح پر جوش مار کر اٹھ بھرے، تو ہم اخبار نویسوں کا جوش، حد جنوں تک پہنچ گیا۔ ہم یچین تھے کہ فرانسیسی پرچم سند پائے کے تمام لکڑی پر لہر آتا دیکھیں گے۔ لکھانے کے بعد رئیس مجلس سیدائیں نے اعلان کیا ”ہم ایک اہم مسئلہ پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ٹیونس کو نوآبادیوں کی وزارت کے ماتحت کر دیا جائے یا ابھی اس میں توقف کیا جائے؟“ شروع میں ہم اخبار نویسوں نے خیال کیا۔ اس مسئلہ پر کوئی بحث نہیں ہوگی۔ چنانچہ بددلی کے ساتھ ہنسنے اپنی جیبوں سے یادداشت کی کاپیاں نکال لیں۔

ایک سابق وزیر اٹھا اور تقریر شروع:

”ٹیونس، ایک ملک فرانس کے زیر حلیہ (پروٹیکشن) ہے اس لئے قانون کی نظر میں وہ محکم نہیں ہے۔ ایک ایسی ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا تعلق براہ راست وزارت خارجہ سے ہے۔ اس کا دستور حکومت الگ ہے۔ اس کا ججی خاندان مستقل ہے۔ اس صوبہ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ الجوز میں رہنے والے فرانسیسیوں کے ساتھ ہم ایک خاص قسم کا برتاؤ کرتے ہیں، اور ٹیونس کے فرانسیسیوں کے ساتھ دوسری قسم۔ یہ صورت اس وقت جائز ہو سکتی تھی جب فرانسیسی فوجوں نے

بلند ہوئی۔

”شیر باد“ ایک تاجوے قصے کا پتہ ہوئے کہا۔ فرانس کے کپولر اتحادی چوری، کھلا ہوا مازہ ہو۔ تم اس میں سے دو گیسوں شنگارے ہو مگر جیسی سے بچنے کے لئے اسے پہلے جوتس بھجوتے ہو پھر وہاں سے فرانس میں داخل کرتے ہو تاکہ ٹیونس کی کم بختی سے فائدہ اٹھا سکو۔

”یہ کون گما بل رہا ہے؟“ ایک شخص نے پوری بے پردائی سے پکار کر کہا۔

”تم گدھوں کے جواہر ہو، برجستہ جواب تھا! اب مجھ پر یہ راز کھلا کر ٹیونس کا معاملہ، نہ تو فرانس کی مصلحت سے تعلق رکھتا ہے نہ تہذیب تمدن کی خدمت سے۔ محض سرمایہ داری کا سوال ہے۔ الجوز کے فرانسیسی اور ان کے حمایتی ٹیونس کو نوآبادی کی وزارت کے ماتحت اس لئے کر دینا چاہتے ہیں تاکہ وہاں کے فرانسیسی ان سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔“

”تم ٹیونس کی دولت کھا کے بھول گئے ہو؟“ ایک مقرر نے کہا۔

”حاصل و شیطاں کے بجائے ہم تھیں بیروں سے دھڑ ڈالیں گے“ ٹیونس کے ایک فرانسیسی کا جواب تھا جبکہ دوسرے جو شہر کھڑا ہو گیا تھا!

غرض کہ کوئی کالی نہ تھی جو استعمال نہ کی گئی ہو۔ کوئی الزام تھا جو ایک نے دوسرے پر نہ لگایا ہو۔ اب شراب، سردیوں پر خوب چڑ چکی تھی۔ آنکھیں لال تھیں۔ گھرے تن سے بے محو۔ خطرناک اراکین نے سر جھپکے پر ہولناکی کا فائدہ اٹھا لیا تھا۔ آخر ایک آواز بلند ہوئی

”سیدائیں! سیدائیں!“

”میرے ٹیونسی دوستو! مقرر نے ماہی طرن منہ کر کے کہا۔ تم یقیناً میرے اخلاص سے انکار نہیں کر سکتے آجے لیکن اس پہلے میں ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے فرانس کو ٹیونس کی طرح پرکھا دیا تھا۔ جیسے ہی تحریک کی گئی کہ اس ”خیمہ وحشیہ“ ملک میں تمدن و تہذیب کی روشنی پھیلائی جائے۔“

جلد حاضرین نے پرجوش تالیلاں بجا دیں۔

”اوسلے میرے الجوزی دوستو! مقرر نے بائیں طرف رخ کر کے کہا۔ تم بھی میری خبر چاہی اور دوسری سے بھری فائدہ اٹھاؤ۔ الجوز سے میری محبت کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ الجوز میرا وطن ہے کیونکہ میں اسی خوبصورت ملک میں پیدا ہوا تھا۔ الجوز کی محبت میرے دل تک میرے دل میں باقی رہی ہے۔“

بائیں رخ گئے پرجوش تالیلاں کا شد بلند ہوا۔ غرض کہ اس چالاک مقرر نے کھلم کھلا شہر میں ڈالی سے گفتگو کر لی کہ دونوں فریق خوش ہو گئے اداس فرانس کے جس بڑے سکہ انسان کے اخلاص پر ایمان لے آئے!

”فریاد“ مقرر نے اپنی آواز کو مدد دے کر بڑا کرکٹ میں تھیں باہم اس طرح لڑنے جھگڑنے دیکھا ہوا، تو یہاں اپنے میں بیٹھے لکھا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ الجوز اور ٹیونس کے ایک دوسرے پر حسد کے قتل کریں؟ میں کہتا ہوں کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ خیالات دور کریں۔ لکھنا چاہتا ہوں کہ اگر ایک طرف سے دیکھیں، امرائشی کی دہلیز میں نہیں آئے اس لئے سب سے سچی

ٹیونس کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ لیکن اب جبکہ ہم نے پورا تسلط حاصل کر لیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس ملک کا وہ امتیاز باقی رکھا جائے جس کا وہ سختی نہیں ہے۔ اب دقت آگیا ہے کہ فرانس سے ٹیونس کا کا بل الحاق ہو جائے۔“

دزیر کی تقریر حاضرین کی ایک جماعت نے بڑے جوش سے تالیلاں بجا دیں۔ ہم کچھ بحث ختم ہو گئی۔ مگر اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اور سابق دزیر کھڑا ہو گیا:

”مجھے اس گمراہ کن تجویز سے قطعی اختلاف ہے“ اسے شانے ملا کر کہا۔ فرانس نے تورڈو کے معاہدہ میں وعدہ کیا ہے کہ ٹیونس کے باقی (پادشاہ) کی حکومت باقی رکھے گا۔ فرانس نے یہی عہد نامہ دلی سے بھی کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی خلاف ورزی سخت سیاسی خطا کا موجب ہوگی۔ ملک کی دیسی آبادی میں شورش پیدا ہو جائیگی، اور فرانس کی پیشانی پر بدعہدی کا سیاہ دھبہ لگ جائے گا۔“

اس تقریر پر بھی تالیلاں بھیں، دونوں تقریروں کا لٹا ہوا رہا ہی شانہ دار تھا جیسا مجلس (پارلیمنٹ) کی تقریروں کا ہوتا ہے۔ دونوں تقریروں میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ”فرانس کی عظمت“ ٹیونس کی مصلحت“ ”تہذیب کی خدمت“ ”خدمت اقوام کا فرض“ اور اس قسم کے تمام پامال جملے آتے تھے اور حاضرین تین دافرن کی صدائیں بلند کرنے لگے۔ ہم غریب اخبار نویس بھی شام قطاریں تھے۔ لوگوں کو تالیلاں بجانے دیکھتے تو خوشی بے انتہا تالیلاں بجانے لگتے!

اب گرم ماحول شروع ہو گیا۔ سرمایہ داروں، کارخانہ داروں، تاجروں، کمپنیوں کے اہلکاروں نے بھی تقریریں شروع کر دیں۔

ایک مقرر نے کہا۔ ”کیوں نہیں گئے کہ ٹیونس کی کابینہ چاہتے ہو؟“

”اور تم الجوز کی کالوں کے دشمن ہو؟“ دوسرے مقرر نے بغیر کسی تاہل کے جواب دیا!

”اور تم حاش ہوا۔ ایک تاجروں میں جیو دھڑکتا ہے۔ لیکن تم ڈاکو ہو رہے یا بزدلان!“ ایک طرف سے آواز

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ تھا لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و قدر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف مذاق کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ادواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اس کا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خریدیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خریدیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست سات سو روپیہ میں خرید لیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ستر چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچہ، ملاحظت جمع

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما: دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

روزانہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کر سکتے ہیں۔

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ

کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رتبہ کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکازوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بیچیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھین سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

ابن عربی

الہلال

ایک ہفتہ وار مہوار

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۳ - صفر ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۹

Calcutta : Friday, 12, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔
الہلال

قاریین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۵۶۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

۱۸۲	اردو حروف کی حق میں	۵۶	عربی حروف کی حق میں
	حروف کی حق میں بشرطیکہ		موجودہ مشترک طباعت کی حق میں
۴۰	تستعلیق ہوں	۱۷۸	پتھر کی چھپائی کی حق میں

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں
ہے۔ اور یہی شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر
کرینگی ... اب ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔
الہلال

افسانہ

حقیقت کہاں ہی ؟

یونانی علم الاصنام کا ایک افسانہ حکمت

وہ دیر تک آنکھوں کے آنسوؤں اور زبان کی دعاؤں سے مناجات کرتا رہا۔ پھر اُس نے نظر اٹھائی۔ چاند نے اپنی شعاعیں جمع کر کے دیوی کے چہرے کی رعنائی بے حساب کر دی تھی !

ہوا چلتے چلتے رک گئی۔ ہنوں کا شور تھم گیا۔ پہلے سے زیادہ سکون طاری ہو گیا۔ نوجوان کا دل تنگ ہوا۔ اُس نے لمبی آہ بھری، اور آہ کے ساتھ ہی آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر پھیل گئیں :

”مقدس دیوی !“ دیوکلس نے جوش سے چلا کر کہا ”تیرے ہی قدموں پر میرا سر دھرا ہے۔ تیری ہی عبادت پر میری روح جھک رہی ہے۔ تو نے میرے دل کو حکمت کے عشق سے معمور کر دیا۔ تو نے کمال کا لازوال شوق پیدا کر دیا۔ تو نے حقیقت کی جستجو کی آگ سلگ دی۔ یہ آگ اب جلانے لگی ہے۔ یا تو ہمیشہ کے لیے اسے ٹھنڈا کر دیے، یا حقیقت کا جمال پنہاں ایک مرتبہ دکھا دے۔ ہاں، حقیقت، مقدس، عظیم حقیقت، اس مہیب لائڈات کی حقیقت، اس ہولناک ازلیت و ابدیت کی حقیقت، ہر وجود کی روح، مجرد حقیقت، عریان حقیقت۔ وہ حقیقت، جس کی جستجو

میں تمام فلاسفہ سرگرداں رہے، اور حکیموں کو بستر خواب پر کبھی نیند نہ آئی۔ حکمت کی پاک دیوی ! حقیقت کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے بے نقاب کر دے۔ میں اسے جاننا اور دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اسے سارے پردوں اور نقابوں کے اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اس کی پریشش پر دل بد چکا ہوں۔ میں اُس کی راہ میں اپنی زندگی اور زندگی کی تمام مسرتیں، اپنی دولت، عزت، دھن، شباب، محبت، سب کچھ قربان کر دوں گا“

دیوکلس نے یہ کہا اور گردن اٹھا کر دیوی کا منہ دیکھا۔ وہ بدستور خاموش اور بے حس و حرکت تھی۔ نوجوان نے اپنی پیشانی پھر اُس کے مرمری قدموں پر رکھ دی اور گڑگڑانے لگا۔ اُس کی روح اُس کی آنکھیں، اُس کی زبان، تینوں دیوی کے قدموں پر تھ۔ روح آتش شوق سے جل رہی تھی۔ آنکھیں جوشش عشق میں بہہ رہی تھیں۔ زبان روائے مناجات سے وارفتہ تھی !

اچانک درختوں کے پتے ہلے، ڈالیں میں جنبش ہوئی، نسیم کے جھونکے چلے۔ ہوا میں ایک آواز گونجی : ”دیوکلس !“ ”دیوکلس !“



قدیم یونان کے مرکز ایتھنس، فلسفہ کے گہوارے اور حکمت کے سرچشمے پر رات کی خاموشی چھا گئی تھی۔

رات نے اپنی سیاہ فنائیں تان دیں۔ معر خواب شہر کی لمبی سانسوں کے سرا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اتنے میں چاند نکل آیا۔ روپہلی چاندنی کوہ و دشت پر پھیل گئی۔ مندروں کی سنہری برجیاں چمک اٹھیں۔ زیتون اور خرے کے درخت بے ساختہ کھلکھلا اُٹھے !

شہروں کی ملکہ ایتھنس سو رہی ہے۔ دروازوں پر چوکیدار اونگھ رہے ہیں۔ لیکن صرف ایک نوجوان ہے جو اب تک جاگ رہا ہے !

دیوکلس حسن، ذہانت، دولت کے خزانوں کا مالک ہے۔ اقدیمی میں حکمت کا طالب علم ہے۔ اپنا پورا دن اور رات بے بہی بہت سے ٹھنڈے، علم و حکمت کے پہلو میں گزارتا ہے۔ صحبت و معاشرت سے بیزار ہے۔ ایک پورے حکیم کی طرح پورا خلوت پسند ہے۔ تفکرات کے سمندر میں شب و روز غواہی ! بس یہی اُس کا مشغلہ ہے۔

ایتھنس، یعنی حکمت کی دیوی کا مرمری خوبصورت بت اقدیمی کے صحن میں نصب تھا۔ دیوکلس سب طالب علموں سے زیادہ، حکمت کے اس خاموش مجسمہ کے پاس جاتا اور ہمیشہ اُس کے تصور میں غرق رہتا۔ اُس کی دل کی مناجاتوں کا قبیلہ بھی تھا۔ اُس کے دماغ کے استغراق کا مرکز اسی میں تھا۔ وہ اس کی دلفریب صورت پر غور کرتا۔ وہ اُس کے جمال معنی و حقیقت کی جستجو میں معر ہو جاتا۔ وہ اُس سے حکمت کی رچی اور علم کا پیام ربانی طلب کرتا۔ وہ حکمت کی جستجو میں حکمت کے مجسمہ کا عاشق تھا !

آج رات دیوکلس پھر دیوی کے سامنے دست بستہ کھڑا ہے۔ رات ڈھل گئی، مگر وہ بے حس و حرکت کھڑا ہے۔ اچانک اُس نے سر اٹھایا اور بت کے قدموں پر گر پڑا۔ بوسوں پر بوسے۔ آنسوؤں سے اُس کے دُڑے دھرتے لگا :

”اے علم و حکمت کے مظہر محبوب ! رحم، رحم، مجھے ایک نظر دیکھ لے ! ایک مرتبہ کے لیے میری التجائیں سن لے !“

کو گود میں اٹھا لیا۔ لامتناہی فضا میں پرواز شروع کر دی۔ ایک نامعلوم خطہ میں جا پہنچی۔ دیوکلس نے دیکھا: ایک سر بفلک پہاڑ پر رہا کرتا ہے۔۔۔

یہاں پہاڑ پر نوجوان نے کافی بدلیوں کے اندر ایک دروازہ دیکھا سی دیکھی۔ جوش شناخت میں اس کی روح اس کے حلقہ ہلے جسم میں سمت آگے مگر وہ اس کے خال و خد نہ دیکھ سکا!

”یہی حقیقت ہے“ دیوی نے اپنی انگلی سے اشارہ کر کے کہا ”یہی اپنی دھندلی شعاعیں زمین پر ڈالتی ہے اور فلسفی اور حنیم ان میں نور حق کا سایہ ڈھونڈتے ہیں۔ اگر یہ شعاعیں نہ ہوتیں تو دنیا تاریک رات کی طرح اندھیری ہو جاتی۔ انسان کی نگاہ حقیقت کو انہی شعاعوں میں دیکھ سکتی ہے۔ تم دیکھ رہے ہو وہ کس قدر ہلکی۔ ایسی دھندلی شعاعیں ہیں؟ حقیقت بے حد روشن ہے۔ اتنی روشن کہ سورج کی روشنی سے بھی کم اس قدر قیاس نہیں کرسکتے۔ مگر وہ ان پردوں کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ صرف اس کا سایہ ہی نظر آسکتا ہے۔ آگے بڑھو اور اس کا ایک پردہ جاک کر دال“

دیوکلس نے دیوی کے حکم کی تعمیل کی۔

ہاتھ لگتے ہی پردہ سفید پردہ بن گیا۔ تھوڑی دیر نوجوان نے سر پر منڈالیا۔ پھر سیدھا آسمان کے طرف اڑ گیا!

دیوکلس نے اب دیکھا۔ حقیقت ان شعاعوں پہلے سے زیادہ صاف اور روشن ہیں!

دیوی آتے پھر زمین پر اڑا لائی۔ وہ اپنی اکلیمی میں گیا اور دیوی اپنا مرمری جامہ پہنکر پھر اُتار بیٹھ گئی!

دیوکلس نے دیوی سے اپنا وعدہ پورا کیا۔ آرام و راحت سے مدھم مڑا لیا، خلوت میں بیٹھا اور غور و فکر میں دماغ مستغرق ہو گیا۔

اب وہ انسانوں کے کسی مجمع میں نظر نہیں آتا تھا۔ اینٹھنس کے تمام میاں اس سے خالی ہو گئے۔

دوسرے سال اپنے مقررہ وقت پر وہ پورسنگ مرمرو کے بت کے سامنے سر بسجود تھا۔ دیوی کے حوت کی اور پہلی مرتبہ کی طرح آتے غیر معلوم پہاڑ پر اڑا لے گئی۔ اب اسے حقیقت کا دوسرا پردہ چاک کر دیا۔ اس مرتبہ روشنی آرز بھی زیادہ تیز ہو گئی۔ پھر وہ زمین پر راپس آ گیا۔ اُسکی زہد و خلوت پسندی اب آرز زیادہ گہری ہو گئی تھی۔

اُسکے رفیق اس تبدیلی پر متعجب نہ۔ انہوں نے اُسے بہت بہت پسند کیا۔ مگر وہ اپنے گوشہ انزوا سے باہر نہ نکلا۔

ایٹھنس کی بعض حسین نر سیزہ لڑکیوں سے اُسکی ملاقات تھی۔ ایک فنڈہ گر حسن اُس سے صحبت بھی کرتی تھی۔ اُسکی یہ حالت دیکھ کر ایک دن اُسکے پاس گئی:

”دیوکلس! کیا بات ہے؟“ نر سیزہ نے مسکرا کر کہا ”تم مجھے سے بیزار کیوں ہو گئے؟ یہ دیکھو“ میری آنکھیں سناروں کی طرح چمکتی ہیں۔ میرے بال شعاعوں سے بھی زیادہ چمکیلے ہیں۔ میرا جسم کیسا دل فریب ہے؟ میں نے تمہارے حوالے سے صحبت کا جواب دیا تھا۔ مگر اب میں خود تم سے جواب معذرت کی سائل ہوں۔ مجھے دیکھو، میری صحبت کی تحقیر نہ کرو۔ خود دیوتا بھی صحبت سے انکار نہیں کرتے“

نوجوان چونک اٹھا۔ ادھر ادھر کھبراہٹ سے دیکھنے لگا۔ سمجھا: اُسکے ہم مدرسہ بکار رہے ہیں۔ مگر وہاں کوئی انسان بھی نظر نہ آیا۔

”دیوکلس!“ — ”دیوکلس!“ نوجوان تمنائی نے نگاہ اٹھا کر بت کر دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سچ مچ کر اُسکے ہوت ہل رہے ہیں! ... اچانک سنگ مرمرو کے ہاتھ میں جذبش ہوئی ... دیوی نے اپنا ہاتھ دیوکلس کے کندھے پر رکھ دیا ... بجلی کی ایک طاقتور لہر اُسکے بدن میں دوڑ گئی۔ بید کی طرح تھوڑے لمحوں میں لگا۔ خوف کی شدت سے اُسکے حواس معطل ہو گئے۔

لیکن آواز اب تک آ رہی تھی ”دیوکلس!“ ”دیوکلس!“

”دیوکلس! تونے مجھے پکارا۔ لے، میں آگئی۔ تیری مناجات میں نے سن لی۔ بول، کیا مانگتا ہے؟“

دھشت سے نوجوان کی سانس رک گئی۔ بے اختیار زمین پر گر پڑا۔ قریب تھا، بیدوش ہو جائے۔ جب کچھ عرصہ کے بعد اُسکے ہوش حواس واپس آئے۔ تو اُس نے خوفزدہ نظروں سے دیوی کو دیکھا: ”ہاں مقدس دیوی!“ اُس نے کانپتی ہوئی آواز سے کہا ”میں ہی تیرے حضور زار نالی کر رہا تھا۔ مجمع ”حقیقت“ کی جستجو ہے۔ میں ”حقیقت“ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اُسے بے نقاب دیکھنا چاہتا ہوں ...“

”تو حقیقت کی کمرچ میں ہے!“ دیوی نے اپنی پر رعب آواز میں کہا ”حقیقت خود یہی ”روح“ ہے۔ حقیقت کہاں نہیں ہے؟ لیکن ہاں، بے پردہ، بے نقاب حقیقت، کبھی کوئی ٹھنڈی نگاہ نہ دیکھ سکتی۔ کسی نے اسے دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کی۔ بے نقاب حقیقت انسان کی حد نگاہ سے باہر ہے۔ تاہم اگر تیری یہی ضد ہے تو سمجھ لے، تجھے بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ ایسی بڑی، جس کی شاید تجھے قدرت نہیں۔ تجھے درات، عظمت، حسن — سب سے دست بردار ہو جانا پڑے گا۔ تجھے زندگی کا بھی آرزو مند نہ ہونا چاہیے۔ دیوتاؤں نے ”حقیقت“ سے بڑھ کر کوئی دولت کائنات کی اولاد کو نہیں دی ہے“

”میں ان سب سے ہمیشہ کدیلے بخوشی دست بردار ہوتا ہوں“ دیوکلس نے خوش ہو کر کہا ”میں سورج بھی چھوڑنے پر طیار ہوں“

دیوی نے اپنا سر جھکا لیا۔ ہر طرف خاموشی پھیل گئی۔ درخت ”زفس“ کی اس با عظمت لڑکی کی تعظیم میں جھک گئے!

دیوی نے پھر سر اٹھایا:

”بہتر“ اُس نے آدمیوں کی طرح لفظوں میں کہا ”تجھے حقیقت دکھادی جائیگی۔ لیکن ایک ہی مرتبہ میں تو اُسے نہیں دیکھ سکتا۔ میں ہر سال ایک دفعہ تجھے وہاں لیجایا کرتی تھی۔ تو اُسکے چہلے والے پردوں میں سے ہر مرتبہ ایک پردہ چاک کرسکتے گا ... تو زندگی کے لباس میں رہے گا، یہاں تک کہ حقیقت عریاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لے“

نوجوان کا چہرہ مسرت امید سے دمکنے لگا۔ وہ خاموش رہا کہ دیکھے اب دیوی کیا کرتی ہے۔ اچانک وہ حیرت سے دم بخود ہو گیا۔ دیوی نے اپنی سنگ مرمرو کی چادر اتار دی۔ دیوکلس کی آنکھیں دختر زفس کے حسن و جلال سے چکا چوند ہو گئیں۔ چشم زدن میں بت نور کا پتلہ بن گیا۔ ... اب اُس میں حرکت ہوئی۔ ... اُس نے نوجوان

آخری پردہ بھی چاک کر دینا - میں حقیقت کو ضرور بے نقاب دیکھونگا *

اُس نے یہ کہا اور آگے بڑھا - اسکا دل دھڑکنے لگا - ہاتھ کانپنے لگا - وہ اپنی بزدلی پر شرمندہ ہو رہا تھا مگر عمل کی ہیبت و دہشت سے بے بس تھا - اس نے دانت بہینچے، آنکھیں بند کیں، دل کڑا کے آگے بڑھا، ہاتھ بڑھایا، اور آخری پردہ بھی کھینچ لیا

آف، ہولناکی!

پردہ ہٹتے ہی روشنی غالب ہو گئی — گھٹا ٹپ اندھیری چھا گئی ... کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا!

دیوکلس نے اتنے زور سے چیخ ماری کہ قریب تھا، اسکا سینہ شق ہو جائے:

”حقیقت کہاں ہے؟ حقیقت کہاں ہے؟ اے دیوی! حقیقت کہاں ہے؟ مجھے تو کچھ سر جھائی نہیں دینا - وہ جو آخری پردے کے پیچھے تھی، کہاں چلی گئی؟ ساری دنیا تاریک ہو رہی ہے ...“

”تیری آنکھیں پھوٹ گئیں!“ حکمت کی دیوی نے وقار سے کہا ”اے کائنات کے بیٹے، تیری آخری غفلت بھی از گئی! بے نقاب حقیقت کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا - اگر دیکھ سکتا ہے تو اُسے پردوں ہی میں لپٹا دیکھ سکتا ہے - کوئی دس پردوں کے اندر سے دیکھتا ہے - کوئی اس سے کم میں دیکھتا ہے - کوئی اس سے بھی زیادہ میں - مگر حقیقت عریاں کا مشاہدہ ناممکن ہے ... تو نے دیکھنا چاہا، تو تو نے دیکھ لیا کہ تو کیا دیکھ سکتا ہے! ...“

دیوکلس نے یہ سنا اور منہ کے بہل زمین پر گر پڑا - اب اُسے جسم میں روح موجود نہ تھی ... شاید ”حقیقت“ کی جستجو میں اُس نے دوسری دنیا کی راہ لی تھی ...“

الہلال

کا

یہ ۹ - وان نمبر ہی

لیکن

اس وقت تک ضرورت باقی ہے کہ توسیع اشاعت کی طرف آپ کو ترجیح دلائی جائے -

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الہلال کا استقبال کیا، شاید ہی اُسکی کوئی دوسری نظیر اردو اخبارات میں مل سکے - لیکن مشکل یہ ہے کہ پرچہ کی ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ہے، اور قیمت اُسکے مقابلہ میں بہت کم - اب یا تو قیمت بڑھانی چاہیے یا اتنی وسیع اشاعت ہونی چاہیے کہ اُس سے قیمت کی کمی کی تلافی ہو جائے -

دیوکلس نے دو شیزہ پر ایک سرد نظر ڈالی اور کہا:

”محبوب میرے دل سے اُسی طرح از گئی ہے جس طرح دوسرا پردہ از گیا تھا“ اُس نے یہ کہا اور ایک طرف کو چل دیا!

دو شیزہ حیرت سے اُسے دیکھتی رہی - پہلا یہ رمز و کھنجر سمجھ سکتی تھی؟ اُس نے خیال کیا، دیوکلس دیوانہ ہو گیا ہے -

ایک سال بعد دیوکلس نے تیسرا پردہ چاک کیا - اُسکی نظر آ رہی تھیں تیز ہو گئی - اسکا نفس ناطقہ زیادہ شائستہ اور بلند مرتبت ہو گیا!

اب فلسفہ کے حلقوں سے بھی وہ الگ ہو گیا - اگر کبھی اتفاق سے وہ عوام کے سامنے بولتا تو لوگوں کے کان اُسکے لیے وقف ہو جاتے - انسانی دلوں کے لیے اُسکی آواز میں ایک ایسی تاثیر تھی کہ یونان کے صحیحہ حکمت میں کسی بڑے سے بڑے حکیم کی آواز کو بھی نہ ملتی ہوگی - پورے ایتھنس نے جمع ہو کر فیصلہ کر دیا کہ دیوکلس، استاد عظیم افلاطون اور دوسرے تمام حکیموں سے باڑی لیگیا - اُس سے منتیں کی گئیں کہ فلسفہ کی امامت قبول کر لے مگر اس نے بے پروائی سے انکار کر دیا -

اسی زمانہ میں ایسا ہوا کہ ایتھنس پر دشمنوں نے حملہ کر دیا - دیوکلس وطن کی مدافعت میں پیش پیش تھا - بے نظیر شجاعت سے لڑا - آخر زخموں سے چور چور لوٹا - ایتھنس کو فتح ہوئی - بہادری کو فوراً میں بھولوں کے تاج تقسیم کیے گئے - سب سے بڑا تاج دیوکلس کے واسطے طیار ہوا تھا - مگر عین وقت پر جب اُسے پکارا گیا، تو وہ موجود نہ تھا!

بوسوں پر برس گذرتے چلے گئے - ہر برس دیوکلس حقیقت کا ایک پردہ چاک کر آتا تھا - ابھی وہ جوان تھا مگر اسکا سر سفید ہو گیا - کمر جھک گئی - آنکھیں دھنس گئیں - قوی کمزور پڑ گئے - سپر بھی وہ خوش تھا، کیونکہ وہ عنقریب ”حقیقت“ کا مشاہدہ کرنے والا تھا، اُس حقیقت کا بے پردہ ہے، نقاب مشاہدہ، جسے کبھی کسی بشر نے نہیں دیکھا!

آخر فیصلہ کی رات آگئی - آج ”حقیقت“ پر سے آخری پردہ بھی اُٹھ جائیگا - آج بے نقاب حقیقت اُسکے سامنے ہوگی!

دیوی، دیوکلس کو حسب عادت ازالے گئی - اور حسب معمول حقیقت کے سایہ کے سامنے کھڑا کر دیا:

”دیکھ، حقیقت کس قدر تاباں ہے! پچھلے برسوں میں جتنے پردے تو نے چاک کیے، وہ اس کے چہرے کے پردے نہ تھے - تیری ہی غفلت کے پردے تھے جو تو نے اپنی آنکھوں پر ڈال لیے تھے - تو نے ایک ایک کر کے تمام غفلتیں دور کر دیں - آج آخری پردے کی باری ہے - اس کے بعد تو روزِ روز حقیقت کا جلوہ دیکھ لیگا - اگر تو اپنے کپڑے ہر پشیمان ہے، یا تیرے دل میں ڈرا بھی خوف موجود ہے، تو اب بھی وقت ہے - لوٹ جا، اور باقی زندگی چین سے گزار“

دیوکلس، جوش طلب سے دیوانہ ہو کر چلایا:

”اسی منزل کی طلب میں تو میں نے ساری عمر گزار دی - اب میں ”حقیقت“ سے کس طرح منہ موڑ سکتا ہوں؟ میں

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ زمین اپنے اولین زمانوں میں زندگی سے خالی تھی۔ یہ تسلیم کرنے کے معنی یہ ہونے کہ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زمین پر زندگی ہمیشہ سے موجود نہیں تھی۔ بعد میں اُسکا آغاز ہوا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زندگی یا اولین ذی رزح کائنات کا آغاز کن مواد سے ہوا؟ کیا اُن جمے ہوئے معدنی مواد سے جو شدید حرارت کی وجہ سے اولین سمندروں میں پانی کی طرح بہہ رہے تھے اور گرمی کے کم ہونے پر جم گئے؟ اگر یہ مان لیا جائے تو بحث ختم ہرجاتی ہے۔

(دو مذہب)

لیکن بعض موانع ایسے موجود ہیں کہ اس بات کا فوراً تسلیم کر لینا ممکن نہیں۔ اس کا فیصلہ اس مسئلہ کے فیصلہ پر موقوف ہے کہ غیر ذی رزح اشیا سے ذی رزح اشیا پیدا ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ نہیں ہوسکتیں یا کم از کم نہیں ہوتی ہیں، لیکن تولد ذاتی کے قائل اسکے خلاف ہیں۔

مذہب جمہور کی بنیاد واضح ہے۔ وہ کہتے ہیں اس طرح کی کوئی تخلیق علمی طریقہ پر ثابت نہیں ہوئی ہے۔ ایک زمانہ میں عوام کا یہ خیال خواص میں بھی پھیلا ہوا تھا کہ بہت سے جانور مٹی، پانی، اور مختلف غیر ذی رزح مواد سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً وہ سمجھتے تھے، حشرات الارض مٹی اور پانی سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مکھیاں اور مچھر گندگی اور کچھڑ سے پیدا ہو کر اڑنے لگتے ہیں۔ مینڈک کے بچے بارش کے ساتھ ہی زمین سے اُٹھنے لگتے ہیں۔ یا پنیر اور اسی طرح کی چیزیں میں خود بخود کیڑے ریگنے لگتے ہیں۔ لیکن اب تحقیقات سے ثابت ہو گیا کہ یہ تمام جاندار غیر جاندار مادے سے پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ جاندار مخلوق ہی سے جان حاصل کرتے ہیں۔ ان سب کی پیدائش مختلف قسم کے کیڑوں اور مکھیوں کے اندے سے ہوتی ہے جن میں سے بعض چشم غیر مسلح سے اور بعض خورد بینوں سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ پنیر کے کیڑوں پر ایک زمانہ میں بہت زور دیا جاتا تھا۔ مگر ثابت ہو گیا کہ وہ خاص قسم کی مکھی کے اندر سے پیدا ہوتے ہیں، اور اگر انکی حفاظت کی جائے تو وہ بڑے ہو کر مکھی کی شکل اختیار کرلیں گے۔ یہ بات سترھویں صدی کے وسط ہی میں پایہ تحقیق تک پہنچ گئی تھی کہ مٹی وغیرہ سے جانداروں کی پیدائش کا خیال غلط ہے۔

لیکن دوسرا مذہب اُن لوگوں کا ہے جو ”تولد ذاتی“ کے قائل ہیں۔ خوردبین کی ایجاد نے انہیں تقویت دی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ایک خاص طرح کے جاندار، مردہ پتوں کے رس جیسے سیال مادوں میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن میلن اڈورز اور شوان وغیرہ علماء علم الحیات نے اس سے انکار کیا۔ وہ کہتے ہیں اگر ہم ان سیال مادوں کو آگ پر رکھ کر کھولائیں اور اُن جراثیم سے آلودہ نہ ہونے دیں جو ہوا میں موجود ہیں، تو ان میں کبھی یہ جاندار پیدا نہ ہونگے۔ یہ بھی دراصل ہوا کے جراثیم کی پیدائش ہیں۔

مذہب ”تولد ذاتی“ کے ماننے والوں نے جراثیم (خوردبینی کیڑوں) کی نسبت بھی دعوا کیا تھا کہ یہ اُن قابل حیات اور معدنی مواد سے پیدا ہوتے ہیں جو سیال مادوں اور بیمار جسموں میں موجود ہیں۔ لیکن پاسٹیور نے اسکی تغلیط کی۔ اس نے ثابت کیا کہ اس میں بھی وہی غلطی ہے جو بڑے جانوروں کی پیدائش کے سطحی معائنہ میں ہوئی تھی۔ یہ جراثیم ہی ہوا کے جراثیم

منجمد سطح اور اُسکے اردو کی فضا اپنا بوجھ اُس پر ڈالے ہوئے ہے۔ زمین پر اس وقت جس طرح کے آتش فشاں پہاڑ نظر آتے ہیں ایسے ہی پہاڑ اُن قدیم زمانوں میں بھی موجود تھے جو زمین کی عمر کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اصطلاح طبقات الارض میں یہ دور ”عہد ارضی“ کہلاتا ہے۔

گرم جسموں کا وجود اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ زمین کا باطن ایک نظام مشعل کرہ ہے۔ چونکہ جزء ہمیشہ کل کے ماتحت ہوتا ہے اس لیے عملاً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ زمین کی یہ بدلتی بدلتی یا چھلکتا بھی ایک زمانہ میں اپنے کل کی طرح مشعل ہوگا۔ زمین اپنی تاریخ کے کسی قدیم دور میں آتشی کرہ تھی۔

چاند کو بھی اُن درزبین سے ہم دیکھیں تو اُس میں آتش فشانوں کے نمایاں نشان پائیدگے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ چاند پر بھی تقریباً ویسے ہی تاریخی انقلاب طاری ہو چکے ہیں جیسے زمین پر گزر چکے ہیں۔

(کائنات اور لاپلاس کا نظریہ)

اس طرح کے مشاہدات پر غور کرنے کے بعد جرمن فلاسفر کانت اور اس کے بعد فرنچ ریاضی دان لاپلاس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ شروع میں پورا نظام شمسی نہایت ہی گرم گیس کا کتلہ تھا۔ یہ کتلہ کسی نامعلوم محرک کے ذریعہ خورہ اپنے گرد گہمڑے لگا۔ اس حرکت کے حلقے پیدا کیے۔ پھر ان کے مرکز میں کثافت و انجماد پیدا ہو گیا، اور اس کیفیت کے بعد یہی مرکز آفتاب بن گیا۔ پھر گردش حرکت کی وجہ سے اُن حلقوں کے اندر بھی حلقے پیدا ہوتے گئے۔ ان ثانوی حلقوں میں سے ہر حلقے کے مرکز میں کثافت و انجماد کی کیفیت پیدا ہوئی اور ایک نیا کوکب ناری بن گیا۔ پھر اس مرکز سے محیط حلقوں میں بھی کثافت و انجماد کا عمل شروع ہوا اور بتدریج ایک یا کئی چاند پیدا ہو گئے۔ مگر یہ بھی اُس وقت آتشیں تھے۔ بتدریج ٹھنڈے ہو کر موجودہ شکل میں آئے ہیں۔ بعض کوکب کے گرد اب تک اُس تاریخی عہد کے حلقے موجود ہیں۔ چنانچہ درزبین میں رحل کے گرد علاوہ اُس کے دس چاندوں کے، تین تہیں رکھنے والا گیسوی حلقہ بھی دکھائی دیتا ہے۔

خاص زمین کے متعلق مذکورہ بالا علماء کا نظریہ یہ ہے کہ وہ بتدریج ٹھنڈی ہونا شروع ہوئی، یہاں تک کہ اُس کی سطح جم گئی۔ جب زمین کی حرارت ۳۵۰ درجہ پر پہنچی تو اُس پر پارے کی موسلا دھار بارش ہوئی۔ جب حرارت اُن کم ہوئی اور ۱۰۰ درجہ پر آئی، تو کھولتے ہوئے پانی کی بارش شروع ہوگئی۔ مگر چونکہ زمین اور اُس کی فضا کی حرارت ہنوز بہت زیادہ تھی، اس لیے پانی جمع نہ ہوسکا اور بہاؤ بنکر اڑ گیا۔ پھر جب حرارت ۱۰۰ درجہ سے بھی کم ہوگئی، تو اُس وقت بارش کا پانی جمع ہوا اور سمندروں کی تشکیل ہوئی۔ اُس زمانہ کے سمندروں کا رقبہ موجودہ سمندروں سے بھی زیادہ تھا۔ کیونکہ اُس وقت زمین کا داخلی حصہ بہ سبب شدت حرارت کے پانی سے خالی تھا۔ اور اُسکی موجودہ ساریں وجود میں نہیں آئی تھیں جنہوں نے بعد میں پہاڑ اور سمندری گہرائیاں بنائیں۔ سمندر کے متعلق یہ خیال محض نظریہ نہیں ہے بلکہ علماء طبقات الارض کا مشاہدہ ہے۔

(کائنات حیات)

اب زندہ کائنات کی بحث سامنے آتی ہے۔ ظاہر ہے بہت شدید حرارت میں زندگی موجود نہیں ہوسکتی۔ اس لیے لازمی طور پر

(پادریوں کا چنگل)

”مرمرے کے اسنے جلاؤں کے پنچہ سے رہائی حاصل کی تھی۔ مگر وائے بد نصیبی، فوراً قسیسوں کے چنگل نے آئے آدبچا! میں یہ اس لیے نہیں کہتا کہ میرے اس پر کوئی تعجب ہے۔ لیکن بلاشبہ یہ عجیب ہے کہ ایسا شریف و نجیب انسان اور پیرس کا اسقف اعظم، جو صرف شریف النسب ہی نہیں بلکہ شریف النفس بھی ہے، کیونتر اپنی جماعت کی بزدلی میں شریک ہو گیا؟ حالانکہ آئے ایسی دنائت سے بلند ہونا چاہیے تھا۔ ایک مذہبی پیشوا ہونے کی حیثیت سے اسکا فرض تھا کہ مظلوم پر ترس نہائے، نہ یہ کہ الٹا مظلوم کے کچلنے پر کمر بستہ ہو جائے۔ وہ مظلوم، جو پلے ہی سے زمانہ کے ہاتھوں کچلا جا چکا ہے“

”اس اسقف اعظم کے تمام حاشیہ بردار اس ناکردہ گناہ کے مثالیانہ پر تل گئے ہیں۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ ہم آئے ضرور بالضرور مٹا دیں گے۔ حقیر سے حقیر واعظ اور ادنیٰ سے ادنیٰ مجاور بھی کوشش کر رہا ہے کہ اس خود ساختہ دشمن کے گلا گھونٹنے کا فخر صرف اسی کو حاصل ہو۔ اور اس کے سر پر فیصلہ کن ضرب اسی کے پاؤں کی ٹھوکر سے لگے!“

(اسقف نے کیوں فتویٰ شائع کیا؟)

”اے میرے سردار! کون شک کر سکتا ہے کہ اگر پیرس کی مجلس حکومت نے میرے خلاف حکم صادر نہ کیا ہوتا، تو آپکو میری کتاب سے بغض کم ہوتا؟ بلاشبہ بعض لوگ یہی خیال ظاہر کرتے ہیں۔ مگر آپ کا حق پسند دل اسے ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔ اے میرے آقا! مجمع بنائیے آپنے اسے پلے میرا رد کرنے کی رحمت کیوں گوارا نہیں کی؟ میں نے آپکے منصب کے خلاف رسالہ شائع کیا، میں نے دی لامبرت کے نام خطوط چھاپے، کئی کتابیں لکھیں، مگر آپکے قلم کو کبھی جنبش نہ ہوئی! حالانکہ میری ان کتابوں میں بالکل ویسے ہی خیالات موجود تھے، جیسے کتاب التریبیت میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ کیا آپنے میری یہ کتابیں نہیں پڑھی تھیں؟ حالانکہ اگر نہ پڑھی ہوتیں تو آپنے اس رد میں ان پر بحث نہ کر سکتے۔ کیا آپ کی یہ خاموشی آپکے دینی فرائض کے خلاف نہ تھی؟ حالانکہ بقول آپکے ان کتابوں میں بھی الحاد کی دعوت دی گئی ہے۔ کیا یہ حقیر مؤلف اس وقت کم خطا کار تھا، اور اب زیادہ ہو گیا ہے؟ حالانکہ آپ آئے پیدائشی خطا کار قرار دیتے ہیں۔ آخر کیا بات تھی جو اتنی مدت تک زبان مبارک نہ ہلی؟ یہ وجہ تو نہ تھی کہ اس وقت آپکے دشمن کم تھے، اور میں بھی خائوں سے گھرا ہوا نہ تھا؟ اس وقت عوام میں میری کتابیں مقبول ہو چکی تھیں اور آپ عوام کے غصے سے ڈرتے تھے؟ لیکن اب، جبکہ حالات میں تبدیلی پیدا ہوئی، میرے دشمنوں نے ایک کر کے مجھے پرورش کر دی، مجمع ملحد اور باغی مشہور کیا، حکومت نے بھی ہتھیار سنبھال لیے، اور آپکے دشمنوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ پیشوائے اعظم ہو کر آپ اس ملحد کے خلاف کچھ نہیں کہتے، گویا اپنی خاموشی سے اُسکی حمایت کر رہے ہیں، تو آپ اپنے منصب کی حفاظت کے خیال سے آتے، اور اپنے دشمنوں کا منہ بند کرنے کیلئے میرے خلاف فتویٰ شائع کر دیا۔ اے میرے آقا! کیا اسی سبب نے آپکو میرے خلاف برا نگینہ کیا؟ اگر ایسا ہی ہے تو بلاشبہ میرے دماغ کو شدت تعبیر سے سکتہ ہو جانا چاہیے!“

اس تمہید کے بعد رسو، اسقف کے بیان کا رد شروع کرتا ہے۔

(صفات الہی)

اسقف نے لکھا تھا:

”رسو کہتا ہے۔ میں خدا کی حقیقت سے بے خبر ہوں۔ لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقی علم، قدرت، ارادہ، اور حکمت رکھتا ہے!“

رسو جواب دیتا ہے: ”خدا کی صفت، علم ہے۔ لیکن اسکا علم کیا ہے؟ انسان کا علم تو اُسکی قوت تفکر میں ہے۔ لیکن علم اقدس کسی تفکر و تأمل کا محتاج نہیں۔ اُسکی تفکر کے لیے نہ تو مقدمات ہیں، نہ نتائج ہیں، نہ فرض و قیاسات ہیں۔ اسکا علم ازلی ہے۔ جو تھا، جو ہے، جو ہوگا، سب اس پر آشکارا ہے۔ تمام حقائق اُسے سامنے ڈرے رنگ سے بھی چھوڑے ہیں۔ تمام دنیا اُسکی نظر میں قطرہ آب سے بھی محدود ہے، تمام اگلے پچھلے زمانے اُسکے نزدیک لمح بصر سے بھی مختصر ہیں“

”باقی رہی قدرت الہی، تو قدرت الہی کا یہ حال ہے کہ انسان کو اپنی قوت عمل کے لیے وسائل عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن خدا کو کسی وسیلے کی ضرورت نہیں۔ قوت الہی خود اپنی قوت سے عمل کرتی ہے۔ خدا قادر ہے، کیونکہ وہ ارادہ رکھتا ہے۔ اور اسکا ارادہ ہی اُسکی قدرت ہے!“

”خدا“ لاریب خیر ہے۔ انسان کا خیال یہ ہے کہ اپنے بنی نوع سے محبت کرے۔ لیکن خدا کا خیال اسکا وہ نظام ہے جس سے وہ کائنات کو سنبھالے اور تمام اجزاء کو باہم جوڑے ہوئے ہے۔

”خدا لاریب عادل ہے۔ عدل الہی بھی اُسکے خیر ہی کا ایک نتیجہ ہے۔ انسان کا ظلم، خود انسان کا اپنا عمل ہے، خدا کا عمل نہیں ہے۔ رنج کا اضطراب، جس کی وجہ سے فلسفہ قدرت الہی کے منکر ہو جاتے ہیں، میری نظر میں اس لا منافی قدرت کو آرزو زیادہ واضح کرنے والا ہے۔ انسان کا عدل یہ ہے کہ ہر حقدار کو اسکا حق دیدے۔ خدا کا عدل یہ ہے کہ ہر ایک سے اپنی نعمتوں اور بخششوں کا حساب لے!“

(حقیقت الہی)

”یہ صفات میں نے عقل کی منطق کی راہ سے معلوم کی ہیں۔ لیکن میرے دماغ میں انکا مفہوم مرتب و مفصل نہیں ہے۔ میں انہیں تسلیم کرتا اور انپر اصرار کرتا ہوں، مگر اُنکی پوری حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ عقل اسکا احاطہ کر ہی نہیں سکتی۔ اس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ میں حقیقت سے لا علم ہوں۔ اور اسلیئے میری حیثیت یہ نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں اور اصرار کرتا ہوں۔ میں اپنے دل سے بے فائدہ کہتا ہوں ”یہی خدا ہے“ میں بے فائدہ اُسکا شعور کرنا چاہتا ہوں۔ میں بے فائدہ اپنے ذہن میں اُسکا تصور کرتا ہوں۔ ”بے فائدہ“ اس لیے کہ اس سے خدا کی حقیقت پر ذرا بھی روشنی نہیں پڑتی۔ میں ہرگز معلوم نہیں کر سکتا، خدا ایسا کیوں ہے؟ اس میں یہ صفات کیونکر قائم و موجود ہیں؟

”میں اُسکی حقیقت جاننے کی جتنی زیادہ کوشش کرتا ہوں اتنی ہی اُسکی حقیقت پوشیدہ ہوتی جاتی ہے۔ میری یہ عقل کی بے بسی مجھے میں اُسکا اعتقاد و ایمان آرزو بھی زیادہ مستحکم کر دیتی ہے۔ میں جس قدر اس کا تصور کم کر سکتا ہوں، اُسی قدر اس سے زیادہ وابستہ ہوتا اور اتنا ہی اُسکی عبادت پر جھکا جاتا ہوں۔ بالآخر اس کے رد پر کو پڑتا ہوں اور کہتا ہوں ”میرا وجود تجھی سے ہے اے خالق کائنات! میں جس قدر زیادہ تجھے میں نور کرتا ہوں، تو اتنا ہی زیادہ میرا نفس بلند کرنا جاتا ہے، مگر تیری حقیقت برابر مجھے سے مستور ہی رہتی ہے! تجھے میں میرا فنا ہو جانا، میری عقل کا سب سے بڑا کارنامہ ہے! تیری عظمت نے میری عقل مبہوت کر دی ہے، مگر میری ناتوانی کو بھی قوت سے بدل دیا ہے!“

عورت اپنے محبوب کی جدائی گوارا کرسکتی ہے مگر اپنے حسن کی جدائی گوارا نہیں کرسکتی — رزبوار

مرد کو شادی کے معاملہ میں اعلیٰ حسن سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ حسن قبضہ میں آئے ہی گھٹ جاتا ہے، مگر اس کی مصیبتیں زندگی بھر باقی رہتی ہیں — رزبر

جس عورت میں بجز حسن کے اور کوئی جوہر نہیں ہوتا، اس کی مثال مرغی کی سی ہے۔ یہ گرم اچھی معلوم ہوتی ہے اور سرد ہوئے ہی اپنا سارا ذائقہ کھودیتی ہے — سیجور (عورت)



حکمت اور شعر کے مختارات

— — — — —

حکماء و شعراء مغرب کے بعض افکار و خراطر

— — — — —

(حسن)

حسن خدا کی مخلوق پر اس کا مہر ہے — پیٹشر

حسن بغیر نزاکت کے ایسا ہے جیسے بے نمک کھانا — امرسن

ارسطو سے پوچھا گیا ”حسن کیا ہے؟“ اس نے جواب دیا ”یہ سوال اندھوں سے کرنا چاہیے۔“ — بیکن

حسن، جہاں بھی ہوتا ہے، سراہا جاتا ہے — گوٹے

حسن، ایک جال ہے، جس سے قدرت عقلوں کا شکار کرتی

ہے — لیگس

عورت کا اپنے حسن پر غرور اس کی طرف سے اقرار ہے کہ اس کے پاس حسن کے سوا کوئی چیز قابلِ فخر نہیں — میڈمزویل فی لسیپیناس

خوبصورت عورت آنکھ کے لیے جنت ہے، قلب کے لیے دوزخ ہے، جیب کے لیے رہزانی ہے۔

خوبصورت، بد صورت سے اسی طرح بچے، جس طرح ذہین، غبی سے بچتا ہے — پوپ

تمہاری یہی کیا کم فتنہ مندی ہے کہ تم خوبصورت ہو؟ — ہرگز

جب ہم میں اس قدر صلاحیت پیدا ہو جالگئی کہ ہم خدا کے ہر عمل میں حسن و جمال محسوس کرنے لگیں، تو اس وقت ہم دعویٰ کرسکیں گے کہ ہم اس کی حقیقت سے واقف ہو گئے ہیں — رسکن

حسن، تمام نوع انسانی کے لیے سعادت ہے۔ ہر مخلوق اس کے زیر اثر آکر بہول جاتی ہے کہ وہ محدود ہے — شیلر

حسن سے محروم عورت، زندگی کی نصف لذت سے محروم ہوتی ہے — مڈیم ٹی موٹارین

حسن بہت ہی کم عمر چیز ہے — ڈی لڈلر

اس یقین سے زیادہ عورت کے لیے کسی بات کا یقین مشکل نہیں کہ وہ اپنے حسن سے محروم ہوگئی ہے — رزبوار

نہی عورت خوبصورت ہوتی ہے، مگر اس کا حسن اس وقت تک نہیں کہلاتا جب تک اس کا دل محبت کے لیے نہیں اعلیٰ جاتا — لا پرنس

حسن، قدرت کا عورت کو سب سے پہلا عطیہ ہے، اور یہی سب سے بڑے اس سے چھن بھی جاتا ہے — میرہ

تمدن اچھی عورتوں کے اقتدار کا نام ہے — امرسن

عورت کی شیرینی گلاب کی طرح جلد ختم ہو جاتی ہے — گوٹے

زندگی کی سب سے لذیذ شیرینی، بیوی کا اپنے شوہر کو مخلصانہ سلام ہے — رلز

عورت کی انانیت اپنے اندر در انانیتیں رکھتی ہے — مڈیم ٹی اسٹائل

خدا کی انسان پر سب سے قیمتی بخشش، عورت ہے۔ گویا کاش، عورت تنہا میرا ہی حصہ ہوتی! — اربیدس

عورت انسان اور فرشتہ کے بین بین ایک مخلوق ہے — بلزاک

عورت اس شخص کو حقیر سمجھتی ہے جو اس سے محبت نہیں کرتا ہے، مگر وہ خود اس سے محبت نہیں کرتی — ایلز بیٹھ

اسٹوڈرٹ

* *

انسان اپنے نفس کو اسی وقت سمجھ سکتا ہے جب وہ مصیبت میں پوتا ہے — الفردے ٹی موسیہ

شک، ہمیشہ امید کے پیچھے لگا رہتا ہے — بلزاک

ترقی لگتی چال چلتی ہے — سانت بر

نا مکمل تعزیت سے رنج زیادہ ہو جاتا ہے — رزبر

عظمت، طمع، فوج، جنگی جہاز، تاج، تخت؛ یہ انسان کے کھلونے ہیں جب وہ بڑا ہو جاتا ہے — رگنر ہیرگر

میری تمام مصائب کی علت یہ ہے کہ میں لوگوں سے حسن ظن رکھتا تھا — رزبر

(ذہانت)

ذہانت کیا ہے؟ یہ محض سمجھنے کی صلاحیت ہی کا نام نہیں ہے۔ کیونکہ حیوان بھی سمجھ رکھتا ہے مگر ہم اسے ذہین نہیں کہہ سکتے۔ سیاہی اپنی دیوٹی سمجھتا اور پوری کرتا ہے مگر

ذہین نہیں کہلاتا۔ بندر کی ذہانت، محض ایک بے نتیجہ عقلی اضطراب ہے۔ جو بچہ اپنی حرکتوں سے تمہیں ہنساتا ہے، ذہین نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں بندر کی جبلت آگئی ہے۔ جو عورت

بہت سی اشیاء کا علم رکھتی ہے، ذہین نہیں ہے۔ کیونکہ معمولی باتیں اس کے دماغ کو پرانگندہ کر دالتی ہیں۔ کیا حساب داں ذہین

ہوتا ہے؟ شاعر کی نظر میں حساب داں مالیخولیا کا مریض ہے! نیا شاعر، ذہین ہوتا ہے؟ ریاضی داں شاعر کو سراسر پیرقوف سمجھتا

ہے! ماهر مالیات کی نظر میں ناول نویس، دزد پاؤں کا احمق خیالی ہے! جو آدمی، دروازے کا نظریہ بناتا ہے، کیا ذہین ہے؟ کیا ہمیشہ

خاموش رہنے والا ذہین ہے؟ کیا اپنی عینک کے شیشوں سے، سرد اور

بے اثر نظروں سے تمہیں دیکھنے والا ذہین ہے؟ نہیں!

ذہانت کی تعریف ناممکن ہے — لا مارٹین

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی کو گھرا لے ہیں، تو کبھی کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتنے قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہوا
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے اڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں ہی

ہر چھپاؤ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرستیں شائع ہوا کرتی ہیں

یاد رکھئے

موسم گرما کا نایاب تحفہ

صرف ہمدرد دواخانہ میں ملے گا

شریت روح افزا ۱۹۳۳ء (جڑوا)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم باسلی ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر بغیریزی و خرفن مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک فیر تک شہرت حاصل کر چکا ہے اور جسکو چشم بد و چشم سے مغفلاً رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے گورنٹ سے رجسٹر بھی کر لیا گیا ہے۔

محرم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے فوائد کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل دہم شت قانہ خریداری اسکی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسے وسیع براعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی مشاورت میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و لذت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فوایدات مثل انگور، سیب، رنگتہ و دیگر ادبیت ہی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے، خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور جگر مرٹ کو دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب و دران سرد و سردی و دیگر شکایات کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

مندی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر الطہر رنگ و لہریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اسکی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خردا ہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ بول دیکھ کر اس کا استعمال کر کے جھیدار شدہ فوہر ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہو اور جس کی ہر چیز دیسی ہو خوش ہوں گے اور بادیہ اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی غفلت ترک نہیں کھاتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا لہا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شربت خرید کرتے وقت دیکھنا کہ کھائیں بلکہ بول پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیل اور ہر لفظ و جڑ و فوہر کو ملاحظہ فرمائیں واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہے۔

تارکا کافی تپہ ہمدرد، دہلی

تپہ - ہمدرد دواخانہ دہلی

دہم
(ضیق نفیس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب افروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD
کیمشہور عالم دوا کا منگولہ
استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما گائیڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات، اور آثار قدیمہ وغیرہ آپ کو مطلع کر دیں۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف

ڈنلاپ گائیڈ بوک برٹین

The Dunchop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشن کے منگ بٹل بول سکتی ہے

برید فرنگ

روس کا نفس پرست شاہی راز

راس بوٹین

خاندان زار کی تاریخ کا آخری صفحہ

زمین حذر نہ کنی گر لباس دین ام
نصفہ کا زم وبت در آستین ام!

کیا آپ کو معلوم نہیں
کہ

اس وقت دنیا کا بہترین فائنٹین مسلم
امریکن کارخانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“ قلم ہو؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت
یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی
بھر کام دے سکتا ہو

(۳) آتنا خوبصورت، سبز، مسخ اور سنری
بیل بوٹوں سے مزین کہ آتنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو

شیفر کا

”لائف ٹائم“

یاد رکھئے

راس بوٹین کون تھا؟

راس بوٹین جس سے زارینا کی عقیدت، پرستش کی حد تک پہنچ گئی تھی، سائبریا کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ اپنے عہد کا مشہور قزاق تھا، راس بوٹین نے ہوش سنبھالتے ہی باپ کی پیروی کر لیا اور قرب و جوار کے علاقے تاخت و تاراج کرنے لگا۔ یہ بڑا ماہر ڈاکو تھا۔ گھوڑے چرانے میں اسے خاص کمال تھا۔ بار بار گرفتار ہوا مگر جرات انگیز طور پر ہیشہ بچ نکلتا رہا۔ ایک مرتبہ اسے پولیس نے بری طرح زد و کوب بھی کیا تھا۔ چنانچہ اس کے ذہم کا نشان عمر بھر اس کے سر میں نمایاں رہا۔

راہب کیسے بنا؟

ایک مرتبہ اتفاق سے اس کا گزر ایک بڑی خانقاہ میں ہوا۔ یہ خانقاہ دراصل خطا کا گڑھ تھا۔ لوگوں کے قید کرنے کا محبس تھا۔ رہتا بوٹین کی ملاقات وہاں چند راہبوں سے ہوئی۔ وہ ملا کا ذہن تھا اسے دیکھا راہبوں کی زندگی، دنیا کا مٹنے کے لئے بہترین زندگی ہو۔ قزاقانہ طرز معیشت نے اسے جہاں کی تھالین برداشت کرنے کا خوگر بنادیا تھا۔ اسے خیال کیا ”میں بڑی آسانی سے راہب بن سکتا ہوں“ چنانچہ وہ برابر ان راہبوں سے ملتا جلتا رہا۔ ان کے انجیل پڑھی۔ عبادت و ریاضت کے طریقے معلوم کئے۔ وہ بہت جلد سچی مذہب اور رہبانیت کا عالم بن گیا۔

اب اسے سخت مجاہدے اور ریاضتیں شروع کر دیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس کی شہرت قرب و جوار میں پھیل گئی۔ لوگ اس قزاق کو دلی امداد سمجھنے لگے۔ اسی زمانہ میں سینٹ پیٹر برگ (سین گراڈ) کے ایک بپ نے اسے دیکھا، اس کے زہد و تقویٰ اور مجاہدہ و ریاضت سے نہایت متاثر ہوا۔ اپنے ساتھ اپنے تخت لے گیا اور محل شاہی میں داخل کر دیا۔

زارینا کی عقیدت

زارینا (ملکہ روس) اسے دیکھتے ہی عقیدہ ہو گئی۔ راس بوٹین نے بھی یہ بات محسوس کر لی۔ اپنا اثر اور زیادہ بڑھتا اور وسیع کرنے لگا۔ حتیٰ کہ زار بھی اس کا جادو دیکھ گیا۔ شہنشاہ اور ملکہ انتہائی شوق و خضوع کے ساتھ اس کے گئے اپنے گوشوں پر بیٹھتے تھے۔

انیسویں صدی کا سب سے زیادہ ہولناک گروہت انگیز واقعہ روس کے خاندان شاہی کی بربادی ہو۔ خود زار، زارینہ، ولی عہد، تمام شاہزادے، تیسرا پورا خاندان گولی مار کر قتل کر ڈالا گیا! یہ واقعہ فرنگ کے کوئی شاہزادہ اور اس کے خاندان کے قتل سے بھی دہشتناک ہوا۔ روس کے خاندان شاہی کی بربادی اور انقلاب سلطنت پر بکثرت کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ادنان تمام اسباب پر شرح و بسط سے بحث کی جا چکی ہو جو ان عظیم تغیرات و حوادث کا موجب ہوئے۔ ان اسباب میں سب سے بڑا اور سب سے عجیب سبب وہ ہے، جو بیسویں صدی کی متمدن دنیا کے لئے سخت حیرت انگیز ہوا ہے۔ یعنی روس کے مکران اور اس کی ملکہ کی مذہبی توہم پرستی، زہد اعتقادی، اور علم و عقل کو محرومی جو! یہ بات ثابت ہو چکی ہو کہ ان تمام باتوں کی اصل ایک راہب تھا، جسکے نام تو دیر میں زارینا اور زار پھنس گئے تھے۔

مشہور روسی شاہزادہ پرنس یوسوف کا روزنامہ پچھلے دنوں شائع ہوا ہے۔ اس سے اس معاملہ پر اور بھی زیادہ گہری روشنی پڑتی ہے۔ اس بلے میں پرنس کے بیانات بہت اہم ہیں کیونکہ وہ تمام واقعات کا شاہد عینی تھا۔ صرف شاہد عینی ہی نہیں بلکہ راہب بوٹین کا قابل بھی وہی ہے۔

اس روزنامہ پر ابھی دنیائے فہمی طرح لئے ذلی نہیں کی تھی، کہ اس سلسلے کے ایک دوسرے راز کا انکشاف ہو گیا۔ یعنی یکایک دنیائے ہاتھوں میں ایک نئی کتاب بچ گئی جو خود اسی راہب کی لڑکی صوفیا کے قلم سے لکھی ہو اور اس کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ اس نئے بیان نے معاملہ کا ایک دوسرا رخ واضح کر دیا، اور دینا اس نئے انکشاف سے انگشت بدندان ہو کر رہ گئی!

پچھلے دنوں ان دونوں کتابوں کا مختصر خلاصہ ہندوستان کے انگریزی اخبارات میں شائع ہوا تھا، لیکن ہمیں تجویز ہے کہ زیادہ تفصیل کے ساتھ حالات روشنی میں آئیں خصوصاً پرنس کی بیان کردہ تفصیلات معلوم ہوں جسے ملکہ کے اصلی خطوط بھی شائع کر دیے ہیں۔ اب یہ تمام ذہن پر ہائے سامنے ہے۔ ہم پہلے پرنس کے روزنامہ کی ایک گہری تفصیل پیش کرتے ہیں، جس سے اس عجیب غریب راہب کے حالات و اعمال پر فہمی روشنی پڑے گی۔

فدائیان اسلام پر رضا کا ہجوم کیوں ہو؟

اگر آپ کو قوم کے ظاہری و باطنی امراض اور ان کے علاج کا علم حاصل کرنا ہو تو اجمعیۃ ملاحظہ فرمائیے۔

”الجمعیۃ“ تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہو جو علماء کی زبان اکملانے کا سعی ہو اور جس کا اہم ترین مقصد ملتِ بیضا کی محافظت ہو۔ مقدس مذہب اسلام کے خلاف حملوں کا دندان شکن جواب دینا اور واقعات کی تحقیقات تنقید اس کا مخصوص طریقہ ہو۔

اس نالے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے اخبار بھی ایک ضروری چیز ہو گیا ہو اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی قائم رکھنے کے لئے اس کی حاجت ہو۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو لازم ہو کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فرائض سے اہم سمجھیں اور اس خاک کو جو مذہب کا محافظ ہو اور اصلاحِ قوم کا علمبردار بھی اشاعت اور ترقی کے اعلیٰ درجے پر پہنچائیں۔ حق کی آواز جہد و کثرت سے لوگوں کے کان میں جا سیکھائی جائے۔ اخبار اجمعیۃ کی پانچ خصوصیات

- (۱) تمام سیاسی و مذہبی مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث کرنا ہو
- (۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین شائع کر کے مخالفین اسلام کو خاموش کرنا ہو۔ (۳) عربی، فارسی، اردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرنا ہو (۴) ہندوستان

مولانا مفتی محمد کفایت الدین صاحب صدیقہ جلیہ علماء ہند کے قافلے کی اشاعت کرنا ہو (۵) ایک کلام تفریح کا بھی ہونا ہو جس سے ان کی دلچسپی میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہو۔ ہفتہ میں دو بار شائع ہونا ہو

نصیحت پر چل کر کم کامیاب ہو سکتے ہیں۔۔۔ ایک اور خط میں حنبلی پر جوش افغانی لکھتے ہیں:

”یہ لوگ تھیں جو قوت بنا دی ہیں۔ تمہارا مذاق اڑاتے ہیں تم اپنے کمزور کیوں ہو گئے ہو؟ اٹھو، پھر اٹھو مجاؤ۔ ان بدعنوانی کو لات مار کر گرادو۔ مجھے تمہاری کمزوری دیکھ کر سخت صدمہ ہوتا ہے ہمت باندھو اور ڈوٹا کو توڑ دو۔ ان تمام بغاوت پسندوں کو ایک ایک کر کے سا برباد کر دو۔ ہم اس وقت جنگ میں ہیں۔ اندرونی بغاوت، میدان جنگ کی شکست سے بھی زیادہ ہلک ہوگی۔ تمہارا خیال وہ کیوں نہیں ہو جو میرا ہو؟ میں نہیں سمجھ سکتی ایسا کیوں ہو؟ بلاشبہ میں ایک عورت ہوں لیکن عقل و ضمیر رکھتی ہوں میں جانتی ہوں، دوس کی نجات اسی میں ہو جو ہمارے مرشد کا حکم ہو۔ تھیں یا نہیں فرانسسسی مدیر مسیو قلب نے کیا کیا تھا؟ اسے کیا تھا؟ دوس کو حکومت خود اختیار دی دینا، دوس کو بڑا کر دینا، گنا اور خود زار کو بھی ایسا ہر پتے دوس کا بھی خیال ہو۔ میں جانتی ہوں، تھیں میری اس سخت کلامی سے تکلیف ہوگی۔ مگر میں پھر مجبور ہوئی ہوں۔ دوس کی ملکہ، زار کی بیوی، اور دلی عہد کی ماں ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہو کہ اپنے خیالات تک پہنچا دیا کرو نیز اپنے مرشد کی نصیحتوں سے بھی تھیں خبردار کرتی رہوں۔۔۔“

پانچویں خط میں بھی ”مرشد“ کے احکام کی تعمیل پر پورا زور دیا گیا ہو:

”میری زندگی کا سب سے بڑا ارادہ یہ ہے کہ تھیں دشمن کے سامنے اس طرح سر بلند دیکھوں جس طرح شیر، لوٹروں کے سامنے ہوتا ہے تم ان جمہوریت پسند کینوں کے ساتھ کیوں جیتے ہو؟ طاقتور حاکم کو یہ نہیں بچائے؟ اگر تم اگر جاؤ گے تو یہ سب بڑوں سر جھکا دینگے۔ یاد رکھو، تمہاری اور دوس کی نجات صرف اس میں ہو کہ اس مرشد کا حکم کے حکموں کی تعمیل کرتے رہو۔۔۔“

مقدس نفس پرستی!

یہ حال ملکہ کی عقیدت کا تھا، حالانکہ اس راہب کی بیخ کی زندگی ناقابل بیان حد تک فاسقہ تھی۔ اس وقت دوس میں ”کلیسٹیم“ کا بہت زور تھا۔ ”کلیسٹیم“ باقاعدہ مقدس نفس پرستی کا دوسرا نام ہو۔ اس مذہب کے متبعین کا عقیدہ تھا کہ تواریشوں، خدا کا ایک عظیم علیہ ہیں۔ اس شخص کا شکریہ اسی طرح ادا کیا جاسکتا ہو کہ ان سے انسان دل کو لکھ کر متبع ہو، اور ہرگز ان کے استعمال میں مکمل نہ کرے۔ چنانچہ یہ لوگ مفت و بھوک میں اس درجے پر روک ہو کہ کسی طرح بھی قلم اس کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا۔ تفصیلات ناگفتہ بہ ہیں۔ راسبوتیں بھی اسی گروہ میں شامل تھا۔ قسرا ہی میں زہد و تقشف ظاہر کرتا، اور باہر اگر شراب خواری اور ہر طرح کے فسق و فجور میں ہوتا ہوا تھا!

زمین حذر نہ کنی گر لباسِ دین نام
نہضتہ کافر دم و دین در استین نام
راہب سے پرنس کا تعارف

آگے چل کر پرنس یوسوف لکھتا ہو:

”راہب راسبوتیں سے میری پہلی ملاقات ۱۹۱۷ء میں اپنی جنگ عمومی سے ۵ سال پہلے ہوئی تھی۔ میرے دوست ج... کی لڑکی م... دوس کی حسین ترین و ڈیڑھ تھی۔ پہلی ہی نظر میں انسان اس کے معصوم حسن جمال اور قلب کی طہارت کا قابل ہو جاتا تھا۔ سیر بھائی کو اس سے عشق تھا۔ وہ بھی اس کی محبت میں سرشار تھی لیکن بہت سی سے وہ بھی راسبوتیں کے جال میں پھنس گئی۔ اپنے دل کی نیکی اور صدمہ سے زیادہ تقویٰ کی وجہ سے یقین کرتی تھی کہ وہ دلی اسرار و تقدیر کا

اور ”سیخ ثانی“ تصور کرتے تھے۔ وہ جب چاہتا ملا اجازت محل میں داخل ہو جاتا۔ زار اور زارینا کو طلب کر لیا کرتا۔ محل میں اسے بالکل دہی ہی آزادی حاصل تھی جیسی خود زار کو۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اسے روٹیں کی شان میں ایک لفظ بھی منہ سے نکال سکتا۔ ملکہ کو از حد غلٹھا اسے اپنے آپ کو بالکل اس دجال کے حوالہ کر دیا تھا۔

ملکہ کی مجزانہ عقیدت کا ثبوت اس کے ان خطوں سے بھی ملتا ہو جو دسمبر ۱۹۱۷ء یعنی انقلابِ حکومت سے صرف تین مہینے پہلے اسے زار کو لکھے تھے۔ پرنس یوسوف نے یہ خطوط اپنے روزنامہ میں نقل کر دیے ہیں۔ ان سے دوس کے خاندان شاہی کی ذہنیت پر عجیب نشی پڑتی ہو۔ صاف معلوم ہو جاتا ہو کہ زار کس درجہ کمزور دل و دماغ کا آدمی تھا، اور زارینا کس درجہ بے اختیار خیال گرا تھا ہی اپنے شہر پر کس قدر حاوی تھی؟ ذیل میں صرف چند خط بطور نمونے کے ملاحظہ ہوں:

زارینہ کے خطوط

ایک خط میں زارینہ ”بروٹون“ کو وزیر داخلہ بنانے کی سفارش کرتی ہو۔ یہ شخص راسبوتیں کا پروردہ تھا۔ راسبوتیں چاہتا تھا اسے وزیر داخلہ بنا کر پرنس پر وہ تمام ملک پر حکومت کرے۔ زارینہ اپنے شوہر کو لکھتی ہو:

”بروٹون کو وزیر بنا دو۔ مخالفوں کی مخالفت کی ذرا بھی پرواہ نہ کرو، دوس وہ جری ہو جائیں گے اور برابر روئیں ہی دباتے رہیں گے وہ سمجھیں گے تم ان سے ڈرتے ہو۔ وزیر اعظم اور ڈوڈا پارلیمنٹ کے صدر کی کیا حقیقت ہو؟ یہ ذلیل آدمی ہیں۔ کیونکہ ”مقدس باب“ (یعنی راسبوتیں) نے ان کی بات ہی خیال ظاہر کیا ہو۔ بروٹون کو میری خاطر وزیر بنا دو۔ کیونکہ وہ تم پر، تمہارے بچوں پر اور دوس پر جان دیتا ہو۔ ایک ٹرے پادی نے مجھ سے کہا ہو: ”وہ سلطنت بھی بڑا دینیں جو سبھی جس کی حفاظت پر دی ہوئے ہیں!“ یہ قول بالکل صحیح ہو۔ لہذا میں چاہئے کہ اپنے دلی (راسبوتیں) پر عبور نہ کریں، اس کی اطاعت کریں، اس کی نصیحتوں پر عمل کریں۔ ہمارے دلی کی یہی نصیحت ہو کہ بروٹون وزیر بنا دیا جائے۔ لہذا اسے قبول کرنے میں تاکی نہ کرو۔ یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے دلی سے کوئی بات بھی مخفی رہتی ہو۔ سچ نے اسے سب کچھ دکھایا ہو۔ وہ جب کوئی دعا کرتا ہو، پوری ہو جاتی ہو۔ جس بات کو اچھا کہتا ہو، اچھی ہو جاتی ہو۔ جسے بُرا کہتا ہو، وہ بُرا ہی ثابت ہوتا ہو۔ ہم سے تم سے بہت غلطیاں ہو جاتی ہیں، مگر ہمارے اس مقدس مرشد سے کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ اس سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔۔۔“

ایک دوسرے خط میں لکھتی ہو:

”دوڈا (پارلیمنٹ) فوراً توڑ دو۔ مخالفوں کی کوشش ہو کہ اس وقت ڈوڈا کے جلسے برابر جاری رہیں، تاکہ خدا کی راہیں بند نہ ہوں وزیر اعظم نے یہ حکم تھیں دیا کہ اگر ڈوڈا توڑ دی جائے گی تو اس کے ممبروں میں پھیل کر دیا کو بھڑکائیں گے۔ یہ وزیر اعظم کا کھلا دھوکا ہو۔ کیونکہ ہمارے مرشد کا قول ہو: اگر یہ لوگ رعایا سے جا کر بڑی گئی کریں گے تو کوئی بھی ان کا یقین نہ کرے گا۔ ان کی ساری قوت، ان کے ایک جگہ جمع ہونے میں ہو۔ لہذا ڈوڈا توڑ کر ان سریر کو منتشر کر دو۔“

ایک دوسرے خط کا مضمون یہ ہو:

”معاذِ خوب سوچو۔ یقین کرو ہمارے مرشد کی نصیحت میں تمہارے لئے سرسبز بھلائی ہو۔۔۔ بیایے! میری دل آرزو ہو کہ تم ڈوڈا توڑ دو۔ یہ لوگ انداز سازش کر رہے ہیں اور تم سے آکر چکی چڑھی باتیں بناتے ہیں۔ تم اپنی نیکی کی وجہ سے ان کی باتوں میں آ جاتے ہو۔ یقین کرو، ہمارے مرشد نے جو کچھ کہنا ہو، وہی ٹھیک ہو۔ انکی

عقیدت نہیں عشق تھا!

”زارینہ کا تعلق میرے باپ سے دینی عقیدت کے رنگ میں شروع ہوا۔ مگر بہت جلد عقیدت نے محبت کی شکل اختیار کر لی، اور بتدریج محبت، عشق کے درجہ تک پہنچ گئی۔ اُسے کئی بار میرے والد سے کہا ”میں، زارہ سے بیزار ہو گئی ہوں، وہ ایک دوسری عورت سے وابستہ ہو۔ میں اُس سے طلاق لے لوں گی، بشرطیکہ تم مجھ کو شادی کر لو“ میرا باپ نادان نہ تھا۔ وہ جانتا تھا، یہ واقعہ کبھی ہر لڑکے کے ساتھ پیدا کرے گا، چنانچہ وہ زارینہ کو ایسا کرنے سے ہمیشہ روکتا تھا“

اس کے بعد صوفیہ دکھتی ہو

”یہ کوئی فرضی بات نہیں ہو۔ اس کا ثبوت خود زارینہ کے اذکار میں موجود ہو، جو اس وقت بالشوکی حکومت کے قید میں ہو۔ زارینہ، خود مجھے بھی بہت محبت کرتی تھی اور اکثر کہا کرتی تھی ”میں بہت جلد تمھارے گھر میں آ جاؤں گی۔ اُس وقت میں تمھاری ماں اور تم میری لڑکی ہو جاؤں گی!“

تو فیہ نے اپنے دوس سے بچ بچنے کی داستان بھی لکھی ہو۔

دہ کئی ہو

”جب میرا باپ تل ہو گیا تو میرے پاس دو ہزار روپے کی دولت (دینی سکھ) موجود تھے۔ میں نے سپاہیوں کو یہ رقم رشوت میں دے دی اور جان لے کر بھاگ نکلی“

راسبوتین کی اخلاقی سیرت، ملکہ کی اُس سے سید غایت الدینی اور وہ تمام حالات جو اس سلسلے میں سامنے آتے ہیں، اگر بغور دیکھے جائیں، تو صوفیہ کا بیان قرین صواب معلوم ہوتا ہو۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ اس صورت میں بد نصیب ملکہ کو ”مرشد“ کی مذہبی عقیدت سے نانی تصور کر لیا جائے۔ اس دنیا میں مذہبی عقیدت جب جہل و قیوم پرستی سے لجاتی ہے تو اُس کے عجائب و خوارق کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ بار بار یہ بات دیکھی گئی ہو کہ لوگ مذہبی عقیدت کے ساتھ ہر طرح کے اخلاقی اور مذہبی معاصی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں، اور نہ صرف اس مذہبی عقیدت ساز نہیں ہوتی، بلکہ معاصی و فسق پر بھی مذہب کے پراسرار تقدس کا پردہ پڑ جاتا ہو۔ ہیں اس میں کوئی تعجب نہ ہوگا اگر ثابت ہو جائے کہ یہ بد بخت ملکہ اپنے اس ”مرشد“ کی ناجائز خواہشوں کا شکار تھی اور اس پر بھی اسے اپنا ”مرشد“ اور ”مقدس“ دلی ”یقین“ کرتی تھی۔ جب جواز و عدم جواز کا مابین حقیقت کی جگہ عقیدت ہو جاتی ہو، تو پھر کوئی چیز بھی ناجائز نہیں ہوسکتی۔ مذہب و تقدس کی ریاکاری کی تاریخ اس طرح کے واقعات کی ایک مسلسل داستان ہو اور اب تک دنیا اُس میں برابر اضافہ کر رہی ہو۔

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر عالم میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد بن کر ان کے لئے استعمال کی جاسکتی ہو؟ اور اسلام کی رو سے ایسی عبادت گاہوں کا رد و رد و بلا اختیار مذہب امت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہو؟

اسلام میں جہاد کتنے اچھے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دیکھ کر گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے ساتھ یہاں لکھتے ہیں (بارہ آئے) غیر اہل علم

کیا حتیٰ کہ خود زار کی والدہ نے بھی راسب کی بہت مخالفت کی مگر زارینہ کچھ اس طرح اس مقدس مرشد کے دام میں پھنس گئی تھی کہ اس کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سن لینا گوارا نہیں کرتی تھی!

جنگ عظیم

۱۹۱۱ء میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ اُس وقت سے کاشیہ کیونکہ جانتے تھے، اب اس راسب سے کیسے کیسے خطرہ پیدا ہو سکتا ہو۔ مصیبت یہ بھی کہ زار اور زارینہ نے اپنے دوستوں سے بے ممانی برتی اور سر راسب کے ہونے پر۔ جب کبھی ہم لوگوں نے اُس کے خلاف مشق التجا میں کرنی چاہیں، تو ملکہ نے صاف صاف کہا: ”میں اپنے دروہ راسبوتین کی شان میں ایک حرف بھی کہنے کی اجازت نہ دوں گی!“

راسب کی تصویر

”جزل ڈانگو ناب وزیر داخلہ، راسبوتین کی حقیقت سے واقف تھا۔ اُسے بڑی کوشش سے ”کلیسیٹیم“ والوں کے ایک جملہ مرتفع حاصل کیا۔ اس مرتفع میں راسبوتین کا نقشہ نقشہ و نقشہ کی حالت میں منظر آتا تھا۔ جزل نے تصویر، زارینہ کے سامنے رکھ دی۔ مگر زارینہ کی عقیدت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ اُلٹی جزل پر غصا ہوئی۔ تصویر جلی قرار دی گئی، اور جن جن لوگوں پر راسبوتین نے جھل بننا کا شبہ کیا، انھیں سخت سزائیں ملیں!“

راسب جرمین جاسوس تھا

جنگ میں روسیوں جس طرح برباد ہوئے، اُس کی داستان بہت ہی دردناک ہو۔ لیکن یہ واقعہ کہ ان تمام مصائب کی اصل علت راسبوتین ہی کی ذات اور اُس کی خیانت تھی۔ وہ دراصل، جرمین جاسوس بن گیا تھا۔ روسی فوجوں کی قتل و حرکت کی خبریں جہنی اور آسٹریا کے جنگی دفاتر کو روز بھر کرا رہا تھا۔ یہ بات زیادہ مدت تک چھپ نہیں سکتی تھی۔ بہت جلد تمام ملک اس عظیم سکار کی حقیقت سے واقف ہو گیا، اور محل شاہی سے اُس کی علیحدگی پر زور دینے لگا مگر جوں جوں اُس کی مخالفت بڑھتی گئی، زارینہ کی عقیدت بھی بڑھتی گئی۔ آخر اُس کا اقتدار یہاں تک بڑھ گیا کہ سیر سالادوں کا غلہ و نصب اور میدان جنگ کے نقشوں کی تجویز بھی اُس کی رائے سے ہونے لگی۔ وہ خود اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتا تھا۔ جرمین افسر اسے دقتاً دیکھتے رہتے تھے کہ کلاں روسی افسر کو مغرور کر دینا چاہتے فلاں مقام ہمارے لئے مضر ہو۔ وہاں سے فوج ہٹا دی جائے۔ یہ اُس کے احکام کے مطابق یہاں لئے ظاہر کرتا، اور زار اُس کی قور قوریل کرتا۔ نہ کرتا تو زور دواتے کے لئے ملکہ موجود تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روس کی تمام فوجیں بگاڑ مونی کی طرح کٹنے لگیں۔ وہ جس طرح کڑی کر تیں دکھتیں جرمین فوج پہلے سے اُن کی ہلاکت کا سامان طیارہ کئے موجود ہو۔

بائیں ہم زار اور ملکہ کا تمام اعتماد اسی ”مرشد“ پر تھا۔ وہ کہتے تھے اس جنگ میں ہم فوج سے نہیں بلکہ اپنے ”مرشد“ کی توجہ و برکت سے فتح پائیں گے!

راسب کی لڑکی کا بیان

یہ تو پرنس یوسوبوٹ کا بیان تھا۔ اب خود راسبوتین کی لڑکی کا بیان سنئے۔ دصاحب البیت اور دمی ہما فیہ۔ اس لڑکی کا نام صوفیہ راسبوتین ہو۔ ایک دینا اس کے جد سے بے خبر تھی۔ لیکن حال ہی میں یہ ظاہر ہوئی، اور ایک مختصر کتاب میں اپنی یادداشتیں جمع کر کے چھاپ دیں۔ یہ اپنے باپ اور زارینہ کے تعلقات پر ایک بالکل مختلف منظر کی روشنی ڈالتی ہو۔ اُس کے بیان نے یورپ کے اخبارات میں ہلکا چلا دیا ہو۔ وہ لکھتی ہو:

”ہاں نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی، اور اُس کی فاسق طبیعت ہرگز گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ ایسی جین لڑکی اُس کے دائرہ عقیدت سے نکل جائے۔ چنانچہ ہر ممکن تدبیر سے اپنا اثر بڑھاتا اور وہ میز کو اپنے زیادہ سے زیادہ قریب کر جاتا تھا“

”ہم موصوفہ نے مجھے اپنے والد کے محل میں راسبوتین سے ملاقات کے لئے دعوت دی۔ وہ اُس کے باپ سے اس طرح گفتگو کرتی تھی جس طرح پیغمبروں کے باپ سے کی جاتی ہو۔ لیکن مجھے اُس سے طبعاً نفرت تھی۔ اُسے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، تاہم میرا دل اُس کی کراہت سے لرزتا تھا۔ یہی وجہ ہو کہ جب وہ ایران میں داخل ہوا، تو مجھے اپنا اُجھا چھپانے کے لئے جدوجہد کرنی پڑی۔ اُسے سب سے مصافحہ کیا اور کہا کہ بوسہ لیا، حتیٰ کہ س... کا بھی۔ میں نے بھی مصافحہ کیا مگر اپنا بوسہ لینے نہیں دیا (روس میں قاعدہ ہو کہ بزرگ چھوٹوں کا بوسہ لیا کرتے ہیں) میں نے دیکھا کہ اُس کا بوسہ لیتے وقت اُس کی آنکھیں غری سمی طور پر چپکنے لگی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ اُس کے اندر بہتیت پوری طرح کام کر رہی ہو۔

میں نے اُس کے خط و خال پر نظر غائر ڈالی۔ دریا نہ تھا۔ مضبوط کاٹھی تھی۔ سر بڑا، بال لمبے اور داڑھی گھٹی تھی۔ سر کا ایک حصہ بالوں سے بالکل خالی تھا۔ یہ اُسی زخم کا نشان تھا جو قزاقی کے زمانہ میں لگا تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر ۴۰ سال کی ہوگی۔ لمبا آدھ گوا اور بہت ڈھیلے پانچوں کا پانچا پہنے تھا۔ اُس کا چہرہ بالکل دسی کسانوں کا سا تھا۔ بیضی شکل کا، مگر طرح کے تناسب سے محروم وہ یقیناً نہایت بد صورت آدمی تھا۔ جیسے کہ تمام نفس انسان ہوا کرتے ہیں“

”اُس کی حرکات و سکنات متکبرانہ تھیں۔ حالانکہ شان و کھتری یہ صرف اس لئے کہ اُسے حاضرین پر اپنے اثر کا یقین تھا۔ سب لوگ اُسے انتہائی عقیدت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ وہ خود بھی ابھی تھیں تھیں۔ نظروں سے دیکھتا۔ وہ اُن کے خیالات معلوم کرنے کی کوشش میں تھا۔ لیکن ہم س... پر اُس کی نظروں بالکل دوسرا انداز رکھتی تھیں وہ اُسے پر ہوس نکا ہوں سے دیکھتا تھا۔ ہر لمحہ میری نفرت بڑھتی جاتی تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ دلیوں کے اس لباس میں ایک خبیث نفس مدفون ہو“

”چائے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گیا اور زار دارانہ انداز سے کہنے لگا ”تمھاری دوست س... کس قدر حسین ہو! کوشش کرو کہ تمھاری رفیق زندگی بن جائے، صرف جسم ہی سے نہیں بلکہ رُوح سے بھی۔ تمھارے باپ سے اُسے مجھ سے بارگفتگو کی ہو۔ وہ تمھاری طرف بہت مائل ہو۔ مجھے یقین ہو، شادی کے بعد تم دونوں کی مسرت و سعادت باؤں گے!“

اس ملاقات سے چند دن بعد س... نے مجھ سے کہا ”راسبوتین تم سے اذ حد من لکھا ہو اور دوبارہ ملاقات کرنی چاہتا ہو“

راسب اور زار کی والدہ

”اُس وقت کوئی بھی اُس خطرے سے واقف نہ تھا جو روس کے شاہی خاندان کو اس پراسرار راسب کی وجہ سے لاحق ہو گیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ قصر شاہی میں اُس کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ زار کے تمام مقرب اُس کا اثر و اقتدار دیکھ کر اُس کی خوشامد میں لگے تھے۔ لیکن مجھے اور میری ماں کو اُس سے سخت نفرت تھی۔ ہم محسوس کرنے لگے تھے کہ ایک نہ ایک دن زار کو اس راسب کے ہاتھوں روز بد دیکھا پڑے گا۔ چنانچہ میری ماں نے زارینہ کو کئی مرتبہ متنبہ کیا اور اس حال کے دور کرنے پر زور دیا۔ خاندان شاہی کے چند اور لوگوں کا بھی یہی خیال تھا۔ انھوں نے بھی میری ماں سے اتفاق

بریشرق

نوجوان ترکی پر ایک نظر

کچھ عرصہ سے بعض مشاہیر نے ایک خاص نمائندہ ترکی بھیجا ہے تاکہ وہاں کی موجودہ اجتماعی زندگی کا مطالعہ کرے۔ اس کی بخت تحریریں تحریر کے اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں، اور ہم فرائض پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں ہم بعض غور کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

انگورہ

ترکی جمہوریت کی جنم بھومی "انگورہ" ہنوز ایک تصبیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے شہر کہنا ایک حد تک غلط ہوگا۔ مکان عموماً پت، ایک منزلہ اور قدیم طرز کے ہیں۔ شڑکیں بھی تنگ ہیں۔ ہول سناتا، معمولی بجے کے ہیں۔ شہری زندگی کے دائرہ کم دستیاب ہوتے ہیں۔ معیشت بہت گراں ہے۔ متوسط زندگی بسر کرنے کے لئے دو پونڈ سے بھی زیادہ خرچ ہو جاتے ہیں۔ ہولوں کا کرایہ بہت زیادہ ہے۔ دس بارہ روپیہ رو دینا پڑتے ہیں، مگر پھر بھی آرام نہیں ملتا۔ دیہ یہ ہے کہ انگورہ بڑے شہروں سے دور ہے اور ضروریات زندگی پر آسانی نہیں مہیا کی جاسکتی۔

سوال ہو سکتا ہے کہ یہ ترکی مردوں نے آستانہ اور دوسرے آباد شہر چھوڑ کر یہی گاؤں اپنا پتہ کیوں قرار دیا؟ اس کا جواب خود ترک مدبر بار بار دے چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "اناطولہ، اس ملک کی بڑھ کی بڑھ ہی ہے۔ مسلمانین آل عثمان نے اناطولہ کی طرف سے ہمیشہ غفلت اور اعراض کرتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی قومیت بڑا ہو گئی۔

ترکی قومیت کی بڑادی خود سلطنت کی بڑادی تھی۔ اب ہم اپنے اصلی ملک کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اب ہماری تمام اُمیدیں صرف اُسی میں مرکوز ہیں، لہذا ہم نے قلب کو مرکز بنایا ہے تاکہ ہمیں سے نئی قوم کی روح ملک کی رنگ رنگ میں ڈھرائیں"۔ علاوہ بریں وہ اس پہلو پر بھی توجہ دلاتے ہیں کہ "اب ہم لوہے کے اثر سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی اگر ہم اس دور افتادہ مقام میں اپنی حکومت قائم نہ کرتے"

سوال ہو سکتا ہے کہ اگر ایسی بات ہو تو پتہ تخت کو شہر کی صورت کیوں نہیں دیتے؟ اس کا جواب ترک مدبروں نے یہ دیا ہے کہ "ہمارا ملک جنگوں نے بڑا دکھایا ہے۔ ہماری قوم کا دل و دماغ صدیوں کے ظلم و جبر سے تباہ ہو چکا ہے۔ ہم پہلے اپنے ملک کی اقتصادی، تجارتی، زرعی، حالت درست کریں گے۔ تو کم کو دم بنائیں گے۔ اس کے بعد شہر کی آراستگی کا خیال کرنا چاہئے"

انگورہ کو پتہ تخت قرار دینے میں ترک مدبروں کی ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ شہروں کے پیش و نشاط اور ہولوں سے دور رہنا اور شہر و دیہات اور ہم کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمانین میں حبشہ کی عادت ہے کہ وہ شہر میں سکونت سے کام نہیں لے سکتے۔ اب انگورہ میں

لیکن یہ بات نہیں ہے کہ ترکوں نے انگورہ کو بالکل اُسکی سابق حالت ہی میں چھوڑ دیا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اُسے ترقی دے رہے ہیں۔ انگورہ کے اطراف میں ایک نئے شہر کی بنیادیں پڑ گئی ہیں۔ اپنے وقت پر وہ مکمل ہو جائے گا۔ فی الحال انگورہ کی آبادی ۱۵

سے زیادہ ۵۰ ہزار ہے۔

انگورہ کے مناظر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن جس نظر نے میرڈل پر سب سے زیادہ اثر کیا، وہ ترک افسروں اور سپاہیوں کا وقار اور خاموشی سے شڑکوں پر سے گزرتا تھا۔ میں جب اُنھیں دیکھتا تھا تو بے اختیار قلب اُن کی عظمت کے سامنے جھک جاتا تھا۔ میں سوچتا تھا "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے عزیز جنگیں سر کیں اور تمام یورپ کو مغلوب کر کے اپنی قوم کا گرا ہوا بھٹا اُڑا کر لوہے کا دریا"۔

ترکی افسر اور سپاہی ہمیشہ اپنی سنجیدگی اور وقار میں مشغول ہیں۔ مگر اب اتنی طویل جنگوں کے بعد اُن کی کچھ عجیب حالت ہو گئی ہے۔ وہ رعب و جلال ہو کر اُس کی نظیر دنیا کی کسی فوج میں نہیں ملتی۔

مجلس وطنی کی عمارت

انگورہ کی سب سے زیادہ شاندار عمارت، مجلس وطنی یا ترکی پارلیمنٹ کی عمارت ہے۔ یہ دو منزلہ عمارت ہے۔ اوپر کے طبقہ میں صدر مجلس کا دفتر ہے۔ نیچے کے کمروں میں مجلس کے مختلف شعبوں کے دفاتر ہیں۔ بائیں پہلو میں ایک وسیع ایوان ہے۔ ۲۵ میٹر لمبا اور ۱۲ میٹر چوڑا۔ یہی پارلیمنٹ کے مجمع ہونے کی جگہ ہے۔ اس میں ترکی قانون کا فرش ہے۔ صدر میں ڈیڑ میٹر لمبے چوڑے ہیں۔ چوڑے کے وسط میں صدر مجلس کی جگہ ہے۔ اس کے دونوں پہلوؤں پر نصف میٹر نیچے کا تون کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اس سے ذرا اونچے ایک آدھ چوڑے ہیں۔ اور اسی پر کھڑے ہو کر مقرر تقریریں کرتے ہیں۔ اس کے سامنے ایک کھڑا ہے جس میں سرکاری رپورٹر بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد مردوں کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں۔ پشت میں دو اور کھمبے تین آدمی بیٹھتے ہیں۔ یہ تمام نشستیں باہم قریب قریب ہیں، کیونکہ ایوان کا وجود اپنی وسعت کے ناکافی ہے۔ ایوان کی سطح سے تین میٹر بلندی پر بیٹھے نمائندوں کی جگہ ہے۔ اسی کے سامنے پہلو پر ایک مذبح و مصلیٰ نشست ہے جس کے لئے ایک خاص دروازہ بنادیا گیا ہے۔ یہ نشست غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی ہے۔ وہ جتہ ہو ہیں۔ اس میں بیٹھ کر جلسے کی کارروائی دیکھا کرتے ہیں۔ ایوان کے اندر میں مجلس کے دائیں بائیں سفراء و دل کی نشستیں ہیں۔ مجلس کے جلسے عموماً عصر کے بعد شروع ہوتے ہیں۔

مجلس وطنی

ترکی انقلاب کا سب سے عجیب کارنامہ یہی مجلس ہے۔ اس میں بیک وقت دو متضاد چیزیں جمع ہو گئی ہیں: شخصی تفویض اور جمہوری روح۔ یہ مجلس اپنے انداز ایسے عجیب اصول و قواعد اور غیر معمولی روایات رکھتی ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی پارلیمنٹ کی تاریخ میں موجود نہیں۔ اس اجلاس کی تفصیل جب ذیل ہے:

موجودہ مجلس وطنی کا نام ترکی زبان میں "بولوک ملت مجلسی" ہے۔

یہ اُس مجلس قومی کی پیداوار ہے جو جزوی سلطنت میں قائم ہوئی تھی۔ اسی نے اپنے حوصلہ مندانه اقدامات سے ترکی کی تاریخ بدل دی۔ اسی نے قدیم نظام سلطنت کوڑا، اور جمہوریت قائم کی (۲۳ اکتوبر ۱۹۰۸ء میں)۔ اسی نے خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا (۱۹۲۴ء)۔ اسی نے دستور اساسی بنایا (۲۰ اپریل ۱۹۲۴ء)۔ یہی وہ دستور اساسی ہے جو پھر موجودہ مجلس وطنی قائم ہوئی ہے۔

ترکی میں جلد قوتیں اور اختیارات صرف مجلس وطنی ہی کو حاصل ہیں۔ اس کے ہم قہ کوئی دوسری قوت موجود نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ترکی دستور حکومت صرف ایک ہی مجلس پر قائم ہے۔ حالانکہ دنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں عموماً دو مجلس ہوتی ہیں: مجلس عوام اور مجلس خواص۔

ترکی مجلس وطنی کو دنیا کی دوسری پارلیمنٹوں سے یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ تقسیم اختیارات کا نظریہ تسلیم نہیں کرتی۔ یہی باعث ہے کہ قیوں قسم کے اختیارات اور قوتیں، یعنی تشریفی (قانون سازی) نافذی، اور مدالتی، تنہا اُسی میں جمع ہیں۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ ترکی میں وزارتی مسؤلیت کا وجود نہیں ہے، بلکہ سرے سے اُس معنی میں کوئی وزارت اور تنفیذی قوت موجود ہی نہیں ہے، جس معنی میں دنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں ان کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ تنفیذی قوت، خود مجلس وطنی ہی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے ارکان کی ایک جماعت کے ذریعہ یہ قوت استعمال میں لاتی ہے۔ ارکان کی اس جماعت کو صدر جمہوریت یا صدر مجلس منتخب کرتا ہے اور اس کا حکم ہے، صدر جمہوریت اور صدر مجلس دونوں کا انتخاب خود مجلس کرتی ہے۔ پھر ان ارکان کے انتخاب کی لازمی شرط یہ بھی ہے کہ مجلس اُنھیں منظور کرے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صدر جمہوریت یا صدر مجلس کے انتخاب کردہ ارکان بھی درحقیقت مجلس ہی کو منتخب کردہ ہوتے ہیں۔ یہی ارکان، وزارتیں جنھیں ترکی اصطلاح میں "دکیل" کہتے ہیں۔ یعنی وہ تنفیذی قوت کے اجراء میں مجلس کے ذیل یا نائب ہیں۔ انہی دکلہ کی مجلس، حکومت کی مجلس کہلاتی ہے۔ اس صورت حال کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ قانون اساسی کی رُوسے مجلس وطنی کسی حال میں بھی توڑی یا برخاست نہیں کی جاسکتا۔ اگر کبھی مجلس دکلہ اور مجلس وطنی میں اختلاف پیدا ہو جائے تو آخر الذکر نہیں، ہمیشہ ادا الذکر ہی کو مستغنی ہونا پڑے گا!

اسی طرح عدالتی قوت بھی مجلس وطن ہی کے ماتحت ہے۔ وہ ہر استیصال کا حق عدالتوں کو بخشتی ہے۔ گوا عدالتی بذات خود کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ وہ بھی مجلس وطنی کے محض "دکیل" ہیں۔

مجلس وطنی اور صدر جمہوریت

صدر جمہوریت ہی مجلس وطنی کا صدر ہوتا ہے۔ وہ جب چاہے مجلس کے جلسوں کی صدارت کرے۔ اُس کی عدم موجودگی میں اُس کا نائب صدارت کرتا ہے۔ صدر جمہوریت کے اختیارات یہ ہیں کہ مجلس دکلہ کا انتخاب دہی کرتا ہے (جس کی تصدیق کے لئے مجلس وطنی کی منظوری ضروری ہے) سفراء کے کاغذات دہی قبول کرتا ہے۔ مجلس وطنی کے جلد قوانین اُسی کے نام سے شائع ہوتے ہیں۔ مجلس کے سالانہ افتتاح کے موقع پر یکم جنوری کو وہی افتتاحی تقریر کرتا ہے۔

مجموعہ کو معافی دینے کا بھی اُسے حق ہے، مگر بہت محدود۔ لیکن جنگ رُسل کا اعلان اور معاہدوں کا انعقاد اُس کے اختیارات سے بالکل باہر ہے۔ یہ کام صرف مجلس وطنی کے ہیں۔ صدر جمہوریت مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ مجلس اُس سے صرف اُسی وقت باز پرس کر سکتی ہے جب وہ ملکی خیانت کا مرتکب ہو۔ اُس کی صدارت کی مدت ۴ سال ہے۔ یہی مدت، مجلس وطنی کی طبعی عمر ہے۔ اس کے

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے سفر آستانہ کی تفصیل گزشتہ ہفتہ لکھ چکا ہوں۔ لیکن جس جوش و خروش کا اظہار باشندگان شہر نے اُنکے استقبال کے موقع پر کیا اور جن کی جلد آج تک جاری ہو، اُس کی تصویر قلم کو کھینچنا آسان نہیں ہے۔ میں نے گزشتہ ۵ سال میں یہاں بیٹے بڑے تاریخی مظاہرے دیکھے۔ ان میں سے ہر مظاہرے کے متعلق ہی خیال ہوتا تھا کہ اس سے بڑے مظاہرے کا ہونا مشکل ہے۔ لیکن مجھے اعلان کرنا پڑا کہ جو کچھ میں نے اس موقع پر دیکھا، اُسکے مقابلے میں پچھلے تمام مظاہرے بے حقیقت ہیں!

غازی بردہ میں

پرسوں غازی مودج شہر بردہ تشریف لے گئے جہاں عصمت پاشا تبدیل آب و ہوا کے مقیم ہیں۔ اُن کی ملاقات کے بعد غازی پاشا دن رات کو دایں چلے گئے۔ اُس سفر میں اُن کے ساتھ وزیر خارجہ توفیق رشیدی بیک اور وزیر عدالت محمد اسد بیک وغیرہ بھی تھے۔

افغانستان اور ترکی

۴ دن پہلے یہاں ہزار سالہ سلطنتی محو طرزی خاں وزیر خارجہ افغانستان ترکی وزیر خارجہ توفیق رشیدی بیک کے ساتھ وارد ہوئے۔ آمد کی محض غازی مصطفیٰ کمال پاشا سے ملاقات کرنا تھی، چنانچہ ملاقات ہو گئی اور مودج یورپ روانہ ہو گئے۔

سیاسی حلقوں میں اس ملاقات کو اہمیت دی جاتی ہے۔ کیونکہ، جیسا کہ اپنے پچھلے مکتوب میں عرض کر چکا ہوں، اس وقت روسی انگریزی نزاع نے افغانستان کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے اور وہ برطانیہ کی نعدی سے بچنے کے لئے ابھی سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

بیزنٹینی آثار

تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ روم کی عظمت کے زوال کے بعد ایک زمانہ میں قسطنطنیہ نے کتنا عروج حاصل کر سکا تھا؟ تو ان اڈوں کا نام علم و فن سمٹ کر اسی عرصہ البلاد میں جمع ہو گیا تھا۔ یہ پھر یہ بھی معلوم ہو کہ تو ان اور روم کے عظمت میں جو کمی و کثرت کے میدانوں کو کتنی اہمیت تھی۔ اُنکی آرائش کا کیسا اہتمام کیا جاتا تھا؟ ان میں کیا مادی حاصل کرنے والوں کی کتنی تعلیم دیکھ کر ہوتی تھی؟ اُس عہد میں یہ چیزیں تدریجاً اہمیت کھیتی تھیں کہ ہنرمندوں کی اس کا ذکر کرنا پڑا۔ عام طور پر یہ میدان کسی بلند تیکرے پر بنائے جاتے تھے۔ تقریباً ۲۰۰ میٹر لمبے اور ۲۰۰ میٹر چوڑے ہوتے تھے۔ ان کا نام "بیدروم" تھا۔ قسطنطنیہ میں بھی ایک "بیدروم" تھا اور اُس کا وسیع اور شاندار تھا۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہوں نے اُس کی آرائشی برصغیر کی محنت کی یہاں تک کہ وہ دنیا بھر میں مشہور ہو گیا تھا اور دور دور سے سیاح اُسے دیکھنے کے لئے آتے تھے۔

توفیقات سے پتہ چلا کہ یہ "بیدروم" ٹھیک استنبول کے قلب میں اُس میدان کے اندر واقع تھا جس کے ایک طرف اب جامع سلطان احمد ہے اور دوسری طرف جامع ایاقونیہ ہے۔ حکومت عثمانیہ نے اس میدان میں متقیہ (دھننی) کی اجازت دینے سے ہمیشہ انکار کر دیا تھا لیکن جمہوری حکومت نے اجازت دے دی۔ چنانچہ پرنسپل اسٹیٹس کی ماتحتی میں ماہرین آبادی کی ایک جماعت کھدائی میں مشغول ہے۔ اس وقت تک جتنے آثار برآمد ہو چکے ہیں اور آئندہ جن کو نکلیں گے، وہ ہر ترکی حکومت کی ہلک ہو گئے۔

جمہوریت کا سالانہ الاؤنس تیرہ ہزار ترکی پونڈ ہے۔ اُس کے قیام اور سرکاری جلسوں کے مصارف اس کے علاوہ ہیں۔ اُسے تین سو تیس بھی دی جاتی ہیں۔ ایک اُس کی ذات خاص کے لئے ہوتی ہے اور دو، اُس کے وزراء کے لئے ہر دکیل یا دیگر کو سالانہ سو ترکی پونڈ ملتے ہیں۔ مجلس وطنی کے مصارف کا آخری بجٹ ۱۹۷۳-۱۹۷۴ء پونڈ ترکی تھا۔

"تورک ادجانی"

"تورک ادجانی" کا نام دست سے اخبارات کے صفحوں پر گشت کر رہا ہے۔ مگر کمال آدمی اس کی حقیقت سے واقف ہیں۔ "تورک ادجانی" کے معنی ہیں "کی وطن"۔ یہ دراصل ایک عظیم الشان انجمن ہے۔ وزراء میں قائم ہوئی تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ترکی قوم میں قومیت و وطنیت کے جذبات برانگیختہ کئے جائیں۔ اُسے مذہبی دماغی ترقی کے لئے طیار کیا جائے، اور ملک کو اجنبی مداخلت و تسلط سے بچایا جائے۔ جنگ سے پہلے اسے بہت اہمیت توت حاصل تھی۔ عام طور پر جوان ترک اُس کے حامی تھے۔ حکومت کے اکثر عہدے دار اُس کے ارکان اور مرتبے تھے۔ جنگ عمومی نے اسے عارضی طور پر رکھ کر دیا تھا۔ مگر جنگ کے شکست پر ختم ہوتے ہی پھر اُسے قوت حاصل کر لی اور پچھلے چار آزادی میں..... بڑے بڑے کاربائے نمایاں انجام دیے۔ یہ جہاں کا سیاسی پرچم ہوا اور انجمن کا ایک اساسی مقصد بھی پورا ہو گیا۔ اس لئے اُس کے پرگرام میں زیر کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ ۱۹۷۱ء میں اُس کی عام کانفرنس انکارہ میں منعقد ہوئی اور پرگرام میں تقرر تبدیل کیا گیا..... اُس کے موجودہ پرگرام میں یہ تین دغاوت بہت اہم ہیں۔

(۱) جمہوری انکار کی اشاعت۔

(۲) جدید تمدن کو مقبول بنانا۔

(۳) مسادات کی تعلیم و تبلیغ۔

جنگ آزادی کے بعد سے اس انجمن کا صدر دفتر قسطنطنیہ کے بجائے انکارہ میں منتقل ہو گیا ہے۔ قسطنطنیہ میں اُس کی سالانہ کانفرنس کا افتتاح خود غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے کیا تھا۔ اس وقت سے اُسے بہت زیادہ اہمیت و مقبولیت حاصل ہو گئی ہے۔

اس انجمن کی ۳۷ شاخیں ہیں اور تمام ملک میں بھی ہوئی ہیں مرکزی انجمن کی انتظامی مجلس ۱۲ ارکان سے مرکب ہوئی ہے۔ شاخوں کی انتظامی مجلسوں میں سے ہر گن جلتے ہیں۔ ہر شاخ کو پوری آزادی ہے کہ مقامی حالات و مصالحوں کی رعایت سے اپنا الگ پرگرام بنائے چنانچہ بعض علاقوں میں یہ انجمن صرف دبا کی امراض کے خلاف جدوجہد کرتی ہے۔ بعض میں بچوں کی تربیت اُسے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ بعض میں عورتوں کی ترقی اُسے اہمیت کا مقصد ہے۔

اس انجمن میں مرد اور عورتیں یکساں طور پر شریک ہیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کی انجمن کی صدر ایک عورت ہی ہے۔ یہ قانون بنات و تعلیم یافتہ اور معزز ہے۔ اس کا نام نفیہ غلام ہے۔ انجمن کی صدارت کے ساتھ ساتھ وہ ایک ثانوی درجہ (سکندری اسکول) کی مہتمم بھی ہے۔

ترکی میں "خلق فرقہ سی" کے لعرب سے زیادہ طاقتور انجمن ہیں اور بہت مفید کام کر رہی ہے۔



اختتام پر مجلس کے انتخاب کے ساتھ صدر جمہوریت کا بھی انتخاب ہوتا ہے۔ پُرانا صدر دوبارہ صدر ہو سکتا ہے بشرطیکہ مجلس وطنی کے انتخاب میں کامیاب ہو جائے۔

خاص روایات

مجلس وطنی کی بعض روایات بالکل انوکھی ہیں مثلاً یہ کہ وکسپال میں بھی برخاستہ نہیں کی جاسکتی، جیسا کہ اذربائیجان میں ہوا۔ پھر وہاں کے بارہ مہینوں میں کبھی چھٹی نہیں آتی۔ ہمیشہ اُس کے جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی دوسری پارلیمنٹ عام طور پر کسی ایک موسم میں بند رہتی ہیں۔ لیکن خود مجلس کو اختیار ہے کہ جب چاہے اپنے آپ کو منتشر کر دے۔ اس صورت میں انتخابات (از سر نو جاری ہونگے۔ اسی طرح اگر مجلس کبھی چھٹی لے لے تو اُس کے دوبارہ اجتماع کے لئے صدر جمہوریت یا مجلس کلاہ (وزراء) کی دعوت کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی بلا کسی کی دعوت یا حکم کے جمع بھی ہو جاتی ہے۔ جب کبھی مجلس چھٹی پر نہ پڑاؤٹ جائے تو اُس کے دوبارہ اجتماع یا انتخاب سے پہلے حکومت نہ کوئی قانون جاری کر سکتی ہے نہ کوئی اور نئی کارروائی کر سکتی ہے۔ حالانکہ وہ کر سکتی ہیں بلکہ اس طرح کی ایسی صورتوں میں حکومت ضروری قانون جاری کر دیا کرتی ہے اور بعد میں پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کر لیتی ہے۔

دینی امور

لیکن ملک میں صرف ایک شیعہ ایسا موجود ہے جسے مجلس وطنی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ شیعہ دینیات کا ہے۔ یہ اس لئے کہ ترکی میں سنی اور دین کو بالکل الگ کر دیا گیا ہے۔ دینی امور کی انجام دہی کے لئے ایک مستقل شیعہ بنادیا گیا ہے۔ اس شیعہ کے صدر کارتہ، دکیل یا وزیر کارتہ ہے۔ یہ صدر مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ رئیس الکلاہ یا وزیر اعظم اُس سے جواب طلب کر سکتا ہے۔ اور وہی مجلس وطنی کو اس شیعہ کے حالات سے مطلع کرتا ہے۔

مجلس وطنی تمام معاملات پر اپنے ارادہ و اختیار سے بحث کرتی ہے۔ اُس میں دوسری پارلیمنٹوں کی طرح پارلیمنٹری کمیٹیاں موجود نہیں ہیں۔ مجلس کلاہ ضروری مسائل مجلس وطنی کے سامنے پیش کرتی ہے اور وہ براہ راست اُس پر بحث کرتی ہے۔

"محکم استقلال"

ترکی کے "محکم استقلال" کا نام تمام عالم میں مشہور ہو چکا ہے۔ یہ بھی مجلس وطنی کی ایک غیر معمولی عدالتی قوت کا نام ہے۔ محکم استقلال سے مقصد وہ خاص عدالتیں ہیں جو جمہوریت پر خطرے کے وقت وسیع اختیارات کے ساتھ قائم کر دی جاتی ہیں۔ یہ ایک طرح کی جنگی عدالت کی جاسکتی ہے۔ یہ فوراً فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن اُس کے فیصلہ کی تنفیذ بجز مجلس وطنی کی منظوری کے نہیں ہو سکتی۔ جب یہ عدالتیں قائم ہوتی ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ملک حالت امن و سلامتی میں نہیں ہے۔

مخالفت پارٹیاں

مجلس وطنی میں مخالفت پارٹیاں موجود نہیں ہیں۔ اُس میں صرف ایک ہی پارٹی ہے اور وہ جمہوریت یا مصطفیٰ کمال پاشا کی پارٹی ہے۔ مجلس وطنی کے کل ممبروں کی تعداد ۲۸۸ ہے۔ اس میں کئی پارٹی کے آدمی ۲۷ ہیں۔ یعنی کل ۱۸ ممبر اس پارٹی سے باہر ہیں۔ ظاہر ہے اتنی قلیل جماعت کو مخالفت پارٹی نہیں کہہ سکتے۔

مجلس کا الاؤنس

مجلس وطنی کے ممبروں کو ماہوار الاؤنس نہیں ملتا۔ بلکہ انتخاب میں کھلیابی کے دن پورے پارلیمنٹری سال کے لئے ایک مدت ملتا ہے۔ ہر ممبر کو وہ سو ترکی پونڈ یعنی تقریباً ساڑھے سو انگریزی پونڈ الاؤنس ملتا ہے۔

بصائر و حکم

النسب موت کے دروازہ پر

شاہ عالم اپنے اوقاتِ فانی میں

حاج بن یوسف ثقفی

تو یہ اُس کی طرف سے ہرگز ظلم نہیں ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہو کہ وہ رب ظلم کرے جس سے صرف بھلائی ہی کی توقع کی جاتی ہو؟
پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رہا۔ موقعہ اس قدر عبرت انگیز تھا کہ مجلس میں کوئی بھی اپنے آنسو روک نہ سکا!
خلیفہ کے نام خط
اس کے بعد اُس نے اپنا کاتب طلب کیا اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حبیل خط لکھوایا:

”ابا عبد، میں تمہاری بکریاں چراتا تھا۔ ایک خیر خواہ گلہ بان کی طرح اپنے آقا کے گلے کی حفاظت کرتا تھا۔ اچانک شیر آیا، گلہ بان کو طمانچہ مارا، اور چراگاہ خراب کر ڈالی۔ آج تیرے ظلم پر وہ مصیبت نازل ہوئی جو اب صابر پر نازل ہوئی تھی۔ مجھ امید ہو کہ جبار دقت راں طرح اپنے بندے کی خطائیں بخشا اور گناہ دہنا چاہتا ہو!“

پھر خط کے آخر میں یہ شعر لکھے کا حکم دیا:
اذا ما لقیتم المدعی راضیا فان شعار النفس فیما ہناک
اگر میں نے خدا کو اپنے سے راضی پایا تو اس میری مراد پوری ہوگی
فجی بقاء المدین کل میت دجی حیاۃ المدین کل ہاک
سب مرہائیں مگر خدا کا باقی رہنا میرے لئے کافی ہو! اب ہاک ہو جائیں مگر خدا کی زندگی میرے لئے کافی ہو!

لقد ذات ہذا الموت من کان قبلنا دخن نذوق الموت من ہذا ملک
ہم سے پہلے یہ موت چلے چکے ہیں، ہم بھی اُنکے بعد موت چھیں گے!
فان مت فاذا کنتی بکرمیث، فقد کان جانی رضاک سالک
اگر میں مرجاؤں تو مجھے موت سے یاد رکھنا، کیونکہ تمہاری خوشنودی کے لئے میری راہیں بے شمار تھیں۔

والا، نفی دیر الصلوہ بدوۃ، ملتی بہا المسون فی نارالک
یہ نہیں تو کم سے کم ہر نماز کے بعد دعائیں یاد کرنا کہ جس سے جہنم کے قیدی کو کچھ نفع پہنچے۔

علیک سلام الدحیٰ دمیثا دمن بعدا تحیا عتیقا مالک
تجھ پر رحمت میں امدد کی سلامتی ہو، جیتے جی، میرے پیچھے، اور جب تیرا زندہ کئے جاؤ!

سکراتِ موت کے شندائے

حضرت حسن تبصری عیادت کو آئے تو حاج نے اُن سے اپنی تکلیفوں کا شکوہ کیا۔ حسن نے کہا: ”میں تجھے منع نہیں کرتا تھا کہ شیو کاروں کو نہ سنا، مگر انہوں نے تو نے نہیں سنا“ حاج نے خفا ہو کر جواب دیا: ”میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ اس مصیبت کے درد ہونے کی دعا کر۔ میں تجھ سے یہ دعا چاہتا ہوں کہ خدا جلد میری روح قبض کرے اور اب زیادہ غلاب نہ رہے!“

اسی اثناء میں ابو منذر علی بن خالد فراخ برسی کو پہنچے۔
”حاج! موت کے سکرات اور سختیوں میں تیرا کیا حال ہو؟“
اُنہوں نے سوال کیا۔

”لے لے علی، حاج نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ کیا پوچھتے ہو؟
شدید مصیبت! سخت تکلیف! ناقابل بیان الم! ناقابل برداشت درد! سفر دانا! تو شہ قلیل! آہ! میری ہلاکت! آہ! میری ہلاکت!
اگر اُس جبار دقت راں نے مجھ پر رحم نہ کھلایا!“

ابو منذر کی بے لاگ تفریر

ابو منذر نے کہا: ”لے لے حاج! خدا اپنے اُنھیں بندوں پر رحم کھاتا جو رحم دل اور نیک نفس ہوتے ہیں۔ اُس کی مخلوق سے بھلائی کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو فرعون ہاآن کا ساتھی تھا۔ کیونکہ تیری سیرت بگڑی ہوئی تھی۔ تو نے اپنی

مدینہ میں بے شمار صحابہ کے ہاتھوں پر سیسے کی ٹہریں لگادیں، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت عبداللہ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابیوں کو قتل کیا، موجودہ زمانے کی استعماری سیاست کی طرح اس کا بھی اصول یہ تھا: ”حکومت کے قیام کے لئے ہر بات جائز ہو“ اور ”سکوتیں ہم عدل سے نہیں بلکہ قہر و قہر سے قائم ہوتی ہیں!“

اس عدسہ کے فرار و صلحا، حاج کو خدا کا قہر و عذاب خیال کرتے تھے۔ حضرت حسن تبصری کہنا کرتے تھے: ”تجارت، اس کا عذاب ہو۔ اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دور کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ خدا سے تضرع و زاری کرو۔ کیونکہ اُس نے فرمایا ہو و لقد انزلنا ہم اعدابا فاستکانوا الیہم و ما یتضرعون“

یہی سبب ہو کہ جوں ہی اُس کی موت کی خبر سنئی گئی حضرت حسن و عمر بن عبداللہ نے مسجد سے مین گر پڑے۔ ”اسل مت کا فر یوں مڑ گیا!“
بے اختیار ان کی زبانوں سے نکل نکلا!

ابے کھنا چاہئے اس جبار و قہر مان، انسان نے موت کا مقابلہ کیونکر کیا؟ جس گھٹا ہزاروں مخلوق کو اپنے ہاتھوں اُتار چکا تھا، خود اسیں کیسے اُترا؟

بیماری

عراق پر ۲۰ برس حکومت کرنے کے بعد ۵۵ سال کی عمر میں حاج بیمار ہوا۔ اُس کے مدد سے میں بے شمار کڑے پیدا ہو گئے تھے۔ ادوجہم کو ایسی سخت سردی لگ گئی تھی کہ آگ کی بہت سی آنکھیاں بدن سے لگا کر رکھ دی جاتی تھیں پھر بھی سردی میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی!

موت پر خطیبہ

جب زندگی سے ناامیدی ہو گئی تو حاج نے گھر والوں سے کہا: ”مجھے تمہارا اور لوگوں کو جمع کرو، لوگ آئے تو اُسے حب عادت کی بلینے تقریر کی۔ موت اور اُسکی سختیوں کا ذکر کیا، قرآن اور اُس کی تنہائی کا بیان کیا، دنیا اور اُس کی بے ثباتی یاد کی، آخرت اور اُس کی ہولناکیوں کی تشریح کی، اپنے گناہوں اور ظلموں کا اعتراف کیا پھر یہ شعر اُس کی زبان پر جاری ہو گئے:

ان ذبی ذن السموات والارض ذبی بخالقہ ان یحالی
میرے گناہ آسمان اور زمین کے برابر بھاری ہیں، مگر مجھے اپنے خالق سے امید ہو کہ رعایت کرے گا۔

فلنن من الرضا و فوطی دلتن رب الکتاب مذابی
اگر وہ اپنی رضامندی کا احسان مجھ سے تو میری امید ہو۔ لیکن اگر وہ عدل کرے میرے عذاب کا حکم ہے۔

لم یکن ذاک منہ ظلماً دلی ظلم رب یرجی محن آب؟

خلافت اموی کے حکام میں حاج ابن یوسف سے زیادہ کسی شخص کی شہرت حاصل نہیں ہوئی، مگر شہرتِ عدل و فیضِ سادگی کی نہیں تھی۔ سیاست، تفریقِ فتنی، تاریخِ اسلام میں حاج کا قہر و باطل ہو گیا ہوا۔ یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اموی سلطنت کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ وہ حاج سے ہی تھا جیسے اپنی بے پناہ تلوار اور بے روک شفا کی سے از سر نو، س کی گرتی ہوئی عمارت استحکم کر دی۔

بنی امیہ کے لئے اس کا خطرہ حضرت عبداللہ بن الزبیر سے تھا۔ ان کی حکومت کا مرکز کربلا تھا اور اُس کا دائرہ شام کی سرحدوں تک پہنچا تھا۔ حاج ابن یوسف نے یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے دور کر دیا۔ مکہ کا محاصرہ کرنا اور کربلا کی تباہی لگانا، اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کو نہایت سادگی کے ساتھ قتل کر دالا۔

عراقی شرف سے لے کر شہر، تباہی کا مرکز تھا۔ یہاں کی سیاسی بھیجی کسی طرح غم نہ ہوتی تھی، انیلان یردالی آتے تھے، اور بے بس ہو کر لوٹ جاتے تھے۔ یہی حاج بن یوسف کی توانیہ اپنی ایک ہی ضرب میں عراق کی سیاسی صورت پریشانی ختم کر ڈالی۔ خود اُس کے لوگوں کو اس پر تعجب تھا کہ اُن میں اسلام کیا کرتے تھے، ”کوثر کی خودداری اور محنت اب کیا ہوگی؟“ اُنہوں نے امیر المومنین علی کو قتل کیا، حسن بن رسول کا سر کاٹا، فرار سے بھاگ کر ہلاک کر دیا، مگر اس بد صورت نمونہ و تجار کے ساتھ بالکل ذلیل ہو کر وہ گئے اکوثر میں الا کہ عرب میں یہ نہیں ہو سکتا، مگر یہ نصیب ۱۲ سوار لے کر آیا اور سب کو غلام بنا ڈالا!

حاج کا عراق میں اولین خلیفہ ادب عربی کی اتنی مشہور چیز ہو کہ صرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا: اُماد اللہ، اتی لا حل لہما بجلہ، داخذ و بخلہ، واجاہہ بشلہ، دانی لا ذی البصار طامحہ، و اعناقا متطاولہ و درسا قدا ینعت و حان قتلہا، دکانی انظر الی اللہ صابین العاکر واللی تترقوت! حاج کی ”تلو ادھن درجہ شفاک تھی، اتنی ہی اُس کی زبان بھی بلینے لگی۔ اُس کا یہ خط خطیبانہ بلاغت کا بے نظیر نمونہ ہو۔“ میں دیکھتا ہوں کہ نظریں اٹھی ہوئی ہیں، گردنیں اوجھی ہو رہی ہیں، سروں کی فصل تک چلی ہو، اور کٹائی کا دقت آگیا ہو! میری نظریں وہ خون دیکھ رہی ہیں جو بگڑوں اور دانیوں کے درمیان بہ رہا ہو! حاج نے جیسا کہا تھا، ویسا ہی کر دیکھا۔

بیان کیا گیا ہو کہ جنگوں کے علاوہ حالت اس میں اُس نے ایک لاکھ ۲۰ ہزار آدمی قتل کئے تھے (معد الفریہ۔ البیان والسنن فیروز) بٹے بٹے اختیار و ابرار مثلاً سعید بن جبیر و فزولہ گردنوں میں اڑا دیں۔

مراسله

لکھنؤ سے ایک انگریزی روزانہ کا اجراء

ابو بلات کمپنی

عبدالرسول حسن صاحبِ جنت متعددہ آگرہ وائزہ ناچو اہم عربیہ
 ۱۰۰۰ روپے متعدد شہریوں نے دے کر صوبہ ہذا کے مسلمانوں کی تقاضی
 بد تعلیمی کے اس زمانہ میں حیب اللہ اُن کو قدم قدم پر ایک
 حادیثی رہنما و مددگار کیلئے ضرورت ہے اُن کے پاس ایک بڑی
 روزانہ انگریزی اخبار نہیں ہے ۔

اللہ آباد اور عالی گڑھ سے دز انگریزی اخباروں نے نکال کر کی کرشن
 ہوئی مگر اول انکو بعض اخباری اغراض لیکر دنیا میں آنا تھا اور
 مؤخر انکو اترجہ اسلام کے تعلیمی موازنے جاری ہوا مگر اس
 میں بد قسمتی سے شخصی تدبیر اس درجہ غالب تھا کہ وہ ترقی
 نہ کر سکا۔ دنوں جس بے سروسامانی کی حالت میں اُن نے
 اسی طرح رخصت ہو گئے۔ ان کی موت نے افسوس ناک نتائج پیدا
 کر دیے۔ یعنی مسلمانوں کو اپنے روزانہ انگریزی اخبارات سے بد ظنی
 پیدا ہو گئی۔ جس کے باعث معقول انگریزی روزانہ اخبار اب تک
 نہیں نکال سکا۔ چندچند اس وجہ سے اور کچھ اس سبب سے کہ
 جناب آغا علی احمد رضا علی صاحب بدک سرس احمدی نے سمیر
 ہو گئے تھے۔ انگریزی روزانہ اخبار کی وہ اسکیم جو وسط سید ۱۹۲۶ء میں
 لکھنؤ میں طیار ہوئی تھی عملی جامہ نہ پہن سکی۔ لیکن اس ایک
 برس کی مدت سیاسی نقطہ نظر سے نہایت اہم ثابت ہوئی۔ اور
 موجودہ اور آتے والی پیدیدہوں کے قور کے زعموں کو سمجھ دیا کہ
 وہ انریبل سر چارچہ صاحب بہادر محمود آباد کی سرکردگی میں
 معقول سرمایہ اور بہترین اشکاف کے ساتھ مسلمانوں کے انگریزی روزانہ
 اخبار لکھنؤ سے جاری کریں۔ کہ اسکیم نہایت شاندار ہے جو کہ صرف
 مسلمانوں کے ایک زبردست روزانہ انگریزی اخبار اور بہترین پریس
 کی حامل ہوگی۔ بلکہ مسلمانوں کی ذاتی منفعت کا بھی معقول
 ذریعہ ثابت ہوگی۔

ایک کمپنی قائم کی گئی ہے جس کے ڈائریکٹر حسب ذیل ہیں:

سر مہاراجہ صاحب بہادر زانی - محمود آباد - سر سید علی امام
صاحب بیرونی پست لا - پٹنہ - راجہ صاحب ڈیپارہ ضلع بہرائچ -
آزادیل راجہ انوار علی خاں صاحب نعلتہ دار - مجھوڑا - سل آباد اسٹیٹ
مزاری - محمد اسیم صاحب - بی - است - ایڈووکیٹ لکھنؤ -

کمپنی مذکور کی اسکیم بہت نچرہ کار اور زرافہ کار اصحاب کے تیار کی ہے۔ ان کا ایک اعلیٰ درجہ کے پریس اور انٹروی اخبار کے اجراء کا مشورہ ہے۔ - پریس انٹروی اور آئندہ ہر قسم کا بہترین کام کرے گا۔ پریس اور اخبار کے انتظامات صرف معیار اور آزمودہ کار شاعروں میں رہیں گے۔ چنانچہ ایڈیٹوریل اور انتظامی خدمات کے لیے بہترین اشخاص منتخب کیے گئے ہیں۔ - اور اسکیم میں کثیر مدافع کا پہلو رکھا گیا ہے تاکہ جو لوگ کمپنی کے حصص خریدیں ان کو مدافع کی شکل میں معقول مالی فائدہ پہنچاتا رہے۔

ڈیہی نے شہنشاہِ پراسانس انگریزی از اردو میں چھپ رہے
 ہیں۔ حصوں کے خریداری کے فارم بھی دیارِ عیسٰی عسکر حسن
 عابد جعفری رکن پورسٹریٹ لا سے محمود آباد ہاؤس فیدر باغ
 لکھنؤ کے پتہ پر منسلک ہیں۔ اور انہی سے تمام مزید حالات بھی
 معارفہ ہو سکتے ہیں۔
 خاکساران

آل انیس محمد یعقوب صدق احمد خان خیرہ

ملت ترک کردی تھی - راہ حق سے کٹ گیا تھا - صالحین نے
طرز طریقہ سے درز ہو گیا تھا - تو نے نیک انسان قتل کر کے اُن کی
جماعت فنا کر ڈالی - تابعین کی حزیں کٹ کر اُن کا پاک
درخت اٹھاڑ پھینکا - افسوس تو نے خالق کی نافرمانی میں مخلوق
کی اطاعت کی - تو نے خون کی ندیاں بہا دیں - جانیں نہیں
آبرئیں برپا کیں - کبر و جبر کی ریش اختیار کی - تو نے نہ اپنے
دین ہی بچایا ، نہ دنیا ہی پائی - تو نے خاندانِ مرزاں کو عزت
دی ، مگر اپنا نفس ذلیل کیا - اُن کا گھر آباد کیا ، مگر اپنا گھر
ویراں کر لیا - آج تیرے لیے نہ نجات ہے نہ دانِ فریاد - کیونکہ تو آج
کے دن اور اِس کے بعد سے غافل تھا - تو اِس امت کے لیے
مصیبت اور قہر تھا - اللہ کا ہزار ہزار شکر کہ اُس نے تیری موت سے امت
کو راحت بخشی ، از تجھے مغلوب کر کے اُسکی آرزو پوری کر دی !

(حجاج کی عجیب رحمت طلبی !)

رازدی کہتا ہے - حجاب یہ سن کر مہروت ہو گیا - دیر تک سناتے
میں رہا - پھر اُس نے تہنیتی سانس لی ' آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا
آئے ' اور آسمان کی طرف نظر اُٹھ کر کہا :

”الہی ! متبع بخشش دے کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ تو مجھے نہیں بخشے گا !“ پھر یہ شعر پڑھا :

رب ان العباد قد اياسوني ورجائي لك الفداء عظيم !

اٹھی ! بندنوں نے مجھے نا امید کر ڈالا، حالانکہ میں تجھ سے بڑی ہی امید رکھتا ہوں !

یہ کہہ کر اُس نے اُنکے دین بند کر دیے۔

اس میں شک نہیں، 'رحمت الہی' کی بے کنار وسعت دیکھتے ہوئے اسکا یہ انداز طلب ایک عجیب تاثر رکھتا ہے اور اس باب میں بے نظیر مرقولہ ہے - یہی وجہ ہے کہ جب حضرت حسن بصریؒ سے حجاج کا یہ قول بیان کیا گیا تو وہ پہلے تو متعجب ہوئے "کیا واقعی اسنے یہ کہا؟" کہا گیا "ہاں اسنے ایسا ہی کہا ہے" فرمایا "تو شاید!" (یعنی شاید اب بخشش ہو جائے)

اطلاع

اس نمبر کے تمام فارم طیار ہرچکے تھے - صرف آخری چور صفحہ باقی تھا کہ ایک حادثہ کی وجہ سے خوشنویس اپنے وطن چلے گئے ، اور ان کی جگہ جس خوشنویس سے کثابت کا انتظام کیا گیا ، وہ بھی بروقت کام نہ کر سکے - نتیجہ یہ نکلا کہ ان تمام مضامین کی کثابت رھگئی جو آخری چور صفحہ میں دیے جاتے ہیں - ممکن تھا کہ یہ تمام حصہ کمپوز کرائے شامل کر دیا جاتا ، لیکن اسکی وجہ سے ایک دن کی تاخیر ہوجاتی - چونکہ اب ہم سب سے زیادہ ضروری بات رسالہ کی بروقت اشاعت سمجھتے ہیں - اسلئے یہی مناسب نظر آیا کہ یہ نمبر ۲۲ صفحہ ہی کا شائع کر دیا جائے ، مگر اشاعت میں تاخیر نہر - انشاء اللہ اسکی تلافی آئندہ اشاعت میں ہرچنیگی - اب خوشنویسوں کا بھی ایسا انتظام کر لیا گیا ہے کہ آئندہ راکٹ پیش نہ آئے - منیجر



دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

تالمراف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کریں

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبروں اور مباحثات جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپے یہاں کے ابعثت میں طلب کیجئے ۔

433

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

۳۔ طلب کرسکتے ہیں

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دہنما:

قائمزاف افسانہ انبی غمیدہ

یہ ضمیمہ دہلی کی تعلیم یافتہوں پر ہفتلہ دار پانچ سوپ اور قیغ تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا مودل نقد علمی نہیں میں مسلم ہے ۔

اس مہر چند صفحات پر جاری اور زیر بحث ادبی
رواں پر بھی شوقے ہیں جنہی شوقے کا عالم طور پر اعتراف
دیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے اہل علم سے ملاقات کی اور وہ قلمزندان کا
مفت دارالمدیٰ قائم کیا۔ اسی وقت کے قریب ان کی طبیعت

The Publisher

Printing House Square

London, E C 4.

تہ براہ راست عظیم دستاویز تھیں

ہرونو موار ایند کو - بولن

پوست باس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو کوہ ملکوں ۽ میوزوں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ پہلا کارخانہ ہے۔ مددِ بھلا بد سے خطا و گنہگار کیجئے۔

یاد رکھیے

میٹروں 'توکراہوں' اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "ٹے سسٹم" کے نام سے حتمی ممالک میں مشہور ہے۔ اس "ٹے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

[illegible]

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت جلد سادقت خرچ کر کے یہ ساری
 باتیں یا متعدد علمی اداروں سے معلوم کر لیں تو آپ کو چاہیے کہ
 ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ دم بہ حیثیت ایک ماہر من کے
 درجے ہیں۔ خط و کتابت کے مدد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ
 آپ کے مقصد کو کتنے ہم کس درجہ قریب ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے ہمہ تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

النهر المحمد
مجذبات الملل

گاہ گاہ بہ بانوانِ ایران و سرپارِ سپند را
تازہ خواہی و شترن گرداغہا۔۔۔ معینہ را

اورنگ مہاراجت کی فارم میں الہ نال ہی رہ رسالہ ہے جو الہی تمام
طاہری اور طائی خدمت میں ایک انقلاب آفرین دعوت ہے۔

[illegible]

پہلے تو یہاں جھڑپوں کے ہونے کی ایک حد تک مشہور شہری اوقات
 دائرہ محدود رہیں گے۔ مگر اب اس کی حد میں تیزی سے اضافہ ہو رہی
 ہے۔ ہم اس اضافے کے بارے میں علم و رابطہ کو انہی مواقع
 دیتے ہیں جو اس مقامی دستور کے مطابق کرتے ہیں۔ یہی اُن
 جگہ جہاں کہیں ایک بہت ہی محدود تعداد میں اُنہی
 اس لئے صرف اُنہی درخواستوں کی قبولیت ہر گز کی حوصلہ
 پہلے پہل نہیں گئی۔ ہر جگہ پہلے پہل اُنہی میں تمام ضرورتوں
 کی تلاش یہ ترتیب صرف پہلی نظر آئی ہے۔

[illegible]

تلازہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق ہرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ آنہ۔ محصول کارک و پبلکنگ اس کے تلازہ ہے۔

مريد، "البلاغ پريس"

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کی بیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے ایم این بی ان فائزر ملی سرکاری
بلند پایہ عوامی صافکاری کے ارد گرد قراچہ کا سلسلہ شروع کیا ہے۔
مطلوعہ اصلاح تمام احکام اور احکامات و معارف کتب و سب کے لیے
نہایت ضروری و فائزر ہے۔ یہ ”سلسلہ قراچہ“ ہے۔
ہندوستان کی عوامی اصلاح کا کام ہے۔

آخرۂ حیدرہ — تمام اس قلم ای من قدرت میں مہر آتش شاد
 ”راہِ احسان“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ ۲۰ جلد ۲۰۰ روپے
 ارشدی پریس

فلاک اور سیارہ "امڈا" وسیلہ "بی" حرکت کے ذریعہ اس کے گرد چلتا ہے۔
 اس کے بعد "بی" اس کے "بی" کے گرد چلتا ہے۔
 اس کے بعد "بی" اس کے "بی" کے گرد چلتا ہے۔

[illegible]

تقریباً ۱۰۰۰ سال قبل مسیح میں جب کہ انسان نے پہلی بار لکھنا سیکھا تو اس وقت تک وہ صرف اپنے اپنے ملک کے بارے میں لکھتا تھا۔

[illegible]

• قدرت اعلیٰ اور خالق ہستی کے لئے شکر و تحسین کا یہ سب سے بڑا موقع ہے۔

نجد و حجاز : قریب ایک سو تیس ہزار مصری نے اپنی جانیں قربان کیں۔

آلهه استم ... لوجده (مع انهم في شدة الغضب) (زاد طبع)
خلاف الاله ... في العداوات (زاد طبع)

[illegible]

مینیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکار روڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	سات روپیہ
قیمت تین پرچہ	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "مہیجر الہلال" کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے افاقہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے۔

(۲) نمبروں میں سال نہ ہوگا

(۳) ہواہ و کتابت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیں۔

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری نہیں جسکی اطلاع لیٹر وصول قیمت کی رسید اور مندی آتی ہے۔

(۵) اگر کسی شخص سے نام کی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ سے اندر اطلاع دیں ورنہ بصورت تاخیر بغیر ماسٹ کے رجوع نہیں ہوا جائیگا۔

(۶) اگر آپ درجنوں سالہ یا ایک حصہ سے پریمی جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ فرمائیے، مگر اگر آپ کو اطلاع دیکر اطلاع کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دینا پتہ تبدیل کرالیں

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے اوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں۔

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جدا سے تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے نکت ضرور ہیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑے گا۔

الہلال

ایک ہفتہ وار موصوٰر سالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۲۰ - صفر ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۰

Calcutta : Friday, 19, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکے ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطریں کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۵۸۳ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۶۰	اردو حروف کی حق میں	۱۹۰
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۱۱۱	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۱۷۹	نستعلیق ہوں	۴۳

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

نہیں کرسکتے۔ وہ میرے لب و لہجہ میں ہرگز کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرسکتے۔ نہ تو لاهوتی، ایمان کی ریاکارانہ تلقین کرکے مجھے جھوٹا بناسکتے ہیں، نہ فلاسفہ مجھے منافقت کا طعنہ دیکر العاد پر آمادہ کرسکتے ہیں۔ میں برابر اپنے دین کا اعلان کرونگا، کیونکہ میں دین رکھتا ہوں۔ میں بیباک دھل آئے شہرت دونگا، کیونکہ مجھے میں اعلان و اشتہار کی شجاعت موجود ہے۔ آہ! میں نے کتنی تمنائیں کیں کہ سب لوگوں میں اتنی ہی شجاعت ہوتی! اگر سب میں اتنی شجاعت ہوتی، تو انسانیت کو کتنا نفع پہنچتا؟

(”حضرت مسیح کا شاگرد“)

”اے میرے آقا! میں مسیحی ہوں۔ میں اخلاص کے ساتھ انجیلی مذہب کا مسیحی ہوں۔ ہاں میں مسیحی ہوں، لیکن یاد رہے کہ شاگرد نہیں ہوں، بلکہ خود مسیح (علیہ السلام) کا شاگرد ہوں۔ میرا استاد، کتابوں کی عبارتوں پر بحث نہیں کرتا تھا، لیکن عمل پر نظر رکھتا اور عمل ہی پر زور دیتا تھا۔ اس نے ہمیں جس ایمان کی تلقین دی ہے، اس کے قواعد و اصول بہت زیادہ اور پیچ در پیچ نہیں ہیں۔ صرف گنتی کی چند موٹی موٹی باتیں ہیں۔ لیکن اس نے جس نیکی کی تعلیم دی ہے، اس کی شاخیں بے شمار اور آسکی راہیں بے حساب ہیں۔ اسنے ہمارے ایمان میں خوشگیاں نہیں کی ہیں، لیکن عمل صالح کی پورے شرح و بسط سے تفسیر کی ہے۔ اس نے ایمان کیلئے صرف دو تین موٹی موٹی باتیں ضروری قرار دی ہیں، لیکن عمل کی نیکی کیلئے کوئی گنتی نہیں بنائی ہے، کیونکہ عملی نیکیاں آن گنت ہیں۔ اس نے جہاں کہیں انبیاء کے نمونوں پر زور دیا ہے، وہاں ایمان سے زیادہ اُن کے اعمال بتائے ہیں۔ اس نے اپنی اور تمام نبیوں کی تعلیم کا لب لباب اس ایک جملہ میں بیان کر دیا ”اپنے بھائی سے محبت کرنا“ پورا دین ہے!“

(دوستوں اور دشمنوں کو دعوت)

اسکے بعد لکھتا ہے :

”مجھے ہمیشہ خلوت کی پر مسرت زندگی حاصل نہیں رہی۔ لوگوں سے ملنے جلنے پر بھی مجبور ہوتا رہا ہوں۔ میری ہر طبقہ کے لوگوں سے ملاقات ہے۔ میں نے مختلف سیاسی اور دینی جماعتوں کے لوگ دیکھے ہیں۔ میں مومنوں سے بھی ملا ہوں اور ملحدوں سے بھی۔ میں نے حکماء بھی دیکھے ہیں، جہلاء بھی۔ متعصب بھی دیکھے ہیں، غیر متعصب بھی۔ سنجیدہ بھی میری صحبت میں بیٹھے ہیں، اور مسخرے بھی۔ میرے دوست بھی بہت ہیں اور دشمن بھی۔ میں دنیا میں تمام آدمیوں کو جنہوں نے مجھے کبھی دیکھا یا جانا ہے، گلا پھاڑ پھاڑ کر پکارتا اور دعوت دیتا ہوں۔ وہ سامنے آئیں، اور میرے عقیدے کی بابت جو کچھ جانتے ہوں، برملا کہہ دالیں! وہ جرات سے بڑھیں، اور بتائیں، کبھی کسی حال میں بھی انہوں نے میرے عقیدے میں کوئی تبدیلی دیکھی یا محسوس کی؟ قبرو خانے کی صحبتوں، کھانے کی میز کی نشستوں، بے تکلفی کی ملاقاتوں، سنجیدہ یا مذاح کی گفتگوؤں، غرضکہ کبھی

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

جان جاک روسو

آسقف کا جواب

(۳)

(وحدانیت یا تعدد ؟)

آسقف نے لکھا تھا ”... وحدانیت اسکے (روسو) خیال میں ایک حقیر مسئلہ ہے اور کسی طرح بھی اسکی عقل میں نہیں آسکتا۔ لیکن متعدد خداؤں کا تصور اسکی عقل کے نزدیک معتدل ہے...“

روسو جواب دیتا ہے :

”متعدد خداؤں کا کس نے ذکر کیا؟ اے میرے آقا اسقف! تجھے پر میرا صبر پڑے! میں نے یہ کب کہا؟ بے شک تمہاری دلی آرزو یہی ہوئی کہ میں اس درجہ احمق ہوتا، اور اس طرح کی احمقانہ گفتگو کرتا۔ لیکن اگر میں ایسا احمق ہوتا تو تمہیں میرے ”عالمانہ رد“ لکھنے کا یہ فخر بھی حاصل نہ ہوتا!“

”بلا شبہ میں نہیں جانتا کائنات کیوں بنی ہے، اور کیوں بنی ہے؟ میرے سوا جو لوگ معرفت کے مدعی ہیں، وہ بھی اس باب میں مجھے سے زیادہ علم نہیں رکھتے۔ لیکن میں صاف دیکھتا ہوں کہ اس تمام حرکت کا محرک ایک ہی وجود ہے۔ تمام کائنات ایک ہی رخ رکھتی، اور ایک ہی قسم کے مقاصد پر مرکوز کر رہی ہے۔ یہ اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ کوئی ایک بلند تر ارادہ کارفرما ہے، اور کوئی ایک ہی بالاتر قوت عمل پیدا ہے۔ اس ارادے اور اس قوت کو میں ایک ہی ذات سے منسوب کرتا ہوں، کیونکہ وہ دونوں باہم متفق ہیں، اور ان دونوں کو ایک ہی ذات کا خاصہ سمجھنا، در ذاتوں کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ معتدل ہے۔ تعدد، صرف اسی وقت تسلیم کیا جاسکتا ہے جب اسکا کوئی ثبوت موجود ہو۔ لیکن کائنات میں کوئی اس قسم کا ثبوت موجود نہیں۔ یہ خیال سراسر وہم ہے نہ خیرہ خالق اور شر کا خالق ایک نہیں ہوسکتا۔ جس چیز کو ہم شر سمجھتے ہیں، وہ علی الاطلاق شر ہی نہیں۔ شر مطلق سے مجھے انکار ہے۔ یہ اعتباری شر بھی خیر سے برسرِ پیکار نہیں ہے، بلکہ نظام عالم کی تکمیل میں خیر کا مدد و معارن ہے۔“

(روسو کا عقیدہ)

اسکے بعد روسو اپنی کتاب اور اپنے شخصی عقیدے کی طرف متوجہ ہوتا ہے :

”اب میں وہ سبب بیان کرتا ہوں جس نے مجھے یہ کتاب شائع کرنے پر مجبور کیا۔ اس تمام شور و غوغا کے باوجود بھی میں اس کتاب کو اپنے عہد کی بہترین کتاب یقین کرتا ہوں۔ آگ کے شعلے، حکومتوں کے فیصلے، مذہبی پیشواؤں کے فتوے، مجھے ہرگز مرعوب

”میں نہایت عاجزی سے جناب والا کو یاد دلاتا ہوں۔ بے شک، یہ بالکل معقول ہے کہ انسانی معاملات انسانی شہادتوں سے طے کیے جائیں، کیونکہ ان کے ثابت ہونے کا اس کے سوا کوئی طریقہ موجود نہیں۔ بلاشبہ میں نے اسپارٹا اور آیتھنز کو آدمیوں ہی کی شہادتوں سے جانا۔ لیکن میں یہ ادب دریافت کرتا ہوں کہ میرے اور خدا کے درمیان ان واسطوں کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ضرور ہے کہ یہ واسطے مجھ سے اتنے دور ہوں کہ خود ان کے جاننے کے لیے، مجھے اور بہت سے انسانی واسطے تلاش کرنے پڑیں؟ کیا یہ معقول ہے کہ خدا جان جاک (روسر سے گفتگو کرنے کے لیے ہمیشہ ایک مومس (عالمہ السلام) کو دھونڈھتا پھرے؟“

”پھر یہ بھی نہیں بولنا چاہیے کہ اسپارٹا پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ اگر کوئی اس پر ایمان نہ لائے تو لعنت کا مستحق نہیں ہو جائیگا۔ اسپارٹا کے وجود پر شک کرنے کی وجہ سے ہرگز کوئی دوزخ کا کندا نہیں بن جا سکتا۔ لیکن اگر ایک شخص دینی تعلیمات کی تصدیق نہیں کریگا تو اس کے لیے (بدی عذاب ہے۔ جس بات کے نہ ماننے کی اتنی بڑی سزا ہو، ضروری ہے کہ اس کے ماننے کے ذرائع و دلائل بھی اسی مناسبت سے قطعی اور واضح ہوں۔“

”کوئی بات بھی جو ہماری چشم دید نہیں ہے، بغیر معقول دلیل کے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور ہر بڑی سے بڑی روایت بھی صدق و کذب کی محتمل ہے.....“

”اگر معجزات خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوتے، جب بھی میں اس غیر معقول طریق (ایمان سے انکار کر دیتا۔ سحر کی تصدیق میرے لیے اس سے کہیں آسان ہے کہ خدا کے کلمہ کی غیر معقول طریقہ پر تصدیق کروں۔“

(موجودہ مسیحیت)

اس کے بعد روسر موجودہ مسیحی دین پر اظہار خیال کرتا ہے :

”آسقفوں اور پادریوں نے مسیحیت کو اس کی اصلی روح سے محروم کر دیا ہے۔ اب یہ سوال نہیں کیا جاتا کہ ایک مومن فرائض، راجیات کہاں تک انجام دیتا ہے؟ اور نیکی میں اس کی دوز کھانک ہے؟ سوال صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ کس فرقہ کے خرافات (جنہیں غلط طور پر ”عقائد“ کا نام دیا گیا ہے) مانتا ہے؟ وہ آیتھولک ہے یا پورٹسٹنٹ؟ تم سے یہ کوئی نہیں پوچھیگا کہ خدا سے دُرتے بھی ہو یا نہیں؟ لیکن ہر کوئی اس بات پر تمہاری جان لینے کیلئے طیارہ جرائیگا کہ تم فلاں ولی کی کرامت کے قائل بھی ہو یا نہیں؟ دین اپنی اصلی شکل میں صاف، سادہ، ستھرا تھا۔ آسے ان جہہ پوشوں نے خرافات و خزعیلات اور غیر مفہوم قبیل و قال کا غیر مرتب مجموعہ بنا دیا ہے۔ اگر تم اس تمام ثقافت سے جو آج کل دین کے نام سے موسوم ہے، ازسرقا یا آلودہ ہو، تو بس، تم مومن کامل ہو۔ اب تمہیں کسی نیکی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ سیدھے آسمان کی بادشاہت (جنت) میں داخل ہو جاؤ گے!“

”انسانی جماعت کو دین سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، جبکہ دین اتنی پست سطح پر آجائے؟ اس صورت میں دین کا مقصد کیا رہ جاتا ہے؟ صرف یہ کہ انسانوں میں بغض و عناد کی تغیر پڑی کرے، اور خونریز میدانوں کا سامان بہم پہنچائے! بلاشبہ جب دین اس حالت میں آجائے تو اس کے وجود سے اس کا عدم کہیں زیادہ بہتر ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے

کسی موقع پر بھی انہوں نے میری زبان سے کوئی ایسا لفظ سنا جو اس سے مختلف تھا، جس کا میں اپنی کتابوں میں اعلان و اشتہار کرتا رہا ہوں؟ وہ صاف صاف کہیں، ”انکی دلیلیں، انکی نکتہ چینیل، انکا تمسخر، کبھی میرے عقیدے میں کوئی تزلزل پیدا کر سکا ہے؟ وہ بتائیں، کبھی، ایک لمحہ کیلئے، انہوں نے محسوس کیا کہ میں کوئی ایسا عقیدہ یا خیال رکھتا ہوں جو علی الاعلان دنیا کے سامنے ظاہر نہیں کرتا؟ ہاں، میں اپنے تمام دوستوں اور تمام دشمنوں کو ایک ساتھ دعوت دیتا ہوں۔ دوستوں کو دوستی کا واسطہ دیتا ہوں۔ دشمنوں کو دشمنی کی قسم دیتا ہوں۔ بے روعایت، بے خوف و خطر، مردانہ وار میدان میں آئیں، اور جو کچھ بھی میری نسبت کہہ سکتے ہوں، بے کھنگے کہہ ڈالیں! میں اپنے دوستوں اور دشمنوں، دونوں کی شرافت و دیانت پر بغیر کسی پس و پیش کے بھروسہ کرتا ہوں۔ میں اپنی پوری شرافت ان کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ میں ہرگز کسی سے بحث اور حجت نہیں کروں گا۔ جو کچھ بھی وہ کہہ دیں گے، بے چوں و چرا تسلیم کر لوں گا!“

(انبیاء کرام کی عظمت)

”میں ان تمام انسانوں کی عزت کرتا ہوں جنہوں نے مذاہب وادیان قائم کیے ہیں۔ وہ سب عظیم کمال اور اعلیٰ فضائل کے مالک تھے۔ انکی عظمت و فضیلت ہمیشہ محترم و مسلم رہے گی۔ سب کا دعویٰ تھا کہ وہ خدا کے پیغام بر ہیں۔ ممکن ہے وہ حقیقت میں پیغمبر ہوں یا نہ ہوں۔ سب لوگ کوئی ایک دعویٰ تسلیم نہیں کر لے سکتے۔ دلائل یکساں طور پر سب کی دسترس میں نہیں ہیں۔ لیکن اگر وہ فی الواقع پیغمبر نہ بھی ہوں، جب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کذاب اور دجال ہوں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ الٰہیات میں مسلسل تفکر اور فضائل کا غیر مفید عشق انسانی روح کو کس حد تک پہنچا دے سکتا ہے؟ منطق کو کیا حق ہے کہ مداخلت کرے یہ معاملہ عامیانہ سطح پر لے آئے؟ غیر متناہی بلندی پر پہنچنے کے بعد ہمارا سر چکرا جاتا ہے، اور ہماری نظریں اشیاء کو انکی حقیقی شکل میں دیکھنے سے قاصر ہو جاتی ہیں“

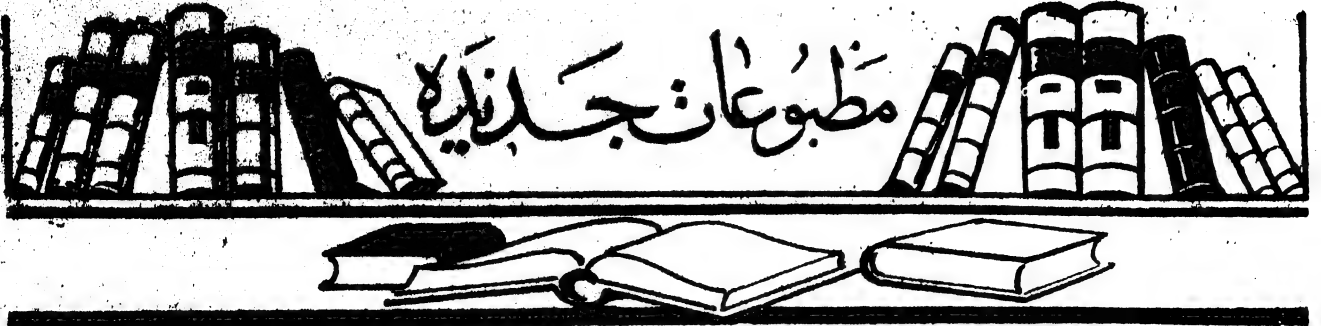
(معجزات)

معجزات پر روسر نے لکھا تھا ”یا للعجب! ہمیشہ آدمیوں ہی کی گواہیاں! آدمی، اپنے ہی جیسے آدمیوں سے سنتے ہیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے ہیں! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کٹنے آن گنت واسطے قائم ہو گئے ہیں؟“

اس پر آسقف نے اعتراض کیا تھا ”اگر آدمیوں کی گواہی معتبر نہیں تو ہم پوچھتے ہیں۔ مؤلف نے اسپارٹا، آیتھنز، اور روم کو کیونکر جانا...؟“

روسر جواب دیتا ہے :

”اگر معاملہ اس درجہ اہم نہ ہوتا، یا میں ابے آقا، آپکا اس درجہ احترام نہ کرتا ہوتا، تو آپ دیکھتے، آپ کے اس طریق استدلال نے میرے لیے اپنے ناظرین کو ہنسانے کی کیسی عمدہ فرصت مہیا کر دی تھی۔ لیکن حاشا وکلا! میں ہرگز اس لہجہ سے دست بردار نہیں ہوں گا جو اس موضوع بحث کے لیے ضروری ہے، اور اس شخص کے مرتبہ کے لائق ہے جس سے مخاطب کی عزت حاصل کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ میرے لیے اس قدر کافی ہے کہ آپ کی غلطی ظاہر کر دوں“



استحضار و مخاطبات ارواح

(عالم ارواح اور سرکونٹن ڈائل کے نئے مباحث)

قارئین الہلال اس سے بے خبر نہ ہونگے کہ انیسویں صدی کے وسط میں استحضار و مخاطبات ارواح (روحوں کے آنے اور مختلف محسوس ذرائع سے سوال و جواب کرنے) کا جو مذہب امریکہ میں ظاہر ہوا تھا، وہ برابر نشرو نما پاتا رہا، اور اس وقت یورپ اور امریکہ میں اس کے معتقدوں کی ایک بہت بڑی جماعت موجود ہے۔ اس جماعت میں ہر درجہ اور ہر طبقہ کے آدمی پائے جاتے ہیں۔ فلسفہ و حکمت کے ماہر، علوم و فنون کے اساتذہ، علمی و صناعی انکشافات و اختراعات کے مشاہیر، ادب و کتابت کے مسلم ارکان، عام اہل قلم و نظر، کوئی حلقہ ایسا نہیں ہے جہاں تک اس اعتقاد کے اثرات نہ پہنچ چکے ہوں۔ اس کے اصول و قواعد مدون ہو چکے ہیں، بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں، تحقیقات و تجارب کے باقاعدہ مجامع کام کر رہے ہیں، پچاس سے زیادہ اخبارات و رسائل صرف اسی موضوع پر شائع ہو رہے ہیں، ایک مکمل مذہب علمی کی شکل میں قواعد و مبادیات مرتب ہو گئے ہیں، اور معاملہ نے اس حد تک اہمیت حاصل کر لی ہے، کہ وقت کے بعض اکابر اہل علم نے اپنے درس و نظر کے لیے صرف یہی موضوع منتخب کر لیا ہے!

انیسویں صدی کے اواخر کے علماء میں سے پروفیسر رسل ویلز نے جو ناموس مشورۃ ارتقا کے اکتشاف میں دارون کا معاصر و شریک تھا، صاف صاف لفظوں میں اسکا اعتراف کیا تھا، اور اسے عصر حاضر کے خوارق سے تعبیر کیا تھا۔ پروفیسر ولیم کروکس نے جو انگلستان کا سب سے بڑا عالم کیمیا تسلیم کیا تھا، اور جس نے سب سے پہلے مادہ کے اشعاع کی حقیقت معلوم کی اور برق کے لیے وہ نیا آلہ ایجاد کیا جو اسی کے نام سے مشہور ہے، کئی ماہ کی تحقیقات و امتحان کے بعد یہ رائے قائم کی تھی کہ ”مخاطبات ارواح کے مشاہدات نا قابل انکار ہیں“ ڈاکٹر میسر (Mueser) اور رچرڈ ہاڈسن کیمبرج یونیورسٹی میں علم النفس کے مسلم اساتذہ تھے۔ ان دونوں نے بھی بغیر کسی جھجک کے اپنے اعتراف کا اعلان کر دیا تھا۔ پروفیسر

کہ دین کو اس پسندی سے نکالیں۔ انسانیت کے ہم پر حقوق ہیں۔ یہی حقوق ہمیں معجز کر کے دیے ہیں کہ دین کو خرافات سے پاک کر کے اصلی صورت میں پیش کر دیں۔ تمہاری یہ سزائیں، دھمکیاں، پھاسداں، اور آگ کے شعلے ہمیں ہرگز مرعوب نہیں کر سکتے۔“

(عہد جدید کی پیشین گوئی)

”جب لوگوں کی آنکھوں پر سے پردہ اٹھ گیا اور حقیقت نظر آئی تو بلاشبہ وہ مشہدہ موجودہ دین کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیں گے۔ کیونکہ یہ حقیقی دین نہیں ہے۔ وہ سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ ان خود غرض اور رباکار پیشواؤں کے احترام سے انکار کر دیں۔ وہ ان سے کہیں گے: تم ہی نے ہمارا دین بگاڑا، اور تم ہی ہماری شقاوت کا سبب ہو۔ جب وہ مبارک زمانہ آئے گا تو اس کا سب سے زیادہ مبارک عمل یہی ہوگا۔“

(خاتمہ)

اپنا جواب دوسو اس عبارت پر ختم کرتا ہے:

”اے اسقف اعظم! تم اور تمہارے گروہ کے لیے باتیں بنانا بہت آسان ہے۔ تم لوگ اپنے حقوق کے سوا دوسروں کے حقوق نہیں جانتے۔ تمہیں صرف وہی قانون معلوم ہیں جن سے غیروں کو جکڑتے ہو۔ خود اپنے نفس کے عقیدہ کے والے قانون تمہاری کتاب میں نہیں لکھ گئے۔ تم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں ہو کہ عدالت و انصاف سے بالاتر ہو، بلکہ انسانی عواطف و جذبات کا بھی اپنے تئیں پابند نہیں سمجھتے۔ تم اموز پر تکبر سے ظالم کرتے ہو، اور تم سے کوئی باز پرس نہیں کرتا۔ لوگوں کی توہین تمہارے لیے ویسی ہی آسان ہے، جیسی ان کے لیے تمہاری سنگ دلی سہل ہے۔ تم ہمیں اس طرح زندہ ہو جس طرح خاک روندی جانی ہے۔ تم کہی ہمیں آگ میں جلانے ہو، تبھی سولی پر چڑھانے ہو، کہی صرف توہین و تذلیل پر اکتفا کر لیتے ہو۔ تمہارے قہر و غضب کیلئے ضروری فہم کہ ہم سے کوئی خطا بھی سرزد ہوئی ہو۔ اگر تمہاری مصلحت کا اقتضا یہی ہے تو پھر اثبات جرم کے لیے کسی بات کی ضرورت نہیں۔ اور ہمیں شکایت کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ اگر ہم اسکی جرات کریں کہ اپنی پراوت اور تمہاری غلطی ظاہر کریں، تو ہم گستاخی کے مجرم قرار دیے جاتے ہیں!“

(اسقف سے آخری خطاب)

”اے میرے آقا! آپ کے مجرمہ پر علانیہ طعن و تشنیع کی۔ بلکہ مجھے نالیال بھی دے ڈالیں۔ اگر میری طرح آپ بھی کوئی معموری آدمی ہوتے اور میں اپنی کتاب کے ساتھ آپ کو عدالت کے سامنے لے جا سکتا، تو آپ دیکھ لیتے کہ عدالت کا فیصلہ آپ کے حق میں آتا ہی سخت ہوتا، جتنا سخت یہ گناہ ہوا ہے۔ لیکن آپ ایک ایسی جماعت میں سے ہیں، جو منصف و عادل ہونے سے ہمیشہ کے لیے مسیتل ہو کر رہ گئی ہے۔ رہا میں، تو میں ایک معص

بے حقیقت آدمی ہوں۔ مجھے اتنا آرزو کہنے کی اجازت دیجیے کہ آپ دینی پیشوا ہیں۔ انجیل کے عالم ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ مخلوق کو اس کے فرائض کی تعلیم دے۔ لیکن یہ تعلیم خود اپنے نفس سے شروع ہوئی چاہیے۔ آپ کو ایک لمحہ کے لیے سوچنا تھا کہ میرے معاملہ میں آپ کا فرض کیا تھا؟ اور کھاننگ تھا؟ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب کچھ کہنے کو باقی نہیں رہا، اس لیے چپ ہو جاتا ہوں!“

نک • بمشکل کوئی مہینہ ایسا گزرا ہے جس میں سر ڈائل کی کوئی نہ کوئی تحریر و تقریر اس موضوع پر شائع نہ ہوئی ہو۔ حال میں انگلستان کی انجمن روحانیین نے ایک نہایت دلچسپ مجموعہ بارہ مقالات کا شائع کیا ہے۔ ان میں سے آٹھ مقالات سر ڈائل کے لئے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب پچھلی ڈاک سے ہمیں وصول ہوئی ہے اور اس موضوع پر افکار و تاثرات کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے۔

موجودہ انگریزی علم ادب میں سر کونن ڈائل کا نام ان کے مخصوص مذہب افسانہ نویسی کی وجہ سے اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ شاید ہی کوئی افسانہ نویس اس قدر مشہور ہوا ہو۔ انہوں نے فن سراغ رسانی کی افسانہ نویسی میں ایک نئے مذہب (اسٹول) کی بنیاد ڈالی اور ”شرلاک ہومز“ کے نام سے اس کے حیرت انگیز کارنامے قلمبند کیے۔ ان کے قلم سے اگرچہ مختلف معاشرتی اور نفسیاتی مواضع پر بہت سے اصناف نکل چکے ہیں، لیکن انکی شہرت کی اصلی تاریخ شرلاک ہومز کے کارناموں ہی سے شروع ہوتی۔ ان افسانوں کی مقبولیت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ شرلاک ہومز کا جو فرضی مکان نمبر ۱۰ - بیکو اسٹریٹ لندن میں دکھایا گیا تھا، وہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دماغ میں ایک حقیقی شے کی طرح بوٹھو چکا ہے اور جب کبھی سیاحان عالم پہلی مرتبہ لندن جاتے ہیں تو یہ جاننے پر بھی کہ ”شرلاک ہومز“ محض ایک فرضی سراغ رساں سیوہ (کیوریکٹر) ہے، اپنی طبیعت کو اس جذبہ سے نہیں روک سکتے کہ ایک مرتبہ بیکو اسٹریٹ جا کر کسی ایسے مکان کی زیارت کر لیں جس کا نمبر دس ہو!

احمد ریاض بے ”عبد الحمید ثانی و دور سلطنتی“ (یعنی سلطان عبد الحمید ثانی اور اس کے عہد حکومت کی تاریخ) میں لکھتا ہے کہ سلطان مرصوف شرلاک ہومز کے کارناموں کے اس قدر شائق تھے کہ حکم تھا، جونہی کوئی نیا افسانہ شائع ہو، فوراً ترکی میں ترجمہ کر کے پیش کر دیا جائے۔ ایک خاص شخص ادیب بے اس نام پر مامور تھا۔ آخری زار روس کی نسبت بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتا تھا ”مجھے کتابوں کی قسم میں سے کوئی چیز بھی دل پسند نہیں ہے۔ الا شرلاک ہومز“



روح کا نقار اب سفید دھوس بی شال میں
جیسا کہ اس مذہب کے معتقدین کا خیال ہے

یہی شرلاک ہومز
کا مصنف اب دنیا میں
عالم ازواج کا سب سے
زیادہ پوجش و سرگرم
نقشب از داعی ہے!
(سر کونن ڈائل کے
مقالات)

جس نئی کتاب
کا ہم نے ابھی ذکر کیا
ہے اس کا آٹھ مقالات
دراصل سر کونن ڈائل
کے روحانی اعتقاد کی
پیدائش و تکمیل کی
مسلسل داستان ہیں۔
پچھلے مقالہ میں اس
نے بتلایا ہے کہ کس

لومبروز (Lombroso) جو اٹلی
کا مشہور ماحر طبیعیات ہے اور
جس نے باسڈیور کے بعد جوائیم
کے علم کی تدبیریں کی۔ نہ
صرف اس کا معترف ہوا بلکہ
اس موضوع پر ایک رسالہ بھی
لکھ کر شائع کیا۔ ایمیل فلا مارین
(Camille Flammarion)
انیسویں صدی کے علماء فلکیات
میں نہایت سر پرآوردہ عالم تھا۔
غالباً چار پانچ سال پہلے اس کا
انتقال ہوا ہے۔ یہ نہ صرف اسکا
معترف تھا بلکہ نہایت پر جوش

معتقد تھا۔ اسکی آخری دو کتابیں اسی موضوع پر ہیں اور یورپ
کی تمام زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ پروفیسر ہکسلی، ڈاکٹر
لونس، سر جان فاکس، پروفیسر پارکس، پروفیسر زولنر، ڈاکٹر ویر،
ولیم لیوی ولڈ وغیرہم جو انیسویں صدی کے دائرہ علم و نظر کے
مسلم ارژن تھے، کم و بیش اس کا اعتراف کرچکے ہیں۔

امریکہ کے مشاہیر عام و نظر میں چارلس نارٹن اور ولیم
ڈاسن جو شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) میں علم النفس (سائکالوجی)
کے استاد تھے، اسکی تصدیق و حمایت میں برابر مقالات
و رسائل شائع کرتے رہے۔ انگلستان کے علم مشاہیر سیوہ
و ادب میں مسٹر بالفور اور مسٹر اسٹیڈ (سابق محکمہ رپورٹ آف
یورپ) کا نام بھی اس کے معتقدین کی فہرست میں مشہور ہو چکا
ہے۔ مسٹر اسٹیڈ نے تو روحانی سوال و جواب کا ایک باقاعدہ دفتر
کھول دیا تھا۔ اُنکے عالم ازواج کے دوستوں میں سب سے زیادہ مشہور
دوست اسکاٹ لینڈ کی ”مارگریٹ“ تھی۔ اُنکا بیان تھا کہ وہ
مارگریٹ کے ذریعہ عالم ازواج کی تمام ضروری شخصیتوں سے نامہ
و پیم کر لیا کرتے ہیں!

موجودہ عہد کے مشاہیر اہل علم میں چارلس الیٹ، ولیم جیمس،
جیمس ہیڈلر، اور سر آلیور لاج Oliver Lodge خصوصیت
کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ چارلس الیٹ اور ولیم جیمس ہارورڈ
یونیورسٹی (امریکہ) میں علم النفس کے استاد ہیں، جیمس
ہیڈلر کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ) میں علوم عقلیہ کے مسند
ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں، اور سر آلیور لاج کی علمی شہرت
محتاج بیان نہیں۔ یہ تمام علماء اس مذہب پر علمی تیشن کے
ساتھ اعتقاد رامتے ہیں اور اسکی اشاعت و تبلیغ انکی تحریر و تقریر
کا موضوع بحث ہے۔ سر آلیور لاج کا لڑکا پچھلی عالمگیر جنگ
میں قتل ہو گیا تھا۔ اُن کا بیان ہے کہ مرنے کے بعد ہی اس
کی روح نے انہیں مخاطب کیا، اور اب بھی وہ جب چاہیں، آت
بلا سکتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کر سکتے ہیں!

(سر کونن ڈائل)

لیکن موجودہ زمانے کے مغربی روحانیین میں شاید ہی کسی
اہل قام نے اس تبلیغی جوش و سرگرمی کے ساتھ اس مذہب کا
اعتقاد ظاہر کیا ہوگا جیسا کہ کچھ عرصہ سے انگلستان کے مشہور
فسانہ نویس سر کونن ڈائل Conan Doyle کی شخصیت میں
ظاہر ہوا ہے۔ عالمگیر جنگ یورپ کے بعد سے لیکر اس وقت



سر کونن ڈائل

کریگی۔ مگر اسی وقت، جب اسکے ارکان وہ چلا اتار دینگے جو اس موت نے اسے پہنا رکھا ہے، اور اس تحریک کے حقیقی سرچشمہ بنیں گے۔ پہنچینگے جو مشرق کی سرزمین پر موجود ہیں۔

پھر میں نے وہ تمام کتابیں پڑھیں جو علماء عقائد کے مذہب کے خلاف لکھی ہیں۔ لیکن مجھے کوئی تشفی نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ کبھی ایجابی بات کہتے ہی نہیں۔ انکے پاس جو کچھ ہے، سلبی اور انکاری ہے۔

مدت تک دنیا کی دوسری مشغولیتوں اور مسلسل سفر میں رہنے کے بعد پھر مجھے اس اہم موضوع کے لیے مہلت ملی۔ بتدریج مجھے میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ ہماری اس زندگی کے علاوہ کوئی اور مغنی زندگی بھی ضرور موجود ہے، اور وہ شاید ہماری زندگی سے زیادہ لطیف اور خوشگوار ہے۔

سنہ ۱۸۹۲ء یا سنہ ۹۳ میں انجمن علوم نفسیہ نے مجھے اور ڈاکٹر اسکاٹ اور مسٹر بومر کو ایک مکان کی تحقیقات کیلئے بھیجا۔ اس مکان کے متعلق مشہور تھا کہ اُس میں روحیں رہتی ہیں اور شور و ہنگامہ بڑا کیا کرتی ہیں۔

ہم دو رات اس مکان میں رہے۔ پہلی رات کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ دوسری رات ڈاکٹر اسکاٹ مایوس ہو کر چلے گئے۔ صرف میں اور مسٹر بومر رہ گئے۔ ہم نے ہر طرح کے دھوکے سے بچنے کا پورا انتظام کر لیا تھا۔ زینہ پر تار بچھا دیے تھے تاکہ اندنی سی حرکت کا بھی ہمیں علم ہو جائے۔

ٹھیک آدھی رات کو ہم نے اچانک سخت شور سنا۔ ایسا معلوم ہوا، گویا کوئی میز کو موٹی لاتی سے پیت رہا ہے۔ ہم نے فوراً دروازہ کھولا اور بارچی خانہ کے طرف درز پڑے جہاں سے آواز آرہی تھی۔ مگر ہمیں سخت حیرت ہوئی۔ بارچی خانے کا دروازہ اور کھڑکیاں بالکل بند تھیں۔ زینہ پر بچے ہوئے تار بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے!

اسکے بعد رات بھر ہم نے کوئی آواز نہیں سنی۔

اس واقعہ کے چند سال بعد یہ مکان جل گیا۔ اسکا باغ کھودا گیا تو زمین سے دس برس کے ایک لڑکے کی ہڈیاں نکلیں۔ یہ رات کا شور درحقیقت اسی لڑکے کی روح کا شور تھا۔ وہ اسی گھر میں قتل ہوا تھا اور اُسکی روح اس میں رہنے والوں کو پریشان کیا کرتی تھی۔

اس سلسلہ میں یہ نظریہ بہت سے لوگوں کے سامنے ہے کہ اگر کسی جوان آدمی کی زندگی کسی غیر طبعی اچانک حادثہ سے تلف ہو جائے، تو اُسکی روح کی حیثیت موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اور عجیب عجیب صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

کانن ڈائل نے آخر میں لکھا ہے ”اس قسم کے بے شمار واقعات مشاہدہ کرنے کے بعد میں نے اس علم کا وسیع مطالعہ کیا۔ یہاں تک کہ اب مجھے اس پر پورا یقین ہو گیا ہے۔ میرا اعتقاد ہے کہ روحوں سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔“

اس کے بعد کے مقالات میں وہ تجربے اور مشاہدے بہ تفصیل بیان کیے ہیں جو سالہا سال تک وہ ”اپنے اذعان و تشفی کیلئے“ جمع کرتا رہا۔ پھر اُن اعتراضات اور شکوک کے جوابات دیے ہیں جو اُن کے خیال میں منکرین مذہب استحضار کے ”بنیادی“ اعتراضات ہیں۔

طرح پہلے پہل اُسے مذہب مخاطبات اِراج کی طرف توجہ دے رہی، اور کس طرح ایک جاحد منکر کی جگہ وہ مصدق معتقد بن گیا۔ دوسرے میں اپنے متعدد تجربے اور مشاہدے بیان کیے ہیں۔ تیسرے اور چوتھے میں منکرین کے رجحان پر بحث کی ہے۔ پانچویں سے لیکر آٹھویں مقالہ تک کا موضوع عالم مادی و روحی کے علائق ہیں اور اس ضمن میں اُن امکانات کی نہایت دلنشیں تصویر کھینچی ہے جو بدان بردہ علائق کی ترقی سے دنیا کی مغربی زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دینگے!

(سرکونن ڈائل کا بیان)

پہلے مقالہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

”سنہ ۱۸۸۶ء سے پہلے میں جنوبی افریقہ میں طبابت کرتا تھا۔ اُس وقت میرے عقائد کا یہ حال تھا کہ اُن لوگوں پر ہنسنا تھا جو روح کے مصطلحہ وجود پر یقین رکھتے ہیں۔ میں خیال کرتا تھا کہ اِس سے زیادہ بے عقلی اور رجم پرستی کی اور کوئی بات نہیں ہوسکتی۔

میں بھی آج کل کے تمام جدید تربیت یافتوں کی طرح سائنس پر ایمان رکھتا تھا۔ میرا مذہب، مذہب مادی تھا۔ میرا اعتقاد تھا کہ روح، بجز اسکے کچھ نہیں کہ جسم کے وظائف و ترکیب ہی کا ایک نتیجہ ہے، اور عقل کا مرکز دماغ میں ہے۔ میرا یقین تھا کہ دوائیں انسانی طبیعت میں تبدیلی پیدا کر سکتی ہیں۔ اور اُسے نیک اور بد بنادے سکتی ہیں۔ اُس وقت کبھی میرے ذہن میں یہ موٹی سی بات نہیں آئی کہ ایک ماهر موسیقی ہمیشہ ماهر موسیقی ہی رہیگا اگرچہ اُسکی بانسری توت جائے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ وہ اپنا ہنر ظاہر نہ کر سکے گا، لیکن اُسکا کمال اُس میں بدستور موجود رہیگا۔

سب سے پہلے جس کتاب نے میرے خیالات میں تبدیلی پیدا کی اور مجھے الحاد و مادیت سے نکالا، وہ ”میرز“ کی کتاب ”شخصیت انسانی“ ہے۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ اُن کتابوں میں سے شمار کی جائے جنہوں نے انسانی انکار کا بہاؤ ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دیا ہے۔ مثلاً دارن کی کتاب اصلیت انواع اور لیکن کی کتاب منطق جدید۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد میں نے انتقال فکری کے تجربے شروع کیے۔ میرے ایک دوست مسٹر پال کو بھی اِس موضوع سے بڑی دلچسپی تھی۔ میں اُنکے پیچھے بیٹھ جاتا اور کاغذ پر بعض نقشے بناتا۔ مجھے ہر مرتبہ یہ دیکھ کر حیرت ہو جاتی تھی کہ وہ میرے بنائے ہوئے نقشے بعینہ اپنے کاغذ پر اتار لیتے تھے، حالانکہ وہ میرا کاغذ نہیں دیکھتے تھے۔ پھر میں نے یہ تجربہ بھی کیا کہ وہ دوسرے مکان میں بیٹھا کریں۔ لیکن پھر بھی میں نے دیکھا کہ وہ نقشوں کی بالکل صحیح نقل اتار لیتے تھے!

اُس وقت مجھے یقین ہوا کہ عقل کو دماغ کا دوسرا فعل سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا جس طرح ہم صفحہ کو جگر کا فعل سمجھتے ہیں۔

اسکے بعد میں نے تھیاسوفی کا مطالعہ شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ اِس تحریک کی علم بردار اور رہنما مدم بلیوتسکی ذہین مگر مکار عورت ہے۔ لیکن اِس دروغ گو عورت کی موجودگی سے اِس تحریک پر حرف نہیں آسکتا۔ یہ ایک صحیح تحریک ہے۔ یہ ضرور ترقی

اردو طباعت کا مسئلہ اور افکار و آراء

اردو ٹائپ

ایک مراسلہ

آپ نے ۲۹ جولائی کے ”الہلال“ میں پہلے صفحہ پر اردو ٹائپ کے متعلق ایک اعلان شائع کیا ہے اور اس بارے میں رائیں طلب فرمائی ہیں۔ اپنی رائے آپ نے یہ دی ہے کہ جس ٹائپ میں الہلال چھپتا ہے یعنی جو ٹائپ صفحہ ۳ سے استعمال کیا گیا ہے وہ اعلان مذکور کے ٹائپ سے بہتر ہے۔ مجمع بھی اس سے اتفاق ہے۔ لیکن اس ٹائپ میں بھی اصلاح اور ترمیم کی گنجائش اور ضرورت ہے۔ یہ مان کر کہ اردو کی لیے ٹائپ کی اشد ضرورت ہے اس بارے میں اپنی رائے عرض کرتا ہوں۔

سب سے اول ایک اصول کی بات بتانا ضروری ہے۔ چونکہ اب یہ سوال اٹھایا گیا ہے اس لیے نہایت ضروری ہے کہ پنجاب اور برہم پٹی کے تعلیمی محکموں سے سب سے پہلے استصواب کیا جائے۔ پنجاب کی نسبت مجمع زیادہ واقفیت ہے۔ یہاں تعلیمی اور سرکاری مطبوعات کی کتابت کے خاص قاعدے وضع کئے جا چکے ہیں جن پر برسوں سے عمل ہو رہا ہے۔

بہتر تو یہ ہوتا کہ آپ اپنے اعلان کے ساتھ تمام حروف تہجی اور علامات وغیرہ کی ساری شکلیں جو آپ کے مجوزہ ٹائپ میں ہیں دیدیتے تاکہ رائے دینے والوں کو آسانی ہوگی۔ خیر، سردست جو کچھ میری سمجھ میں آیا عرض کیا جاتا ہے۔

”مد“ کی علامت آپ کے ٹائپ میں صرف خفیف سی فتحہ کی علامت کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ جیسی صفحہ ۳ کالم اول کی اخیر سطر میں ”آخر“ پر موجود ہے۔ یہ علامت زیادہ واضح اور نستعلیق کے الف ممدودہ کی سی ہونی چاہیے۔ اعلان مذکور یعنی صفحہ اول میں جو علامت ”آج“ پر لگائی گئی ہے کہیں نہ اسی کو اختیار کیا جائے؟ وہ بہت صاف اور واضح ہے۔

تشدید کی علامت اس ٹائپ میں نہیں پائی جاتی۔ یہ اضافہ ہونی چاہیے۔

حزم کی علامت بھی اس ٹائپ میں نہیں پائی جاتی۔ یہ بھی اضافہ ہونی چاہیے۔

شیں معجمہ اس ٹائپ سے غائب معلوم ہوتا ہے۔ سین مہملہ پر نقطہ لگا کر کام چلایا گیا ہے۔ اسے کیوں خارج کیا جائے؟

آجکل کتابت اور املا کا مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ صرف ہائے مخلوط اللفظ دو چشمی لکھی جاتی ہے۔ مگر آپ کے ٹائپ میں اس کا لحاظ نہیں۔ اس کے بنانے والے ذوق کے ”کتابت والے“ نے ہم مشرب معلوم ہوتے ہیں جن سے شیخ مرحوم کو یہ شکایت تھی:

ہائے رے حسرت، دیدار میری ہائے کو بھی

لکھتے ہیں ہائے دو چشمی سے کتابت والے

اے کوکیوں نے لکھا جائے؟ یہ ضرور ہے کہ اس کلمہ کو ہائے ہوؤ سے لکھیں تو نیچے ایک شورشہ بڑھانا پڑے گی کیونکہ یہ حرف جب

(تصویر کا دوسرا رخ)

یہ اس تصویر کا ایک خاص رخ تھا جو سرکونز ڈائل اور آن کے ہم مشرب دیکھ رہے ہیں، لیکن اس کا دوسرا رخ بھی ہے، اور اگر اس پر نظر ڈالی جائے تو یہ معاملہ اس قدر سہل و آسان نہیں رہتا کہ سرکونز ڈائل کی طرح کسی غیر آباد مکان میں بھرتوں اور زخموں کے ”موٹی لائی“ سے میز ٹھونکنے کا شور سنکر فیصلہ کر دیا جائے!

جہاننگ اس مذہب کے مخالفین و منکرین کا تعلق ہے، دور حاضر کی تین جماعتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

(۱) عام علماء مادیئین جنہوں نے اس معاملہ کو اس درجہ اہمیت ہی نہیں دی کہ اس پر توجہ کی جائے۔

(۲) ایک بڑی تعداد ان علماء مادیئین کی جنہوں نے اس پر بحث کی ہے، اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ علمی اصول پر ”اثبات“ کے حد تک یہ معاملہ نہیں پہنچا ہے۔

(۳) بعض اہل علم جنہوں نے خصوصیت کے ساتھ اس مذہب کا مطالعہ کیا اور عرصہ تک تحقیقات میں مشغول رہے، اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ استحضار آرواح کا معاملہ اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ یا تو کمزور طبائع کا انفعالی تاثر ہے، یا خوش اعتقادی کا ذہنی فریب، یا چند ایسے شعبہ گروں کی شعبہ گری جو جدید علم کیمیا اور فزوں عجیبہ کی مدد سے زیادہ بہتر اور محفوظ قسم کا شعبہ دکھلا سکتے ہیں۔

صحیح رائے قائم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ معتقدین، متوقفین، اور منکرین، تینوں کے مباحث و دلائل پر نظر ڈالی جائے۔ ہم آئندہ کسی موقع پر شرح و بسط کے ساتھ اس موضوع پر اپنے مطالعہ و نظر کے نتائج شائع کریں گے۔

ضروری اطلاع

جو حضرات الہلال دی۔ پی۔ پارسل کے ذریعہ طلب فرماتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دی۔ پی کا رزیہ منی آرڈر کی طرح وقت پر وصول نہیں ہوجاتا۔ اکثر دیر ہوجاتی ہے، اور چونکہ رزیہ کی وصولی کے بعد ہی خریدار کا نام رجسٹر میں درج کیا جا سکتا ہے، اس لیے اس وقت تک پرچہ جاری نہیں ہوتا جب تک رزیہ وصول نہ ہو جائے۔ اگر اس وجہ سے اجراء میں دیر ہوجاتی ہے تو اس میں دفتر کی معذرتی ظاہر ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیج دی جائے۔

منیجر

اسی نمبر کے اُس حصہ میں جو کاتب کا لکھا ہوا ہے، ایسی ”ی“ کے نیچے نقطہ نہیں دیے گئے۔ یہ دو عملی کیا معنی؟ ان دو نقطوں کی ضرورت کیا ہے؟ کاتب کا وقت اور پریس کی سیاہی فضول کیوں خرچ ہو؟ جرمنی کا اردو ٹائپ بھی اسی اسراف کا مرتکب ہے۔ دیوان غالب جو رہاں سے ٹائپ میں چھپ کر آیا ہے، اس میں چند ایسی بد عنوانیاں نظر آئیں جو شاید آپ کے ٹائپ میں نہیں ہیں۔ اس کتاب کا صفحہ ۱۲۱ ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے آخر میں ایک نا مکمل غزل ہے :

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہر :

زباں کوئی نہر

”کوئی“ کا لفظ چار جگہ تو ردیف کا جز بنکر آیا ہے اور دو جگہ مصرعوں کے متن میں۔ پانچ جگہ تو اس حرف کی شکل اور شان یکساں ہے، لیکن ایک جگہ اُن سے نرالی شان میں لکھا گیا ہے :

”ہوئی“ کو دیکھ کر دیکھ کر کوئی نہر دیکھ کر

سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک ہی لفظ اور ایک ہی تحریر اور ایک ہی معنی میں دو شکلیں کیونکر اختیار کر سکتا ہے؟ یہ بد عنوانی نہ ہونی چاہیے۔ اسی غزل کے مطلع کے دوسرے مصرع میں ”ہم سخن“ کا لفظ آیا ہے۔ لفظ ”سخن“ میں ”س“ اس انداز سے ”خ“ کے ساتھ ملایا گیا ہے جس طرح حرف شناس بچے لکھا کرتے ہیں۔ حرف کی ملاوت کا یہ طریق پسندیدہ نہیں۔

اردو ٹائپ کی وکالت کرتے ہوئے مطبع نظر صرف یہی نہ ہونا چاہیے کہ ارباب صحافت کو کاتبوں کی ناز برداری سے نجات ملے اور اخبار و جرائد جلد اور ایک ہی خط میں چھپ جائیں۔ بلکہ آپ کا فرض ہے کہ اسے ایک قسم کا قومی ادارہ تصور فرمائیں۔ اور آج کل کے مرجعہ طرز املا پر کچھ ترقی کریں۔ نہ یہ کہ اس کی ضروریات بھی پوری نہیں۔ مبتدیوں کے لیے اردو کا قاعدہ بھی چھپکا اور علما کی تصانیف عالیہ بھی۔ اس لیے یہ ایسا ہونا چاہیے کہ انشا کی تمام ضروریات اس سے پوری ہو جائیں اور یہ فن املا کا کماحقہ نمایندہ بن کر کثابت کا نعم البدل ثابت ہو۔

اور مولانا! اس کا بھی خیال رکھیے کہ آج کل انسانی مصروفیت کے ہر شق میں جمالیات کا بڑا زور اور رسوخ ہے۔ جو ٹائپ تجویز ہو، وہ خط نستعلیق کے برابر تو دیدہ زیب ہونا چاہیے۔ یہ کیا ہوا کہ بچوں کے کتھننے یا کیتے مکرے کاغذ پر چھاپ کر پیش کر دیے۔ میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ ٹائپ وضع کرتے وقت خوبصورتی کا خور کیا جائے۔ کیا وجہ ہے کہ نستعلیق کی نقل نہ کی جائے؟ کیوں اسے اول جلول بنایا جائے؟ آپ کے ٹائپ میں تمام دائرے بد نما اور چپٹے ہیں۔ کیوں نہ گول ہوں؟ آخر اس میں کون سی دقت حایل ہے؟

میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے ٹائپ میں بڑی سرخیاں نسخ میں ہیں۔ یعنی اردو ٹائپ کے ساتھ ایک مطبع کو نسخ کا ٹائپ بھی رکھنا پڑیگا۔ یہ دو عملی بد عملی کا حکم رکھتی ہے۔ خفیہ راجی کے کئی درجے قائم کر کے تمام و کمال ٹائپ نستعلیق میں ہونا چاہیے۔

میں پھر عرض کرونگا کہ سب سے پہلے آپ یہ کیجیے کہ ٹائپ رائٹر کے ”کی برز“ کی طرح آپ کے ٹائپ میں جو چیزیں ہیں، اُن سب کا نمونہ ایک صفحہ پر چھپوا کر شایع فرمائیے تاکہ پتہ چلے اس میں کیا کچھ ہے اور کیا نہیں ہے۔

ٹائپ سے متعلق ایک اقتصادی پہلو بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یعنی یہ بھی دیکھنا ہے کہ کاغذ اور اس کے ساتھ

لفظ کے شروع میں آئے تو شوشہ لاد ہے۔ درمیان اور آخر میں نہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ عربی کے املا میں چونکہ ہائے ہرز کا درجہ شمی شکل میں استعمال بہت تھا بلکہ وہ ہمیشہ درجہ شمی ہی لکھی جاتی ہے جبکہ وہ آخر کلمہ نہ ہو، اسی کا اتباع اردو ٹائپ میں کیا گیا۔ اردو کے مرجعہ قاعدہ املا کے مطابق تو آپ کے جریدہ کا نام ہی غلط لکھا ہوا ہے۔ لوح کو تو جانے دیجیے کیونکہ رہاں ”الہلال“ خط نسخ میں ہے اور اس لیے ہائے درجہ شمی ہے۔ لیکن ہر صفحہ پر جو جریدہ کا نام درج ہے وہ تو نسخ نہیں بلکہ اردو خط میں ہے۔ مگر یہاں بھی ہائے درجہ شمی ہی استعمال کی گئی ہے۔ یہ قاعدہ مذکور کے مطابق غلط ہے۔ آپ کے ٹائپ میں ہائے ہرز جہاں درجہ شمی نہیں رہاں عجیب و غریب شکل اختیار کرتی ہے۔ جیسے صفحہ ۳ کالم ۲ میں ”چہرے“ اور ”نہیں“ کا چہرہ بگاڑ گیا ہے۔ حالانکہ یہی ہائے ہرز اسی کالم میں مضمون ”علم الآثار مصر“ کی اول سطر میں ”پیلے“ کی شکل میں بہت خوب اور صحیح لکھی گئی ہے۔ متشابہ موقعوں پر ہائے ہرز کو اس ”پیلے“ کی شکل میں ہی کیوں نہ لکھا جائے؟

نوں غنہ جب لفظ کے آخر میں آیا ہے اس میں نقطہ نہیں دیا گیا۔ یہ بالکل درست ہے۔ لیکن یہی نوں غنہ جب کلمہ کے بیچ میں واقع ہو تو کس طرح لکھا جائیگا؟ اس وقت کے املا میں اس پر الٹا جزم لگاتے ہیں۔ مگر جزم آپ کے یہاں ہے ہی نہیں۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ کسرۃ اضافت کا وجود آپ کے ٹائپ میں ہے کہ نہیں۔

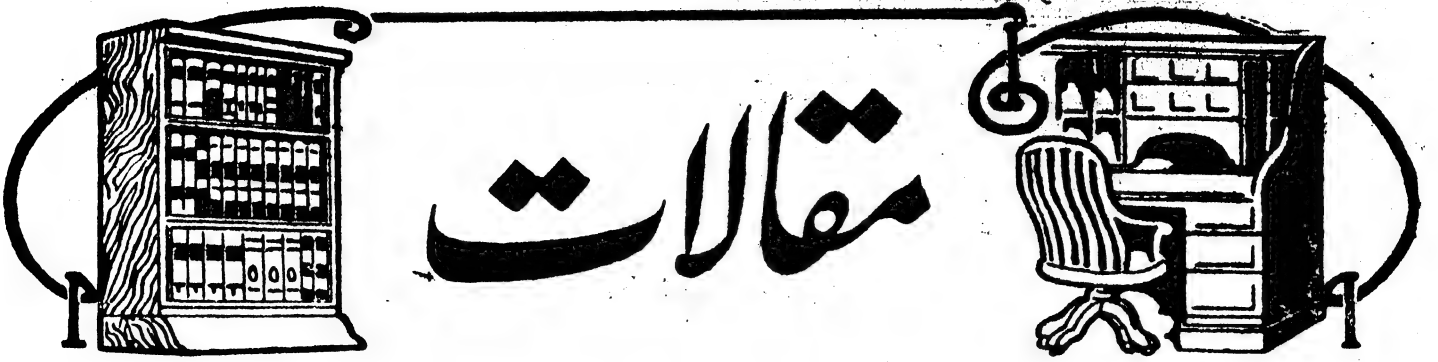
کشش اکثر قاعدہ نستعلیق قدیم و املاے جدید کے خلاف پائی جاتی ہے۔ جیسے مضمون مذکور کی چوتھی اور پانچویں سطروں میں ”رکھتے“ اور ”کردیتے“ میں ”ی“ سے پہلے واقع ہوئی ہے۔

املاے قدیم اور جدید دونوں کا مسلمہ اصول ہے کہ حرف کے امتزاج میں کوئی شوشہ فالٹو نہیں ہوتا۔ مثلاً ”بغتاً“ میں تین شوشے یا دندانے ہونگے۔ اگر آپ ایک اور دندانہ بڑھادیں تو املا کی غلطی کے علاوہ قاری کو زحمت ہوگی۔ اسی مضمون کی گیارہویں سطر میں ”ایجاد“ کا لفظ آیا ہے۔ اس میں ”ی“ اور حیم کے درمیان ایک دندانہ یا شوشہ ٹائپ میں پیدا کر دیا ہے جو نہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ کمپوزیٹر کا تصرف نہیں تو اسکی اصلاح ہونی چاہیے۔

کوئی وجہ نہیں کہ ہائے ہرز آخر کلمہ، نسخ میں لکھی جائے، جیسی کہ ”آثار عتیقہ“ میں لکھی ہے۔ ”نہ“ کی شکل آپ کے ٹائپ میں ”نہ“ ہے جو نستعلیق نہیں۔ یہ کیوں؟

”یا“ آخر کلمہ کی تین صورتیں ہوتی ہیں : یاے معروف۔ یاے مجہول۔ یاے مفتوح۔ آپ کے ٹائپ میں صرف دو موجود ہیں۔ یاے معروف گول لکھی گئی ہے۔ یہ ٹھیک۔ لیکن یاے مجہول و مفتوح دونوں لمبی ہیں۔ یہ ٹھیک نہیں۔ جب یا کی ایک اور شکل ہمارے پاس موجود ہے۔ یعنی نصف دائرہ یا کٹی ہوئی، تو انہیں نہ اسے بھی استعمال کیا جائے، تاکہ یاے مفتوح و یاے مجہول باہم متمیز ہو جائیں؟

اردو ٹائپ چونکہ کہیں کہیں وجود ہے، اس لیے ہم کو یہ موقع میسر ہے کہ اُس کی اصلاح و ترمیم کر کے اپنا ایک مکمل ہندوستانی قومی ٹائپ بنائیں جو لیتھو کی جگہ لے۔ اور کیا پبلک اور کیا سرشتہ تعلیم، دونوں اسے قبول کر لیں۔ آپ کے ٹائپ میں ”یا“ آخر کلمہ کے نیچے بھی دو نقطے دیے جاتے ہیں۔ مگر آپ کے اخبار کے



ادب عربی اور جدید مصری مباحث

لیلیٰ مجنون

ایک مصری اہل قلم کی نظری تحقیقات

بلاد اسلامیہ کے ادبی و علمی مباحث و افکار کی صدائیں بہت کم ہندوستان تک پہنچتی ہیں۔ اول تو یہاں ایسے علمی مجامع کا وجود ہی نہیں جو مشرقی و اسلامی ممالک کے علمی مجامع و محافل سے تعارف رکھتے ہوں۔ ثانیاً، عربی کے ادبی و علمی مباحث کے ذوق سے نہ صرف نئی تعلیم یافتہ جماعتیں بلکہ قدیم جماعتیں بھی تقریباً محروم ہیں۔ اس لیے نہ تو ان رادوں کی انہیں خبر ہے۔ نہ وہاں کی صداؤں کیلئے کوئی ذوق اور دلچسپی رکھتی ہیں۔

ہم چاہتے ہیں گاہ گاہ الہلال کے صفحات پر وہاں کے بعض اہم عصری مباحث کے نمونے شایع کرتے رہیں۔

کچھ عرصہ سے مصر میں ادب و شعور عربی کی درمقابل جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں اور ان میں بحث و مناظرہ کا معرکہ گرم ہے۔ ایک جماعت متجددین مغربیوں کی ہے جنہیں اردو اخبارات کی اصطلاح میں ادبی "انتہا پسند" (اکسٹریمست یا ریڈیکل) کہنا چاہیے۔ دوسری جماعت ادبی محافظین کی ہے جنہیں سیاسی جماعتوں کی تقسیم میں قدامت پسند (کنسرویٹو) وغیرہ الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ ادب و شعر کی ان درمقابل جماعتوں نے افراط و تفریط کے عجیب عجیب زاویے پیدا کر دیے ہیں۔ ان دونوں انتہائی جماعتوں کے درمیان بعض اصحاب اقتصاد و اعتدال بھی ہیں، لیکن بہت کم۔ کیونکہ جماعت کا ذہنی مزاج فکر و عمل کے ہر گوشے میں اعتدال سے مألوف نہیں ہوتا۔ افراط و تفریط ہی کی طرف مائل رہتا ہے۔

سیاست کی طرح ادب و شعر میں بھی ان درمذہبوں کا ظہور ہر ملک کے علمی اور فکری عہد کے ذہنی خواص میں سے ہے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں جب یورپ کی ادبیات کا آخری انقلاب ظہور میں آیا، تو اس وقت بھی طریق مدرسہ (Classio) اور طریق رومانیہ (Romantic) کے متبعین میں کشمکش پیدا ہوئی اور انتہائی اطراف نمایاں ہو گئے۔ البتہ یورپ کی زبانوں اور عربی زبان کی نوعیت میں یہ اصولی فرق ہے کہ اٹھارویں صدی میں جب رومانیہ طریقہ کے متجددین پیدا ہوئے تھے، تو اس وقت یورپ کا مدرسہ علم ادب کڑی ایسی ترقی یافتہ حالت نہیں رکھتا تھا کہ ہر گوشہ میں ترقی و توسع کا محتاج نہ ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ در صدیوں کی ابتدائی ادبی ترقی کا نتیجہ تھا جو عرب صلیبیہ کے بعد سے یورپ میں شروع ہوئی تھی۔ اور پھر جو کچھ بھی تھا، صرف ادب کی ایک خالص شلخ میں محدود تھا۔

یعنی شعر قصصی اور قصص تمثیلیہ میں۔ لیکن عربی علم ادب کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس پر نشر و ترقی کی تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ وہ تمدن و علوم کی تمام حالتیں اور اسالیب بیان و تعبیر افکار کے تمام درجے کر چکی ہیں۔ اس لیے اسکی عصری احتیاج بہت حد تک محدود ہے اور نئے نئے اسالیب و مذاہب کے اخذ و اختیار میں بہت زیادہ احتیاط و توسع کی ضرورت ہے۔ مغربی اسالیب بیان کی کورانہ تقلید اور ابداع و تجدید کے افراط و غلر کی جگہ چاہیے کہ مجتہدانہ نظر و اعتبار سے کام لیا جائے اور عربی ادب و شعور کی خصوصیات کمال و جمال کے تحفظ کے ساتھ قدیم راہوں میں نئی نئی راہوں کی داغ بیل ڈالی جائے۔

بہر حال سیاست و معاشرت کی طرح ادب و شعر میں بھی درمقابل جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ادبی تجدید و انقلاب کی اس حرکت کا سب سے بڑا قائد ڈاکٹر طرہ حسین استاذ جامعہ مصریہ ہے۔ ڈاکٹر موصوف کی شخصیت میں مصر کے موجودہ عہد کی ایک غیر معمولی ذہانت نمایاں ہوئی ہے۔ وہ پیدائشی نابینا ہے۔ اس کا دماغ حواس خمسہ میں سے ایک سب سے بڑے حاسہ علم سے محروم تھا۔ لیکن باوجود اس کے اس نے جامع ازہر میں علوم عربیہ کی تحصیل کی اور یورپ کی متعدد زبانوں میں بھی درجہ رسوخ و نظر حاصل کر لیا۔ وہ ابھی جامع ازہر میں مشغول تعلیم تھا کہ جامعہ مصریہ اسکی حیرت انگیز ابوالعلائی ذہانت کی شہرت سے متاثر ہوئی اور اپنے صرف سے پیوس اور روم بھجوا دیا تاکہ مغربی لغات و علوم کی تحصیل سے بھی فارغ ہو جائے۔ کئی سال وہاں بسر کرنے کے بعد جب قاہرہ واپس آیا تو اسی جامعہ میں استاذ (پروفیسر) مقرر ہو گیا۔

پچھلے دنوں ڈاکٹر موصوف نے عہد مولدین کے شعراء پر ایک سلسلہ مقالات شروع کیا تھا جس نے مصر کے ادبی حلقوں میں موافق و مخالف آراء کے پرجوش مباحثے پیدا کر دیے۔ ان مقالات میں وہ اوائل عہد بنو امیہ کے بعض شعراء غزلیں کے وجود سے انکار کرتا ہے اور ان کے وجود کو محض قصصی اور شعری وجود قرار دیتا ہے جیسا کہ بعض مستشرقین یورپ کا بھی خیال ہے۔ ہم آج ان مقالات کا ایک حصہ حذف و اختصار کے بعد شائع کرتے ہیں۔ اس کا تعلق "لیلیٰ مجنون" کے مشہور قصہ سے ہے۔ یہ سوال کہ کیا فی الحقیقت قیس عامری اور لیلیٰ کے معاشقہ کا قصہ حقیقی ہے؟ پتہ بھی آتے چکا ہے۔ چنانچہ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاعانی میں ان لوگوں کی رائیں نقل کی ہیں جنہیں ان شخصیتوں کی حقیقت میں شبہ تھا، لیکن ہم خیال کرتے ہیں اس ادعا اور وثوق کے ساتھ غالباً کہہ ہی انکار نہیں کیا گیا جیسا انکار ڈاکٹر موصوف کر ہے۔

ہم بالفعل اس باب میں اپنی رائے ظاہر نہیں کرینگے کیونکہ اس کے لیے شرح و تفصیل کی ضرورت ہے۔ صرف ڈاکٹر موصوف اور ان کے ناقدین کے مباحث کا خلاصہ ہدیہ قاریں کر دینگے۔ ڈاکٹر موصوف کی تحریر کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

موزوں ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات اور ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا بائہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مذاہیر تعلیم کے کام سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب فرمائیے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اس کا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جن کی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

ہرونو موار اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینوں جو انور مشین کے مشور کو خشک کرے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جلی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا نام سے خط و کتابت کیجئے۔

یاد رکھیے

مہروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "ٹکے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "ٹکے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کوئی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے درختوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، "تیم بٹش اینڈ سون" ہندوستان سے تمام پیداوار بیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سیاحت اور تھوڑا سا سوداگرانہ لوگوں تک رفیع دروازہ شروع کریں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح آپ تجارت کے گرو اور پیدا شدہ چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام خطوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور اداروں کے حالات اور اصول معلوم کر کے چاہئیں۔ بعد اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں یا متعدد علمی اصول پر معلوم کریں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کارہ حدیث ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Olive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MAHMOUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE, CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR: MAULANA ABU AL-KALAM ASAD.

لَمَّا سَأَلَ

ابن سينا في كتابه

الہلال

ایک ہفتہ وار موصوٰر سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۲۷ - صفر ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۱

Calcutta : Friday, 26, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۶۵۷ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

۲۱۰	اردو حروف کی حق میں	۸۴	عربی حروف کی حق میں
	حروف کی حق میں بشرطیکہ	۱۲۱	موجودہ مشترک طباعت کی حق میں
۵۶	نستعلیق ہوں	۱۸۶	پتھر کی چھپائی کی حق میں

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال

ان تمام اصحاب کیلی

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ہین

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجیے۔ اہل علم اور اہل دولت، دہنوں کیلئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

با این ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک آزاں ہیں !

براعظم یورپ، امریکہ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایران شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کیے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو آپ فروخت کرنے کیلئے بھی پلے ہم ہی سے خط و کتابت کیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔



لیلیٰ مجنون

از ڈاکٹر طاہرہ حسین

(۲)

قیس کے بارے میں عام راوی تو صرف اختلاف بیان ہی پر قانع ہیں لیکن ثقہ راویوں کو انکار یا شک میں تامل نہیں ہے۔ میں تمام اقوال پیش کرے تحریر کو طول دینا نہیں چاہتا۔ آگاہی کی پہلی اور دوسری جلد میں کافی ذخیرہ موجود ہے، اور آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔

بعض راویوں کا انکار تو اس درجہ تک بڑھ گیا تھا کہ وہ کہتے تھے: ”بني عامر (مجنون کے قبیلہ) کے دل اس قدر تھوس ہیں کہ ان میں اتنی زیادہ محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ ہاں بے عقل باشندگان یمن سے یہ بعید نہیں۔ لیکن بني نزار اس سے کوسوں دور ہیں“

ایک اور راوی تصریح کرتا ہے:

”میں قبیلہ عامر کے ایک ایک خاندان میں پورا اور سب سے مجنون کے متعلق سوال کیا۔ مگر کسی نے بھی اس کی واقفیت کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ سخت انکار کیا“

ایک دوسرے راوی کا بیان ہے:

”میں نے بني عامر کے ایک بدوی سے مجنون کا حال پوچھا۔ اس نے بہت سے عامری مجنونوں کے نام بتائے اور ان کے اشعار سنائے مگر قیس بن ملوح کے وجود سے برابر انکار کرتا رہا“

پھر ان راویوں پر نظر ڈالو جو اس مجنون کے واقعات کے راوی ہیں۔ وہ خود آپس میں سخت اختلاف رکھتے ہیں، حتیٰ کہ اس کے نام تک پر متفق نہیں۔ کوئی قیس بتاتا ہے۔ کوئی مہدی کہتا ہے۔ کوئی اقرع قرار دیتا ہے۔ کوئی بختری پر زور دیتا ہے۔ پھر اس کے حسب و نسب کے بارے میں اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ پھر خود اس کا جنون بھی سب تسلیم نہیں کرتے۔ کوئی کہتا ہے: ”وہ بالکل دیوانہ تھا۔ کوئی اسے عاقل گردانتا ہے۔ اصمعی کا قول ہے ”وہ مجنون نہیں تھا۔ صرف ابو حنیہ نمیری کی طرح تھوڑی سی سنک تھی“ اس کے بعد یہ بحث شروع ہوتی ہے ”آخر وہ مجنون کیسے مشہور ہوا؟ بعض کہتے ہیں ”وہ پہلے ہی سے دیوانہ تھا“ بعض اس کے خلاف ہیں اور یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ ”اس نے ایک شعر میں اپنے آپ کو مجنون کہا تھا۔ اس لیے اس کا یہ لقب پڑ گیا جیسا کہ بہت سے شعراء کا حال ہے۔ مثلاً نابغہ“ اختلاف ابھی ختم نہیں ہوتا، بلکہ جنون کے سبب تک پہنچتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں ”محبت نے اسے دیوانہ بنا دیا تھا“ بعض کہتے ہیں ”در اصل اس نے اپنے ایک شعر میں خدا کی مشیئت پر اعتراض کیا

تھا، اس لیے خدا نے اس پر ایذا قہر نازل کیا“ اور دیوانہ ہو گیا“ وہ شعر یہ ہے: (اور کیا بے نظیر شعر ہے!)

قضاها لغیری و ابتلائی بعدها
فہلا بشیئی غیر لیلیٰ ابتلائیا؟

(خدا نے میری محبوبہ کو تو دوسرے کے لیے کر دیا۔ لیکن مجھے اس کی محبت میں مبتلا کر دیا۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ لیلیٰ کے سوا مجھے کسی دوسری مصیبت میں مبتلا کر دیا جاتا؟)

بعض راوی اس کا رد کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ خدا کا قہر جنون کی شکل میں نہیں بلکہ حرص کی شکل میں اُترا تھا۔ غرض کہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں ہیں۔ ایسی صورت میں کون یقین کر سکتا ہے کہ مجنون جیسا کوئی مشہور شخص دنیا میں کبھی موجود تھا؟ بلا شبہ یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر مجنون موجود نہ تھا تو یہ پورا قصہ کہاں سے آگیا؟ اس کا جواب خود ادب اور شعر کے راویوں نے دیدیا ہے۔ ابن کلیبی لکھتا ہے:

”بني امیہ کا ایک نوجوان اپنی چچی پر عاشق ہو گیا تھا۔ جوش عشق میں اس نے اشعار کہے۔ پھر ذرا، مبادا راز کھل جائے اور طرفین کی رسوائی ہو۔ لہذا اس نے اس راز داری کے لیے مجنون کا نام اختراع کر لیا اور اپنے اشعار اس کی طرف منسوب کر دیے“

پھر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں شعر و ادب کے ایسے راوی موجود تھے جن کا کام محض لوگوں کا دل بہلانا اور گرمی صحبت کے لیے داستانسرائی کرنی تھی۔ وہ اشعار و حکایات بناتے تھے اور بصرہ، کوفہ، بغداد وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں پھیلا دیتے تھے۔ جس طرح آج کل کے بعض اخبار نویس لندن اور پیرس میں طرح طرح کے افسانے مشہور کر دیتے ہیں۔ یہ معمولی لوگ نہ تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی داخل تھے جنہیں آج کل ثقہ راوی یقین کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اشعار و حوادث گزشتہ میں غیر معمولی مہارت حاصل کی تھی۔ وہ صاحب علم و فکر تھے۔ اس لیے اس زمانہ میں بھی عوام انہیں صادق و معتبر سمجھتے تھے اور ان کی روایت بغیر شک و شبہ کے قبول کر لیتے تھے۔ اس طرح کے راویوں میں سے در راویوں کے نام میں پہل پیش کر دیتا۔ ”حماد زاویہ“ اور ”خلف احمر“ ان دونوں شخصوں نے بے شمار مصنوعی واقعات و اشعار بنائے ہیں۔ یہ دونوں عربی زبان کے ماہر اور بدوی قبائل سے بھی بہتر عربیت کے اسرار و دقائق جاننے والے تھے۔ دونوں اپنے دین میں مذہم اور لہو و لعب کے دلدادہ تھے۔ بعض ہم عصر شعراء ان کے شریک حال ہو گئے تھے۔ اس لیے ان کے راز جانتے تھے اور انکی صداقت میں شبہ کرتے تھے۔

یہ حال صرف رواۃ ادب و شعر ہی کا نہیں ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ انساب، سیر، اور فتوح و غزوات کے بہت سے راوی بھی ایسے ہی تھے۔ سیرت ابن ہشام اٹھا کر دیکھو۔ اس میں ایک بڑا ذخیرہ اشعار کا پاؤگے۔ لیکن خود ابن ہشام روایت کے بعد تصریح کرتا جاتا ہے ”فن شعر کے اکثر عالم اس قصیدہ سے انکار کرتے ہیں“

- (۱) یا تو مشہور شعراء کے ہیں اور راویوں نے غلطی سے معجزوں کی طرف منسوب کر دیے ہیں۔
- (۲) یا مجہول شعراء کے ہیں اور لیلیٰ کا ذکر دیکھ کر لوگوں نے معجزوں کے سمجھ لیے ہیں۔
- (۳) یا خود راویوں نے جان بوجھ کر بنائے ہیں۔
- (۴) یا مغنیوں نے اپنی گرم بازاری کے لیے گڑھے ہیں اور معجزوں کے سر تھوپ دیے ہیں۔
- میں نے بڑی کوشش کی، مگر ان اشعار میں کسی مشترک شخصیت کی روح نہ دیکھ سکا۔

معجزوں کے بارے میں اپنی رائے ایک اور طریقہ سے بھی ہم ثابت کر سکتے ہیں۔ یہ کہ راوی اس تعلق کی نوعیت بیان کرنے میں بھی بہت مختلف ہیں جو قیس بن ملوح (معجزوں) اور لیلیٰ کے درمیان تھا۔

بعض کہتے ہیں لیلیٰ معجزوں میں بچپن سے ہی سے تعارف ہو گیا تھا۔ دونوں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ دل کو تعلق ہوا۔ یہاں تک کہ بچپن کے اُنس نے جوانی میں عشق کی صورت اختیار کر لی۔ جوان ہونے پر لیلیٰ قیس سے چھپا دی گئی تھی۔ اس صدمہ نے اُسے معجزوں بنا دیا۔

بعض یہ قصہ تسلیم نہیں کرتے۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ دونوں میں بچپن سے تعارف نہیں ہوا۔ بلکہ اتفاق سے ایک سفر میں ملاقات ہو گئی۔ ایک سفر میں قیس نے چند نازنینیں دیکھیں۔ سلام کیا۔ اُنہوں نے جواب دیا اور بات چیت کے لیے بیٹھا لیا۔ قیس سواری سے اترا۔ امیر القیس کی طرح اپنی اونٹنی ذبح کر ڈالی اور گوشت بہون بہون کر اُنہیں کھلائے لگا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ شام کو ایک آرزو جوان وارد ہوا۔ سب لوگ قیس کو چھوڑ کر اُس کی ہر رہیں۔ اس پر قیس خفا ہو کر چلا گیا اور جوش میں اشعار کہے۔ دوسرے دن صبح پھر اُدھر گیا تو لڑکیاں موجود نہ تھیں۔ صرف لیلیٰ موجود تھی۔ اُس نے قیس کو بلایا۔ قیس نے کل کی طرح پھر اپنی اونٹنی ذبح کی اور محبت کا اظہار کیا۔ ابتدا میں لیلیٰ نے بے رخی دکھائی۔ قیس بہت غمگین ہوا۔ لیکن پھر لیلیٰ کو ترس آ گیا۔ اپنی محبت کا بھی اعتراف کر لیا۔

بعض اسے بھی تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں۔ قیس عورتوں کے صحبت کا دلدادہ تھا۔ لیلیٰ ایک سرور قامت، خوش اندام، خوش رفتار، نازک بدن، درشیزہ تھی۔ قبیلہ کے نوجوان اُس کے ہاں بیٹھتے اُٹھتے تھے۔ قیس نے سنا تو وہ بھی آنے جانے لگا۔ آخر کار دام محبت میں گرفتار ہو گیا!

اسی قسم کی آرزو راویوں بھی ہیں۔ ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لیلیٰ کی شخصیت بھی قیس سے کچھ کم ما بہ النزاع نہیں ہے۔ ایک روایت میں اُسے بکریاں چرانے والی لڑکی بنایا ہے۔ دوسری میں بدوی درشیزہ، جو نوجوانوں کو روکتی اور اُن سے گفتگو کرنا پسند کرتی ہے۔ تیسری میں اُس وضع کی ایک مہذب اور نستعلیق خاتون، جیسی بڑے بڑے اسلامی شہروں میں ہوا کرتی تھیں۔ کیا صرف یہی ایک اختلاف، لیلیٰ کی شخصیت مشتبہ کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے، جیسا کہ پہلا اختلاف معجزوں کی شخصیت پوری طرح مشترک کر دیتا ہے؟

معجزوں کے قصہ میں آرزو بھی اندرونی شہادتیں ایسی موجود ہیں جو میری رائے کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً یہ روایت کہ لیلیٰ

اصل یہ ہے کہ عرب، روم، ایران، اور یونان؛ باہم بہت حد تک مشابہ ہیں۔ رومیوں نے یونان پر جنگی فتح حاصل کی تھی مگر یونان نے رومیوں پر ادبی فتح پال لی۔ یہی حال عربوں کا ہوا۔ اُنہوں نے ایران کو اپنے قومی جوش سے مسحور کیا، مگر خود ایرانی ادب و ذہنیت سے مغلوب ہو گئے۔ اس ادبی فتح کے جلوے روم اور بغداد میں یکساں طرز پر نظر آتے ہیں۔ یونان اور ایران، دونوں نے یہ کیا کہ روم اور عرب کے تمدن پر دست درازی کی اور قطع و برید کر کے اسے مسح کر ڈالا۔ یہی صورت حال انساب اور تاریخ و سیر میں بھی پیش آئی ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر ہمیں پورا حق ہے کہ اپنے تقہ راویوں کی روایت پر بھی شبہ کریں۔ اور جب وہ معجزوں جیسے قصہ میں اس قدر باہم مختلف ہوں تو آرزو بھی زیادہ شک و احتیاط کریں۔

ہمارے پاس بحث و تحقیق کا ایک طریقہ آرزو بھی ہے۔ لیکن وہ محض ایک فنی طریقہ ہے۔ تاریخ سے تعلق نہیں رکھتا۔ معجزوں کے اشعار میں ہم اس طریقہ سے کام لے سکتے ہیں۔ شعر ہمیں خود بتا دے گا کہ یا تو وہ بدلتا بنا دیا گیا ہے، اس لیے محبت کا سچا جذبہ پیش نہیں کرتا۔ یا مختلف شاعروں کا کلام ہے اور راویوں نے سہواً یا عمدتاً اُسے معجزوں کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

جاہظ نے بالکل ٹھیک کہا ہے :

”کوئی شعر نہیں جس میں لیلیٰ کا ذکر ہو اور لوگوں نے قیس بن ملوح (معجزوں) کی طرف منسوب نہ کر دیا ہو۔ اور کوئی شعر نہیں جس میں لیلیٰ کا ذکر ہو اور قیس بن ذریعہ کے سر تھوپ نہ دیا گیا ہو۔ یہ واقعہ ہے کہ معجزوں کی طرف بہت سے شعر منسوب کر دیے گئے ہیں، حالانکہ خود معجزوں کو اُنسے کوئی تعلق نہیں۔ یہ شعر اُن شاعروں کے ہیں جو وہ تو معجزوں تھے، اور نہ محبت نے اُنکا وہ حال کر دیا تھا جو معجزوں کا تھا“

شاعر کی تحقیق کس طریقہ پر کوئی چاہیے؟ خود شاعر کی شخصیت سب سے پہلی چیز ہے۔ یہ اس لیے کہ شاعر اپنے شعر میں اپنی شخصیت ضرور رکھتا ہے۔ اگر شاعر، کامل ہے تو اُسکا دیوان اُسکی نفسیت اور جذبات کا آئینہ اور اُسکی پوری شخصیت کا مظہر ہوتا ہے۔ اُس کی مختلف نظموں میں ایک ہی روح، ایک ہی نفسیت، ایک ہی قوت کار فرما نظر آئیگی۔ بلا شبہ تمام اشعار یکساں نہ ہونگے۔ لطافت و رونق اور رقت و جودت میں کمی بیشی ہوگی۔ لیکن شاعر کی شخصیت سب میں نمایاں ہوگی، اور وحدت شعری اس درجہ واضح ہوگی کہ ذوق سلیم فوراً فیصلہ کر دے گا کہ یہ شعر فلاں کا ہے یا یہ شعر فلاں شاعر کے اسلوب پر ہے۔ ہمارے خیال میں یہ طریق تحقیق ناقابل شک اور فنون ادب میں یکساں طرز پر قابل عمل ہے۔ خصوصاً شعر غنائی (گانے کے اشعار) میں اُسکی اہمیت غیر معمولی ہے۔ کیونکہ شعر کی یہ صنف، نفس کا شفاف آئینہ اور جذبات کا سچا مظہر ہوتا ہے۔

اس اصول کی بنا پر کیا ہم معجزوں کے اشعار میں اُس کی کوئی نمایاں شخصیت دیکھ سکتے ہیں؟ میرا دعویٰ ہے کہ نہیں۔ اس دعوے کے ثبوت میں بحث دراز کرنی نہیں چاہتا۔ میری تحقیقات کا خلاصہ مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ معجزوں کی طرف جتنے اشعار منسوب کیے گئے ہیں، وہ:

دیا جائے، جب بھی اُسکے مشترک و مشتبہ ہونے میں تو کلام نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ بحث کا خاتمہ شک و انکار پر ناپسندیدہ ہے۔ لیکن ہمیں عام و حقیقت کی خاطر کبھی ایسی اس پر مجبور ہوجانا پڑتا ہے۔

ہمارے سامنے متعدد عشقیہ عربی قصے موجود ہیں۔ یہ قصے کئی باتوں میں باہم مشترک ہیں اور انکی باتوں میں مختلف ہیں۔ مثلاً یہ چیز سب میں یکساں طور پر موجود ہے کہ ان تمام قصوں کے ابطال عشق (ہیروز) بددی ہیں۔ سب کی محبت یکساں طور پر انتہائی قسم کی ہے۔ محبت نے سب کو یکساں طور پر بڑی بڑی تکلیفیں دیں۔ سب کی محبت پات تھی۔ سب نے تقریباً ایک ہی طرح اپنے جذبات کا اپنے اشعار میں اظہار کیا ہے۔ سب کے اشعار رزق اور تقریباً ایک ہی درجہ کے ہیں۔ سب کے واقعات، مصائب، طرز عمل، اور خلفاء و حکام کی مداخلت کی نوعیت بھی یکساں ہے۔ اختلاف صرف اُن کے ناموں میں ہے، اُن کے قبائل میں ہے، یا میں انہوں نے پرورش پائی تھی۔

مجنوں کے انکار اور قیس بن ذریعہ تک کرنے کے بعد ہمیں اُن کی جگہ بی چیزیں قائم کرنی چاہئیں، ورنہ بحث لب کے بعد اثبات و ایجاب ناگزیر ہے۔ میری 'قیس بن ذریعہ' جمیل بن معمر' اور عروہ لفظوں میں صرف ایک چیز ثابت و موجود کے قصے عشقیہ کا فن اور مذہب (اسکول) 'عہد اموی میں ظاہر ہو چکا تھا' یا کم سے کم پتہ چکی تھیں۔ آہستہ آہستہ اس میں ہاں تک کہ ایک مستقل فن بن کر موجودہ سی کے قریب قریب پہنچ گیا۔

شاف کے بعد مجھے اس کی کوئی پروا نہیں شخصیت تاریخی ہے یا غیر تاریخی؟ میرے موجود ہیں: قصہ قیس بن ملح، قصہ ییل بن معمر... وغیرہ۔ اب میری بحث جدید متمدن تخیل کے پیدا کیا ہے، نہ اشخاص تلاش کرنے چاہئیں جنہوں نے یہ قصے بنائے۔ یہ وہ عشاق جن کے حالات یہ قصے بیان کرتے ہیں۔ مجھے قصہ نویسنوں کی اختراعی قابلیت اور نظم و نثر میں اُن کی مہارت فنی سے بحث کرنی ہے۔ مجھے اُس ادبی فن پر غور کرنا چاہیے جو ادب و علوم کی دوسری شاخوں کی طرح، اسلام سے پہلے عرب میں پیدا ہوا تھا، اور اسلامی تمدن کے گہوارہ میں پیدا ہو گیا۔

بلاشبہ میں جانتا ہوں، اس بحث کی راہ میں سخت موانع درپیش ہیں۔ یہی ایک مانع کیا ام ہے کہ ان قصوں کے مصنفوں کے نام معلوم نہیں۔ تاہم ہمیں چاہیے کہ ادب عربی کی خصوصیات و کمالات کی تحقیق و کشف کے لیے اس دشوار گزار راہ میں قدم اٹھائیں، اور ان قصوں کا ادبی تجزیہ و تحلیل کرے اُن کا عیب و ہنر الگ الگ دکھادیں۔ ہمیں چاہیے کہ عہد اموی کے اُن ادبی، اخلاقی، سیاسی، اجتماعی، اسباب کا سراغ لگائیں جنہوں نے ان قصوں کے لیے پہلے پہل زمین تیار کی، اور پھر ان اسباب کی بھی جستجو کریں جسے عہد عباسی میں یہ تمام عمارتیں منہدم ہو گئیں۔

کے باپ نے قیس کو اپنی لڑکی دینے سے انکار کر دیا۔ سبب یہ بتایا کہ قیس اُس کی لڑکی پر عاشق ہے اور عشق طشت از بام ہرجکا ہے۔ بغیلہ یہی واقعہ ہم دوسرے عشقیہ قصوں میں بھی پاتے ہیں۔ یہ گویا اُس عہد کے عشقیہ قصوں کا ایک مقبول علم انداز بیان تھا۔ راویوں کا بیان یہ ہے کہ عربوں میں یہ رسم تھی کہ وہ عاشق سے لڑکی کا بیاہ نہیں کرتے تھے۔ میں نہیں جانتا یہ بیان صحیح ہے یا غلط؟ عرب جاہلیہ کا دستور تو اس کے برعکس تھا۔ گمان غالب یہ ہے کہ راویوں نے یہ دستور محض اپنے دل سے ایجاد کیا ہے تاکہ عشقیہ قصوں میں عشاق کی معجزوں کی ایک معقول وجہ ہاتھ آجائے۔

یہ واقعہ بھی کچھ کم مضحکہ انگیز نہیں کہ خلیفہ وقت نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر قیس، پردہ میں بیٹھنے کے بعد بھی لیاہی سے تعرض کرے تو قتل کر دالا جائے۔ پہلے واقعہ کی طرح یہ واقعہ بھی اکثر عشقیہ قصوں میں دہرایا گیا ہے۔ ہم بجا طور پر سوال کر سکتے ہیں کہ کیا خلفاء کیلئے بجز اس کے کوئی کام باقی نہیں رہا تھا کہ بددی عاشقوں کے معاملات محبت کرتے رہیں؟ کبھی اُنکے قتل کا حکم دیں۔ کبھی آخر وہ کون سی شرعی بنیاد تھی جس کے احکام صادر کرتے تھے؟ کیا شریعت میں برا جرم ہے کہ اُس کی تعزیر قتل ہے؟

اسی طرح یہ واقعہ بھی ایک پر لطف عشق میں وحشی ہو گیا تھا۔ ایسا وحشی کہیں جی نہیں لگتا تھا۔ ہرنوں سے موانع و رز کا ساتھ تھا۔ داستان گو کی مبالغہ نہ تھا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھتا ہے، دن وہ (راوی) قیس کی جستجو میں اُس کے نیچے قیس ہرنوں کے ساتھ بسید پہنچا کہ نہ تو قیس کو اُسکی خبر ہوئی ہرنوں کو۔ پہلے یہ سراغ رساں راوی چپکے سے پھر اُترتا ہے اور قیس سے سوال و جواب شر سننے ہی بھاگ گئے۔ قریب تھا کہ قیس نے فوراً لیلیٰ کا نام لے لیا۔ علی بابا۔ "لیلیٰ" کے لفظ نے فوراً اپنا طلسمی اثر

دور ہو گئی۔ اب وہ آدمیت سے باتیں کرنے لگا۔ لیکن پھر اچانک ایک نازک بدن ہرنی نظر آگئی اور اُس کا جوش جنوں از سرنو تازہ ہو گیا!

یہ سب راویوں کا تخیل و تصنع ہے۔ ہم اسے ہرگز واقعہ نہیں سمجھ سکتے۔ یہ مبالغہ کی ایک خاص قسم ہے۔ داستان گو جب معقول گفتگو کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو بے سرو پا باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ اکثر قدیم عشقیہ قصوں میں یہی چیز نظر آتی ہے۔ دنیا کی سب سے پرانی قصصی نظم الیڈ کا بھی یہی حال ہے۔ یونانی شعراء اب کے مغربی نقادوں نے اسی اسلوب پر الیڈ کی بھی تنقید کی ہے۔ اُسکے غیر معقول رکیک، اور مبالغہ آمیز اشعار کم زور شعراء کا الخاتی کلام قرار دیا ہے۔ اور معقول و دلچسپ اشعار کو ماهر شاعروں کا تخیل بتایا ہے۔ (یعنی اُن مغربی نقادوں نے جنہوں نے ہومر کے حقیقی رجس سے انکار کیا ہے)

میرے خیال میں اس تفصیل کے بعد اگر مجنوں کے ساتھ بہت رعایت کی جائے اور اُسے محض خیالی شخص نہ قرار

قسط نظریہ میں: سنہ ۱۸۷۰

پیرس میں: سنہ ۱۸۸۳

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں



قائدین فکر:

سید جمال الدین اسد آبادی

بغیر کسی تامل کے کہا جا سکتا ہے کہ مشرق جدید کے رجال تاریخ اور قائدین فکر کی صف میں اُس کی شخصیت کئی اعتبار سے ایذا سہیم و شریک نہیں رکھتی!

وہ ایک گم نام اور مجہول ماحول میں پیدا ہوا۔ ایسے مجہول ماحول میں کہ آج تک یہ بات بھی قطعی طور پر معلوم نہ ہو سکی کہ وہ فی الحقیقت باشندہ کہاں کا تھا؟ اسعد آباد کا جو ہرات کے قریب اور افغانستان میں واقع ہے، یا اسد آباد کا جو ہمدان کے قریب اور ایران میں واقع ہے؟

اُس کے وطن کی طرح اُس کی ابتدائی زندگی کے حالات پر بھی ظن و تخمین کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تاہم یہ قطعی ہے کہ تعلیم و تربیت کا اسے کوئی موقع ایسا نہیں ملا تھا جو کسی اعتبار سے بھی ممتاز اور قابل ذکر ہو۔ انیسویں صدی کے کامل تنزل یافتہ افغانستان اور پنجاب کے علماء اپنے گھروں اور مسجدوں میں علوم رسمیدہ کی جیسی کچھ تعلیم دیا کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ

تعلیم جو اُس نے حاصل کی تھی، وہ بھی تھی۔ جن استادوں سے اُس نے تعلیم حاصل کی، وہ بھی یقیناً معمولی درجہ کے تھے۔ اُن میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی علمی شخصیت قابل ذکر ہو۔

دنیا کے نئے تمدنی انقلاب اور نئے علوم سے آشنا ہونے کا بھی اُسے کوئی خاص موقع حاصل نہیں ہوا تھا۔ اُس کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر افغانستان میں بسر ہوا، یا ایک روایت کے مطابق ایران میں، اور یہ دونوں مقامات اُس وقت مغربی تمدن و علوم کی تعلیم و تعلم کا کوئی سامان نہیں رکھتے تھے۔



بصرہ میں بہ لباس عربی سنہ ۱۸۸۹

”تقریباً دو ماہ گزرے ہیں کہ ایک شخص سید جمال الدین نامی سے میری ملاقات ہوئی۔ اس شخص کی شخصیت کا میرے دماغ پر جو اثر پڑا، وہ ایسا ہے جو بہت کم شخصیتیں مجھے پر دال سکی ہیں۔ یہ اثر بہت قوی اور گہرا تھا، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مجھے خیال ہوا، سربراہوں، یونیورسٹی کے خطبات کا موضوع یہ قرار دوں کہ ”اسلام اور اُس کا علم سے علاقہ“ سید جمال الدین کی ذہنیت ایک ایسی ذہنیت ہے جو: رسمی اسلام کے موثرات کی پوری طرح مقاومت کرسکتی ہے۔ میں جب اِس شخص سے باتیں کر رہا تھا، تو اُس کے افکار کی آزادی، طبیعت کی فضیلت، اور اظہار حقیقت کی جرات دیکھ کر مجھے خیال ہوا، میں اِس وقت اُن مشاہیر عالم میں سے کسی ایک کو مخاطب کر رہا ہوں جو دنیا کے گزشتہ علمی زمانوں میں گزر چکے ہیں اور جن سے تاریخ کے ذریعہ ہم نے واقفیت حاصل کی ہے۔ میں گویا ابن سینا، ابن رشد، یا اُن حکماء عظام میں سے کسی حکیم کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا جنہوں نے

فکر انسانی کو جہل و اڑھام کے قیود سے نجات دلانے کیلئے تاریخ عالم کی پانچ صدیوں تک اپنی شجاعتانہ جد و جہد جاری رکھی تھی!“ (فیلسوف رہنما)

(سید جمال الدین)

انیسویں صدی کی تاریخ مشرق نے اصلاح و تجدید کی جس قدر شخصیتیں پیدا کی ہیں، اُن میں کوئی شخصیت بھی وقت کی عام پیداوار سے اس قدر مختلف اور اپنی طبعی ذہانت اور غیر اکتسابی قوتوں میں غیر معمولی نہیں ہے، جس قدر سید جمال الدین کی شخصیت ہے۔



کلکتہ میں: سنہ ۱۸۷۹



قدیم یونانی ادب کا ایک نمونہ

—•••—

(بلیٹس کا کیت)

—•••—

(فرانسیسی ترجمے سے اردو میں منتقل کیا گیا)

—•••—

(میری سہیلی کی شادی)

راستے میں ایک گلاب کے پھول بندھے پڑے ہیں۔ شمعین
بھی تمٹما رہی ہیں

یہ میری سہیلی ”ملیسا“ کی شادی کی رات کا واقعہ ہے۔
میں اپنی ماں کے ساتھ گھر لوٹی۔ اس وقت میرے سر میں
خیالات کا ہجوم تھا :

”آج میری سہیلی کو جوبات نصیب ہوئی ہے۔ کل مجھے
بھی نصیب ہوئی“ میں خیال کرتے لگی ”میں بھی ایسے ہی
شانداز جلوس میں نڈلے گی۔ میری زلف بھی پھولوں سے لدی
ہوگی، زیتون کی شاخیں اسپر سایہ دیے ہوگی، بانسریاں بچتی
ہوگی، اور میری سہیلیوں کی میٹھی آوازیں سربلی بانسریوں میں
مل جائیگی۔ میں بھی ایک دن اپنے برے پہلو میں ”ملیسا“
کی طرح نگاہیں نیچی کیے بیٹھوگی۔ مجھے وہ عجیب راز کھل
جائینگے جو یہ موقعہ اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہے ... اسے
بعد ؟ یہ کہ میں اپنے بچوں کو اپنی دزدہ بھری چھاتیوں سے
لگاؤں گی۔

(راز)

... دوسرے دن میں اپنی سہیلی سے ملنے گئی۔ آنتھیں ملتے
ہی دونوں کے رخسار سرخ ہوئے۔ وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئی
اب ہم بالکل اکیلے تھے۔ مجھ اس سے بہت سی باتیں کہنی تھیں۔
مگر اُسکی صورت دیکھتے ہی کچھ یاد نہ رہا !

میری سہیلی جیسی ہمیشہ سے تھی۔ ویسی ہی اب بھی
ہے۔ کوئی فرق اس میں نظر نہیں آیا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے
کہ میں اُس سے کچھ مرعوب سی تھی۔ میں اُس سے آنتھ نہیں
ملا سکتی تھی۔

اچانک میرا در در ہو گیا۔ میں اُسکے زانو پر بیٹھ گئی۔ اُسکے
میں سے باتیں کہیں۔ اُس نے بھی اپنا سر میرے سر پر رکھ دیا
اور پورا رز کہہ ڈالا !

(بانسری)

”لیکاسی“ نے خوبصورت بانسری مجھے ہدیہ دی۔ وہ مجھے
بانسری بجانا سکھانے لگا

خوار بچہ چھوڑ گیا۔ جب بچہ جوان ہوا اور اپنی ماں سے اپنے باپ کا
حال سنا تو سخت غضب ناک ہوا اور تمہارے ملک پر قوت پڑا۔
اُس نے بے حساب مخلوق قتل کی۔ جب نصہ تہندا ہوا تو اُس
نے مغلوں کو اس وضع کے اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جو آج کل
تمہاری وضع ہے ! ”راوی“ اس قصہ سے مقصود یہ تھا کہ ہماری وضع
ذلت کی وضع ہے اور اُنہی کے ایک بادشاہ نے ہمیں اُس کے اختیار
کرنے پر مجبور کیا ہے ! میں نے یہ افسانہ سن کر اُن کے بادشاہ کا
شکر یہ ادا کیا کہ معاملہ اتنے ہی پر ختم ہو گیا اور اُس ”فاتح“ نے
ہمیں ہندو بننے اور ہندو رسم و رواج اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا !

(۴) مسلمانوں کا حملہ — مذہب کی بڑی وجہ ہندوستان
پر مسلمانوں کا حملہ ہے۔ یمن الدولہ سلطان محمود غزنوی کی
جنگوں نے اُنہیں بہت ہی سخت نقصان پہنچایا۔ اُن کی آبادیاں
برباد ہو گئیں۔ اُنہیں منتشر و پراوندہ کر دیا گیا۔ اُن کی صرف
سلطنت ہی نہیں گئی بلکہ مفتوحہ علاقوں سے اُن کے علوم و فنون
بھی مت گئے اور ایسے درواز خطوں میں جلا وطن ہو گئے، جہاں
تک رسائی مشکل ہے۔ مثلاً کشمیر اور باناسی (بنارس) وغیرہ۔
(بنارس اور دراز اس لیے کہا ہے کہ یہ پنجاب اور وسط ہند سے دور
مشرق کی طرف ہٹا ہوا ہے)

یہی دینی اور سیاسی اسباب ہیں جن کی بنا پر ہندوؤں میں
مسلمانوں اور تمام اجنبیوں سے سخت نفرت و عداوت پیدا ہو گئی ہے۔

(۵) پھر اُنکے اخلاق میں ایک اور بات بھی راسخ ہو گئی ہے
اور کسی طرح نکل نہیں سکتی۔ یہ اُن کے انتہائی علمی و ذہنی
تنزل کا نتیجہ ہے۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ دنیا صرف اُنہی کی دنیا
ہے۔ انسان صرف اُنہی کی سر زمین پر موجود ہیں۔ بادشاہ صرف
اُنہی کے بادشاہ ہیں۔ دین صرف اُنہی کا دین ہے۔ اور عام صرف
اُنہی کا علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہایت معزز اور بر خود غلط ہو گئے
ہیں۔ اگر اُنسے علماء عرب و عجم کا ذکر کیا جاتا ہے تو مخاطب کو جاہل
خیال کرتے اور اُسکی تصدیق پر ہرگز آمادہ نہیں ہوتے ہیں۔ حالانکہ
اگر وہ سیر و سیاحت کے عادی ہوتے اور اپنے پڑوسی حدرد طے کر کے
غیر قوموں سے ملتے، تو یہ جاہلانہ و طفلانہ خیال اُنہیں پیدا نہ ہوتا۔

لیکن یاد رہے کہ اُن کے پیش روؤں کا یہ حال نہ تھا۔ اُنکا مشہور
فاضل ”براہمہ“ براہمنوں کی تعظیم کے بیان میں کہتا ہے ”جب
یونانیوں نے باوجود ناپاک ہونے کے علوم و فنون میں کمال حاصل
کیا اور سب پر بازی لے گئے، تو اُنکی بھی تعظیم واجب ہو گئی۔
اُن کا درجہ بھی براہمن کا درجہ ہو گیا !“

خود میری حالت یہ ہوئی کہ مدت تک اُنکے منجموں کے سامنے
زانوے شاگردی تہ کرتا رہا۔ کیونکہ میں اُنکی زبان اور اُنکے طریقوں
سے بے خبر تھا۔ لیکن جب کچھ اُن کی زبان میں دخل پیدا ہو گیا
تو میں اُنہیں اپنے یہاں کے علوم کی بنا پر اشیاء کی علتوں اور حساب
و ریاضی کے براہین سمجھانے لگا۔ اسپر وہ سخت متعجب ہوئے
اور استفادہ میں باہم پیش قدمی کرنے لگے۔ بڑی حیرت سے
پوچھتے تھے : ”ہندوستان کے کن کن علماء کو تم نے دیکھا ہے ؟
کن کن سے فائدہ اٹھایا ہے ؟“ کیونکہ اُنکے خیال میں علم ہندوستان
کے سوا کہیں ہے ہی نہیں۔ جب میں نے اُن سے کہا کہ میں
پہلی مرتبہ اُن سے ملا ہوں اور جو کچھ کہہ رہا ہوں، یہ دنیا کے
دوسرے حصوں کے علوم ہیں، تو وہ اور زیادہ متعجب ہوئے اور
بعضوں نے تو مجھے جادوگر سمجھنا شروع کر دیا ۔

اقتباسات



تزازکی اور بد مستی

کون ہے جس نے مشہور روسی رہنما اور لیڈن کے بعد سب سے زیادہ حیرت انگیز روسی انسان "تزازکی" کا نام نہیں سنا؟ یہ شخص جس نے اپنی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا لوہا دشمن تک سے منوا لیا ہے، انقلاب روس سے پہلے امریکہ میں ایک معمولی درجہ کا بے وقعت اخبار نویس تھا اور شہر بوسٹن میں غریبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اسی زمانہ کا یہ واقعہ اب اخباروں میں شائع ہوا ہے کہ ایک دن تزازکی کو شہر کے کوتوال نے اس جرم میں گرفتار کر لیا کہ وہ سڑکوں پر بد مست پھر رہا تھا۔ چنانچہ ۲۴ گھنٹہ قید میں رکھا گیا۔

اُس وقت کوتوال کو کیا معلوم تھا کہ اُسکا یہی قیدی عنقریب دنیا کے مشہور انسانوں میں شمار کیا جائیگا؟ (السیاس)

(ہنسی)

مشہور فرانسیسی مصنف زیدلے کہتا ہے:

”ہنسی انسان کا ایک امتیازی وصف ہے“

یہ قول بالکل صحیح ہے۔ بہت سے قدیم فلاسفہ بھی یہی کہہ چکے ہیں۔ ہنسی اور مسکراہٹ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہنسی کی بھی کئی قسمیں ہیں: گونجنے والی ہنسی، خشک ہنسی، کھوکھلی ہنسی...

ہنسی کا خاصہ انسان میں بے فائدہ نہیں ہے۔ ہنسی میں بہت سے جسمانی فوائد ہیں۔ دل کھولکر ہنسنے کے بعد انسان کو سانس لینے میں بہت آرام محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ جس طرح درزے کے بعد پھیدہ زرنکی ہوا صاف ہوجاتی ہے، اسی طرح ہنسنے کے بعد اسکی حالت ہوتی ہے۔ پھر ہنسی کا اعضاء ہضم یعنی معدہ رجور وغیرہ پر بھی بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ پیت بھر کے کھانے کے بعد ہنسی غیر معمولی سرعت سے کھانا ہضم ہونے میں مدد دیتی ہے۔ اسی لئے دسترخوان پر ہنسنے ہنسانے والی باتیں کرنا مستحسن ہے اور اسی لیے تمہا بیٹھے کر کھانا ناپسند کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ انسان ضعف معدہ یا دائمی قبض میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ لقمہ منہ میں لیکر ہنسنے نہیں چاہیے۔ روزانہ آلات تنفس میں لقمہ کے اجزاء اٹک جانے کا اندیشہ ہے۔ اگر کبھی ایسی صورت پیش آجائے تو پیٹھ پر زور سے گھونسا نہیں مارنا چاہیے، کیونکہ یہ سخت خطرناک ہے۔

ہنسی پورے نظام عصبی کے لیے مفید ہے۔ جب انسان ہر خوشی کے موقع پر ہنسنے کا عادی ہوجاتا ہے تو اُسے ہر مرتبہ ہنسنے میں خوشی حاصل ہونے لگتی ہے۔ البتہ بلا وجہ ہنسنے حماقت ہے۔

لیکن آخر ہم ہنسنے کیوں ہیں؟ جو باتیں ایک شخص کو ہنساتی ہیں، بسا اوقات دوسرے کو نہیں ہنساتیں۔ اس کا جواب مشکل ہے!

(سندے ریویو)



میرے دل میں اُس وقت کوئی عجیب اور نا معلوم اثر پیدا ہو رہا تھا۔ لیٹاسی نے بغسری میرے ہاتھ سے نرمی کے ساتھ لے لی اور بہت ہی دھیمی آواز میں ایک راگ سنایا۔ میرا دل زرت سے دھڑکنے لگا۔.....

ہمارے پاس پہلے کو کوئی بات نہ تھی۔ ہم باری باری بانسری بجا کر دل بہاتے رہے۔

ہم بالکل کے خودی کے عالم میں تھے۔ اچانک میٹڈک چلانے لگے۔ اب ہم جوتے۔ رات قریب آ پہنچی۔

سجہ بہت دیر ہو گئی تھی۔ لیکن میں اپنی ماں کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ میں اس وقت تک اپنی کھڑکی ہری دبی ڈھونڈ رہی تھی!

(جھونپڑا)

میرا چھوٹا سا جھونپڑا، جہاں ہمارا نرم بستر رکھا ہے، مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ وہ مجھے اس لیے پسند ہے کہ ہم نے اسی میں اپنی سب سے اچھی راتیں بسر کی ہیں!

ہمارا بستر، درختوں کے پتوں اور پہلوں سے بنا ہے۔ وہ بھی مجھے بہت محبوب ہے، کیونکہ وہ ہم دونوں کو جمع کرتا ہے!

میں کبھی کبھی بہت غمگین ہوجاتی ہوں۔ لیکن جب محبت کے پہلو میں ہوتی ہوں، تو اپنے آپ کو بھی بھول جاتی ہوں۔ مجھے ہر ایک طرح کی نشی سی طاری ہوجاتی ہے۔

(قسم)

”اُس نے کہا:

”جب دریا کا پانی اُبل کر برف آلود پہاڑوں کی چوٹیاں چھیدے“

”جب انسان سمندر کی موجوں پر گہروں اور جو بوکر کاٹنے لگے“

”جب سورج کی روشنی، تاریکی ہوجائے“

”جب چاند گر کر چور چور ہو جائے“

”تو اُس وقت میرے لیے بھی رزا ہوگا کہ تجھ سے مذہب موزلوں اور تجھے بھی حق ہوگا کہ مجھے بالکل بھلا دے! اے بلیٹس! اے میری محبت!“

(رات)

جب رات آجاتی ہے اور اندھیرا پھیل جاتا ہے، تو میں خاموشی کے ساتھ گہرے نکل جاتی ہوں۔ ہرے بھرے میدانوں میں پہنچتی ہوں۔ میرا شوہر وہاں بے خبر پڑا سوتا ہے۔

کبھی میں گھنٹوں گہری آئے دیکھتی رہتی ہوں۔ بالکل چپ، سڈھے میں..... میں آئے اپنے قریب تمہا دیکھ کر خوش ہوتی ہوں۔ پھر میں اپنا منہ اُسکے منہ سے قریب دیتی ہوں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اُسکی سانس سے موت لے لوں!

اُس وقت سائرس ای جیمیلی آنکھوں کے سوا ہمیں کوئی نہیں دکھاتا!

صبح ہو جاتی ہے

”اُٹا جلدی روشنی اُٹ آئی!“ میں اپنے لہل سے کہتی ہوں کس جہ روشنی نہیں پہنچ سکتی؟ اس غار میں سورج کی شعاع کبھی نہ پائی دیتی؟ مجھے اُسکی تلاش ہے۔ تاکہ ہمارا استغراق محبت انہی ختم نہ ہو... ہمیشہ کیلئے! سورج کی کرنیں ہمیں پریشان کرنے لگی ہیں۔

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.**

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور
جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور متحدہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی تفصیل فرستایا جاتا ہے

صرف ہمدرد دواخانہ لیگا

موسم گرما کا نیا تحفہ

یاد رکھئے

شریت روح فسترا (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ہم بامعنی ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر دین و نژاد میں مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک فیرک شریٹ حاصل کر چکا ہے اور جس کو چشم بد (جڑیوں) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کر لیا گیا ہے۔

عزت مآثرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل دہم شستا قانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان میں وسیع تر اعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اسکی آب سے بری خوبی یہ ہو کہ اس شریٹ کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہو کہ ہر تندرست انسان بلا قید و فراغ موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔

آپٹین! یہ شریٹ کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے نو اکامات مثل انگور، سیب، رنگرہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب جو خواص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبرات کو دور کرتا ہے۔ انتقال قلب در دوسرے دران سر، مثلی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم فراج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معدنی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر اطہر پر رنگ و بھرپور ادب و بیگانگی کی صفائی دیدہ زیب ہو اسکی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خراہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا نظر ہے۔ ہمیں امید ہو کہ آپ بول و بیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہو اور جس کی ہر چیز دلی ہے۔ خوش ہو گئے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس کو کم رکھی ہو کہ ہر حیثیت کے لوگ اس کو فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (عمر) حکیموں اور عطاردوں کے علاوہ، تاجران شریٹ کو بشرطیکہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں، دواخانے (۲) فی روپیہ پیشین دیا جائے گا۔

نوٹ: اس شریٹ کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شریٹ کا تاجا نام رکھ لیا ہو۔ لہذا آپ شریٹ خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنالیبل اور اسپر لفظ و رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شریٹ ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی سے ہی مل سکتا ہے۔

تارکا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

پتہ - ہمدرد دواخانہ دہلی

اگر آپ کو

دم

(ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی
مشہور عالم دوا کا سنگو اکر
استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنگام گائیڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ آپ کو مطلع کرے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف ڈنلاپ گائیڈ ٹو گریٹ بریٹن

The Dunlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں

مک اسٹال سے مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ
اس وقت

دنیا کا بہترین فائنٹن قلم
امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ نکالتا یا
بیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں
ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی بھر
کام دے سکتا ہے

(۳) آتنا خوبصورت، سنز سنخ اور سنہری
بیل بوٹوں سے مزین کہ آتنا خوبصورت قلم دنیا

میں کوئی نہیں
کم از کم تجھے کچھ
یاد رکھے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کی "شیفر"
کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہیو!

جامع الشواہد طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر سلسلہ میں شائع ہوئی
تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا
کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن اغراض کے لئے
استعمال کیجا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رد اداری نے کس
طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب
بہت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

سلسلہ میں جب قدر نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو
دے دیئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی
نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ ۱۲ (منیر الہلال) کلکتہ

حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں
صرف دس روپے میں
موصول اور ہنگامہ بی معات

آپ کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے گھر کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

فدائیان اسلام پر مضا کا ہجوم کیوں ہے؟

اگر آپ کو قوم کے ظاہری دباظنی امراض اور انکے علاج
کا علم حاصل کرنا ہے تو الجمعیت ملاحظہ فرمائے
"الجمعیت" تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہے جو
علم کی زبان کہلانے کا سعی ہے اور جس کا اہم ترین مقصد
ملت ہند کی محافظت ہے۔ مقدس مذہب اسلام کے خلاف
حملوں کا دندان شکن جواب دینا اور واقعات کی حقیقت
تسکین اس کا مخصوص طریقہ ہے

اس لئے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے اخبار بھی
ایک ضروری چیز ہو گیا ہے اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی
قائم رکھنے کے لئے اس کی حاجت ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں
کو لازم ہے کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فراغت
سے اہم سمجھیں اور اخبار کو جو مذہب کی محافظ ہے اور اصلاح
قوم کا علمبردار بھی اشاعت اور ترقی کے اعلیٰ درجے پر پہنچان
حق کی آواز جس قدر کثرت سے لوگوں کے کان میں جائے اس قدر دنیا
اخبار الجمعیت کی پانچ خصوصیات

- (۱) تمام سیاسی و مذہبی مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث کرتا ہے۔
- (۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین شائع کر کے قارئین اسلام کو خاموش کر رہا ہے۔
- (۳) عربی، فارسی، اردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرتا ہے۔
- (۴) حضرت مولانا مفتی محمد کفایت الرحمن صاحب صدر جمعیت علماء ہند کے قلم کے اشاعت کرتا ہے۔
- (۵) ایک کالم تفریح کا بھی ہوتا ہے جس سے ساری دلچسپی میں اندیشہ و اذیت ہوتا ہے۔
- بہت سے دو اور شائع ہوتا ہے چند سالانہ چھ روپیہ (نئے) ششماہی تین روپیہ پانچ روپیہ (پیر)

منیر "الجمعیت" دہلی

برید فرنگ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

بَیْنُ الاقوامی سیاست و ملحدگی

مرکزی مقام واشنگٹن کی دونوں مجلسوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں مجلس عوام کے ممبروں کی تعداد ۴۳۵ ہوتی ہے جو ہر دو برس میں ایک مرتبہ منتخب ہوتے ہیں۔ مجلس خاص میں ۹۶ ممبر ہوتے ہیں۔ یعنی ہر ریاست کی طرف سے عام اس سے کہ اس کی آبادی کم ہو یا زیادہ، دو دو نمائندے ہوتے ہیں۔ ان کی مدت ۶ سال ہوتی ہے مگر ہر سال بعد ان میں سے ایک ہائی کا انتخاب از سر نو ہوا کرتا ہے اور اس طرح ۶ سال کے اندر نئی مجلس پیدا ہو جاتی ہے۔ مجلس خاص مدہ جمہوریت کے ساتھ معاہدے منظور کرنے میں شریک ہوتی ہے۔ بغیر اس کی منظوری کے کوئی معاہدہ جائز نہیں ہو سکتا۔

امریکہ کے بروہی مقبوضات

ایک طرف جمہوریہ امریکہ، دوسری طرف کو امریکہ کے معاملات میں دخل کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ دوسری طرف خود بھی ملک گیری کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے اور براعظم امریکہ کے باہر بھی نوآبادیاں بناتی ہے!

(۱) جزیرہ کوبا کا شمار اگرچہ ماتحت ممالک میں نہیں ہو لیکن علما امریکہ ہی کی اسپر حکومت ہے۔ اس جزیرہ کی آبادی ۱,۰۰,۰۰۰، ۲۹ ہے (۲) الاسکا ایک وسیع علاقہ ہے مگر آبادی ۵۵,۰۰۰ سے زیادہ نہیں ہے۔ اس میں شکار کے جائزہ اور قیمتی کانیں بہت ہیں۔

(۳) پورٹو ریکو۔ اس کی آبادی ۱,۲۰,۰۰۰، ۱۲ ہے، یہاں قوم، مبادی اور شکر کی پیداوار بہت ہے۔

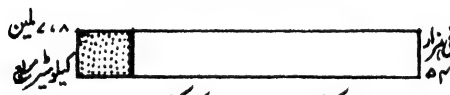
(۴) جزائر ہوائائی۔ آبادی ۲۵۵,۰۰۰۔ اکثر باشندے زرد رنگ کے ہیں، قوم، چادریں، اور کیلا بہت پیدا ہوتا ہے۔

(۵) جزائر فیلیپائن وسیع علاقہ ہے۔ آبادی ایک کروڑ ہے۔

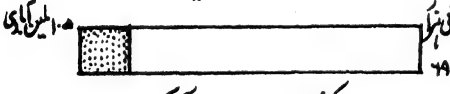
امریکہ اور باقی دنیا کا مقابلہ

ذیل کے نقشے سے معلوم ہو گا کہ کون سا ملک دنیا میں خلیج چینیٹین کی امریکا کا درجہ کیا ہے:

دنیا کے مجموعی رقبہ میں امریکا کا رقبہ



دنیا کی مجموعی آبادی میں امریکا کی آبادی



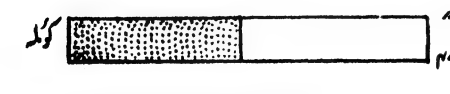
دنیا کی مجموعی پیداوار میں امریکا کی پیداوار



دنیا کی مجموعی جمع ہو کر ان اصوات کا شمار کرتی ہیں اور م سال کے لئے صد جمہوریت کا اعلان کر دیتی ہیں۔



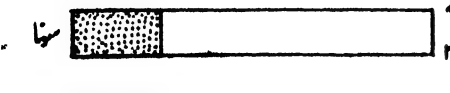
صد جمہوریت امریکا کے لئے ایک شرط بھی ہے کہ اس کی عمر کم سے کم ۳۵ سال کی ہو، آئین کے ۱۴ برس امریکی باشندے ہوں اور اس ملک کا مستقل باشندہ ہو۔ صدر جمہوریہ فرانس کے برخلاف امریکا کے صدر کا ایک نائب بھی ہوتا ہے۔ اور اپنی مدت کے دوران میں صدر کے فوت ہو جانے، یا استعفیٰ ہو جانے یا اپنے فرائض نہ ادا کر سکنے کی حالت میں نائب صدر اس کی جگہ کام کرتا ہے اور صدر کا نائب انتخاب نہیں ہوتا۔ صدر کی موجودگی میں نائب صدر کام صرف اس وقت ہوتا ہے کہ وہ مجلس خاص کی صدارت کرتا ہو۔



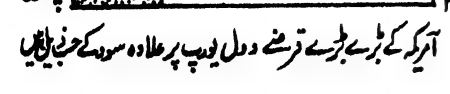
جمہوریہ امریکا ۴۸ ریاستوں کے ہر ریاست میں دو مجلس ہیں ایک کام انڈین ریاست میں قانون بنا د اور حکومت کرتا ہے۔ لیکن تمام ریاستوں کے مشترک اور عام معاملات غیر خارجی سیاست، جمہوریت



ولایات متحدہ



جمہوریہ امریکا ۴۸ ریاستوں کے ہر ریاست میں دو مجلس ہیں ایک کام انڈین ریاست میں قانون بنا د اور حکومت کرتا ہے۔ لیکن تمام ریاستوں کے مشترک اور عام معاملات غیر خارجی سیاست، جمہوریت



امریکہ کے بڑے بڑے قرضے دہلی دیپ پر علاوہ سو کے حق ہیں

میں انقلاب عظیم ہو گیا ہے، امریکا کی تجارت بھی محدود ہو گئی ہے، ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہو کہ مذہب متور کے حامی زیادہ عرصہ تک اپنی استقامت لئے قائم رکھ سکیں،

امریکی صدر جمہوریت

ولایات متحدہ امریکا کا نظام حکومت، انگلستان اور فرانس وغیرہ ممالک کے نظام سے بہت مختلف ہے۔ دنیا میں کسی صد جمہوریت کو اپنے اختیارات حاصل نہیں ہیں جتنے امریکی صد جمہوریت کو ہیں۔ شاہ انگلستان اور صدر جمہوریہ فرانس قریب قریب جمہوریت کے محرم ہیں۔ لیکن امریکا کے صدر کے ہاتھ میں وسیع اختیارات ہوتے ہیں خصوصاً جنگ یا دوسرے نازک موقعوں پر اسے تقریباً مطلق العنان حاکم کی حیثیت اذرنے قانون حاصل ہو جاتی ہے۔

دنیا کی دوسری حکومتوں کی طرح امریکی وزیر اعظم کا عہدہ نہیں ہے۔ صدر جمہوریت ہی اپنے مددگاروں کی مجلس کا رئیس ہوتا ہے لیکن ان مددگاروں کو مجلس حکومت (سینٹ) اور مجلس خاص میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ صدر امریکا اور صدر فرانس میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ آخر الذکر کا انتخاب، عوام اور خواص کی دونوں مجلسیں یکجا ہو کر کرتی ہیں۔ لیکن امریکی صدر کا انتخاب اس طرح ہوتا ہے کہ ہر ریاست خاص اس غرض کے لئے اپنے نمائندے مقرر کر دیتی ہے۔ یہ نمائندے اپنی اپنی ریاستوں کے صد مقام میں جمع ہوتے ہیں اور صدر جمہوریت کے لئے کسی شخص کا انتخاب کرتے ہیں۔ تمام ولایتوں کے سربراہان (گورنر) یا یہ تخت واشنگٹن بھجھنے جاتے ہیں۔ پھر واشنگٹن کی دونوں مجلسیں جمع ہو کر ان اصوات کا شمار کرتی ہیں اور م سال کے لئے صد جمہوریت کا اعلان کر دیتی ہیں۔

صد جمہوریت امریکا کے لئے ایک شرط بھی ہے کہ اس کی عمر کم سے کم ۳۵ سال کی ہو، آئین کے ۱۴ برس امریکی باشندے ہوں اور اس ملک کا مستقل باشندہ ہو۔ صدر جمہوریہ فرانس کے برخلاف امریکا کے صدر کا ایک نائب بھی ہوتا ہے۔ اور اپنی مدت کے دوران میں صدر کے فوت ہو جانے، یا استعفیٰ ہو جانے یا اپنے فرائض نہ ادا کر سکنے کی حالت میں نائب صدر اس کی جگہ کام کرتا ہے اور صدر کا نائب انتخاب نہیں ہوتا۔ صدر کی موجودگی میں نائب صدر کام صرف اس وقت ہوتا ہے کہ وہ مجلس خاص کی صدارت کرتا ہو۔

ولایات متحدہ

جمہوریہ امریکا ۴۸ ریاستوں کے ہر ریاست میں دو مجلس ہیں ایک کام انڈین ریاست میں قانون بنا د اور حکومت کرتا ہے۔ لیکن تمام ریاستوں کے مشترک اور عام معاملات غیر خارجی سیاست، جمہوریت

۲ دسمبر ۱۹۷۷ء میں یعنی ابھی ایک سو چار برس پہلے ولایات متحدہ امریکا کے پانچویں صد جسٹس مڈو نے امریکا کی مجلس حکومت (سینٹ) کے سامنے ایک تقریر کی تھی۔ یہ تقریر بعد میں تاریخی تقریر بن گئی اور اس عظیم الشان سیاسی نتائج پیدا کئے۔ اس تقریر میں پریسڈنٹ نے امریکا کی خارجی حکمت عملی کے لئے ایک اصول پیش کیا تھا جو بعد میں مذہب متور کے نام سے مشہور ہوا۔ اس اصول کا منشا یہ تھا کہ "امریکا کو اپنے معاملات خود ہی طے کرنے چاہئیں اور کسی بیرونی سلطنت کو ان میں مداخلت کا موقعہ نہیں دینا چاہئے" مقصد اس سے یہ تھا کہ براعظم امریکا تمام دوسرے براعظموں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے لئے ایک مخصوص اور مستقل سیاسی دنیا پیدا کر لے۔

چونکہ ولایات متحدہ امریکا اپنے براعظم میں سے زیادہ آباد، والد اور طاقتور جمہوریت ہے، اس لئے دوسرے براعظموں سے الگ تھلک ہوجانے کی وجہ سے اسے امریکا کے تمام دوسری جمہوریتوں پر ایک طرح کی فوقیت یا وصایت (سینٹ) حاصل ہو گئی ہے اور اسے دنیا کی پریٹل کرتے ہوئے متعدد موقعوں پر وہ دوسری جمہوریتوں کے خلاف میں مداخلت بھی کر چکی ہے۔ چنانچہ مشرق وسطیٰ میں جب فرانس اور کینیڈا میں نزاع ہوئی، اور پھر جب مشرق وسطیٰ میں اسپین اور کوبا کا معاملہ پیش آیا، تو ولایات متحدہ نے اسی اصل کی بنا پر علما مداخلت کی۔ متور سے پہلے صدر واشنگٹن نے بھی اپنے ہومبولڈ کو بھیجتے کی تھی کہ یورپی سلطنتوں سے اس طرح کے معاہدات نہ کریں جن سے امریکا کی بین الاقوامی ریاست سے ملحدگی کی حالت میں خلیج پیدا ہونے کا امکان ہو۔

یہی وہ قاعدہ تھا جس کی بنا پر عالمگیر جنگ کے بعد مجلس صلح کو متور پر امریکی سخت اختلات آرا پیدا ہو گیا۔ ڈاکٹر ولین اور اس کے ہم خیالوں کی رائے تھی کہ اب امریکا کو گوشہ تنہائی سے نکل کر دنیا کی بین الاقوامی سیاست میں حصہ لینا چاہئے۔ لیکن مذکور بالا قاعدہ کے مقتدا اس کے مخالف تھے۔ وہ کہتے تھے امریکا کو بدستور بین الاقوامی سیاست سے علحدہ رہنا چاہئے۔ بالآخر دوسری جاعت ہی فتح حاصل ہوئی کیونکہ امریکا کی عام رائے انہی کے حق میں تھی ڈاکٹر ولین کو اپنی شکست کا اعتراف کر لینا پڑا۔

بالشبہ اس اختلات میں ڈاکٹر ولین کو شکست ہوئی اور اپنا قاعدہ بدستور برقرار رکھا۔ لیکن یہ سوال بہر حال ہمیشہ معرض بحث میں رہے گا کہ آخر امریکا کب تک دنیا کے سیاست سے علحدہ رہے گا؟ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اسے کب تک ایسی جگہ پر چھوڑے سکے گا؟ ظاہر ہے، جنگ کے بعد دنیا کے سیاسی اور اقتصادی حالات

انجمنستان پر	۴۴۶	لین (ایک لین - الاکہ) ڈالز تقریباً ۳۰
فرانس	۳۸۴۴	"
اطلی	۱۹۳۲	"
بلجیم	۲۳۷	"
روس	۳۳۲	"
پولینڈ	۱۵۳	"
جوسلویا	۱۰۶	"

امریکہ میں الحادی متبوت

الحادی انجمنوں کی دعوت تبلیغ

امروت امریکہ میں سب سے زیادہ طاقتور اور مقبول دعوت، الحادی اور ترک ادیان کی دعوت ہے۔ لہذا خیالات دنیا میں قدیم زمانوں سے موجود ہیں اور دنیا کے نئے علمی دور نے مذہبی عقائد کا قدیم رسوم و رواج کو تزلزل کر دیا ہے تاہم امروت تک کسی ملک میں بھی الحادی عوام میں مقبولیت حاصل نہ کر سکا، اور عامۃ الناس کا میلان مذہب ہی کی طرف رہا مگر اب امریکہ میں الحادی عام پسند دعوت کی حیثیت اختیار کر رہا ہے اور روز بروز اس کی جامعیت زیادہ قوت و دواج حاصل کر رہی ہے۔ امریکہ کے کلچر اور یونیورسٹیاں اس دعوت کی اشاعت و تبلیغ کا سب سے بڑا میدان ہیں۔ انہی میدانوں میں قوم کے دل و دماغ طیار ہوتے ہیں، اور اگر یہ الحادی اشاعت و تبلیغ کامرکز بن گئے ہیں، تو ظاہر ہے کہ آئندہ دل و دماغ کا سا بچا اب مذہب کا نہیں بلکہ الحاد کا سا بچا ہے!

مشہور امریکی اخبار "ورلڈ" نے اس لہذا تحریک کی تحقیقات کے لئے اپنا ایک خاص نمائندہ مقرر کیا تھا۔ اس نے ۱۸ مئی ۱۹۷۷ء کو کے اپنا مفصل بیان شائع کر دیا ہے۔ ہم اس بیان کے بعض اہم نقاط پر نظر ڈالیں گے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دہریت عام کرنے کے لئے ایک نہایت طاقتور انجمن موجود ہے۔ یہ انجمن امروت تک ۲۰ کالجوں اور تین یونیورسٹیوں میں اپنی باقاعدہ شاخیں قائم کر چکی ہے۔ نیز امریکی جنگی طیاروں کے انفرود سپاہیوں میں بھی اسے بہت اثر پیدا کر لیا ہے۔ امریکہ کے بشیار اساتذہ انجمن کے ممبر ہیں اور اس کے مقاصد پھیلا رہے ہیں۔

سب سے پہلے جس یونیورسٹی نے علانیہ الحاد کو اپنا مذہب قرار دیا، وہ صوبہ نیویارک کی روچسٹر یونیورسٹی ہے۔ اسے باضابطہ طور پر انجمن الحادی کی رکنیت قبول کر لی ہے اور اپنے دائرے میں اس کی شاخ قائم کر دی ہے۔ اس شاخ کا نام عجیب ہے "لئون ارواح والوں کی انجمن" اس نام نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اب تمام الحادی مدارس طالب علموں نے ہی نام اختیار کر لیا ہے۔ اسی قسم کے کئی اور نام بھی مختلف شاخوں نے تجویز کئے ہیں۔ مثلاً نیویارک کی ایک الحادی کالج کا نام ہے "ان لوگوں کی انجمن جن کو کوئی خدا نہیں ہے" فلادلفیا کی انجمن کا نام "سیاہ بھڑوں کی انجمن" ہے۔ ایک اور شاخ "شیطان کے فرشتوں" کے نام سے مشہور ہے۔ ایک انجمن "دائرہ کفار" کہلاتی ہے۔ ایک دوسری جماعت اپنے آپ کو "لئون روحوں کی جماعت" کہتی ہے، امداس کے صدر کا لقب "اعلیٰ حضرت شیفت پناہ" ہے!

انجمن الحادی حریفوں کی تبلیغ کرتی ہے:

- ۱۔ عقل کے ہوا کوئی خدا نہیں۔
 - ۲۔ آسانی کتابوں میں جتنے قصے مذکور ہیں، محض بے بنیاد افسانے۔
 - ۳۔ جنت، دوزخ کا کوئی وجود نہیں۔
 - ۴۔ دین، طبیعت سے مادہ اور امور کی پرستش کا نام ہے، اور ایسے امور کا کوئی وجود نہیں۔ اس لئے اسے شادینا چاہئے۔
 - ۵۔ کلیسا کا نظام، دنیا کے لئے خطرہ ہے۔
- حکومت سے اس کے مطالبے خفیہ ہیں:
- ۱۔ تمام کالجوں پر بلا کسی امتیاز کے حصول مقرر کرنا چاہئے۔
 - ۲۔ سرکاری عہدوں پر اور مجلس خواص اور مجلس عوام میں جتنے بھی پادری ہیں، سب نکال دئے جائیں۔
 - ۳۔ مذہبی انجمنوں کو کوئی مالی مدد دی جائے۔
 - ۴۔ تمام مدارس میں نئی تعلیم ممنوع قرار دی جائے۔
 - ۵۔ ہر قسم کے دینی رسوم اور تہوار موقوف کر دئے جائیں۔
 - ۶۔ قورات و اجیل کی قسم ناجائز قرار دی جائے۔
 - ۷۔ تو اور کو مذہبی دن تسلیم نہ کیا جائے۔

۸۔ وہ تمام دینی فرائض و شعائر منسوخ کر دئے جائیں جنہیں نئی فضا کی رحمت خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی جگہ صحیح آداب اور آزادی و مساوات کے اصول عام کئے جائیں۔

۹۔ امریکی کے پرستے کی عبارت ٹھوکر دی جائے۔ "خدا پر تل توکل ہے" انجنادہ لفظ کے خاص نمائندے نے اپنی تحقیقات کے دوران میں ان لوگوں سے ملاقاتیں میں جو اس دعوت کے رہنما ہیں۔ انجمن الحادی کے ناظم سر پوٹو نے اپنی گفتگو میں کہا:

"ہم جانتے ہیں کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں میں ایک بہت بڑی جماعت ہے جو الحاد قبول کر چکی ہے جو سخت سے اعلان نہیں کرتی۔ خاموشی اور سکون سے اپنے دائرے میں اس کی تبلیغ و اشاعت کر رہی ہے"

ایک اور ڈر پر لکھتے ہیں:

"خدا پر ایمان" اب ایک فرسودہ عقیدہ ہے اور موجودہ تمدن کے ساتھ نہیں ملے سکتا جن کتابوں کو آسانی کتابیں خیال کیا جاتا ہے خرافات و قصص کو زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ اگر ہم ان کتابوں پر عمل کرینگے تو اپنے انھوں اپنی قدر کھودیں گے اور اپنی خوشی سے پاگلوں کے زمرے میں داخل ہوجائینگے۔ فریڈ برائن، ان نامہاداس کتابوں میں ایسے فحش قصے درج ہیں جنہیں کوئی بااخلاق آدمی پڑھنا گوارا نہیں کر سکتا (موجودہ قورات کے بعض مضامین کی طرف اشارہ ہے) موجودہ علم و دین کی بیخ کنی کر رہا ہے۔ علم ابدیت، جدید ترین علمی افکار کی اشاعت کر کے تحریک الحاد کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ انجمن الحاد نے حال میں چند سوالات شائع کئے تھے۔ انکے جوابوں سے معلوم ہوا کہ ۷ فیصدی علماء عصر، لحد ہیں، یا کم از کم لادری ہیں۔ ان کی تعلیم کا نتیجہ اس کے ہوا کہ انہیں کھڑا، رنج، اور ابدیت کے اعتقاد سے الٹا کر دیا جائے"

انڈیا یونیورسٹی سے ایک رسالہ "داگا بوڈ" نام شائع ہوا ہے یہ اس درجہ کے لحد طالب علموں کا ترجمان افکار ہے۔ اسکے محرر نے پھلی اشاعت میں اپنے دستخط سے ایک مضمون "میں لحد کیوں ہوں؟" کی سرسری سے شائع کیا ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے:

"خدا کا عقیدہ بھی فیشن کا حکم رکھتا ہے۔ آج ایک عقیدہ مقبول ہوتا ہے، کل دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ ایک نامہاد میں "فرس" کا نام یونان میں آدمیوں کے دل ہلا داتا تھا۔ یہ یونان کا سب سے بڑا مہود تھا۔ اسی طرح "جو طیر" (دشتی) کے سامنے رومانوں کے

سرہیت و اجلال سے خم ہو جاتے تھے۔ لیکن آج دنیا ان ناموں پر ہنستی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ تاریخ اپنا اعادہ کرتی رہتی ہے تو ہمیں یقین کرنا چاہئے کہ وہ زمانہ دور نہیں جب "یہووا" و عبرانی میں خدا کا نام (بھی اپنی تمام عظمت لکھ کر مضحکہ بن جائے گا)۔

یہ تحریک صرف مردوں ہی میں نہیں بلکہ عورتوں میں بھی عام ہو رہی ہے۔ متعدد الحادی انجمنوں کی صدر، عورتیں ہیں۔ چنانچہ نیلیا کی انجمن کی صدر سر کرسٹن ڈاکر ہے۔ اس کی عمر ۱۸ برس کی ہے۔ تین سال پہلے بہت سخت مذہبی تھی، لیکن اب سرگرم لحد ہے۔ اسی طرح مغربی صوبوں میں ایک سترہ برس کی دوشیزہ اس تحریک کی قائم ہے۔ اس کا نام کوئن سلاو ہے۔ اسی نام سے وہ ایک رسالہ بھی نکالتی ہے۔ یہ رسالہ الحادی تبلیغ میں بہت پیش پیش ہے۔ اس کا قول ہے "جو شخص بھی خدا پرست رہتا ہے، مرد ہو یا عورت اس کے عقلی توازن خلل ہوا"

امریکہ کے سیاسی دبیر اس الحادی طوفان کو سخت خائف ہیں اور اس کی مقادمت کی تدبیروں پر غور کر رہے ہیں۔

ترکی قائلین

ترکی کے قائلین ناہم میں مشہور ہیں۔ پہلے چند سال سے یونانی تاجروں نے یہ پروپیگنڈا جاری کر رکھا ہے کہ قائلین بانی کی صنعت ترکی کے یونانیوں کے ہاتھ میں آئی وہ جسے جلا وطن کر دئے گئے ہیں یہ صنعت بھی ترکی سے یونان میں چلی گئی ہے۔ اس پروپیگنڈا نے بالآخر ترکی حکومت کی توجہ اپنی طرف منتقل کی۔ چنانچہ اسے اس بارے میں ایک بیان شائع کیا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ ترمنا میں جو وہیں صنعت کار مرکز ہے، جنگ سے پہلے ۸۰،۲۹۰ کارخانے قائلین سازی کے تھے۔ ان میں ۲۰،۵۲۰ ترک، اور ۲،۷۵۰ یونانی ادارائی کارگر کام کرتے تھے۔ یعنی اس وقت بھی ترک کارگروں کی تعداد یونانیوں اور آرمینوں کی تعداد سے تقریباً تین گنی تھی۔

ان دونوں قوموں کے اخراج کے بعد اس صنعت کا کیا حال ہوا؟ کیا وہ باقی نہیں ہی جیسا کہ یونانی کہتے ہیں؟

نہیں۔ کیونکہ اس سرکاری بیان میں مذکور ہے کہ وجود جنگ کی برابری کے یہ صنعت برابر ترقی کرتی رہی۔ مثلاً ۱۱،۳۰۵ کارخانے تھے جن میں امروت ۲۰،۹۴۰ ترک کارگر کام کر رہے ہیں جنگ سے پہلے ۹۰،۶۸۰، ۹۰،۹۰۰ تھے بلکہ قائلین ہر سال بنتے تھے لیکن ۱۹۷۲ میں ان کی مقدار ۹۲،۸۴۰ تھی۔ مگر یہ سب کچھ گئی۔ اس سے ترکی کی صنعتی ترقی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

خدیو عباس کے مقدمہ کا فیصلہ

مظالمیہ میں کسی شخص کو بھی شہ نہ تھا کہ خدیو عباس اپنے مقدمہ میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن انہوں نے یہ کہ عدالت کا فیصلہ انکے خلاف صاف ہوا: "موجودہ عدالت کو اس دعوے پر غور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے"۔ جوں کا مشفقہ فیصلہ ہے۔ یعنی عدالت نے انگریزی وکیل کی منطق تسلیم کر لی، اور اپنے آپ کو ایسے مقدمات کے فیصلہ کا فحش سمجھا۔ عدالت نے دعوے سے مدعا علیہ کو ۵۰۰ ترک پونڈ معاوضہ بھی دلائے ہیں!

اس فیصلہ پر ترکی کے اخبارات سخت برہم ہیں اور اسے صریحاً انگریزی پر حمل کر رہے ہیں۔ اس فیصلے نے ایک نئی تحریک پیدا کر دی ہے، اخبارات زور دے رہے ہیں کہ اس قسم کی غلط عدالتیں اس کے غلطی

بصائر و حکم

الناسیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقاتِ فانی میں

امیر معاویہ بن ابی سفیان

امیر معاویہ بن ابی سفیان کی شخصیت لغات سے بے نیاز ہو
عرب کا غم، حزم، عقل، تدبیر، پورے تناسب سے اس بلغم میں
جمع ہو گیا تھا۔ عربی کتب ادب و تاریخ اُن کی تدبیر و سیاست کے
واقعات سے لبریز ہیں۔ تقریباً پوری زندگی امارت و حکومت میں بسر
ہوئی۔ اور ہمیشہ اُن کی سیاست کا مایہ ہی وہ اس عہد کے ایک
پورے سیاسی آدمی تھے۔

ایک عجیب غم

جب مرض نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور لوگوں میں اُن کی
موت کے چرچے ہونے لگے، تو امیر معاویہ کو فتنہ و فساد کا اندیشہ
پیدا ہوا۔ دلی عہد، یزید، (جسے جرأً بزدل و شمشیر دلی عہد منوا گیا تھا)
دارالخلافہ سے دور تھا اور ابتری پیدا ہو جانے کا قوی احتمال تھا
انہوں نے فوراً اپنے تیمار داروں سے کہا:

”میری آنکھوں میں خوب سرمہ لگاؤ۔ سر میں تیل ڈالو“
حکم کی تعمیل کی گئی، سرمہ اور دروغن سے بنا چہرے تیز لڑکی
پیدا کر دی۔

پھر انہوں نے حکم دیا:
”میرا بھونا اور چکارو۔ مجھے بٹھا دو۔ میرے پیچھے نکلے لگاؤ“
اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی۔

پھر کہا:
”لوگوں کو حاضری کی اجازت دو۔ سب آئیں اور کھڑے کھڑو
سلام کر کے رخصت ہو جائیں۔ کوئی بیٹھنے نہ پائے“
لوگ اندر آنا شروع ہوئے۔ جب وہ سلام کر کے باہر جاتے
تو آپس میں کہتے ”کون کتنا ہو خلیفہ مرہے ہیں؟ وہ تو نہایت تو
نازہ اور تندست ہیں!“

جب سب لوگ چلے گئے تو امیر معاویہ نے یہ شعر پڑھا:
و تملی للثامین اریتم الی رب الدہر و انقضض
شات کرنے والوں کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر ہونے نہیں تیا
میں انہیں ہمیشہ ہی دکھانا ہوں کہ نہ ان کی مصائب مجھ کو مغلوب نہیں
کر سکتیں۔ (طبری ج ۶)

دنیا کی بے ثباتی

دورانِ علالت میں قریش کی ایک جماعت، عیادت کو آئی۔ امیر
معاویہ نے اس کے سامنے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ ان لفظوں میں
کھینچا: ”دنیا آہ دنیا، اس کے سوا کچھ نہیں ہے ہم اچھی طرح دیکھ

اپنی فانی دنیا کی یاد
وفات سے کچھ پہلے اشعث بن ریحلہ کے یہ شعر پڑھے جو اسے قلعہ کرب
میں کہے تھے۔

اذا مت، مات الحمد انقطع الذی من الناس الا من قلیل مصرد
تیری موت کے ساتھ صفات اور فانی دنیا بھی مرجائیگی۔

دودت اکل السائلین و اسکرا من الدین و الدنیا بخلت مجد
سائلوں کے ہاتھ ڈٹائے جائیں گے اور دین اور دنیا کی موریوں اُن کے
انتظار میں ہوں گی۔

یہ سن کر اُن کی لڑکیاں چلاٹھیں ہرگز نہیں، امیر المؤمنین! خدا
آپ کو سلامت رکھے!“

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرت یہ شعر پڑھا:
واذا المیتۃ التبت انطاعلم اقییت کل تبتہ لا تنفع
جب موت اپنے ناخن کاٹ دیتی ہو تو کوئی توبہ بھی نفع نہیں پہنچاتا
نقصیت

پھر بیہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد اُنکے کھولی اور اپنے فرزند کو کہا
دیکھ کر کہا،

”امد غر و دل سے ڈرتے رہنا۔ کیونکہ جو ڈرتا ہو، خدا اُس کی خلعت
کرتا ہو۔ اُس شخص کے لئے کوئی پناہ نہیں جو خدا سے بے خوف ہو۔“
(طبری)

یزید کی آمد

امیر معاویہ کی نازک حالت سے، قاصد کے ذریعہ، دلی عہد (یزید)
کو مطلع کیا گیا۔ وہ فوراً روانہ ہوا۔ پہنچتے پہنچتے حالت اور بھی ابتر ہو
چکی تھی۔ یزید جب پہنچا تو سکران موت کی حالت شروع ہو چکی تھی
اسنے باپ کو پکارا مگر وہ بول نہ سکے۔ یزید رونے لگا اور یہ شعر پڑھا:
لوعاشی علی الدنیا عاش اما من الناس الا ما جرد لا دکل
اگر کوئی آدمی بھی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہتا تو بلا شک آدمیوں کا امام
زندہ رہتا، وہ نہ عاجز ہو، نہ کمزور ہو۔

الحول القلب والایب دلن یدفع دقت المیتۃ لیل
وہ بڑا ہی عاجز و مدبر و دیم ہو۔ لیکن موت کے دقت کوئی تدبیر بھی کام
نہیں آتی۔

یزید سے خطاب

معاویہ نے یہ سن کر انہیں کھول دیں اور کہا:
”لے فرزند! مجھے جس بات پر خدا سے سب سے زیادہ خون ہے،
وہ تجھ سے میرا بڑا ہو۔ جان پدا ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ سفر میں تھا جب آپ فروریات سے فارغ ہوتے یا دھڑکتے
تو میں ت مبارک پر پانی ڈالتا۔ آپ میرا کرتا دیکھا وہ مونڈھے پر
سے پھٹ گیا تھا۔ فرمایا ”معاویہ! تجھے کتنا پناہ دوں؟“ میں نے
عرض کیا ”میں آپ پر قربان! مزود“ چنانچہ آپ نے کرا عیادت کیا
مگر میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا۔ وہ اب تک میرے ہاں
موجود ہے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں تر شوالہ
میں نے تھوڑے سے ہاں اور کہتے ہوئے ناخن اٹھائے تھے۔
بھی آج تک میرے پاس شیشی میں رکھے ہیں۔ دیکھ جب مر جاؤں
تو غسل کے بعد یہ ہاں اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں اور زونوں
میں کھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا بھا کر مجھے آپس پر
لٹاؤ اور کفن پہناؤ۔ اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچا ہو تو وہ یہی ہے۔“
(استیعاب - عقد الفیہ)

سکراتِ موت

سکرات کے عالم میں یہ شعر زبان پر جاری تھا:
فل من خالدا بالکنا و فل بالمتی الناس ملہ

چلے ہیں اور جس کا خوب تجربہ کر چکے ہیں۔ خدا کی قسم، ہم اپنی جوانی کے عالم
میں دنیا کی بہار کی طرف دڑے، اور اُس کے سب فرے ٹوٹے
مگر ہم نے دیکھ لیا کہ دنیا نے جلد پٹا کھایا۔ بالکل کھالٹ کر دی۔ ایک
ایک کر کے تمام گریں کھول ڈالیں۔ پھر کیا ہوا؟ دنیا نے ہم کو بھائی
کی۔ ہماری جوانی پھین لی۔ ہمیں بڑا بنا دیا۔ آہ، یہ دنیا کتنی خراب
جگہ ہے؟ یہ دنیا کیسا برا مقام ہے؟“

(احیاء علوم الدین جلد ۴)

آخری خطبہ

امیر معاویہ نے اپنی بیماری میں آخری خطبہ یہ دیا:
”لے لوگو! میں اس کہیں کی بانی ہوں جو کھل چکی ہو۔ مجھے تیر حرکت
ہی تھی۔ میرے بعد جتنے حاکم آئیں گے، مجھ سے بڑے ہونگے ٹھیک
اُسی طرح، جیسے اگلے حکم مجھ سے اچھے تھے۔“

(احیاء ج ۴)

حسرت

جب دقت آخر ہوا تو کہا، مجھے بٹھا دو۔ چنانچہ بٹھائے گئے۔ دیر
تک ذکر الہی میں مصروف رہے۔ پھر رونے لگے اور کہا:
”معاویہ! اپنے رب کو اب یاد کرتا ہوں جبکہ بڑا بچے نے کئی کام
کا نہیں کھا اور جسم کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں۔ اُس وقت کیوں نہ یہ
خیال آ جا جب شباب کی ڈالی تر و تازہ اور ہری بھری تھی؟“

پھر چلا کر رونے اور دعا کی:
”لے رب! سخت دل، گنگناڑ بڑھ چکا ہوں پر رحم کر الہی! اُس
کی ٹھوکریں صاف کر دے! اُس کے گنا بخش دے! اپنے وسیع علم
کو اُس شخص کے شامل حال کر جنے تیرے سوا کسی سے امید نہیں کی،
تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا!“

(احیاء ج ۴)

بیٹیوں سے خطاب

تیار داری اُن کی دونوں لڑکیاں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہیں
کروٹ بلائے گئیں تو انہیں نفور دیکھ کر کہا: تم ایک ڈونڈ لال
وجد کو کر دینا بلوادی ہو۔ اُس نے دنیا بھر کے خزانے جمع کر لئے لیکن
کاش وہ دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

لقد صیت لکم من ہی ذی غضب و قد فیکم انتقام و المظا
میں نے تمہارے لئے بہت سخت محنت سے کوشش کی اور تمہیں دوزخ
ٹھوکر میں کھانے سے پردا کر دیا۔ (طبری)

اگر ہم رہا جینگے تو کیا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہے گا۔ کیا موت کسی کے لئے کوئی عیب ہو؟

(استیعاب)

وفات

میں وفات کے وقت یہ شعر پڑھو:
اللہم انزل منی الملك ساقطہ ولم یکن فی اللہ اعشی الذل
کاش میں نے کبھی سلطنت نہ کی ہوتی اکاش لہم میں حاصل کرنے میں
میں اندھا نہ ہوتا!

وکت کدی ملین ماش بلیفہ لیالی حتی زارفتک المقابر
کاش میں اُس فقر کی طرح ہوتا جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہو!
(عقد الفریہ)

یزید کا فرشتہ

یزید نے مرثیہ کے یہ شعر کہے تھے:

جار البرد بقرطاس یجب فاجس القلب من قرطاس فرما
قاصد خطی دولا ہوا یا، تو قلب خوت زود ہو گیا۔

قلنا لک الاول ما ذانی کتابکم قالوا الخلیفۃ اسی شبتا وجا
ہم نے کیا تیری ہلاکت! خط میں کیا ہو؟ کہنے لگا خلیفہ تخت بیاری او
تخلیف میں ہو۔

فادات الاضداد کا دیندنا کان اغبر من ارکانہا فلتا
قریب تھارین ہیں لیکن جھک جا۔ گویا اُس کا کوئی ستون اکھڑ گیا ہو
ادوی ابن ہند دادوی الجدیدتہ کا اجماع فظلا لیلین معا
ہند کا لڑکا (معاویہ) مرگیا اور عزت بھی مر گئی۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے
تھے اب بھی دونوں ساتھ چلے جا رہے ہیں۔

لایخ الناس ما دہی وان جہدا ان رفیخہ ولا یوہون رفعا
جو گرہ لے آئے آدمی لاکھ کوشش کریں اٹھائیں گے اور جو اٹھ رہا
ہے اُسے لاکھ چاہیں گرا نہیں گئے۔

اغرابی یستغنی النعام بہ لواقیع الناس عن اطلاقہا
مبارک و خبیثہ جس کے واسطے سواران رحمت طلب کیا جاتا ہو۔ اگر
لوگوں کی عقلوں کا امتحان ہو تو وہ سب پر بازی لے جائیگا۔

(استیعاب - طبری)

یزید کا خطبہ

تین دن زید گھر سے نہیں نکلا۔ پھر مسجد میں آیا اور حسبِ خطبہ: "تمام تائش اُس خدا کے لئے جو اپنی شیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہو، دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہو محروم کر دیتا ہو کسی کو عزت دیتا ہو، کسی کو ذلت دیتا ہو۔ لوگو! معاویہ، خدا کی رستوں میں سے ایک ہی تھا۔ جب تک خدا نے چاہا اُسے دراز کیا پھر اُسے اپنی شیت سے کاٹ ڈالا۔ معاویہ اپنے پیش روں سے کم تر اور بعد والوں سے بہتر تھا۔ میں اُسے پاک ثابت کرنے کی کوشش نہیں کر دلی گا۔ اب وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا ہو اگر اُس سے ڈر کر دے تو یہ اُس کی رحمت ہو اگر اُسے عذاب دے تو یہ اُس کے گناہ کا عذاب ہوگا۔ میں اُس کے بعد برسرِ حکومت آیا ہوں۔ نہ مرش ہوں نہ مکر وہ ہوں۔ جلد بازی نہ کرو۔ اگر خدا کوئی بات ناپسند کرتا ہو، بدل ڈالتا ہو۔ اگر پسند کرتا ہو تو اُس کی تائید ہو"



برید شرق

مکتوب آستانہ

(المال کے معادل کا ریم تسلیم کے قلم سے)

ایشیائے کوچک اور یورپ کا اتصال۔ ترکی میں اشاعت اسلام۔ ۲۳ جولائی کی عید۔ ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟۔ قادی صلی کمال کا سفر آمد۔ درہ وانیال کی تعلیم بندی

ایشیا اور یورپ کا اتصال

قادی صلی کمال پاشا کا سفر آستانہ، محض تفریح کے لئے دھکا
بلکہ وہ برابر اہم مسائل کے حل میں مصروف رہے۔ ایک ضروری مسئلہ یہ
بھی تھا کہ یورپین ترکی کو ایشیائے کوچک سے متصل کر دیا جائے۔
چنانچہ اس بارے میں دو تجویزیں زیرِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ اسفوریس پر
ایک عظیم معلق پل تعمیر کیا جائے۔ یہ پل اُسی طرح کا ہوگا جیسا پل
کلین کا پل ہے، جو اس جزیرے کو نیو یارک سے متصل کرتا ہے۔ دوسری
تجویز یہ ہے کہ اسفوریس کے نیچے مرمر کا رجمان اسی آخری تجویز کی طرف ہو۔
ترکی میزانیہ میں اس غرض کے لئے ایک رقم موجود ہے۔ مگر وہ نامانی
ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کسی جرس کپنی کو اس کا ٹھیکہ دیا جائے گا۔
جب یہ پل یا زہن و دہریل جاری ہو جائے گی تو ایشیائے کوچک
سے یورپین ترکی بالکل متصل ہو جائے گا اور فعل و حرکت میں کمی
سہولت ہو جائے گی۔

ترکی میں شاعت اسلام

ادھر کچھ مدت سے اُن لوگوں کے لئے تئیں پیش آ رہی تھیں جو
اسلام قبول کرنا چاہتے تھے، کیونکہ جدید قانون دہی کے اعلان کے
بعد وہ قواعد منسوخ ہو گئے ہیں جو اس بارے میں پہلے جاری تھے۔
پہلے دستور یہ تھا کہ جب کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرنا چاہتا تھا تو حاکم
کے سامنے درخواست پیش کرتا تھا۔ حاکم اُس کے عملی دین کے پیشوا
کو طلب کرتا، اور پیشوائے دین اپنے اس ہم مذہب کو جس قدر سمجھا
سمجھا سکتا تھا، سمجھاتا سمجھاتا۔ اگر وہ اُس کی نصیحت قبول کر لیتا، تو اپنے
ساتھ دین پر برقرار رہتا۔ ورنہ مسلمان قاضی کو بلایا جاتا اور وہ آٹے
کلمہ اسلام کی تلقین کر کے مسلمان بنالیتا۔

لیکن اب جدید قانون نے یہ سب ریس موتوں کر دیں۔ اب
اسلام لانے کے لئے صرف اس قدر کرنا پڑتا ہے کہ مفتی کے سامنے
اپنی درخواست پیش کر دیتا ہو اور وہ اسلام کے اصول و تعلیمات واضح
کر کے اُسے مسلمان بنالیتا ہو۔

یہاں کے اخبارات کا بیان ہے کہ نو مسلموں کی تعداد دہریل پر
جاتی ہے۔

۲۳ جولائی کی عید

تمام ترکی قوم نے ۲۳ جولائی کو ٹپے خوش و خروش سے عید
منائی۔ یہ عید اصل اُس تاریخی دن کی یادگار ہے جس میں قوم نے یوں

کی مطلق العنان حکومت کو دستورہ یا مشروطیت کا نیشنل
پر مجبور کیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء میں پیش آیا تھا۔ اگر
اب اعلان جہدیت کے بعد یہ دستور بھی منسوخ ہو گیا ہو، لیکن چونکہ
یہ دن، درجہ کا سنگ بنیاد ہے، اس لئے ترکی قوم اب تک اُسے
ایک قومی و وطنی عید کی طرح مناتی ہے۔

ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟

یہاں ایک مدت سے یہ بحث پھری ہو تھی کہ ترکی موسیقی باقی ہو
یا اُس کی جگہ مغربی موسیقی قبول کر لی جائے؟ یورپین موسیقی کے
حامی کہتے تھے کہ ترکی موسیقی، ناقص ہے۔ اتنی ناقص کہ آدمی بھی
ایک ساتھ ہو کر کوئی راگ پوری طرح ادا نہیں کر سکتے۔ ترکی موسیقی
کے حامی کہتے تھے کہ بلاشبہ ترکی موسیقی میں ترکی کی بہت گنجائش ہے
مگر وہ ناقص نہیں ہے۔ اس بحث نے بالآخر مقابلہ کی صورت اختیار
کر لی اور کل ترکی موسیقی کے ۱۲۰ ماہر اپنا فن دکھانے کے لئے جمع
ہوئے۔

آج کے قارئین غالباً اس واقعہ سے واقف ہو گئے کہ ایک زمانہ میں
ترکی موسیقی جتنی یا نہ موسیقی تھی۔ ترک اس فن کے استاد تسلیم کئے
جاتے تھے۔ انھوں نے اس میں بہت سی ایجادیں کی تھیں اب
تک اُن کی بعض ایجادیں مغربی موسیقی میں موجود ہیں۔ یہی باعث
ہے کہ وہ اب تک اپنی موسیقی پر ناز کرتے اور اس سے دست بردا
ہونے پر بیچارہ نہیں ہیں (لیپ کے موزیٹن نے اعتراف کیا ہے کہ چوہ
نیم کا فوجی باجہ اور فوجی راگ بے پہلے ترکوں ہی نے ایجاد کیا۔)

چنانچہ کل کے یادگار جلسے میں بے شمار خلق جمع تھی جبکہ شاعر
موسیقی کے مشہور پروفیسر روڈوٹ بکتا بک نے اپنی تقریر سے کیا۔
انھوں نے کہا:

"ترکی موسیقی کو یورپین موسیقی پر نمایاں امتیاز حاصل ہے
چونکہ ہماری مخالفت اس فن شریف سے بے بہرہ ہیں اس لئے ہم
نئی دلائل کی جگہ شہر آفاق فرانسیسی ماہرین، سن سائنس کا قی
پیش کرتا ہوں۔ اس آستانے لکھا ہے جس موسیقی کو ہم محتاج
ساتھ شرقی موسیقی کہتے ہیں، وہ مغربی موسیقی سے بہت بلند اور
متاثر ہے!"

اس کے بعد ۱۲۰ ترکی استادوں نے اپنے اساتذہ شاکر الہی
سید نوح، شیخ ذکائی و فیروز کے راگ لیک ساتھ گائے، اور اس

خوبی سے ادا کئے کر کے تسلیم کر لیا پڑا کہ ترکی موسیقی، عظیم صلاحیت رکھتی ہے۔

غازی مصطفیٰ کمال کا سفر اوردہ

شہر ترکی تاریخی شہر اوردہ کے ایک دوندے آکر غازی مصطفیٰ کمال پاشا کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی۔ موصوف نے دعوت منظور کی۔ خیال کیا جاتا ہے اس سلسلے میں وہ قہرستان کے اہم شہروں کا بھی معاشرہ کریں گے۔

دردہ وانیال کی قلعہ بندی

اخبارات کا بیان ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے آستانہ میں بہیم کر جنگی اور ملکی انیسوں اور ماہروں کے ساتھ ان تدابیر بھی غور کیا ہے جن سے مستقبل میں تنظیم کی حفاظت بھی ہو جائے اور وہ آزا تجارتنی بند گاہ بھی باقی رہے۔ چنانچہ طے پایا ہے کہ ترکیہ سے ایک قرض حاصل کیا جائے اور اس روپیہ سے دردہ وانیال، اور باسنوین کی پورے طور پر قلعہ بندی کر دی جائے۔ ناظرین کو معلوم ہے کہ معاہدہ نوزان میں اس بارے میں بعض پابندیاں موجود ہیں۔ مگر اب بظاہر ترک ان پابندیوں کی پرواہ کرنا نہیں چاہتے۔

اطلاع ضروری

الہلال میں لاہور کی "الہلال بلکہ بھٹی" کا اشتہار شائع ہو رہا ہے۔ اور اس کا پتہ صاف درج ہے لیکن بعض حضرات صرف الہلال کا نام دیکھ کر درخواست الہلال کے دفتر میں بھیجتے ہیں اور بلا ضرورت خط و کتابت کرنی پڑتی ہے۔ اس الہلال بلکہ بھٹی سے رسالہ الہلال کلکتہ کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ لاہور کی ایک بلکہ بھٹی ہے۔ اور اس کا پتہ پتہ اس کے اشتہار کے نیچے درج ہے۔



اکرم

ایتم بنیاد و قیام کے پہلے چاہیں تو

انتخاب لاہور

کا مطالعہ کریں اس کے مشعل جنید اس کو چھ سو فوٹوں کی انعامی کتابیں مفت دی جاتی ہیں انعامی کتابوں کی فہرست اور نمونہ کا سالہ آواز کے نمونہ کے طلب کریں

میں بجز انتخاب لاہور



مکتوب حجاز

صلاح و ترقی کا اعلان اور عالم امیدیم

ذیل میں ہم اپنے مقالہ نگار مقیم جدو کا مکتوب ترجمہ و اختصار کے بموجب کہتے ہیں۔ انہوں نے مدد کیا ہے کہ آئندہ مسلسل مقالات بھیجتے رہیں گے۔ مقالہ نگار نے جس احتیاط اور اعتدال نظر کے ساتھ حالات حجاز پر نظر ڈالی ہے، ہم اس کا اقرار کرتے ہیں، اگرچہ حق یہ کہ محال موجودہ انہوں نے حکومت کی بیان کردہ اصلاحات سے جو امیدیں قائم کی ہیں وہ قبل از وقت ثابت ہوں گی اس راہ میں سب سے پہلی چیز اہل کاروں، اور مخلص کارکنوں کا وجود ہے اور جہاں تک ہماری معلومات ہے، ہم وٹوں کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت حجاز ان سے بیکفعل تھی دست ہے۔ خود مقالہ نگار بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔

دلیل اور بحث بعد ذلک امرا

امیدیم

حجاز کی موجودہ حالت، ہر اعتبار سے، امیدیم کے متضاد اثرات کی ایک مرکب تصویر ہے!

ایک طرف امیدیم کی شواہد میں چکنا چری ہو گئی ہیں تاکہ صدیوں کی تاریکی کا مقابلہ کریں۔ دوسری طرف مایوسی کی ظلمت اتنی شدید وسیع ہو کر نہیں کہا جاسکتا مستقبل قریب میں ہیں روشنی کی تابانی کا ارتطاف کرنا چاہیے، یا ظلمت کے احاطہ دفع مندی کا؟

ایک طرف سلطان ابن سعود کی شخصیت اور اس کی سلطنت و طاقت کا ٹٹو ہے جسے ٹھوس ہے عرصہ کے اندر ملک میں امن قائم کر دیا، تمام سرکش جماعتیں قابو میں کیں، نظم و اصلاح کے لئے زمین تیار ہو گئی، اور اگر حکومت کے مزاج میں صلاحیت اور اعصاب و حکومت میں کاروائی ہو، تو بہت جلد سرزمین حجاز کا ایک نیا دور شروع ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری طرف نظر اٹھائے تو حکومت کا مزاج غیر صالح، کاردارل اشخاص تغیرنا پیدا، اصحاب اغراض کا ہر طرف سے ہجوم، مخلص مغرض میں امتیاز مسدود، اور اہل و عیال کی لئے کوئی معیار نہیں ہے۔ سلطان محراب سے بھلکر حجاز آئے ہیں اور آئے ہی ایک نظم و تمدن حکومت کی از سر نو تخلیق کی ہم پیش آگئی ہے۔ ارادے پیدا ہوتے ہیں، مگر جو دیں نہیں آسکتے۔ بہت اچھی ہے مگر قدم نہیں اٹھا سکتی۔ کام اہم اور مشکلات سے لبریز ہے۔ ضرورت صلاحیت، صبر، استقامت، اور انتظار کی ہے، لیکن اور سے لے کر نیچے تک ہر درجہ نفع حاصل کا شیفہ ہے، اور اس لئے کوئی صحیح اور دفع قدم اٹھ نہیں سکتا۔

اصلاحات کا اعلان

لیکن حال میں مجلس شوریٰ کے قیام اور بعض ارکان حکومت کے تغیر و تبدل سے طلبکاران اصلاح کو جوئی امیدیں دلائی گئی ہیں و ضرور قابل توجہ ہیں، اور ضروری ہے کہ ان کا اقرار کیا جا سکے کہ ان کی موجودہ صورت و حالت آپسی نظروں میں زیادہ وقت حاصل نہ کر سکے، لیکن اہل حجاز کے لئے جو صدیوں سے "اصلاح" اور قانون و ادارہ کے معانی سے نا آشنا ہو چکے ہیں، یہ یقیناً ایک امید افزا اقدام ہے۔

سلطان کی تقریریں

مجلس شوریٰ کے افتتاح کے لئے "بیاد" میں ایک شاندار خط

تھا۔ سلطان نے اس پر دو تقریریں کیں: ایک عام حاضرین کو مخاطب کر کے۔ دوسری مجلس شوریٰ کے ممبروں کے سامنے پہلی تقریر کا خلاصہ ذیل ہے:

"میں کہہ کرے باشندوں کو اس اجتماع کا مقصد بتانا چاہتا ہوں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ یہاں کے باشندے ہم سے (یعنی اہل حجاز) زیادہ سے زیادہ اختلاط رکھیں اور زیادہ سے زیادہ میل جول کریں اس اختلاط کے فوائد بے شمار ہیں۔ یہی فائدہ کیا کہ ہم میں ہم محبت و اخوت، محکم ہوگی اور ان سازشیوں کی تمام کوششیں، ایساں جاسوں گی جو ہمارے تعلقات خراب کرنے کے لئے ہر وقت مستعد ہوتی ہیں۔ "راعی اور رعیت کی دوری اور بے تعلقی، خود غرضی کے لئے میدان کشادہ کر دیتی ہے۔ وہ بڑی آسانی سے حق کو باطل اور باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنے کا موقعہ پا جاتے ہیں۔ اگر راعی اشدت میں نزدیکی نہیں ہو تو ظاہر ہے، ہر خود غرض جب چاہے، حکام کو گمراہ کر دے سکتا ہے۔ حاکم ہرگز حقیقت حال سے واقف نہیں ہو سکتا اور بلا قصد و علما کے لئے مصیبت پیدا کر دے سکتا ہے۔ لیکن اگر حاکم و مملوک میں قنارت و تقارب کے رشتے موجود ہوں، تو خود غرض لوگ حکام کو دھوکا دینے سے ڈریں گے۔ مبادا ان کی بدیتی اور دور و غلوئی ظنت از بام ہو جائے"

"آج کے اجتماع سے یہی غرض ہے کہ ہمارے اور باشندوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ قربت و اختلاط قائم ہو جائے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے اور عام مخلوق کے درمیان ہرگز کوئی پردہ نہیں ہو سکا محل کار و دوازہ ہمیشہ ہر انسان کے لئے کھلا ہوا ہے۔ نیز ہم ہر انسانی ہمیشہ اپنے تمام عہدہ داروں کو رعایا سے حسن سلوک کی وصیت کرتے رہتے ہیں۔"

"بلاشبہ، عام مخلوق سے مددی، انفسی جسم کے لئے آرام و راحت کا موجب ہے۔ لیکن دین اور شرافت کا تقاضہ اس سے منع کرتا ہے۔ دین، مخلوق سے دوری کی اجازت نہیں دیتا۔ شرافت، مخلوق سے بے پردہی دہا نہیں دیتی۔ کیونکہ اختلاط اور قنارت میں ہزاروں مصیبتیں اور نیکیاں ہیں۔ یعنی کہ ہم اپنی پوری قوت سے اصلاح حال کی کوشش کر رہے ہیں۔ سال رواں میں انتشار و عدم بہت سی نئی اصلاحات بھی جاری کر چکے۔ ہماری منزل کے سامنے ہر لمحہ زبان ربانی موجود ہے۔ "قل اعلموا خیر ہی اللہ عظیم" دل کر، خدا تعالیٰ عمل کیے گا) ابن آدم اگر نیکی کرتا ہے، تو اپنے نفس سے سبکدوش چلا ہے۔ نتائج و ثمرات کی بخشش صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔"

"یہ بالکل یقینی ہے کہ حکام کی درستگی، رعایا کی درستگی جو پائیں ہمارا فرض ہیں مجھو کہ تاہم ہمیشہ اس خیر و صلاح کی جستجو میں لگے رہیں جس سے ایک طرف مسلمانوں کی درستگی ہو، دوسری طرف ہیں خدا کی رضا مندی حاصل ہو۔"

"ہم نے بعض عہدے دار معزول کر دیے ہیں۔ یہ اس بلکہ میں کہ انہوں نے کوئی خطا کی تھی، بلکہ اس لئے کہ ان سے بہتر آدمی مل گئے تھے۔ میں معزول عہدے داروں کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے فرائض ایمان و غازی سے انجام دیے تھے۔"

"ہم نے آپ ہی کے آدمیوں کی ایک مجلس بنادی ہے کہ حکومت کے مختلف انتظامی محکموں کی دیکھ بھال کریں، ان کے نظام پر نظر ڈالیں ہم نے تا مقررہ داری اس مجلس کے کارندوں پر ڈال دی ہے کہ وہ اپنے اہل کار اپنے مصالح ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ یہیں امید ہے کہ یہ مجلس اپنی فرائض، بحسن و خوبی انجام دے گی۔"

"ہم نے مجلس شوریٰ کے معاملہ پر خوب غور کیا۔ چونکہ یہ مجلس از حد اہم اور باشندوں کے لئے فائدتہ دہر ضروری و مفید ہے اس

آئیں ہم ضروری سمجھے، اور حکومت مجلس کا فیصلہ منظور نہ کرے، تو ایسی صورت میں نائب السلطنت کو حق ہوگا کہ لائحہ کو زبردستی تو منسوخ و تشریح کے ساتھ دوبارہ مجلس کے سامنے پیش کرے۔ اگر مجلس ایسا ہی اسے منظور نہ کرے، تو پھر آخری فیصلہ خود سلطان اعظم کرے۔

مجلس کو حق ہوگا کہ اپنے صدر کے ذریعہ ہر اس تجویز کے بارے میں سلطان سے رجوع کرے جس پر ایک ماہ گزر چکا ہو اور کوئی ایسی حکم جاری نہ ہوا ہو۔

مجلس کے ارکان

مجلس شوریٰ کے لئے حسب ذیل ارکان منتخب ہونے ہیں:

(۱) شیخ یوسف قطان۔

(۲) شیخ احمد سبجی۔

(۳) شیخ صالح شطا۔

(۴) شیخ عبداللہ زوادی۔

(۵) شیخ محمد بن یحییٰ بن عقیل۔

(۶) شیخ عبداللہ ابراہیم جلیلی۔

(۷) شیخ عبدالغزیز بن زید۔

(۸) شیخ عبدالوہاب عطار۔

ایک امید افزا واقعہ

کچھ مدت ہوئی، بعض اہل مکہ نے سلطان ابن سعود کے پاس بھیج کر کے لئے ایک محضر تیار کیا تھا اور اس میں محکمہ خفطان صحت کی شکایتیں لکھی تھیں۔ یہ محضر ایک شخص حن سیلان کو دیا گیا کہ سلطان تک پہنچائے۔ اس زمانہ میں نائب السلطنت امیر فیصل مکہ میں موجود نہ تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں ان کے مشیر خاص شریع بن عثمان اور شیخ عبدالغزیز حنفی، حکومت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس محضر کا حال ان دونوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے شخص مذکور کو طلب کیا اور حکم دیا کہ محضر ان کے حوالہ کر دے۔ اسے ابھارا گیا۔ اس پر شریف حسن مدنان نے غصہ میں آکر اسے دو گھنٹہ کے لئے قید کر دیا۔

شخص مذکور نے رہا ہونے ہی حکومت کے ان دونوں بڑے عہدے داروں پر جو گورنر کے قائم مقام تھے مقدمہ دائر کر دیا۔ ناشر میں حنفی بن الزام لگائے تھے:

(۱) انہوں نے سلطان اعظم کی توہین کی کیونکہ وہ محضر لینے چلا جو سلطان کی خدمت میں پیش ہونے والا تھا۔

(۲) انہوں نے مدعی کو سلطان تک پہنچنے سے روکنا چاہا۔

(۳) انہوں نے بغیر کسی قانونی موجب کے مدعی کو قید کیا۔

(۴) انہوں نے کوئی حکم کے خلاف شکایتوں کی تحقیقات نہیں کی۔

سلطان نے دعویٰ منکر کا فذاات مجلس تفتیش کے حوالے کر دیے اور حنفی بن الزام کے جواب طلب کیے:

(۱) کیا مدعی اس کو اس کا رد والی کا حق تھا جو انہوں نے کی؟

(۲) کیا انہیں ایسی کارروائیاں کرنے کے لئے مجبور دینا چاہیو؟

مجلس تفتیش نے فوری طرح تحقیقات کی، مدعی، مدعا علیہ اور گواہوں کے بیانات سنے، اور بالآخر سلطان کے سوالوں کے یہ جواب دیے:

(۱) انہیں اس کا رد والی کا ہرگز حق نہ تھا۔

(۲) انہیں بغیر نذر کے بنیں چھوڑنا چاہئے۔

نیز مجلس نے یہ قانون بھی بنایا کہ جو جرمہ دہی خلاف انہا قانون کام کرے گا، یا کسی کے حق پر دست درازی کرے گا، اس کی سرکاری خدمت سے بلا وقت الگ کر دیا جائے گا۔

مجلس کا فیصلہ اعظم کہ سلطان نے مدعیوں غصہ سے مددوں کو

اور تمام ملک کے لئے ایک ہی قلعی لائحہ (بروگرم) بنانا ہو۔ حکومت چاہتی ہو قلعہ تمام ملک میں عام ہو جائے۔ کوئی قریہ بلکہ کوئی قبیلہ بھی اس سے محروم نہ رہے پائے۔ نیز خفطان صحت، حجاج کے آرام خانہ مطوفون کی تنظیم، اور اسی طرح کے تمام اہم کام آگے سامنے ہیں اور آپ کی توجہ کے منتظر ہیں۔ آخر میں اس مجلس کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ ہمارے تمام کاموں کو کفایت کرے۔ والسلام علیکم

مجلس شوریٰ کا نظام

مجلس شوریٰ کا نظام بالاختصاص ذیل ہے:

دفعہ (۱) مجلس ۸ ارکان سے مرکب ہوگی۔

دفعہ (۲) مجلس شوریٰ کا صدر نائب السلطنت ہوگا۔

دفعہ (۳) ارکان مجلس کا انتخاب حسب ذیل اصول پر ہوگا:

(۱) ۴ رکن، اہل فضل و تجربہ کے مشورے سے منتخب ہونگے۔

(۲) باقی ۴ رکن حکومت اپنی لئے سے نامزد کرے گی۔ ان میں دو رکن نجدی ہونگے۔

دفعہ (۴) مجلس شوریٰ کی رکنیت کی مدت دو سال ہوگی۔ لیکن نصف ارکان ہر سال بد جایا کرینگے (عام اس سے کہ منتخب ہوں یا نامزد کئے ہوں) برائے ارکان کا دوبارہ انتخاب بھی ہو سکتا ہو۔

دفعہ (۵) مجلس شوریٰ کے رکن بننے کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں:

(الف) اسکی عمر ۲۰ سال سے کم نہ ہو۔

(ب) تجربہ کار اور معاملات کا سمجھنے والا ہو۔

(ج) سزا یافتہ اور دیوالیہ نہ ہو۔

(د) نیک چلن ہو۔

دفعہ (۶) حسب ذیل امور مجلس شوریٰ کے سامنے حکومت کی جانب سے پیش ہینگے:

(۱) حکومت کے مختلف محکموں اور بلدیہ (میونسپلٹی) اور منر بنیو کے میزانیہ (بجٹ)

(۲) اقتصادی و عمرانی پروجیکٹوں پر عمل کرنے کی اجازت۔

(۳) تجارتی امتیازات اور اقتصادی مالی تجارت۔

(۴) نظارت نامہ (سیک درکس) کے لئے کسی جائداد کی ضبطی۔

(۵) نئے قوانین اور اصلاحات۔

(۶) میزانیہ میں اگر سال کے اندر درمیانہ کی ضرورت ہو۔

(۷) اگر کسی محکمہ، ایجنسی سے زیادہ کسی خرچہ کی ضرورت پیش آجائے۔

(۸) اجنبی ملازموں کی تقرری۔

(۹) حکومت کے محکمے اگر گیند یا تاجروں سے دوسو پونڈ سے زیادہ کی خرید و فروخت کریں۔

دفعہ (۱۰) مجلس دوسروں پر تعمیر ہوگی۔ ہر متر ان معاملات پر غور و بحث کرے گی جو اس کا ناظر پیش کرے گا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو اپنے فیصلے سے آگاہ کریں گی اور اپنے کا فذاات کا سادل کریں گی تاکہ دونوں کو غور و بحث کا موقع ملے۔ اس کے بعد مجلس کے کسی عام جلسے میں تو فیصلہ منظور کیے لئے پیش کیا جائے گا۔

دفعہ (۱۱) مجلس کا نصاب (کروم) چار ارکان اور صدر کی موجودگی سے پورا ہو جائے گا اور تجویزیں مجلس کی ۳ ثلث اصوات (دو دس) سے پاس ہوں گی۔

دفعہ (۱۲) مجلس ہر سہ ماہی میں ایک مرتبہ منعقد ہوگی۔ لیکن صدر کی دعوت پر اس سے زیادہ مرتبہ بھی جمع ہو سکتی ہو۔

دفعہ (۱۳) مجلس کو حق ہوگا کہ قوانین کی تطبیق میں اگر حکومت سے کوئی غلطی واقع ہو جائے، تو اسے متنبہ کرے۔

دفعہ (۱۴) اگر حکومت کوئی لائحہ پیش کرے (۱) مجلس اسے نہ کرے یا

ہم نے بھی مناسب سمجھا تو اس کے ارکان کا انتخاب، تمام باشندوں کی طرف سے ہو۔ لیکن وقت کی تنگی اور باشندوں کے مشغول کی کثرت باعث ان کی غیر آمد ہے۔ کیا کہ ہر سہ ماہی میں ایک ایک ایک جاعت طلب کی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صرف ہی لوگ معذور اور نیک ہیں۔ کیونکہ تمام مسلمان، عجم و ادعلیٰ اندہیں۔ مجھے نہیں ایسی فرض سے طلب کیا جو کہ جدید مجلس شوریٰ کے لئے ارکان کا انتخاب کرو۔ انسان پر فرض ہو کہ ایسے معاملات میں اپنے ملک کو فائدہ نہ دے، کیونکہ قلب ہمیشہ ہوا ہو جس کی طرفائل ہو جاتا ہو۔ تھیں عقل و تدبیر سے کام لینا چاہئے اور تجربہ کار اور قابل لوگوں کو منتخب کرنا چاہئے کیونکہ اگر مجلس صحیح بنیادوں پر قائم ہو جائے گی تو ملک اس سے بڑے بڑے فوائد حاصل کرے گا۔ تم وہی لوگ منتخب کر جو تھیں مخلص اور باشندوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والا تعین کرنے ہو۔ یہ اس لئے کہ حکومت تو اپنے حقوق کسی نہ کسی طرح حاصل ہی کر لیتی ہو۔ لیکن باشندوں کے حقوق تلف ہو سکتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کا انتخاب ہونا چاہئے جو تھیں حقوق کے تحفظ کی قابلیت و جرأت رکھتے ہوں۔ یہ لوگ تھیں نائے اور وکیل تھیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سلطان کی دوسری تقریر

سلطان نے دوسری تقریر مجلس شوریٰ کے ارکان کے سامنے کی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

”حضرت ارکان مجلس! میں آپ کو سلام کرتا اور اس اعتماد پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں جس کا آپ کے اہل مکہ نے آپ کو اہل مکہ اور آپ کو اس مجلس کے لئے منتخب کیا۔ مجلس شوریٰ درحقیقت ان بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے جن پر قانونی حکومتیں قائم ہوا کرتی ہیں یہی شوریٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وارد ہو: ”وامر شوریٰ نبیہ“ میں یہ دیکھ کر نہایت مسرور ہوں کہ آپ اس مجلس میں شریک ہو کر ملک کی صورت اور حدود شرعیہ کے قیام و حفاظت کی کوششوں میں حکومت کا ہاتھ بٹانے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری گردن پر ایک ہی امت رکھ دی ہے۔ ہم اس بوجھ کے اٹھانے میں اپنے تئیں اہل فضل و جہت کی امداد و اعانت کا محتاج پاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہم نے شہر کے دوسرا واداکر کو اس مجلس کے لئے دعوت دی اور انہوں نے آپ کو اپنے اعتماد کا اہل محکمہ منتخب کر لیا۔ اب ہم نے اپنی ذمہ داری اٹھا کر آپ کے کاغذوں پر رکھ دی ہے۔ میں بعد مجوز زادی اور زرنگ برتر سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو ملک اور اہل ملک کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ اپنے فرائض کی انجام دہی کے آئینہ بنیں لیں گے کہ حکومت اصلاحات کے جاری کرنے میں فوری طرح سنجیدہ اور مستعد ہو۔ یقیناً آپ اس کا آغاز اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا ہوگا۔ مجھے تفتیش اصلاح کی ایک عمدہ مجلس بنا دی ہے جو حکم کا پیہر کہ حکومت کے تمام محکموں کی جانچ کرے، اور ان صورتوں پر غور کرے جن سے ان کی اصلاح دردمندی ہو سکتی ہو۔ یہ کیٹی اپنے عمل کا ایک مرحلہ طے کر چکی ہو لیکن ابھی اسے بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

غریب آپ کی مجلس میں بڑی بڑی تجویزیں پیش ہوں گی حکومت کے محکموں کے میزانیہ بھی پیش ہونگے۔ آپ ان پر غور کریں گے اور اپنے فیصلے صادر کریں گے۔ ملک کو جسے زیادہ ضرورت پانی کی ہو۔ آپ کے سامنے جدید کم کے کموں کوئی نہ کی تجویز آئے گی۔ اسی طرح اور بہت سے مفید کام آپ کو کرنا ہونگے۔ مثلاً جہاد اور کم کے مابین عذر مٹوں کا اجراء، کئی بعض مشروکوں کی توسیع، ٹاک اور تار کے صنعتی طرح اس محکمہ نے وہ تمام طریقہ کار مل کر لیں جو بین الاقوامی دیگر ممالکوں کے جن میں شامل ہونے کے بعد اب اسے عمل میں لانی ہیں۔

نیز تعلیم کی اشاعت کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔ آپ کو بھی پتہ ہوگا

سیر فی الارض

اَدْلُوْیْسِیْرًا وَاِیْ اَلْاَرْضِ فَنَظَرًا کَیْفَ کَانَ قَبْلَ الَّذِیْنَ مَرُّوْا بِهِنَّ

(۸:۳۰)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

حال میں ایک مصری سیاح نے نجد کی سیاحت کی ہے۔ اُس کے مشاہدات کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

صحرائی سفر کا آغاز

صحرائی سفر کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ میں وہاں کے راستوں، سوایلو اور باشندوں کے طرزِ معیشت سے بالکل واقف تھا۔ میرے اس سفر کا آغاز، شرقِ اردن کے پاسے تخت، عمان سے پہلے میں نے ایک سوٹر کرایہ پر لی اور صحرائی داخل ہو گیا۔ راستے میں کبھی درخت، گھٹائیں، پانی، اور جاندار مخلوق نظر نہیں آئی۔ ہاں کبھی کبھی اونٹوں کے قافلے چلتے دکھائی دیتے تھے۔ اب سے پہلے یہ راستہ نہایت خطرناک تھا۔ بغیر کافی قوت کے کسی کا بھی جان و مال محفوظ نہ تھا۔ مگر اب بالکل امنی امان ہے۔ کابل ایکٹن کے سفر کے بعد میں قریات المرح میں پہنچ گیا۔

قریات المرح

اسی مقام سے سلطان ابن سعود کی سلطنت شروع ہوتی ہے۔ میں نے پہنچے ہی وہاں کے بعض شیخ قبائل سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ اپنے تختِ نجد، ریاض، جانے کا غرض ہے۔ انھوں نے نہایت خوشِ صلاحی سے میرا غیر مقدم کیا اور میرے لئے فوراً ۵ اونٹ مہیا کر دیے۔ ایک بڑی سواری کے واسطے تھا اور میرے ساتھ مسکاردوں کے لئے۔ یہ مسکارد بھی اسی شیخ نے محض اپنی مہربانی سے میری خدمت کے لئے ساتھ کر دیے تھے۔ اتفاق سے ۵ اونٹوں کا ایک ٹانڈا بھی ریاض جا رہا تھا میں بھی اسی میں شامل ہو گیا۔

میں یہ منکر سیرے ہوش اُٹھنے کے کچھ بہت طولِ طول سفر کا پڑے گا۔ یعنی قریات المرح سے جوت تک ۹ دن۔ جوت سے حائل تک ۱۰ دن۔ حائل سے بریدہ تک ۸ دن۔ بریدہ سے ریاض تک ۸ دن۔ یہ چار دن پانچ دن تک پہنچنے کے لئے مسلسل ۳۵ دن صحرائیں چلنا پڑے گا۔ پھر راستہ میں ۲۵ دن آرام کے لئے فرید چاہئیں۔ گویا پورے دو مہینے ہیں بیابانی دنیائیں بسر کرنے ہونگے!

”قریات المرح“ جہاں سے ہمارا سفر اردن پر شروع ہوا، ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور نجد کو شرقِ اردن سے جدا کرتا ہے۔ یہ جبلِ اکدر دوسرے دو دن کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا حاکم علی، ایک نجدی افسر ہے اور احکامِ شریعت کے بموجب حکومت کرتا ہے۔ اسی کی آبادی ۷۰۰ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ یہاں کی معیشت، گھریلو کی زراعت، غلات، انڈ اور اونٹوں اور مہیشیوں کی پرورش ہے۔ یہاں نیک بھی بنتا ہے اور مرنی

میں ہیں صرف ۳ کنوئیں ہے۔ آگے کے لئے ہم نے پانی بھرا لیا۔ میں نے عجیب بات یہ دیکھی کہ اونٹوں نے ۹ دن کی مدت میں صرف ایک مرتبہ پانی پیا۔ میرے ساتھی مسافروں نے بتایا کہ جاہلے میں اونٹ بندہ بندہ دن بغیر پانی پئے چلتے رہتے ہیں۔ میرے یہ ساتھی، مصری، بدھو۔ میں نے انھیں نہایت خوشِ اخلاق پایا۔ ان کے اخلاق کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اگرچہ انھیں مصر اور اُس کے بادشاہ سے کوئی طمع یا خوف نہیں، لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ میں مصری ہوں، اس لئے راستے بھر بلند آواز سے مصر اور اُس کے بادشاہ کے لئے دعائیں مانگ رہے۔ اُنکے اس طرزِ عمل نے مجھ پر بہت اثر کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اسلام نے کتنی مختلف قوموں کو ایک رشتہ میں منسلک کر کے بھائی بھائی بنا دیا ہے!

یہ بد اگرچہ اپنی فطری سادگی پر قائم ہیں، تاہم اُنکے اقوال اور حرکات و سکنات، اُن کی غیر معمولی ذہانت کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ فضول گوئی سے پرہیز کرتے ہیں۔ سیاسی اختلافات سے بھی گریز کرتے ہیں۔ راستہ بھر میں نے کبھی نہیں سنا کہ انھوں نے نجد یا نجد کی سیاست پر ایک لفظ بھی کہا ہو۔ جب بھی میں نے کوئی ذکر پھیلایا تو وہ یہ کہہ کر پہلو بجا لیجاتے تھے ”حکومت، خدا کی ہے اور پھر عبدالعزیز بن سعود کی“ اُن کی گفتگو کا اصلی موضوع، عرب کی شجاعت، شہادت اور دینی فضائل و سکرام تھا۔ عربی سفر اگرچہ صحرائی میں پہلا ہوا، مگر چونکہ نجدی ہیئت ذکر الہی میں مستغرق رہتے ہیں، اس لئے مشرود شاعری کو زیادہ پسند نہیں کرتے۔ اُن کی دینی لوح کھنچنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ راستے میں ہیں ایک مقام بلا۔ اس کا نام خطۃ ہے۔ یہ دراصل وسط صحرائیں میں ایک جگہ ٹھکی کا ٹیلہ ہے۔ اسکی ٹھکی اتنی چمکی ہے کہ اونٹ کا پاؤں اُس پر چسپاں ہو جاتا اور انسان کے لئے بھی اُس پر چسپاں نہایت مشکل ہے۔ بدوں میں عام طور پر شہو ہے کہ اس ٹیلے کے نیچے سونے کا خزانہ مدفون ہے۔ لیکن چونکہ ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہے کہ قوم لوط اسی مقام پر آباد تھی اور اس پر زیادہ ہوئی، اس لئے اُن کی دینی لوح کسی طرح گوارا نہیں کرتی کہ یہ مقام جا کر دیکھیں جہاں عذابِ الہی نازل ہو چکا ہو۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ صدیوں سے اس ٹیلے کو کسی انسانی قدم نے نہیں چھوا!

آٹھویں دن ہم ایک مقام پر پہنچے جسے ”فرجہ“ کہتے ہیں۔ مجھ سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ اسکے گرد کے پہاڑوں سے ٹھکے تھے اور نیچے ہر طرف سبزہ زار تھا۔ صحرائیں ایسا منظر میرے لئے بالکل غلط توقع تھا۔ یہ جگہ سوسٹر ٹیلڈ کے مناظر پیش کرتی تھی۔ بلکہ اس کے منظر میں صحرائی عجیب خاموشی نے ایک عجیب جلال و جمال کا مرکب منظر پیدا کر دیا تھا!

”جوت“

نہیں دن ہم جوت پہنچ گئے۔ حاکم جوت عبدالعزیز محمد بن عقیل نے جون ہی سنا، اپنے آپ ہی استقبال کے لئے مجھ کے لئے اور بذاتِ خود بھی قصبہ کے پہاڑ پر آکر خیر مقدم کیا۔

”جوت“ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ یہاں کی کھجور، عرب بھر میں مشہور ہے۔ گھریلو، جو، اور بعض ترکا دیوں کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ آٹھ، شتالو، اخوٹ، تادگی، لہوٹ، اور خربوزہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ باشندے تجارت پیشہ ہیں اور دستکار بھی۔ کھال کی دباخت یہاں بھی ہوتی ہے۔ اونٹ کی پروردگی و دج سے بھی لے بہت شہرت حاصل ہے۔ نجد کی مشہور ”عجمی الجوت“ اس میں لیا رہتی ہے۔ اونٹ اور بکری کی تجارت کی بھی یہ ایک بڑی جگہ ہے۔ اس کے پھر، میں شریع، ہون، اور گورنر بہت موجود ہوتے ہیں۔ سیر و دعوتوں میں بھی ملوث

مسافروں کے ہاتھ اچھی قیمت پر کھاتا ہے۔ محصول، ذکوہ کے نام سے وصول کیا جاتا ہے۔ ذکوہ کا نصاب یہ ہے کہ سالانہ ہر ۹ اونٹ پر، بجیدی، ہر ۱۰ اونٹینوں پر ۱۱۱ قرش مصری (ایک قرش ۲۰ پناہو) ہر سو بکری پر دو دیکریاں وصول کی جاتی ہیں۔ یہاں جرائم اور نو آجش کا نام تک سننے میں نہیں آتا۔ حاکم کو ”امیر“ کہتے ہیں۔

امیر قریات المرح نے اپنے چوتھے پر (جو اس کی ٹھیک یاد باد عام کی جگہ ہے) میرا استقبال کیا۔ میرے لئے تہہ حاضر کیا گیا۔ آمیزش بہت اصرار کیا کہ چند دن اُس کا ہمان رہوں۔ مگر مجھے سفر کی جلدی تھی دوسرے دن وہ مجھے اپنے ہمراہ قبیلہ بنی قحتر میں لے گیا۔ یہ قبیلہ اس گاؤں سے ۵۰ کیلو میٹر کے فاصلہ پر نشینی خیموں کے اندر زندگی بسر کرتا ہے۔ اپنی شجاعت، جرأت، اور غارت گری میں اس قدر مشہور ہے کہ تمام عرب اُس کے نام سے فخر کرتا ہے۔

صحرائی زندگی

آگے بڑھنے سے پہلے مجھے صحرائی زندگی کے متعلق چند تہیدی کلر کھدینے چاہئیں۔ سفر شروع کرنے سے پہلے ہی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ نجد میں سیاحت کے لئے ضروری ہے کہ چہرے پر داہری موجود ہو جائے میں نے اپنی داہری کی پردوش شروع کر دی تھی۔ نجد کی سرحدیں داخل ہوتے ہوئے میری داہری کافی حد تک دراز ہو چکی تھی۔ میں نے بڑی لباس بھی خرید لیا تھا۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ سرحد پر پڑے گا۔ قریات المرح میں مجھے اس کی خبر ہوئی۔ میں نے اپنا سرخدی اُتاروں کے در پر چھوڑ دیا۔ چند لمحوں کے اندر کھوپڑی صاف تھی۔ میں نے آئینہ دیکھا تو اپنی صورت پہچان نہ سکا۔ لمبی داہری، مونچھیں صاف، سر گھٹا ہوا۔ ایک عجیب شکل بھل آئی!

مجھے پہلی ہی منزل میں معلوم ہو گیا کہ یہ سفر کس قدر تکلیف دہ ہوگا۔ شہری زندگی بسر کرنے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر عذاب کیا ہوگا کہ وہ صابون تک نہ پائیں۔ صحرائیں صابون، نایاب و بہت قیمت پر کھاتا ہے۔ خود صحرائی عربوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے کپڑے کبھی نہیں دھوتے۔ کھانے کے بعد ہاتھ بھی نہیں دھوتے۔ اُن کا عام مقولہ ہے ”ہر صابون، اُن کی داہری ہے“ یہاں کی زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے داہری کا نام معلوم ہوا۔ یقیناً داہری، صحرائیں بہت مفید چیز ہے۔ رمال کی پوری قائم مقامی کرتی ہے۔ کھانے کے بعد ہاتھ نہ لہری مقدس دُوال سے پونچھ لئے جاتے ہیں! قریات المرح سے جوت تک ہیں ۹ دن چلنا تھا۔ اس تمام راستے

برابر موجود ہوتا تھا۔

ایک واقعہ

حاکم جوت امیر عبدالعزیز مقل کی بابت مجھے ایک بات ضرور کہنی چاہیے۔ یہ حاکم، دوسرے وب حکام کے برخلاف مذہبی طور پر وسیع اطلاعات پر مشتمل تھے۔ مقلابین حکومت کرتا ہوا۔ اگرچہ ملائے میں جرائم بالکل ناپید ہیں۔ مثال کے طور پر ایک چشم دید واقعہ لکھتا ہوں:

ایک دن میں امیر موصوت کی مجلس میں موجود تھا کہ ایک شخص آکر کہا "میں حاکم سے آگاہ ہوں۔ جوت سے ہم دن کے غلطے پر ایک بھری ہوئی بوری میں بے لڑی دیکھی ہو" حاکم نے سنائی کیا "اُس بوری میں کیا ہو؟" شخص نے جواب دیا کہ "مجھے نہیں علم اس واقعہ کے دوسرے دن ایک اور شخص نے یہی خبر سنائی۔ حاکم نے اُس سے بھی یہی سوال کیا۔ اُس نے کہا "میں توہم جو" حاکم نے پوچھا تو نے کیوں کر جان؟" اُس نے کہا "اپنی لالچی سے دبا کر" امیر حاکم نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے ۵۰ ہینڈ گانڈ۔ مجھے اس سزا پر بہت قہر ہوا اور امیر سے استفسار کیا۔ اس نے جواب دیا "بوری دیکھنا جرم نہیں ہو، لیکن اس نے جو کچھ کہی اس میں کیا چیز ہے؟" اس کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ بوری اس کی نہ تھی "اس کے بعد امیر نے مجھے بتایا کہ اہل حقہ، عموماً نہایت واپس دلد اور پیرزگار ہیں اگر راستے میں سونا بھی پڑا ہو تو کبھی ان کی نیت نہیں بدلتی! جوت کا دار الحکومت، ایک قلعہ خالصتاً عظیم محل میں واقع ہو۔ اس کا نام "تھراو" ہے۔ یہودیوں نے اپنے عروج کے زمانے میں تھراو تھا باشندوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۴۰ سال پہلے یہ بنا تھا۔

جوت کے باشندے باوجود غریب ہونے کے بڑے مہمان نواز ہیں۔ مہمان کی خدمت و خاطر فرض میں سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ خوب تندرست ہیں۔ میں نے کوئی شخص بھی کمزور، اور ڈبلا نہیں دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا، پوری آبادی میں ایک انسان بھی بیمار نہیں ہو رہا یہ ہو کہ یہاں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہو، پیداوار کافی ہو اور باشندے طبیعی اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

امیر عبدالعزیز نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ انگریز اور امریکن سیاحوں نے بار بار کوشش کی کہ قطعی اور حجازیاتی تحقیقات کے بہانہ سے آگے بڑھیں۔ مگر سلطان ابن سعود نے اجازت نہیں دی۔ وہ جانتے ہیں کہ اسی قسم کے حیلوں سے انھوں نے مشرقی ملکوں میں اپنے قدم جلائے۔ ایک مرتبہ ایک انگریز مسٹر ایچر بہت سی موٹریں اور روپیہ لے کر آیا اور یہ ظاہر کیا کہ جوت کی مٹی بہت عمدہ ہو اس لئے وہ مٹی کے برتن بنانے کا کارخانہ قائم کرے گا۔ مگر سلطان نے قیام کی اجازت نہیں دی۔ ایک اور یورپین نے کہا کہ خود اپنے تحت ریاض میں طبرول کے زمیں دودھ چھنے موجود ہیں۔ میں انھیں بنگال بے سکتا ہوں۔ مگر سلطان نے اسے بھی منظور نہیں کیا۔ حالانکہ تھراو کے باشندے کو طبرول کی بہت ضرورت ہو۔ سلطان کی دلی آرزو ہو کہ خاص اسلامی ملی جامینیں خریدیں اُس اور یہاں کی قیمتی کالیں بکالیں کہ وہ یورپین کمپنیوں تاجروں انکی محفوق کی آمدن سے ڈرتے ہیں۔



خواطر و سوانح

زندگی پر آخری نظر

ایک کروڑ پتی نے خودکشی کرتے وقت کیا محسوس کیا؟

سے طے کی تھی کہ کوئی میرے پاس ٹیل کا کرایہ نہ تھا۔ پھر ایک وقت وہ بھی دیکھا جب پوری ترین صرف میرے لئے وہاں ہوتی تھی تاکہ مجھے غصہ نہ ہو یا کہ سبھا

میری زندگی کے ان آخری لمحوں میں میرا نقطہ زندگی کے قلم انقلابات ایک لکیر کے میری آنکھوں کے سامنے سے گزرا اور وہ اس وقت میں اس قدر قلیل چلنے کو زندگی پہ ایک منفرد فیصلہ کی نظر دل سکوں!

زندگی کے متعلق میرا نرم سے نرم فیصلہ یہ ہو کہ وہ ایک عظیم انسانی کڑا حالی جو طبع، شہوت، اور طاقت کے سبب آتشیں آدون پر یک نہ رہی ہو۔ تمام بلند، وقیع، شریف جذبات ناپید ہو چکے ہیں۔ ان کی جگہ حیثیت، غنا، جرات، پرشور عناصر نے لے لی ہو۔ قوت اور دل کی خواہش اس قدر دلت ہو گئی ہو کہ باسویز کم کے سوا کوئی دلت قوت اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

زندگی کے تمام دن باہم شاہ ہیں، آگاہی دہانے والے ہیں ہکتا دہانے والے ہیں، ایک ہی قسم کے چہرے، ایک ہی قسم کے مزاج، ایک ہی قسم کے دل، ایک ہی قسم کی چیزیں! ہر نیا دن دہا ہی ہر اسی! پچھلا دن تھا! ہر نفس طبع دہرے سے اسی طرح لبریز طرح دینا کا ہر باشندہ! زیادہ ال کی مجوزا طلب! زیادہ عشق کی غرض برتاند خواہش اگر کام بہت کم، نیکی اور بھلائی کم! کوئی نیاں کی بھلائی جمع کرنے پر ٹوٹ پڑی ہو۔ کسی کو خود داری کا خیال نہیں۔ کسی کو شرافت کی پروا نہیں۔ ایک حساس آدمی کے لئے یہ منظر موت سے کم نہیں

"اسٹیج پر دولت کا کوئی دیوتا نمودار ہوتا ہو۔ خوشا دلیوں، جابلوسوں، ایسے اوتھوں کی بھڑکیں! اس پر ٹوٹ پڑتی ہیں، وہ کھلاٹا پڑا ہو۔ جلسے کرتا ہو، لہو و لب کے تلم مہمان مسکرتا ہو۔ اُسکی بڑی تعریفیں ہونے لگتی ہیں۔ اُس کی دوستی کا لاکھوں دم بھرنے لگتے ہیں۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا ہو کہ اس زمین پر مجھ سے بڑا، مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی انسان نہیں۔ میں خدا کا پانچواں ادا اوس کی مخلوق کی آنکھ کا آوارہ ہوں!

لیکن اب اس کا سونا چاندی ختم ہوا، اُدھر دنیا کی نظریں بھی پھر گئیں۔ اب وہ دست و دست میں نہ فریز فریز۔ حسرت اور مذمت، صورت یہ دکھ رہی زندگی بھر کی مفاقت کے لئے اُسکے پہلو میں

مطر جیسے دھار، لندن کا مشہور کوڑھتی تھا۔ لیکن ایسا گمانی خلد نے اُسے دیوالیہ کر دیا۔ گزشتہ ماہ اُس نے زندگی سے بیزار ہو کر خودکشی کر لی۔ لیکن مرنے سے پہلے ذرا کی کچھ کہ اپنی سیر پر لکھتی تھی۔

میں اس وقت ابدیت و خلوت کے دروازہ پر کھڑا ہوں اور دنیا کے نام اپنا آخری پیام لکھ رہا ہوں۔ میں نے زندگی پر اُس نقطہ نظر سے نگاہ ڈالی ہو، جو ایک مرنے والے انسان ہی کا نقطہ نگاہ ہو سکتا ہو!

میرے خاندان پر عقیدے میں دنیا کا قدیم مالیک لندن ہر انگشت (یعنی جنگ عری کے آغاز کی طرف اشارہ کرتا ہو) میں مر گیا۔ اس کے بعد سے اب تک جدید مالیک لندن کی پیدائش نہیں ہوئی ہو۔ میں نے پادشاہوں کی سیرانی کی امیروں کو بے تکلفانہ اُنکے سادہ ناموں سے پکارا۔ میری ملکیت میں شاندار اجاز تھا جس میں نے پورے کراچی کی سیرکی۔ میرے اسٹبل میں اسیل گھوڑوں کی صفیں بندھی تھیں۔ میں تھیلوں کا بھی مالک تھا۔ بڑی بڑی اجنبی جاری کرنے والی کمپنیوں میں بھی میرے حصے تھے۔ میں نے عظیم انسان تجارتی کار بار کئے۔ میرا اُس المال بندہ کروڑ پونڈ (۵۰۰۰۰ روپے) تک پہنچ گیا تھا۔ میں نے صرف ایک دن کے اندر ۵۰، ۱۰۰، ۲۰۰ پونڈ نفع کما لیا تھا۔ ان حالات میں، میں امید کرتا ہوں کہ سب لوگ مجھ سے اتفاق کر سکیں کہ مجھے زندگی کے باسے میں انظار ارا کا حق حاصل ہو۔

مجھ پر زندگی کے گرم اور سرد، ہر طرح کے توکم گر چکے ہیں۔ میں نے فائنڈیشن کی مصیبت کا فو بھی چکھا ہو، اور میں نے دولت کی سرکشی بھی محسوس کی ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو کہ تین دن کے بھوکے کا احساس کیا ہوتا ہو؟ اندھے یہ بھی معلوم ہو کہ دولت کی فراوانی دل دہانہ پر کیا اثر ڈالتی ہو؟ مجھ پر وہ وقت گزر چکا ہو جب میری کوئی آرزو بھی ایسی نہ تھی جو میری قدرت سے باہر ہو۔ میں نے وہ دن بھی دیکھے ہیں جب ہزاروں انسان اپنے پیٹ کی روٹی کے لئے میرا ہاتھ تھمتے تھے!

"گھوڑ دوڑ کے ایک دم میں میں نے ۱۰۰، ۲۰۰، ۳۰۰ پونڈ جیتے تھے لیکن ایک وقت وہ بھی تھا جب تاش کی ایک بازی میں میری جیت صرف ایک شلنگ تھی! دہشتدہی کے الاکہ اور غربت کے اشلنگ! دونوں کی جیت کے الگ الگ اثر میرے دل نے محسوس کئے۔ ایک تریزہ میں لندن سے ڈیل تک کی دھیل کی مسافت، میں نے اپنے چہرے

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کے پیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے امامین نبی ان نادر و اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

أسرة حسنه — امام ابن قيم كى فن سيرت ميں شهره آفاق كتاب
 ”زان المعاد“ ك خلاصه كا اردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد
 ارهائى روپيه -

کتاب الوسیلہ — لفظ ”وسیلہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی ہے۔ - بلا جلد اٹھائی روپیہ، مغلد سرا تین روپیہ -

اصحاب صفہ — انکی تعداد، ذریعہ معاش، طریق عبادت اور انکی مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آئے۔

تفسیر سورة الكوثر — امام ابن قیمیہ ؒ ے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمہ - جا. آنے -

العبرة الوثقی۔۔۔ خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل
بیان کیا ہے۔ چہ آئے۔

سیدت امام ابن تیمیہ — حضرت امام ۷ؒ ضروری حالات زندگی
نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں - نر اے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی تالیف
کا اردو ترجمہ - سوا روپیہ -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمه الاعلام - باره آن

خلاف الامہ۔۔۔ فی العبادات - پانچ آئے

مہم سعادت -- یہ ایک علمی، اسلامی، سماجی رسالہ ہے جس کے خربدار کو ہم نے کمال کوشش و کوشش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ آئمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات، اطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

گاہ گاہ ہے باز خوان این دفتر پارینہ را

آوازِ خواہی داشتن گردانِ غمِ نغمہ را

اردو صحافت ابي ٽارنڻ ميسر الھلال هي ۾ رسالو ۽ جو اپني نعام
ظاهري اور بطني خصوصيات ميسر ايڪ انقلاب آفريس دعوت نهی

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ روز
صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح
پیدا کر رہی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف
ادوار کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ادوار، مذہب،
سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور
اُسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا
تھا۔ پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و
ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں
ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی
وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پھر کی چھاپائی میں
ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو عالم ادب کے علمی، مذہبی،
سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی
مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض
شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست سوا
روپیہ میں خرید لیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی
جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں
حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں کے اس کے بچے تحفظات جمع
کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علاحدہ کر کے بیچتے ہیں
نہیں۔ پچھلے دنوں ”الابلاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان
میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ علا
ہم نے پوشش کی کہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل
جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن
جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ
چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ دوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق بچوں کے چند سالوں کی جلدیں بڑی مکمل ہوئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شایقین علم و ادب اور آخری مرحلہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی اندکس بہ ترتیب حرف نہجی لادھی لکھی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ

[illegible]

جلد ”البلاغ“ (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا)
 قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علمِ ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

منیجر "البلاغ پریس"

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ

کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رنٹ کے جاری اور زیر بحث ادبی فرالڈ پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میوز کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں تیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میوزوں، ترکاروں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار خریدیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گرو اور ہینڈ سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کڑھائیوں کے حالات اور اصول و معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لَمَّا سَأَلَ

سِلَاقِ بَرَكَلَتِ

الہلال

ہر جمعہ نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر رڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع معصوم	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لغاتہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع ایئر رسل قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاہم اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ در تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لیے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کویں پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

جنگ کے بعد انہوں نے مصر کے کامل استقلال کا مطالبہ کیا ہے (اسی مسلک پر گامزن رہے جو واقعہ عربی کے بعد خود شیخ محمد عبدالعزیز نے اختیار کر لیا تھا - ہمیشہ انکا شمار شیخ کی جماعت کے مخصوص افراد میں رہا - وہ ان تمام لوگوں میں جنہیں شیخ کی فیض صحبت کے پیدا کیا تھا، نمایاں اور ممتاز تھے -

شیخ محمد عبدالعزیز مرحوم کا یہ حال تھا کہ وہ فطرتاً ہی بہترین دماغی بخششیں لیکر پیدا ہوئے - لیکن جامع ازہر کی تعلیمی فضا سے کوئی بلند تر تعلیمی فضا حاصل نہ کر سکے - اسی اثنا میں سید جمال الدین مرحوم قاہرہ پہنچے اور ان کے فیض صحبت سے شیخ کے تمام فطری جواہر ابھر آئے -

سید موصوف کی دعوت اگرچہ تعلیمی اور دینی اصلاح پر مشتمل تھی، لیکن اس کا محوری مرکز سیاسی انقلاب تھا

کیونکہ وہ یقین کرتے تھے کہ اسلام کی دینی روح، سیاسی روح سے الگ نہیں ہے - انہوں نے مصر میں بھی انقلابی دعوت کی تخم ریزی کی - اس وقت مصر اسماعیل پاشا کی مسرفانہ اور عیش پرستانہ زندگی سے تباہ ہو رہا تھا - اغیار و اجانب کی مداخلتوں کے نئے نئے دروازے کھل رہے تھے، طالبین اصلاح کی تمام امیدیں ولی عہد مصر توفیق پاشا سے وابستہ تھیں - سید جمال الدین نے توفیق تک رسائی حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا، کہ پہلے خود قاہرہ کے فری میسن لاج میں داخل ہوئے، پھر کوشش کر کے توفیق کو بھی اس کا گریڈ ماسٹر منتخب کرایا، اور اس طرح فری میسن کا مخفی اور محفوظ جماعتی دائرہ اپنے اور اس کے گرد بچھ گیا - توفیق پاشا سید موصوف کے اصلاحی خیالات سے پوری طرح متاثر ہوا، اور عہد و ائق کیا کہ با اقتدار ہوتے ہی اصلاح و انقلاب حال کے لیے پوری طرح کوشش کریگا - لیکن جب کچھ عرصہ کے بعد وہ خدیو مصر ہوا، اور سید

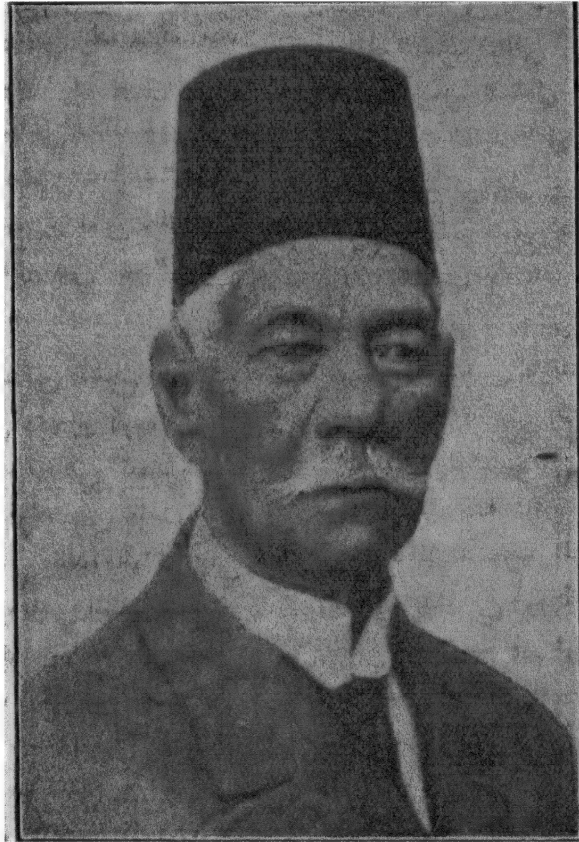
جمال الدین ان عہد و موافق کے ایفا کے طالب ہوئے، تو پہلے تو لیت و لعل شروع کیا - پھر صاف انکار کر دیا، اور کوشش کی کہ جمال الدین مصر سے نکل جائیں -

سید جمال الدین یہ حالت دیکھ کر نہایت متاثر ہوئے - ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو افراد قوم اور ملک کی نجات کی راہ میں حائل ہوں، انہیں راہ سے ہٹا دینا جرم نہیں ہے بلکہ انسانیت کی خدمت ہے - چنانچہ انہوں نے توفیق پاشا کے قتل کی کوششیں شروع کر دیں - اور اس کام کے لیے قرعہ فال ان کے نوجوان تلمیذ محمد عبدالعزیز کے نام نکلا - شیخ نے اس واقعہ کے بیس برس بعد ایک خط میں جو مسٹر بلنٹ کے نام لکھا تھا، اقرار کیا ہے کہ توفیق کو قتل کر دینے کیلئے وہ طیارہ ہو گئے تھے - توفیق پاشا قاہرہ سے اسکندریہ جا رہا تھا، یہ ہسٹریل لیکر سڑک پر کھڑے ہو گئے - مگر جب حملہ کا وقت آیا تو

تھے - چند ماہ بعد جب خدیو توفیق پاشا کی وطن فرشتی اور سلطان عبدالحمید کی مذہب اور منزل حکمت عملی کی کمزوری سے "تل الکبیر" کے معرکہ کے بعد انگریزی فوج مصر میں داخل ہو گئی، تو عربی پاشا اور محمود بارڈی پر مقدمہ چلایا گیا، اور شیخ محمد عبدالعزیز بھی ان کے ساتھ گرفتار کر لیے گئے - ان کا جرم یہ بتلایا گیا تھا کہ انہوں نے واقعہ مصریہ میں ایسے مداخلت لکے تھے جن میں ایک کی حمایت کی گئی تھی - غالباً سعد زغلول بھی ان کے تعلق سے متعلقہ محسوس ہوئے لیکن بعد کر رہا کر دیے گئے - فی الحقیقت شیخ کے تعلق و تلمذ کے سرا ان کا تحریک کر لیا حصہ نہ تھا -

اسی زمانہ میں انہیں نئی تعلیم کا شوق ہوا - پہلے فرانسیسی زبان تحصیل کی - پھر قانون کا مطالعہ کیا - اور سنہ ۱۸۸۹ میں وکالت

شروع کر دی - ان کی غیر معمولی ذہانت اور طبعی استعداد کے ثبوت میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے مصر کی اعلیٰ عدالتوں میں وکالت کرنی چاہی، تو سرکاری محکمہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا - کیونکہ وہ تو انہوں نے باقاعدہ سرکاری مدارس میں تعلیم حاصل کی تھی، نہ یورپ کے مدارس قانون کی کوئی سند رکھتے تھے - لیکن انہوں نے اپنے استحقاق و اہلیت پر اصرار کیا، اور کہا "اگر اس معاملہ کا دار و مدار استعداد اور اہلیت پر ہے نہ کہ سند کے ایک پرزہ پر، تو قانون کا سخت سے سخت امتحان لے لیا جائے - اگر میں یورپ کے سند یافتہ محامیوں سے (مصر میں قانون کے پیرسٹر کو محامی کہتے ہیں) بہتر ثابت ہوں تو میری درخواست منظور کی جائے" یہ واقعہ ہے کہ امتحان لیا گیا، اور ان کی قانونی استعداد بہتر سے بہتر معیار پر بھی پوری آگئی!



فقید الشرق، احمد سعد زغلول

انکی غیر معمولی استعداد کے

بہت جلد ترقی مناصب کی راہ ان پر نہول دی - پہلے بعض قانونی مناصب پر مامور ہوئے - پھر سنہ ۱۹۰۶ میں اس درجہ شہرت حاصل کر لی کہ وزیر تعلیم ہو گئے -

اسی زمانہ میں مصری مجلس تشریع (لیجس لیٹو اسمبلی) کے نظام میں وسعت ہوئی، اور نئے نئے طریقہ رائج ہوئے - یہ ہر موقع پر سرکاری مناصب کیلئے ایک اہل درجہ کے امیدوار تسلیم کیے جاتے تھے - سنہ ۱۹۱۱ میں مجلس تشریع نے انہیں اپنا رئیس منتخب کیا، جس پر وہ (غالباً) سنہ ۱۹۱۴ تک قائم رہے -

(سعد زغلول کا سیاسی مسلک)

سعد زغلول کی تعلیمی اور سیاسی دونوں زندگیوں کی ابتدا شیخ محمد عبدالعزیز کی تعلیم و تاثیر سے ہوئی تھی، اسلئے وہ اپنی زندگی کے آخری سالوں تک (یعنی سنہ ۱۹۱۸ تک جبکہ الزواہ

خارج تھا۔۔۔۔۔ اُسے دونوں ہاتھ شہنشاہ کی طرف پھیلائے اور
میاں کا۔۔۔۔۔ خود فراموشانہ لہجہ میں گویا ہوئی:
”کیا تو ہی وہ فرزندِ اہو ہے جسے سلطان بایزید کو مغلوب
کیا؟“

”ہاں میں ہی ہوں۔۔۔۔۔ میں نے ہی بایزید کو اور بایزید
ایسے کئی بادشاہوں کو مغلوب کیا ہے! بتاؤ کیا چاہتی ہو؟“
تیمور نے جواب دیا۔

”میں نے امیر! تو جو کچھ بھی ہو! جس شہت میں بھی ہو کچھ بھی
ایک آدمی ہے! لیکن میں۔۔۔۔۔ آہ، میں ایک ماں ہوں! تو بتا
اور اہانت کی خدمت کرتا ہے، میں زندگی اور سلامتی کی خدمت
کرتی ہوں۔۔۔۔۔ تو انسان کو لاک کرتا ہے۔ میری گود میں کی
پرورش ہوتی ہے۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ تیرے عقیدے میں انصاف
کرنا، توانائی میں داخل ہو، مگر مجھے یقین نہیں آتا، اور میں کچھ
مکا، جب تک تو میری فریاد کو۔۔۔۔۔ میری داد کو نہیں پہنچتا۔
عورت نے کہا! تمہیں دودھ کے لہجہ میں کہا۔ اس لئے کہ
میں ایک ماں ہوں! ایک کھاری ماں!“

تیمور نے عورت کی جیونی اور بے پروائی کو حیرت سے دیکھا
اس کو بیٹھے کی اجازت دی۔ ”میں سن رہا ہوں تم اصل واقعہ بتاؤ
عورت، شہنشاہ کے سامنے چارواں ہو بیٹھی اور کہنے لگی
”امیر! میں سائرمو کی بیٹے والی ہوں۔۔۔۔۔ تو نے ہرگز
اس جگہ کا نام نہ سنا ہوگا کیونکہ وہ دور ہے۔۔۔۔۔ یہاں سہیت
ہی دور!۔۔۔۔۔ میرا باپ اور شوہر باہمی گیر تھے، ایک دن بھڑکا
خزاقوں نے چھاپا مارا اور۔۔۔۔۔ اُسے روئے ہوئے کہا
”دونوں قتل کر دو۔۔۔۔۔ میرے۔۔۔۔۔ اُس کی بھی بزدلی
تھی۔۔۔۔۔ میرے لخت، جگر کو جو نہایت خوبصورت تھا۔“
تیمور کے منہ سے آہ نکلی تھی۔ اسنے دل ہی دل میں کہا
”خوبصورت!۔۔۔۔۔ میرے لڑکے جہاں گھر کی طرح! آہ“

عورت نے اپنا قصہ جاری رکھتے ہوئے اور آنکھوں سے
سکاب رو رہا ہے ہوئے کہا ”بے رحم خزان میرا لڑکا پکڑے
گئے، آج چار سال!۔۔۔۔۔ آہ، پورے چار سال گزسے کہیں
اُس کی تلاش میں دیوانہ دار چار سالوں میں طرف پھرتی ہوں مگر کیں
پتہ نشان نہیں ملتا۔۔۔۔۔ امیر! میں کبھی ہوں میرا لڑکا تیرے
پاس ہے، کیونکہ بایزید کے لشکر نے اُن بھڑکی خزانوں کو گرفتار
کر لیا تھا اور تو نے بایزید کو شکست سے کر اُس کا سب کچھ چھین
لیا۔۔۔۔۔ ضرور ہو کہ میرا لڑکا تیرے پاس ہوگا اور اس لئے
میں چاہتی ہوں تو اُسے میرے سپرد کر دے!“

حاضرین دوبار عورت کی باتوں پر ہنس پڑے۔ یہ دیوانی ہو
گئی ہو۔
شاعر کرانی نے کہا ”ہاں یہ دیوانی ہو مگر ایک ماں کی طرح!“
تیمور نے دریافت کیا ”بڑھیا تو کس طرح اس قدر دُور دور
راستوں سے اس جگہ پہنچی؟ تو نے ایسے ایسے ہمارے
جنگل کو بکھڑے کئے؟ راستہ میں وحشی لٹیروں اور ڈاکوؤں
ہاتھوں سے کس طرح بچی؟“

آہ، ماں کی محبت!۔۔۔۔۔! ماں کی ہیں پرستش
کرتی چاہئے! دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہو جو ماں کی محبت کے
راستہ میں حاصل اور مانع ہو سکے! انسان کے تمام کامل صفات
حسنات۔۔۔۔۔ سب ماں کے دودھ کی چھاد میں پرورش
پاتے ہیں۔۔۔۔۔! بچوں، آفتاب کے بغیر پیدا نہیں ہوتا، ایک
تختی، محبت کے بغیر شب نہیں ہوتی! محبت، عورت کے بغیر ممکن

میں محمود نظر آتا تھا!
یہ وہی کرائی ہوئی جو ایک دن، تیمور کی اس طرح گفتگو ہوئی تھی،
”کرائی! اگر مجھے ذرا دقت کیا جائے تو تم کہتے میں خریدو گے؟“ تیمور
نے شکر لے ہوئے پوچھا۔
”کچھیں سپاہیوں کے معاملے میں!“ کرائی کا جواب تھا۔
”یہ تو صرف میرے رئیس ٹپکے کی قیمت ہو!“ تیمور نے غضبناک
سو کر کہا۔

”میں نے بھی تو اسی ٹپکے کی قیمت لگائی ہے ورنہ خود آپ کی ذات
کے لئے تو کوئی ایک روپیہ بھی نہ دے گا!“
کرائی نے میاں سے جواب دیا۔

کیا زبردست اور جابر شہنشاہ!۔۔۔۔۔ کس قدر دہشت انگیز!
کس قدر بھولناک!!!۔۔۔۔۔ اور کرائی کی یہ بیوقوف گفتگو
کیا اس جن گوشا عری شہرت، تیمور کی شہرت سے زیادہ بلند ہونے
کا حق نہیں رکھتی؟

یہ کایک۔۔۔۔۔ اس بزم نوش و نوش کے ترنم اور خوش گوار
ہنگاموں میں، ایک آواز۔۔۔۔۔ جس طرح بالوں سے بجلی کو بجاتی
ہو۔۔۔۔۔ ”یلیرم بایزید“ کے مغلوب کرنے والے کے کاؤں میں
آئی۔!

یہ آواز۔۔۔۔۔ ایک عورت کی آواز تھی، جو ایک غضبناک شیرنی
کی آواز کی طرح سنائی دی!!

تیمور کے انتقام جو اور زخمی دل کو، جو اُس کے فرزند دہند
کے منائے ہو جانے کے سبب سے تمام دنیا اور دنیا والوں کے خلاف
غیظ و غضب سے لبریز ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ یہ آواز ایک آشنا کی آواز
معلوم ہوئی! جامِ عشرت، اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اُسکے لبوں
پر ایک اضطرابی لہر دوڑ گئی۔ یہ لہر کس ہی تھی؟ یہ دلخراش آواز
کہاں سے آئی؟

حکمرانی تھیں، ”بندگانِ دولت“ کی گھراہٹ نے کی جو چاروں
طرف دُور اُگئے تھے۔ شہنشاہ کو جواب ملا ”یہ ایک دیوانی
عورت کی آواز ہے جو کبھی طرح یہاں تک پہنچی ہوگی۔ شکل و صورت سے
فقیری معلوم ہوتی ہو۔ عری میں گفتگو کرتی ہو اور“ فرزندِ اہو کے
کی آواز بوسی کی خواہشمند ہو!“

”نوراً حاضر کی جائے!“
تیمور نے حکم دیا اور۔۔۔۔۔ عورت خیمہ میں داخل ہوئی۔
برہنہ! پٹے ہوئے کپڑے! سینہ چھپانے کے لئے اپنی زلفیں بکھر
ہوئے! چہرہ کا رنگ اُٹا ہوا۔۔۔۔۔ بغیر کسی کپکپاہٹ کے جو
ایسے اجاہ۔۔۔۔۔ و جلال اہم ہینکا شہنشاہ کی موجودگی کا ادنیٰ سا

افسانہ

ماں کی محبت

(مشہور روسی افسانہ نگار ”اسکرم گورگی“ کے ایک اخلاقی افسانہ کا ترجمہ)

امیر تیمور گورگانی، دورہ ”کامنول“ میں، جو کلاب دیا سن کے
سرخ و سفید پتھروں کے ایک جمن ابر پاسے سے چھپا ہوا تھا، عیش و
نشاط اور ناؤ نوش میں مشغول تھا۔۔۔۔۔ سرخ و سفید شاعروں
اس دورہ کو ”پر داؤش“ کے نام سے موسوم کیا تھا۔ اُس کلب
مقام سے شہر کے تمام آسمان سکھ، مینار اور مساجد و معابد کے
سبز گنبد بخوبی نظر آتے تھے۔۔۔۔۔ دورہ کی لمبائی کے گرد، بندہ نہرا
زمین قناتیں، بڑے بڑے نیگھوں کی طرح، زمین پر قائم تھیں،
اور اُن پر دیا دیرینائی کی رنگین جھنڈیاں۔۔۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا
تھا، جہاں بچھول ہوا میں شیر ہے ہیں!

تیمور کا خیمہ، اُن قناتوں اور چھوٹا دیروں کے درمیان ایک
خوبصورت ملک کی طرح نظر آتا تھا جو اپنی خواصوں کینزوں کے حلقہ
میں گھومی ہو۔۔۔۔۔ اُس کے خیمہ کی قنات، زمین کا مربع
حصہ گھرے ہوئے تھی جس کے چاروں حصے تقریباً سو قدم طویل۔
اور تین نیزوں کے برابر بلند تھے۔ خیمہ بارہ طلائی ستونوں پر قائم تھا
جو درمیانی حصے کے نیچے نصب تھے اور اس غرض سے کہ انہیں یہ
رنگ دلو کا رضی ابر آسمان کی طرف نہ اُڑ جائے، پانسو رخ ریشین
طلابوں کے ساتھ حکم کر دیا گیا تھا۔ خیمہ کے چاروں گوشوں میں
ایک ایک چاندی کا بڑا بڑا شاہین، جو صنعت کا نفیس ترین نمونہ تھا،
بٹھایا گیا تھا۔۔۔۔۔ خیمہ کے بیچ میں پانچواں شاہین، خود تیمور
تھا۔۔۔۔۔ وہ شہنشاہ جو نہیں جانتا تھا مغلوب ہونا کسے کہتے
ہیں؟؟

تیمور کا لباس بہت کشادہ تھا، جو آبی رنگ کی دیبا سے تیار
کیا گیا تھا، اس پر پانچ ہزار سے زیادہ مردارید کے دانے لٹکے تھے۔
سر پر سفید اور نکستہ کلاہ جس کے نیچے سے اُس کے سپید سیاہ
بال باہر نکل رہے تھے۔ اُس کی آنکھوں سے، جو چاروں
طرف نگران تھیں، جوش کا خون اُبل رہا تھا!
اُس کی آنکھیں چھوٹی اور تنگ تھیں مگر ہر چیز دیکھ رہی تھیں
دیکھ سکتی تھیں۔ اُن سے زہر کی سی سردی اور خشکی ٹپک
رہی تھی۔!

شہنشاہ کے کاؤں میں سرانیدپ کے عقیق کے دو گوشوارے
تھے، رنگ میں حین و جیل ہونٹوں سے ملتے جلتے!!
خیمہ میں نہایت نفیس اور قیمتی قالین بکھے تھے جن پر عیش و
عشرت کا سا ان مہیا تھا۔ ایک طرف۔۔۔۔۔ مہینوں اور ماہوں
کا ہجوم تھا۔۔۔۔۔ تیمور کے قریب، اُس کے عزیز اقربا، دوسرے
بادشاہ، خواہن، اور فوجی افسر بیٹھے تھے۔۔۔۔۔ سے زیادہ
نزدیک، اُس کے دربار کا شاعر ”کرائی“۔۔۔۔۔ اپنے کیف غزلی

خارج تھا۔ اسے دہلی بادشاہ کی طرف پہنچا دیا۔
 بیاباد — خود فراموشانہ لہجہ میں گیا ہوا،
 کیا تو ہی وہ فراموشانہ چہرے سلطان باغیہ کو مغلوب
 کیا؟

ہاں میں ہی ہوں — میں نے ہی آئینہ کو دریا پر
 لیے کسی بادشاہوں کو مغلوب کیا ہوا! بتاؤ کیا چاہتی ہو؟
 تیرے جواب دیا۔

”میں نے امیرا قوج کو بھی ہوا جس حثیت میں ہی ہو پھر بھی
 ایک آدمی ہو لیکن میں — آہ، میں ایک امیر ہوں! تو
 اور طاقت کی خدمت کرتا ہے، میں زندگی اور سلامتی کی خدمت
 کرتی ہوں — تو انسان کو ہلاک کر رہو۔ میری گھر کی
 پردہ نشین ہوتی ہو۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ تیرے مقصد سے چاہتا
 گزرا، تو انائی میں داخل ہو، مگر مجھے یقین نہیں آتا، امیرا قوج
 کا جب تک تو میری فریاد کو — میری داد کو نہیں پہنچا گا۔
 عورت نے کمال نہیں دیا کہ وہ کہتا ہے کہ اس نے تو
 میں ایک امیر ہوں! ایک گھبراہٹ والی امیر!“

تیرے عورت کی بخوبی ادب سے پر والی کو جو حثیت سے بچا
 اسکو بچنے کی اجازت دی — میں سن رہا ہوں تم اصل واصل
 عورت، شہنشاہ کے سامنے چاندرو ہو چکی اسکو بھی
 ”امیرا میں سالہا کی بیٹے والی ہوں — تو نے ہرگز
 اس جگہ کا نام نہ سنا ہوگا کیونکہ وہ دور دور ہے — یہاں ہرگز
 ہی دور دورہ... میرا آپ اور شہر رہا ہی گئے، ایک دن
 قزاقوں نے بھاڑا مارا — اسے روکے ہوئے کیا
 ”دو دنوں قتل کر ڈالے۔ میرے — اس کی بیٹی
 تھی — میرے تخت جگہ کو جو نہایت خوبصورت تھا
 تیرے منہ سے آہ نکلتی تھی اسے دل ہی دل میں
 ”خوبصورت!... میرے لپٹے جا کر کی طرح! آہ“

عورت نے اپنا قصہ جاری رکھتے ہوئے اور آنکھوں سے
 سیلاب رو بہاٹے ہوئے کہا ”بے رحم قزاق میرا لپٹا کر لے
 گئے، آج چار سال — آہ، پورے چار سال گزریں
 اس کی تلاش میں دیوانہ وار چاروں طرف پھرتی ہوں مگر
 پتہ نشان نہیں ملتا — امیرا میں سمجھتی ہوں میرا لپٹا کر
 پاس ہے، کیونکہ باغیہ کے لشکر نے ان بھی قزاقوں کو گرفتار
 کر لیا تھا اور تو نے باغیہ کو شکست سے لگا کر اس کا سر
 لیا — منہ دیکھ کر میرا کاتیرے پاس ہوا اس نے
 میں چاہتی ہوں تو اسے میرے سپرد کر دے گا۔
 حاضرین دوبارہ عورت کی باتوں پر ہنس پڑے۔ یہ دہائی ہو
 گئی ہو۔

شاعر کرآئی نے کہا۔ ہاں یہ دہائی ہو مگر ایک ماں کی طرح
 تیرے دریافت کیا۔ ”بڑی باتیں کہتی ہو، وہ دہائی
 راستوں سے اس جگہ پہنچی؟ تو نے ایسے ایسے ہمارے
 جھگڑ کر بچوٹے کئے؟ راستہ میں وحشی لڑکیوں اور لڑکوں
 ہاتھوں سے کس طرح بھی؟

آہ، ماں کی محبت!! —!! ماں کی ہنس پرستش
 کرنی چاہئے! دنیائیں کوئی چیز ایسی نہیں جو ماں کی محبت کے
 راستہ میں حاصل ادا نہ ہو سکے! انسان کے تمام کام
 حسناات سے سب ماں کے دودھ کی چھٹیوں پر درش
 پاتے ہیں — بھول، آفتاب کے بغیر یہاں نہیں چاہتا
 بخوبی، محبت کے بغیر یہاں نہیں ہوتا، محبت کے بغیر یہاں

افسانہ

ماں کی محبت

(مشہور روسی افسانہ نگار، ماسکوف کے ایک اخلاقی افسانہ کار تھیں)

میں غور نظر آتا تھا
 یہ دنیا کرآئی جو جس کو ایک بن، تیرہ کی اس طرح گفتگو کرتی تھی،
 ”کرآئی! اگر مجھے زحمت کیا جائے تو تم مجھے میں خریدو گے؟“ تیرہ
 نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
 ”بھئی سپاہیوں کے سامنے میں! کرآئی کا جواب تھا۔
 ”یہ تو صرف میرے زبیں کلمے کی قیت ہو؟“ تیرہ نے غضبناک
 ہو کر کہا۔

”میں نے بھی تو اسی کلمے کی قیت لگائی ہو وہ خود آپ کی ذات
 کے لئے تو کوئی ایک دوسری چیز نہ ملے گا!“
 کرآئی نے بیانی سے جواب دیا۔

کیسا زہر ات اور جاہر شہنشاہ! — کس قدر دہشت انگیز!!
 — کس قدر ہولناک!! — اور کرآئی کی یہ چونک گفتگو!!
 کیا اس حق گو شاعر کی شہرت، تیرہ کی شہرت سے زیادہ بلند ہونے
 کا حق نہیں کہتی؟

بیاباد — اس بزم نوش نوش کے ترنم اور خوش گوار
 ہنگاموں میں ایک آواز — جس طرح بادلوں سے بجلی کی کرنیاں
 ہو — ”میلہ بریم باغیہ“ کے مغلوب کرنے والے کے کالوں میں
 آئی —

یہ آواز — ایک عورت کی آواز تھی، جو ایک غضبناک شہنشاہ
 کی آواز کی طرح سنائی دی!!

تیرہ کے انتقام خوار دہشت گردی دل کو، جو اس کے فزونیہ
 کے خلاف جھانے کے سب سے تمام دنیا اور دنیا والوں کے خلاف
 فیض غضب سے لبریز ہو گیا تھا — یہ آواز ایک آشنائی کا
 معلوم ہوئی! جام شہرت، اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کے لبوں
 پر ایک انتظار کی لہر دوڑ گئی۔ یہ لہر کبھی تھی؟ یہ دلخوش آواز
 کہاں سے آئی؟

حکمرانی قہر، ”بندگان دولت“ کی گھبراہٹ نے کی جو جہاں
 طرف دھڑکتے تھے — شہنشاہ کو جواب دیا — یہ ایک لڑکی
 عورت کی آواز تھی، جس کی طرح یہاں تک پہنچی ہو۔ فکری دہشت سے
 بغیر ہی معلوم ہوئی ہو۔ مری میں گفتگو کرتی ہو اور ”فراموشانہ“
 کی آوازوں میں کسی خاص شہنشاہ!
 ”فراموشانہ کی گھبراہٹ!“

تیرہ نے مکرر آواز — عورت خیر میں ”بھول“
 رہنا! چھوٹے چھوٹے سبز چھپانے کے لئے اپنی انگلیاں
 ہر گز چھوڑ کر رکھتا تھا — عورت کی کھپکھپانے کے
 ایسے ایسے حوالے تھے کہ شہنشاہ کی عورت کی آواز

امیر تیرہ گھبراہٹ، ”دہ“ کا نہول“ میں، جو گلاب دیا سن کے
 سرخ و سفید چہرے کے ایک میں ابرو اٹھ سے چھپا ہوا تھا، پیش
 نشانہ درناؤ نوش میں شہنشاہ تھا — سرخ و سفید شاعر
 اس ”دہ“ کو ”پر دہ“ کے نام سے موسوم کیا تھا — ”بھول“
 مقام سے شہر کے تمام آسمان شکوہ، دنیا اور مساجد و معابد کے
 سرگرمی بخوبی نظر آتے تھے — ”دہ“ کی لہائی کے گرد، بندہ ہوا
 زمین تھاتیں، ”دہ“ کے ”دہ“ کے ”دہ“ کی طرح، زمین پر قائم تھیں،
 آوازوں پر دیا دہریاں کی زمین جھٹکیاں — ایسا معلوم ہوا
 تھا، جاندار پھول تھیں تیرہ سے ہیں!

تیرہ کا خیر، ان تھاروں اور چھوڑا دیوں کے درمیان ایک
 خوبصورت لکڑی طرح نظر آتا تھا جو اپنی خواہشوں کییزوں کے حلقہ
 میں گھومتی ہو — اس کے خیر کی قیات، زمین کا مری
 حصہ گھرے ہوئے تھی جس کے چادر دل سے تیرہ سو قیام
 اور تین فیروز کے برابر بلند تھے۔ خیر بارہ ملائی ستوروں پر قائم تھا
 جو درمیان سے گئے تھے غضب تھے اور اس فرض سے کہ نہیں یہ
 رنگ دلو کا اسی ابر آسمان کی طرف نہ آؤ بلے، پانچویں پریش
 طنائوں کے ساتھ حکم کر دیا گیا تھا۔ خیر کے چادر دل گوشوں میں
 ایک ایک جاذبی کا بنا ہوا شاہن، جو صنعت کا فیض بن نہ تھا
 بٹایا گیا تھا — خیر کے بیج میں پانچواں شاہن، خود چھوڑ
 تھا — وہ شہنشاہ جو نہیں جانتا تھا مغلوب ہونا کچھ کتے

ہیں!!
 تیرہ کا لباس بہت کشادہ تھا، جو آبی رنگ کی دیا سے تیار
 کیا گیا تھا، اس پر پانچ ہزار سے زیادہ مردار کے دانت لگے تھے۔
 ہر سفید اور نکستہ کلا جس کے نیچے سے اس کے سپید سیلہ
 بال ابرو نکلتے تھے — اس کی آنکھوں سے، جو چادر دل
 طرف گراں تھیں، جوش کا خون اکٹھا ہوا تھا!

اس کی آنکھیں چھوٹی اور تنگ تھیں مگر ہر چیز کو دیکھتی تھیں
 دیکھ سکتی تھیں — ان سے پہلے کسی شہنشاہ اور کسی شہنشاہ

شہنشاہ کے کانوں میں سر زاپ کے مٹیوں کے دھڑکنا
 ”دہ“ میں گھبراہٹ میں ہونے سے بچتے تھے!!

تیرہ میں نہایت اچھے انداز میں تھیں، تھیں تھیں تھیں
 شہنشاہ کا سامان تھا اس کا ایک طرف — تھیں تھیں تھیں
 کا ہر گز تھا — تھیں کے تھیں، اس کے تھیں تھیں تھیں
 شہنشاہ، تھیں، تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں
 تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں

نہیں — اور شاعر اور سپاہی — کوئی بھی ان کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا — !

مظلوم عورت نے کور کہا "تیمو! میرا لہو کا مجھے دلا ہے!"
شاعر کوئی بولا "ماد کی ہیں پرستش کرنی چاہئے اس لئے کہ وہ ہمارے لئے بڑے بڑے آدمی پر اکر تھی ہیں، اور آدمی کو بلند تہ پر پہنچاتی ہیں — اسٹو فر دسی، اور — اسی طرح سعدی اپنی شہداء میں شہسواروں کی تھی — ساتھ — غریب اپنی شہداء کی زہر آلود رہائیوں کے ساتھ — سکھ، ہیر، اور ہیرام گور — یہ سب عورت کے، ایک ماں کے بچے ہیں!"
تیمو! اس عورت کی باتوں سے کسی گری فک میں چلا گیا۔ پھر سر اٹھا کر — اسنے حکم دیا کہ تین سو شہسوار فوراً اس لڑکے کی تلاش میں روانہ ہو جائیں، جو شخص ڈھونڈ لائے گا اُسے انعام دیا جائے گا — پھر اسنے آہ بھر کر کہا — میں سمجھ گیا یہ عورت اس قدر بے پروا اور بے خوف کیوں ہے؟ — چونکہ وہ ماں ہے! — ایک نوجوت کرنے والی ماں!! اور کوئی ماں نہیں ہوتی جو نوجوت نہ کرتی ہو!! لڑکے کے کھو جانے سے اُس کے دل میں آگ سی بھڑک رہی ہے — اسی آگ جو بڑوں تک، قروں تک، شہر اسے چھڑک سکتی ہے!"

تیمو نے حکم جاری کرنے پر کوئی بھی شاعر اور درویش روج و جدیں لگیں! — اُسے فی البدیہہ یہ اشارہ موزوں لگتا:

ماں

یہ کون نغمہ جو ساری دنیا کے گھسائے طرب میں نہیں؟
جو آسمان کے ستاروں، باغوں کے پھولوں کا عکس بن رہا ہے
کوئی تہائے بھلاہوہ کیا ہے؟
زمانہ کے اہل ذوق میں ہر ایک کا یہ خیال ہوگا
کہ وہ موت ہے جس سے یہ عالم گناہ فرورہا ہے!
حرم ہستی ہر ایک رہا ہے!
وہ چہرہ جو آفتاب و شمس کے درمیان رہتا ہے
ہزار درجہ زرا و آہ بھی، خوب صورت ہے، خوشنما ہے
کوئی تہائے بھلاہوہ کیا ہے؟
سنائے شگون میں میں نے کبھی نہیں سنا کہ تیرے تھارے
میں جانتا ہوں کہ چشم محبوب سارے پر لوگ خوشنما ہے!
شراب گوں جو نثر بنا ہے!
میں جانتا ہوں کہ اُس کا ایک ہلکا سا زانیں شہم
دل نکستے کہ حتی میں کس درجہ ہر انگیزہ دہرا ہے!
لب تکلم کا معجزہ ہے!
کرشمہ آرائی ہائے احساس جن کے باوجود ایک
نہ کہہ سکا کوئی شاعر آخر، وہ لغز دل پذیر کیا ہے؟
جو سب سے بہتر دہرا ہے!
مگر میں کہتا ہوں اب کہ وہ نغمہ — آہ — وہ دنگل نغمہ!
جو ساری دنیا کے سارے رنگیں ترانوں کا اصل قبلا ہے!
جو قلب فطرت کا آئینہ ہے!
وہ نغمہ — وہ کائنات کا — کائنات کا سحر کار دل ہے!
وہ دل کہ جس کا جہان والوں نے پیاسے نام مان رکھا ہے!
وہی محبت کی ابتدا ہے!
وہی محبت کی ابتدا ہے!!

سرخ و خضر شرفانی — لاہور

اقتباس تراجم

پروپاگنڈا

قریب کوئی علاقہ باقی نہیں رہا۔ انسانیت نے اپنے قریبی ماضی سے تمام رشتے تقریباً منقطع کر لئے ہیں۔ اب وہ اسے مقدس و محترم نہیں سمجھتی اور اس کی حفاظت میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کرتی جنگ نے یہی نہیں کیا کہ انقلاب تنفر و درک دیا ہو، بلکہ انسانیت کی ذہنیت بھی کچھ ایسی گدی ہو کہ وہ تبدیلی کی شیدا ہو گئی ہو، اسے تلاش کرنی ہو، اسے لینے کے لئے یحییٰ ہو۔ یہ نئی نئی روح تمام انسانی طبقات میں کم و بیش عام ہو۔

اس نئی ترقی کے ساتھ ساتھ عمل کا ایک نیا طریقہ بھی عام ہو گیا ہے۔ اس طریقہ کو "پروپاگنڈا" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آج یہ لفظ ہر کمرہ و کتبہ کی زبان پر ہے۔ حالانکہ جنگ سے پہلے صرف ایک خاص گروہ میں مستعمل تھا۔ لوگ جب اسے کسی کی زبان پر سنا یا کاغذ پر لکھا دیکھتے تھے تو ان کے اندر ایک بہم خوف سا پیدا ہو جاتا تھا۔ وہ اسے بھی فری آئین وغیرہ پر اسراف لفظ کی طرح کوئی خطرناک لفظ سمجھتے تھے!

"پروپاگنڈا" لاطینی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں "برہنہ، زیادتی، فراوانی" اور اصطلاح میں کسی تحریک کے پھیلاؤ اور عام کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کی تاریخ یہ ہے کہ مسیحیوں میں دم کے پوپ گرگوریوس پانزدہم نے ایک مذہبی انجمن قائم کی اور اس کا نام یہی رکھا۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ لاطینی قوموں میں مسیحیت پھیلائی جائے۔ کچھ مدت بعد یہ لفظ ان تمام طریقوں کے لئے مستعمل ہونے لگا جو مختلف مذہبی اور سیاسی انجمنیں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے کام میں لاتی تھیں۔ ایک طویل زمانہ تک یہ لفظ خواص ہی کے حلقہ میں گردش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ عوام میں بھی اس لفظ کو مقبولیت حاصل ہو گئی اور دوران جنگ میں تو بڑھ چکا۔ اسے سنا اور اس سے نہایت ہی کامیاب نتائج حاصل کئے گئے۔ اب تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ صنعت، حرفت، تجارت، سیاست، مذہب، غرض ہر شعبہ میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا اور اس کے مفہوم سے کام لیا جاتا ہے۔ تاجر اپنی تجارت کے فروغ دینے اور قہر کی تدبیروں سے ملک میں اسے مقبول بنانے کے لئے جو کچھ کرتے ہیں، اسے بھی پروپاگنڈا ہی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ مضر تحریکیں اور غلط اصولوں کی اشاعت تبلیغ میں بھی یہی ہتیار کام میں لایا جاتا ہے۔

یہ محقق ہے کہ افراد اپنے انفرادی ماحول میں، جماعتی ماحول میں زیادہ عقل مند اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ جماعت کے ماحول میں جانے کے بعد ان کی ذہنیت بڑی حد تک کمزور ہو جاتی ہے اور وہ ایسے افعال پسند کرنے لگتے ہیں جو اپنے انفرادی ماحول میں ناپسند کرنے علم اجتماع نے صحیح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ جماعت کا داغ، فرد کے دماغ سے کہیں زیادہ کمزور، لپٹ، اور مغفل ہوتا ہے۔ پس فرد سے

علم اجتماع نے ثابت کر دیا ہے کہ نوع انسانی کی ترقی و حقیقت ان تغیرات اور تبدیلی انقلابات سے وابستہ ہے جو مختلف مدتی سوزنا کے ماتحت افراد، جماعت، اور اقوام کی زندگیوں میں واقع ہوتے ہیں۔ تمدن کی تاریخ دراصل ان تبدیلیوں کی تاریخ ہے جو تاریخ کے مسلسل زمانوں میں قوموں کی زندگی میں واقع ہوتی رہی ہیں۔

افراد چونکہ فطرۃً اپنے اسلاف کی تقلید کی طرت مائل ہوتے ہیں اور موروثی عقائد و عادات کے دلدادہ ہوتے ہیں، اس لئے وہ ہر اُس جدت کی مخالفت کرتے ہیں جو موروثی قدامت کو شکست دینے والی یا اُس میں تبدیلی کرنے والی ہوتی ہے۔ افراد اگر "جدید" کو قبول بھی کرتے ہیں تو طویل بعد و جد اور اپنے قدیم عقائد و خیالات کے مطابق اس میں بہت کچھ ترمیم اور تبدیلی کے بعد یہ افراد کی جبلت و طبیعت ہے جس سے وہ مجبور ہیں۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ افراد و جماعت کی زندگی میں تبدیلی بہت آہستہ سرایت کرتی ہے اور انسانی تاریخ میں انقلاب، جوئی کی چال چلکہ بہت عرصہ بعد رونما ہوتا ہے۔ لیکن کبھی اس تبدیلی اور آہستہ رفتار پر ایسے غیر معمولی حالات طاری ہو جاتے ہیں کہ افراد و جماعت کی ذہنیت ان سے کلیتہً متاثر ہو جاتی ہے۔ طبیعتیں بے خود ہو جاتی ہیں۔ قدامت کا عشق دور ہو جاتا ہے اور جدت سے نفرت زائل ہو جاتی ہے۔ انسانی کمائی تغیر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت تقویٰ ہی مدت میں جنت کر کے وہ ان مراحل کو طے کر لیتی ہیں جو عام حالات میں کہیں صدیوں کے سفر کے بعد طے کرتی۔

ان غیر معمولی سوزنا و عوامل میں، جو تمدن کی رفتار بگڑا کر اڑاتے اور اسے سرعت بخشتے ہیں، ایک طراز سبب جنگ ہے۔ گزشتہ عالمگیر جنگ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ یہ جنگ اگر دنیا کی سب سے بڑی نہیں تو بہت ہی بڑی جنگوں میں سے ایک نہایت ہی ہولناک جنگ ضرور تھی۔ لیکن باوجود ان تمام مصائب و آلام کے اعتراض کے جو اس جنگ سے پیدا ہوئے، ہمیں اس نہایت ہی تیز تبدیلی کو بھی تسلیم کرنا چاہئے جو اس جنگ نے معاشرہ و اجتماع کی ہر شاخ میں اپنا ایک پیکر کر دی ہے۔ پھر اس تبدیلی سے افراد و جماعت کی زندگی کے ہر شعبہ میں جو عظیم انقلابات طاری ہوئے ہیں انھیں بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ دس بارہ سال میں انسانیت نے ترقی کے پتے پر مرحلے طے کئے ہیں، عام حالات میں وہ صدیوں کی جدوجہد سے بھی طے نہ ہوتے۔ ان تیز انقلابات و تغیرات نے افراد و جماعتوں کی ذہنیت پر عظیم اثر ڈالا ہے اور اسے ایک ایسے قالب میں ڈھال دیا ہے جو سرسبز حیرت انگیز ہے حتیٰ کہ چشم بینا دیکھ سکتی ہے کہ آخری چند سال کی دوڑ کے بعد اب انسانیت اس نقطہ پر پہنچی ہے جو جس سے ماضی

یہ بھی عجیب اتفاق ہو کہ اس نئے شہر کا نقشہ جل مرگن ماہرن ہند نے طیار کیا ہو، اسی سے ترکی حکومت نے بھی اپنے نئے دارالحکومت کا نقشہ طیار کر لیا ہو جو آگورہ میں زیر تعمیر ہو۔ اس ماہرن کا نام ڈبلیو بائے گرین ہو، اور اس وقت فن ہند سہ تعمیر میں بہترین شخص تسلیم کیا جاتا ہو۔

اس دارالحکومت کے پلانٹ کی جو عمارت تعمیر کی گئی ہو، وہ عارضی ہو۔ مستقل اور اصلی عمارت بہ تدریج سو برس کے اندر تعمیر ہوگی۔ سو برس کی مدت پہلے سے تاریخی قارئین کو قہقہہ ہوگا، لیکن انھیں خیال کرنا چاہئے کہ کسی قوم کے قومی کاموں کی عمر میں ایک صدی کا زمانہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا جس قدر فرد کی عمر کے لئے ایک دن! پچھلی ڈاک کے تیوارک مارنے سے بھی اس دارالحکومت کے حالات پر ایک مقالہ شائع کیا ہو۔ وہ لکھتا ہو: ”پلانٹ کی اصلی عمارت سو برس کے اندر مکمل ہوگی۔ ایک نہایت مختصر وقت جو کسی قوم کی زندگی کا ہو سکتا ہو! اس مدت کے اندر اطریشین قوم یقیناً ترقی کے اس درجہ تک پہنچ جائے گی، جب ضرورت اور خرچہ کس کوئی سمجھتا نہیں ہو سکتا!“

ارگن اخبارات نے اس پر جو طے زنی کی ہو، اس میں رشک کی جھلک صاف نمایاں ہو۔ سائنسٹک ارمین کا مقالہ لکھا ہوگا: ”کین را کا نقشہ ان تمام غلطیوں سے محفوظ ہو جو دانشمندی کی آماجی کی ترتیب میں ہو سکتی ہیں۔ اطریشیا کو امریکہ کے مقابلہ میں یہ فزیت حاصل ہوگی کہ وہ امریکی آبادی سے کئی نسل پیچھے وجود میں آیا اور ان تمام تجربوں سے فائدہ اٹھا سکا جو امریکہ کی آبادی سے حاصل ہو چکے ہیں۔ دانشمندی نہ تو یکساں ہو، نہ مرتب، اور نہ مناسب قطعات میں منقسم، لیکن کین براشہری آبادی کا ایک ایسا کامل جال ہوگا جس میں تناسب کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی۔“

پچھلے دنوں اس شہر کا سرکاری دستخط ہو چکا ہو، لیکن ابھی عام آبادی شروع نہیں ہوئی ہو۔ صرف عارضی سرکاری مکانات آباد ہوئے ہیں۔

لیکن جو تہم انسان کی مادی سنی جستجو کی یہ داستان شہوت و سطوت پڑھ رہے تھے، تو بے اختیار ہمارا خیال ایک دوسرے گوشہ فکر کی طرف منتقل ہو گیا۔ انیسویں انسانیت کی محدود پیرا زمین کی صورت جس قدر حسین ہوتی جاتی ہو، اتنی ہی اُسکی رُوح و منفیت آرائش جمال سے محروم ہوتی جاتی ہو۔ اینٹ، پتھر اور سبز وخت کی صورت آرائیوں سے اُس کے خیال و خطہ و نظریہ بجا سکتے ہیں لیکن اُسکے جال روح کے لئے آرائش ہم نہیں ہو سکتی۔ اُس کی روح اور منفیت کیا ہو؟ مجمع انسانی کا حقیقی امن سکون۔ اُسکی معنوی سعادت و مسرت۔ اُس کے دل کی راحت، اور رُوح کا قرار و چین۔ کیا اُس کے لئے بھی دنیا اور دنیا کی قوموں کے پاس کوئی سنی و اہتمام ہو؟ کیا اُسکے کو بھی کسی ماہرن کا دماغ اور کسی نقاش کا قلم پر کار ہو؟ دنیا کی قومیں باہدگر رشک و حسد سے مضطرب ہو رہی ہیں۔ ہر قوم اپنے پتھر کی سر بلندی اور لکڑی اور لوہے کی سرفرازی میں دوسرے کو پیچھے ہٹانا اور خود کو آگے بڑھنا چاہتی ہو۔ لیکن رُوح و دل کی رشتہ سادگی کے لئے تو کسی کے دل میں رشک ہو، کسی کے دماغ میں طلب اطریشیا نے نئی کوئٹن بے کا اور ترکی نے نئے آگورہ کا نقشہ بنا لیا، لیکن انھیں کوئی نہیں جو انسانی سعادت کی ایک نئی بستی کا اور رُوح و دل کے سکون قرار کے ایک نئے دارالحکومت کا نقشہ بنائے! قرآن حکیم نے آدمی زندگی کے استعمال و تعریف پر نہیں مگر اُس کے اسی استغراق و پریش پر بار بار ملامت کی ہو کہ: یعلون ظاہراً من الخیولۃ الدنیا و ہم عن الآخرۃ ہم غافلون! (۶۰: ۳۰)

عالم مطبوعہ و صحیفہ

دنیا کا جدید ترین شہر

آسٹریلیا کا نیا دارالحکومت

زمین کی آبادی، اور رُوح و دل کی ویرانی!

بے شمار قطعات میں منقسم کر دی گئی ہو۔ ہر قطعہ میں چاروں طرف چھوٹے چھوٹے چمن زار ہیں اور وسط میں مکانات۔ مکانات کا حصہ اور چاروں طرف کے چمن، سب کے سب مرتب ہیں۔ مکانات کے مرتبہ قطعہ میں جتنے مکان ہیں، سب کے سب ایک قطعہ اور ایک درجہ کے ہیں ان کی تعداد کسی حال میں بھی دس مکانات سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اگر اس طرح کے ہر قطعہ کو ایک محلہ سے تعبیر کیا جائے، تو کمنا چاہئے کہ اس شہر کے ہر محلہ میں چار حصہ سے زائد رقبہ، باغ و چمن کا ہوگا، اور صرف پانچواں وسطی حصہ آبادی کا!

دوسری تصویر میں باغ و کھلائے گئے ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ موثر خصوصیت یہ ہو کہ درختوں کی تعداد اور قطار ہر حصہ میں سادی ہے۔ معلوم ہوتا ہو، سر و قد ان چمن ایک ہی صورت، ایک ہی وضع اور ایک ہی تعداد میں ہر طرف صف آراء ہیں!

تیسری تصویر میں اس مصنوعی نہر کا منظر دکھایا ہو جو دارالحکومت کے مختلف حصوں میں پھیل کر چاروں طرف گردش کرے گی، اور پھر ایک جھیل کی شکل اختیار کر کے پانی اور بجلی کی طاقت کا ذخیرہ ہم پہنچا دے گی۔ یہ نہر مصنوعی ہو، لیکن چونکہ انسانی صنعت کا کمال یہ ہوتا ہو کہ فطرت کی سادگیوں سے قریب تر ہو جائے، اس لئے کوشش کی گئی ہو کہ اس کے بیچ و خم اور نشیب و فراز میں قدرتی نہر کی سی شان پیدا کر دجائے۔ اس میں شک نہیں کہ تصویر دیکھ کر کوئی نگاہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ قدرتی نہر نہیں ہو!

باغوں کی روش میں جاپانی (اور فی الحقیقت انڈیسی اور مغربی) طریقہ ترمیم و آرائش زمین کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ یعنی مختلف رنگ کے پتھروں اور سیمینٹ کے ذریعہ روشنوں کے دامن اور حواشی بنائے گئے ہیں۔ ہر چمن زاد کا حاشیہ سفید ہو۔ اُس کے بعد چھوٹی تنگ چھوٹی کرکھیاں سفید جدول و ڈرائی گئی ہو۔ دُور سے دیکھتے تو معلوم ہوتا ہو، ایک نہایت خوشنما اور خوش طراقتین بچھا ہوا ہو!

اس شہر کے حن و جمال کو زمین کے اُس حصہ کی قدرتی خوب سے بھی بہت مدد ملی ہو جو اس کے لئے منتخب کی گئی ہو۔ سطح سہ سے دوہزار فٹ بلند ہو، جو ہندوستان کے اکثر پہاڑی سطح اپنے سطح کی بلندی ہو۔ اور اس لئے آب ہوا کا فی خنک اور خوشگوار ہو۔ قطعہ زمین کا پورا رقبہ تقریباً ایک ہزار مربع میل ہوگا۔ اس کے چاروں طرف درختوں سے بھرے ہوئے پہاڑی سلسلے واقع ہیں۔ اور انھوں نے اس سطح کو نوساتھ ویز کے صوبے سے الگ کر دیا ہو۔

ریوٹر تجنیسی کے ذریعہ یہ خبر شہر ہو چکی ہو کہ آسٹریلیا کی حکومت مقام کین پیر میں ایک نیا دارالحکومت تعمیر کر رہی ہو۔ اب لمبورن کے ”اسٹریٹ نیوز“ نے اس نئے شہر کے مختلف حصوں کی نہایت دلچسپ تصویریں شائع کر دی ہیں اور ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان تصویروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ واقعی ریوٹر تجنیسی کا یہ بیان مبالغہ سے خالی تھا کہ ”یہ شہر دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ مرتب و منظم شہر ہوگا“

ایک تصویر میں آبادی کا ایک مکمل قطعہ دکھایا گیا ہو جس طرح کے قطعات پر پوری آبادی مشتمل ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ آبادی

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

کام لئے اور انھیں متاثر کرنے کا سب سے بہتر اور کامیاب طریقہ یہی ہو کہ جماعتی ذہنیت کو متاثر کیا جائے جس کے بعد سرکش سے سرکش افراد بھی متاثر و مغلوب ہو جائیں گے۔ جماعتی ذہنیت کے متاثر کرنے کے طریقوں اور ذریعوں ہی کا نام ”پروپاگنڈا“ ہو۔

”کس قدر حیرت انگیز بات ہو کہ افراد، جو عموماً محب ذات اور خود غرض ہوتے ہیں، ہولناک جنگوں میں ہتیلوں پر سر رکھے کھس جاتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ جنگ سے ان کی ذات کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچے گا، اپنے تئیں موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں؟ اس کی وجہ کیا ہو؟ وجہ یہی ہو کہ پروپاگنڈے نے انکی افراد عقل پر پردہ ڈال دیا ہو اور انکی ایسی جماعتی ذہنیت پیدا کر دی جو جس کے دھلے پر پڑ کر کچھون و چرا جنگ کی طرف دُور سے پلے جا رہی ہیں اسی جماعتی ذہنیت کا نام ”عام رائے“ ہو۔ اسی عام رائے کے طیار کرنے کی کوشش کو ”پروپاگنڈا“ کہتے ہیں۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ کسی تحریک کے کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہو کہ اس کے موافق جماعتی ذہنیت پیدا کی جائے تاکہ افراد اس ذہنیت سے متاثر ہو کر اُس کے حامی اور فداکار بن جائیں جماعتی ذہنیت یا عام رائے بنانے کا ذریعہ تقریر، تحریر، اخبارات، رسائل، انجمن غرض کہ بہت سے طریقے ہیں۔ ان تمام طریقوں کو ”پروپاگنڈا“ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ موجودہ زمانہ میں ہر تحریک کی کامیابی کے لئے سب سے زیادہ کارگر ذریعہ ”پروپاگنڈا“ ہو۔

کہ جب تک غدر سرگرمی کے متعلق ہندوستان میں کوئی تاریخ صحیح شائع نہیں ہوئی۔ حالانکہ دوسری طرف انگریزوں نے اس واقعہ پر سکڑوں کتابیں لکھ کر شہر کیں۔ یہ واقعہ ہو کہ انھوں نے تصویر کا صرف ایک نسخہ دکھایا ہو

غدر کے اسباب

عام طور پر غدر کے دو سبب بیان کئے جاتے ہیں۔ اولاً یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے تمام صوبے کیے بعد دیگرے اپنی حکومت میں ملائے تھے۔ اس واسطے ہندوستانیوں کے دلوں میں کمپنی کے متعلق بہت شکوک پیدا ہو گئے۔ دوسرا سبب دہلی چربی والے کار تو سوں کا قصہ ہے۔ اینسن (Ansen) جو ان دنوں کا نڈ انجیف تھا لکھنا کہ "میں نے مشکوک کار تو س دیکھے ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ سپاہیوں کے جذبات حق بجانب ہیں۔ مجھے یہ ہرگز خیال نہ تھا۔ کہ ان کار تو سوں کے استعمال میں گائے اور سور کی چربی لگائی جائے گی۔ میرے خیال میں ہندوستانی سپاہیوں کے جذبات کی مطلق پردہ انہیں کی گئی"

یہ کار تو س جو انہیں دلوں میں رائج کئے گئے تھے، سودا دہ گائے کی چربی سے آلودہ ہوتے تھے۔ اور پھر اس کے کہ انہیں ہندو توں میں ڈالا جائے، دانتوں سے کاٹا پڑتا تھا۔ اس کار تو س کے چند حصے لٹو سخت ہوتے تھے کہ بغیر دانت کے استعمال کے چلائے نہیں جاسکتے تھے ہندو مذہب میں گلے کا احترام کیا جاتا ہے، جب انہیں یہ کار تو س استعمال کرنا پڑے تو سخت لڑج ہو۔ یہی حال مسلمان سپاہیوں کا بھی تھا۔ چنانچہ تمام فرج میں ایک ٹھکانے پر جمع ہو گئی۔ رسالہ برسر مقبرہ کے ۵۰ سپاہیوں نے ایسے کار تو سوں کے استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا کوٹ مارا شل کیا گیا۔ اور دس دس سال کی سزا دی گئی جس طریقے سے یہ حکم سنایا گیا تھا وہ مذہب سے بگڑا ہوا تھا۔ مصنف موصوف نے اس خوفناک منظر کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

"۵۰ سپاہیوں کو گارڈ کی حراست میں فوجی عدالت کے دروازے پیش کیا گیا اور یہ سخت حکم سنایا گیا۔ ان کی فوجی دردی اُنکے جسم سے اُتار دی گئی پھر اسی وقت بیڑیاں پہنائی گئیں۔ یہ نہایت دردناک نظارہ تھا۔ ان کے ساتھیوں کو ان کی حالت زار پر ترس آ رہا تھا۔ ان قیدیوں میں بہت سے ایسے سپاہی بھی تھے جنھوں نے انگریزوں کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کی تھیں۔ اور مختلف لڑائیوں میں عظیم الشان بہادری دکھائی تھی۔ تمام قیدیوں نے آواز بلند کر جرنیل کی مت دہشت کی کراہیں بے غری سے بجا یا جالے۔ لیکن کسی نے پروا نہ کی جب وہ مایوس ہو گئے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کو لٹاکر کہا کہ تھیں شرم نہیں آتی کہ ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں اور تم خاموشی سے تماشا دیکھ رہے ہو؟ اس دردناک اپیل سے حاضرین کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ انھیں کچھ کر گزرتے۔ لیکن توپوں اور ہندو توں کی موجودگی میں وہ کیا کر سکتے تھے؟ ناچار انھیں قبر کرنا پڑا۔ لیکن اس واقعہ سے ہر ایک ہندوستانی انگریزوں کے خلاف ہو گیا۔ وہ لوگ جو ان کی خاطر اپنی جانیں لڑاتے تھے، بے تکلف اُنکے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

لارڈ کیننگ گورنر جنرل نے اس واقعہ کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے "یہ ایک ایسا احمقانہ حکم تھا جس کی نظیر ملے نہیں۔ بغاوت کا آغاز اسی حکم سے شروع ہوتا ہے"

دوسرے دن (یعنی ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء) ایک رسالہ اور دو زیادہ فوجوں نے جلیانے کے دروازے دوسری طرف کھول کر اپنے ساتھیوں کو آواز کر دیا۔ پھر انگریز افروں کے گھر جلائے۔ جہاں کہیں کوئی فرنگی ملا قتل کر دیا گیا، اور اس کے بعد سب کے سب دہلی روانہ ہو گئے جب باغی پلٹیں دہلی پہنچیں۔ تو وہاں بھی انھوں نے انگریزوں کے قتل کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ جب ایک محکوم قوم اپنے حاکموں سے جنگ و جدل پر آمادہ ہو جاتا ہے تو دونوں طرف سے

کوشش کی جو کہ مستند اور بے لاگ تاریخی مصادر و واقعات جمع کرنے میں مدد دے کہ مسئلہ قرار دے اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل کرنا۔ پھر پاس حکومت ہند کے سرکاری افسروں اور انکھتاتان کے بعض غیر سرکاری مساجد کے برادر کوئی ذریعہ مل نہ تھا، اور ظاہر ہو کر یہ دونوں ذرائع اس لیے نہیں فیض دے رہے تھے کہ ان کے پاس نہ تھا۔ تاہم تاریخی شہادت کا حقد و خیر وہی جمع ہو گیا ہے، اس سے بحیثیت مجموعی تصویر کھرا "سچ" نمایاں ہو جاتا ہے۔

اب ہندوستان اس منزل سے گزر چکا ہے جو اب اس قسم کے دہشت محض سیاسی نظریے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی اہلی حیثیت یا سببیں بلکہ تاریخی ہو۔ غدر سرگرمی عظیم و انتہائی ہندوستان کے نئے دور حیات کے ہرگز پڑا نہ ڈالا، ضروری ہے کہ تاریخ کے سامنے پیش کیا جائے، اور اس سے چھوڑا جائے کہ اپنا فیصلہ ثبت کرے۔

ذیل میں ہم اس کتاب کے بعض مفروضوں کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ نوی محفل صاحب کیل ایسٹ آباد نے کیا ہے ان کا ارادہ ہے کہ پوری کتاب کا ترجمہ اردو میں مرتب کریں۔ اسی ترجمہ پر پوری دیکھی کے ساتھ پڑا جائیگا۔

آکسفورڈ میں یہ مثل عام طور پر مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص ہندوستان کے متعلق کسی معمولی درجہ کے ایوان میں بھی لکچرے، تو تمام سامعین کی تحت ایوان خالی کر دیں گے۔ ایک زمانہ تھا جب انگریز علماء ہندوستانی علوم و فنون میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ حال ہو کہ ہندوستانی مسائل پر کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ اس تبدیلی کا سبب یہ ہے کہ ہمیں یقین ہو گیا ہے، ہندوستانی ہماری حکومت سے تنگ آ گئے ہیں۔ انھوں نے ہمارے حسن انتظام کی قد نہیں کی۔ ہم اگر اب بھی قربانی کر سکیں تو ہندو کو بزدل و شیش قاپو میں رکھ سکتے ہیں۔

لیکن جو شور و غل جلیا نوالہ کے قتل عام پر ہوا تھا، اس پر مٹا ظاہر ہو کہ ہم اپنے آباد اجداد سے کہیں زیادہ رحمدل واقع ہوئے ہیں۔ کیونکہ ہم ہندوستان میں دوسرا غدر پیدا کرنا نہیں چاہتے۔

اب ہمارے لائق اور ہونہار نوجوان ہندوستانی لازماتوں کو گریز کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معمولی قابلیت کے آدمی ہندوستان چلے جاتے ہیں۔

ہندوستان کے متعلق غلط اور بے بنیاد پردے پگنڈا دیو میں پھیلا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے باشندے محض وحشی اور صحرائی ہیں! ہندوستانی موع نہیں ہیں۔ انہیں واقعات کو سلسلہ وار ترتیب دینا نہیں آتا۔ وہ تحقیق کے نئے طریقوں سے نا آشنا ہیں یہی وجہ ہے

مطبوعہ جدیدہ

غدر ۱۸۵۷ء

اور "تصویر کا دوسرا رخ"

حال میں ایک کتاب امریکہ وستان ہونی پرنس کا نام

The other side of medal

ہو۔ یعنی تصویر کا "دوسرا رخ" اس کی مدد سے ایک شہرہ آفاق اور ڈیڑھ طاس ہے۔ اسے یہ کتاب اس لیے لکھی ہو کر "غدر سرگرمی" کے نشانیں برطانیہ حکام نے جو انتہائی تدابیر اختیار کی تھیں یا حکومت کے لیے بہت سے مظاہر کے لیے جو وہ دیکھ رہا تھا اور کبھی نہیں اُن کے واقعات شہرہ آفاق کی مصادر و واقعات کو لکھا کر دے جاتے ہیں اور اس ہندوستانی غدر کی ہولناک تصویر کا دوسرا رخ بھی بیان کرتے ہیں۔ غدر سرگرمی کی تصویر نا ایک نئے دور کا چھوڑا ہوا نئی فوج کے قتل و غارت اور لوٹ مار کی عظیم ترین دنیا دیکھی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں زیادہ دلچسپانہ نظر ملے گی، لیکن لکھنے والا اس سلسلہ میں بے گناہ انگریز مورخوں، درجوں کا قتل تھا۔ لفظ "دوسرا رخ" اس کا ایک اور مفہد بھی باوجود بدانت ہمارا ارشاد ہمہ دم کی یہی چھٹا خانہ کششوں کے کافی قوت سے انہیں قتل کر دانا۔ غالباً اس سے لے کر ایک دیکھ کر دانا تختہ ہیں ان میں ہمیں بھی تھیں۔ لیکن ہمیں بھی غدر کے دور ۵۰ انگریز قیدیوں لنگوں کے ہاتھوں قتل کیے گئے ہیں ایک ہتائی غلا ہندو توں کی تھی۔ تو قیدیوں میں جان بخشی کا عند کر کے یہ جو حلا کر دیں کی انہیں بریکٹاں جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے، وہ آنا والے حکم سے ہوا ہونا نہ ہوا ہو، لیکن یقیناً حد درجہ اختیار نہ مل تھا۔ مختلف مقامات میں غیر مسلح اور بے ہتھیار انگریزوں پر لگے فوجی نوکروں نے جو چلے گئے، اور عورتیں قتل کر دی گئیں، بلاشبہ انہیں دالانیت اُنکے لئے کوئی۔ غدر سرگرمی قبول نہیں کی گئی۔

یہ عرصہ کی تصویر ایک سچ ہے اور ایک سو سے زیادہ انگریز اپنی قلم اس کی دہشت و ہولناکی کے خیال و خط نمایاں کر چکے ہیں! لیکن تصویر کے دوسرے رخ کی شہادت کیا ہے؟ وہ اخلاقی انسانیت کا رخ ہے، یا دہشت و ہولناکی کا؟ پہلے رخ سے کم ہولناک ہے زیادہ؟ دنیا کی ان حکمران اور قابو یافتہ قوموں میں جن میں انتقام و خند کے موقد پر اپنی اخلاقی تیر (کرکٹ) کے مظاہر کا قوت ملا ہے، انگریزی قوم کس جگہ کی سختی ہے؟ اسے خود ہندوستانیوں کی مدد نہ چاہی ہو کہ ہندوستان کے سب سے بڑے شہروں میں قتل عام کیا، اور سب طرح غیر مسلح، غیر مجرب، اور کھلم کھلا بے گناہ آبادی کو ہلاک کر دیا، تاریخ کو اس کے لئے کیا فیصلہ کرنا چاہئے؟ یہ سوالات ہیں جو غدر سرگرمی کے تاریخ سے قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور یہ واقعہ ہو کہ آئندہ محض غرض و خصلت کی روش اس کو شہر میں پڑے گی اس نئی کتاب میں طرہ امتزاج سے سوال پر روشنی ڈالی ہے، اور

اس لئے سنگینوں کی نوک سے کرنا پڑتا تھا۔ بعض قیدیوں نے بڑی جلدی سے کام کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ انھیں خیال تھا کہ وہ اس طرح بھانسی سے بچ جائیں گے۔ لیکن ان کی یہ غلط فہمی فوراً دور ہو گئی۔ کیونکہ بالآخر بھانسی دی گئی!

مجندی ایک جگہ لکھتا ہے: ”میں نے وہ رات مسجد (یعنی جامع مسجد دہلی) کی ناکہ بندی میں گزار دی اور رات کا بہت سا حصہ ان قیدیوں کے قتل کرنے میں خرچ کیا۔ جو دن کے وقت بچوٹے گئے تھے۔ بہت سے آدمیوں نے مرتے وقت ایسی شجاعت اور متانت دکھائی کہ ہم بھی داد دے بغیر نہ رہ سکے۔“

ایک انگریزی بولنے والے کے محاورے میں موجود تھا، لکھتا ہے دشمن نے صلح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انگریز صلح کے خواہشمند نہیں ہیں۔ وہ تو قتل عام سے خوش ہوتے ہیں۔

جب ہجرناٹ کا نور کے لئے کوچ رہا تھا، تو جرنیل نے اس کو مفصل ذیل دیات بھیجیں جو قابل غور ہیں۔ ان دیات کو جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہے، تباہ کر دیا جائے۔ جن محلوں میں پٹھان بودا باش رکھتے ہیں انھیں سارا کر دیا جائے اور باقی قتل کر دیئے جائیں۔ باقی گھڑوں کے تمام سپاہیوں کو بھانسی دی جائے جو کہ فوجیوں نے بغاوت کی ہے۔ اس لئے سپر بھی حاکم کیا جائے اور تباہ کر دیا جائے۔ اگر ڈپٹی کلکٹر گرفتار ہو جائے تو اسے بھانسی دے دی جائے اور اس کا سر شہر کی کسی بلند عمارت پر لٹکا جائے۔“

بگم اودھ نے شہر کے ایک اعلان میں یہ فقرہ لکھا تھا: ”میں نے خواب میں بھی نہیں سنا کہ انگریز کوئی جرم معاف کر سکتے ہیں۔“

۵. ہزار جاؤں کا قتل

آخر کار کیننگ اور جارج لارنس نے بھی اس قتل عام کے روکنے کی کوشش کی۔ ڈورائی (یعنی لاڈ بکسین نٹل) نے تو ابتدا ہی سے اس کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ جب انگریزوں کا غضب جوش برپا تھا تو اسے ایک تقریر کے دوران میں کہا تھا: ”مجھے یقین ہے کہ ہمارا فوجی ہندوستان کے لوگوں سے خوفناک انتقام لین گی۔ لیکن میں ان انگریز حاکموں کے اس طریقے سے بالکل متفق نہیں جن کے ہاتھ میں ہندوستان کی باگ ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہم غیر مالک میں بجائے انصاف کے انتقام کے زور سے حکومت کریں۔ میں ظلم کے بدلے میں ظلم نہیں کرنا چاہتا۔“

لاڈ کیننگ نے ملکہ منظر کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا: ”لوگ انتقام پر مائل ہوئے ہیں اور وہ لوگ بھی جنھیں اپنے احمقوں کے رد و بدتر متعال قائم کرنی چاہئے تھی، اس جوش سے خالی نہیں۔ میں جب اپنے لوگوں کی حرکات دیکھتا ہوں تو شرم کے مائے پسینہ پسینہ ہو جاتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ ان لوگوں نے کس طرح چائیں پیاس ہزار آدمی قتل کر دیئے۔ ملکہ کوٹور نے اس خط کا جواب یہ دیا تھا: ”لاڈ کیننگ کو یقین کرنا چاہئے کہ میں بھی انگریزوں کی ان وحشیانہ حرکات پر سخت نادم ہوں اور خاص کر انگلستان کی پبلک پراپٹےسے برطانوی فوجوں کی کارگزاری پر نظر تن کی ہے۔“

چونکہ لاڈ کیننگ نرم دل آدمی تھا اس لئے وہ وقت پر انگریزوں کا جوش ٹھنڈا نہ کر سکا۔ اس کے تحت اس کی اختیار سے باہر تھے۔

قتل و دہشت کی مطلق لہرائی

سرجاچ کیل اپنی سواختری میں لکھتا ہے: ”میں نے مارشل لکے متعلق بہت دفعہ سنا ہے لیکن میں ابھی تک اس کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ ہندوستان میں ان دنوں اس کا جو مطلب سمجھا گیا تھا، وہ یہ تھا کہ ہر ایک فوجی کو کھلی اجازت تھی کہ وہ جسے چاہے قتل کرے یا جس

کے میں سے اپنے کرتے تھے تاکہ لوگ ڈر جائیں۔ اور انتقام لینے کی جرات نہ کر سکیں۔“

ٹامسن نے سرسہری کاٹن کو چند مسلمان قیدیوں کے متعلق مندرجہ ذیل واقعہ بتایا۔ شام کے وقت ایک سکھ ارڈی آیا اور سلام کر کے میرے خیال میں حضور قیدیوں کو دیکھنا چاہتے ہوئے گئے۔ میں فوراً حوالات چلا گیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ قیدی زمین پر بندھے ہوئے ٹوکڑے ہیں۔ بالکل برہنہ اور آخری سانس لے رہے ہیں۔ انکے جسم کے ہر ایک حصے پر تاننا گرم کر کے نشان کئے گئے تھے۔ مجھے ان کی حالت پر دم آیا اور ہسپتال سے قتل کر دیا تاکہ ان کا کدنی کی تکلیف سے بچ جائیں۔ جب کاٹن نے یہ درد انگیز واقعہ سنا تو ان سے پوچھا کہ ہر ایک انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جنھوں نے یہ وحشیانہ حرکت کی تھی؟ ٹامسن نے جواب دیا۔ میں نے کچھ نہیں کیا!

وحشیانہ قتل و دہشت

غدر کے دنوں میں ہر ہندوستانی سپاہی کے خلاف الزام تھا کہ اس نے انگریزوں اور غرور توں کے قتل میں مدد دی ہے۔ خواہ وہ کبھی جگہ پر ہوا اور کتنا ہی بے علاقہ ہو۔ اگر کوئی انگریز دہلی میں قتل کیا گیا ہو، تو لاہور اور پٹنہ اور کے ہندوستانی سپاہی بھی قاتل گرفتار ہو، ایک چشم دید گواہ غلط مجبوری بیان کرتا ہے: ”ایک دفعہ سکھ اور انگریز ایک فوجی قیدی کو سنگینوں سے مار رہے تھے۔ لیکن کوئی غریب مہلک ثابت نہ ہوئی۔ اس واسطے دو تین لاکھ پیسے جمع کر کے آگ جلائی گئی، اور اسے اس آگ میں پھینکا گیا۔ سکھ اور انگریز یہ خوفناک منظر بڑے منے لے لے کر دیکھ رہے تھے۔ رسل نے بھی جو ٹائمز لندن کا نامہ لکھا تھا۔ اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔ بلکہ وہ کہتا ہے: ”میں اس قیدی کی جلی ہوئی لہجیاں بھی اس جگہ دیکھی تھیں۔“

سب سے پہلے اسی رسل نے ان وحشیانہ حرکات اور مظالم پر صدائے احتجاج بلند کی۔ جتنا پتہ وہ اپنی ڈائری میں لکھتا ہے: ”یہ انتقامانہ سزائیں مثلاً مسلمانوں کو سوسے کے چرٹے میں ڈال کر سی دیوانا قتل کرنے سے پہلے انکے منہ میں سونے کی چوٹی ڈالنا، اور ہندوؤں سے انکے خلاف مذہب حرکات کرنا، انسانیت کے خلاف اور تہذیب سے گری ہوئی حرکتیں ہیں۔ (ان سزائوں سے بڑے خوفناک نتائج پیدا ہونگے جو ہمارے واسطے مہلک ثابت ہونگے۔“

جب ان مظالم کی حد ہو گئی تو گورنر جنرل نے اسے جولائی ۱۹۴۷ء کو ایک مفصل حکم جاری کیا جس کی دوسری دیات کا جلا اور نئے آدمیوں کو بغیر کسی ثبوت کے سزا دینا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ ان افروز سے سزائے موت کے اختیارات بھی چھین لئے گئے جنھوں نے اندھا دھند یہ اختیارات برتے تھے، اگر گت کو جان کر انٹھ ہوتا دسلی میں گورنر بنا کر بھیجا گیا تاکہ الہ آباد اور دیگر مقامات میں بشیار آدمیوں کی بھانسی کی سزائیں ملتی کرے۔ انگریزوں نے کیننگ اود گرائٹ کے خلاف بہت شور مچایا کیونکہ انھوں نے بہت سے آدمیوں کو بھانسی سے بچا دیا تھا۔

ایک دفعہ گت کے دنوں میں ایک انگریزی فوج دہلیا جا کر واپس رہی تھی۔ راہ میں چند وفادار سپاہی مل گئے۔ مگر انھیں بھی سنگینوں سے مار دیا گیا۔

یہ مسئلہ امر ہے، کہ بہت سے سپاہی محض خون کی دہشت بھاگ گئے اور پھر بغاوت پر مجبور ہو گئے۔ اگر ہم نے ابتدائی مظالم نہ کئے ہوتے تو سنا دودھ نہ پھیلتا اور لوگ رحم و انصاف سے ایسوس ہو کر باغی نہ ہو جاتے۔

ایک پادری کی بڑے بڑے فرسے لکھی ہے: ”اُسے بہت سی قیدیوں کی موت کرنے پر مامور کیا۔ لیکن چونکہ یہ کام انکے مذہب کے خلاف تھا

وحشیانہ حرکات ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے سے ظالمانہ سلوک ردار لکھا جاتا ہے، حتیٰ کہ کٹا قور جاعت محض اپنے زور سے دوسری جاعت کو کھیل دیتی ہے۔ فرنیٹ ٹرنٹ نے تاریخ انگلستان میں لکھا ہے: ”یہ لڑائی دو وحشی قوموں میں ہو رہی تھی۔ انھوں نے رحم و انصاف بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اگر انھیں کوئی خیال تھا تو صرف یہ تھا کہ کس طرح انکے دشمن تباہ ہو جائیں۔ دونوں طرف سے سخت مظالم کئے گئے جن پر پڑے والنا ہی مناسب ہو۔“ انگریزی تاریخ نے اپنی حرکات پر تو واقعی پردہ ڈال دیا ہے، لیکن ہندوستانیوں کے مظالم کا بہت ہی طرح سے غماخ کھینچا گیا۔ سیکڑوں فرضی قصے تاریخ میں رچ کئے گئے تاکہ انگریزوں کو انکے بڑے بڑے جوش پیدا ہو۔ آج ہم اس تصویر کا دھڑا رُخ جاتے ہیں جو تقریباً ۷۰ سال سے لوگوں کی نظروں سے غماخ چھپا دیا گیا ہے۔

پٹنہ اور واقعہ

۱۵ جون ۱۹۴۷ء کو پٹنہ میں ۱۲۰ سپاہی پکڑے گئے۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنے افسروں کو قتل نہیں کیا تھا۔ بہت سے آدمی ایسے تھے جو بغیر کسی مجرمہ ارادے کے بغاوت میں شامل ہو گئے تھے۔ پٹنہ نے اپنی ڈور ڈپٹی کسٹرن پٹنہ کو لکھا تھا کہ میں ۵۵ سکھ قیدیوں کی جان بخشی تھی کی مفاہرت کرنا ہوں کیونکہ مجھے انکے افسروں نے یقین دلایا کہ اگر ان لوگوں نے بغاوت میں مطلق حصہ نہیں لیا۔ باقی کو آپ کے ذریعہ اُٹا دیا جائے۔ سر لارنس نے جواب دیا کہ چونکہ وہ ہمارے دشمنوں کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ اس لئے ان پر دم نہیں کیا جاسکتا۔ پھر بھی میں تمام آدمیوں کو بھانسی دینا نہیں چاہتا۔ میرا عاصرت یہ ہے کہ یہاں عزیزان سزائیں دی جائیں کہ عوام الناس ڈر جائیں، میری تجویز یہ ہے کہ ان میں سے صرف ایک ہتھیار کو نرے موت دی جائے۔ اذ تعداد ان سپاہیوں میں سے سچی جائے جو نہایت سرکش اور گستاخ ہوں۔ باقی کے خلاف انکے افسر شکایت کریں اگر ان صفات کے آدمی لیتے ہیں جن سے مجوزہ تعداد پوری ہو سکے تو پھر ڈپٹی سپاہیوں کو شامل کر لینا چاہئے۔ باقی قیدیوں کو مختلف قسم کی سزائیں دی جائیں۔ سزائیں حالت میں بھی تین سال سے کم نہ ہو۔

لاڈ ڈارٹر نے جو ان دنوں غصے کے عہد پر تھا، اپنی والدہ کو ایک خط میں اسی واقعہ کے متعلق لکھا ہے: ”میں چاہے پٹنہ تک پیادہ پائے۔ راہ میں باغیوں کو قتل کرتے رہو اور فوجوں سے ہتھیار لیتے رہے۔ لوگوں پر سزائے موت کا جو توپ سے واقع ہو، بڑا اثر پڑتا ہے۔ یہ بڑا ہی خوفناک منظر ہے لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ان مظالم کے ذریعہ ہم ان بدعاش مسلمانوں کو تباہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم خدا کی دسے ہندوستان پر نافرمان بنیں گے۔“

پٹنہ کے واقعات

ایک توپ میں بہت زیادہ بارود بھری ہوئی تھی جب ایک شخص کو اس کے سامنے لا کر رکھا گیا اور توپ چل گئی، تو اس شخص کے سیکڑوں ٹکڑے ہوا میں اڑ گئے۔ اس کا سر تاشائیوں میں سے ایک کو جا لگا اور کسی آدمیوں پر خون کے چھینٹے پڑے۔ جرنل بکسٹن جسے ہم ایم پیٹر میں دیوانا کی طرح پوجتے تھے، اٹھوڑ کو ایک خط میں لکھتا ہے: ”میں ایک قانون بنانا چاہئے جس کی دوسرے ہم انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کو زندہ جلا سکیں اور زندہ ہی ان کا چہرہ آواز سکیں۔ محض پھانسی دینے سے ہمارا جذبہ انتقام ٹھنڈا نہیں ہوتا میں چاہتا ہوں دنیا کے ایک ایسے کوئے میں ہوں جہاں قانون کو لینے ہاتھ میں لے سکیں۔ مشرقی مالک کا قاعدہ ہے کہ جب تک لوگوں پر گولہ زنی کا ذوق اور خوف طاری نہ ہو جائے تب تک انکے نوام کی تدبیریں کجائی“

کو پھر اور سرکٹ ڈپٹی کسٹرن تھا۔ لکھتا ہے کہ پٹنہ کے تمام افسر ظلم

ادبیات

سعد پاشا ز غلول کا اقبال

سعد ذہر دار نہیں ہے، وطن کا ہر فرزند ذہر دار ہے۔

قومیت

یہ دیکھ کر میری مسرت بے حساب ہو جاتی ہے کہ مصر میں صرف ایک ہی فرقہ موجود ہے، اور وہ مصری قوم ہے۔

قومی زندگی

یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ جماعتوں کا سوال نہیں ہے۔ یہ قومی زندگی کا مسئلہ ہے!

ٹیٹھے بول

انگریز، گفتگو میں ٹیٹھے اہر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ٹیٹھے بول ہیں پھر کر لیتے ہیں!

ہمارا مطالبہ

ہمارا مطالبہ کچھ بہت لمبا چوڑا نہیں ہے۔ ہمارا مطالبہ صرف ایک لفظ ہے "آزادی"!

سعد کی زندگی

سعد، مگر کبھی ہمیشہ زندہ رہو گا۔ کیونکہ ہر مصری، سعد ہے، بلکہ سعد سے بھی زیادہ!

مصری قوم

آج مصری قوم وہ نہیں ہے جو کل تھی۔ آج سلام اور غیر مسلم الگ الگ نہیں ہیں۔ سب ایک قوم ہیں اور صرف ایک خواہش لکھتے ہیں۔ یعنی آزادی! اور وطن!

عداوت

میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میرے دل میں کسی آدمی کی بھی عداوت پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ عداوت، کمر درد کا اخلاق ہے۔

قومی عزت

میں کہہ چکا ہوں، کہتا ہوں، کہتا رہوں گا کہ جو عزت میری قوم نے مجھے دی ہے، وہ میرے لئے قابل فخر ہے۔

میرا دل

میرے دل میں نہ حسد ہے، نہ کینہ ہے۔ میرے دل میں قومی امانت نے کسی چیز کے لئے بھی جگہ خالی نہیں چھوڑی ہے۔

آزادی کا استحقاق

جو قوم اپنے فرزندوں کا خون اس لئے بہنے دیکھتی ہے کہ وہ آزادی چاہتے ہیں اور پھر خاموش رہتی ہے، وہ یقیناً آزادی کا استحقاق نہیں رکھتی!

وزارت

ہم وزارت کے دشمن نہیں ہیں۔ لیکن غیر قومی وزارتیں نہیں چاہتے۔

میرا اخلاق

میں چلائے والا ہوں، سازشی نہیں ہوں۔

میری آرزو

آزادی، میری آرزو ہے۔ جو ہر قوم بھی آزادی چاہے، میں اسے پہلے اس کا

مرحوم احمد سعد پاشا ز غلول کو مصر میں جو سوخ و غلظت حاصل ہوئی اُس میں اُن کی دوسری قابلیت کے علاوہ اُن کی قوت خطابت اور بلاغت پھر کو بھی بڑا دخل تھا۔ ذیل میں اُن کے بعض اقوال کا ترجمہ کیا جاتا ہے جو ضرب الامثال کی طرح مشہور ہو گئے ہیں:

قابل آزادی

مصر، قابل آزادی کا مطالبہ کرتا ہے، کیونکہ آزادی، قوموں کی پیدائش حق ہے۔

نامیدی

ابوقت ہماری حالت کیسی ہی ابتر ہے، مگر ہماری قوم کسی کوئی بڑی قوم، کبھی اپنی قسمت کی طرف سے نامید نہیں ہو سکتی!

حاکم و محکوم کی مصلحت

حاکم قوم کی مصلحت ہمیشہ اُس کی محکوم قوم کی مصلحت سے متضاد ہو کرتی ہے۔

عہدے کی خواہش

اپنے آزاد وطن میں ایک حق پرورد رعایا بن کر رہنا مجھے اس سوا کچھ زیادہ پسند ہے کہ اجنبی حکومت کے تحت بڑے سے بڑے عہدے پر مقرر ہوں۔

مادی قوت

مادی قوت، قوم کے ارادے کو کبھی غالب نہیں آ سکتی۔

صحیح تحریک

ہر صحیح تحریک ضرور کامیاب ہوتی ہے۔

زمانے کے انقلابات

زمانے کے انقلابات دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بنا دیتے ہیں۔

سیاسی اتفاق

مصر اور انگلستان کے درمیان اتفاق کے معنی صرف ایک ہیں۔

یعنی مصر کی قابل آزادی۔

انتہا پسندی

آزادی کے طلبگار، انتہا پسند نہیں ہوتے اس لئے کہ یہ تو ایک تبدیلی چیز ہے۔ غلامی پسند کرنے والے انتہا پسند ہیں، کیونکہ غلامی ذلت پسندی کی انتہا ہے!

قومی روح

قوم کی روح نہ جنگی قوانین سے مغلوب ہو سکتی ہے، نہ ظلم سے، نہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کی قوت سے۔

اصول نہ کہ اشخاص

اگر سعد، قومی اصول سے ٹکرائے تو لٹے گرے ہوگا!

تنگ نظر

میں اپنی ذات پر تنگ بینی سے شکر خوش ہوتا ہوں، اگرچہ وہ جھوٹی ہی ہے۔

بنائے وطن کی نصیحت

آبنائے وطن! تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ میری نگرانی کو بے خبر

جو کچھ چاہے چھین لے۔ کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔

لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے رجون کو بعض صوبجات میں ایشل لانا مذکور کیا تھا۔ گورنمنٹ کو چاہئے تھا کہ اس قانون کے استعمال کی سختی سے نگرانی کرے۔ لیکن انہوں نے کسنا پڑا ہے کہ گورنمنٹ نے اس معاملہ میں سخت کمزوری دکھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سخت افسر بلا روک ٹوک مظالم برپا کرتے رہے۔ اور بعض کسی نفیشت کے قتل عام جاری رہا۔

مطرحہ قتل عام کا نام نہ لگا کر ایک جگہ لکھا ہے "اس قدریں صرف سپاہیوں نے بغاوت کی تھی۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ صرف وہی لوگ قتل کئے جاتے جنہوں نے اسیں حصہ لیا تھا، لیکن اُن کو قتل کرنا جن کی ان فوجوں سے محض ہمدردی تھی، ایک نہایت بڑا بلائے فعل تھا۔ اگر کوئی باغی فوج کسی شہر میں مقیم ہو گئی تھی تو اس کے باشندوں کو محض اس بنا پر قتل کرنا، ان کیوں انکے شہر میں باغیوں نے ڈیرا ڈالا؟ کہنا دشمنانہ فعل ہے؟ یہ مسلم ہے کہ شہر کے باشندوں نے عام طور پر انگریزوں کے بچانے میں مدد دی تھی۔ لیکن پھر بھی انگریزی فوجوں نے ان کی قدر نہ کی، اگر انگریز صرف باغیوں کو قتل کرتے تو پھر وہ حق بجانب ہوتے۔ لیکن بے شمار بے گناہ لوگوں کو محض اس وجہ سے قتل کیا گیا، کہ وہ ہندوستانی تھے" (باقی آئیے)

م بوسہ لوں گا، اگرچہ وہ میرے جانی دشمن ہی کا ہاتھ کیوں ہے۔

خود اعتمادی

خود اعتمادی، خود اعتمادی وصفت نہیں ہے، بلکہ پیدائشی صفت ہے، خود اعتمادی آدمی اگر یہ وصفت دُور بھی کرنا چاہے تو دُور نہیں کر سکے گا۔

میری دشمنی

میں نے اگر کسی سے دشمنی کی ہے تو صرف اپنی قوم کی مصلحت کی وجہ سے۔

رُور عایت

قومی حقوق میں رُور عایت دخل نہیں پاسکتی۔

ناکامی

میں شہر قوت نے جو کچھ جمع کیا ہے، بکھر جائے گا۔ طبع نے جو کچھ چھڑا ہے، ٹوٹ جائے گا۔ جس کی بنیاد جھوٹ پر ہے، وہ یقیناً گر پڑے گا!

ناکامی کی علت

ناکامی کی اصلی علت، کارکنوں کی باہمی بے اعتمادی ہوتی ہے۔

صبر و برداشت

ہاں ہم ہر مصائب و مشا رہیں۔ لیکن وہی قوم زیادہ عظمت حاصل کرتی ہے جو زیادہ مصائب و برداشت کر سکتی ہے۔

برطانیہ کی ضرورت

اگر برطانیہ کو مصر کی ضرورت ہے، تو مصر کو اُس کی کسی زیادہ اپنی ضرورت ہے۔

قوت

اگر ہم طاقتور ہوتے تو کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی کہ ہم ہر ہمارے قبضہ میں رہنا چاہئے!

منفعت

اگر ملکیت میں منفعت کا اصول تسلیم کر لیا جائے، تو دنیا نہ دہلا ہو جائے۔ کیونکہ ہر شخص کی منفعت اسی میں ہے کہ ساری دنیا کا مالک بن جائے۔

عمل اور قربانی

کوئی عمل حق ضائع نہیں ہوتا۔ کوئی قربانی رائیگاں نہیں جاتی۔

ضرورت اور قوت

کسی زمانہ میں بھی ضرورت، قانون نہ تھی۔ کسی وقت میں بھی قوت حق کا معیار نہ تھی!

ظلم

ظلم اپنے دامن میں ظلم کے کوٹھوٹھری کا نظام کے کوٹھوٹھریاں ہوتا ہے!

ان تمام اصحاب کے لئے

جو
قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں
دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہم

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویروں،
پرانے سکے اور نقوش، پرانے زوہر، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اہم ہر طرح
کے پرانے صنعتی عجائب و نوادار، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔
کم از کم ہماری نمائش کا ہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دل
دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہو۔

نوادار عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مساعرت و سعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران،
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

با ایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز مہذب و ارزاں ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادار حاصل کرتے
رہتے ہیں۔ قارئین کے نئے ایوان شاہی کے نوادار بھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادار موجود ہیں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت
مکمل ہو کر ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔

موسم گرما کا نیا تحفہ

شریت روح ۱۹۳۷ء (رجسٹرڈ)

یاد رکھئے

صنعت ہمدرد دواخانہ سکریٹ

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم بستی ہو کر بلا تفریق مذہب و قوم ہر دماغی و دھرم مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک غیر ملک شہرت حاصل کر چکا ہو اور جس کو ختم بد (حریص) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے بطور دعویٰ کر لیا گیا ہو۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے قیادت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل و پیہم شتا فائدہ داری اس کی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسو مسیح با علم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و فرج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہو۔ ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے نو اکھات مثل انگور، سیب، رنگتہ وغیرہ ادبہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانتائی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب، درد سرد و دران سر، شکی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو ہستمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر طور پر رنگ و لہر اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع متعلق نہیں بلکہ ہم خادیم ٹوب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترغیب دینا منظور ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ بول دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُسیدار امنو نہ ہو اور جس کی ہر چیز دی ہو۔ خوش ہو گئے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس کو فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (چھ روپیہ) حکیموں اور عطاردوں کے علاوہ، تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک جن یا اس سے زیادہ خریدیں مرنی روپیہ کمیشن یا جاکٹا۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہو۔ لہذا آپ شربت

خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشمال لبل اور ہر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صر ہمدرد دواخانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہے۔ "فہرست دواخانہ معہ خبری ۱۹۳۷ء" کا روٹ آنے پر مفت ارسال ہوگی۔

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

سر کریمو

د

(ضیق نفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو تال نہ کھجے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنگامہ گائیڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوائیٹوں، ہٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کرنے، نیز جس سے تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک شیاج کو

قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک جسے

ڈنلاپ گائیڈ بک ٹریڈ برٹن

The Dunlop Guide to Great Britain

دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ٹریڈسٹینوں کے بک شال سے مل سکتی ہے۔

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبراتے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.**

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے! انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے اڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہماریاں

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہو کر آتی ہے

لینا چاہو!

النهر في جلال
مجلدات الملل

گاہ گاہ ہے باز خوانِ این دفترِ پارینہ را
تازہ خوابیِ دداشتنِ گردِ اغما نے سینہ را

اردو صحافت جي تاريخ ۾ مير الھلال هيءَ مسئلہ جو اڀري نعام
ظھري از بطني خدمت مٿس انگ انقلاب آفرين دعوت ٺھي -

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مقررہ رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہادِ نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراک کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خریدیں اردو صحافت میں اعلیٰ طمع و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہفت ٹرن تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا اور تاثر میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خریدیں پیدا ہوئیں جو پھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض سابقین علم و ادب کے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست سو روپیہ میں خرید دیا۔ اور حال میں ایک صاحب کے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں کے اس کے پرچے بعطایات جمع کئے گئے ہیں وہ بڑی قیمت پر بھی علاحدہ کر کے ایلے نیار نہیں۔ پچھلے دنوں ”البلاغ پریس“ کا جب تمام اسدال کئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک دحیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے اسوش لی کہ سابقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ روشیں ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علامہ متفرق پروجے کے چند سرائے کی جلدیں پوزی منسلک ہوئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ سابقین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں۔ چونکہ جلدوں کی ایک بہت سی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہونے کی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد اور ابتدا میں تمام مضامین کی اندکس بہ ترتیب درج بھی لگائی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ زبیدی الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ زبیدی
 " " " " ۱۰ زبیدی " " " " ۱۰ زبیدی
 جلد " البلاغ" احب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا
 قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایب - سیدول مجموعہ علم و ادب ہے - قیمت فی پرچہ ۸ - آٹھ - معصوم ذاب ؛ پیدنگ اس کے علاوہ ہے -

میجر "البلغ پریس"

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی عام کے پیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے امامین کی ان نادر و اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جدکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید ہے کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

أسره حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب
 ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مچل
 اڑھائی روپیہ -

کتاب الوسیلہ — لفظ ”وسیلہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اعمال الاصول ”توحید“ کی میسرط بحث کی ہے۔ بلا جلد ازہائی ریپہ، مجلد سرتین ریپہ۔

اصحاب صفہ — انکی تعداد ' ذریعہ معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آئے ۔

تفسیر سورة الکوتر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر b
 اردو ترجمہ - چار آئے -

العزرة الرقوى — خالق و مخلوق ے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل
بیان کیا ہے - چہ آئے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام ۷ ضروری حالات زندگی
نہایت خوش اسلوبی سے بیان ہے ہیں - نر آئے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی قلمی
 آثار ترجمہ - سہا روپیہ -

آئمه اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آئے
خلاف الامہ ... فی العبدات - پانچ آئے

صبح سعادت — یہ ایک علمی 'اسلامی' سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کوش سے 'اردو' 'عربی' 'فارسی' 'انگریزی' اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات و لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

رہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی نرائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو کرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "ٹے سسٹم" کے نام سے منسوب مالک میں مشہور ہے۔ اس "ٹے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رقیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھلیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

PRINTED AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

السلامة

ابن سينا

قیمت

۵ - آه

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

فیمت سالانہ مع محصول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
فیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لغافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھ دیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے۔ ورنہ ہفت روزہ ہفت روزہ کے مصارف کا بار پڑیگا۔

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور سال

نمبر ۱۳

کلکتہ : جمعہ ۱۲ - ربیع الاول ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 9, September 1927.

جلد ۱

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیں۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔

قاریین الہلال کی آراء

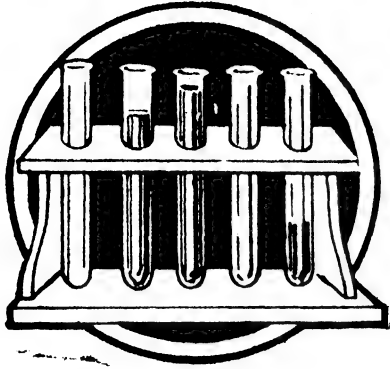
اس باری میں اس وقت تک ۱۰۱۲ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۱۳۹۰	اردو حروف کی حق میں	۲۸۰
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۲۹۳	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۱۴	نستعلیق ہوں	۸۶

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال



مذاکرہ علمیہ



قانون توارث جسمانی و معنوی

(منڈل کا ناموس وراثت)

جملہ اوراق ضائع ہو گئے۔ سنہ ۱۸۶۶ میں اُس کا ایک چھوٹا سا رسالہ شایع ہوا تھا جس میں یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ بھی گم نام ہو گیا۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۹۰۰ میں علماء مغرب کی نظریوں اُس پر دو بارہ پڑیں، اور وسیع پیمانہ پر اُسکی اشاعت کی گئی۔ آج حیوانات کی پرورش کرنے والوں میں کوئی شخص بھی ایسا موجود نہیں جو منڈل اور اُس کے نظریہ سے ناراض ہو یا اُس سے مستفید نہ ہو رہا ہو۔

(ناموس منڈل)

منڈل کا نظریہ، تین وراثتی اصولوں پر قائم ہے :

(۱) پہلی اصل کا خلاصہ یہ ہے کہ فرد کی بعض صفات (عام اس سے کہ وہ فرد، حیوان ہو یا نبات) اُسکی آئندہ نسلوں میں مفقود نہیں ہو جاتیں بلکہ برابر باقی رہتی ہیں، اور عرصہ تک بغیر کسی کمی کے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ اُسکی مثال یہ ہے کہ بعض انسانی خاندانوں کے خال و خط خاص قسم کے ہوتے ہیں، اور طویل زمانوں تک اُن کی نسلوں میں بدستور قائم رہتے ہیں۔ چنانچہ بعض خاندانوں میں زائد انگلیاں، یا کٹا ہوا ہونٹھ، یا چندھی آنکھیں، یا سفید بالوں کا گچھا، غرضکہ مختلف قسم کی جسمانی خصوصیتیں ہمیشہ موجود رہتی ہیں اور اُن کے افراد میں وقتاً فوقتاً پوری طرح ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔



ڈاکٹر منڈل

(۲) دوسری اصل کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض صفات ایسی ہوتی ہیں جنکا ظہور مسلسل نہیں ہوتا۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ظاہر ہوتی ہیں، مگر برابر ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ یعنی پہلے ایک مدت تک نمایاں رہتی ہیں۔ پھر غائب ہو جاتی ہیں۔ پھر لوٹ آتی ہیں۔ پھر غائب ہو جاتی ہیں۔ صرف تجربہ ہی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کون صفت پہلی قسم کی ہے؟ کون صفت دوسری قسم کی ہے؟ اُسکی مثال یہ ہے کہ جب بے سینگ کے حیوانات کا سینگ والے حیوان میں اتحاد تناسلی ہوتا ہے، تو اُنکی نسل بے سینگ کی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جب یہی نسل آگے بڑھتی ہے تو اُسکی اولاد میں ایک خاص تناسب سے بعض افراد سینگ والے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض بے سینگ کے۔

برخلاف اِسکے جب کیس والے مرغ کا اتحاد بے کیس مرغی سے ہوتا ہے تو نسل کیس والی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن پھر آگے چل کر بعض کے کیس ہو جاتا ہے۔ بعض کے نہیں ہوتا۔ مگر یہ معاملہ ہمیشہ ایک ہی تناسب سے پیش آتا ہے۔

(۳) تیسری اصل، اُس تناسب کا تعین اور انضباط ہے جو اس توارث و تناسل میں کار فرما ہے۔ تشریح اُسکی حسب ذیل ہے :

مخلوقات کی جسمانی و معنوی زندگی میں قانون توارث کا مسئلہ، اُن اہم ترین مسائل میں سے ہے جنہوں نے قدیم زمانے سے علماء کو اپنی طرف متوجہ رکھا ہے۔ طبیعی علوم کی ترقی کے بعد گزشتہ صدی میں اِس مسئلہ نے اور بھی زیادہ اہمیت حاصل کر لی اور بے شمار علماء نے اُس پر بحث کی۔ بہت سے نظریے قائم ہوئے۔ بہت سے مذاہب ترتیب دیے گئے۔ لیکن اِس سلسلہ میں سب سے زیادہ شہرت و اہمیت اُس نظریہ کو حاصل ہے، جو اپنے مجدد، ڈاکٹر منڈل کی طرف منسوب ہے اور ”ناموس منڈل“ کہلاتا ہے۔ ذیل میں ہم اِس نظریہ کی مختصر تشریح کرتے ہیں۔

(منڈل)

سنہ ۱۸۲۲ میں دو شخص ایسے پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی وراثت کے اثرات و نتائج کی بحث و تحقیق میں صرف کردی: ان میں سے ایک انگلستان میں پیدا ہوا۔ اسکا نام گلٹن ہے۔ اور اُسکی کتاب ”عظمت کی وراثت“ بہت مشہور ہو چکی ہے۔ دوسرا منڈل ہے۔ یہ ہنگریں نسل کا تھا۔ سیلیشیا میں پیدا ہوا۔ اُسکی ابتدائی تربیت دینی تعلیمات کی تھی۔

رہبانوں کی جماعت میں داخل کر دیا گیا تھا۔ لیکن ۲۹ سال کی عمر میں رہبانیت ترک کر دی اور وائٹا کے دارالعلوم میں داخل ہو کر طبیعی علوم کی تحصیل شروع کر دی۔ تعلیم ختم کر کے وہ برلن میں استاد مقرر ہو گیا اور اپنے فرصت کے اوقات مسئلہ وراثت کی تحقیق میں صرف کرنے لگا۔ شروع شروع اُسکے تجربے صرف نباتات میں محصور تھے۔

اپنی تحقیق کے دوران میں بالآخر وہ ایک عجیب معاملہ پر پہنچا۔ اُسنے دیکھا، یہ عجیب معاملہ، وراثت میں ہمیشہ پیش آتا ہے، اور کبھی اُس میں خلل نہیں پڑتا۔ یہ وہ وقت تھا جب اُس کے تجارب، عالم حیوان تک وسیع ہو چکے تھے۔ اُس نے شہد کی مکھڑوں کے بھی پچاس چھتے بنائے تھے۔ اور مختلف قسم کی مکھیاں باہم دیگر جمع کر کے اُنکی نسل کے جسمانی اور معنوی خواص کا تجربہ کرتا تھا لیکن مکھڑوں کے متعلق اُسکی تحقیقات کے

جسمانی خواص کے ماں باپ دوسرے طبقہ کی نسل میں بالآخر
الگ الگ اپنے اپنے خواص نمایاں کر سکتے ہیں !

(۳) نسل کے تیسرے طبقہ میں جن افراد کے اندر مورث
اعلیٰ کے خواص انفرادی اور غیر مخلوط حالت میں نمایاں ہو جاتے
ہیں، ان کی نسل میں آئندہ ان اجدادی خواص کا اختلاط و امتزاج
نہیں ہوتا، بلکہ اجدادی خواص کی جو ایک قسم ان میں نمایاں
ہوتی ہے، وہ مستقل قائم ہو جاتی ہے، اور اپنی نسل میں متواتر
ہوتے لگتی ہے۔

(۴) لیکن دوسرے طبقہ میں جو نصف تعداد ایسی پیدا
ہوتی ہے، جس میں اجدادی خواص مخلوط و ممزوج حالت میں
نمایاں ہوتے ہیں، ان میں قانون توارث کا یہ عددی تناسب
برابر قائم رہتا اور آگے کی طرف بڑھتا ہے۔ یعنی ان کی نسل
میں بھی ۲۵ - ۲۵ - فی صدی الگ الگ آبائی خواص ظاہر
ہوتے ہیں، اور ۵۰ - فی صدی مخلوط و ممزوج رہتے ہیں۔

(۵) ماں باپ کے الگ الگ جسمانی خواص سے مولود

میں جو مخلوط و ممزوج
حالت پیدا ہو جاتی ہے،
وہ ہمیشہ اپنی نسل میں
اس طرح متواتر ہوتی ہے
کہ نصف تعداد مخلوط قسم
کی ہوگی، اور نصف مورث
اعلیٰ کے الگ الگ خواص
کی۔

(انسان میں قانون توارث)

تھیک یہی حالت
انسانی وراثت میں بھی
پیش آتی ہے۔ اگر کوئی
خالص سفید رنگ کا انسان
حبشی عورت سے شادی
کرے تو اس کی نسل ضرور
سانولے رنگ کی ہوگی۔
پھر اگر کسی طرح خود
اس کی اولاد میں باہم دیگر
تناسل و توالد شروع ہو جائے،

تو مرغیوں کی طرح اس

نسل میں بھی ۲۵ - فیصدی اولاد خالص سفید رنگ کی ہوگی،
۲۵ فیصدی خالص سیاہ رنگ کی، اور ۵۰ - فیصدی سانولی۔

جسمانی خواص کے توارث کی یہ نوعیت، معنوی خواص کے
توارث کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اور یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے
کہ کیا اسی طرح انسان کے ذہنی و معنوی خواص و اوصاف میں
بھی توارث کا سلسلہ قائم ہے؟ اور اگر قائم ہے تو کیا اس کا قانون
بھی ایسا ہی ہے، اور ایسا ہی عددی تناسب رکھتا ہے، جیسا
جسمانی خواص کے توارث میں ہے؟ ان سوالات کا جواب بہت زیادہ
تفصیل و بحث کا محتاج ہے۔ اس لیے سر دست ہم انہیں نہیں
چھیڑتے۔

ایک بالکل سفید مرغی اور ایک بالکل سیاہ مرغ لو، اور ان کی
نسل کا تجربہ کر۔ اب ایسا ہوگا کہ ان دونوں کے اتحاد تناسلی سے
جو بچے پیدا ہونگے، وہ نہ تو بالکل سیاہ رنگ کے ہونگے، نہ بالکل
سفید رنگ کے۔ مخلوط قسم کے ہونگے۔ یہ اس نسل کا پہلا طبقہ
ہوگا۔ اس مخلوط رنگ کی مرغیوں کی نسل آگے بڑھنے پر۔ ان
سے جو دوسرا طبقہ نسل کا پیدا ہوگا، اس کی حالت یہ ہوگی کہ
ان میں ۲۵ - فی صدی مرغیاں بالکل سیاہ ہونگی، ۲۵ - فی
صدی بالکل سفید، اور ۵۰ - فی صدی مخلوط رنگت کی۔ کوئی
دوسرے طبقہ میں ان کے مورث اعلیٰ کی کامل رنگت ۲۵ - فی
صدی میں نمایاں ہوگی، مگر ۵۰ - فی صدی میں مورث ثانی
و اقرب کا سا مخلوط رنگ قائم رہا۔ اب اس دوسرے طبقہ سے
تیسرا طبقہ پیدا کر۔ اس تیسرے طبقہ کا حال یہ ہوگا کہ سفید سے
سفید بچے پیدا ہونگے۔ سیاہ سے سیاہ پیدا ہونگے۔ مگر مخلوط
رنگت کے بچوں میں پھر بھی تناسب نمایاں ہو جائیگا، جو دوسرے
طبقہ میں تھا۔ یعنی اس کی نسل میں ۲۵ - فی صدی سیاہ
اور ۲۵ - فی صدی سفید ہونگے۔ باقی ۵۰ - فی صدی اپنے
ماں باپ جیسے مخلوط رنگ
کے ہونگے !

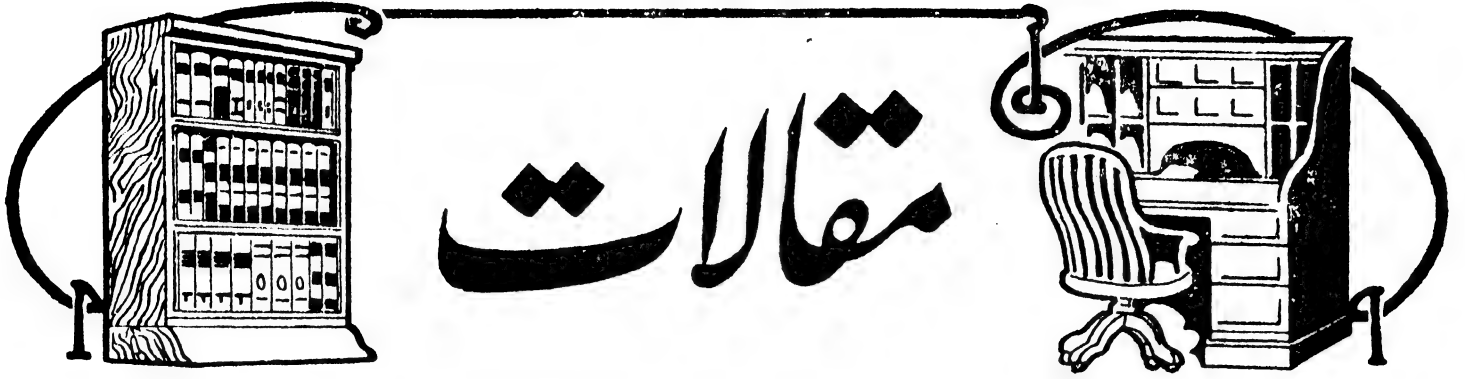
پھر ان ۵۰ - فی صدی
مخلوط رنگ والوں کی نسل
جب آگے بڑھیکی، تو
اس میں بھی یہ تناسب
برابر قائم رہیگا۔ یعنی ہمیشہ
نصف تعداد مخلوط رنگت
کی ہوگی اور ۲۵ - فی
صدی سفید، اور ۲۵ - فی
صدی سیاہ ہوگی۔

لیکن تیسرے طبقہ میں
جن افراد کے اندر آگے مورث
اعلیٰ کی کامل رنگت متواتر
ہوگئی تھی، ان کی نسل
میں مستقل ایک رنگت
قائم ہو جائیگی۔ سفید سے
ہمیشہ سفید بچے پیدا
ہونگے، اور سیاہ سے ہمیشہ
سیاہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ :

(۱) قانون توارث میں مورث اعلیٰ کے دو مختلف جسمانی
خواص، پہلے طبقہ میں ایک ایسا مزاج پیدا کر لیتے ہیں جو ملا جلا
مزاج ہوتا ہے۔ یعنی ان میں دونوں طرح کے خاصے اکھٹے ہو کر
مخلوط ہو جاتے ہیں۔

(۲) اس پہلے نسلی طبقہ نے جو مخلوط مزاج کر لیا ہے، وہ
نسل کی آئندہ افزائش میں ایک مستقل اور متواتر حیثیت اختیار
کر لیتا ہے، اور اپنی نسل میں برابر قائم رہتا ہے، لیکن ساتھ ہی
یہ عجیب بات بھی ہے کہ دوسرے طبقہ میں نصف تعداد ہمیشہ
وہی افراد کی پیدا ہوتی ہے، جن میں اس مخلوط و ممزوج حالت
کی جگہ مورث اعلیٰ کے انفرادی خواص، الگ الگ نمایاں ہو جاتے
ہیں۔ اس نصف تعداد میں آدمی تعداد ایک قسم کے خاصہ کی
اور آدمی ایک قسم کے خاصہ کی ہوتی ہے۔ اس طرح دو مختلف



عہد انقلاب اور شخصی استبداد

شخصی مطلق العنانی

دنیا کی موجودہ سیاست پر ایک سرسری نظر

کی طرح استبداد و قہر کی حکومت قائم کر دی - اس نے صاف اعلان کر دیا ہے " اس وقت اٹلی کو ایک ایسے زبردست حاکم کی ضرورت ہے جو ہر بے چینی کو کچل کر فنا کر سکے " یہی صورت اسپین، ترکی، یونان، اور اب چین میں پیش آ رہی ہے - ان تمام ملکوں میں شخصیتیں برسر حکومت آ گئی ہیں اور مفید یا مضر نتائج پیدا کر رہی ہیں - یہی نہیں بلکہ خود فرانس اور انگلستان میں بھی شخصیت کی طرف میلان بڑھ رہا ہے - فرانس میں تو ایک سال پہلے اخبارات تک میں یہ چرچا شروع ہو گیا تھا کہ موجودہ اقتصادی اور سیاسی گتھیوں کے سلجھانے میں جمہوری نظام حکومت ناممکن ثابت ہوا ہے - لہذا روس وغیرہ ممالک کی طرح یہاں بھی "ڈیکٹیٹر شپ" یعنی شخصی استبداد قائم ہو جانا چاہیے - انگلستان میں گراب تک اس قسم کا خیال با ضابطہ ظاہر نہیں کیا گیا، لیکن عملاً ملک اسی طرف جارہا ہے - موجودہ کنسر ویٹیو وزارت بھی درحقیقت ایک قسم کی ڈیکٹیٹر شپ ہی ہے اور اس کے رجعی (قدامت پسند) ہونے میں تو کوئی شک نہیں -

(تاریخ کا سبق)

آخر یہ صورت کیوں پیش آئی؟ اس انقلاب کی علت کیا ہے؟ تاریخ ہمیں کیا سبق دیتی ہے؟ جواب ظاہر ہے اور تاریخ عالم پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے - تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی سوسائٹی کے نظام میں برہمی پیدا ہوتی ہے اور دماغی بے تربیتی اور اختلال، عام ہو کر شرشوں اور بغاوتوں کا دروازہ کھول دیتا ہے، تو ہمیشہ یہی نتیجہ ہوتا ہے جو جنگ کے بعد آج ہم دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں - یعنی مضبوط ارادے کے افراد برسر اقتدار آکر اپنی شخصیتیں نمایاں کرتے ہیں اور نظام حکومت اپنی مرضی کے مطابق استوار کر دیتے ہیں -



غازی مصطفیٰ کمال پاشا

انقلاب فرانس، اس دعویٰ کی سب سے بڑی اور صاف دلیل ہے - کیسے جوش و خروش سے قوم بغاوت کے لیے اٹھی؟ حریت، مساوات، اخوت کا راگ کیسی بلند آہنگی سے الاپا؟ کیسے کیسے اصول و مبادی کا اعلان کیا گیا؟ لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ یہی نہ کہ آندھی کی طرح حریت و مساوات کی ہوائیں اٹیں اور نکل گئیں پھر جو فضا میں سکون پیدا ہوا تو گرد و غبار کے اندر سے مستبد شخصیتیں حکومت کی بے نیام آبدار تلواریں لئے نمودار تھیں! ان شخصیتوں میں سب سے آخری مگر سب سے زبردست شخصیت نپولین بونا پارٹ کی تھی - اس عجیب انسان نے یہی نہیں کیا کہ بغاوت اور انقلاب کا قلع قمع کر دیا بلکہ ساتھ ساتھ اپنی شہنشاہی بھی قائم

جنگ عظیم کے بعد یورپی دنیا، خاص کر یورپ اور بالخصوص ان ممالک نے عجیب پلٹا کھایا ہے جو میدان جنگ میں یہ کہہ کر اترے تھے کہ استبداد و ظلم مٹانا چاہتے ہیں - پہلے ان ممالک میں جو بھی نظام حکومت قائم تھا وہ جنگ کے بعد قائم نہ رہا اور علانیہ یا درپردہ اس میں بڑی تبدیلی ہو گئی ہے - لوگ سمجھتے تھے اس جنگ کے بعد دنیا میں جمہوریت اور کامل حریت کا دور درو ہو جائیگا اور آزادی کا ایک ایسا نظام جاری و ساری ہو جائیگا جس کے عشق میں انسانیت ہمیشہ سے سرگرداں ہے لیکن نتیجہ بالکل برعکس نکلا - جمہوریت و دستوریت کی جگہ شخصیت و استبداد نے لے لی - اس وقت کر ارضی کے اکثر ممالک میں شخصی حکومتیں قائم ہو گئی ہیں - فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلے بادشاہوں کی شخصیتیں زریں تختوں پر جلوہ گر نظر آتی تھیں اور اب عام افراد یا فوجی افسر حکومت کی کرسیوں پر نظر آتے ہیں -

روس میں خاندان رومانوف اور زار کی جگہ بالشویک ڈیکٹیٹروں (مطلق العنان حکام) نے لے لی ہے - لینن نے جس طور پر حکومت کی، وہ بھی زار ہی جیسی حکومت تھی - یعنی شخصیت، مطلق العنانی اور استبداد - یہ بات

دوسری ہے کہ زار کی شخصیت نے ملک کو تباہ کیا اور لینن کی شخصیت نے اسے زندہ اور خوش حال کر دیا - دنیا کی تاریخ میں لینن جیسے مطلق العنان حاکم کی کوئی مثال نہیں ملتی جس نے اپنے غیر متناہی اختیارات اس طرح عوام اور مظلوموں کی بہلائی میں صرف کیے ہوں -

یہی حال اٹلی کا ہے - اگرچہ پارلیمنٹ اور دستوری بادشاہ (یعنی محدود اختیارات رکھنے والا) بدستور موجود ہے لیکن حکومت ایک فرد واحد، موسولینی کے آہنی ہاتھوں میں ہے - یہ شخص پہلے انقلاب پسند اور اشتراکیت کا حامی تھا، پھر جنگ کے بعد ظلم پسند بن کر اٹلی پر حازی ہو گیا اور مستبد سے مستبد بادشاہوں

علم اور دین

کیا فی الحقیقت علم اور دین دو معارب فریق ہیں؟

وہ کہہ کر شور اٹھتا ہے کہ دین اور علم میں نزاع قائم ہے، اور یہ کہ علم اور دین، دونوں کی فطرت میں اس عداوت و تنازع کی بنیادیں مخفی ہیں۔ بلاشبہ یہ دعویٰ ایک مدت سے زبان زد خاص و عام ہے۔ مزید برآں تاریخ سے بھی ایسی شہادت ملتی ہے۔ صرف تاریخ ہی نہیں، خود ہمارا مشاہدہ بھی ایسی تائید کرتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ اب تک کوئی قطعی ثبوت اس دعوے کی صحت کا نہیں ملا۔ تاریخی واقعات اور ہمارے مشاہدے کتنے ہی کثیر ہوں، تاہم یقینی طور پر ثابت نہیں کر سکتے کہ دین اور علم کے طبائع فی الحقیقت باہم متضاد ہیں۔

موجودہ تمدنی حالات پر ایک سرسری نظر، اس دعوے کے مشکوک کر دینے کے لیے کافی ہے۔ موجودہ عہد میں مادی علم کا شدت و قوت سے بڑھ رہا ہے، جس کی نظیر کسی پہلے کی نہیں۔ لیکن باوجود اس کے ٹھیک علم کے رجحان کو بھی پوری مضبوطی سے قائم پائے۔ دینی روح انسانی قلب میں بہ حلیت غ نہیں ہوگی، جتنی اس وقت ہے۔ بے شک دنیا پر ایسے تمدنی درگزرے ہیں جن دہ گہمت گیا اور مادیت کے غوغا پر اسکا نعرہ اٹھ رہی ہیں یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے۔ آواز کتنی ہی پست کیوں نہ ہو گئی بنیادیں ہمیشہ یکساں طور پر استوار پوری تاریخ میں ایک لمحہ بھی ایسا بتایا نہیں دینی یقین و ایمان کے ستون متزلزل

نہم میں معرکہ برپا ہوتا تو اب تک مدت کا ۲۵ - صدیوں سے یہ دونوں نام نہاد حریف۔ مگر اب تک دنیا نے انکا کوئی فیصلہ کن فیصلہ نہیں دیکھا۔ کیا یہ طویل و عریض مدت بھی فیصلہ کے لیے کافی نہ تھی؟

لیکن فیصلہ ہوتا کیونکر؟ دونوں میں اگر فی الحقیقت کوئی نزاع ہوتی تو اس کا فیصلہ بھی وقوع میں آتا۔ یہاں سرے سے جنگ ہی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں اپنے اپنے فکر انسانی میں بالکل الگ الگ میدان رکھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر باقی و قائم ہیں۔ دونوں کا کہیں بھی حقیقی تصادم نہیں ہوتا۔ دونوں فکر انسانی کے دو علیحدہ علیحدہ مظہر ہیں۔

لیکن اگر حقیقت یہ ہے تو پھر اس طویل اور خونی تاریخ کی ہم کیا ترجیحہ کریں جبکہ دینی پیشواؤں نے علم کا کلا گھونٹنے کی کوششیں کیں؟ نیز اس وزارت طلبی کی کیا تاویل کریں جو اصحاب علم کی طرف سے اس وقت تک دین کو دبی جا رہی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیں کہ وہ دین جو طبیعت انسانی کا ثمرہ ہے، اور وہ علم جو عقل انسانی کا نتیجہ ہے، دونوں میں کبھی تصادم نہیں ہوا، جو تصادم ہوا ہے، وہ سراسر اس دین

قبول کر لیتیں اور ان پر عمل کرنے میں تیزی سے پیش قدمی کرتی ہیں۔ لہذا وہ زیادہ انقلاب پسند ہیں۔

برخلاف ان کے انگریز سکسن (انگریزی) قومیں، زیادہ عملی ہیں۔ محض نظریوں سے متاثر نہیں ہوتیں۔ ان کے جذبات اور دماغی رجحان زیادہ پائدار ہیں۔ وہ انقلاب کی طرف کم مائل ہوتی ہیں۔ جرمن قوموں کا بھی یہی حال ہے، مگر ان میں احساس کسی قدر زیادہ ہے۔

روس، روحانی و نظری خیالات کی طرف سب سے زیادہ مائل ہیں۔ کمزور عقل اور کمزور ارادہ رکھتے ہیں۔ اسی لیے ہر انقلابی دعوت کو لبیک کہنے کے لیے طیارہ رہتے ہیں۔ اس خصوصیت میں اگر ان پر کوئی سبق لے گیا ہے تو وہ یہودی ہیں۔ یہ قوم باغیانہ دماغ رکھتی ہے اور ہر جگہ بغاوت کی تخم ریزی کرتی ہے۔ ایک محقق نے بتلایا ہے "اجتماعی نظامات پر سب سے زیادہ نکتہ چیں اور بغاوت کی سرگرم دعوت دینے والی کتابیں زیادہ تر یہودیوں ہی کے قلم سے نکلی ہیں۔ حتیٰ کہ موجودہ سرشیلڈزم یا بالشویزم بھی ایک یہودی ہی کی ایجاد ہے۔ اس کا نام کارل مارکس تھا۔ اور اس مذہب کے بڑے بڑے ارکان مثلاً لینن، ٹراسکی، النسل ہیں۔ یہودیوں کے اس خاصے کے درسا وہ سامی نسل ہیں۔ اور معلوم ہے کہ سامی نسل نظریات کی دلدادہ ہوتی ہے۔ دوسرے یہ حالات نے یہودیوں کا دماغ باغیانہ کر دیا سب سے زیادہ مصیبتیں اسی قوم نے دیکھی ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اُس میں بغاوت و ہرگئی ہے۔

پھر یہ بات بھی خاص طور پر یاد رکھنے۔ جمود و تقلید کی زیادہ دلدادہ ہوتی ہیں اور تبدیلی کے ساتھ اپنے تئیں بدلتی نہیں دے اڑی رہتی ہیں، وہ اگرچہ دیر میں انقلابی مگر جب ایک دفعہ ہر جانی ہیں تو پھر انہیں انفجار بھی ہوتا ہے اور اچانک ان کی سرساز ہے۔ اس اصل کی بنا پر پیشین گوئی ہندوستان میں جب کبھی انقلاب ہوگا تو نہ اور پوری موجودہ سرسائٹی کو درہم برہم کر دالے۔ یہ ملک سخت جمود کی حالت میں رہا ہے اور تدریجی ترقی سے برابر انکار کرتا رہا ہے۔ ہندوستان میں جب انقلاب آئے گا تو دنیا بھر کے انقلابات سے زیادہ موثر ثابت ہوگا اور شاید سرسائٹی کی موجودہ کوئی چیز بھی باقی نہ چھوڑے گا۔ عادات و اطوار، رسم و رواج، خیالات و افکار غرضکہ کوئی شے بھی اس کی ضرب سے نہ بچے گی۔ اگر ایسے ہولناک انقلاب سے بچنا ہو تو اس کی صرف یہی ایک تدبیر ہے کہ ابھی سے ملک کو تدریجی ترقی پر لگایا جائے۔ جوں جوں حالات بدلیں، ملک میں بھی تبدیلی پیدا کی جائے۔ رزہ موجودہ جمود اور تھراؤ، آئندہ قیامت کا پیش خیمہ بننے والا معلوم ہوتا ہے۔

اس طرح ہر دباؤ پر وہ ایک نئی صورت میں تبدیل ہوتا جائیگا۔ پس اگر انسانی جماعت کی طبیعت بھی اسی مانے کی طرح نرم ہوتی، اور اُس میں جمود و قدامت پرستی کی ٹھوس صفتیں نہ ہوتیں، تو ظاہر ہے، کیسی طوائف الملوکی اور انتشار پیدا ہو جاتا؟ رز رز اُس میں تبدیلیاں ہوتی رہتیں، اور نظام انسانی تہ و بالا ہو کر رہ جاتا۔

تمام عملی فلسفہ شمار کرو۔ سقراط کا مذہب دیکھو، کلبی، ایپی کوری، رزائی، مٹائی، زغیرہم کے مذاہب پر نظر ڈالو۔ اُس کے بعد غور کرو کہ اگر اجتماع انسانی کا مزاج نرم مادے کی طرح ہر وقت تبدیلی قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا، تو ان بے شمار متضاد مذاہب کی موجودگی میں اُس کا کیا حال ہو جاتا؟ یقیناً اُس کا سارا نظام علم و فکر زبر و زبر ہو جاتا اور کوبی وسطی و اصاح راہ پیدا نہ ہوتی۔

یہی حال سیاست، دین، زبان اور ان تمام امور کا ہے جن پر تمدن کے ستون قائم ہیں۔

پس اب یہ واضح ہو گیا کہ تقدم و ارتقاء ایک ایجابی قوت ہے، جسے باوجود مقاربت کرنے کے سلبی قوت یعنی جمود کی صفت مدد دیتی اور آگے بڑھاتی ہے۔ اگر اجتماع انسانی ایک مادی دقیقہ ہوتا تو اُسے جواہر باہم جذب و دفع کے متضاد عملوں میں مصروف نظر آئے۔ کیونکہ یہ متضاد عمل، اُس کی ہستی قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے۔ ٹھیک اسی طرح تقدم و جمود کی متضاد صفتیں بھی اجتماع انسانی کے بقاء و دوام اور نشو و ارتقاء کیلئے لازمی ہیں۔

بنابریں ہمیں قدامت پرست جامدن کو یک قلم برا نہیں سمجھنا چاہیے۔ انکا جمود بھی بقاء و حیات کیلئے اسی طرح ضروری ہے، جس طرح تعدد اور تقدم پر عمل کرنے والوں کا وجود ضروری ہے۔ جامدن، اجتماع انسانی کیلئے ایک سلبی قوت ہیں، جو جماعت کی رفتار میں اعتدال و توازن پیدا کرتے رہتے ہیں۔

(۳)

ہربرٹ اسپنسر نے اپنی کتاب ”مبادی معاشرت و اجتماع“ ما بعد الایات کے تصور کی بحث نے شروع کی ہے۔ وہ کہتا ہے، تطور کی تین قسمیں ہیں: (۱) تطور غیر عضوی اور اسکا تعلق آسمان و زمین اور سیاروں کی بنا سے ہے۔ (۲) تطور عضوی اور اسکا تعلق طبیعی ظاہر سے ہے جنہیں ہم طبیعت حیہ اور مختلف درجوں کے نبات و حیوان کی ترکیب میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر وہ مظاہر ذہنی (سائیکا لوجی) جو اُن صور حیہ کا خاصہ ہیں جو ترقی کی اُس حد کو پہنچ گئی ہیں جہاں طبیعت تطوّر نے انہیں ان مظاہر کا اہل بنا دیا ہے۔ (۳) تطور ما بعد الایات یا ما بعد العضویات۔ یہ فی الحقیقت حالى اجتماع کا سن بلوغ اور جماعت کے افراد میں تقسیم عمل ہے۔

اگر ہم اِس اصول کی تحلیل کریں اور اپنے موضوع سے تطبیق دیں، تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ تطور مابعد الایات، نشو و ارتقاء کی درجہ ہے جس تک حیوانی جماعتوں کی ترقی پہنچتی ہے۔ انسان بھی اِس سب میں حیوان کا شریک ہے بلکہ مابعد الایات میں اُس زیادہ سے زیادہ ترقی تک پہنچ گیا ہے جہاں تک حیوان سے پہنچنا ممکن ہے۔ اگر یہی ہے تو پھر انسان کو باقی مخلوق پر کیا امتیاز حاصل ہے؟ انسان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے مابعد العقلیت سے ایک ایسی قوت حاصل کرتا ہے جسکے ذریعہ اپنی عقل کو اپنے مجموع کی ہولائی میں لگاتا ہے!

اور علم میں ہوا ہے جو لاهوتی پیشواؤں کا مبتدع دین ہے اور ناقص و خام مدعیان علم کا کج اندیش علم ہے، تو ہم بڑی آسانی سے نہ صرف پچھلی تاریخ کے تمام حوادث کی تحلیل کر سکیں گے، بلکہ مستقبل کے واقعات پر بھی روشنی ڈال سکیں گے۔

(۲)

انسانی جماعتیں شعور رکھتی ہیں مگر فکر نہیں رکھتیں۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ جماعت کی شعوری ترقی کا پیمانہ، اُسکا وہ فرد ہے جو سب سے زیادہ کمزور فکر، سب سے زیادہ مضطرب شعور، رکھتا ہے۔ جماعت جس طرح محض شعور رکھتی ہے، اُسی طرح سراسر جمود سے بھی لبریز ہوتی ہے۔ اور یہ کہ اُسکا یہ جمود ترقی کے گونا گون میدانوں میں اُسکے قدموں کے توازن کیلئے ضروری ہے۔

سالہا سال سے علماء اجتماع وہی کہہ رہے ہیں جو گستاخ لیبیاں کا نظریہ ہے۔ لیکن کبھی اُن کے ذہن میں یہ حقیقت نہیں آئی کہ جماعت، ایک جامد مخلوق ہے۔ تغیر و تجدید بہت دیر میں قبول کرتی ہے۔ اِس بارے میں مجھے صرف ایک انگریز عالم کارل پیرسن کا قول ملا ہے۔ وہ کہتا ہے:

”دارن اور اسپنسر کی تصانیف میں بڑا فرق یہ ہے کہ اسپنسر کی کتابیں باوجود اپنی تمام قوت و تاثیر کے جلد مت جائیگی۔ برخلاف اِس کے دارن کی کتابیں باقی رہیگی۔ کیونکہ اُن میں بے نظیر بصیرت اور قوت ادراک موجود ہے۔ اِن کتابوں نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایسے اصول و مبادی پیش کر دیے، جنہوں نے دنیا کو قدیم افکار کے بدلنے پر مجبور کر دیا۔ نیز ہمارے اخلاقی مطمح نظر کو بھی اونچا کرنا اور ہمارے سامنے میدان زیادہ وسیع کرنا شروع کر دیا ہے۔ بلاشبہ اِن اصول و مبادی کا اثر بہت سست رفتار ہے، لیکن یہ سست رفتاری ہمیں نا امید نہ کرے۔ سب سے قوی موثر، جو ہمارے اجتماعی بقاء کی عمارت محفوظ رکھتا ہے، وہ بھی صفت ہے جسے ہم سب سے زیادہ مکروہ رکھتے ہیں۔ یعنی قدامت اور جمود کی صفت۔ اِسی قدر نہیں بلکہ وہ دہشت ناک مخالفانہ صدائیں جو ہر جدید فکر کے خلاف جماعت کی طرف سے بلند ہو جاتی ہیں، ہماری اجتماعی زندگی کی حفاظت کے لیے قوی ترین موثر ہیں۔ جماعت کا یہ جمود اُس کے جسم کی محافظت کرتا ہے اور اُنکے نئے تجربوں کا تختہ مشق بننے نہیں دیتا۔ نیز صالح کو غیر صالح اور اصل کو غیر اصل سے متمیز کر دیتا ہے“

عالم مادی اور جماعت انسانی کی تکریم میں بہت بڑی مشابہت موجود ہے۔ دونوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جو اُن کے نظام و توازن کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ جس طرح جوہر فرد (ایٹم) میں دو متضاد کیمیائی لہریں: ایجابی اور سلبی جاری ہوتی ہیں، یا جس طرح تمام مادی دقائق میں جذب و دفع کی دو مخالف قوتیں جمع ہوتی ہیں، ٹھیک اُسی طرح اجتماع انسانی میں تقدم و جمود کے دو مخالف عناصر ہوتے ہیں۔ زندگی کے لیے موت لازمی ہوتی ہے اور موت کے لیے بعث (دوبارہ زندگی) ضروری ہوتا ہے۔ اِس طریقہ پر غور کرنے سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جماعت کی سلبی صفت جنہیں ہم نا پسند کرتے ہیں، درحقیقت اُس کے بقاء کے لیے ناگزیر ہیں۔

اِس حقیقت کو زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے کوئی نرم مادہ لے لو اور اُس پر دباؤ ڈالو، تم دیکھو گے کہ دباؤ کے ساتھ ہی اُس کی شکل بدل جائیگی۔ پھر دوبارہ اُسے دباؤ دے دو، فوراً دوسری شکل اختیار کرے گا۔

اس تقریر کی قانونی اور ادبی 'دونوں حیثیتیں' ایسی ہیں کہ ضروری ہے 'اور علم انب اس سے خالی نہ رہے۔ ہم نے حتی الوسع لفظی ترجمہ کیا ہے۔

(وگٹر ہیگرو کی تقریر)

"سرکاری وکیل کے ابتدائی الفاظ سننے کے بعد میں نے یقین کر لیا تھا کہ وہ الزام سے دست بردار ہو جائیگا۔ لیکن میرا یہ یقین 'محض بے بنیاد وہم ثابت ہوا اور بہت جلد دور ہو گیا۔ سرکاری وکیل نے متعدد کوششیں کیں (جو سب کی سب نا کام رہیں) کہ موضوع کو محدود و محصور کر دے۔ لیکن موضوع کی طبیعت نے اسے تفصیل پر مجبور کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام پہلوؤں میں آگئے اور وکیل کی خلاف مرضی معاملہ نے اپنی پوری اہمیت حاصل کر لی۔ لیکن مجمع اس نتیجہ پر کوئی شکایت نہیں ہے۔

"میں اب بلا کسی تمہید کے فوراً الزام کا مقابلہ کرتا ہوں۔

"لیکن سب سے پہلے ہمیں ایک بنیاد پر متفق ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ مشہور مقولہ ہے "موضوع کی عمدہ تعریف عمدہ بحث پیدا کرتی ہے" پس ہمیں سب سے پہلے یہ طے کر لینا چاہیے کہ "قانون کی حرمت" کے معنی کیا ہیں؟ یہ اس لیے کہ آج کی بحث کی بنیاد یہی مسئلہ ہے۔

"نا ممکن ہے اس جملہ کے معنی یہ ہوں کہ قانون کی حرمت کے بہانے سے قانون پر نکتہ چینی رک رک دی جائے۔ اس جملہ کے معنی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتے کہ قانون کی تنفیذ کا احترام کیا جائے اور بس۔ یہ جملہ 'نکتہ چینی کی پوری آزادی دیتا ہے' سخت سے سخت نکتہ چینی کی بھی، بلکہ مذمت کی بھی۔ صرف ایک قانون ہی کی نہیں بلکہ خرد ملک کے دستور (کانسٹیٹیوشن) کی بھی جو سب سے اعلیٰ قانون ہوتا ہے۔

"یہ جملہ ہمیں پوری آزادی دیتا ہے کہ تشریعی قوت (قانون ساز قوت) کو کسی "خطرناک" قانون کی منسوخی پر آمادہ کریں۔ اسی قدر نہیں بلکہ یہ ہمیں اجازت دیتا ہے کہ قانون کی راہ میں ہر قسم کی اخلاقی اور معنوی دشواریاں حائل کریں۔ بلا شبہ وہ ہمیں مادی دشواریاں پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

"قانون دفن ہونے کو اگرچہ کتنا ہی خراب، کتنا ہی ظالمانہ، کتنا ہی وحشیانہ ہو۔ اپنے دل و دماغ کے سامنے اُسکی شکایت کرو۔ مقنن سے شکوہ کرو۔ مگر خود قانون کو روکو نہیں۔ اسے جاری ہونے کو۔ بیانگ دھل کہہ کر وہ خراب ہے۔ ظالمانہ ہے۔ وحشیانہ ہے۔ لیکن اُسکی راہ رک کر کہو نہ ہو۔

"ہم نکتہ چینی کریں گے۔ مذمت کریں گے۔ مگر بغاوت نہیں کریں گے۔ یہی وہ حقیقی معنی ہیں، یہی وہ وحید معنی ہیں "قانون کے احترام" کے، اگر یہ نہیں تو اسے حضرات ذرا غور تو کیجیے۔

"قانون سازی کا مشکل عمل دو قسموں پر منقسم ہوتا ہے: مقنن اور اخبارات۔ اگر میٹری تشریع قبول نہ کی جائے تو اسکا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ دوسری قسم معدوم ہو جائیگی۔ کیونکہ اخبارات کا فرض ہے کہ قوانین پر نکتہ چینی کر کے مقنن کو قانون سازی میں مدد دیں، وہ مدد جس کے بغیر کوئی قانون مشکل نہیں ہو سکتا۔ جب یہ قسم معدوم ہو جائیگی تو قدوسی طور پر پہلی قسم، یعنی مقنن کا وجود بھی بیکار ہو جائیگا۔ یعنی ہماری پارلیمنٹ معطل ہو کر رہ جائیگی اور اس کے لیے اس کے سوا کوئی کام باقی نہ رہے گا کہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔

کیا قانون کی نکتہ چینی، قانون کی توہین ہے؟

تاریخ قوانین مدینہ کا ایک صفحہ

وگٹر ہیگرو کی تقریر اپنے لڑکے کی حمایت میں

(۱)

سنہ ۱۸۵۱ء کا واقعہ ہے کہ فرانس میں ایک مجرم کو قتل کی سزا دی جا رہی تھی۔ مجرم نے گارنٹین (انقلاب فرانس کے الٹ قتل) پر چڑھنے سے انکار کیا، شور مچایا، وارپلا کیا، نوحہ و بکا کیا، سخت جسمانی مزاحمت کی، مگر اُسکی کڑی سعی کارگر نہیں ہوئی۔ عدالت فیصلہ کر چکی تھی۔ جلاؤں نے بے دست و پا کر کے اسے گارنٹین پر چڑھایا اور قتل کر دیا گیا۔

فرانس کے مشہور شاعر و کاتب وگٹر ہیگرو نے لڑکے چارلس ہیگرو نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، تو بے اختیار ہو گیا اور قتل کی سزا کے خلاف اخبار L'Evenement میں ایک مضمون شائع کیا۔ حکومت کی نظر سے یہ مضمون گزرا تو کاتب پر قانون کی توہین کا مقدمہ دائر کیا، کیونکہ اس مضمون میں براہ راست قانون کی اس نوعیت پر حملہ کیا گیا تھا۔

اس واقعہ نے فرانس میں سخت ہلچل ڈال دی۔ بیک وقت دو بحثیں پیدا ہوئیں: سزائے قتل کی اخلاقی حیثیت اور قانون کی "نکتہ چینی" اور قانون کی "توہین" میں فرق۔ انہی دونوں اہم بحثوں پر وگٹر ہیگرو نے ۱۱ جون سنہ ۱۸۵۱ء کو عدالت میں ایک بہت ہی بلیغ اور پر زور تقریر کی۔ اس موضوع پر یہ تقریر بے نظیر سمجھی جاتی ہے۔ اس میں فرانس کے شاعر نے قوت و استدلال اور قوت خطابت دونوں کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔

فرد اور جماعت کبھی متفق نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ درمیانہ وجود ہیں۔ دونوں کی طبیعت ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ایک ہی زمانہ میں رہنے والے افراد کی عظیم تعداد کبھی بھی جماعت کے تصور اور اس کے مظاہر پر متنبہ نہیں ہوتی اور نہ اس تصور کو بھلائی اور امن کی طرف لانے کی کوشش کرتی ہے۔ فرد جماعت کے تصور سے خود بھی تصور حاصل کرتا ہے۔ لیکن اسے وقوع کی اسے ہرگز کوئی خبر نہیں ہوتی۔ پھر خود جماعت بھی اپنے تصور کا کوئی احساس نہیں کرتی، یہاں تک کہ امتداد زمانہ، جماعت کے تدریجی تصور کو نمایاں کر دیتا ہے اور آئندہ نسلیں اسے محسوس کرتی اور دیکھتی ہیں۔

فرد کا جماعت کے شعور کے ماتحت آجانا اسے اپنی مستقل عقلیت سے دور کر دیتا ہے۔ جماعتی شعور کا دھارا اسے جدر چاہتا ہے، 'بہا لیجانا ہے: شر کی طرف یا خیر کی طرف۔ جماعتی شعور اور انفرادی عقلیت کی جنگ نے پوری انسانی تاریخ بنالی ہے۔ تمام جنگی حوادث، اجتماعی انقلابات اور مختلف مدنیات کے قیام میں ہمیں ہر جگہ یہی حقیقت نمایاں نظر آتی ہے۔ یہی روح، انسانیت کی گردن پکڑے ہمیشہ کھینچتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

نظروں سے دور - میں اس پر مطمئن ہوا - میں نے اسے اپنا منہ چھپاتے دیکھا اور اس شرم و حیا پر مبارک باد دی - لیکن اے حضرات ! یہ میری غلطی تھی - کیوں کہ اس نے بہت جلد اس عارضی حیا کا پردہ چاک کر ڈالا اور انتہائی بے شرمی کے ساتھ باہر نکل آئی !

”سان جاگ کا قید خانہ یقیناً اس ملکہ قتل (یعنی گلوٹیں) کے لیے توہین آمیز ہے - لہذا اب ہمیں طیارہ جانا چاہیے کہ جلد اسے پھر عام میدانوں میں سرچ کے نیچے دیکھینگے - جلدوں کی قطاریں اس کے سامنے کھڑی ہونگی - مسلم پولیس اور فوج اس کے اعزاز میں دست بستہ ہوگی - بہت ممکن ہے اس کا تخت خونیوں، اسی بلدیہ (کارپوریشن) کے روشن دانوں کے نیچے بچھایا جائے جس کی کھڑکیوں میں کھڑے ہو کر بعض نالائقوں نے ۲۴ فروری کو اسے چلا چلا کر گالیاں دی تھیں -

”اب گلوٹیں پھر طیارہ کر رہی ہے - اس نے سوچنا شروع کر دیا ہے کہ مضطرب ہیئت اجتماعیہ کو اپنے استقرار کے لیے پھر تمام پچھلی روایات کی طرف لوٹ جانا چاہیے - چونکہ وہ خود بھی ایک قدیم رسم ہے اس لیے اسے بھی از سر نو آگے بڑھنا چاہیے - وہ تمام مصلحتوں کے خلاف احتجاج بلند کر رہی ہے کیونکہ انہوں نے انتہائی گستاخی کے ساتھ اعلان کیا تھا کہ سر کاتے کا آلہ اس مجمع کا نشان نہیں ہوسکتا جس کی کتاب انجیل ہے !

”وہ ان مصلحتوں پر سخت خفا ہے - کیونکہ محسوس کرتی ہے کہ ان خیالی آدمیوں کے سامنے جو نظام اطاعت نہیں جائے وہ بے وقعت ہوتی ہے (قہقہہ) وہ چاہتی ہے دنیا بھر اُسکی عظمت کا راگ گائے اور اُسکے سامنے تعظیم سے جھک جائے - اگر ایسا نہیں ہے تو وہ خفا ہو جائیگی، اپنی توہین پر شور مچائیگی، عدالت میں دعویٰ کریگی، اور معارضہ طلب کریگی“ (قہقہہ)

جم - مقرر کے بیان پر استحسان یا مذمت کا اظہار قطعی طور پر ممنوع ہے - اس موقع پر قہقہہ نہایت نا مناسب ہے -

وکر ہیگو (تقریر جاری رکھتے ہوئے) ”یہ ملکہ معظمہ (گلوٹیں) خون کی مالک ہے - لیکن وہ اسے کافی نہیں سمجھتی - وہ جرمائے اور قیدخانے کی بھی حاکم بننا چاہتی ہے -

”محترم عدالت ! جس دن میرے سامنے وہ پرانہ پیش کیا گیا جو میرے لوگ کے نام آیا تھا - یعنی اس مقدمہ کا سمن (آج کل ہم کتنے عجائبات دیکھ رہے ہیں اور ہمیں عجائبات دیکھنے کا کس قدر عادی ہونا چاہئے ؟) مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ وہ پرانہ دیکھ کر میری حیرت کی کڑی حد نہ رہی - میں نے تعجب سے کہا - کیا ؟ ... تو کیا اب ہم اس حد تک پہنچ گئے ہیں ؟ کیا اب ہم اس وجہ سے مجرم قرار پائینگے کہ عقل، ضمیر، آزادی خیال، اور قانون طبیعت کے حامی ہیں ؟ کیا اب ہم سے صرف مادی احترام کافی سمجھا نہیں جاتا (جس سے ہمیں کبھی انکار نہیں ہوا) جو ہم پر واجب ہے اور جسے ہم فعلاً پیش بھی کر رہے ہیں (بلکہ اب ہم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ معذرتی احترام بھی ان سزاؤں کیلئے پیش کریں جو انسانی ضمیر کو پاش پاش کر رہی ہیں - جنہیں دیکھ کر ہر عقلمند کا رنگ فق ہو جاتا ہے - جسے دین نفرت کر رہا ہے ؟ وہ سزائیں جو سنگ دلی سے بھی بڑھ کر ایک برائی ہیں - جتنے نفاق کے بعد آتکی تلافی معال ہے - جو بالکل اندھی ہیں - وہ سزائیں جو انسانی خوں سے تر ہوتی ہیں - جو دین سے بالکل دور ہیں - وہ جب مجرم کے سر پر نازل ہوتی ہیں تو شبہ ہوتا ہے کہ انسانی اس عالم میں موجود نہیں ہے - جب کے گناہ ہوتے ہیں تو خود خط کے وجود میں شک پیدا ہو جاتا ہے ...

”میرے خیال میں سرکاری وکیل کی منطق یہ خواہش تو نہ رکھتی ہوگی (قہقہہ)

”اس مسئلہ کے صاف کردینے کے بعد اب میں اصلی موضوع پر متوجہ ہوتا ہوں -

”جم اور جیوری ! اس ضابطہ قانون میں جسے ہم ”قدیم یورپین ضابطہ قانون“ کہہ سکتے ہیں ایک ایسا قانون موجود ہے جس کی منسوخی پر گزشتہ سو برس سے تمام فلاسفہ، مفکرین اور حقیقی سیاست دان زور دے رہے ہیں - سب کا بیک زبان مطالبہ رہا ہے کہ ”مقدس تعزیرات“ سے یہ قانون ہمیشہ کے لیے نکال دیا جائے -

”اس قانون کے متعلق بکارپا نے کہا تھا ”یہ بے دین قانون ہے“ فرانکلین کہا کرتا تھا ”یہ خوفناک قانون ہے“ لیکن ہمیں معلوم ہے ان دونوں پر کبھی توہین قانون کا مقدمہ نہیں چلایا گیا -

”اسی قانون کے بارے میں لوئی فلپ نے (جس کا نام میں اس احترام کے بغیر نہیں لے سکتا جو پیری اور بد نصیبی کے لیے لڑ رہا اس شخص کے لیے ضروری ہے جو اس قانون کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا ہو) کہا تھا ”زندگی بھر میں اس سے نفرت کرتا رہا ہوں“ اسی قانون پر مسیو جیز اور مسیو لی بزرگلی نے سختی سے نکتہ چینی کی تھی -

”یہی وہ قانون ہے جسے ہماری پارلیمنٹ نے اب سے بیس برس پہلے تسلیم کیا ہے - یعنی اکتوبر سنہ ۱۸۳۰ ع میں - حالانکہ ٹھیک اسی زمانہ میں ایک نیم وحشی امریکن پارلیمنٹ نے اسے ملک کے ضابطہ قوانین سے خارج کر دیا تھا -

”یہی وہ قانون ہے جسے تین سال ہوئے فرانکفرٹ کانگریس نے منسوخ کیا - اور اسی کو چند سال ہوئے انجمن جمہوریت روملن نے باطل کر دیے جانے کا فیصلہ کیا ہے -

”یہی قانون ہے جسے ہماری مقنن مجلس نے سنہ ۱۸۴۸ ع میں برے پس پیش کے بعد منظور کیا تھا - یہی وہ قانون ہے جو اس وقت جب کہ میں تقریر کر رہا ہوں ان دو تجویزوں کے رحم پر زندہ ہے جو اس کے خلاف ہماری مقنن مجلس میں پیش ہیں -

”یہی وہ قانون ہے جسے ٹسکانیا اور روس دونوں تھکرا چکے ہیں اور اب وقت آگیا ہے کہ فرانس بھی اسے نفرت سے ٹھکرا دے -

”یہی وہ قانون ہے جس کے سامنے سے انسانی ضمیر نفرت و کراہت کے ساتھ بھاگتا ہے -

”وہ قانون کیا ہے ؟

”قتل !

”اور اے حضرات ! یہی وہ قانون ہے جس نے آج یہ مقدمہ پیدا کیا ہے - یہی ہمارا حقیقی دشمن ہے - ممکن ہے سرکاری وکیل کو غصہ آجائے - لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کے پیچھے بھی یہی قانون چھپا ہوا ہے (قہقہہ)

”مجھے اعتراف ہے کہ مسیور لیں فوش کی طرح گزشتہ بیس برس سے میں بھی یقین کرتا تھا کہ ”اب گلوٹیں“ عام میدانوں میں ظاہر نہیں ہوگی - لیکن مجھے یہ بھی یقین تھا کہ اب گلوٹیں قانونی نقاب لڑھکتی جاتی ہے - اب اس کی حیثیت پلے سے بہتر ہوگئی ہے - اب اس نے میدان چھوڑ دیا ہے، جہاں سورج چمکتا اور مخلوق جمع ہوتی ہے - اب وہ سوکوں کا ہجوم پسند نہیں کرتی - اب اس کا تماشہ دل پسند نہیں رہا - اب وہ تماشہ تالیفی نہیں دیکھتی ہے - ”سان جاگ“ کے قید خانے میں - خالی جگہ میں - لوگوں کی



ہندوستان کی تجارت پر مشرق و مغرب کا تصادم

— — —

امریکا اور اس امید کے اکتشافات

— — —

واسکو ڈی گاما نے ایک عرب کے ذریعہ کامیابی حاصل کی

— — —

مشہور مصری کاتب و محقق احمد زکی پاشا نے اپنے ایک سلسلہ مضامین میں مندرجہ بالا عنوانوں پر جو روشنی ڈالی ہے، وہ نہایت اہم اور دلچسپ ہے۔ انکی بحث خلاصہ حسب ذیل ہے:

”صلیبی جنگوں نے بہت سی مغربی قوموں کے مقبوضات، شام میں پیدا کر دیے تھے۔ ایشیا کے دروازوں پر ان مقبوضات سے یورپ کو بہت فائدہ حاصل ہو گئے۔ تمام مشرق کی مصنوعات حاصل کرنے اور ہندوستان سے تجارت بڑھانے کے بہترین موقع میسر آ گئے صلیبیوں نے کبھی کبھی اتنی قوت بھی پیدا کر لی تھی کہ خود دمشق اور قاہرہ سے خراج وصول کیا کرتے تھے۔ (۱) انہوں نے کرک پر قبضہ کر کے حجاز کے راستہ پر تسلط حاصل کر لیا تھا۔ عقدہ اور طور پر بھی قبضہ جمانے کی کوشش میں تھے اور قریب تھا کہ پورے بحر احمر پر چھا جائیں۔ (۲)

لیکن مشرق قریب کے سلاطین، عین وقت پر بیدار ہو گئے۔ ان میں باہم سخت حسد و منافست تھی۔ تاہم مشترک خطرے کے سامنے متفق ہو گئے اور اسد الدین، نور الدین، صلاح الدین، نجم الدین، ملکہ شجرۃ الدر، ملک الظاہر بیبرس، منصور قلاوین کی یادگار کوششوں نے مصر اور شام کی سرزمینیں یورپیوں کے حملہ آوروں سے پاک کر دیں۔

(۱) دیکھو ابن فضل اللہ کی مسالک الاہصار

(۲) ابن فضل اللہ نے اپنی کتاب ”التعریف بالمصطلح الشریف“ میں لکھا ہے کہ اہل فرنگ نے کرک میں بحری بیڑے طیار کیے اور انہیں لہر بحر قلم میں پہنچے تاکہ حجاز پر حملہ آور ہوں اور اپنے دل کا بھار نکالیں۔ لیکن ایوبی اور عثماني ہتھوں نے انہیں پسپا کر ڈالا۔ صلاح الدین ایوبی نے ایک جگہ سے اسی گرفتار کر لے کر اسی طرح قریب کے حجاز پر قبضہ کیا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (۳)

”لیکن نہیں! نہیں! ہو گئے نہیں! ہم ابھی اس حد تک نہیں پہنچے ہیں... میں نے کہا مجھے پررہانہ دیکھ کر سخت خیریت ہو گئی (آپ عذریہ جان لینے میری حیرت کس درجہ عظیم تھی) کیونکہ میں نے خیال کیا، اگر اس ”جرم“ کا کوئی حقیقی مجرم ہے، تو وہ میرا بیٹا نہیں، خود میں ہوں۔“

”میں اس وقت عدالت کے سامنے پوری صفائی سے اعلان کرتا ہوں کہ اس جرم کا حقیقی مجرم میں ہوں، میں! کیونکہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں ہی ان سزاؤں کے خلاف ہر ممکن ذریعہ سے جنگ کر رہا ہوں۔“

”میں تصدیق کرتا ہوں کہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں نے ہر طریقہ سے ”انسانی زندگی کی حرمت“ بچانے کی کوشش کی ہے۔ یعنی وہی جرم کرتا رہا ہوں جو اس وقت میرے لئے پر عائد کیا جا رہا ہے۔ میں نے یہ جرم اپنے لئے سے بہت پہلے شروع کیا تھا اور اس سے کہیں زیادہ سخت طریقہ پر اسکا ارتکاب کرتا رہا ہوں۔ مہربان سرکاری ریکل! دیکھو، میں خود اپنے خلاف گواہی دے رہا ہوں۔ میں اقبالی مجرم ہوں۔ حلفیہ اقبال کرتا ہوں۔ میں نے ہر موقع پر یہ جرم کیا ہے۔ بار بار کیا ہے۔ اصرار کے ساتھ کیا ہے۔ ہمیشہ کرنے کا عزم رکھا ہے۔ یہ عزم اس وقت بھی میرے گلاب میں موجود ہے۔ بلکہ اس وقت بھی میں اس جرم سے آلودہ ہو رہا ہوں۔ خود عدالت کے سامنے آلودہ ہو رہا ہوں!

”ہاں... میں خود اپنی زبان سے بغیر کسی جبر و اکراہ کے اپنے جرم کا اعلان کرتا ہوں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں زندگی بھر ان تمام قوانین کی بیخ کنی کرتا رہا ہوں جو وحشیانہ ہیں۔ میں ہمیشہ اس بوزے قانون کا دشمن رہا ہوں جو کہتا ہے ”آئندہ کے بدلے آئندہ اور دانت کے بدلے دانت“ محترم جج اور جیوری! میں آپکے سامنے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ بھی زندگی بھر ایسے تمام قوانین سے جنگ کرتا رہوں گا۔ میں ایک مصنف کی حیثیت سے عمر بھر اپنے قلم سے انکی مخالفت کروں گا، اور ایک مقلد کی حیثیت سے اپنی آواز ہمیشہ انکے برخلاف بلند رکھوں گا۔“

”اے حضرات! میں اعلان کرتا ہوں (یہ کہو مقرر نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر کے طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے جو عدالت کے کمرے میں آویزاں تھی) اس ذات کے سامنے جو اسی قانون قتل کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائی گئی، جسکے سامنے اس وقت ہم کھڑے ہیں۔ یہ مقدس تصویر ہمیں اس وقت دیکھ رہی ہے۔ میں اس مقدس ”قربانی“ کے سامنے قسم کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں۔ یہ وہ ہستی تھی جس نے انسانیت کی ابدی تعلیم کی خاطر، اپنے تئیں جلادوں کے حوالہ کر دیا۔ انسانی قانون نے اسے سولی پر لٹکایا، حالانکہ اسکا وجود خود ”قانون الہی“ تھا۔“

”ہاں میں اسی تصویر کے روبرو بار بار کہتا ہوں کہ میرے لئے جو کچھ لکھا، وہ صرف اس وجہ سے لکھا کہ میں نے بچپن ہی سے اسکی تلقین کی تھی... کیونکہ وہ جب سے میرا جسمانی لڑکا ہے، اسی وقت سے میرا روحانی فرزند بھی ہے۔ کیونکہ وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے باپ کی راہ پر چلے۔ لیکن مجھے کا باپ کے طریقے پر چلنا بھی ایک عظیم جرم ہے۔ واقعی یہ جرم میرے لیے سخت حیرت انگیز ہے!

”حضرات! میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ الزام واقعی میرے لیے شدید تھیں، کا موجب ہے.....“

یہ دونوں نظریے، پہلے جنیوا میں پھر لشبرنہ (پرتگال) میں مشہور ہوئے۔ لشبرنہ سے یہ خیال اسپین پہنچا اور یہ دونوں ملک اس پر سنجیدگی سے غور کرنے لگے۔

(کولمبس کی مہم)

پہلا نظریہ یعنی بحر اٹلانٹک میں غرباً سفر، سب سے پہلے جنیوا کے ایک باشندے کولمبس نے پیش کیا۔ میں کہتا ہوں "سب سے پہلے" حالانکہ اس سے میری مراد "اہل یورپ میں سب سے پہلے" ہے۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کولمبس سے بہت پہلے اندلس اور مصر کے مسلمان اس پر غور کرچکے تھے۔ صرف غور ہی نہیں بلکہ اسے عمل میں بھی لاکے تھے، اگرچہ کامیاب نہ ہو سکے۔

میں فرض ہے کہ یہ تاریخی حقیقت، جس پر انسان اور زمانے کی ناانصافیوں نے پردے ڈال رکھے ہیں، روشنی میں لے آئے۔

علماء یورپ ہمیں بتاتے ہیں کہ سب سے پہلے کولمبس کو خیال پیدا ہوا کہ بحر اٹلانٹک میں غرباً چلنے سے ہندوستان تک پہنچ سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ خیال لے کر وہ لشبرنہ گیا اور جان نانی شاہ پرتگال کے سامنے پیش کیا۔ لیکن یہ بادشاہ بد نصیب تھا اس نے کولمبس کی بات نہ مانی بلکہ اسے معزوں قرار دیا۔ کولمبس خفا ہوکر اسپین چلا گیا اور فرڈیننڈ اور ملکہ ایزابلا کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لٹی دنیا تک پہنچ گیا جس کا نام اس وقت لوگوں کے "مغربی ہند" (Indes Occiden Tales) (۱) رکھا تھا کیونکہ کولمبس کا ارادہ، ہندوستان پہنچنے کا تھا۔ اسی کی تلاش میں امریکہ نکل آیا۔ اسی لیے اسے ہندوستان ہی سے تعبیر کیا گیا۔

لیکن جب کہ کولمبس، لشبرنہ میں یہ خیال لیے ہوئے بحر اٹلانٹک کی متلاطم موجوں پر امید کی نظریں ڈال رہا تھا، تو کیا اس کے دل میں یہ خیال بھی گزرا تھا کہ اسی لشبرنہ میں کہوے ہوئے عرب ٹھیک اسی مقصد بلکہ اس سے بھی بڑے مقصد سے سمندر پر نظریں ڈال چکے ہیں؟

کیا کولمبس کو یہ خبر پہنچی تھی کہ اسی لشبرنہ کے مسلمانوں نے اس سے بہت پہلے ارادہ کیا تھا کہ بحر ظلمات میں تحقیقات کے لیے در آئیں؟

کولمبس کو شاید معلوم نہ ہوا ہو، لیکن یہ واقعہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔ لشبرنہ کے ان مسلمانوں میں سے جو "مغربی" کے لقب سے مشہور ہیں، آٹھ عم زاد بھائیوں نے کمر بستہ چھوڑ کر، جہاز طیار کیے۔ کئی مہینے کا کھانا پانی جمع کیا، اور اس ہوا کے آغاز پر جو انہیں مغرب کے کناروں تک لیجا سکتی تھی، بحر ظلمات میں روانہ ہو گئے۔ ان کے سفر کا حال شریف ادیبی نے اپنی کتاب "نزهة المشتاق في اختراق الافاق" میں لکھا ہے۔ اہل لشبرنہ اپنے ان "معجزوں" کو بولے نہیں بلکہ ان کی یادگار باقی رکھنے کے لیے اپنے شہر کے ایک محلہ کا نام "درب المغربین" رکھ دیا۔

(۱) گیارہویں صدی ہجری کے عرب مصنفین کی کتابوں میں بھی امریکا کا نام (الہند المغربیہ) لکھا ہے۔ دیگر مقدمہ "کتاب المعجزات" کے مصنفین بالبارود والمدافع، جو مصر کے سلطان کے دربار میں مقرب تھے۔

مشرق کی طرف سے باوجود بھی شہر عکا صلیبیوں کے قبضہ میں باقی رہا، اور ان تمام نقصانوں کی تلافی کرتا رہا جو انہیں اپنے مشرقی مقبوضات سے معرروں کی وجہ سے پہنچے تھے۔ یہ دیکھ کر ملک اشرف بن قلاؤں نے چاہا، یہ مقام بھی ان سے واپس لے لیا جائے۔ چنانچہ اس نے حملہ کیا اور سنہ ۱۲۹۱ع میں کامیاب ہو گیا۔

عکا کے واقعہ کے بعد مشرق کی فتح کے دروازے ایک مرتبہ پھر مغرب پر بند ہو گئے۔ لیکن وہ ناامید نہ ہوا۔ اور روم کے پاپا اور یورپ کے پادشاہ برادر حملہ کی طیاریاں کرتے رہے۔ چنانچہ چارلس ہشتم شاہ فرانس نے عزم مصمم کر لیا تھا کہ اپنے جنگی بیڑوں کی قوت سے فلسطین اور مقامات مقدسہ پر قبضہ کر لے۔ لیکن تجارتی مفاد نے اس وقت جنگی کارروائیاں کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور مشرق و مغرب کا تصادم ہوتے ہوتے رک گیا۔

عکا کی فتح کے بعد مشرقی تجارت کی باگیں مصر کے ہاتھ آگئی۔ اب بحر متوسط کی تجارت پیشہ قومیں کیلیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اسکندریہ، دمیاط، اور بیرت کے بازاروں کا طواف کریں۔ چنانچہ رینس اور جنیوا وغیرہ کے تاجر ان بازاروں پر ٹرٹ پڑے۔ کیونکہ مشرق کی مصنوعات اور ہندوستان کی پیداوار حاصل کرنے کا اور کوئی دوسرا راستہ ان کے سامنے موجود نہ تھا۔ اس زمانے میں ہندوستان کے گرم مسالے یورپ میں از حد مقبول تھے اور غذا کا لازمی جز بن گئے تھے۔ یہ مسالے بھی مصر ہی کے راستے یورپ کو حاصل ہوتے تھے۔

اس تجارتی مرکزیت نے مصر کو دولت و ثروت کا بھی مرکز بنا دیا۔ بادشاہ اور باشندے مالا مال ہو گئے تھے۔ تمام یورپ میں قاہرہ "قاہرہ عظمیٰ" کے نام سے پکارا جاتا تھا!

(راس امید کی دریافت)

تقریباً در سو برس تک یہی حالت رہی۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۵۱۶ء (۱۵۱۶ء) میں مصر اپنی آزادی سے محروم ہو گیا۔ اس کی تجارتی مرکزیت کو شاید اب بھی کوئی نقصان نہ پہنچتا لیکن مصیبت یہ ہوئی کہ اسی زمانے میں پرتگالیوں نے "راس امید" دریافت کر لی اور اس طرح مصر کی سیاسی اور تجارتی دونوں اہمیتیں ختم ہو گئیں۔

راس امید، اتفاقاً طور پر دریافت نہیں ہوا بلکہ ضرورت نے اس کی طرف رہنمائی کی تھی۔ یوں کہنا چاہئے کہ ہندوستان کی تجارت اس کا باعث ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ قدیم زمانے سے ہندوستان، دنیا کی سیاست میں زبردست موثر رہا ہے۔ اس کی فتح کے لیے دنیا میں بے شمار انقلاب پیدا ہوئے اور بے شمار ملکوں کی آزادیاں پامال ہوئیں۔ یہی نہیں بلکہ نئی دنیا یعنی امریکا کا اکتشاف بھی اسی ہندوستان کی طمع و شوق میں ہوا۔

عکا سے محروم ہوجانے کے بعد یورپ نے دیکھا کہ مشرق اور ہندوستان کی تجارت کیلیے اب وہ یک قلم مصر کے رحم پر ہے، اور بلا وجہ مصر کو بے شمار محصول ادا کرتا ہے۔ چنانچہ عقلاً یورپ نے غور کرنا شروع کیا کہ ہندوستان تک پہنچنے کی کوئی ایسی راہ نکلے جس میں مصر کا ترس نہ ہو۔ اس مشکل کے تو حل آئے سامنے آئے: ایک یہ کہ بحر اٹلانٹک میں مغرب کی طرف سینے سے چلے جائیں، یہاں تک کہ ہندوستان کے ساحل پر پہنچ سکیں، دوسرے یہ کہ (۱) عکا کا بحر کا ہندوستان پہنچیں۔

کیا ہے " یہ جگہ ساحل کے قریب ایک آبائے میں واقع ہے۔ اس کے ایک جانب پہاڑ ہے اور دوسری جانب بحر ظلمات ہے۔ یہاں سمندر سخت طوفانی حالت میں رہتا ہے۔ کشتیاں ٹک نہیں سکتیں۔ ٹوٹ جاتی ہیں "

پرتگالیوں نے اس مقل کا نام "راس طوفان" رکھا تھا۔ لیکن جان ثانی شاہ پرتگال نے اس کا نام "راس امید" رکھ دیا۔ کیونکہ اس کی دریافت نے براہ راست ہندوستان تک پہنچنے کی امید پیدا کر دی تھی۔

لیکن یہ امید جان کی زندگی میں پوری نہیں ہوئی۔ اس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا عمانوئل ثانی تخت نشین ہوا۔ اس نے راسکو دی گاما کو سنہ ۹۷ ۱۴ میں اس مہم پر روانہ کیا تاکہ ہندوستان کی راہ دریافت کرے۔ اس شخص نے سفر شروع کیا۔ راس امید عبور کر کے سواحل کفرہ میں پہنچا۔ پھر ممباسہ آیا۔ پھر ملندہ میں وارد ہوا۔ یہیں اِسکی ملاقات حسب تصریح قطب الدین کے (جیسا کہ "برق یمانی" میں مذکور ہے) ایک بحری آدمی سے ہوئی۔ اس کا نام احمد بن ماجد تھا۔ اِس نے نشہ کی حالت میں راسکو دی گاما کو ہندوستان کا سیدھا راستہ بتا دیا۔ اور اس کے بعد بحر ہند میں پرتگالیوں کی کثرت ہو گئی " لیکن خرد پرتگالی مورخ، احمد بن ماجد کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ البتہ ایک ایسے آدمی کا وجود ضرور تسلیم کرتے ہیں جو راسکو دی گاما کا شریک سفر ہو گیا تھا۔ اور اُس کا نام وہ "معلم کنہ" Malem Cana بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہندوستان پہنچ کر گجرات میں فوت ہو گیا۔ بعضوں نے اُس کا نام Malem Canaque لکھا ہے۔

بعض پرتگالی مورخ کسی ایسے شخص کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا بیان ہے کہ سلطان ملندہ نے راسکو کے ساتھ اپنے ملک سے دو آدمی کر دیے تھے جو بحر ہند سے بخوبی واقف تھے۔

بہر حال یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ راس امید کی دریافت میں عربوں کا بھی حصہ ہے اور راس امید سے ہندوستان تک پہنچنے میں تو سراسر عربوں ہی نے رہنمائی کی تھی۔

مختارات

(اخبار نویسی)

سلطان عبدالحمید نے معزل ہونے کے بعد کہا "اگر میں یلدز (محل) میں لوٹ سکوں تو اخبار نویسوں کو ایک ہی لفظ خانہ میں بند کر دوں گا"

"اس ملک میں ہر دس آدمیوں میں صرف ایک شخص کو انشا پرداز ہونا چاہیے" (روزرلت - امریکا)

"اخبار نویس کی صورت دیکھ شیطانوں کا بار" ابلیس بھی کانپ جاتا ہے" (ولیم سٹینڈ)

"کیڑے ماروز" میں سے اخبار نویس بھی ہے" (ملکہ آسیہ)

"اے قلم تو نہایت خوبصورت ہے لیکن میری سلطنت میں تو شیطان سے بھی بدتر ثابت ہوا ہے" (آخری زار روس)

پرتگال کے معزل بادشاہ "مانوئل" نے اخبار نویسوں سے کہا "تمہیں نے مجھ پر باد کیا ہے"

جمہوریہ وینزولا (امریکا) کے صدر "کاسٹرو" کا قلم ہے۔ "اگر جہم کا پہانگ بھی میں کہلا دوں تو آٹا بن جاتا ہوں" اخبار نویس کے قلم سے دیتا ہوں

کولمبس کو بیشک یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ امریکا تک پہنچ گیا۔ لیکن کس طرح پہنچا؟ کیا اُس کے دھم میں بھی یہ بات موجود تھی کہ بحر ظلمات کے دامنوں میں ایک آرزو دنیا بھی چھپی ہوئی ہے؟ اِس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ وہ تو ہندوستان کے ارادے سے نکلا تھا اور محض اتفاق سے امریکا پہنچ گیا۔ لیکن لشونہ کے مسلمان تو اِسی دنیا کی تحقیق کے لیے نکلے تھے۔ انہیں ہندوستان کی فکر نہ تھی۔ نہ تجارت و دولت کی طمع تھی۔ اُن کے سامنے صرف جغرافیائی تحقیقات تھی۔ ظاہر ہے کہ کولمبس اور اُن کے نقطہ نظر میں کتنا اختلاف تھا اور دنوں میں کون زیادہ تحسین علم کا مستحق ہے؟

یہی نہیں بلکہ کولمبس سے دیر سے سربس پلے ہی مسلمانوں نے امریکا کا تصور کر لیا تھا۔ ملک الناصر محمد بن قلاؤں کے عہد میں ایک عالم، قاہرہ میں موجود تھے۔ اِن کا نام ابو النشاء محمود بن ابی القاسم الاصفہانی تھا۔ ابن فضل اللہ العمري اپنی کتاب "مسالك الابصار في ممالك الامصار" (جلد ۱ صفحہ ۳۱) میں اِن کا یہ قول لکھتے ہیں:

"میں اسے بعید نہیں سمجھتا کہ زمین کے اِس رخ پر پانی کے ہت جانے کی وجہ سے جو خشکی نمودار ہو گئی ہے، وِسی ہی خشکی زمین کے دوسرے رخ پر بھی موجود ہو۔ چونکہ یہ مستعبد نہیں ہے، اِس لیے یہ بھی مستعبد نہیں کہ اُس طرف کی خشکی پر بھی وِسی ہی حیوان و نباتات موجود ہوں، جیسے ہماری اِس زمین میں موجود ہیں، یا وہ کسی اور جنس و نوع کے ہوں"

(راسکو دی گاما اور راس امید)

ہندوستان تک پہنچنے کے پہلے نظریہ نے امریکا کو ظاہر کیا۔ اب دوسرا نظریہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اِس سے مقصد یہ تھا کہ بحر اٹلانٹک میں افریقہ کے گرد گھوم کر ہندوستان کی راہ نکالی جائے۔

یہ خیال سب سے پہلے جینیوا میں رہنے والے دو بھائیوں: ارگولینو Ogolino اور وِڈینو Vadino کو ہوا۔ وہ اس مہم پر روانہ بھی ہو گئے مگر کامیاب نہ ہوئے اور غرق ہو گئے۔

لیکن یہ خیال برابر زندہ رہا اور ہمتیں بڑھاتا رہا۔ اُس وقت پرتگال کے ملک میں بڑی تجارتی بیداری موجود تھی۔ پرتگالی ہمت و شجاعت میں تمام یورپین قوموں کے آگے تھے۔ پرتگال کی نازک اندام عورتوں کا بھی اِس حرکت میں بڑا حصہ تھا۔ انہوں نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ انہی لوگوں سے شادی کرینگی جو افریقہ کے ساحلوں پر اپنی شجاعت و بسالت ثابت کر دینگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرتگالی نوجوان سواحل افریقہ پر ٹوٹ پڑے، اور بتدریج بہت سی بندرگاہوں کے مالک بن گئے۔ اِن مہموں میں عربوں اور یہودیوں نے اُنکی بڑی مدد کی۔ یہ لوگ افریقہ سے اُس وقت سب سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے پرتگالی بادشاہوں خصوصاً شاہ ہنری (جو ملج کے لقب سے مشہور تھا) اپنی قیمتی معلومات سے آگاہ کیا، اور اِس طرح افریقہ کی تحقیق و فتح میں پرتگالیوں کے رول کا بنے۔ یہی عرب اور یہودی تھے جنہوں نے پرتگال کو گینیا کی سونے کی کانوں سے آگاہ کیا تھا۔ غرض کہ سنہ ۱۴۱۳ سے سنہ ۱۴۸۹ تک پرتگالی اپنے مقبوضات، سواحل افریقہ پر پھیلاتے رہے، یہاں تک کہ سنہ ۱۴۸۹ء میں پرتگالی امیر البحر جنرلی افریقہ کے آخری نقطہ تک پہنچ گیا۔ یہی وہ مقام ہے جس کا ذکر قطب الدین لہروالی نے اپنی کتاب "البرق الیمانی فی الفتح العثماني" میں اِس طرح

مطبوعاً جدیدہ

غدر ۱۵۷۷ء

اور "تصویر کا دوسرا رخ"

(۲)

لیک بھول اور عید کی قربانی

کو پرجوان دہوں اور ستر کا بچہ کشتی تھا، اپنی کتاب خداداد بناتا۔
میں لکھتا ہوں۔ ۲۶ نمبر پلٹن نے ۳۰ جولائی کو لاہور میں بنادت کر کے
اپنے کمان انفر کونسل کیا تھا۔ اس کی پاداش میں تمام سپاہی تہ تیغ کر
دئے گئے۔

۳۸۰۰۰ ستر کو ۳۸۰۰۰ ہندوستانی سپاہیوں سے احتیاطاً سلحشہ لے
گئے تھے، تقریباً تین ماہ تک ان پر سکھ اور انگریز پہاڑیہ پڑے تھے، ۳۰
جولائی کو سخت طوفان باد آیا۔ اور قیدیوں میں غیر معمولی جوش و خروش
پا گیا۔ اس آئنا میں ایک سپاہی تلوار لے کر اہرا گیا۔ اور اپنے ساتھی
کو لٹکا کر کہا۔ آؤ انگریزوں کو قتل کر دیں۔ چنانچہ اس نے جانچنے
ہی کمان انفر کو قتل کر دیا۔ اور تمام فوج طوفان کی آواز میں بھاگ
پھری۔ ان میں سے سیکڑوں سپاہی سکھوں اور انگریزوں کی گولہ
باری سے مارے گئے تھے۔ باقی ماندہ سپاہیوں نے ستر کے اندر
عبور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے مزاحمت کی۔ کو پرجا ستر
ان کے قاتل میں آیا۔ اس نے اپنی کتاب میں ان سپاہیوں کی کشتی
بیان کی ہے، "دہات کے لوگ دریا کے کنارے باغیوں کی ناگفتہ
بد حالت دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ ان میں سے ایک سو ۵۰ آدمیوں
کو انھوں نے قتل کر دیا اور سیکڑوں کو دریا میں دھکیل دیا۔ چونکہ
مہ میل سفر کے آئے تھے۔ اس لئے سخت تھکے ہوئے تھے۔ اور دریا
کے پانی کا ستابھائیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ باچار ڈوب گئے۔ باغیوں
کی ایک خاص ہی تعداد دریا عبور کر کے ایک جنگل میں چھپ گئی تھی۔ کو پرجا
نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دریا کو کشتیوں کے ذریعے عبور کیا۔

باغیوں کو خیال ہوا، ان کا کورٹ مارشل کیا جائے گا اور وہ بغیر کسی

م لے دھڑکے ہوئے تھے۔ کیونکہ سلطان تاجا جانشین کر کے واپس
ہوئے تھے۔

سلطان کو ہاری آمد کی اطلاع پہلے سے ہو گئی تھی۔ انھوں نے
اپنا خاص نمائندہ میرے استقبال کے لئے شہر کے چھانگ پھینچا
وہ مجھے اپنے ہمراہ قہر شاہی میں لے گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں
سلطان کے حضور پہنچا۔ مگر انھوں نے اس طرح میرا غیر مقدم کیا کہ گویا
عمبر سے میرے دوست ہیں۔ جیسا کہ میں نے سفر کی عرض معلوم ہوئی
تو بہت مسرور ہوئے اور جزیرہ العرب کے حالات کی تحقیق میں میری ہر
طرح امداد کا وعدہ فرمایا۔

سلطان نے نہایت فراخ دلی سے میری تواضع کی۔ کچھ ایسا کمان
میرے قیام کے لئے خالی کر دیا۔ مجھے اجازت دی کہ جب چاہوں ان کی

آخر الذکر کا دل میں تنگ کا پہاڑ ہو اور خود باشندوں کی ملکیت ہو وہ
حکومت کو محصول ادا کئے بغیر تنگ سمجھتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔
بریدہ کے حاکم، مبارک بن میرک، کو ہماری آمد کی خبر مل گئی
تھی۔ اس نے آبادی سے باہر آکر سلطان کی طرف سے ہمارا غیر مقدم کیا
اور ہمان بنایا۔ یہ تنگ بھی نہایت خوش اخلاق اور متدین ہے۔

بریدہ، رنگ کے میدان میں واقع ہے۔ حاکم کی طرح یہاں بھی
عمارتیں بکرت ہیں۔ یہاں بھی زراعت اچھی ہوتی ہے۔ نخلستان بہت
ہیں۔ اس کی کھجور اگرچہ پھوٹی ہوئی مگر مرغزار و شریں ہوتی ہے۔ لیکن
اس میں یہ سخت عیب ہے کہ برہمن ہوتی ہے۔ بریدہ، اس تمام علاقے
کا، جسے تقسیم کرتے ہیں، پایہ تخت ہے۔ وسط نجد میں بریدہ سب سے
زیادہ تمدن جگہ ہے۔ یہاں شہر کی طرح سہ ستر عمارتیں بڑی تعداد
میں موجود ہیں۔ یہاں کے باشندے نجد میں سب سے زیادہ متدین، دولت
مند، چٹ و چالاک، اور تجارت کے ماہر ہیں۔ یہ لوگ حجاز، شام،
مصر، بلکہ ہندوستان تک کے بازاروں سے بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں
تجارت نے ان کے تعلقات، تمدن و بنا سے پیدا کر لئے ہیں۔ وہ بہت
لمبا اور وسیع منہ ہوتے ہیں۔ ان کی زبان بھی غیر نجدیوں کے لئے
سہل ہے۔ مجھے ان کے دس ترخان پر شبہ ہوتا تھا کہ یہ مصر یا شام
کا دس ترخان ہے۔ کیونکہ ان دنوں و اسقام کے شہری کھانے موجود ہوتے
تھے۔ اسی قدر نہیں بلکہ ان میں مذہبی تہمت بھی بہت کم ہو گیا ہے۔ حتیٰ
کہ میں نے انھیں خفیہ بتا کر بھی پیچھے دیکھا ہے۔ بتا کر کہ نام نجد میں
"تین" ہے اور اس کا رکھنا تک جرم ہے۔ سلطان ابن سعود کی حکومت
میں بریدہ کے بہت سے تعلیم یافتہ نوجوان بڑے بڑے عہدوں پر فائز
ہیں۔

بریدہ میں تین دن قیام کر کے ہم نے ریاض، کاؤج کیا۔ نجد کے
پایہ تخت تک پہنچنے کے لئے یہاں سے دور راستے ہیں۔ طریقہ رادی
اور طریقہ ستوی۔ آخر الذکر زیادہ مختصر ہے۔ اسی آئنا میں معلوم ہوا
کہ فتح تھانے کے بعد سلطان عبدالعزیز پہلی مرتبہ نجد واپس آئے ہیں
اور جلد ہی ریاض پہنچے والے ہیں۔ لہذا ہم نے مختصر راستہ اختیار کیا کہ
سلطان سے پہلے پہنچ جائیں اور ان کا شاہی استقبال دیکھ سکیں۔
چار دن کے سفر کے بعد ہم ایک گاؤں "ابوشجر" میں پہنچے۔ یہاں
میں معلوم ہوا کہ سلطان ۲۶ مئی کو طرہ کے جلسوں کے ساتھ آج ہی
سیاح سے گئے ہیں۔ راستے میں کوئی قابل ذکر مقام یا واقعہ پیش
نہیں آیا۔ آئیہ کہ یہاں کے باشندے ٹڈی کھانے کے بہت دلدادہ
ہیں۔ اتنے دلدادہ کہ مجھے حیرت ہو گئی۔ ٹڈی ٹڈی سے پناہ مانگتی
ہے۔ مگر اس کی آمد کی دعائیں مانگتے ہیں، اسے بہت مبارک سمجھتے
ہیں۔ یہ لوگ ٹڈی کو خشک کر کے رکھ لیتے ہیں اور درد دراز لکڑیوں
میں اپنے دوستوں کو بطور قیمتی تحفے کے بھیجتے ہیں۔ چنانچہ ستر میں
نجدی تاجروں کے پاس ٹڈیوں کی پھیلیاں آتی رہتی ہیں اور بڑی
غرت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں!

ریاض سے پہلے میں کئی آبادیاں ملیں۔ مثلاً: شجر، برہ، وغیرہ
وغیرہ۔ درعیہ، نجد کا تاریخی شہر ہے۔ یہیں سے فائدہ مان سونے
ظہور کیا۔ یہی نجد کا قدیم پایہ تخت ہے۔ یہی دہات کا دین مرکز
ہے۔ یہیں نجدیوں اور ابراہیم پاشا مصری کی فوجوں میں زبردست
جنگ ہوئی تھی۔ شہر کے کھنڈروں میں اب تک مصری توپوں کے
نشان موجود ہیں۔ درعیہ سے متصل ایک گاؤں "عیہ" ہے۔ یہ بھی
بہت تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد
میں یہیں سے میلہ کذاب نے فرج کیا تھا۔

آٹھویں دن ہم ریاض پہنچ گئے۔ شہر خوب آراستہ تھا۔ ہر طرف
سرت کے فوسے بلند ہوئے تھے۔ تمام نجد سے مبارکباد دینے کے

مجلس میں باغیوں نے ستر کے نیرنگے اور کورٹ مارشل کی گئی تھی۔

مزاحمت کے گرفتار کر لئے گئے۔ پھر انھیں پولیس اسٹیشن کے ایک کمرے
میں بند کیا گیا۔ دوسرے روز سکھ لے آئے۔ کو پرجا کے ہمراہیوں
میں مسلمانوں کی بھی کچھ تعداد تھی۔ چونکہ اسے شک تھا کہ شاید وہ
مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کریں۔ اس لئے انھیں سخت
بے دی گئی تاکہ ان ستر میں جا کر عید الضحیٰ منائیں۔ عید الضحیٰ قربانی کا
تہوار ہوتا ہے۔ کو پرجا بھی ایک خانہ کی قربانی کرنے کی تیاریاں کر
رہا تھا۔ خوش قسمتی سے پولیس اسٹیشن کے قریب ہی ایک خشک
آڈن مل گیا۔ اس دس قیدیوں کو اکٹھا باندھا گیا اور باری باری
ہر مار کر گولیوں کی دھماکے سے مار دیا گیا۔ جب ۱۵ آدمی اس طرح
مارے گئے۔ تو ڈاکر نے دایوں میں سے ایک بڑھا آدمی بے ہوش
کر لیا۔ اس لئے مارنے والی جماعت کو کچھ عرصہ کے لئے آرام دیا گیا۔
پھر دوبارہ اسی طریقے سے مارے گئے۔ حتیٰ کہ مقتولین کی تعداد
۳۳ تک پہنچ گئی۔ اتنے میں ان ستر کو معلوم ہوا کہ قیدی باغی لینے کے
سے باہر ہیں۔ چنانچہ باغیوں نے دروازہ کھولا گیا۔ تو اتفاقاً ایک
ہول ڈاکے والے کے ساتھ ساتھ موجود تھا، ۵ آدمی خوف آگیا
اور سانس بند ہونے کی وجہ سے ٹوٹ کر مر چکے تھے۔ ان تمام
باغیوں کی لاشیں اسی کوٹھڑی میں بھونک سی تھیں اور اوپر سے ٹی
ڈال دی گئی۔ اس حادثہ کا ستر کے ذریعہ کو پرجا کو علم ہوا۔
پہلے سن تھا کہ فوج کی مدد سے بے شمار مسلمانوں کی ہلاکت طے
سے تباہ کیا، اس میں شک نہیں کہ بعد اس کی حرکت پر بڑی تعجب
کی گئی۔ لیکن محض قربانی میں تعجب سے کیا ہوتا ہے؟ لائن نے جو
پنجاب کا گورنر (جین کسٹر) تھا ایک خط میں اس کی بڑی تعریف
کی ہے، وہ لکھتا ہے:

"میں تم کو بھاری کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ تم نے اور
بھاری پولیس نے بڑی حمانا زاری دکھلائی۔ گورنٹ بھاری بہت
مشکوہ ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان باغیوں کا انجام دوسرے آدمیوں
کے لئے کافی تہذیب ہوگی۔ جو باغی ادھر ادھر منتلا ہے ہیں انھیں
پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ لائن ۲ مارچ ۱۸۷۷ء
لائسن کے بعد منگل کی پنجاب کا لٹنٹ گورنر مقرر ہوا۔ اسے
بھی اسی واقعے کے متعلق کو پرجا کو خط لکھا۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا
ہے۔ "جو کچھ تم نے کیا بہت اچھا کیا۔ اس نازک وقت میں کسی حیلہ
جحت کی ضرورت نہ تھی۔ جب تک تم زندہ رہو گے، یہ بھلے واسطے

ملے یہ واقعہ اگر زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھا ہو تو سر جان لائن کی
سوانح عمری جلد دوم میں دیکھا جائے (السلام)

سے ہندوستانی سخت ڈرتے تھے۔ کیونکہ جو کوئی اس کی گرفت میں آتا ہو، وہ اسے قتل کر دیتا تھا۔

کوڑے مارشل کسی پر دم نہیں کرتی تھی۔ جو کوئی گرفتار ہوتا تھا ضرور ہی قتل کر دیا جاتا تھا۔ شہر کے چوک میں ایک بڑی پھانسی لکڑی کی لگی تھی۔ ۵، ۶ آدمی سرزد پھانسی لٹے جاتے تھے۔ انگریزوں نے بڑی شہادت سے پاس ٹیڈ کر یہ مناظر دیکھا کرتے۔

گورنر جنرل نے ۲۴ دسمبر ۱۷۵۷ء کو جولائی کے واقعات کے متعلق ایک مفصل رپورٹ لکھی تھی۔ ذیل میں اس کا اقتباس کیا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں لوگ بلا امتیاز پھانسی دینے لگے۔ ان میں ایسے آدمی بھی تھے جن کے برخلاف محض شک تھا۔ سیکڑوں دیہات لوٹے گئے، اور بعد ازاں چلائے گئے۔ ان خونخوار حرکات کو وہ قومیں بھی سخت ناراض ہو گئیں۔ جو حکومت کی ذمہ دار تھیں۔

شاہی ہندس خط لکھا گیا۔ کیونکہ ایسی اندھ نگر میں باقاعدہ کاشت کاری کرنا ناممکن تھا، جو باہمی رخصت پر مبنی تھے یا جو پلوں کے ٹوٹ جانے کے بعد اپنے گھروں کو واپس جاسے تھے اور جنہوں نے بغاوت میں ملوث کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ بلکہ انگریزوں کی جان بچانے میں مدد کی تھی، ان سب کے ساتھ انگریزوں کو فوجی ہتھیاروں کی تھیں جو باغیوں سے کیا جاتا تھا۔ گورنر کے ماتحت افسروں کی ان افسوسناک حرکات سے ملک میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ گورنر ہندوؤں اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر اب تل گئی ہے۔

تجبدی لکھتا ہے: ”گورنر محض پھانسی اور قتل عام کی دھمکے چل رہی تھی جب لکھنؤ فتح کیا گیا تو بے شمار آدمی بھانسی پڑھا دیئے گئے۔ اس وقت یہ تیسرے دن کی تھی کہ انہیں قتل کیا گیا۔“

یاد دہ کسان جو ہر وقت اتنی بات کرتے کہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ آدھوں نے بھی ٹیلی گرام میں ایک مراسلہ بھیجا تھا۔ یہ ہے۔ ”جب ہماری فوج دہلی میں داخل ہوئی۔ تو بڑی آسانی سے ان کے اندر لگا، اسی جگہ سنگینوں سے مار دیا گیا۔ مقتولوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ کئی گھروں میں سے ۳۰، ۴۰، ۵۰ آدمی ہارے گئے، یہ لوگ باغی نہیں تھے۔ شہر کے باشندے انہیں قتل کر کے اسی دھمکی کو انہیں معاف کر دیا جائے گا، لیکن وہ اس بات پر یقین نہ تھے۔“

ہندوستانی تاریخ میں لکھتا ہے: ”بے گناہ آدمی اسے جاتے تھے وہ جان بخشی کے لئے ہاتھ جوڑتے تھے۔ پورے آدمی خون آلود کی دھبے سے کپتے تھے، کاجر مولیٰ کی طرح کاٹے جاتے تھے۔“

انگریزوں کو بھی کافی اشتعال دلایا گیا تھا۔ کیونکہ انہیں جلد آدمی کی لکھی کچوں میں اسے گئے تھے۔ یہی مصنف بیان کرتا ہے کہ جو بھی ہم دہلی میں داخل ہوئے۔ لوٹ مار شروع ہو گئی۔ جو ہندوستانی لٹا تھا گوئی سے مارا دیا جاتا تھا۔ شہر خانے اور دیگر دکانوں کو لٹی لگیں اور انگریزوں نے سڑکیں پر جہاں کہیں ہندوستانیوں کا مجمع دیکھا، ان پر لوٹ پڑے۔ ایسی حالت میں بیچا سے باشندے کیا کرتے؟ کیا وہ انگریز یاہوں کو پکڑ کے کمان افسر کے پاس لے جاتے؟ لیکن وہاں تو یہ جارح تھا کہ کمان افسر سے لیکر معمولی سپاہی تک سب ہندوستانیوں کے قتل کے پیاسے تھے۔“

مطراش جوٹا کر نامہ لکھا تھا، ۱۶ نومبر ۱۷۵۷ء کو لکھتا ہے: ”کل میں اور ایک افسر ۲۰ سپاہیوں کے شہر میں چکر لگا رہے تھے۔ ہم نے ۴۰ مقتول عورتیں دیکھیں جن کے گلے انکے شہر میں لٹے گئے تھے، اور انکے ادبیا دیوں کو جانپائی تھیں۔ ہم نے ایک ایک

مگر کسی نے علاج معالجہ کی مطلق پرواہ نہ کی۔ وہ دن کے وقت دھوپ میں پڑے رہتے۔ رات کے وقت سرودی میں۔ جب آبی کے باشندوں کا قتل عام ہوا، تو ان میں بہت سے ایسے آدمی تھے جو ہماری کامیابی پر خوش تھے۔ اور ہماری فتح پائی کے لئے وہ عیسائی مانگتے تھے، لیکن ان کی بھی دعائیں انکے واسطے ملک ثابت ہوئیں۔ بعض نوجوان انگریز تو ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ وہ علانیہ طور پر کہتے تھے ”تمام خدمت گاروں اور پوریوں کو جو کیمپ میں ہیں تیغ کر دیا جائے۔“ یہ وہ ملازم تھے جنہوں نے اپنی جان بھیلی پر لڑکر کہ ہماری خدمت کی تھی۔“

دستخط مسند نے بھی اپنی تاریخ ہندس تسلیم کیا ہے کہ بہت سے ہندوستانیوں نے ہماری جان بچانے کی خاطر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

کے (۱۷۵۷ء) اپنی کتاب میں قتل عام سے پیشتر کے واقعات یوں لکھتا ہے:

”مارشل لا کو جاری ہونے کے عرصہ ہو گیا ہے۔ وہ ظالمانہ قانون جو مئی اور جون میں مجلس مقننہ نے پاس کئے تھے، بڑی شدت سے اپنا کام کر رہے تھے۔ فوجی اور سولہ افسر ہندوستانیوں کو بلا تفریق قتل کر رہے تھے۔ گورنر جنرل نے جو خط و کتابت پارلیمنٹ سے ان دنوں کی تھی، اس میں سچ ہو کر بے گناہ لوگوں کو، عورتوں، اور بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ یہ بات بدلتے جاتے تھے۔ ان کے باشندوں کو بھی اسی میں جلا دیا جاتا تھا۔ انگریز غرور اور کبر کا یہ ہے کہ ہم کوئی آدمی بھی قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا۔“

واقعات قبل از حادثہ کا پتہ ایک دفعہ چند چھوٹے لڑکے محض شہر آٹا، باغیوں کا سالانہ سہارا ڈھول بجانے لگے۔ انھیں گرفتار کر کے مقدمہ چلایا گیا اور فوجی عدالت نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ ایک انگریز افسر جو کوڑے مارشل لا میں تھا، روتا ہوا کمان افسر کے پاس گیا۔ اور ان کی جان بخشی کی سہارا کی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی، اور ان معصوم بچوں کو پھانسی دے دی گئی۔

دیہات میں انگریزوں کی جماعتیں بیکر لگائی تھیں، جو کوئی بڑا تھا اسے بھی دھت پر لٹا کر پھانسی دے دی جاتی تھی۔

تیسرے میں سٹرک پر کھنڈر کا گناہ بنائے کا عجیب طریقہ تھا۔ اس پر ایک قیدی سے کہا اگر تم مجھے تین ایسے آدمیوں کے نام بتا دو جو واجب قتل ہوں تو میں تمہاری جان بخش دوں گا۔ لیکن اسے ایسے آدمیوں کے نام لے جن کے نام سے وہ خود بھی واقف تھا، اس لئے قیدی قتل کیا گیا!

اگر اور سہارہ ہندس میں بھی پھانسی کا دروازہ پڑے زور دیا تھا وہاں لوگ گروہ درگروہ گرفتار کر کے لٹے جاتے تھے۔ ان میں بہت تھوڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی، جنہوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہوگا لیکن تمام قیدی فی الفور بغیر کسی تحقیقات کے قتل کر دیئے جاتے تھے دہلی میں ۱۶ نومبر ۱۷۵۷ء کو سٹرک پر لٹے جانے والے لوگوں کے ہفتے کے اندر کمان افسر نے جا رہا تھا۔ آدمی بے دریغ کر ڈالے گئے۔ سپاہی ان خوفناک مناظر میں نہایت دلچسپی لیتے تھے۔ تو اب پتھر کو بھی انہی دنوں میں پھانسی دی گئی، لوگ کہتے ہیں کہ اسے بڑی دیر کے بعد جان دی۔

ایک دفعہ ایک جہری سرسکار سٹریٹ کے پاس سالانہ بیچنے کے لئے آیا۔ سرسکار سٹریٹ نے کہا تم بہت زیادہ قیمت مانگتے ہو، میں ابھی تھیں سٹاک صاحب کے حوالے کر دوں گی۔ وہ اس نام سے ایسا مرحوب ہوا کہ سالانہ وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا، اور پھر واپس نہ آیا۔

عزوان شرف ہوگا۔ بقایا تین پلوں میں بھی کچھ گڑبڑ ہو۔ لیکن مجموعی طور پر بغاوت نہیں کریں گے۔ میری خواہش ہے کہ وہ بھی خوف ہو جائیں۔ تاکہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے۔ منظری“

منظری عیسائیت کی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا کرتا تھا۔ اس نے ہندو کی ضرب بالشل نرم مزاجی اور علم و بخشش کا سخت مذاق تھا، لیکن اسے بھی ایسے ظالمانہ فعل کی تائید کی۔ اس کے بعد اس نے ہندوؤں کو ایک چٹائی لکھی یہ وہ شخص تھا جسے بہادر شاہ کے لوگوں کو سخت میرمی سے قتل کیا تھا۔ انگریز مورخین میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جسے ہندوؤں کے اس فعل کی مذمت نہ کی ہو۔ لیکن منظری اسے لکھتا ہے: ”میرے پیاسے ہندو۔“

میں تھیں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور اس کے بیٹوں کو قتل کر دیا۔ میں اسید کرتا ہوں تم اسی طرح اور شاہزادے بھی قتل کر دو گے۔ منظری“

ایک آدمی اتنا جرح تھا کہ وہ قتل پر جانے کے قابل نہ تھا۔ منظری کی ہدایت کے مطابق اسے سرکاری گراہ بنایا گیا۔ چنانچہ کچھ کو مفصل ذیل خط لکھا ہے: ”جرح مذکور کو لاہور بھیجا جائے تاکہ وہ خود اپنی زبان سے امرتسر کے واقعات بیان کرے۔ بغیر اس کے کوئی شخص اعتبار نہیں کرے گا۔“ علانیہ طور پر اسے بھی ہتھیار سے جو آواز پھر رہے ہو گئے۔ ان سب گرفتار کر کے ہماری طرف بھیج دو۔ تم کافی تعداد میں قتل کر چکے ہو، اب ہمیں اپنی فوجوں کے لئے کچھ آدمی چاہیے۔“

ایک کے بدلے ۵۰۰ اس جرح قیدی اور ۱۴ آدمیوں کو لاہور بھیجا گیا۔ جہاں وہ بے دریغ قتل کر دیئے گئے۔ کوہر خود اقبال کرتا ہے کہ کمان افسر کے قتل کے بعد دہلی کے اندر اس کے بدلے ۵۰۰ آدمیوں کا خون بہا گیا۔

کماندوں میں ایک کماندہ ہے۔ جہاں چند انگریزوں کو قتل کر کے پھینک دیا گیا تھا۔ لیکن انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ ایک کماندہ ہے۔ جہاں سیکڑوں ہندوستانی قتل کر کے پھینک دیئے گئے۔

رسل اپنی ڈائری میں لکھتا ہے: ”ایک افسر نے جو ریتا ڈی فوج کے ساتھ مقرر تھا۔ مجھ سے ذکر کیا کہ ہندوستانیوں کو آدھا دھندل کیا جاتا تھا، دہلی کے عرصے میں ۲۴ آدمیوں کو شہر کے کنارے پھانسی دی گئی۔ مقتولین میں وہ لوگ تھے جو پلوں کو اس کی راہ میں مل جاتے تھے۔ ۱۲ آدمیوں کو محض اس وجہ سے پھانسی دی گئی کہ جب پلوں کو چ کر رہا تھی تو ان کے منہ شہر کی طرف نہ تھے۔ دوسری طرف دیکھ رہے تھے۔ جو گاؤں راہ میں آتا تھا، جلا دیا جاتا تھا۔ سب سے عجیب بات یہ بھی کہ افسوسناک واقعات کا بڑے کا حد سے بہت پہلے ہوئے تھے۔ اگر ہندوستانیوں کا یہ قتل عام کانپور کے واقعہ کے بعد شروع نہ ہوتا تو پھر ہم لوگ شاید حق بجانب ہوتے۔ افسر نہ کرنے ان مظالم کے روکنے کی کوشش کی اور ریتا ڈی سے کہا کہ اگر میری حالت دہلی تو لوگ دیہات نالی کر کے بھاگ جائیں گے اور فوج کے لئے خود فوش کا سالانہ میں سخت دقت و دارج ہوگی۔ بالآخر یہی ہوا۔ جہاں کس فوج جاتی تھی دیہات بالکل ویران ہو جاتے تھے۔ لوگ غلامی سے بھرے گئے۔ کیونکہ انھیں علم تھا کہ اگر انھوں نے یہ نیک کام کیا تو پھر بھی انھیں پھانسی ضرور دی جائے گی۔“

ایک بادی لکھتا ہے: ”انگریز ہندوستانیوں سے اس قدر نفرت کرتے ہیں۔ کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ انکے ملازم بھی جو عام طور پر فوج کے زمانہ میں وفادار رہے تھے، ان کی بدسلوکی اور بے رحمی سے بے نیچہ سکے۔ لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ پھر بھی انکی وفاداری اور ملک حلالی میں فرق نہ آیا۔ بہت سے وڈی برادر اور سائیں جو ہماری نوکری میں رہی ہوتے تھے، زمین پر پڑے مسکے ہوئے تھے۔“

مراستلا

ایک جواب طلب مراسلہ

دلا زار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزاؤ قتل

مندرجہ ذیل مراسلت پنجاب کے ایک ہندو دوست کی ہے جو وہاں کی ایک مذہبی انجمن کے عہدہ دار بھی ہیں۔ مسئلہ میں انھوں نے مجھ سے خط و کتابت کی تھی اور اپنی طبیعت کی مذہبی بے اطمینانی اور جستجوئے حق و حقیقت کا شوق ظاہر کیا تھا۔ جب کبھی کوئی آدمی اس ایسے مجھ سے مشورہ کرتا ہے، تو میں ہمیشہ اُسے تعلیمی بندشوں سے آزاد ہونے اور مذہب کے آزادانہ مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں۔ یہی مشورہ میں نے انھیں بھی دیا۔ اس پر انھوں نے بہت سے سوالات کچھ کر بھیجے جن میں سے بعض سوالات کا تعلق ان شکوک سے تھا جو بعض مذہب اور اُس کی ضرورت سے تعلق رکھتے تھے، اور بعض کا تعلق بحیثیت اور اسلام سے تھا چونکہ خط و کتابت کے ذریعہ اس طرح کے معاملات انجام نہیں پاسکتے، اس لئے میں نے انھیں لکھا کہ چند دنوں کے لئے کلکتہ آجائیں اور میرے پاس ٹھہریں۔ وہ آئے اور کچھ عرصہ تک یہاں مقیم رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ بہت حد تک اُن کی طبیعت تعلیمی بندشوں سے آزاد ہو چکی ہے، اور آزادی فکر کے ساتھ مسائل کے مطالعہ کی استعداد رکھتے ہیں۔ وہ جب واپس جانے لگے تو انھوں نے اعتراف کیا کہ اُن کی طبیعت کا دو تہائی اضطراب دور ہو چکا ہے۔ اس کے بعد دُعا تو قضا وہ مجھ سے خط و کتابت کرتے رہے۔ گذشتہ دسمبر میں گنوٹھی کا گزرس کے موقع پر پھر کلکتہ آئے اور مجھ سے ملے، اور میں اُن کی قلبی حالت سابق سے زیادہ ترقی یافتہ پائی۔

اس ہفتہ اُن کی یہ تحریر میرے نام آئی ہے۔ ضرورت نہ تھی کہ اسے الہلال میں درج کیا جاتا، میں محض اس کا جواب انجمن یوم دنیا، لیکن تحریر کے آخر میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، اور اس سے اُن کی طبیعت کے جن تاثرات کا نتیجہ ملتا ہے، اُن کے ازالہ کے لئے ضروری ہو گیا کہ یہ خط الہلال میں درج کر دیا جائے، اور الہلال ہی کے ذریعہ جواب دیا جائے۔ اس ہفتہ یہ شائع کر دیا جاتا ہے، لیکن **جواب طلب مراسلہ** کے عنوان کے ساتھ لکھا جائے گا، کہ نہ کہ آج یکایک سہلہ جانے کا ارادہ کر لیا پڑا۔ اس لئے تحریر کی مکتبہ نہیں ہے۔ (ادوا الکلام)

مدۃ العمر میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔ آپ نے میری آنکھوں پر سے کج فہمی کے بہت سے پردے ہٹائے، اور میرے دل کو جو پرانے مذہب کی حالت دیکھ کر مذہب کی طرف ہی سے برگشتہ ہو گیا تھا، پھر مذہب کی صداقتوں کی راہ پر لگنا دیا۔ خصوصاً مذہب اسلام اور اُس کے بانی کی تعلیم کی جو حقیقت آپ نے مجھ پر روشن کر دی وہ ایسی ہے کہ میرے خیال میں کوئی انسان بھی جو انصاف اور حق پرستی سے بالکل محروم نہ ہو گیا ہو اُس کی طرف بے اختیار کھینچے ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کم سے کم وہ اُس کی عزت اور احترام کرنے سے تو کبھی انکار نہیں کرے گا۔

آپ کو معلوم ہو کہ میں دو برس سے بالکل ایک دوسری ہی جگہ سے مذہبی صداقت کا مطالعہ کر رہا ہوں، لیکن مجھے معاف کیجئے گا۔ ایک بہت بڑی شکل ہم لوگوں کی ماہ میں یہ ہو کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اس پر جو ظاہر کرتے ہیں، وہ جب دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں مدد پہنچی جاتی ہے، تو صرف یہی نہیں کہ نہیں جلتی بلکہ برخلاف اس کے ایسی ایسی باتیں سنائے جاتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند داغ شک شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ابھی حال میں پمفلٹ ”رنگیلا رسول“ پر جو ایچی ٹیشن شروع کیا گیا اور جو جو باتیں بڑے بڑے مسلمان لیڈر دل اور مولانا

میں نے اہم مدت سے کوئی عرصہ آپ کی خدمت میں اس لئے نہیں بھیجا کہ میں ارادہ کر چکا تھا کہ راکشیدی کے معاملات پیش کر کلکتہ میں حاضری دوں گا۔ لیکن گھر کے جھگڑے ایسے شکل لئے کہ اب تک چھٹی راہ ہو سکا اور شاید کچھ دنوں اور اسی طرح بھل جائیں۔ میں آ بھی یہ خط لکھ کر جناب کے اوقات میں خلل نہیں ڈالتا اور ساری باتیں اپنی حاضری پر اٹھا رکھتا، لیکن اس طرف ایک معاملہ نے میرے خیالات میں نہایت پریشانی پیدا کر دی ہے اور میں اسکو زیادہ دیر تک روک نہیں سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ معاملہ میرے ہی لئے نہیں بلکہ مجھ سے زیادہ ہزاروں انسانوں کے لئے بے دلی اور پریشانی کا سبب بن رہا ہوگا اس لئے مجھ پر یہ عرصہ لکھ کر جناب کا بخیر واسا وقت ضائع کرنا چاہتا ہوں۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ آپ اس عرصہ کا جواب، یا اسے چھوڑ کر بطور خود اس معاملہ میں اپنی رائے اخبارات کے صفحوں پر شائع کر دیجئے یا الہلال ہی میں اور قلم فرمائے لیکن اگر سبک میں اس کی اشاعت خلاف مصلحت ہو تو کم سے کم میرے دل کا اضطراب تو دور کر دیں۔

جناب پر ایک مدت سے میرے دل کا حال پوری طرح روشن ہے۔ میں طرح کے مذہبی اور کیمونل تعصبات سے الگ ہو کر مذہب عالم میں سچائی اور حقیقت کا متلاشی ہوں، اور مجھے آپ کی ذہانت سبک سے اس لیے میں دُعا تو قضا جو مدد ملی ہے، اس کے لئے

سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اسے کہا اُنکے تادم دیکھ اسو سطل قتل کر دیا ہے کہ مبادیہ عورتیں انگریزوں کے قابو میں آجائیں۔ کیونکہ وہ یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر اسی آدمی نے اُنکے شوہروں کی لاشیں دکھائیں جنھوں نے اس فعل کے بعد اپنے آپ کو قتل کر دیا تھا۔ اس شہر نے نادر شاہ کے قتل عام کے بعد ایسے خوفناک مناظر بھی نہیں دیکھے تھے۔ جہنم دہلی فتح ہوئی، وہ لوگ جو ہمارے خلاف لڑ رہے تھے، شہر سے بھگنا کر بھاگ گئے تھے۔ صرف وہ لوگ رہ گئے تھے جنھوں نے بناوٹ میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ لیکن انھوں نے جو کہ بلا امتیاز قتل کئے گئے۔

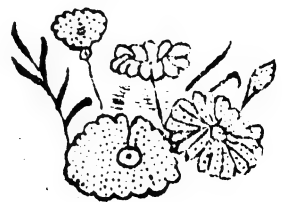
اکسفورڈ ہنری آف انڈیا نے جو ایک ملٹی بائی کی کتاب بھیجی تھی، یہ واقعات قطعاً نظر انداز کرتے ہیں۔ اسنے صرف معمولی طور پر ایک مذہب نوج کے داخلہ شہر کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہی تاریخ نادر شاہ کے قتل عام کی بڑی ہیبت تصویر دکھلاتی ہے۔ حالانکہ نادر شاہ کا قتل عام اس غدر کے قتل عام کے مقابل میں کوئی نسبت نہیں لگتا۔ نادر شاہ کا قتل عام صرف چند گھنٹوں کا تھا، اور یہ کئی ہفتوں تک جاری رہا۔

حادثہ کانپور

بعض انگریز مورخ کہتے ہیں کہ چونکہ باغیوں نے کانپور میں انگریزوں پر ظلم ڈھائے تھے، اس لئے وہ انتقام لینے میں حق بجانب تھے۔ میں ذیل میں کانپور کے حادثہ کے متعلق چند واقعات درج کرتا ہوں۔ انکا ناظرین خود اندازہ لگالیں گے کہ صورت حال کیا تھی۔

سر جانج فارلے نے اپنی کتاب ”ہندوستانی بغاوت“ میں لکھا ہے۔ ”یہ امر بے ثبوت ہے کہ کانپور کے ان سپاہیوں نے جو انگریز قیدیوں کی حراست پر مامور تھے، انھیں قتل کرنے سے انکار کر دیا تھا، یہ ظالمانہ فعل آٹاک کے ہاش سپاہیوں میں سے ایک کپتان کی ایسا سے سرزد ہوا تھا۔ اس فعل کی ذمہ داری کسی صورت میں بھی تمام ہندوستانی قوم پر عائد نہیں ہو سکتی۔ جب کوئی انگریز کسی تاریخ میں ٹہرتا ہے کہ سرسبز سرسبز جنگل کو کسی ہندوستانی نے شکوٹے سے کڑوا دیا۔ تو اس کے غصے کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ لیکن دوسری طرف یہ امر بھی مسلم ہے کہ سیکڑوں عورتیں اور بچے انگریز فوجوں کی بدولت اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ اگرچہ ایک انگریز لیدی کے خوفناک انجام سے ہمدردی ہے، تو میں یہ قبول نہ جانتا ہوں کہ ہندوستان کے باشندے بھی آخر انسان تھے۔ کانپور کے کنوئیں کا حادثہ کوئی آدمی پسند نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسوقت ہندو لاک باغیوں کو شکست دے کر کانپور کی طرف ٹھہرا تھا، اور باغیوں نے جب ہارے قتل و سلب کی شہرت سنی تو انھوں نے بھی اشتعال میں آکر قیدیوں کے ساتھ دیا ہی سلوک کیا۔ جیسا کہ اُنکے بھائیوں اور بہنوں سے ہو رہا تھا۔“

ان دنوں یہ عام افواہ ہمارے لوگوں نے مشہور کر رکھی تھی کہ ہندوستانیوں نے انگریز عورتوں کی عصمت دری کی اور پھر انھیں قتل کر دیا، سر جانج کیمبل ان تمام روایات کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں اور تمام مشہور مورخ ان کی تائید کرتے ہیں، (مترجمہ محمد علی دیکل ایسٹ آباد)



صاحبان نے صلہ اور اخباروں میں ظاہر فرمایا، میری بے ادبی سنا
فرانی جائے اگر میں عرض کروں کہ اسے دیکھ کر میرا جیسا فریاد ادا
بھی اسلام کے متعلق اسے خیالات پر قائم نہیں نہ سکا۔ اور جن لوگوں
دل دماغ پہلے ہی سے شک اور شبہات سے بھرے ہوئے تھے اور
ہزاروں لاکھوں غیر مسلم ایسے ہی ہیں، ان کے خیالات جیسے کچھ ہونگے تو
اُس کا آپ اندازہ فرمائیے۔ اگر انہی حقیقت اسلام کی تعلیم اپنے اس
دلوں کے لئے ایسی ہی ہو اور اس کے احکام کا یہی حال ہو تو یہ وہ
تعلیمات مشتبہ جو خالی نہیں ہیں جو آپ نے میرے دل پر نقش کی ہیں،
اور اگر حقیقت حال ایسی نہیں ہے، تو یہ بادر کرنا بہت مشکل ہو کر پڑا
لاکھوں آدمی ایک ہی طرح کی بے بنیاد بات پر اکتھے ہو جائیں اور اس
دور مشورے اس کا اعلان کریں اور اس کا رد نہ کیا جائے۔

اس بیودہ پیفلٹ ”رنگیلا رسول“ پر مدت سے کیس چل رہا
تھا۔ جب یہ چھاپا گیا تھا تو میں نے بھی دیکھا تھا، اور میں سچ عرض
کرتا ہوں کہ اسے پڑھ کر میرے دل پر اس کے ہر کوئی اثر نہیں پڑا کہ
اُس کا لکھنے والا سخت حقیر و ذلیل ہو گیا۔ دنیا میں کوئی شریف اور
شائستہ انسان خواہ کسی مذہب اور اعتقاد کا ہو لیکن کبھی یہ بات پسند
نہیں کرے گا کہ دنیا کے ان بانیان مذہب کا جن کی تعلیمات لاکھوں
کروروں انسانوں کو خرابی سستی راہ پر لگایا ہے، گندہ غفلتوں میں ڈکڑ
کیا جائے، یا ان کی زندگی کی نامعقول طریق پرستی اُڑائی جائے۔
البتہ ایسے نادان اور جاہل آدمی اس دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں اور ہمیشہ
رہیں گے۔ جب مسلمان اخبارات نے اس کے خلاف پروٹسٹ کیا، تو
میں نے انہیں بالکل حق بجانب سمجھا۔ مجھے میرے بعض دوستوں نے
بتلایا کہ اگرچہ پیفلٹ پر حال میں قابل اعتراض ہو لیکن یہ خود مسلمانوں
کے ایک ایسے ہی گندہ پیفلٹ کے جواب میں لکھا گیا ہے لیکن میں نے کہا۔
اگر کسی مسلمان نے لکھا تھا تو ایک بُرائی کی تھی، اور کسی انسان کے بُرائی
کرنے کی وجہ سے دوسرے انسانوں کے لئے بُری بات اچھی نہیں ہو
جاسکتی۔

یہاں تک تو یہ بات بالکل ٹھیک تھی، لیکن پھر اس کے بعد جو طریقہ
ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک تمام مسلمانوں نے اختیار کیا
اور ایک کے بعد ایک جو باتیں کہیں وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف
تھیں بلکہ کچھ عجیب طرح کی مذہبی مسئلہ ظاہر کرتی ہیں جنہیں کسی طرح بھی
کسی ٹھیک راستے پر لایا نہیں جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ
تمام لیڈروں اور مولنا صاحبان نے اور جمیعت العلماء نے جس میں پنج
سومو مولوی صاحبان کا ہونا بتلایا گیا ہے، فتویٰ جاری کر دیا کہ رنگیلا
رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہئے۔ اور یہ کہ شریعت
اسلام کا قانون یہی ہے کہ جو نبی کوئی غیر مسلمان حضرت بائی اسلام کے
خلاف کوئی بدزبان کرے، اسے فوراً مار ڈالنا چاہئے۔ مجھے ممان
رکھا جائے اگر میں عرض کروں کہ اس بات کے کہنے میں تو کوئی بُرائی کی
بات نہیں ہے کہ جب کبھی ہماری بن آتی تھی تو ہم اپنے خلاف ہر زبان
در آد آدمی کو مار ڈالتے تھے۔ اگر اسلام کو اس پر فخر ہو تو یہ ایسا فخر
نہیں ہے جو صرف اسی کے حصے میں آیا ہو۔ جس کسی کو دنیا میں طاقت
ملی ہو اُس نے لوگوں کو قتل کیا ہو اور تلوار کے زور سے اسے اپنی ہیبت
قائم کی ہو۔ اسلام کا فخر تو اس بات میں ہونا چاہئے تھا کہ اُسے انسانوں
کو سزا دینے کی جگہ بخشا ہو، اور قتل کرنے کی جگہ زندگی بخشی ہو۔ جہاں
نے مجھے پچھلے سال لکھا تھا کہ اسلام کی اصلی اسپرٹ انسانیت کی
اسپرٹ ہے اور یہی فرق اُس میں اور تمام مذاہب میں ہے۔ اُس نے
ہر گوشہ کو انسانیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ ملک، جماعت، اور وطن
کی بنگاہ سے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت
میں کیونکر اسلام کا یہ قانون انسانیت کی اسپرٹ کے ساتھ ہو سکتا ہے

کہ جہاں کوئی نادان اور جاہل آدمی بائی اسلام کے خلاف بدزبان کرے
فوراً اُس کے دلوں کو ٹکڑے کر دے جائیں۔

آپ یقین فرمائے کہ یہ بات میری اس عقیدت کی جو میں اسلام
سے رکھتا ہوں اتنی خلاف تھی کہ پہلے تو مجھے اس پر یقین نہیں ہوا
لیکن اس کے بعد میں نے جب خود جمیعت العلماء اور انجمن خدام دین
اور مولنا محمد علی صاحب کے فتوے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو اس کے
ہر کوئی چارہ نہیں رہا کہ اسے تسلیم کر لیتا۔

اچھا اگر یہ اسلام کا قانون بھی جو مجھ بھی ہندوستان میں ایسے
رائج کرنے کا مطالبہ کرنا میں نہیں سمجھتا کیا معنی رکھتا ہو۔ اگر بائی اسلام
کے لئے مسلمان ایسا قانون چاہیں گے تو دوسرے مذاہب بھی مطالبہ
کر سکیں گے۔ پھر کیا مسلمان اس سے متفق ہونگے کہ جو مسلمان ہندو،
پارسیوں، بدھوں، کے بزرگوں کے خلاف بدزبان کرے، اُسے فوراً
قتل کر ڈالنا چاہئے؟

جس قدر واقفیت مجھے اسلام کی کتابوں سے ہے، اسکے مطابق
میں نے اس قانون کی تحقیق کرنی چاہی۔ مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں
چلا۔ لیکن رسالہ درماتن کس میں جن مولوی صاحبان نے شہادت
دی ہے، انھوں نے بتلایا ہے کہ کتاب سارم سلول (الصارم السلول)
میں ایسا ہی لکھا ہے۔ میں نے یہاں اپنے مسلمان دوستوں سے اس
کتاب کے بارے میں پوچھا تو وہ کچھ نہیں بتلا سکے۔ بہر حال جمیعت علماء
کے فتوے اور مولنا محمد علی صاحب کے اعلان سے تو یہی ثابت
ہوتا ہے کہ اسلام کا حکم ایسا ہی ہے۔

علاوہ میں اس معاملہ میں یہ طریق عمل بھی اسلام کے اخلاق
کا کوئی اچھا اثر نہیں ہو گا۔ لیکن اس کتاب کے جس شخص نے اسلام کے
خلاف کچھ لکھا ہو اسے بازاری گالیاں دی جائیں۔ اور مولوں، گناہ،
اور ایسے ہی لفظ کے جائیں جیسے مولنا محمد علی صاحب جیسے ذہن
لیڈر برابر اپنی تقریروں میں کہتے رہے۔ کیا اُس شخص کو کھائی دینے سے
اُس کی اس بدزبان اور بے ادبی کا بدلہ لے لیا جاسکتا ہے جو اُس
بائی اسلام جیسے عظیم الشان انسان کی شان میں کی ہے؟ اگر نہیں تو
اس طرح کی گالیاں دینے سے خود اپنا اخلاق خراب ہوتا ہے۔ اور
کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتا۔

یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی کہ محض ایک دو نادان اور
بدزبان آدمیوں کے کچھ لکھ دینے پر اس قدر جوش و خروش کھلایا
جائے، گویا مسلمانوں کے لئے کوئی بڑی مصیبت کی بات پیش آگئی ہو
حالانکہ خود مسلمان صاحبان تمام غیر مذاہب کے خلاف برابر نرم کی
اچھی بری باتیں کہتے آئے ہیں اور ان کی وجہ سے کبھی نہ ہندوؤں
نے اس طرح شور مچایا ہے نہ عیسائیوں نے۔ یقیناً اس طرح کی باتوں
سے جو مسئلہ ثابت ہوتی ہو وہ قابل تھیں نہیں ہو۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ہندوؤں میں آریہ سماج کے قائم ہونے
سے پہلے نہ تو کسی طرح کا تبلیغ کا خیال تھا، اور نہ وہ مذہبی بحث مباحثہ
کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی جانب سے ہمیشہ کتابیں لکھنے خلائ لکھی
جاتی تھیں۔ میں نے لاہور میں پانچ کتابیں لکھی جو اس اچھی
فہم کی وجہ سے جذہ صاحبان نے جمع کی ہیں، اور میں آپ سے کچھ کہتا
ہوں کہ ان میں ہندوؤں کے دشمنوں اور اُتاروں کے خلاف جو
بے ہودہ باتیں لکھی ہیں وہ اس بیودگی سے بہت زیادہ ہو چکر گئیں
رسول لکھنے والے نے دکھائی ہے۔ یہ کتابیں میں میں میں تیس تیس
برس سے ہزاروں کی تعداد میں چھپکر فروخت ہوتی ہیں، لیکن کبھی
ہندوؤں نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ان کے لکھنے والوں کے سر قلم کو توڑ
جائیں۔ معلوم نہیں جناب والا کی نظر سے یہ کتابیں گزری ہیں یا نہیں
اگر ارشاد ہو گا تو میں ہزاروں گا۔ ایک کتاب حق تعالیٰ ہے۔ جو

مولوی عبدالصاحب نے لکھی ہو جو دہلی کے بڑے مولوی ہیں۔ میں
ایک نظم ہوجس کا ٹیپ یہ ہو،

کدو یہ کون دھرم ہو؟

اس میں ہندوؤں کے دشمنوں اور اُتاروں کے خلاف اس قدر
فحش اور گندہ طریقہ سے اظہار خیال کیا ہو کہ کوئی مذہب آدمی نے
پڑھ بھی نہیں سکتا۔ میری ناقص قلم اس بات سے عاجز ہے کہ جب
خود مسلمانوں کا یہ طرز عمل دوسروں کے ساتھ ہو تو وہ خود اس قدر
حد سے زیادہ شور و غل کیسے مچا سکتے ہیں؟

علاوہ بریں یہ بات بھی بڑی عجیب ہے کہ اسلام کے قانون میں
اپنے مخالفوں کے لئے معافی کی کوئی جگہ نہیں۔ رنگیلا رسول کے
پبلشر نے صاف غفلتوں میں انہارا اسوس کر دیا تھا، لیکن مسلمانوں
کا یہ مطالبہ تھا کہ انہیں اسے قتل کرنا چاہئے!

مجھے میرے دوستوں نے کہا ہے کہ اس وقت ملک کی جو علم و
ہود ہے اور مسلمانوں کے اندھا دھند جوش و خروش کا جو حال
ہو رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ معلومت کے خلاف ہو گا کہ جناب کوئی
بات بھی لینے ہم مذہبوں کی عام لئے کے خلاف کیس ایسے یہ سب
کچھ آپ دیکھتے ہیں لیکن خاموش ہیں۔ اگر میرے دوستوں کا خیال
صیح ہو تو اگرچہ یہ بات میرے لئے بڑے ہی عجیب کی ہوگی لیکن میں
ایسی گستاخی نہیں کر سکتا کہ اس لئے میں زبان کھولوں۔ کم از کم یہ
کہنے کے اس لئے میں میرے دل کے شکوک و شبہات کو مجھے کیونکر بیان
کی وجہ سے مجھے بہت ہی پریشانی ہو رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ
صاف معلوم ہو جائے کہ اسلام کے احکام اور تعلیمات کیا ہیں۔

اگر جناب ترتیب کے ساتھ جواب شایع کر سکیں تو زیادہ بہتر
ہوگا۔ میں ہنر واد عرض کرتا ہوں:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہے کہ جو شخص حضرت بائی اسلام
کے خلاف بدزبان کرے، اسے فوراً قتل کر دینا چاہئے اور جس مسلمان
کے سامنے ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہو کہ اُسی وقت اُس کا سر
اُڑائے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر اسلام
کے خلاف بدزبان کرے تو جب تک اس کے قلم ہم قوم دھنوں سے
شاید اُس بدزبان کرنے والے کا نام بھی نہ سنا ہوگا، اسکو برا بھلا
نہ کہیں۔ تمام قوم کا بائیکاٹ کر دینا چاہئے اور اپنی بستی سے بچال
دینا چاہئے۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو
اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہئے جیسا کہ مولنا محمد علی صاحب نے
فرمایا ہے؟

(۴) آپ کے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں ایسا
قانون بنایا جائے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر دینا چاہئے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مان لے
اور اس پر اسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے
اور اسے جہانم سزا دلانے پڑا جائے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان مولوی صاحبان
لکھتے آئے ہیں اور اس میں رنگیلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی
ہے، کیا وہ بھی اسی طرح سزا کی مستحق ہیں جیسی رنگیلا رسول اور
رسالہ درماتن ہیں؟

(۷) سودہ سوریس سے جو سیکڑوں عیسائی شری اسلام کے خلاف
سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اس وقت ہزاروں کی تعداد
میں وہ موجود ہیں، کیوں انکے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں کھلایا
گیا جس قدر اس موقع پر دکھلایا گیا ہے؟ (دیکھو رسالہ کالم ادبی)

تجدد	۱۰۲۹، ۱۵۰
تعمیر	۲۶، ۱۳۸
موتل	۱۵۰، ۳۵۳
مکان	۱۰۲۸، ۴۲۸

ادھر ہم نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ بے تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اس میں صرف دو حکومتیں متضمن ہیں: سرکاری اور بین۔ سرکاری حکومت نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ امام کی بھی اس سے انکار کر رہے ہیں۔ لیکن ان دونوں کے انکار سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

ترکی اور ایران

حال کا ایک اہم واقعہ، ترکی اور ایران کی کشیدگی ہے۔ وجہ یہ کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض حوادث ایسے پیش آگئے، جنہوں نے خطہ میں سورہن کی حالت پیدا کر دی۔

تفصیل یہ ہے کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض جرائم پیشہ عناصر قبائل موجود ہیں۔ وہ ہمیشہ قتل و غارت کے موتمنے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے ان قبائل میں ایک بہت ہی خطرناک شخص "اسماعیل سبیوق" نامی ظاہر ہوا ہے اور سرحد کی آبادیوں کی زندگی تلخ کئے ہوئے ہے۔ اس نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ موتمنے یا کر ٹوٹ مار چا دیتا ہے اور ہمارا ڈول میں بھاگ جاتا ہے۔ ترکی حکومت بہت دن سے اس کی تاک میں تھی۔ مگر حال میں مجرموں کی عام معافی کا اعلان کیا گیا، تو اس سے فائدہ اٹھا کر اس نے حکومت کو اطلاع دی کہ آپ اس نے اپنے قدیم جرائم سے توبہ کر لی ہے اور آئندہ برائے زندگی بسر کرنی چاہتا ہے۔ حکومت نے اس کی بات پر یقین کیا اور معافی دیدی چنانچہ وہ آزادی سے ترکی حدود میں زندگی بسر کرنے لگا۔

لیکن گزشتہ مہینوں میں اس نے پھر چل پھل کیا، اور اپنی قدیم جرائم کی زندگی اختیار کر لی۔ وہ ایرانی سرزمین میں داخل ہو گیا اور قریب آبادیوں میں غارت گری شروع کر دی۔

اصلی واقعہ صرف اسی قدر ہے۔ لیکن ایرانی اخبارات نے اسے دوسری نظر سے دیکھا اور اس تفریق کی حرکتوں کا ذمہ دار، ترکی کو قرار دیا۔ چنانچہ طرآن کا نیم سرکاری اخبار "ایران" اس واقعہ پر اس طرح خامہ فرسائی کرتا ہے:

"سرحدی قبائل کی کون بہت افزائی کر رہا ہے؟ انہیں کون بہتیا تقسیم کرتا ہے؟ ان کے ذریعہ ایران میں کون بدامنی پھیلا رہا ہے؟ ایرانی ان سوالوں کا صاف جواب چاہتے ہیں۔ وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ترکی اس بارے میں کیا تدابیر اختیار کرنے والی ہے؟ ایران اپنی قومی سرحدوں کی حفاظت اپنے خون سے بھی کرنے پر کمر بستہ ہے۔"

اخبار "شفق" بھی لکھتا ہے:

"سرحد کے ترک افواج ایرانی علاقوں میں خلاف توقع سرگرمی دکھا رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، سرخ ٹوپی کی بریڈ سے تبدیلی، یہ باتیں ظاہر ہیں کہ یہی دشمن خدائی کی باتیں نظائریں، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ قوموں کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔ نوجوان ترکی، بڑھاپا ترکی ہی کی طرح ہے۔ بڑھاپا ترکی ہمیشہ ایران سے بے فائدہ دست بگریباں رہی۔ اب نوجوان ترکی بھی اپنی اسی موردی سیاست پر واپس آ رہی ہے اور ایران سے چھڑ چھاڑ شروع کر دی ہے۔"

اسی لئے جو میں تقریباً تمام ایرانی اخبارات نے اظہار خیال کیا ہے۔ اس کے مقابل میں ترکی اخبارات کا لہجہ بھی کچھ سخت نہیں ہے۔ چنانچہ اخبار "جمہوریت" لکھتا ہے:

"ہم جانتے ہیں ایران میں قلع اخبار موجود نہیں ہیں۔ ان کی آواز کوئی قوت و وزن نہیں رکھتی۔ مزدور بھی ان اخبارات کی مخالفت

برید شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم فلسطین کے قلم سے)

شاہ متصر کا سفر انگلستان۔ ترکی قرضے کا تصفیہ۔ ترکی اور ایران۔ ترکی اپنے تخت

شاہ متصر کا سفر انگلستان

ترکی اخبارات، شاہ متصر کے سفر انگلستان کو بہت اہمیت دے رہے ہیں اور اسے صرف متصر کی تمام مشرقی ممالک کے لئے اخلاقی حیثیت سے مفید سمجھتے ہیں۔ چنانچہ موقر اخبار "وقت" یوں اظہار خیال کرتا ہے:

"شاہ متصر کی یہ سیاحت ایک نہایت پیچیدہ سیاسی مسئلہ کے حل کے لئے آخری قدم ہے۔ اب سے پہلے متصر کے بے بڑے ماہرین سیاست مثلاً سعد پاشا زعلول اور عدلی پاشا کین نے سر توڑ کوششیں کیں، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اب خود شاہ متصر اپنے وزیر اعظم کے ساتھ انگلستان روانہ ہوئے ہیں تاکہ مسئلہ بصر، جو ۵۵ برس سے لایحل ہو رہا ہے، قطعی طور پر حل ہو جائے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ اس آخری کوشش کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر اب بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا تو سمجھ لینا چاہئے، وہ آئندہ کبھی معافیت سے حل نہ ہوگا، اس کا فیصلہ صرف قوت و تشدد ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔"

دس سالہ عرصہ میں انگریزوں نے صریح جبر و ظلم سے متصر پر قبضہ کر لیا ہندوستان بچانے کے لئے برطانیہ کو متصر کی ضرورت تھی، جیسا کہ اس مقصد کے لئے اسے دنیا کے ہر ملک پر قبضہ کی ضرورت تھی۔ برطانیہ کا غم یہ تھا کہ متصر کو بالکل ہضم کر جائے۔ چنانچہ جنگ عمومی کے موقع پر اس کے الحاق کا اعلان بھی کر دیا۔ مگر اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ زہر بھرا لقمہ کبھی ہضم نہیں کیا جاسکتا۔ متصر کا لٹالام ہو بہت سی قوموں نے اسے ہضم کرنا چاہا، مگر جس نے بھی اسے بھگنے کی جرات کی، خود فنا ہو گیا۔ چنانچہ پچھدی سال بعد انگلستان بھی یہ لقمہ بھگنے پر مجبور ہوا اور متصر کے الحاق سے دست بردار ہو جانا پڑا۔

"شاہ متصر کی سیاحت نے یورپ کے سامنے صرف یہی ثبوت پیش نہیں کیا کہ متصر، اپنی آزادی پر مصر ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ یورپ کے مشرق میں استقلال و حریت کی ایک ناقابل متنازع تحریک عام ہو گئی ہے۔ شاہ متصر نے صاف طور پر بتا دیا کہ اب مشرق، وہ مشرق نہیں ہے جو کبھی غفلت و قناعت اور ترن پروردی کا مرکز تھا۔ اب وہ

بقیہ صفحہ ۱۹

کیا میں امید کروں کہ آپ تھوڑا سا دت سیکھال کرائی انگلیزین جیسا تفصیل بحث کے ساتھ ہمیشہ اپنے لکھا ہے ان امور پر روشنی ڈالیں گے اور مجھ پر احسان فرمائیں گے.....

ترکی	۸۰، ۸۵، ۹۴، ۱۰۹، ۱۵۰
ایران	۱۰۱، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶
شام	۱۰۸، ۱۸۸، ۲۵۹
سیر	۵۴، ۱۳۵، ۱۵۹
عراق	۵۱۲، ۱۵۱، ۱۵۹
فلسطین	۲۲، ۸۴، ۱۲۹
بلغاریہ	۱۴۱، ۱۶۱، ۱۷۲
البانیا	۱۶۱، ۲۳۳
مجار	۱۴۱، ۱۹۹، ۱۵۱
یونان	۱۰۸، ۱۲۱، ۱۴۱
مصر	۱۰۸، ۱۲۱، ۱۴۱
مشرقی افریقہ	۱۰۸، ۱۲۱، ۱۴۱
ایٹلی	۱۰۸، ۱۲۱، ۱۴۱

کو ترکی کے خلاف اُکسا رہی ہیں۔ یہ اخبار اجنبیوں کے زور دہیں اور اُسکی کے اشادوں پرناچتے ہیں۔

یہ اخبارات کی باہمی کمرابہی۔ لیکن اب تک دونوں حکومتیں بالکل موٹھ ہیں۔ بلکہ دو تادم تعلقات کی موجودگی کا یقین دلا رہی ہیں۔ چنانچہ ایرانی سفارت کے معتمد عام زندی خاں نے اخبارات کو حجب کی بیان دیا ہے: ”اخبار آزاد ہیں، جو چاہیں لکھیں۔ ایرانی اخبارات کی طرح ترکی چاہا بھی سخت لوجہ اختیار کر لیتے ہیں، اور ان کا کال لوجہ ایران کی مخالفت پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس قسم کی باتیں ہرگز دوشترقی اور اسلامی ملکوں کے تعلقات پر اثر نہیں ڈال سکیں جن کی دوستی مشترک فوائد پر استوار ہے۔“

تقریباً ہی خیال خود ایرانی سفیر نے بھی ظاہر کیا ہے۔ اُسنے کہا: ”دونوں ملکوں کی دوستی باآمدار اور دواہی ہے۔ دونوں حکومتیں پوسے خرم و اخلاص سے تمام مسائل حل کرنے پر کمر بستہ ہیں۔ کوئی حادثہ بھی ہمارے تعلقات خراب نہیں کر سکتا۔“

امید کی جاتی ہے، جلد یہ معمولی نزاع ختم ہو جائے گی۔

ترکی پائے تخت

غازی مصطفیٰ پاشا کے سفر آستانہ سے بعض حلقوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ترکی پائے تخت، جلد اٹکڑ سے ششلیٹھ من تنقل ہو جا گا۔ مگر انکو یہ کاغذ سرکاری اخبار ”حاکمیت“ اس کی تردید کرتا ہے۔ اُسنے لکھا ہے:

”جب ہم نے ارادہ کیا کہ ترکی کی از سر نو تعمیر کریں تو اس میں یہ خیال ہرگز ہمارے سامنے نہ تھا کہ ساتھ ہی غیروں کی خوشی کا بھی ہیں سالان کرنا چاہئے۔ ہم نے ضرورتاً انکو یہ پایہ تخت بنایا تھا۔ وہ ضرورت اب تک موجود ہے۔ جب تک ہم امن و امان کے سایہ میں جھلکنا مقصد حاصل نہ کریں، اُسوقت تک انکو یہ پایہ تخت رہنا چاہئے لہذا اس کی تبدیلی کا سوال، اسوقت پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔“

مکتوب شام

(الامال کے نامہ نگار معتمد شمس کے قلم سے)

ہائی کشر کا بیان

ادھر دو تین ہفتے سے میں نے کوئی مکتوب آجی نہیں لکھا۔ کیونکہ حال میں کوئی قابل ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ہائی کشر کے لبوں پر جو ہر سکوٹ شروع سے لگ گئی تھی، وہ اب تک باقی تھی۔ ہر طرف افواہوں کی گرم بازاری تھی، مگر حقیقت کا کس پتہ نہ تھا۔ حکومت جتنا زیادہ اسباب و اختفا کرتی تھی، افواہیں اتنی ہی زیادہ پھلتی تھیں۔ اکثر لوگوں کا رجحان یہ تھا کہ حکومت کچھ نہ کچھ کرنے والی ہو۔ اگر سب نہیں تو کم کے مطالبات کا ایک برا حصہ ضرور قبول کرے گی۔ خصوصاً اب جبکہ در مجاہدین نے ہتیار ڈال دیے ہیں، حکومت بھی نرم ہو جائے گی اور باشندوں کی ضرورت اشک شوقی کرے گی۔

لیکن ان قریب خوردوں کو اگرچہ بہت زیادہ انتظار کرنا پڑا، تاہم وہ دہلی آپہ گیا جب انھیں حقیقت عرفان کے مشاہدے پر مجبور ہونا پڑا۔ مدت تک نقاب پوش رہنے کے بعد ہائی کشر نے اپنا منہ کھولا تو اُس میں مکرور دیکھنے سے کچھ بھی نہ تھا۔ دروزی جہاد خرم ہو جا سے حکومت کی بہت بلند ہو گئی۔ اب اُسے کوئی خوف بھی باقی نہ رہا۔ چنانچہ ہائی کشر نے اپنی پالیسی اور حکمران سلطنت فرانس کی سیاست

جو وہ شام کے بائیں میں طے کر چکی ہے، ظاہر کر دی۔ ہائی کشر کا بیان یقیناً تمام مشرق کے لئے عبرت و موعظت کا ایک سبق ہے۔ اور درجہ ذیل ہے:

”ہائی کشر کو اپنے قیام پر تیس کے دوران میں بارہا موقع ملا کہ فرانسیسی حکومت اور فرانسیسی پارلیمنٹ کی معاملات خارجہ کی کمیٹی کے درمیان شامی صورت حال کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کریں خصوصاً باشندوں کی وہ امیدیں صفائی کے ساتھ ظاہر کریں جو شام کے مختلف حصوں میں دورہ کرنے کے بعد انھیں معلوم ہوئی تھیں۔“

ہائی کشر نے شام میں اپنی واپسی کے بعد مختلف حکومتوں کے ذمہ داروں سے بھی بار بار تبادلہ خیال کیا۔ حکمران حکومت کے خیالات و مقاصد ان پر ظاہر کئے اور وہ بیانیوں پوری وضاحت سے پیش کریں جن پر وہ اپنی سیاست کی بنا رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ بیانیوں حسب ذیل ہیں:

(۱) معاہدہ حکمرانی کی دفعہ ایک کی رو سے چونکہ فرانس نے اپنے سر پر ذمہ داری لے لی ہے کہ ”شام اور لبنان کے لئے وہ آہستہ ہوا کرے گا جس پر حل کردہ بتدریج خود مختار بن سکیں گے۔“ اور یہ اندر خود مختاری کی ظروف و حالات کے مطابق ہمت افزائی کرے گا۔ اس لئے فرانس مجلس اُتوام سے حاصل کی ہوئی اپنی یہ ذمہ داری برابر پوری کرتا رہے گا۔ یہاں پر اس ذمہ داری سے دست بردار ہو جانے کا ہرگز کوئی سوال پیش نہیں ہو سکتا۔

(۲) اس ذمہ داری کی حیثیت: معاہدہ وسیلہ کی دفعہ ۲۲ کی تطبیق، مشرق میں بہت ہی زیادہ مشکل معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں کی بعض جاہلین مدت و راز سے ترقی کے اُس درجہ تک پہنچ گئی ہیں جسے انھیں مشرق قریب کی ترقی پذیر قوموں کی صف اول میں ہونا چاہیے۔ حکمران سلطنت نے ان ان پر قہر رکھتے ہوئے، جو ترقی کی اصلی بنیاد ہے، ان جماعتوں کی اُمیدیں پوری کرنے میں بھی غفلت نہیں برتی۔ لیکن یہ واقعہ کو ان اُمیدوں کی تطبیق میں اب تک بکثرت رکاوٹیں حاصل ہوتی رہی ہیں اور یہ صرف اس وجہ سے کہ ان میں باہم بہت زیادہ تناقض موجود ہے۔ ان جماعتوں کی اُمیدیں بڑا، شام میں فرانسیسی سیاست کی ایک بڑی بنیاد ہے۔ حکمران سلطنت اب تک اپنی اس سیاست پر قائم ہے اور عزم باجمہر کئے ہوئے ہے کہ ہمیشہ یہ اُمیدیں پوری کرتی رہے گی جب تک وہ دائرہ نظام اور امن و امان میں رہیں اور جب تک اقلیات کے حقوق، جن کی معاہدوں نے ضمانت کر دی ہے، اور ملک کے عام مصالح کے خلاف نہ ہوں۔

(۳) فرانسیسی سیاست کا دوام اور قانون اساسی۔ یہ سیاست، جسے میسوری جودیل پوری وضاحت سے میں کچھکے ہیں اور جسے حکومت فرانس اور مجلس اُتوام نے منظور کر لیا ہے، ضرور ہو کہ ملک کے قانون اساسی میں قائم رکھی جائے۔ ہائی کشر کو مضبوطی سے اس سیاست کو برقرار رکھیں گے۔

لیکن یاد رہے کہ قانون اساسی، صرف وہی لوگ بنائیں گے جو اُسے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ وہی حکومتیں اس کے بنانے میں شریک ہوں گی جو موجودہ نظام کے تحت ملک میں قائم ہیں۔ انہی حکومتوں کو حق ہو کہ ملک کے مصالح پر غور کریں، اپنے باہمی اختلافات شانے کی سعی کریں، اور مشترک مصالح کے لئے باہم معاہدے طے کریں۔ حکمران سلطنت، انہیں ہر ممکن مددے گی اور ان کے امین حکم کی حیثیت سے کام کرے گی۔

اگر جدید نظم پر پورے ملک کی رہنمائی ضروری سمجھی گئی تو اس مقصد کے لئے بھی کوشش کی جائے گی۔ لیکن اگر رہنمائی

حاصل کرنا ممکن نہ ہوا تو حکمران سلطنت، امن و امان کی حفاظت اور مستقبل کی درستگی کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے گی۔

(۴) امن و امان

اب ملک میں ایک مرتبہ پھر امن و امان پوری طرح عام ہو گیا ہے۔ حکمران سلطنت نے اس راہ میں عظیم کوششیں اور بہت بڑی قربانیاں کی ہیں۔ اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہو جا رہا ہے کہ فرانس اُس دوستی کے برقرار رکھنے کا غیر ترسز لزل ارادہ رکھتا ہے جو اُسے ملک شام و لبنان سے ہے۔

ملک کی ترقی کے لئے امن و امان کی موجودگی ضروری ہے۔ بدینی سے ہرگز کوئی فائدہ پہنچ نہیں سکتا۔ بلکہ اُسے نقصان بھی ہے۔ یہ ہائی کشر کے بیان کا ضروری حصہ ہے۔ ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ بیان کس درجہ مضبوط اور بے سنی ہے؟ اُس کے اگر کچھ معنی ہیں تو صرف یہ ہیں کہ فرانس، شام کے مطالبات منظور نہیں کرے گا بلکہ اپنی جنگی قوت اُسے دستور حکم و مقہور رکھو گا۔

فرانس کی بدینی

شام میں فرانس کی بدینی کا ایک ثبوت، مذکورہ بالا بیان کے علاوہ، یہ ہے کہ اُسے شکست خوردہ دروزی مجاہدین کی بے چارگی سے فائدہ اٹھانے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ چنانچہ گزشتہ ہفتے حکومت نے اعلان کیا ہے کہ جبل دروز کے باشندوں نے ملک شام سے اپنی کامل علمی کی کا مطالبہ کیا ہے۔ نیز وہ چاہتے ہیں کہ اُنکے علاقے پر حاکم، فرانسیسی ہو کرے۔

ملک کی عام رائے اس شخص خبر سے بہت پریشان ہوئی، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شام کی سیاسی وحدت اب تک جرقہ پر آگندہ ہو چکی ہے، فرانس کی نظریں وہ کافی ہیں۔ فرانس ابھی اس پر بغیب ملک کے اور بھی بہت سے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے۔ جبل دروز کی علیحدگی کے بعد شام، صرف دمشق اور مضافات کے علاقے کا نام رہ جائے گا۔

بے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ جن دروز سرداروں کی طرف یہ مطالبہ منسوب کیا جا رہا ہے، وہ ملک میں نہایت ہردل و خیر تھے۔ مثلاً عبدالغفار باشا اطروش، ایجن، نجم باشا حلبی، شیخ محمد الجہری، حمزہ درویش و غیرہ۔ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اسے پہلے ملک کی سیاسی تعمیر و ترقی کے سخت مخالف تھے۔ بلکہ انکو خویش جہاد کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ موجودہ تعمیر منسوخ کر دی جائے، اور ملک میں ایک ہی وحدت سیاسی قائم ہو۔

لیکن بہت جلد حقیقت آشکار ہو گئی۔ عام رائے نے معلوم کر لیا کہ یہ چیز بھی فرانس کی بدینی نے پیدا کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کچھ سنیو ہائی کشر، دمشق کے اُن کے ساتھ اُن کا نفس ناطقہ کر کے لکھ بھی تھا۔ یہ شخص اپنی ظلم پسندی اور ملک شام سے دشمنی میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ دمشق سے یہ جبل دروز گیا اور وہاں مذکور سرداروں کے ذمہ بالا محضرہ دستخط کرنے کو کہا۔ انھوں نے انکار کیا مگر اپنے انھیں اپنی قوت کی زور سے اور بھی زیادہ بڑھانے لگا۔

اس واقعہ نے باشندوں کو فرانس سے اور بھی زیادہ بڑھانے لگا۔

ایک اور مصیبت

یہ مصائب کیا کم تھیں کہ ملک پر ایک نازہ مصیبت، خود ایک ملکی کے ہاتھوں نازل ہو رہی ہے۔ داد احمد حنا بی، دمشق کی حامی حکومت کا صدر ہے۔ ایسے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ شام کے تخت شاہی پر قریب تنگ ہو گا۔ اس طرح میں بالکل فرانس کا غلام بن گیا ہے اور میری طرح خادمان قوم کو ستا رہا ہے۔ حالانکہ یہ ہے کہ اسے اخبار الجواب کے ایڈیٹر شریاق آندنی کو دمشق سے لکھا۔

جس کا جواب

”بس برس سے میں عدالت کی کرسی پر بیٹھا ہوں۔ اس طرح تجربے نے مجھے یقین دلادیا کہ سناج کا موجودہ نظام، ناقص اور سخت مضرتوں کا موجب ہو۔ لہذا میں نے تجزیہ سناج کی تجویز سوچا میرے خیال میں اگر دنیا اس تجویز پر عمل کرے تو ان تمام مصائب سے نجات پا جائے گی جو عقد کے موجودہ طریقے سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہیں۔ تجزیہ سناج یقیناً دنیا کا مسرت و سعادت بخشنے کا ادارہ انسان

ان تمام صحاب کے لئے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویروں،
پرانے کے اور نقوش، پرانے زلیوہ، آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح
کے پرانے صنعتی عجائب و نوادہ اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے
کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فرستیں ہی سگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل
دلت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نواد عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مسافت و ساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران،
ترکستان، چین، وغیرہ ملک میں ہائے ایجنٹ ہیشگردش کرنے سے ہے۔

بایں ہمہ

قیمتیں نجیب آئینہ عمدتہ کارڈز ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نواد حاصل
کرتے ہیں۔ تاہم کے نئے آؤان ٹی کے نواد بھی حاصل ہیں ہم نے فراموش نہیں

اگر آپ کے پاس نواد موجود ہوں

تو

آپ فرحت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے خط و کتابت کیجئے بہت
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

یاد رکھئے

موسم گرما کا نیا تحفہ

صرف ہمدرد دواخانہ ملیگا

شریت روح فستز (جسٹر)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں بے شمار خوبیاں کی وجہ سے اسم باسکی ہیکر ملا تفریق ہر دلفریزی و خیریت مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک غیر ملک شہرت حاصل کر چکا ہے اور جس کو چشم بہ (حریص) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے ڈسٹرکٹ بھی کرایا گیا ہے۔

موسم ناظرین! آپ میں جو احباب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے فائدہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل وہیم شستا تانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان میں جو سینہ بڑا علم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کیا جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شریت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج موسم گرما میں غش ڈالنے و زحمت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔ ناظرین! یہ شریت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فوائد کا ہٹل انگور، سیب، رنگرہ و غیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے خوش ذائقہ ہے۔ خشکی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ اجلا ج قلب، درد سرد و دران سرشاری، وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سرد ادوی امراض کے واسطے عمدہ اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

موسمی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر اظہار پر رنگ و دلچسپ اور پکینگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اور اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خدادیم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشار کی ترویج کو ترقی دینا منظر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ بول دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا آسیرا فراز منوہ ہے اور جس کی ہر چیز دیسی ہی ہے۔ خوش ہو گئے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت ہم لئے کم رکھی ہے کہ ہر حشریت کے لوگ اس کو فائدہ حاصل کر سکیں قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (دو) حکیموں اور عطاروں کے علاوہ، تاجران شریت کو بشرطیکہ وہ ایک دجن یا اس سے زیادہ خریدیں ددانی روپیہ کٹن یا جائیگا۔

نوٹ: اس شریت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی فحشلت ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شریت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شریت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیل اور ہر لفظ جسٹر و ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شریت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی مل سکتا ہے۔ "فہرست دواخانہ منہ خیری سنہ ۱۹۳۴ء کارڈ آنے پر مفت ارسال ہوگی۔"

تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

پتہ - ہمدرد دواخانہ دہلی

اگر آپ کو

دوست (ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما گائیڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوائیٹوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کر دے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جا سکیں جن کی ایک سیاح کو

قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف

ڈنلاپ گائیڈ بوک برٹین

The Dunlop Guide to Great Britain

کا

دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک شال میں مل سکتی ہے

اگر آپ

علم و کتب کی دعت اور دستِ طلب کی کوتاہی ہو گھرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام تہمیریں اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.**

جو
دُنیا میں کتبِ فروشی کا عظیم مرکز ہو
اور
جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور اُن کے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہو!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور متحدہ ممالک میں شائع ہوا ہو

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلہ
بچوں کے لکھ ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سرگرمی ادستے سے استے ایلٹین
آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں

ہر تھما کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے۔

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فرالڈ پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تہوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تہوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

السلامة

عدد ۱۲

جلد ۱

ابن پیرنگ

قیمت

۵ - آنه

الہلال

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۹ - ربیع الاول ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۴

Calcutta : Friday, 16, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزوں نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔ طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔ پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔ براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔ طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضا ایک بار دور کر دی جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۱۲۰ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

۲۹۹	اردو حروف کی حق میں	۱۹۷	عربی حروف کی حق میں
	حروف کی حق میں بشرطیکہ	۳۰۴	موجودہ مشترک طباعت کی حق میں
۱۰۵	نستعلیق ہوں	۲۱۵	پتھر کی چھپائی کی حق میں

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال

الہلال

ایک ہفتہ وار مصلوٰہ سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۹ - ربیع الاول ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۴

Calcutta : Friday, 16, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان
دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی
تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۱۲۰ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

۲۹۹	اردو حروف کی حق میں	۱۹۷	عربی حروف کی حق میں
	حروف کی حق میں بشرطیکہ		موجودہ مشترک طباعت کی حق میں
۱۰۵	تستعلیق ہوں	۲۱۵	پتھر کی چھپائی کی حق میں

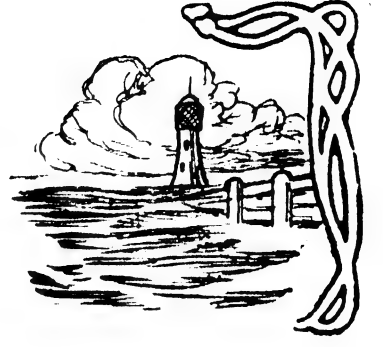
ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر
کریں گے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال



بریتانیا



مکتوب فرانس

انگلستان اور فرانس کی کشمکش - فرانس میں شاہی دعاۃ -
عورتوں کیلئے جبری فوجی خدمت - عورتوں کے سیاسی حقوق

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم پیرس کے قلم سے)

ادھر چند سال سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات برابر خراب ہوئے چلے جا رہے ہیں - انگلستان دیکھتا ہے کہ جرمنی کی تباہی کے بعد اُسکی اصلی اور زبردست دشمن دو ہیں : روس اور فرانس - روس اُسکی ملک گیری کا دشمن ہے، اور فرانس دنیا کے ہر خطہ میں اُسکی ملک گیری کا شریک بننا چاہتا ہے - یہی وجہ ہے کہ انگلستان نے بیک وقت دو سیاسی میدان جنگ قائم کر دیے ہیں - ایک میں روس سے نبرد آزمائی کر رہا ہے - دوسرے میں فرانس سے -

فرانس کو رک دینے کے لیے انگلستان نے یہ تدبیر کی ہے کہ آسے یورپ میں اُسکے تمام دوستوں اور حامیوں سے محروم کر دیا ہے - اس وقت فرانس بالکل بے یار و مددگار ہے - انگلستان کی یہ قدیم حکمت عملی ہے کہ وہ حریف کے مقابلہ میں بذات خود بہت کم آتا ہے - دور سے دوسروں کو شہ دیتا اور نئے نئے دشمن اپنے حریف کے سامنے کھڑے کرتا رہتا ہے - اس وقت بھی اُسکا یہی طرز عمل ہے - مدت تک فرانس کا سامنا جرمنی سے رکھا - اب اُس کی تباہی کے بعد اٹلی کو کھڑا کر دیا ہے - فیشیسم نے اٹلی کو دیوانہ بنا دیا ہے اور وہ ناعاقبت اندیشانہ انگلستان کا چیلہ بن گیا ہے -

اٹلی پر افسوس پھونک چکنے کے بعد انگلستان نے ہنگری، رومانیہ، بلغاریہ، یونان، اسپین، لیتھونیا، استھونیا، اور فلینڈ کو بھی ملا لیا - صرف پولینڈ اب تک فرانس کے زیر اثر تھا مگر آج کل سر آسٹن چمبرلین آسے بھی مسحور کر رہے ہیں، اور باخبر لوگوں کو یقین ہے کہ امروز فردا میں پولینڈ بھی انگریزی جال میں پھنس جائیگا -

اس صورت حال نے فرانس کو سخت بدحواس کر دالا ہے - فرانسیسی مدبر اور اخبار بری طرح انگلستان کو کالیاں دے رہے ہیں - انہیں صاف نظر آ رہا ہے کہ بحر متوسط میں انگلستان اُن کی قوت نس طرح مفلوج کر رہا ہے اور اٹلی کو آگے بڑھا کر اُنکی قومی ہستی کے لیے سخت خطرے پیدا کر دے ہیں -

اخبار ”طان“ نے اس ہفتہ ایک افتتاحیہ شائع کیا ہے اور اُس میں انگلستان پر بہت لے دے کی ہے - وہ لکھتا ہے :

”برطانیہ یقین کرتا ہے کہ اس وقت دنیا کے امن اور جنگ دونوں کی کنجیاں اُسی اکیلے کے ہاتھ میں ہیں - اُس نے خفیہ معاہدوں کی قدیم سنت پھر زندہ کی ہے اور پورے یورپ میں سازشوں کا جال پھیلا دیا ہے - اس وقت فرانس کو پس پشت ڈال کر اُسکا اعتقاد اٹلی پر ہے - اٹلی کی رضامندی وہ ہر قیمت پر خرید رہا ہے - لیکن یہ قیمت وہ اپنی حبیب سے ادا نہیں کرتا، بلکہ دوسروں کی جیب پر سودا کرتا ہے - سان ریمو کانفرنس سے پہلے ہی انگلستان نے اٹلی کو ایشیا کے کوچک کا ایک وسیع علاقہ رشرت میں پیش کیا تھا - لیکن ترکی کی قوت نے اٹلی کے حوصلے پست کر دیے - پھر جنیوا کانفرنس سے پہلے اُس نے اٹلی کو فرانس کے برابر بحری قوت رکھنے کا حق دے دیا - پھر لندن کانفرنس سے پہلے اٹلی کو ٹیرول کا معاوضہ اور تجارتی مراعات دیکر اپنا کر لیا تھا - سنہ ۱۹۲۴ء کے ختم ہونے سے پہلے ہی گرلینڈ کا علاقہ اٹلی کو دیدیا گیا - اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء میں لوکارنو کا معاہدہ ہوا - اس میں اٹلی کو فرانس سے بالا ترجیح دی گئی - ۵ دسمبر سنہ ۲۵ء کو اٹالین طرابلس میں کفرہ اور جغوب، سنوسیوں کے متبرک شہر بھی شامل کر دیے گئے - ابھی پورا مہینہ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ۲۹ دسمبر کو افریقا اور ایشیا میں اٹالین مطالبات پر ”دورستانہ غور“ کیا گیا - اس کے ایک مہینہ بعد ۲۷ - جنوری سنہ ۲۶ء کو اٹلی کے جنگی قرضہ میں سے ایک بہت بڑی رقم معاف کر دی گئی - ۱۶ اپریل سنہ ۲۶ء کو اٹالین علاقہ اریٹرا اور بھی زیادہ وسیع کر دیا گیا اور حبش کی بانٹ میں اٹلی کا ساچھا بھی تسلیم کر لیا گیا - پھر ۷ - اگست میں اٹلی اور اسپین کے مابین معاہدہ کر لیا گیا اور انگریزی مدبروں نے اعلان کیا کہ یہ معاہدہ بحر متوسط میں سیاسی توازن کی بہترین ضمانت اور فرانس کی گردن دبانے کا عمدہ ذریعہ ہے - پھر ۲۰ دسمبر سنہ ۲۶ء کو جب کہ اٹلی اور فرانس کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے، جرمنی اور اٹلی میں معاہدہ پر دستخط ثبت کر دیے گئے - یہ معاہدہ درحقیقت ہجومی دفاعی معاہدہ ہے اور اس نے فرانس کی سلامتی کے لیے شدید خطرہ پیدا کر دیا ہے - اُسکے ایک مہینہ بعد ۲۰ - جنوری سنہ ۲۷ء کو بحر احمر کے عربی سواحل کی تقسیم ہوئی اور اٹلی نے جو کچھ مانگا، انگلستان نے بخوشی دیدیا“

”اٹلی کی یہ خوشامد، محض موسو لینینی کی سیاہ آنکھوں کے لیے نہیں ہے - دراصل انگلستان آسے فرانس کے سر پر اُسی طرح سوار کرنے کی فکر میں ہے، جس طرح اب سے پہلے جرمنی کی مدتوں سوار رکھ چکا ہے - انگلستان نے یورپ کی تقریباً تمام چھوٹی بڑی سلطنتوں کو پھسلا کر اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور فرانس کو چھوٹ بنا کر الگ کر دیا ہے ...“

اس ایک اقتباس ہی سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات کی موجودہ نوعیت معلوم کر لی جاسکتی ہے اور اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت یورپ کی سیاست کس طرف جارہی ہے ؟

عورتوں کی انجمن نے اس تجویز پر در اہم اعتراض کیے ہیں : ایک یہ کہ اس معاملہ پر غور کرتے وقت عورتوں سے رائے نہیں لی گئی - دوسرے یہ کہ فرانسیسی عورت اننگ اپنے سیاسی حقوق سے محروم ہے - چنانچہ اسے مجلس حکومت ، بلدیہ ، اور مجلس ضلع وغیرہ نمائندہ مجلسوں میں انتخاب کا حق نہیں دیا گیا ہے -

عورتوں کی مشورہ زعمیہ میڈم میزمر نے اخبارات میں احتجاجی مضمون شائع کیا ہے - وہ لکھتی ہے :

فرانسیسی عورت ، وطن مقدس کی خدمت سے جی نہیں چراتی - لیکن جبکہ اسے مردوں کے برابر حقوق دینے سے انکار کیا جاتا ہے تو اس پر مردوں سے زیادہ بوجھ ڈالنا کیوں در جائز ہوتا ہے ؟ فرانسیسی عورت اگر آرزوئی خدمت انجام نہ بھی دے ، جب بھی اُسکی یہ خدمت کیا کم ہے کہ وہ وطن کے لیے مجاہد پیدا کرتی ہے ؟ اُسکی یہی ایک خدمت اور اس خدمت کی شدید تکلیفیں اسے مردوں کے ہم پلہ در دیتی ہیں - پھر فوجی خدمت کا ایک نیا بوجھ اُسکے سر پر ڈال کر اُسکے مصائب میں کیوں اضافہ کیا جاتا ہے ؟

نیز یہی خاتون لکھتی ہے :

”عورتوں سے فوجی خدمت لیکر حکومت فرانس ، ملک کو ساری دنیا میں بدنام کرنا چاہتی ہے - اس وقت جبکہ تمام سلطنتیں جنگی طیارے کم کرنے پر غور کر رہی ہیں ، ہماری حکومت ایک نئی طیارے کا اضافہ کرنے پر تلی ہوئی ہے - حکومت کی یہ تجویز لندن اور ہیگ کے معاہدوں کے بالکل خلاف ہے - ہم ہرگز قبول نہیں کر سکتے کہ ہمارا ملک فوجی چھاؤنی بن جائے“

(عورتوں کے سیاسی حقوق)

حکومت فرانس کی اس تجویز نے عورتوں میں اپنے حقوق حاصل کرنے کا ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا ہے - انہوں نے باضابطہ کوشش شروع کر دی ہے - تمام سیاسی پارٹیز سے انہوں نے درخواست کی ہے کہ حق انتخاب ہمیں بھی دیا جائے ، ورنہ ہم تمام ملک میں شورش برپا کر دیں گے -

فرانس کی عورتوں کا سب سے بڑا استدلال دوسرے ملکوں کی حالت سے ہے - وہ کہتی ہیں ، دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں عورتوں کو حق انتخاب حاصل ہو گیا ہے - پھر ایک اکیلے فرانس کی عورتیں اس سے کیوں محروم ہیں ؟ حالانکہ سب سے پہلے فرانس ہی نے جمہوریت کا علم بلند کیا تھا -

عورتوں کی یہ حجت قوی ہے - کیونکہ واقعی اکثر متمدن ملکوں میں عورتوں کو انتخاب میں شرکت کا حق حاصل ہو گیا ہے - چنانچہ ڈنمارک میں یہ حق سنہ ۱۹۱۵ء میں حاصل ہوا - روس میں سنہ ۱۹۱۷ء میں - ہولینڈ ، یوکرین ، استونیا ، لٹھونیا ، ایرلینڈ اور برطانیہ میں سنہ ۱۹۱۸ء میں - برطانوی قانون کے الفاظ یہ ہیں ”تمام سیاسی حقوق ہر اس عورت کو حاصل ہیں جو تیس سال کی عمر رکھتی ہے ، شادی شدہ ہے ، یا اپنے نام سے کرایہ مکان ادا کرتی ہے ، یا یونیورسٹی کی سند رکھتی ہے“ سوڈن ، ناروے ، آسٹریا ، زیکوسلاویا ، ہنگری ، اور جرمنی کی عورتوں کو یہ حق سنہ ۱۹۱۹ء میں حاصل ہوا - اہل بلجیم ، ٹرنسوال ، آسٹریلیا ، نیوزی لینڈ ، اور ولایت متحدہ امریکا کو سنہ ۱۹۲۰ء میں -

ظاہر ہے اس صورت میں فرانس کی عورتیں اپنی محرومی پر کیونکر صبر کر سکتی ہیں ؟

یہ بات نہیں ہے کہ انگلستان کی نیش زنی کے مقابلہ میں فرانس خالی بیٹھا شکوے شکایت ہی کر رہا ہو - اس سیاسی جنگ میں وہ بھی اپنی تمام قوت و قابلیت صرف کر رہا ہے - بلاشبہ اس وقت یورپ میں اسے بڑی حد تک شکست اٹھانی پڑی ہے - لیکن اسے اس شکست کا بدلہ انگلستان سے مشرق قریب و بعید میں لے لیا ہے - ترکی کی طرفداري کر کے اس نے برطانیہ کو سخت نقصان پہنچایا ہے - اور اب چین میں بھی برطانیہ سے مختلف روش اختیار کر کے اسے ایسی زک دی ہے کہ مدتوں نہ بھولے گا -

مسیر بریل وزیر خارجہ نے حال ہی میں مسئلہ چین پر ایک طویل تقریر کی ہے - ان کے یہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں :

”چین کا مسئلہ اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس نے ”بعض“ سلطنتوں کو بری طرح بد حواس کر ڈالا ہے - مگر اس بارے میں فرانس نے ایک بالکل صاف اور تھوس مسلک قرار دے لیا ہے - وہ مسلک یہ ہے کہ ہم چینی انقلاب کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرنی گے - چینی قوم پرست اچھی طرح دیکھ چکے ہیں کہ فرانس ان کا کیسا قدردان اور مداح ہے - یہی وجہ ہے کہ فرانس کے جملہ حقوق چین میں بالکل محفوظ ہیں - حالانکہ ”بعض“ دوسری سلطنتوں کو اپنے حقوق بچانے کے لیے فوجیں بھیجنا پڑی ہیں - ہم چین کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری طرف سے اس کے لیے نہ تو جنگ کا خطرہ ہے ، نہ ہم اس کی راہ میں کوئی رڑا اٹکانا چاہتے ہیں“

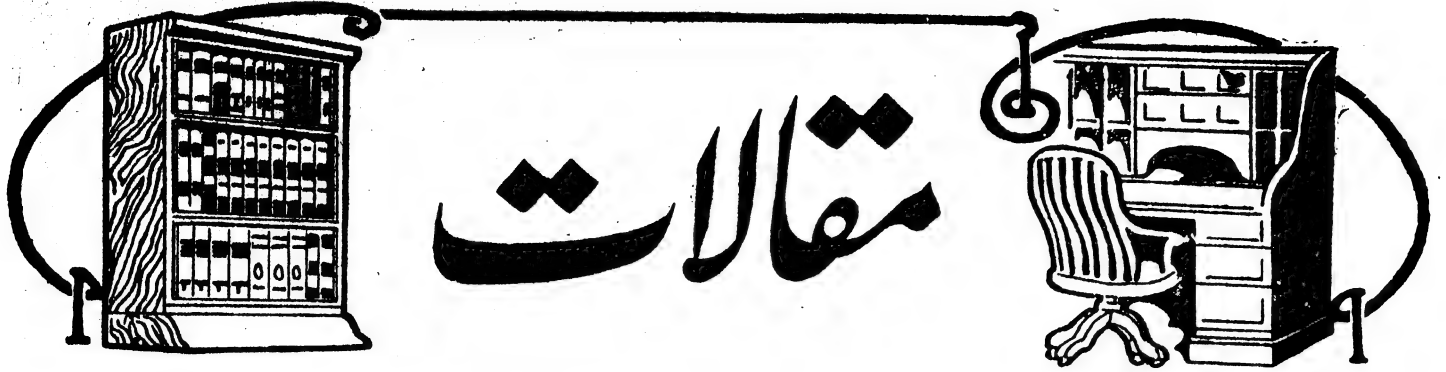
(فرانس میں شاہی)

اس وقت فرانس میں سخت اندرونی خلفشار موجود ہے - قوم تین بڑے گروہوں میں بٹ گئی ہے - ایک جماعت موجودہ جمہوری نظام کی حامی ہے اور یہی سب سے بڑی جماعت ہے - دوسری جماعت اشتراکیوں کی ہے - وہ چاہتی ہے اشتراکی نظام قائم ہو جائے - تیسری شاہ پسند ہے اور شاہی کا اٹا ہوا تخت پھر از سر نو بچھانا چاہتی ہے -

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ انقلاب کے بعد سے اس وقت تک کوئی زمانہ بھی فرانس پر ایسا نہیں گذرا کہ شاہ پسند جماعت موجود نہ رہی ہو - ڈیوک دی اریلیان کا خاندان برابر تخت شاہی کا دعوے دار رہا - آجکل شاہ پسندوں میں پھر حرکت پیدا ہوئی ہے اور انہوں نے بڑی سرگرمی سے اپنی دعاویہ شروع کر دی ہے - گزشتہ ہفتہ کونٹ ڈی بلوا نے اخبارات میں ایک پر زور مضمون شائع کیا ہے اور اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بالشویک خطرے کے استیصال اور یورپ کی تمام مشکلات کے حل کی حقیقی صورت یہی ہے کہ فرانس کی موجودہ جمہوریت توڑ دی جائے اور شاہی حکومت قائم ہو - کونٹ نے تخت شاہی کیلئے ڈیوک ڈی گیز کا نام بھی پیش کیا ہے جو قدیم خاندان شاہی کا ایک بڑا رکن اور فی الحال بادشاہی کا دعویدار ہے -

(عورتوں کی فوجی بھرتی)

فرانسیسی حکومت بہت بڑے پیمانہ پر جنگی طیارے کر رہی ہے - حال میں اسے ایک مسودہ قانون پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا ہے - اس سے مقصود فرانسیسی عورتوں کو فوجی خدمت پر مجبور کرنا ہے - اس تجویز نے تمام ملک میں بیچینی پیدا کر دی ہے - عورتوں میں ناراضی عام ہے اور مردوں کی بھی بہت سی انجمنیں برہمی کا اظہار کر رہی ہیں -



قانون کی تنقید اور قانون کی

توہین

تاریخ قوانین مدنیہ کا ایک صفحہ

وکیل ہیگور کی تقریر اپنے لڑے کی حمایت میں

(۲)

”یہ ایک منحوس قانون ہے۔ یہ قانون، دنیا کے سامنے ایسے مناظر پیش کرتا ہے جو ادب و حیا سے بالکل خالی ہیں۔ انسانیت، شرم و ندامت سے اپنا منہ چھپا لیتی ہے۔ خطرناک مناظر! وحشیانہ مناظر! یہ قانون، انسانیت کو وحشت کی طرف واپس لے جانا چاہتا ہے۔ اس کی قربانیاں کتنی ہی کم ہوں، مگر حد سے زیادہ خوفناک ہوتی ہیں! اس کے نتائج کتنے ہی ہولناک ہوں، مگر وہ انسانوں کو نکتہ چینی کی اجازت دینا نہیں چاہتا۔ اگر کوئی حساس ضمیر رکھنے والا نکتہ چینی کی جرأت کرتا ہے، تو اس کی جرأت ”قانون کی توہین“ خیال کی جاتی ہے۔ اور وہ عدالت کے اندر مجرموں کے کٹھمرے میں کھڑا کیا جاتا ہے!

”پھر اس کے بعد؟ جرمانہ! اس کے بعد؟ قید خانہ!

”اگر یہی ہے تو آئیے ہم پارلیمنٹ بند کر دیں۔ مدرے بند کر دیں۔ اب ترقی و تمدن کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ آئیے، اب ہم اپنے آپ کو ”تاتار“ اور ”تبتی“ کہیں۔ اب ہم متمدن قوم باقی نہیں رہے۔

”ہاں اب ہمارے لیے یہی اولیٰ ہے کہ اپنے آپ کو نیم وحشی یا خالص وحشی قوم کہیں۔ اگر دنیا میں کبھی فرانس نامی کوئی ملک موجود تھا، تو اب وہ موجود نہیں رہا۔ تم نے فرانس کو بدل ڈالا ہے۔ بلاشبہ فرانس، شاہ پسند نہیں ہے۔ لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ جمہوری بھی نہیں ہے۔ اب وہ ان دونوں کے سوا کچھ آرزو کیا ہے! (قہقہہ)

جج — میں دوبارہ تنبیہ پر مجبور ہوں۔ میں خاموشی کی درخواست کرتا ہوں، ورنہ ایوان کے خالی کر دینے کا حکم دوں گا۔ وکیل ہیگور — (تقریر جاری رکھتے ہوئے) آئیے ہم واقعات پر غور کریں۔ الزام کو حقائق پر منطبق کریں۔

”محترم جج اور جیوری! ایک وقت اسپین میں محاکمہ تفتیش تھے، اور وہی ”قانون“ تھے... بہت خراب۔ لیکن مجھے یہ کہنے دیجئے کہ جو ہولناک سزائیں یہ محاکمہ تفتیش دیا کرتے تھے، ان سزائوں کا احترام قانون کا احترام نہیں تھا۔ ایک زمانہ میں ہاتھ

کاٹنا قانون تھا، لیکن ہاتھ کاٹنے کی کبھی تعظیم نہیں کی گئی۔ ایک زمانہ میں آگ سے داغنا، قانون تھا، مگر اس فعل کی تقدیس کبھی قانون نہ تھی۔ اب ہمارے زمانے میں گلوٹین، قانون ہے... بہت خوب... میں دعوے سے اس حقیقت کا اعلان کرتا ہوں کہ اگرچہ آج گلوٹین قانون ہے، مگر خود گلوٹین کی کبھی تعظیم نہیں کی گئی اور نہ اس وقت کی جا رہی ہے۔ میرے آقا، سرکاری وکیل! یہ کیونکر؟ میں ابھی آپ کو اس سوال کا جواب دے دیتا ہوں۔

”میں کہتا ہوں اس ملک کے باشندے گلوٹین کو بھی نفرت و کراہیت کے اسی گڑھے میں پھینک دینا چاہتے ہیں، جس میں اب سے پہلے، ساری جہاں کی تحسین و آفریں کے غلغلہ کے ساتھ، آگ سے داغنے، ہاتھ کاٹنے، اور محاکمہ تفتیش کی سزائوں کو ابد الابد تک کے لیے پھینک چکے ہیں۔

”باشندے چاہتے ہیں، عدالت کے بلند اور مقدس چبوترے پر سے اس سترے ہوئے منحوس قانون کی لاش اٹھا پھینکیں۔ کیونکہ یہ عدل و انصاف کے نورانی چہرے کو ایذی تعفن اور ظلمت سے بگاڑ رہا ہے... آہ... جلاہ کا منحوس چہرہ...!

”چونکہ ہم یہ انسانی فرض ادا کرنا چاہتے ہیں اس لیے ہم پر شورش پھیلانے کا الزام لگایا جاتا ہے۔

”ہاں بے شک ہم نہایت خطرناک لوگ ہیں۔ حد سے زیادہ خوفناک لوگ! کیوں؟ اس لیے کہ ہم گلوٹین کی منسوخی چاہتے ہیں... اس سے بھی بڑے کر کوئی جرم دنیا میں موجود ہے؟

اخبار..... ال کے محرر پر الزام ہے کہ اس نے قانون کا احترام نہیں کیا۔ حضرات! تہذیبی دیر کے لیے ہم اس قانون کی عبارت میں، بحث سے الگ ہو جائیں، اور پورے خشرم و خضوع کے ساتھ اس قانون کے سامنے کھڑے ہوں جو ہر قانون کی بنیاد ہے۔ انسانی ضمیر کے سامنے، جو ہر سینے میں محفوظ ہے!

جب ”سرون“ نے، جو اپنے عہد میں سرکاری وکیل تھا، یہ کہا تھا کہ ”ہمارے تعزیری قوانین، الزام کے دروازے کھولتے مگر ملزم کیلئے بند کرتے ہیں“ تو کیا اس نے یہ کہہ کر قانون کی توہین کی تھی؟

”جب رائیڈ نے اپنے زمانے کے ججوں کی نسبت کہا تھا... ”ان ججوں کا ذکر نہ کرو۔ ان میں سے آدھے بندر ہیں اور آدھے چیتے“ (قہقہہ) تو کیا اس نے قانون کی توہین کی تھی؟

”جب ”روبر کولر“ نے ایک قانون کے متعلق خود پارلیمنٹ میں گلا بھار کر کہا تھا ”اگر تم یہ قانون بنائے ہو تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اسے توڑ دوں گا“ تو کیا یہ کہہ کر اس نے قانون کی توہین کی تھی؟

کت (ملا بار) پہنچتا ہے، مگر وہاں کی آب و ہوا راس نہیں آتی، اور تہ روزے ہی عرصہ کے بعد دکن پہنچکر سلاطین عادل شاہی کا مہمان ہوتا ہے۔ یہاں عرصہ تک مقیم رہتا ہے، لیکن اُس کے بعد پھر طرح طرح کے تغیرات و حوادث پیش آتے ہیں۔ یہاں تک کہ بالآخر یہ نسخہ سنہ ۱۷۹۹ء میں ایک فرانسیسی کے ہاتھ لگتا ہے اور اب پیرس کے قومی کتب خانے میں محفوظ ہے!

کتاب عراق میں پیدا ہوئی، رے میں لکھی گئی، غزنی میں مقیم ہوئی، غزنی سے مصر پہنچی، مصر سے یمن، یمن سے ملا بار، ملا بار سے بیجا پور، بیجا پور سے پانڈی چری، پانڈی چری سے ایشیا اور یورپ کے تمام برہی اور بحری فاصلے طے کر کے پیرس دار الحکومت فرانس میں!

بہ بین تفارت رہ از کجاست تا بجای؟

(ہندوستان کا گذشتہ دور علم)

اس سلسلہ میں ہندوستان کا پچھلا دور علم خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ یہ ملک عربی و اسلامی تمدن کے تمام بڑے بڑے مرکزوں سے بعید و مہجور تھا۔ دمشق، بغداد، قاہرہ، اندلس، خوارزم، شیراز، رے، اصفہان، یمن، وغیرہ ممالک، عربی و اسلامی تمدن کے وقتاً فوقتاً مرکز رہے، لیکن ہندوستان ان میں سے کسی ملک سے بھی متصل اور قریب نہ تھا۔ تاہم ہندوستان میں وقتاً فوقتاً علوم عربیہ و اسلامیہ کے جیسے جیسے عظیم الشان ذخیرے جمع ہوئے اور عربی علوم کے اصولی نسخوں اور امہات نقل و کتابت کا جیسا قیمتی سرمایہ فراہم ہوا، وہ کسی طرح بھی اسلامی تمدن کے مرکزی مقامات سے کمتر قرار نہیں دیا جاسکتا، اور ہندوستان کے امراء و علماء کی علمی قدردانیوں اور علمی مساعی کی حیرت انگیز شہادت ہم پہنچاتا ہے۔ گذشتہ نو صدیوں کے اندر بے شمار ملکی انقلابات پیش آئے۔ ہر انقلاب میں علم و تمدن کا پچھلا ذخیرہ برباد ہوا، اور نئے ذخیروں کی ازسرنو بنیادیں پڑیں۔ خصوصاً سترھویں صدی کے اڑال سے لیکر گذشتہ ۵۷ء کی انقلابی بربادیوں تک کا زمانہ تو علمی ذخائر کی تباہیوں کا ایک مسلسل دور تھا۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ جونپور، مالوہ، دکن، دہلی، آگرہ، لکھنؤ، اور مرشد آباد میں نو سو برس کے اسلامی تمدن نے جس قدر ذخائر علم جمع کیے تھے، اُن کا در تہائی حصہ یکدم برباد ہو گیا، اور ایک تہائی حصہ جو باقی رہا، اُس کا بھی بڑا حصہ منتشر ہو کر یا تو یورپ پہنچ گیا، یا گمنام اور مجہول گوشوں میں نا پید ہو گیا۔ با ایں ہمہ آج بھی ہندوستان کی فراہم شدہ کتابوں کا جس قدر سراغ خود ملک کے اندر یا ملک سے باہر لگ سکتا ہے، اُس سے ہم اس کی عظمت و کثرت کا وثوق کے ساتھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ عربی و اسلامی علوم و فنون کی کوبی شاخ بھی ایسی نہیں ہے جس کی امہات کتب کے اصولی نسخے (یعنی وہ نسخے جو یا تو مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے، یا ائمہ فن کے درس و مطالعہ میں رہ چکے تھے اور اس لیے نقل لینے کے لیے زیادہ مستند سمجھے جاتے تھے، یا اسی طرح کی کوئی اور اہمیت رکھتے تھے) ہندوستان نہ پہنچے ہوں، اور نہ صرف سلاطین و امراء کے کتب خانوں میں، بلکہ ایک ایک قصبہ اور قریہ کے اندر اُن کی بڑی تعداد موجود نہ ہو۔ قرآن مجید، صحاح ستہ، معاجم و مسانید، تفاسیر و شرح، امہات اصل و فقہ، تاریخ و علوم کے رہ نسخے جو سلاسل علم کے ائمہ و اکابر نے حجاز، عراق، مصر،



صحیح بخاری کا ایک تاریخی نسخہ

(مجدد الدین فیروز آبادی اور دولت رسولیہ)

انسان کی طرح کتابوں کی بھی زندگی ہے۔ جس طرح انسان پر پیدائش، موت، اقامت و سفر، غربت و ہجر، اور عروج و زوال کے حوادث و ایام گزرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح کے حوادث و ایام سے فکر انسانی کی ان کاغذی مخلوقات کی تاریخ بھی مرتب ہوتی ہے۔ ایک شخص دنیا کے کسی خاص حصے میں پیدا ہوتا ہے، لیکن سیلاب حوادث اچانک اسے دنیا کے ایک دور دراز حصے میں پہنچا دیتے ہیں جس کا اسے کبھی دھم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔ یہی حال دنیا کی مشہور و معروف کتابوں اور اُن کے تاریخی نسخوں کا بھی ہے۔ سینکڑوں ہزاروں کتابیں اور اُن کے نسخے آج دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہیں۔ اگر اُن کی تاریخی حیات پر نظر ڈالی جائے، تو انقلاب و حوادث عالم کی ایک عجیب و غریب داستان نمایاں ہو جائیگی۔ نہیں معلوم انتقال اور تغیر کی کبھی کیسی منزلوں سے گزرنے کے بعد، وہ اپنے مولد و منشاء کی جگہ، ان مقامات میں آج پناہ گزیں ہو سکے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ایک کتاب اب سے ایک ہزار برس پہلے دنیا کے کسی ایک گوشہ میں پیدا ہوئی ہو، اور آج دس صدیوں کے اُن انقلابات و تغیرات کے بعد حن سے بے شمار ملکوں اور قوموں کی موت و حیات اور عروج و زوال کی داستانیں وابستہ ہیں، دنیا کے ایک دوسرے انتہائی گوشہ میں پہنچ گئی ہو!

(ایک نسخہ کی سوانح حیات)

شیخ ابو اسماعیل ازہدی نے دوسری صدی ہجری کے وسط میں فتوح الشام کی روایات جمع کیں۔ صاحب ابن عباد نے چوتھی صدی ہجری میں اپنے خزانۃ کتب کے لیے اُس کا نسخہ ابن فارس امام لغۃ و عربیۃ کی زیر نگرانی و تصحیح لکھوایا۔ پانچویں صدی میں یہ نسخہ نہیں معلوم حوادث و تغیرات کی کتنی منزلیں طے کر کے غزنی پہنچا، اور سلاطین غزنویہ کی مراہیر اُس پر ثبت ہوئیں۔ پھر غزنی سے نکل کر دشت غربت و مہاجرت کی لٹی نئی منزلیں طے کیں، اور تمام بلاد ایران و عراق طے کر کے مصر جا پہنچا، چنانچہ ساتویں صدی کے اواخر میں شیخ ابو یعلیٰ مصری کا دستخط اُس پر ثبت ہوا، اور نصف صدی تک اسی سرزمین میں مقیم رہا۔ پھر اُس کے بعد یہی نسخہ یمن پہنچتا ہے، اور کتب خانۃ شاہی کی مہر اس پر ثبت ہوتی ہے۔ نیز بعض سلاطین یمن اسی نسخے پر اس کی قرأت و درس کی اجازت اپنے شہزادے سے لیتے ہیں۔ پھر یمن سے یہ نسخہ نکلتا ہے، اور کالی

سنہ ۹۷۰ میں دکن پہنچا، اور دکن سے ایک شائق علم شیخ محمد یوسف نامی نے حاصل کیا۔

(جامع صحیح بخاری نسخہ رسولي ۲)

آج ہم صحیح بخاری کے نسخہ رسولي کے آخری صفحہ کا عکس مع مختصر تشریحات کے شائع کرتے ہیں۔ یہ نسخہ مسیم الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب رئیس دہلی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس نسخہ کی تاریخی نوعیت حسب ذیل ہے:

(۱) اصل نسخہ بغداد میں

لکھا گیا ہے اور وہاں درس و املاء میں رہ چکا ہے۔

(۲) بغداد سے شام پہنچا،

اور متعدد علماء و حفاظ حدیث نے املاء و درس کے وقت اسکی تصحیح کی اور جابجا بین السطور اور حواشی میں اختلاف رواۃ و نسخ کی نسبت فوائد و منہیات کا اضافہ کیا۔

(۳) شام سے یہ نسخہ غالباً

مصر پہنچا، اور خاندان رسولي کے امراء مقیمین قاہرہ کے ہاتھ لگا۔ جب وہ یمن پر قابض ہوئے تو اُن کے ساتھ یمن پہنچ کر شاہی کتب خانہ میں داخل ہوا۔

(۴) جب شیخ مجدد الدین

فیروز آبادی صاحب قاموس، یمن پہنچے، اور سلطان ملک الاشرف رسولي نے اُن سے صحیح بخاری کی اجازت حاصل کرنی چاہی، تو اسی نسخہ پر درس و املاء کا سلسلہ جاری ہوا، اور اتمام درس کے بعد شیخ موصوف نے اپنے قلم سے ملک الاشرف کے لیے سند و اجازت کی سطور تحریر کر دیں۔

چنانچہ کتاب کے آخر میں شیخ مجدد الدین کے قلم سے حسب ذیل عبارت مرقوم ہے:

”..... سماعاً علی لجمیع الصحیح مولانا و مولانا و خلیفۃ اللہ فی عصرنا، السلطان بن السلطان بن السلطان، المالک الملک الاشرف، مہمد الدینا و الدین، اسماعیل بن العباس بن علی بن داؤد، خلد اللہ

سلطانہ، و شید بعدلہ قراءۃ الدین و ارکانہ؛ فی بضع و ثلاثین مجلساً من شہر رمضان، سوی المجلسین الاخرین فی شوال، من عام تسعة و تسعين و سبعمائة، و اجزیت رزایتہ و رزایتہ سائر ما یجوز لی و عنی رزایتہ بشرطہ۔ قالہ و کتبہ أملتجی الی حرم اللہ تعالیٰ محمد بن ابی محمد بن محمد بن ابراہیم الفیروز آبادی تجارز اللہ عنہ، و صلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ و سلم“

خوارزم، بلاد فارس، اور مغرب و اندلس میں لکے تے یا انکی تصحیح کی تھی، نہ صرف دہلی و آگرہ کے شاہی کتب خانوں میں بلکہ جونپور اور اردہ کے قریوں تک میں موجود تے۔ یا قوت مستعصمی کے لکے ہوئے مصاحف، رے اور شیراز کے مجمع قراء و حفاظ کے مصححہ قرآن، حفاظ حدیث کے لکے ہوئے یا املاء شدہ مجامیع حدیث، حافظ ابن صلاح اور نو ری جیسے اکابر حدیث کے دستخطی صحیحین، حافظ ابو العجاج مزنی اور امام ذہبی کی

مصححہ صحاح ستہ، حافظ ابن حجر اور انکے معاصرین کی خود نوشتہ مصنفات، آگرہ اور دہلی میں اسی طرح ملتی تھیں، جس طرح بغداد اور قاہرہ میں مل سکتی تھیں!

(پانچ نسخہ)

ہندوستان کے مختلف گوشوں

میں اب بھی اس پچھلے دور عام کے نشان قدم باقی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ہم و فن کے اُن ذخائر کی کثرت و عظمت کا کیا حال ہوگا، جو اتنی بربادیوں کے بعد بھی بے نام و نشان نہ ہو سکے؟

ہم چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں

بعض تاریخی نسخوں کا ذکر کریں۔ بالفعل پانچ نسخوں کی تاریخ پیش نظر ہے۔ یہ وہ نسخے ہیں جن میں سے کسی کی زندگی پانچ صدیوں سے کم نہیں ہے اور جن پر انقلاب و حوادث ایام کے برے برے دور گزر چکے ہیں:

(۱) جامع صحیح بخاری کا

نسخہ رسولي مصححہ و درسیہ شیخ مجدد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس و سفر السعاده -

(۲) صحیح مسلم کا نصف

اخیر مصححہ حافظ ابن الصلاح صاحب مقدمہ - و درسیہ حفاظ مدرسہ اشرفیہ قاہرہ -

(۳) کتاب زاد الرفاق صلاح

الدین الایوبی (المتوفی سنہ ۵۵۷ھ) مصححہ مصنف جس پر قاضی الفاضل یعنے قاضی

عبدالرحیم بن علی وزیر سلطان صلاح الدین ایوبی کا دستخط ثبت ہے۔

(۴) تاریخ مکہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی البوزی -

مصححہ شمس الدین یوسف سبط ابن البوزی -

(۵) مقامات حریری کا نسخہ غرناطہ جو امیر ناصر الدین

عسقلانی (المتوفی سنہ ۷۳۳ھ) کے کتب خانہ میں داخل ہوا۔ پھر



(یمن کے سلاطین رسولی)

یمن کے خاندان رسولی کا تذکرہ عالم قاریوں میں بہت کم ملتا ہے، اس لیے لوگ ان کے ناموں سے آشنا نہیں۔ اس نسخہ کی تاریخ حیات کی توضیح کے لیے ضروری ہے کہ مختصراً اس کا ذکر کر دیا جائے۔

یمن میں ساتویں صدی ہجری کے اوائل سے لیکر تقریباً نویں صدی کے درمیانی عہد تک ایک خاص خاندان کے افراد کی حکومت رہی ہے جو ”رسولی“ کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ لوگ اصلاً ترکمان تھے اور ترکمانوں کے قبیلہ ”میجک“ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن جب اتفاقات وقت نے یمن جیسے خالص عربی ملک کا حکمران بنا دیا، تو ضرورت ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح اپنا سلسلہ نسب عرب سلاطین و امراء سے ملا دیں۔ چنانچہ ظاہر کیا گیا کہ ان کے مورث اعلیٰ جبلہ بن اہم غسانی کی نسل سے ہیں جو حضرة عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں مسلمان ہو کر پھر مسیحی ہو گیا تھا، اور قسطنطنیہ چلا گیا تھا۔ الحاق نسب کی صورت یہ اختیار کی گئی کہ جبلہ عرصہ تک رزم میں مقیم رہا۔ اُس نے اگرچہ مسیحی مذہب اختیار کر لیا تھا، لیکن اس کا قلب مطمئن نہ تھا۔ مرتے وقت اُس نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ بلاد رزم سے نکل کر اسلامی ممالک میں جائیں اور مسلمان ہو کر زندگی بسر کریں۔ وہ ترکمانوں کے قبائل میں آکر مقیم ہو گئے۔ اور اس طرح ان کی عربیت ترکمانیت سے تبدیل ہو گئی!

اس خاندان کا پہلا فرد جو تاریخ میں نمایاں ہوتا ہے، محمد بن ہارون بن یحییٰ رستم ہے۔ خلفاء عباسیہ کے زمانے میں یہ عراق آیا اور تھوڑے عرصہ کے اندر عزت و قبولیت حاصل کر لی۔ اُس زمانے میں حکومت بغداد کو ایک سفیر و رسول کی ضرورت تھی جو مصر و شام میں احکام خلافت کا مبلغ ہو۔ خلیفہ نے محمد بن ہارون کا اس غرض سے انتخاب کیا، اور اس طرح یہ خاندان پہلے عراق سے شام میں، اور پھر شام سے مصر میں منتقل ہو گیا۔ بغداد کی سفارت و وکالت کی بنا پر محمد بن ہارون ”رسول“ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ یہ تلقب اس قدر مشہور ہوا کہ آگے چل کر پورا خاندان ”رسول“ کی نسبت سے پکارا جانے لگا۔

مصر میں جب ایبویوں کی حکومت قائم ہوئی، تو یمن اُس وقت مصر کے زیر اثر تھا۔ انہوں نے وہاں کی ولایت کیلئے توران شاہ بن ایوب کو بھیجا، اور اس کے ساتھ خاندان رسولی کو بھی روانہ کر دیا، کیونکہ مصر میں انکی موجودگی سیاسی مصالح کے خلاف تھی۔ عرصہ تک یہ خاندان یمن میں امراء و اشراف کی زندگی بسر کرتا رہا۔ لیکن ساتویں صدی کے اوائل میں جب ملک ظاہر بیدرس مصر میں حکمران ہوا، تو یمن میں ایسے تغیرات و حوادث پیش آئے کہ اس خاندان کو امارت سے نکل کر ریاست و فرمانروائی کی تخت نشینی کا موقعہ مل گیا، اور کچھ عرصہ کی کشمکش و تنازع کے بعد حکومت مصر نے بھی اس کا استقلال تسلیم کر لیا۔ اس خاندان کا پہلا حکمران ملک المنصور نور الدین عمر بن علی بن رسول تھا۔ یہ سنہ ۶۲۸ - میں مسند نشین ہوا، اور سنہ ۶۴۷ء میں اپنے غلاموں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یمن کے علاوہ حجاز و حرمین کی حراست و خدمت بھی مصر سے نکل کر اسی حکمران خاندان کے قبضہ میں آ گئی تھی۔

(ملک الاشرف)

اسی سلسلہ حکومت کا ساتواں فرمانروا ملک الاشرف اسماعیل بن عباس بن علی بن داؤد رسولی تھا، جسکا اس نسخہ کی تحریر میں ذکر ہے، اور جس کے کتب خانہ سے یہ نسخہ نکل کر کسی طرح ہندوستان پہنچ گیا ہے۔

ملک الاشرف ۲۱ - شعبان سنہ ۷۷۸ - ۵ - میں مسند نشین ہوا، اور سنہ ۸۰۳ - ۵ - میں انتقال کیا۔ شیخ شرف الدین بن ابی بکر المقری نے مرثیہ لکھا تھا، جسکے اشعار حافظ ابن حجر نے نقل کیے ہیں:

ہو الدھر کرت بالخطوب کناہ
و غصت بانایاب حداد نراہ

تمام مورخین بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ اس خاندان کے تمام سلاطین اہل علم و فضل تھے، اور علم و فضل کی قدر شناسی میں اپنا عدیل نہیں رکھتے تھے۔ اس خاندان کا پہلا فرمانروا جس نے حکومت مصر کی نیابت سے ترقی کر کے استقلال و فرمانروائی کی حیثیت حاصل کر لی، سلطان نور الدین تھا۔ الخوزجی صاحب عقود اللوہ لوبہ (جس کا ذکر آگے آتا ہے) لکھتا ہے کہ اُس کی زندگی کی سب سے بڑی مشغولیت یہ تھی کہ اطراف عالم سے اہل علم و فضل کو یمن و حجاز میں جمع کرے، اور مدارس و مساجد سے اپنی مملکت معزز کر دے۔ مکہ معظمہ، تعز، عدن، زبید، والیدی، سہام، اور تہامہ کے ایک ایک قصبہ میں اُس نے مدرسے اور مسجدیں تعمیر کیں۔ مکہ معظمہ کا مدرسہ اُس عہد کے تمام مدارس حجاز پر فوقیت رکھتا تھا۔ زبید میں تین مدرسے الگ الگ تعمیر کیے۔ مدرسہ شافعیہ، مدرسہ حنفیہ، اور دارالحدیث۔ ان سب کے لیے اوقاف و معامیل تھے جن سے مدرسین و طلبہ کو وظائف دیے جاتے تھے۔ (جلد اول: ۸۴) ملک المظفر جو اس سلسلہ کا دوسرا فرمانروا ہے، وہ نہ صرف علوم کا قدر شناس اور مدارس و جوامع کا بانی تھا، بلکہ خود بھی صاحب علم و فضل تھا۔ تفسیر، حدیث، اور طب میں اُس کی مصنفات کا حافظ ابن حجر عسقلانی اور قاضی شروانی نے ذکر کیا ہے۔ الخوزجی لکھتا ہے کہ حدیث کی تمام اہمات کتب اس نے اپنے قلم سے لکھی تھیں۔ ان کی تعداد و ضخامت دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حکومت کی آلودگیوں کے ساتھ علم و کتابت کے لیے اتنا وقت کیونکر نکل سکا؟ اُس کے علمی شوق کا یہ حال تھا کہ امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر جب اُس کی نظر سے گزری تو بعض حصے ناقص اور تشنہ محسوس ہوئے۔ اُس وقت قاہرہ میں تاج الدین بن بذت الاعز قاضی القضاۃ تھے۔ انہیں لکھا کہ تفسیر کے مصدحہ نسخے بھیج دیں۔ انہوں نے چار نسخے بھیجے۔ لیکن ان سب کا بھی وہی حال تھا۔ اس پر خیال ہوا کہ خود مصنف کے قلم کا لکھا ہوا مسودہ دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ ایک سفارت یمن سے ہرات بھیجی گئی۔ اُس نے امام موصوف کے قلم سے لکھا ہوا اصلی نسخہ بصرف کثیر حاصل کیا۔ خود سلطان موصوف کی یہ عبارت خوزجی نے نقل کی ہے ”میں نے جب یہ اصلی نسخہ دیکھا تو میری کارش دور ہو گئی، کیونکہ اس میں وہ تمام مقامات سادہ چھوڑ دیے گئے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا ارادہ نظر ثانی کا تھا، جو پورا نہ ہوسکا“ (جلد ۱: ۲۲۸) جن اہل نظر نے تفسیر کا بالمشہاد مطالعہ کیا ہے، وہ سلطان موصوف کی صحت نظر و رائے کی تصدیق کرینگے۔

اقامت پر اصرار کیا۔ اُس زمانے میں یمن کے قاضی القضاۃ جمال الدین الریمی شارح التنبیہ کا انتقال ہو گیا تھا اور منصب خالی تھا یہ اس منصب پر مامور ہوئے اور بیس سال تک یمن کے قاضی القضاۃ رہے۔

(نسخہ کی تاریخی توثیق)

خوش قسمتی سے یمن کے خاندان رسولی کی ایک مستقل تاریخ شائع ہو گئی ہے۔ یہ شیخ علی بن الحسن الخزرجی کی العقود اللؤلؤیہ فی تاریخ الدولۃ الرسولیہ ہے جسے دو در جلدوں میں کب میموریل فنڈ کے امینوں نے قاہرہ میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔ اس کا اصلی نسخہ یمن سے عہد عالمگیری میں 'ہندرسنان آیا تھا' اور معتمد خاں عالمگیری کے کتب خانے میں داخل ہوا تھا۔ وہاں سے نکلا اور محمد شاہ کے عہد میں اس کے وزیر قمر الدین خاں منت کے قبضہ میں آیا۔ قمر الدین خاں کے کتب خانے سے نکل کر دارن ہسٹنگز کے پاس پہنچا۔ اُس نے انڈیا آفس کے کتب خانے کی نذر کر دیا۔

اس تاریخ میں سلاطین رسولیہ کے عہد کے واقعات روزنامہ کی طرح تاریخ وار درج ہیں۔ میں نے اس خیال سے ملک اشرف کے زمانے کے واقعات پر نظر ڈالی کہ شاید اس نسخہ کے درس و املاء کی طرف کوئی اشارہ مل جائے۔ میرا قیاس صحیح نکلا۔ فیروز آبادی نے صحیح بخاری کے درس و املاء کی جن مجالس کا اپنی عبارت میں ذکر کیا ہے، ٹھیک انہی تاریخوں میں اُسکا ذکر خزرجی نے بھی کیا ہے۔

سنہ ۷۹۶ کے واقعات میں لکھتا ہے :

”۲۴ رمضان کو یمن میں امام فقیہ علاء القاضی الاجل مجد الدین محمد بن یعقوب الشیرازی پہنچے۔ سلطان نے انکا بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ چار ہزار درہم بطور رقم ضیانت کے پہلے ہی دن مرحمت فرمائے۔ اس سے پہلے چار ہزار درہم عدن بھیجے گئے تھے تاکہ عدن سے زبید نک کے مصارف سفر میں مدد دیں۔ شیخ موصوف علوم حدیث، نحر، لغۃ، تاریخ، اور فقہ میں درجہ مشیخت رکھتے ہیں۔ انکی مصنفات میں سے بخاری کی شرح ہے جو نہایت مشرق اور مفید ہے“ (جلد ۲ : ۲۹۵)

پھر سنہ ۷۹۷ھ کے وقائع میں لکھتا ہے کہ ۶ - ذی الحجہ کو شیخ مجد الدین قاضی القضاۃ مقرر کیے گئے اور سلطان کا فرمان اس بارے میں شائع ہوا۔ (صفحہ ۲۷۸)

سنہ ۷۹۹ھ کے وقائع میں لکھتا ہے :

”و فی شہر رمضان من ہذہ السنۃ سمع السلطان صحیح البخاری من حدیث رسول اللہ صلع علی القاضی مجد الدین یومئذ و کان ذا سند عال من طرق شتی“ (صفحہ ۲۸۶)

اس تصریح سے عبارت مندرجہ نسخہ کی پوری توثیق ہو گئی۔ معلوم ہو گیا کہ سلطان ملک اشرف نے فیروز آبادی سے صحیح بخاری کی سند و اجازت حاصل کی تھی، اور رمضان میں املاء و سماع کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ جو نسخہ زیر درس و املاء رہا، اور جس پر سند دی گئی، وہ یہی نسخہ ہے۔ نہیں معلوم اس نسخہ پر ایام و حوادث کے کیسے کیسے تغیرات گزر چکے ہیں؟

اسی خاندان کا تیسرا حکمران الملک المود تھا جس کی نسبت خزرجی نے تصریح کی ہے کہ اسکی تصنیف مختصر کتاب الجمعہ علماء عصر میں مقبول و مشہور ہے۔

ملک اشرف کے باپ ملک الافضل کا ترجمہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے درر کامنہ میں درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں علم و فضل کا قدر شناس تھا اور خود بھی تمام علوم عربیہ و دینیہ میں درجہ رسوخ و نظر رکھتا تھا۔ اسکی مصنفات میں سے یمن کی در تاریخیں، تاریخ ابن خلکان کا مختصر، اور فن انساب میں بغیۃ ذری الہم اس درجہ کی کتابیں تھیں، جنکی اہمیت کا تمام اکابر مصر و شام نے اعتراف کیا تھا۔

خود ملک اشرف کا (جسکے کتب خانہ کا یہ نسخہ ہے اور جس نے اس پر فیروز آبادی سے سند حدیث لی) یہ حال تھا کہ مصر، حجاز، شام، عراق، از بلاد فارس تک کے علماء کو اسکی قدر شناسیوں نے کہینچ بلایا تھا۔ اس نے بھی اپنے پیشروں کی طرح بلاد یمن و حجاز میں متعدد عظیم الشان عمارتیں درس و ترویج علم کیلئے تعمیر کیں اور بڑے بڑے محاصل انکے مخارج کیلئے وقف کر دیے۔ وہ خود بھی صاحب علم و فضل تھا اور علوم لغۃ و ادب اور فقہ و حدیث کا ہمیشہ اشتغال رکھتا تھا۔ اُس کی علمی قدر دانوں کا اندازہ کرنے کے لیے صرف وہی معاملات کفایت کرتے ہیں جو اس میں اور فیروز آبادی میں پیش آتے رہے۔ عربی لغۃ کی سب سے زیادہ مقبول و متداول کتاب القاموس اُسی کی قدر دانوں نے فیروز آبادی سے لکھوائی تھی۔ چنانچہ قاموس کے دیباچہ میں مصنف اس خاندان کے مدح کرتے ہوئے لکھتا ہے :

مولی ملوک الارض، من فی وجہہ مقباس نور ایما مقباس

(مجدد الدین فیروز آبادی)

مجدد الدین فیروز آبادی اُن اکابر عام میں سے تھے جنہیں سلاطین وقت کی فیاضیوں نے صف علم کی طرح صف امارت میں بھی ممتاز کر دیا تھا۔ اُن کا سنہ ولادت ۷۲۹ھ ہے اور تاریخ وفات ۸۱۷ھ - ۵ گزرین میں پیدا ہوئے، شیراز میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اور عراق اور مصر و شام کے ائمہ علوم سے تکمیل کی۔ اُن کے اساتذہ میں وقت کے تمام ائمہ علوم مثلاً شیخ تقی الدین سبکی، ابن مظفر النابلسی، حافظ علائی، ابن نباتہ، عز الدین ابن جماعة وغیرہم کے نام نظر آتے ہیں۔ امام ابن قیم بھی اُن کے اساتذہ میں ہیں۔ یہ انہی کے فیض تلمذ کا نتیجہ تھا کہ اگرچہ اُن کی ابتدائی نشو و نما فقہاء شافعیہ کے زیر اثر ہوئی، لیکن تقلید کی بندش سے آزاد ہو گئے، اور اصحاب تحقیق و اجتہاد کا ذوق و مشرب پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ان کی کتاب سفر السعاده اور الاسعاد فی رتبۃ الاجتہاد میں اس ذوق کی جھلک صاف نمایاں ہے۔ اُس عہد کے سلاطین میں کوئی پادشاہ ایسا نہیں ہے جس نے اُن کی قدر دانی نہ کی ہو۔ شاہ منصور بن شجاع صاحب تبریز، ملک اشرف صاحب یمن، بایزید یلدرم، تیمور صاحب قران، احمد بن اویس صاحب بغداد، ناصر الدین محمد شاہ دہلی، ان سب کے درباروں میں وہ پہنچے اور انعام و اکرام سے مالا مال ہوئے۔ سنہ ۷۹۶ھ میں ہندوستان سے واپس جاتے ہوئے سواحل یمن میں اُترے اور ملک اشرف سلطان یمن سے ملاقات ہوئی۔ وہ ان کے فضل و کمال کا غلغلہ پہلے ہی سن چکا تھا۔ یہ مرقعہ غلیظت تصور کیا، اور یمن کی

یو ری قوم ان سے محبت کرتی ہو۔ یہی وجہ ہو کہ انھیں اپنی زندگی کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ وہ بغیر کسی حفاظت کو ساتھ لے جانا رد میں چلتے پھرتے ہیں۔

پہلی ملاقات

پہلی ملاقات ہی میں سلطان مجھ سے بالکل بے تکلف تھے۔ اُنھوں نے گفتگو میری مزاج پر ہی سے شروع کی۔ راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟“ ”میرے حُمد سے داروں نے کیسا سلوک کیا؟“ ”کبھی بدو نے کوئی شرارت تو نہیں کی؟“ اسی قسم کے بہت سے سوال شروع کرتے۔ میں نے اپنے سفر کی تمام روداد سنا دی۔ جس قدر میری خاطر واضح ہوئی تھی، شکر یہ کہ ساتھ اُس کا بھی ذکر کیا۔ جو کچھ امین امین میں نے مشاہدہ کیا تھا، اُس کی طرف بھی اشارہ کیا۔ چوری، قزاقی، درجہ جرم کی عدم موجودگی پر رجب کا انہار کیا۔

سُطْلان کی گفتگو

میری خاموشی کے بعد سلطان نے کہا:

”الھولہ ہمارے ملک میں ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب ہو
تمام نجدی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ فقہ اسلامی
میں ۴ مذہب مشہور ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں امام احمد بن حنبل کا
مذہب، سنت رسول اللہ سے زیادہ قریب ہو۔ ہمارے عقیدے
میں تمام مسلمان، باہم بھائی بھائی ہیں۔ نجد میں ایک مسلمان کو دوسرے
مسلمان سے ”السلام علیکم“ کہہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ دونوں خدا کے
امان و سلام میں ہو گئے۔ تمام مسلمان، مکلفہ توحید پر جمع ہیں۔ تاج محل
الستین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اس بنیاد پر ہمارا سلطنت
قائم ہو۔ ہم سلطنت کے بھوکے نہیں ہیں اور نہ فخر و غرور اور تین درجہ
کے لئے حکومت کرتے ہیں۔ زمین اللہ کی ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ نے
اپنی یہ امانت ہمارے سپرد کی ہو لہذا ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ
زیادہ سے زیادہ ایمان داری کے ساتھ یہ امانت ادا کر دیں ہیں
شرک سے نفرت ہو۔ اگر ہمیں تمام مشرک ملکوں کی فائز دانی بھی
پیش کی جائے تو ہم اسے ہرگز منظور کریں۔ ہم کسی سے بھی لڑائی
پسند نہیں کرتے حتیٰ کہ کفار سے بھی نہیں۔ البتہ ان کے لئے ہتھیار
یہ دعا ضرور ہو کہ خدا انھیں صراط مستقیم دکھائے۔ جب تک وہ
ہم سے تعرض نہیں کرتے، ہم بھی انھیں نہیں بھڑکائیں گے۔ ہم ان سے
دور رہنا چاہتے ہیں۔ ہم ان سے تشبہ بھی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔
حتیٰ کہ ان کا لباس بھی پسند نہیں کرتے حقیقی مسلم ہو جو اپنے
دین کے اصول کی پیروی کرتا ہو۔ جو کوئی کفار کی تعلیم کرنا ہو، وہ
نہ اپنے دین میں کوئی بھلائی حاصل کر سکتا ہو نہ دنیا میں“
یہ گفتگو، اس جلیل القدر صحابی پادشاہ کی ذہین پوری
صفائی سے ظاہر کرتی ہو۔ صحراء عرب کے باشندے صدیوں سے
تقل و فاقات گری اور جرم و گناہ کے مادی تھے۔ صرف صحراء ہی
نہیں بلکہ حجاز کے باشندے بھی۔ وہ کسی نظام و حکومت کی طاقت
کے مادی نہ تھے۔ لیکن یہ اسی سلطان کا تہ برد بدبہ تھا جس نے انھیں
اپنے اہنی ہاتھوں سے طبع کیا اور ان نظام قائم کر دیا۔

طرز حکومت

تجدد کی حکومت، قدیم وضع کی ہے۔ وہاں حکومت، علویہ و ملکیہ
پر تقسیم نہیں ہے۔ نہ مجلس حکومت ہے، نہ وزارت ہے۔ پوری حکومت،
خود سلطان کی ذات ہے، ارمان کا قانون، کتاب و سنت ہے۔
لیکن کیا مجال کہ کسی قسم کی بد نظمی پیدا ہو جائے۔ اور بیخ کے تمام
حسابات مرتب رہتے ہیں، خود سلطان ان کی نگرانی کرتے ہیں۔
ایک مہینہ کا بھی ضعیف نہیں ہو سکتا۔ برحقان اس کے مہی

سیر فی الارض

اولم يسروا في الارض فليظروا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم

(^:30)

سَيَاحِنِ عَالَمِ كے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سٹاچ تجدیں

(محمد شفیق، مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کی یہ تیسری قسط ہے۔ الملال)

ریاض

ریاض، پایہ تخت ہونے کی وجہ سے تھک کا سبب بڑا اور سبک اہم شہر ہو۔ اُس میں کثرتِ مینہ عمارتیں موجد ہیں، اگر سب قدیم طرز کی ہیں۔ شاہی خاندان کے محل اپنی دست اور خوشنالی میں ریاض کی تمام عمارتوں سے ممتاز ہیں۔ شہر کے گرد عظیم الشان شہرناہ ہو۔ بُرائے شرقی صبح کے بچا کھل گئے ہیں اور ضرورت کے وقت مقل کوڑ جاتے ہیں۔ ریاض کے چاروں طرف خلستان پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مزدور خاص خاندان شاہی کا ہو۔ اس میں دو چیزیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا: ایک گلاب اور دوسری کیاس۔ معلوم ہوتا ہے سلطان ابن سعود نے روئی کے بے چند درخت اتفاقاً طور پر نصب کرائے ہیں بلکہ نجد میں روئی کی کاشت جادی کرنی چاہتے ہیں صیبا کعبہ سے بعض ارکان حکومت نے اشارۂ بیان کیا تھا۔ اگر سلطان نے یہ کیا تو یقیناً ملک کو بہت فائدہ حاصل ہوگا۔ باشندے الامال ہو جائیں گے۔

ملفوظات

ریاض میں چند دینی مدد سے موجود ہیں۔ مگر ان کی حیثیت، قدیم
سجودی کتبیں سے زیادہ نہیں۔ ان میں بخوبی کو ضرورت بھر کھٹا
پڑھنا سیکھا جا سکتا ہو۔ نیز لپا قرآن بھی حفظ کرا دیتے ہیں۔ علوم
دینیہ کی تکمیل میں لوگ اپنا زیادہ وقت صرف نہیں کرتے۔ بہت
تھوڑے آدمی ایسا کرتے ہیں۔ باقی ضرورت بھر تقیل حاصل کر کے
دنیاوی کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں قرآنی احکام
کی دوسرے ضروریات نہیں کہ تمام لوگ علوم دینیہ حاصل کریں۔ یہ
کافی ہو کہ ایک منتخب جماعت ان میں مشغول رہو۔

مسندیں

یہاں میں مکمل ہنس رہی ہیں۔ میں کوئی زینت دار کٹڑی نہیں ہوتی۔ فرش بھی نہیں ہوتا۔ گنبد بھی نہیں ہیں۔ اکثر میں جنت بھی نہیں جو جمعہ کی نماز صرف ایک مسجد میں ہوتی ہو۔ غلبہ سننے کا کام اس دورہ جہ شیعہ ہو کہ بعض لوگ صبح ہی سے آکر میرے کسانے بیٹھ جاتے ہیں۔ مسجد میں روشنی بھی زیادہ نہیں کی جاتی۔ ایک ڈو

شعور سے کام لیا جاتا ہو۔ نماز فجر کے بعد روز صبح کو سوؤں، ناناؤں کی حاضری لیتا ہو۔ پہلے دن کی غیر حاضری پر ٹوپی بھین لی جاتی ہو۔ دوسرے دن کی غیر حاضری پر جیب ضبط کر لیا جاتا ہو۔ تیسرے دن کی غیر حاضری پر جمانی سزا دی جاتی ہو!

نماز جمعہ کے بعد پادشاہ اس کا نائب، محل شاہی کے اہلکار میں نمازیوں سے ملاقات کے لئے بھیجتا ہو۔ اس وقت تمام حاضرین کو پہلے چار اور پندرہ تہہ پلا جاتا ہو۔ آخر میں بخور دایاں پھرائی جاتی ہیں جن میں مشک کے قطرے لگاتے ہو۔

قصر شاہی

قصر شاہی بالکل عربی طرز کا ہے۔ اس میں انشاجونے کے بڑے بڑے خوبصورت ستون کھڑے ہیں، جن کے نقش و نگار نہایت نظر فریب ہیں۔ دو منزل عمارت ہے۔ پہلی منزل میں دعوت کا وسیع ایوان ہے۔ اس میں بیک وقت سیکڑوں ہمارا جمہد کئے ہیں۔ اطراف میں لم لوگوں کے لئے کھانے کے کمرے ہیں۔ پیچھکی منزل، گویا دعوت خانہ ہے۔ بالائی منزل میں وسیع ایوان ہیں۔ ایک ایوان میں حمد سلطان کا کتب خانہ اور ذکر خاص ہے۔ ایک اور ایوان، دلی حمد امیر سعود کے لئے مخصوص ہے۔ باقی حصوں میں بچے بڑے انفریور شاہی طبیب قیام ہے۔ اسی محل کے متصل ایک اور محل ہے، اور اس میں سلطانہ اور شاہی بیگمیں رہتی ہیں۔ زمانہ خدمت حرم کی تعداد ۴۰۰ ہے۔

سلطان ابن سعود

سلطان عبدالعزیز بن سعود، دماقات ہیں۔ جہم بھرا ہوا اور
ٹھوس ہے۔ رنگ، گندھی ہو۔ آنکھیں پھیل گئی ہیں۔ پشانی، کشادہ ہو۔
مینک ابھرتا کرتے ہیں۔ غیر معمولی ذہانت، قوت اور ارادی، غم
حزم، خوش مزاجی، تندر، یہ وہ اوصاف ہیں جو سلطان کی صورت
دیکھتے ہی آدمی محسوس کر لیتا ہے۔ عمر، ۵۰ کے قریب ہے۔ بائیں ہاتھ
کے انگوٹھے میں گولی لٹکی تھی۔ اس کا نشان اب تک نمایاں ہے۔
وہ ہمیشہ جھکا کر چلتے ہیں۔ تہذیبی وضع کا مرکز جس جہت سے ہیں اور
اس کا ایک دامن عطا، بغل میں دلبے رہتے ہیں تاکہ تیر میں لپکیں

(continued)

بادشاہ نے مجاز میں اگر حکومت کی وضع دوسری کر دی ہو۔ مجاز کی حکومت دوسری حکومت ہو۔ وہاں کے لئے تجدید کی حکومت ہو۔

سلطان کی فیاضی

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ سلسلہ تین سال کی غیر حاضری کے بعد سلطان اپنے دارالسلطنت میں واپس آئے تھے۔ وہ ہم سے ۴ دن پہلے ریاض پہنچ چکے تھے۔ تاہم ہم نے اپنی آمد پر کچھ شہرستہ انبساط کے مؤثر نظاروں سے گزر کر۔ بے شمار لافند، بچکے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے تھے اور عقیدت و خلوص کا اظہار کر رہے تھے۔ دوسری طرف سلطان کی فیاضیوں کا دروازہ کھلا تھا۔ کوئی نہ تھا جسے وہ اس کی توقع سے زیادہ نہ دے رہے ہوں۔ ان کی سخاوت دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا "یقیناً یہ ایک ایسا آدمی ہو جو نہ دولت سے محبت کرتا ہو نہ فقر و فاقہ سے ڈرتا ہو"

ملوکیت نجد کا اعلان

خوش قسمتی سے میں اس تاریخی جلسہ میں بھی شریک ہو سکا۔ سلطان ابن سعود کو "ملک نجد" بنانے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ تجدیدوں نے یہ دیکھ کر سلطان ابن سعود اب ملک الحجاز ہو گئے ہیں۔ پسند کیا کہ اپنے ملک کے لئے بھی ان کا یہی لقب قرار پاجائے۔

سلطان کی لڑائی کا عقد

اسی طرح ایک اور جلسہ میں بھی مجھے شرکت کا موقع ملا۔ یہ سلطان کی پہلی شانزادی "سادہ" کی شادی کا جلسہ تھا۔ امیر فیصل ابن سعود سلطان کے بیٹے سے ان کا عقد ہوا۔ مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ تجدید میں شادیاں کس قدر سادہ ہوتی ہیں۔ یہ خود سلطان کی لڑکی کی شادی تھی۔ مگر اس میں نہ کوئی اسرار تھا نہ دھوم دھماکا تھا۔ اور سادہ تقریب تھی۔ قصر شاہی کے ایوان میں فرش بچھا دیا گیا تھا۔ کھانے چیتے گئے۔ دعوت و لبیک کے بعد سلطان کے حکم سے ۵۰۰ بکریاں فوج کی گھنٹیں اور عام دعوت شروع ہو گئی۔ اس میں امیر عرب کی کوئی تیز نہ تھی۔ ہر کسٹنٹ ماکس مدعو تھا۔

تجارت و زرعت

ریاض کے باشندے عام طور پر تجارت پیشہ ہیں۔ احسا، کویت اور بحرین سے مال لاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ تجدید ایک بڑی تجارت، موتی کی تجارت ہے۔ غواصی میں تجدیدوں نے خاص شہرت حاصل کر لی ہے اور کافی دولت حاصل کرتے ہیں۔ ریاض کے اطراف میں زراعت کم ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ تجارتی شہر ہے نہ کہ زرعی۔

سلطان کے معاملات

سلطان کے معاملات یہ ہیں کہ کچھ رات ہے سے بیدار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اپنے کسی خدمتکار کو بھی اپنے سو بچے اپنی خدمت کے لئے نہیں ملتے خود ہی پانی لیتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں۔ تلاوت کرتے ہیں۔ فجر کی اذان سن کر سوجھ جاتے ہیں۔ نماز کے بعد محل واپس آتے ہیں۔ اپنے خاندان کے ساتھ ناشتہ تناول کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے دفتر میں بیٹھتے ہیں خطوط پڑھتے ہیں۔ سرکاری کاغذات ملاحظہ کرتے ہیں۔ احکام لکھتے ہیں طووع آفتاب کے ایک گھڑی بعد تک یہ مشغولیت رہتی ہے۔ پھر ایوان عام میں تشریف لاتے ہیں۔ یہاں خاص لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں پھر انجان کے وفد حاضر ہوتے ہیں۔ ان سے بڑی ہی بے تکلفی و باتیں شروع ہوتی ہیں۔ یہ لوگ بڑے ہی آزاد مزاج ہیں۔ اپنے بادشاہ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں، گویا اپنے کسی بھائی کے سامنے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ بالکل وحشی ہیں۔ میں نے انھیں وحشی نہیں پایا مگر

خیال میں ان کا یہ طرز خطاب اس لئے ہو کہ وہ اسے اتباع سلف صالح سمجھتے ہیں۔ وہ بڑی بے تکلفی سے "یا عبدالعزیز" کہہ رہے تھے۔ ایک شخص نے میرا تعجب محسوس کر کے میرے کان میں کہا "یہ طریقہ خود سلطان ہی نے مقرر کیا ہے۔ وہ خطاب کے دوسرے طریقے قبول نہیں کرتا۔" مباحث کے وقت ایک دوسرے ایوان میں جاتے ہیں۔ یہ جگہ "مجلس کبیر" کہلاتی ہے۔ یہاں تجدید کے بڑے بڑے شیخ اور خاندان رشید اور خاندان عاید کے امراء سے ملاقات ہوتی ہے۔ اول الذکر خاندان حائل کا فرزند تھا۔ آخر الذکر اہلباکا۔ اب یہ دونوں ریاست، تجدید کے ماتحت ہیں اور ان کے شاہی خاندان، ریاض میں قید ہیں لیکن یہ قید ایسی ہے کہ ان پر کسی قہر کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ شہر کے اندر اپنی نقل و حرکت میں بالکل آزاد ہیں اور نہایت عزت و احترام کا ان سے بڑا دیا جاتا ہے۔

اس مجلس میں سلطان کی گفتگو عام معاملات پر ہوتی ہے۔ دین، تاریخ، ادب، سیاست، ہر موضوع پر باتیں کرتے ہیں اور نہایت آزادی اور صفائی سے۔ ان کی صاف گوئی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دن سلطان نے ایک شاہی اخبار لکھے دیا۔ اس میں یہ خبر درج تھی کہ "سید عبدالنہر عاید کہ سے بھاگ گئے ہیں اور ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن سعود پر یورش کر رہے ہیں"

سلطان نے کہا "اخبار نے یہ خبر لکھی ہے، حالانکہ سید عبدالنہر یہاں، اس مجلس میں، موجود ہیں۔ ہم اور سید عبدالنہر اور خاندان رشید، سب بھائی ہیں۔ ہم میں کوئی نزاع نہیں ہے" سلطان کے قول کی تمام مجلس نے تصدیق کی۔ خصوصاً سید عبدالنہر بن عائد نے۔

اس مجلس سے اٹھ کر سلطان اپنے والد "عبدالرحمن بن سعود" سے ملاقات کو جاتے ہیں۔ ان کی عمارت نوٹے سال کے قریب ہو کر اب تک ہوش حواس بالکل درست اور قوی مضبوط ہیں۔ نہایت خوش اخلاق، خوش صحبت، خوش گفتار ہیں۔ والد سے رخصت ہو کر اپنی بڑی بہن شانزادی "نورہ" سے ملنے جاتے ہیں۔ تجدید بڑی بہن کی عزت بہت زیادہ کی جاتی ہے۔ سلطان حد سے زیادہ ان کا احترام کرتے ہیں۔ یہ تجدید شانزادی بھی اپنے عربی اخلاق میں غیر معمولی ہیں۔ اس کی شرافت و سخاوت و درود و شہرہ ہے۔ خود مجھ سے اس کا بڑا و نہایت ہی شفقت کا تھا۔ روز میری خیریت دریافت کرتی تھی۔ میرے لئے اچھے اچھے کھانے بھیجا کرتی تھی۔

عشاء کے بعد سلطان کئی گھنٹے اپنے عہدے داروں سے ملاقات میں مصروف رہتے ہیں۔ ہر عہدے دار کے دفتر میں خود جاتے ہیں۔ دن بھر کے کاموں کا جائزہ لیتے ہیں اور ضروری مشورے اور ہدایتیں دیتے ہیں۔

یہ ان کے روزمرہ کے معاملات ہیں۔ لیکن کبھی کبھی صحرا میں شکار کے لئے بھی جاتے ہیں۔ یہ سفر آجکل موٹروں پر ہوتا ہے۔

شیوخ نجد کا سلطان سے اختلاف

پچھلے دنوں مصری اخبارات نے یہ خبر شہرہ کر دی تھی کہ تجدید کے سب سے بڑے شیوخ مثلاً فیصل الدردیش شیخ قبیلہ اطمایہ اور سلطان بن ماجہ شیخ قبیلہ غطف، سلطان ابن سعود کے مخالف ہو گئے ہیں ریاض میں اپنی موجودگی کے وقت میں نے بھی اس قسم کی خبریں سنی تھیں فیصل الدردیش کی مخالفت کا وہ یہ بتائی گئی کہ پچھلے سال نیم حج میں محل مصر کی فورس سے نجدوں کا تقابلی ہو گیا تھا، اس میں فیصل الدردیش کی لئے ہو کہ سلطان نے مصریوں کی طرف راہی کی اور تجدید کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا۔ لیکن یہ خبر غلط تھی۔ خود میں نے اپنی آنکھوں سے فیصل کو سلطان کی خدمت میں دیکھا ہے۔ وہ زیادہ سے

زیادہ عقیدت و اطاعت کا اظہار کر رہا تھا۔

بلاشبہ سلطان بن ماجہ کو کچھ شکایت ہو گئی تھی۔ یہ شکایت بعض شرعی احکام کی تطبیق کے بارے میں تھی۔ لیکن بہت جلد غلط فہمی دور ہو گئی اور وہ بھی سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔

نجدیوں کا ایمان

تمام نجدیوں۔ بدوؤں اور شہریوں۔ کا پختہ ایمان ہے کہ آدمی صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کرے اور اس کی شکر کی پابندی میں سرگرم رہے۔ ہر آدمی کی موت پہلے سے لکھی گئی ہے موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ ہرگز اس میں تقدیر و تاخیر نہیں ہو سکتی لہذا اسے موت سے بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو چاہئے۔ ہر آدمی کو اس کے عمل کی جزا و سزا ملے گی۔ یہی کائنات کا اصل ہوگا۔ ہم پر عذاب پائے گا۔ یہی باعث ہے کہ وہ ہر قسم کے گناہوں اور جرموں سے، خفیہ اور علانیہ، پرہیز کرتے ہیں۔

شوق جہاد

جنگ کو وہ عبادت سمجھتے ہیں۔ دین الہی کے دشمن کا قتل عظیم ترین ثواب خیال کرتے ہیں۔ دین کی راہ میں خود قتل ہو جانا، شہادت عظمیٰ تصور کرتے ہیں۔ اس بات پر انھیں اس درجہ یقین ہے کہ بڑے ہی شوق سے جنگ پر جاتے ہیں۔ ہر بزدل اپنا کفن اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ نہایت بے پروائی سے اپنے تئیں موت کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ جب ان کا کوئی ساتھی لڑائی میں گر جاتا ہے، تو بیکہ بان نفراتے ہیں "واخلیلا! القدر سبقنی الی الجنة!" (اے خدا! مجھ سے پہلے ہی جنت میں داخل ہو گیا!) جب دشمن کو ہتھیار دیتے ہیں تو جلاتے ہیں "یا اہل التوحید! یا اہل التوحید! یا اک نعبد دایاک نستعین" (ہاں لے اہل توحید! خدا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں!)

وہ گولیوں کی بارہ کو "ریح الجنة" (جنت کی ہوا) کہتے ہیں اور انتہائی شوق و رغبت سے سینے سے تانے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں وہ اس موت کو موت نہیں، زندگی خیال کرتے ہیں۔ اگر ان کے کسی آدمی کی پیٹیر ہو گئی ہو تو اسے بزدل کہتے اور سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے "ہیشہ سے بڑھ کر تم کھاد۔ پست بھی نہ کھاد۔ موت اٹل ہے، اس سے کہاں بھاگ سکتے ہو؟ شہادت کی موت مرکس مردی زندگی حاصل کر دیا۔" میدان سے بھاگ ان کے خیال میں ایسا عیب ہے کہ ایسے شخص کو دن تک نہیں کرتے۔ یہی باعث ہے کہ وہ مرجاتے ہیں مگر بھاگتے نہیں۔ ان کی یہ ثابت قدمی، بالآخر ان کے دشمن کے حوصلے پست کر دیتی ہے اور وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ تجدیدوں کی یہ شجاعت و بہادری، عرب میں اس قدر مشہور ہو گئی ہے کہ لوگ ان کے نام ہی سے ڈرتے ہیں۔ چند تجدیدی سواری سیکڑوں آدمی ہٹکا دیتے ہیں۔ مجاز کی جنگ، اس حقیقت کا بین ثبوت ہے۔ مجازی فوج اس قدر محبوب ہو گئی تھی کہ بے لڑے ہتیار ڈال دیتی تھی۔ حائل، احسا اور قطیف وغیرہ ممالک کی فتح بھی زیادہ تر اسی وجہ کی وجہ سے ہوئی تھی۔

موت کے بعد

تجدیدی، سنت نبوی کی اتباع میں بہت ہی سخت ہیں۔ اپنے متوفیوں اور مردوں کا الم نہیں کرتے۔ قبروں پر گند اور عمارتیں نہیں بناتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد جس طرح آدمی کی دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح اس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے۔ کتے ہیں مردوں کو ہماری ظاہری تحنن و تعلیم کی کوئی ضرورت نہیں وہ ہم سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ آخرت میں انھیں جو درجہ ملے گا وہی وہی درجہ ہے جس میں ان کے لئے ایسی ہی دعا کرنی چاہئے۔

اجازات نے وہ مؤثر مناجات شائع کر دی جو جوہرہ نے اپنے
منوی شہر کی فحش کو مخاطب کر کے کی تھی۔

مجلس وزراء

اطلاع پاتے ہی مجلس وزراء کا ایک فوری جلسہ منعقد ہوا اور
اسے قوم کے نام حب ذیل اعلان شائع کیا:

”وزارت، انتہائی رنج و الم کے ساتھ مصری قوم کو اس کے
عظیم رہنما، سعد باشا زغلول کی وفات کی جانگنا خبر پہنچاتی ہے۔
مختصر بیماری کے بعد موت کے بے پناہ واقعے نے قوم کے رہنما، اس
کی آسیدوں کے مرکز، اس کی بیداری کے قائد، اس کی حمایت کے
علم بردار کو دوبارہ ہی مہلت دے بغیر چھین لیا۔ خدا مرحوم پر اپنی رحمت
ازلی کرے اور قوم کو صبر جمیل عطا فرمائے۔“

جنازہ

رات بھر مرحوم کے مکان میں زائرین کا ہجوم رہا۔ دوسرے دن
صبح ۹ بجے تمام وزراء اور سفراء دول بھی پہنچ گئے۔ بارہ بجے وہ
کونش بالائی منزل سے نیچے لائی گئی۔ اس پر صرف کفن تھی۔ کوئی
قیمتی چادر نہ تھی۔ نیچے آتے ہی پھولوں کی بارش شروع ہو گئی۔ بے
شمار لوگوں نے پھولوں سے بھرے ہوئے، لوگ اپنے ساتھ لائے تھے
فحش: بیکر کا ایک مرتبہ پھر گریو بکا بریا ہو گیا!

اب مصری فوج بھی پہنچ چکی تھی۔ جنازہ سرکاری طور پر اٹھنا
پڑا۔ تمام سرکاری عہدے دار، امراء، وزراء، سفراء
پارلیمنٹ کے ممبر مسلمان، قبطی، رومی، ارمین، یہودی فرقوں کے
علماء، کاہن، ربی، اور احبار اپنے اپنے خاص لباس میں بیٹھ
تھے۔

جب تمام طیاروں پر کھڑے ہو گئے تو سعد باشا کی بیگم سیاہ نقاب
منہ پر ڈالے برآمد ہوئیں۔ وہ صنعت سے جل نہیں سکتی تھیں۔ کئی
عورتوں کے سہارے وہ اپنی موٹر تک پہنچیں، مگر بیٹھے سے پہلے ہی
بہہت ہو گئیں۔ فوراً منشی دوائیں دے کر انہیں ہوش میں لایا
گیا۔ اب وزراء اور فوجی افسروں نے فحش اپنے کا ندھوں پر لٹائی
اور کپ کی گاڑی پر رکھی۔ اس وقت کا منظر ناقابل بیان ہو معلوم
ہوتا تھا، مگر کا آسمان وزمین ماتم کر رہا ہو۔ رونے والی عورتوں
اور مردوں کی چیخیں باہر مل گئی تھیں۔ کچھ سائیں نہیں دیتا تھا۔
نہیں معلوم رونے والوں میں کتنی قوت پیدا ہو گئی تھی، اودان
کی آنکھوں میں آنسوؤں کے کتنے ڈیرا سناٹے تھے کہ فوہ و بکا
کا سلسلہ کسی طرح بھی رکنے پر نہیں آتا تھا!

مصری علم

اس وقت محبت و عقیدت کا ایک اچھا نمونہ پیش آیا۔ فوج کے
افسروں نے فحش اٹھانے سے پہلے کہا ”جنگی ذوایات کی منہ سے
ضروری ہو کہ مرحوم کی فحش پر تھکا فوجی پرچم ڈالا جائے“ ساتھ ہی
انہوں نے اپنا پرچم پیش بھی کر دیا۔ مگر مرحوم کی بیوہ نے اس سے انکار
کیا۔ انہوں نے ایک دشمنی علم پہلے سے طیارہ کر لیا تھا۔ انہوں نے
اصرار کیا کہ فحش اسی میں لپیٹ جائے۔ مجبوراً افسروں کو اپنی جینے
باز رہنا پڑا۔

اس کے بعد کئی افسروں نے کہا ”مرحوم کے تمام تئیں ان کی
فحش پر لکھے جائیں، کیونکہ وہ ہماری جماعت کے آدمی تھے“ مگر بیگم
زغلول نے اس سے بھی انکار کیا۔ انہوں نے کہا ”سب بڑا
تغذ مصری علم ہو۔ اس تمہ پر کوئی دوسرا تمہ نہیں لکھا جاسکتا“
جوں ہی فحش توپ پر رکھی گئی، منادی نہایت ہی بلند آواز
سے چلایا ”لا الہ الا اللہ“ البقاہ صمد، ہر طرف سے فخر بے بند
ہوئے ”رماک یا سعدا“ عورتیں چلاتیں ”فلانی ذکر کی سعیدہ“

برید شرق

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

نقید شرق احمد سعد زغلول پاشا مرحوم

ذیل کی مراسلت معمول سے زیادہ طویل ہو۔ ہم نے بڑا حسرت کرایا جو۔ اس پر بھی ہنس خوں ہو کر یہ ابکی اشاعت کا ہمارا حشرہ دک لے گا۔ لیکن ہمارا خیال ہر کہ
مادہ کی غیر معمولی اہمیت اور شخص موضوع کی عظمت دیکھتے ہوئے ضروری ہو کر اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ جگہ نکالی جائے۔

مصر میں اس ہفتہ اہم ترین واقعہ، احمد سعد باشا زغلول کی پہلی
غیر متوقع وفات ہو۔ عین اس وقت جبکہ میں ان کی بحالی صحت، اور
شاہ مصر کی سیاحت انگلستان، کے نتائج پر بحث کرنا چاہتا تھا، اچانک
یہ حادثہ جانگنا پیش آیا۔ حیران ہوں اپنا یہ مکتوب کس طرح شروع
کروں؟ مرحوم کی سوانح عمری بیان کروں؟ ان نقصانات کا ذکر کروں
جو اس واقعہ سے متعلق ہو سکتے ہیں؟ ان کے جنازہ کے شاندار
جلوس کا ذکر کروں؟ ان کی جلیل القدر حرم کا نام لکھوں؟ وہ نوٹ لکھا
بیان کروں جو اس وقت تمام ملک میں بڑا ہو، جس کا شور میں ان سطور
کی تحریر کے وقت بھی سن رہا ہوں، اور جس کا بیان یقیناً میری قلم
سے باہر ہے۔ میں شائع دہلیہ الجاسر میں مقیم ہوں۔ میرے بڑے دوست
میں جتنے مکان ہیں، اتنی آثار و علامات سے غناک ہیں۔ عورتوں اور
بچوں تک کے چہرے انکے دلی حزن مال کی شہادت دے رہے ہیں
ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا قاہرہ کے ہر گھر میں اس کے کسی قریبی عزیز کا
اتم پیش آیا ہو۔

آغاز مرض

ہمارا گت کہ مرحوم کے کان میں خفیف سا التهاب ظاہر ہوا اور بالآخر
یہ شکایت مہلک ثابت ہوئی۔ وہ اپنے دیہاتی مقام ”مسجد وصفیہ“
میں مقیم تھے۔ مرض کی نوعیت دیکھ کر ڈاکٹروں نے بڑے ہی فوراً تاہر
والپس آجائیں۔ چنانچہ قاہرہ لائے گئے اور یہاں کے اطباء سے معائنہ
کرایا گیا۔

قاہرہ پہنچ کر طبیعت بحال ہو گئی تھی۔ لیکن گزشتہ دو شنبہ کو مرض
نے از سر نو حملہ کیا۔ باشبکے رات کو دائیں پہلو میں درد محسوس ہوا۔
مشکل کے دلی حراست برابر برپا رہی۔ صبح ۸ بجے مرحوم نے اپنی حرم
سے اچانک کہا ”میں ختم ہو گیا“۔ یہ کہتے ہی زبان بند ہو گئی، اور
اسی دن یعنی ۳ اگست کی رات کو ۱۰ بجے طائر روح پر داڑ کر گیا!
انا للہ وانا الیہ راجعون!

خبر کوئی نہ مشہور ہوئی؟

وفات کے دن صبح ہی سے مرحوم کے مکان میں لوگوں کا ہجوم
تھا۔ وفات کے وقت ڈاکٹروں کے علاوہ مرحوم کے وفادار مریض
اور بھائی فح احمد باشا برکات بھی بستر مرگ کے پاس موجود تھے۔ وفات

کے بعد ہی وہ نیچے کی منزل میں اتر کر لائے۔ حاضرین نے ڈاکٹر حالت
دریافت کی۔ مگر وہ کوئی جواب دے سکے۔ سب حیرت میں تھے اور
طرح طرح کے قیاسات لگا رہے تھے۔ اسی اثنا میں ادب سے لڑنے
کی مددیں بند ہوئیں۔ اس پر حاضرین دوبارہ فح احمد باشا کی طرف
دوڑے۔ وہ اب بھی چپ تھے۔ لیکن انہوں نے زور سے اپنے
دوڑوں گھٹنوں پر ہاتھ مارے۔ یہ اشارہ کافی تھا۔ ایک لمحہ کے لئے
سب پرنا اچھا نکھا۔ پھر بیک وقت سب کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں
یہ حادثہ ایسا دل ملا ڈالنے والا تھا کہ رونے پر کسی کو طاقت نہیں کی
جاسکتی تھی۔ کمرامج گیا تھا۔ عین اس وقت ڈاکٹر شفیع اوپر سے
اتر کر لائے اور مضبوط آواز میں چلائے ”سوگوار بیوہ پر رحم کرو! اٹھا
رہا اسے ہلاک کر ڈالے گا۔ سعد مر گئے، لیکن اگر تم چاہو تو انہیں اپنے
دلوں میں ہمیشہ زندہ رکھ سکتے ہو“

مگر یہ وقت نصیحت سننے کا نہ تھا۔ نالہ و بکا برابر بلند رہا۔ ترت
جوار کے لوگوں نے سنا تو ان پر بھی ہی حالت طاری ہو گئی۔ چہرہ رونا
میں یہ مشہور خبر تمام شہر میں پھیل گئی۔ اب کوئی نہ تھا جو اس حادثہ
قوم و ملت پر اتنی نہ ہوا

اسی وقت تار کے ذریعہ تمام دنیا میں خبر پھیل گئی۔

سعد باشا کی بیوہ

سعد باشا کی وفات پر ان کی بیوی کا جو حال ہوگا، ظاہر ہو مگر
میں ان دونوں کی محبت ضرب المثل اور تمام مردوں اور عورتوں کے
لئے نمونہ تھی۔ سعد باشا کو ان سے اس درجہ محبت تھی کہ اگرچہ ان
کوئی اولاد نہیں ہوئی مگر انہوں نے کبھی دوسری شادی کا خیال نہ
کیا۔ (انتہا ہی نہیں، بلکہ مرحوم نے اپنی تمام دولت اور جائیداد بھی
اپنی بیوی کو باعنا بلکہ ہر کردی تھی۔ ظاہر ہے، ایسے وفادار شوہر
کی موت اور پھر اس شہر کی موت جس کی عظمت ساری دنیا تسلیم
کرتی تھی، اس کی بیوی کے لئے کیسی عظیم مصیبت ہوگی؟ اور کبھی
سال سے یہ مغز خاؤں بیمار ہو۔ ڈاکٹروں نے سختی سے ممانعت کر
دی تھی کہ مریض کی خدمت میں حصد نہ لے۔ مگر اسے صحت مات انکار
کر دیا۔ وہ اس قدر ناقابل ترمیم کی شکل میں تھی، اس پر بھی بیمار
میں بہترین مشغول رہتی تھی!

ایک عجیب قیامت برپا ہو گئی۔ اگر فوج اور پولیس کا انتظام غیر معمولی نہ ہوتا تو یقیناً بے شمار جاں نثاریں جانتیں۔ کیونکہ نقش کے بلند ہونے ہی ہزاروں آدمیوں نے بیک وقت آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ ہر شخص کی ہی خواہش تھی کہ مسجد کی نقش کا بوسہ لے لے، یا کم سے کم اسے چھو لے۔ مگر فوج اور پولیس نے پرجوش مجمع کو روک دیا اور ٹھیک مہینے جنازہ روانہ ہو گیا۔ مجلس میں سب آگے فوج کا ایک ٹرا دستہ اپنا خشکی باجا بجا رہا تھا۔ اس کے بعد مزدوری پیشہ طبقہ کی مختلف جماعتیں تھیں۔ ریلوے کے مزدور، کارخانوں کے مزدور، گاڑی بان، لوہار، حجام، غرضکہ مختلف پیشہ وران کی علمی و علمی و مصنف تھیں۔ انکے پیچھے پھر فوج اپنے باجے کے ساتھ تھی۔ اس کے پیچھے مختلف تجارتی کمپنیوں کے مزدور اور کارکن تھے۔ چھاپے خانوں کے مزدور ان کی صفیں، انکے بعد تھیں۔ پھر..... مگر میرے لئے یہ تمام تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ صرف اس قدر کہ دنیا کافی ہو کہ قاتر میں جتنی جماعتیں اور فرقے موجود ہیں، جتنے ممالک قائم ہیں، جتنی انجمنیں..... بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید باندھ نہ ہو گا کہ جتنی بھی مخلوق موجود ہے، اس کا بڑا حصہ جاننے کے ساتھ امام کائنات موجود تھا!

اس مجلس میں ایک قابل ذکر بات یہ تھی کہ اس میں ہر طرف ہلال اور صلیب، دونوں کے علم بلند تھے۔ دونوں ہوا میں ملتے تھے اور ہم آغوش ہو جاتے تھے۔ یہ نظارہ نہایت ہی پراثر تھا۔ یہ اس حقیقت ثبوت پیش کر رہا تھا کہ مسیحی اب ایک ہی ممبر بنی ہو، اور وہ آزاد کا خدا مصری قوم ہے۔ اور یہ کہ مسجد زلزلہ کسی ایک فرقہ کا رہنا نہ تھا، بلکہ مسیح کے تمام فرقوں کا یکساں طور پر رہنا تھا۔ جس طرح مسلمان میری کا محبوب تھا، اسی طرح مسیحی مصریوں کا بھی محبوب تھا!

نماز جنازہ

ٹھیک ۶ بجے جنازہ مسجد قیومین میں پہنچا۔ یہاں لاکھوں مخلوق نے نماز جنازہ ادا کی۔ صفوں میں سیکڑوں نے جلی عیسائی، اور مصری بھی بھی مسلمان نمازیوں کے دوش بدوش کھڑے تھے، اور اپنے سردار کی مغفرت کے لئے رب العالمین سے التماس و زاری کر رہے تھے!

قبر پر ہوا

نماز کے بعد جنازہ پھر آگے بڑھا اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔ قبر کے قریب پہنچ کر مجلس رکھا۔ آدمیوں نے گاڑی پر سے نقش اُڑا دی۔ ان میں تو جلی عیسائی بھی شامل تھے۔ قبر میں نقش آنارنے والے بھی ہی لوگ تھے۔ اس وقت کا امام ناخاں بیان ہے۔ دنیا کا کوئی قلم بھی اسے نہیں لکھ سکتا ایسا امام تھا کہ دل لے جاتے تھے۔ ۶ مغز آدمی ہیش ہو کر گر پڑے! اس تمام دوران میں قلعہ سے توپیں غنی ہی تھیں۔ مسیحی گروہ کے گھنٹے بج رہے تھے۔ تکبیروں کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ قاترہ، پورے مسمیٰ میں نشان غم بن گیا تھا۔

بٹی دینے سے پہلے فتح اللہ شاہ برکات قبر میں اترے اور مرحوم کو آخری سلام کر کے بچل گئے۔

وزیر داخلہ کی تقریر

اس مؤثر موقع پر جعفر دانی باشا وزیر داخلہ کھڑے ہوئے اور کہا: ”سعد، مرگیا۔ موت، کیسی سخت مصیبت درپیش ہو! یہ ایسی مصیبت ہے جس کا غم کبھی دور نہیں ہوگا۔ سعد پاشا نے جن اعلیٰ اصول پر اپنی زندگی قربان کی، الحمد للہ اب وہ اصول تمام مصری قوم کے دلوں میں راسخ ہو چکے ہیں۔ اگر یہ جلیل القدر وجہ اپنے جسم سے دور ہو گیا ہے، تو کوئی مصائب نہیں، اس کی روح ہر جگہ اپنے جسم سے دور ہو گیا گی۔ ہم سب ایک ایک کر کے اسی طرح مرجائیں گے، مگر قوم اس شخص کی پیدائی ہوئی دور سے ہمیشہ زندہ رہے گی!“

پارلیمنٹ کی تعزیت

وفات کے دوسرے دن پارلیمنٹ کے تمام ممبر بیت اللہ یعنی قوم کا گھر۔ یہ اس مکان کا نام ہو گیا ہے جس میں سعد پاشا بیٹھے تھے میں جمع ہوئے، اور بیگم زلفول کے سامنے حبیل تقریر کی،

”مرحوم و مغفور ہمارا حرم محرم!“

”یہ موقع ہمارے لئے نہایت ہی دردناک ہے کہ بیت اللہ میں جبکہ وہ سعد سے خالی ہو چکا ہے، اس کی ذیق حیات کی تعزیت کو حاضر ہوں۔“

”مغز خاتون! مصری قوم کی تعمیر میں سعد نے پہلی اینٹ رکھی۔ اسے پوری سرزمین مسر کو ایک قوم بنا دیا اور اس کا ایک ہی لغو قرار دیا۔ وہ لغو، کامل آزادی کا لغو ہے۔ اسے پوری قوم کی ایک صف بنا دی۔ خود آگے کھڑا ہوا، اور منزل مقصد کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے آزادی کی صفیں آگے بڑھائیں۔ فرت و عظمت کی راہوں میں داخل ہوا۔ تمام شکلیں مل کر ڈالیں۔ رکاوٹیں دور کر دیں اپنی بے نظیر قرائن سے منزل مقصد قریب کر دی۔ اپنی بے مثل جفا سے ناممکن کو ممکن بنا دیا!“

”سعد، دستور حکومت کا باپ تھا، محافظ تھا، سپہ سالار تھا، باپ ہی تھا۔ پارلیمنٹ کا سب سے پہلے کھولنے والا تھا۔ ممبر خطاب کو سب سے پہلے بلا ڈالنے والا تھا۔ حکومت کے ایوان میں سب سے پہلے اسی کی حق گو آواز کو بجی تھی!“

”سعد ہی نے پارلیمنٹ کے اصول مقرر کئے۔ موابط بنائے۔ دستور لہل مرتب کیا۔ اس کی عزت بڑائی۔ اس میں عظمت پیدا کی اسے قوت بخشی۔ اپنے جاہ و جلال کا ایک عظیم پرتو اسپر ڈالا، اور بڑ جاہ اور بڑ جلال میں لگی.....“

”سعد اپنی صدارت کی کرسی پر حتیٰ دباہل کی بھی میزان تھا۔ دور اور نزدیک کے لئے روشنی کا ستون تھا۔ فصاحت میں ذات البیان تھا۔ پیری میں شباب غم تھا۔ فیصلہ کی عظمت تھا۔ لفظ میں بلاغت تھا۔ محبت بالغہ تھا۔ آیتہ اند تھا۔ ہدایت کا نور تھا عقل کا ستون تھا۔ خطاب کا امام تھا....“

”محرم خاتون! اس وقت جبکہ خزن و مال نے آپ کو اپنی موج میں لے لیا ہے، اور جبکہ سعد رب کریم کی نظر عنایت پر رہی ہے، ہم اپنے زخمی دلوں کے ساتھ تعزیت پیش کر کے اذیت کھاتے ہیں کہ جب تک زندگی باقی ہو کہ بل آزادی کے حصول کی جدوجہد جاری نہیں گے اور پورے اتحاد و اتفاق کے ساتھ دستور حکومت کی حفاظت کریں گے۔“

”محرم خاتون! سعد آپ کا تعاد ہما تھا۔ وہ خدا کا تھا اور وطن کا تھا۔ اسنے اپنی تمام جرأت و ہمت، عظیم قربانیاں، غم و رنج، غرضکہ جتنی بھی افوق العادت قوتیں اسے ملی تھیں، سب کی سب اپنے وطن کی خدمت پر وقف کر دی تھیں، یہاں تک کہ موت آگئی، اور اسے شہادت نصیب ہوئی۔ سعد، شہید وطن ہے!“

”سعد اپنی قبر میں آرام سے سوئے، کیونکہ وہ اپنے پیچھے ایک ایسی قوم چھوڑ گیا ہے جو اسے کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ پس سعد پاشا کی زندگی میں سلام ہو اور موت کے بعد قبر میں بھی.....“

تقریر یہاں تک پہنچی کہ کفر اللہ پاشا نے بالائی کمرے سے چلا کر کہا: ”حضرت! سعد پاشا کی حرم محرم آپ سے درخواست کرتی ہیں کہ خاموش ہو جائے۔ وہ کہتی ہیں آپ کی تقریر سے میرا دل پٹا جاتا ہے۔ آپ کی ہمدردی کی اذیت کھاتا رہا۔ میری زبان بہا کے انظار سے قطعاً عاجز ہے۔ خدا سے میری دعا ہے کہ آپ کے ساتھ“

لکھے۔ زندہ باد مصر!“

سعد پاشا کی حرم کا بیان

صفیہ ہام زہرہ محترمہ سعد پاشا مرحوم کے قوم کے نام حبیل بیان شایع کیا ہے:

”میرے فرزند!“

”اگر سعد، جناب جوار خداوندی میں پہنچ چکا ہے، مجھ کیلئے کا سعد ہوتا، تو اس کی موت پر بخاری تعزیتیں کا شکریہ ادا کرتی لیکن وہ پورے ہمسرا کا سعد تھا۔ وہ مسر کا سپہ سالار تھا۔ امین تھا۔ اس کی موت کی مصیبت، خود بخاری مصیبت ہے۔ اس کا ماتم خود بخارا ماتم ہے۔ اگر مجھے شکر ادا کرنے کا کوئی حق پہنچ سکتا ہے تو وہ صرف اسی لحاظ سے کہ اس کی محبت مجھے حاصل تھی۔ اس کی نیکی مجھ پر دینی تھی اس کے نام کی عزت مجھے نصیب ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے بخاری محبت اور قوی حکومت کی شغف مجھے میرا کی۔ اگر اتنا حق میرے لئے منظور کرو تو میرا شکریہ قبول کر لو۔ ایسا شکریہ، جس کے اخلاقی اثر میرے دل میں نہیں ہے اور جس کے انظار سے میری زبان قاصر ہے۔“

”میرے بھو! سعد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک اعلیٰ سطح نظر تھا۔ سعد مرگیا، مگر الحمد للہ یہ سطح نظر ہندو باقی ہے۔ اس کی محبوب شکل ہم سے ادھل ہو گئی، مگر اس کی قیمتی یاد ہمارے دلوں میں زندہ ہے لی، والذکر فی تنفع المؤمنین!“

”اگر یہ اس کی جدائی کے غم نے ہمارے دل توڑ ڈالے ہیں لیکن آؤ، اس غم کو فریخت و شجاعت کا ذریعہ بنائیں۔ یہ غم ہماری تین بلند کرنے والا اور ہم میں ایک بالکل نیا جوش پیدا کرنے والا ہو کر نہ صرف غم ایک ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جو بے روک ہوتی ہے، ایسی بہت لانا ہے جو لاتنا ہی ہوتی ہے۔ اگر سعد کا ہم پر کوئی حق ہے تو وہ حق یہی ہے کہ ہم امید کو نہ چھوڑیں، کیونکہ یہ پورا اسی کا لگایا ہوا ہے ہم اس کے حسن ظن کے مطابق ثابت ہوں۔ اس کا کام پورا کریں۔ اس کی رکھی ہوئی جیاد پر اپنی عمارت کھڑی کریں۔ مسر کو یاد رکھیں مسر کے سوا سب کچھ بقول جاہل۔ مسر ہی ہمارا منزل و مہلتا ہے۔ اسی سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی کی خاک میں مل جانے والے ہیں۔ اگر ہم ایسا کرینگے تو یقیناً کرو، سعد کو اپنی صفوں میں پائیں گے۔ بلکہ ہر خادم وطن، ہر مجاہد وطن، سعد کو اپنے دل کے اندر رکھیں گے۔ اس لئے کہ سعد، جس سے ہم محبت کرتے اور ہمیشہ یاد رکھنا چاہتے ہیں، دراصل ہمارا وہ مطالبہ ہے جس کے لئے ہم کوشاں ہیں۔ یعنی آزادی، یعنی خود مختاری۔ اسی پر ہم جیتنے اور اسی پر مر چکے!“

”میرے فرزند! آج مسر بخاری طرف دیکھ رہا ہے، تم بھی اسے دیکھو۔ وہ ہمیں بچا رہا ہے، تو بھی اس کی آواز سنو تہاں کبھی اس کی بچاؤ سے کان بند نہیں کئے۔ آج پھر اس کی طرف دوڑو، بے شک سعد مرگیا، مگر مسر زندہ رہو! بے شک قوم کا رہنا مرگیا، مگر قوم زندہ ہے! قوی آرزوں کا نشان بٹ گیا مگر قوی آرزوئیں زندہ ہیں۔ آؤ ہم پھر کہ سعد کا جھنڈا اپنے کانڈھوں پر اٹھا لیں۔ وہی اندھ جس نے مسر کے لئے ظلمت غفلت کے بعد نور پیدا کی راہ باز کر دی تھی، ہمیں آئندہ بھی راہ و راست دکھائے گا، اور ہم کے لئے سعد کا غم الہیل پیدا کرے گا.....“

سعد پاشا کی یادگار

مجلس وزارت نے سعد پاشا کی یادگار قائم کرنے کے لئے حبیل تجویزیں منظور کیں:

(۱) مرحوم کا ایک مجسمہ قاتر میں اور ایک اسکندریہ میں قائم کیا جائے۔ یہ دونوں مجسمے مرحوم کائنات خطاب میں ظاہر کیے۔

(۲) ”بیت اللہ“ (سعد پاشا کا مکان) خرید کر قوی عمارت بنائی

جلے۔ اُس کا نام بدستوری ہے گا۔ مرحوم کی بیوہ کو زندگی بھر انہیں
بہنے کا حق ہوگا۔

یہ مکان مرحوم نے منظر میں تھوپا تھا۔ اور اپنی حرم محرم ہوتی
کر دیا تھا۔ ورنہ اس نے طے کیا کہ مکان کا وہ تمام سامان اسی تربت
سے باقی رکھا جائے گا، جس طرح مرحوم کی وفات کے وقت تھا جتنی کہ
مرحوم کے کپڑے بھی محفوظ رکھے جائیں گے۔ ان کپڑوں میں ایک شیخ
جیہ بھی جو وہ اپنے وطن لباس کے اوپر پہنا کرتے تھے۔ لکھنے پڑھنے
کا بھی تمام سامان علی حالہ رکھا رہے گا۔ گھر کی ہر چیز رکھا جائے گا
کہ کب خریدی گئی؟ کیوں خریدی گئی؟ اور مرحوم اُس سے کیا کام لیتے
تھے؟

(۳) بیت اللہ میں مرحوم کی منشا کی جائے گی۔ اُن کی سچو
قرعائی ہو۔ اس نے انقلاب کی تکمیل اور جدید شاہ مرقے کی تعمیر
کے بعد منشا میں منتقل کر دی جائے گی۔

(۴) سعد پاشا "ایمانہ" گاؤں کے جس مکان میں پیدا ہوئے
تھے، وہ بھی خرید لیا جائے اور اُس میں شفاخانہ یا دوسرا کچھ کیا
(۵) پانچ تخت میں ایک عظیم الشان شفاخانہ یا تیم خانہ قائم کیا جائے
اور مرحوم کے نام پر اُس کا نام رکھا جائے۔

تقریر کے پیغام

بیگم زغلول کے نام دنیا بھر سے تقریر کے پیغام آرہے ہیں۔ بڑے
بڑے آدمیوں اور بادشاہوں نے تاریخ میں۔ اس سلسلہ میں سب سے
پہلا پیغام سلطان ابن سعود اور اُن کے بیٹے امیر فیصل کا تھا۔ ان دونوں
نے نہایت رنج و ملال کا اظہار کیا جو اور اس حادثہ کو تمام مشرق کے
لئے عظیم خوارہ بنایا ہو۔ اگر میں ان تمام پیغاموں کا ذکر کروں تو سچی
بہت طویل ہو جائے گی۔

یہ بین اخبارات کے افکار

یہ معلوم کرنا نہایت اہم ہے کہ زغلول پاشا کی وفات کو روپ کے
اخبارات نے کس نظر سے دیکھا ہے؟ خصوصاً برطانوی اخباروں نے
کس طرح انہماک خیال کیا ہے؟
ٹائمز آف لندن لکھتا ہے:

"زغلول پاشا نے مسالمت پسندی میں جو حصہ لیا، اُس کے متعلق
تاریخ کا فیصلہ کچھ ہی ہو، لیکن یہ یقینی ہے کہ تاریخ انہیں مصر جدید کا
سب سے بڑا آدمی شمار کرے گی۔ وہ اپنے اندر ایک حیرت انگیز زندگی
لکھتے تھے، اگرچہ زیادہ مضبوط جسم کے مالک تھے۔ وہ اپنی جمالی آباد
اور شکل و صورت میں مصری "فلاح" (کسان) کا مکمل نمونہ تھے
زبردست شخصیت اور اخلاق رکھتے تھے۔ خلاق عادت شجاعت شہ
صراحت، اُن کی نمایاں صفت تھی۔ بڑی قوت استدلال، مسکت
محنت، حاضر جوابی، خوش گفتاری، اور حیرت انگیز خطابت نے
انہیں نہایت ممتاز کر دیا تھا۔ محمد علی پاشا اول فرید مصر کے عہد
آج تک کسی نے بھی فرعون کی سرزمین میں اتنی مقبولیت، اخلاقی
اقتدار، اور عام محبوبیت حاصل نہیں کی جتنی زغلول پاشا نے حاصل
کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر جدید کی تاریخ میں وہ پہلے سیاسی رہنما
ہیں جنہوں نے قوم کے دل و دماغ، دونوں پر یکساں اثر ڈالا اور
ملک کی سیاسی ترقی کی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مشرقی رہنما، مغربی
رہنماؤں کے مقابلے میں جلد بولتے ہیں، مگر زغلول جلد بولتے ہیں، لیکن
سعد زغلول، اس سلسلے سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے آخری
لے تک چپ و چالاک رہے اور سخت سے سخت و ماضی سخت انجام دے
لیے۔ تاریخ میں بہت کم انتہا پسند انقلابیوں کے نام ملتے ہیں۔ جو
۵۰ سال کی عمر کے بعد بھی اپنا سیاسی اقتدار مد مقبولیت برقرار رکھ
سکے ہوں۔ لیکن زغلول پاشا اپنے آخری وقت تک محبوب مقبول

ہے۔ اُن کی عمر جتنی زیادہ ہوتی گئی، اسی قدر زیادہ اُن میں سیاسی
جوش اور انقلابی روح بیدار ہوتی گئی۔ برطانیہ نے زغلول کو
جلادین کیا تھا۔ لیکن اس عظیم انسان کے دل میں اس وجہ سے کوئی
لغض پیدا نہیں ہوا۔ برطانیہ نے دیکھا تھا کہ یہ اُس کا ایک لیاکتن
ہو جو خندہ پیشانی سے ہر طرح کی ضربیں برداشت کر سکتا اور قہرے جو
سے اُن کا جواب دے سکتا ہو۔ کوئی شخص بھی اس فلاح "کسی شجاعت
پر حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا، جس نے بے شمار محنت و قوت و سحر
کیا اور سب کو بالآخر اپنے ارادے کے سامنے جھکا لیا۔"

"زغلول، سالہا سال سے مصر کا معبود تھا۔ سیاسی جنگ
میں اُس کی شجاعت و دلالت بے نظیر تھی۔ وہ اپنی قوم کو کابل خود
نقداری کی طرف لے جا رہا تھا۔ لارڈ کرزن نے ایک مرتبہ کہا تھا
"زغلول، شورش کا غیر مسئول علم بردار ہے!" لیکن کچھ عرصہ اپنے
ملک کی آزادی چاہتا اور انگریزوں کو وہاں سے نکالنا چاہتا
تھا۔ مصریوں کے دل میں اُس کی قربت بے حساب تھی۔ وہ ہمارا شریف
ادب دار دشمن تھا"

مختصر کارڈن لکھتا ہے:

"زغلول پاشا، تمام مصریوں میں ایک آدمی تھا۔ اُس کا ظاہر و
باطن ایک تھا۔ وہی وجہ ہو کہ اُسے ۳۲ مرتبہ جلادین ہونا پڑا۔ اگرچہ
نے بہت کوشش کی کہ اسے جاہ و منصب کا لالچہ ملے کہ لائیں، مگر اتنے
ہیشہ استکار کیا، اور کابل خود نقداری کے سوا کچھ قبول کرنے پر
رضا مند نہ ہوا۔ سعد پاشا کی ذہانت، اخلاق، خوش مزاجی، ایسی
تھی جس کی نظیر مغلوب قوموں کے رہنماؤں میں کبھی نہیں دیکھی گئی۔
یہ انگلستان کے متعصب متعصب اخبارات کے خیالات ہیں
لیبر پارٹی کے اخبارات نے تو اس کو بہت زیادہ لکھا ہے۔ اختصار
کے خیال سے ہم ان کا ذکر نہیں کر سکتے۔ یہ تمام دائیں بازو کے ذریعہ
کے اخبارات میں پہنچی ہیں اور ابھی ان کا سلسلہ برابر جاری ہے۔
اسی طرح فرانسیسی اخبارات نے بھی طویل و عریض مضمون شائع
کئے ہیں اور مرحوم کی بہت تعریف کی ہے۔

نیم سرکاری اخبار "طمان" لکھتا ہے: سعد پاشا، مصر کے ارتقا
سب سے بڑے آدمی تھے۔ اُن کی زندگی کا اکثر حصہ اپنے ملک کے لئے
آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد میں گزارا۔ وہ دنیا بھر کی نظروں میں
مفرد و قہر تھے۔"

"ایکویڈی ہائی" لکھتا ہے: "زغلول، مصر کا عظیم آدمی تھا۔ آزادی
کا علم بردار تھا۔ مصر میں اُس سے بڑا کوئی آدمی موجود نہ تھا۔"
اخبار "دیبا" لکھتا ہے: "سعد کی موت نے مصر کو اپنے سب سے
بڑے رہنما سے محروم کر دیا۔ اُس کی شخصیت، بہت ہی عظیم تھی۔"
مکتوب بہت دراز ہو گیا ہے۔ آئندہ جتنے افکار، اصرار، کھلا
حاکم سعد پاشا کی موت کا اثر مصر کی سیاست پر کیا پڑ سکتا ہے؟ اور
انگریز اُس سے فائدہ اٹھانے کی ابھی سے کسی طایاں کرنے لگے
ہیں؟ لیکن قلم لکھنے سے پہلے میں بہت ہی اختصار کے ساتھ مرحوم
کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب سمجھتا ہوں۔
تا کہ آپ کے قارئین اندازہ کر سکیں کہ عظیم زندگی کیونکر شروع ہوئی اور
کس طرح موجودہ بلندی تک پہنچی؟

سعد پاشا کی زندگی پر ایک نظر

وہ مستحکم میں پیدا ہوئے۔

"وہ اکثر ہندوستان اور شریخ سعد زغلول ازہری طالب علم کی ساری
اخبارات و قلم المصیر کے ادارہ قریب قریب تھیں۔ ۸۰۰ قرش
(ایک قرش ہر کا ہوا تھا) ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی تھی۔ یہ طالب علم

خوش الحواہ ہے۔ شیخ محمد عبد نے اُس کے چال چلن کی تصدیق کی ہے
یہ عبادت ایک سرکاری فرانس سے اخذ کی گئی ہے۔ اُس وقت مرحوم
ازہر کے طالب علم تھے اور شیخ سعد زغلول "کھلاتے" تھے۔

یکم فروری ۱۸۷۸ء کو اُن کی تنخواہ ۹۳۳ قرش ہوئی۔
۳۳ مئی ۱۸۸۱ء کو سعد زغلول "کھلاتے" کا تبادلہ وزارت داخلہ
کے محکمہ میں ہو گیا اور تنخواہ ۱۵۰۰ لیرہ مقرر ہوئی۔

۱۹ ستمبر ۱۸۸۱ء کو "جینو" کی کشتی میں حادثہ قرقا فداقت مکاری
مقرر ہوئے۔

۲۴ جولائی ۱۸۸۲ء میں ۵۰۰ لیرہ تنخواہ پر بدستور کے محکمہ میں
یکم فروری ۱۸۸۳ء میں تنخواہ ۵۰۰ لیرہ ہوئی۔

یکم جنوری ۱۸۸۴ء میں تنخواہ ۶۰۰ لیرہ قرار پائی۔

۸ مارچ ۱۸۸۵ء میں انہیں پہلا سرکاری تنخواہ ملا۔

۱۴ جنوری ۱۸۸۶ء میں انہیں میراثی عہدہ منابت ملا۔

یکم جنوری ۱۸۸۷ء میں اُن کی سالانہ تنخواہ ایک لیرہ ۱۰۰ لیرہ ہوئی۔

۲۸ اکتوبر ۱۸۸۸ء میں سعد زغلول ایک "ذریعہ تعلیم مقرر ہوئے۔

۱۲ دسمبر ۱۸۸۹ء میں پاشا کا خطاب ملا۔

۱۸ جنوری ۱۸۹۰ء میں عہدہ اول "کا مندرجہ ملا۔

۲۳ فروری ۱۸۹۱ء میں محکمہ عدالت کے وزیر مقرر ہوئے۔

۲۴ جنوری ۱۸۹۲ء میں وزیر داخلہ مقرر ہوئے۔

۲۳ مارچ ۱۸۹۳ء میں پہلی مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر مقرر ہوئے۔

۱۰ جون ۱۸۹۴ء میں دوسری مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر منتخب ہوئے۔

۲۳ اگست ۱۸۹۵ء میں فوت ہوئے۔

اطلاع ضروری

(۱)

باش کی وجہ سے ملحق الملل کے مشین نوٹم کے بعض حصے کو ہتھ
سے کھڑو ہو گئے تھے، خصوصاً وہ ستون جن کے ذریعہ مشین بڑے تھے
کی گئی ہیں۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کام کے روکے بغیر
کی جائے لیکن کوئی صورت نہ نکلی سکی۔ مجبوراً اس ہتھ کا کام ختم
کر کے ان کی از سر نو تعمیر شروع کر دی جاتی ہے۔ ہم نوٹم کو کوشش کریں گے
کہ آئندہ ہر کسی کی طرح بخل جائے، لیکن اگر کامیابی نہ ہوئی تو اس
موتور میں آئندہ جمد کا پرہ جاری نہ ہو سکے گا، اور اُس کے بعد کے
جمد کو کھینچے گا۔ خریدار ان الملل کو اگر بیٹیک پرچہ نہ لے، تو وہ کچھ
لین کر پرچہ شائع نہیں ہو سکا ہو۔ یہ ہتھ خریداروں کی سلافت
میں محسوس نہ ہوگا۔ "مخبر"

(۲)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مولانا ابوالکلام کے اُن
مضامین کی اشاعت شروع نہیں ہوئی ہے جس کا اُن کے اخبار کو
انتظار تھا۔ بجز اب التفسیر کے اور وہ بھی ہرگز نہیں سلسل نہیں ہے۔
اُن حضرات کو اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ الملل جاری کرنے
ہوئے انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ حقیقت تک مقصد اور نقشہ کی
ابتدائی جلدوں کی از سر نو تحریر سے وہ فائدہ نہیں ہونگے، الملل
کے لئے کچھ وقت نہیں نکالیں گے۔ اب وہ ایک حد تک فائدہ پہنچے
ہیں۔ اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ سفر طویل سے واپسی کے بعد
اس کے لئے کافی وقت نکالیں گے۔

مخبر

ان تمام صحا کے لئے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہو

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی تعلیمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تعمیریں، پرانے بچے اور
نقوش، پرانے زلیخہ، آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی مواد بے
نفاذ، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش کا ہر لٹو
ذخائر کی نمائش ہی سیکو ایجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہو۔

نواد عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصروف و سامی کے بعد حاصل کی گئی ہیں
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان،
چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایک بڑا ہیثہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

با ایں ہمہ

قیمتیں عجیب و غریب کم از کم انداز میں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نواد حاصل کر سکتے
ہوتے ہیں۔ تاہم نئے ایران شاہی کے نواد بھی حال میں ہم سے ہی ملنے فرما رہے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نواد موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔
بعض ممکن ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے محل کے

یاد رکھو

موسم گرما کا نیا شخص ہے

شربت روح افروز ۲۹۳ (حفظ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ہم اہم ہجو کا لقب بھی دے دیا گیا ہے۔ دشن مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک فخرک شہرت حاصل کر چکا ہے اور جس کو ختم ہر (حلیوں) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے دست برد بھی کر لیا گیا ہے۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا ہسپتال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے تعارف کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل پیہم مشاققہ خریداری اس کی پسندیدگی و تدریجی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسو وسیع براعظم میں جن لوگوں کو اس کے ہسپتال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شریعت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج ہر گرام میں خوش و اقلہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔
 ناظرین! یہ شریعت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فداکارتی مثل انگہ سیب، رنگتہ و غیرہ ادبیت سے اعلیٰ ادبیہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جالغشالی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مضر قلب ہو۔ خوش و اقلہ ہو۔ نشئی اور گہرا ط
 کو درد کرنا ہو۔ اختلاج قلب، دُرد درد دوران سر، متلی و غیرہ کی شکایت کو رفع کرنا ہو۔ سودا ہی امراض کے واسطے ملتا اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً ثابت مفید ہو۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استقال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر اور درگداز و غریب اور پکینگ کی صفائی دیدہ زیب ہو اس کی اشاعت سے شخص ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خواہم تو آپ کے مصداق پبلک کی خدمت کو ناؤ ہندستانی ایشیا رکی ٹریڈ کمپنی دینا منظر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ بول و کچھ کراد استقال کر کے جو بدلا شدہ وغیرہ نہ وہان کی صنعت کا امیدا فرما سمنے ہی اور جس کی ہرجیز دیسی جو خوش ہو گئے اور باجود اس قدر خوبیاں ملنے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ حریت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ جیت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (چار) حکیموں اور عطارد کے علاوہ تاجران شربت کو شربطیکہ و مالک و دجن یا اس سے زیادہ خریدیں فی سپرویشن

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہلکے ہمیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً گوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہو۔ لہذا آپ شربت خرید

• واضح ہے کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہے۔ "فہرست دواخانہ معہ خبریں ستمبر ۱۹۲۷ء کا ردائے پُشت ارسال ہوگی۔"

پتہ - ہمدرد و اخوانہ دہلی

اگر آپ انگلستان کی حسیا کرنا چاہتے ہیں تو

مادر کے

کہ آپ کو ایک مُستند اور آخِرین ہنما گاؤں تک کی ضرورت ہے جو بھکستان کے تمام شہروں، سو سیٹوں، ہٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کر دے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیا سکیں جن کی ایک سیاح کو

تقدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہو

ایسی کہل گائیکت صرف

طہلاک کا طہلو گریہ برمین

The Dunlop Guide to Great Britain

8

دوسرا طبع ہوا ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے۔

اکبر

۱۰

(ضیق اس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت نہ ہو تو
تائل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی کلن

HIMROD

مشہور عالم دوا انگار
ابستقلیٰ

ایستغفار

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور
جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرے کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

مطبوعات الہلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کے پیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے امامین کی ان نادر و اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جتنا مطالعہ اصلاح عمائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے - امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

اسوہ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب
 ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ ورچے مجلد
 ازہائی ریدیہ -

کتاب الرسالہ۔ لفظ ”رسالہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی ہے۔ بلا جلد ازھائی زبیدہ، مجلد سوا تین زبیدہ۔

صاحب صفہ — انکی تعداد ، ذریعہ معاش ، طریق عبادت اور انکی مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آئے ۔

تفسیر سورۃ الکوثر - امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا
اگر ترجمہ - چار آئے -

العزوة الرثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل
بدان کیا ہے - چہہ اے -

سیدت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی
نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں۔ نو آنے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی نازہ کتاب
کا آری ترجمہ - سوا روپیہ -

آئمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے
خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آنے

صدیق سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کوش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

گاہ گاہ ہے باز خوان این دفتر پارسینہ را
آمارہ خوابی داستان گردانمائی سینہ ما

ازدہ صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا ، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا ، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف مذاق کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب ، مذہب ، سیاست ، ادبیات ، علوم و فنون ، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خوبیوں اور صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھاپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے عالمی ، مذہبی ، سیاسی ، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شایقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست سو روپیہ میں خرید لیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے بچے بحفاظت جمع لئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علاحدہ کر کے کیلئے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں ”الابلاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا ، ہم نے کوشش کی کہ شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کرائیں جائیں لہٰذا جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ درشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہو گئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آخری مرفعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
 ” ” ” چہارم ۱۰ روپیہ ” ” ” پنجم ۱۰ روپیہ
 جلد ” البلاغ“ (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا)
 قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ، علمِ ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصولِ ڈاک و بیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

منیجر "البلاغ پریس"

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنا:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رقص کے جاری اور زیر بحث ادبی نوالد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میوزوں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میوزوں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی معنیت اور تہذیب سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گرو اور بیدار سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کڑھپوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تہذیب سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

۱۹۲۷

جلد ۱

نمبر ۱۵

السلامة

نسخه
۲۸
۶۳۲

تألیف
ابن عربی

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع معقول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لغامہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرانیے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کاپیوں پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۳ - ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۵

Calcutta : Friday, 30, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔
الہلال

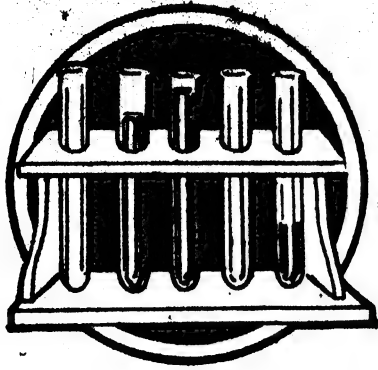
قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۲۱۰ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

۳۴۹	اردو حروف کی حق میں	۱۹۷	عربی حروف کی حق میں
	حروف کی حق میں بشرطیکہ	۳۲۴	موجودہ مشترک طباعت کی حق میں
۱۱۷	نستعلیق ہوں	۲۲۳	پتھر کی چھپائی کی حق میں

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔
الہلال



مذاکرہ علمیہ



برتر انسان

(Super man)

(ایک جدید علمی تجربہ)

اُس کی نسل ابد الا آباد تک دنیا پر حکومت کرے گی۔ یہ نسل ایک ایسی قہرمان عقل و جسم کی مالک ہوگی کہ تمام مخلوقات اُس کی قوت قاہرہ کے سامنے جھک جائیں گی... میں اب تک ہزاروں کر جان بناتا تھا۔ لیکن یہ کچھ زیادہ نتیجہ خیز عمل نہ تھا۔ اس سے انسانی عمر میں تھوڑا سا اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن اب جن نئے تجربوں کا میں نے عزم کیا ہے، وہ تمام پہلے تجربوں سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور نتیجہ خیز ہونگے۔ یہ تجربے صرف ہزاروں ہی پر نہیں ہونگے۔ اب میری ترجمہ کا مرکز کم عمر بچے ہونگے۔ وہ بچے جنکی عمر آٹھ اور دس برس کی ہے۔ بندر کی گنتی ہی یہ حیرت انگیز انقلاب پیدا کرے گی، اور انہیں ایک نیا آدمی بنا دے گی۔ میں اسے بچوں کو اپنے تجربے کے لیے منتخب کرونگا جو غیر معمولی ذہانت اور جسمانی قوت رکھتے ہیں۔ یہ بچے اور ان کی نسل، مستقبل میں یقیناً نہایت عظیم ہوگی۔ اس مقصد میں سب سے بڑی مشکل یہ درپیش ہے کہ ترقی یافتہ بندروں (شیمپانزی اور اورنگ اوتنگ) کی کافی تعداد موجود نہیں ہے۔ اگر ہر آدمی کے لیے ایک ایک بندر مل جائے تو نہایت قلیل مدت میں نسل انسانی کی کاپیاں پلت جائیں۔ لیکن یہ مشکل نا قابل حل نہیں ہے۔ یورپ اور امریکا کے گرم علاقوں میں بندروں کی افزائش کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

جراثیم حیات

(ایک از جدید نظریہ)

ہندوستان میں کم لوگوں نے ڈاکٹر کن آب کا نام سنا ہوگا۔ حالانکہ وہ فرانس کا ایک مشہور ڈاکٹر اور عالم ہے۔ اُس جیسی وسیع معلومات رکھنے والے آدمی دنیا میں بہت کم ہیں۔ وہ ۸۰ - علوم و فنون اور صنعتوں کا ماہر ہے۔ چنانچہ سائنس دان، طبیب، فیلسوف، کیمیائی، موجد، موسیقی دان، شاعر، ریاضی، فلکی، سب ہی کچھ ہے۔ غیر معمولی دماغی قابلیت کے علاوہ نہایت عظیم جسمانی قوت بھی رکھتا ہے۔ پورا پہلوان ہے۔

یہ عجیب ڈاکٹر، روزنوف اور اس کے تمام ہم مشرب ڈاکٹروں کے بارے میں سخت سوسطی رکھتا ہے۔ اُس کے خیال میں وہ دغا باز ہیں۔ جوانی واپس لانے کا جو طریقہ انہوں نے ایجاد کیا ہے، غلط ہے۔ اُس کا اثر، عارضی ہے، اور اُس کا رد فعل نہایت مضر ہوتا ہے۔ لیکن خود اپنے متعلق اُس کا دعویٰ ہے کہ وہ ہزاروں کو بغیر کسی گنتی کے استعمال کے جوان بنا دیتا ہے اور انسان کی عمر در سو برس تک طویل کر دے سکتا ہے۔ اس کے علاج میں سب سے پہلے ان شرطوں کی پابندی ضروری ہے جو اُس کے خیال میں درازی عمر کی ضروری شرطیں ہیں۔ پھر انجیکشن کے ذریعہ وہ ایک مادہ جسم میں داخل کر دیتا ہے۔ یہ مادہ خود اُس کے ایجاد کیا ہے۔ دیکھا کہ اب تک اُس کا کوئی علم و تجربہ حاصل نہیں ہوا۔

قاریین الہلال ڈاکٹر روزنوف کے نام سے واقف ہوچکے ہیں۔ اس ڈاکٹر نے شباب کی واپسی کے لیے جو طریقہ ایجاد کیا ہے، اُس کا مفصل بیان کسی پچھلی اشاعت میں درج ہو چکا ہے۔ آج ہم اُس کا ایک اور تجربہ۔ یا زیادہ صحیح لفظوں میں نظریہ۔ پیش کرتے ہیں۔ یہ نظریہ بلاشبہ عجیب ہے۔ اتنا عجیب کہ بمشکل یقین کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر مذکور اُس پر مضبوطی سے مصر ہے، اور ثبوت میں اپنے بعض تجربوں کا حوالہ دیتا ہے۔

جدید نظریہ یہ ہے کہ صرف بڑے ہی جوان نہیں بنا دیے جاسکتے بلکہ ایک نئی انسانی نسل بھی پیدا کی جا سکتی ہے جو موجودہ نسل سے اپنے جسمی و دماغی قوی میں کہیں زیادہ بڑے ہوگی۔ ڈاکٹر روزنوف اس آئندہ نسل کو ”سوپر مین“ یا برتر انسان کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ دراصل مشہور جرمن خلیفہ نیٹش کے اصطلاح ہے۔ اُس کا دعویٰ ہے کہ اس نسل کا ہر فرد اپنے جسم و دماغ میں ایک نمونہ ہوگا، بہت طویل العمر ہوگا، کم سے کم ۱۵۰ برس ضرور زندہ رہے گا۔

اعادہ شباب کا معاملہ، اب نظریے کی حد سے نکل کر علمی حقائق کی صف میں جگہ پا چکا ہے۔ علم، اُس کی راہ میں بہت سی مسافتیں طے کرچکا ہے۔ شک و شبہات کے تقریباً تمام پردے اُس پر سے اٹھ چکے ہیں۔ عنقریب انسانی تاریخ پر اس کا بہت گہرا اثر پڑنے والا ہے۔

لیکن ”برتر نسل“ کی تخلیق ابھی تک ایک نظریہ ہی ہے، اگرچہ ڈاکٹر روزنوف کو اُس پر پورا یقین ہے۔ اپنے اس نظریہ کی تکمیل میں بھی وہ بندر کی گنتیوں سے کام لینا چاہتا ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ ڈاکٹر روزنوف کا اعتقاد ہے، اگر ممتاز جسمی و عقلی قوی کے آدمیوں میں ایک تیسری گنتی کا اضافہ کر دیا جائے، تو اُن کی نسل ضرور بڑے ہوگی۔ اب تک وہ مینڈھوں پر متعدد کامیاب تجربے کرچکا ہے۔ لیکن حال میں آٹھ برس کے ایک لڑے پر تجربہ شروع کیا ہے۔ اُس کا خیال ہے، اس لڑے کی اولاد حیرت انگیز عقلی و جسمی قوی کی مالک ہوگی۔

اس موضوع پر ایک اخبار کے نامہ نگار سے گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر مرموف نے کہا:

”میں، مستقبل پر نظر ڈالتا ہوں تو اُس کے دامنوں میں ”سوپر مین“ (برتر انسان) صاف دکھائی دیتا ہے۔ یہی انسان اور

ہوتا ہے۔ ہر خلیہ اپنے اندر جرثوم حیات پوشیدہ رکھتی ہے۔ اس جرثوم کو ہم زندگی کا میکروب کہہ سکتے ہیں۔ یہی میکروب 'خلیہ کو حرکت دیتا اور زندہ رکھتا ہے۔ اس میکروب کا قتل خود خلیہ کا قتل ہے۔ اور خلیہ کا قتل زندگی کا ختم کرنا ہے۔ لہذا ان جراثیم حیات کے بقا و دوام کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کوشش کی کامیابی یقیناً زندگی کو دراز کر دے گی۔ میں نے ایک ایسا کیمیائی مرکب طیار کر لیا ہے جو ان جراثیم کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن اس مرکب کو میں ابھی ظاہر کرنا نہیں چاہتا ' یہاں تک کہ اس کے مزید تجربے ختم کر لوں "

"ہر شخص جانتا ہے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد جسم میں جو مادہ کم ہو جاتا ہے ' وہ کلورائیڈ کا ایک مرکب ہے۔ یہ مرکب میں نے معلوم کر لیا ہے اور اسے ابھی تک راز بنائے ہوئے ہیں۔ اگر یہی مرکب بزرے جسم میں انجیکشن کے ذریعہ پہنچا دیا جائے تو انسان ضرور جوان ہو جائیگا۔۔۔ اس کی حیرت انگیز تاثیر تم اس وقت بھی میرے جسم میں دیکھ سکتے ہو "

احساس الم کا ازالہ

تکلیف کے احساس کا سبب کیا ہے ؟

تکلیف کا احساس اس لئے ہوتا ہے کہ جسم میں اعصاب (پٹے) موجود ہیں۔ یہ اعصاب اس احساس کو اس کے مرکز — دماغ — تک پہنچاتے ہیں اور انسان تکلیف محسوس کرتا ہے۔ علم کی ترقی کے بعد بہت سے مخدرات ایجاد ہو گئے ہیں۔ یہ اس احساس کو زایل کر دیتے ہیں مگر ان کا اثر عارضی ہوتا ہے۔ پھر بہت سے بیماروں پر ان مخدر دواؤں کا استعمال بھی نہیں کیا جاسکتا ' کیونکہ ان کا دل کمزور ہوتا ہے اور وہ ان کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

یہ 'اور اسی قسم کی دوسری مشکلات دیکھ کر مذکور الصدر ڈاکٹر کن آب نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کرنے کی کوشش شروع کر دی ہے جو سرے سے تکلیف کا احساس ہی زایل کر دے اور مخدر دواؤں کی ضرورت باقی نہ رہے۔

ڈاکٹر کو یقین ہے کہ اس مقصد میں اسے ضرور کامیابی ہوگی۔ اس کامیابی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ہمیشہ کے لئے تمام آلام و تکالیف سے نجات پا جائیگا۔ اس وقت جراح مخدرات کی مدد کے بغیر عمل جراحی کر سکیں گے۔ مریض ہرگز کوئی تکلیف محسوس نہیں کریگا۔ ڈاکٹر کا دعویٰ ہے کہ کثرت پر اس کا تجربہ بالکل پورا اترتا ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ انسان پر بھی کامیاب نہ رہے۔

اس طریق علاج کا خلاصہ یہ ہے کہ "نخاع مستطیل" (صلۃ الملعن) پر عمل جراحی کیا جائے تاکہ احساس کا مرکز ہمیشہ کے لیے شل اور سن ہو جائے۔ ظاہر ہے 'جب اصلی مرکز سن ہو جائیگا تو تکلیف کا احساس بھی قطعاً باقی نہیں رہے گا۔ واقعی اگر یہ تجربہ کامیاب ثابت ہو گیا ' تو ہمارے تمام جسمانی آلام ہمیشہ کے لیے ختم ہو جا سکتے ہیں۔

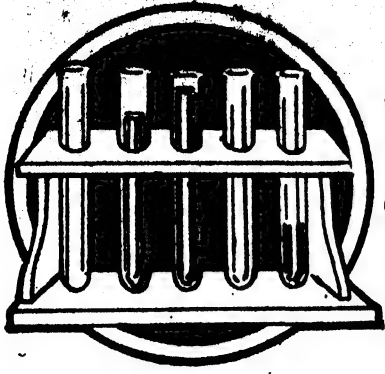
لیکن ابھی کامیابی در نظر آتی ہے۔ کیونکہ اس عمل جراحی میں ایک بڑا خطرہ یہ ہے کہ دماغ میں جملہ احساسات کے مرکز ہی کہیں شل نہ ہو جائیں اور انسان میں کوئی حس ہی باقی نہ رہے۔ ہاں اگر وہ خاص عصب (پٹا) دریافت ہو جائے جو تکلیف کا احساس دماغ تک پہنچاتا ہے ' تو بلاشبہ یہ اکتشاف 'انسانیت کے لیے نعمت عظمیٰ بن جاسکتا ہے۔

ایک اخبار کے نمائندہ نے اس نے گفتگو کرتے ہوئے کہا :

"میری عمر اس وقت ساٹھ برس کی ہے۔ لیکن میں ایسا محسوس کرتا ہوں ' گویا عالم شباب میں ہوں۔ دس برس پہلے میں بالکل بوڑھا ہو گیا تھا اور یقین کرتا تھا کہ زندگی ختم ہو گئی۔ اس وقت میں پیدل چل نہیں سکتا تھا۔ میری شرالیں سرکہ کر سخت ہو گئی تھیں ' اور تمام جسم کمزور ہو چکا تھا۔ لیکن اب میں آسانی سے دوڑ سکتا ہوں۔ تمام ورزشی کھیل اس طرح کھیلتا ہوں ' گویا تھیں برس برس کا جوان ہوں۔ میں روز چودہ پندرہ گھنٹے کام کرتا ہوں ' مگر ذرا نہیں تھکتا۔ مجھے میں اتنی بدنی قوت ہے کہ بڑے بڑے پہلوانوں اور گھونسلہ بازوں سے مقابلہ کر سکتا ہوں۔ میرے خیال میں دنیا بھر میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا موجود نہیں جو مجھ سے زیادہ زندگی کی مسرتیں لرتا یا ان مسرتوں کا لطف محسوس کر سکتا ہو۔ میری یہ قابل رشک حالت ' صرف اس طریق علاج کا نتیجہ ہے جو میں نے ایجاد کیا ہے۔ مجھے از حد خوشی ہے کہ میرا تجربہ پورے طور پر کامیاب ہوا۔ چونکہ اس طریقہ میں تمام عالم انسانیت کے لیے بھلائی ہے ' اس لیے میں اس کا ایک حصہ ظاہر کر دینا۔ لیکن دوسرا حصہ بدستور مخفی رکھوں گا ' یہاں تک کہ اس کے ظہور کے لیے مناسب وقت آجائے۔ مجھے دیکھو۔ کیا میری قوت 'چستی' تندرستی ' ایسی نہیں ہے جس پر نوجوان رشک کریں ؟ "

"اپنے طریق علاج کا جو حصہ میں دنیا پر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں ' وہ درحقیقت بالکل صاف ' سادہ ' اور معمولی ہے۔ اس کا تعلق سراسر غذا سے ہے۔ چالیس سال کی عمر تک جو چاہو کھاؤ پیو ' بلکہ اس سن تک جس طرح چاہو زندگی بسر کرو۔ لیکن جوہی چالیسویں سالگرہ شروع ہو ' گوشت ' شراب ' اور تمباکو سے قطعی اجتناب کرلو۔ اس عمر والے کے لیے گوشت یقیناً سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ اس کی جگہ پر ہفتہ میں ایک دو مرتبہ مچھلی استعمال کی جا سکتی ہے۔ مچھلی حقیقی معنی میں گوشت نہیں ہے (اگرچہ علماء تشریح اس کے خلاف کچھ ہی کہیں) مچھلی میں کبریتی مادہ بہت بڑی مقدار میں موجود ہوتا ہے۔ اور معلوم ہے ' یہ مادہ دماغ اور اس کی تندرستی کے لیے اصلی جوہر ہے۔ جسم کی خلیا یا تھیلیاں ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ پرانی خلیا غالب ہوجاتی ہیں ' نئی خلیا ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔ چالیس سال کی عمر تک یہ عمل جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد خلیا کا انصاف تو جاری رہتا ہے ' مگر نئی خلیا کی تکوین نہیں ہوتی۔ درحقیقت ہم چالیس برس کی عمر سے مرنا شروع کر دیتے ہیں ' کیونکہ اس قوت سے محروم ہو جاتے ہیں جو خلیا کی تکوین کی علت ہے۔ بلاشبہ ہم اس عمر کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں ' لیکن ہمارے قوی برابر کرنے اور مٹنے جاتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ گوشت ' شراب ' اور تمباکو جن عناصر سے مرکب ہے ' وہ زندہ خلیا کو قتل کر کے اور مٹاتے رہتے ہیں۔ پس اگر ہم زیادہ زندہ رہنے کے متمنی ہیں تو ہمیں اس تدریجی خود کشی سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یعنی ہمیں ان قاتل عناصر کے استعمال سے قطعی پرہیز کرنا چاہیے "

"گلتی کے ذریعہ شباب واپس لانے کا طریقہ بے فائدہ ہے۔ اس کا اثر بہت ہی محدود اور عارضی ہوتا ہے۔ کیونکہ بزرے آدمی میں جوان بندر کی گلتی اسی وقت تک قوت پیدا کر سکتی ہے جب تک معیم و سالم موجود ہے۔ لیکن جوہی اس میں ضعیف پیدا ہوگا ' بوہایا پٹے سے بھی زیادہ شدت سے واپس آجائیگا اور ڈاکٹر کی کوئی کوشش بھی اسے سنبھال نہ سکے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ زندگی کا جوہر 'گلتی' میں نہیں بلکہ جسم کی خلیا میں



مذاکرہ علمیہ



برتر انسان



(Super man)



(ایک جدید علمی تجربہ)



اُس کی نسل ابد الا آباد تک دنیا پر حکومت کرے گی۔ یہ نسل ایک ایسی قہرمان عقل و جسم کی مالک ہوگی کہ تمام مخلوقات اُس کی قوت قاهرہ کے سامنے جھک جائیں گی... میں اب تک برزوں کر جوان بناتا تھا۔ لیکن یہ کچھ زیادہ نتیجہ خیز عمل نہ تھا۔ اس سے انسانی عمر میں تھوڑا سا اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن اب جن نئے تجربوں کا میں نے عزم کیا ہے، وہ تمام پچھلے تجربوں سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور نتیجہ خیز ہونگے۔ یہ تجربے صرف برزوں ہی پر نہیں ہونگے۔ اب میری توجہ کا مرکز کم عمر بچے ہونگے۔ وہ بچے جنکی عمر آٹھ اور دس برس کی ہے۔ ہندو کی گلی ہی یہ حیرت انگیز انقلاب پیدا کرے گی، اور انہیں ایک نیا آدمی بنا دے گی۔ میں ایسے بچوں کو اپنے تجربے کے لیے منتخب کرونگا جو غیر معمولی ذہانت اور جسمانی قوت رکھتے ہیں۔ یہ بچے اور ان کی نسل، مستقبل میں یقیناً نہایت عظیم ہوگی۔ اس مقصد میں سب سے بڑی مشکل یہ درپیش ہے کہ ترقی یافتہ بندروں (شمالی اور رنگ اورنگ) کی کافی تعداد موجود نہیں ہے۔ اگر ہر آدمی کے لیے ایک ایک بندر مل جائے تو نہایت قلیل مدت میں نسل انسانی کی کایا پلت جائے۔ لیکن یہ مشکل نا قابل حل نہیں ہے۔ یورپ اور امریکا کے گرم علاقوں میں بندروں کی افزائش کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

جراثیم حیات

(ایک از جدید نظریہ)

ہندوستان میں کم لوگوں نے ڈاکٹر کن آب کا نام سنا ہوگا۔ حالانکہ وہ فرانس کا ایک مشہور ڈاکٹر اور عالم ہے۔ اُس جیسی وسیع معلومات رکھنے والے آدمی دنیا میں بہت کم ہیں۔ وہ ۸۰ - علوم و فنون اور صنعتوں کا ماہر ہے۔ چنانچہ سائنس دان، طبیب، فیلسوف، کیمیائی، موجد، موسیقی دان، شاعر، ریاضی، فلکی، سب ہی کچھ ہے۔ غیر معمولی ذہانی قابلیت کے علاوہ نہایت عظیم جسمانی قوت بھی رکھتا ہے۔ پورا پہلوان ہے۔

یہ عجیب ڈاکٹر، روزِ نوب اور اُسکے تمام ہم مشرب ڈاکٹروں کے بارے میں سخت سوچن رکھتا ہے۔ اُس کے خیال میں وہ دغا باز ہیں۔ جوانی واپس لانے کا جو طریقہ انہوں نے ایجاد کیا ہے، غلط ہے۔ اُس کا اثر، عارضی ہے، اور اُس کا رد فعل نہایت مضر ہوتا ہے۔ لیکن خود اپنے متعلق اُس کا دعویٰ ہے کہ وہ برزوں کو بغیر کسی گلی کے استعمال کے جوان بنا دیتا ہے اور انسان کی عمر، دس سو برس تک طویل کر دے سکتا ہے۔ اس کے علاج میں سب سے پہلے ان شرطوں کی پابندی ضروری ہے جو اُس کے خیال میں لازمی عمر کی ضروری شرطیں ہیں۔ پھر انجیکشن کے ذریعہ وہ ایک مادہ جسم میں داخل کر دیتا ہے۔ یہ مادہ خود اُس نے ایجاد کیا ہے۔ دنیا کو اب تک اُس کا کوئی علم و تجربہ حاصل نہیں ہوا۔

قارئین الہلال ڈاکٹر روزنوف کے نام سے واقف ہوچکے ہیں۔ اس ڈاکٹر نے شباب کی واپسی کے لیے جو طریقہ ایجاد کیا ہے، اُس کا مفصل بیان کسی پچھلی اشاعت میں درج ہو چکا ہے۔ آج ہم اُس کا ایک اور تجربہ۔ یا زیادہ صحیح لفظوں میں نظریہ۔ پیش کرتے ہیں۔ یہ نظریہ بلاشبہ عجیب ہے۔ اتنا عجیب کہ بمشکل یقین کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر مذکور اُس پر مضبوطی سے مصر ہے، اور ثبوت میں اپنے بعض تجربوں کا حوالہ دیتا ہے۔

جدید نظریہ یہ ہے کہ صرف برز ہی جوان نہیں بنا دیے جاسکتے بلکہ ایک نئی انسانی نسل بھی پیدا کی جا سکتی ہے جو موجودہ نسل سے اپنے جسمی و ذہانی قوتوں میں کہیں زیادہ برتر ہوگی۔ ڈاکٹر روزنوف اس ایندہ نسل کو ”سوپر مین“ یا برتر انسان کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ دراصل مشہور جرمن حکیم نیٹش کی اصطلاح ہے۔ اُس کا دعویٰ ہے کہ اس نسل کا ہر فرد اپنے جسم و دماغ میں ایک نمونہ ہوگا، بہت طویل العمر ہوگا، کم سے کم ۱۵۰ برس ضرور زندہ رہے گا۔

اعادہ شباب کا معاملہ، اب نظریے کی حد سے نکل کر علمی حقائق کی صف میں جگہ پا چکا ہے۔ علم، اُس کی راہ میں بہت سی مسافتیں طے کرچکا ہے۔ شرک و شبہات کے تقریباً تمام پردے اُس پر سے اٹھ چکے ہیں۔ عنقریب انسانی تاریخ پر اس کا بہت گہرا اثر پڑنے والا ہے۔

لیکن ”برتر نسل“ کی تخلیق ابھی تک ایک نظریہ ہی ہے، اگرچہ ڈاکٹر روزنوف کو اُس پر پورا یقین ہے۔ اپنے اس نظریہ کی تکمیل میں بھی وہ ہندو کی گلیوں سے کام لینا چاہتا ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ ڈاکٹر روزنوف کا اعتقاد ہے، اگر ممتاز جسمی و عقلی قوت کے آدمیوں میں ایک تیسری گلی کا اضافہ کر دیا جائے، تو اُن کی نسل ضرور برتر ہوگی۔ اب تک وہ مینڈھوں پر متعدد کامیاب تجربے کرچکا ہے۔ لیکن حال میں آٹھ برس کے ایک لڑکے پر تجربہ شروع کیا ہے۔ اُس کا خیال ہے، اس لڑکے کی اولاد حیرت انگیز عقلی و جسمی قوت کی مالک ہوگی۔

اس موضوع پر ایک اخبار کے نامہ نگار سے گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر موصوف نے کہا:

”میں مستقبل پر نظر ڈالتا ہوں تو اُس کے دامن میں ”سوپر مین“ (برتر انسان) صاف دکھائی دیتا ہے۔ یہی انسان اور

ہوتا ہے۔ ہر خلیہ اپنے اندر جرثوم حیات پوشیدہ رکھتی ہے۔ اس جرثوم کو ہم زندگی کا میکروب کہہ سکتے ہیں۔ یہی میکروب 'خلیہ کو حرکت دیتا اور زندہ رکھتا ہے۔ اس میکروب کا قتل خود خلیہ کا قتل ہے۔ اور خلیہ کا قتل زندگی کا ختم کرنا ہے۔ لہذا ان جراثیم حیات کے بقاء و دوام کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کوشش کی کامیابی یقیناً زندگی کو دراز کر دے گی۔ میں نے ایک ایسا کیمیائی مرکب طیار کر لیا ہے جو ان جراثیم کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن اس مرکب کو میں ابھی ظاہر کرنا نہیں چاہتا ' یہاں تک کہ اس کے مزید تجربے ختم کران۔ "

" ہر شخص جانتا ہے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد جسم میں جو مادہ کم ہو جاتا ہے ' وہ کلورائیڈ کا ایک مرکب ہے۔ یہ مرکب میں نے معلوم کر لیا ہے اور اسے ابھی تک راز بنائے ہوئے ہوں۔ اگر یہی مرکب بڑے جسم میں انجیکشن کے ذریعہ پہنچا دیا جائے تو انسان ضرور جوان ہو جائیگا... اس کی حیثیت انگیز تاثیر تم اس وقت بھی میرے جسم میں دیکھ سکتے ہو "

احساس الم کا ازالہ

تکلیف کے احساس کا سبب کیا ہے ؟

تکلیف کا احساس اس لئے ہوتا ہے کہ جسم میں اعصاب (پٹے) موجود ہیں۔ یہ اعصاب اس احساس کو اس کے مرکز — دماغ — تک پہنچاتے ہیں اور انسان تکلیف محسوس کرتا ہے۔ علم کی ترقی کے بعد بہت سے مخدرات ایجاد ہو گئے ہیں۔ یہ اس احساس کو زایل کر دیتے ہیں مگر ان کا اثر عارضی ہوتا ہے۔ پھر بہت سے بیماروں پر ان مخدر دواؤں کا استعمال بھی نہیں کیا جاسکتا ' کیونکہ ان کا دل کمزور ہوتا ہے اور وہ ان کے متحمل نہیں ہوسکتے۔

یہ ' اور اسی قسم کی دوسری مشکلات دیکھ کر مذکور الصدر ڈاکٹر کن آب نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کرنے کی کوشش شروع کر دی ہے جو سرے سے تکلیف کا احساس ہی زایل کر دے اور مخدر دواؤں کی ضرورت باقی نہ رہے۔

ڈاکٹر کو یقین ہے کہ اس مقصد میں اسے ضرور کامیابی ہوگی۔ اس کامیابی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ہمیشہ کے لئے تمام آلم و تکالیف سے نجات پا جائیگا۔ اس وقت جراح مخدرات کی مدد کے بغیر عمل جراحی کر سکیں گے۔ مریض ہرگز کوئی تکلیف محسوس نہیں کریگا۔ ڈاکٹر کا دعویٰ ہے کہ کتوں پر اس کا تجربہ بالکل پورا اترا ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ انسان پر بھی کامیاب نہ رہے۔

اس طریق علاج کا خلاصہ یہ ہے کہ "نخاع مستطیل" (بصلۃ الملع) پر عمل جراحی کیا جائے تاکہ احساس کا مرکز ہمیشہ کے لیے شل اور سن ہو جائے۔ ظاہر ہے ' جب اصلی مرکز سن ہو جائیگا تو تکلیف کا احساس بھی قطعاً باقی نہیں رہے گا۔ واقعی اگر یہ تجربہ کامیاب ثابت ہو گیا ' تو ہمارے تمام جسمانی آلم ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاسکتے ہیں۔

لیکن ابھی کامیابی دور نظر آتی ہے۔ کیونکہ اس عمل جراحی میں ایک بڑا خطرہ یہ ہے کہ دماغ میں جملہ احساسات کے مرکز ہی کہیں شل نہ ہو جائیں اور انسان میں کوئی حس ہی باقی نہ رہے۔ ہاں اگر وہ خاص عصب (پٹھا) دریافت ہو جائے جو تکلیف کا احساس دماغ تک پہنچاتا ہے ' تو بلاشبہ یہ اکتشاف ' انسانیت کے لیے نعمت عظمیٰ بن جاسکتا ہے۔

ایک اخبار کے نمائندہ نے اس نے گفتگو کرتے ہوئے کہا :

"میری عمر اس وقت ساٹھ برس کی ہے۔ لیکن میں ایسا محسوس کرتا ہوں ' گویا عالم شباب میں ہوں۔ دس برس پہلے میں بالکل بڑھا ہو گیا تھا اور یقین کرتا تھا کہ زندگی ختم ہو گئی۔ اس وقت میں پیدل چل نہیں سکتا تھا۔ میری شرائین سرکہ کر سخت ہو گئی تھیں ' اور تمام جسم کمزور ہو چکا تھا۔ لیکن اب میں آسانی سے دوڑ سکتا ہوں۔ تمام ورزشی کھیل اس طرح کھیلتا ہوں ' گویا تیس برس برس کا جوان ہوں۔ میں روز چودہ پندرہ گھنٹے کام کرتا ہوں ' مگر ذرا نہیں تھکتا۔ مجھے میں اتنی بدنی قوت ہے کہ بڑے بڑے پہلوانوں اور گھونسہ بازوں سے مقابلہ کر سکتا ہوں۔ میرے خیال میں دنیا بھر میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا موجود نہیں جو مجھ سے زیادہ زندگی کی مسرتیں لوٹتا یا ان مسرتوں کا لطف محسوس کر سکتا ہو۔ میری یہ قابل رشک حالت ' صرف اس طریق علاج کا نتیجہ ہے جو میں نے ایجاد کیا ہے۔ مجھے از حد خوشی ہے کہ میرا تجربہ پورے طور پر کامیاب ہوا۔ چونکہ اس طریقہ میں تمام عالم انسانیت کے لیے بھلائی ہے ' اس لیے میں اس کا ایک حصہ ظاہر کر دینگا۔ لیکن دوسرا حصہ بدستور مخفی رکھوں گا ' یہاں تک کہ اس کے ظہور کے لیے مناسب وقت آجائے۔ مجھے دیکھو۔ کیا میری قوت ' چستی ' تندرستی ' ایسی نہیں ہے جس پر نوجوان رشک کریں ؟ "

"اپنے طریق علاج کا جو حصہ میں دنیا پر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں ' وہ درحقیقت بالکل صاف ' سادہ ' اور معمولی ہے۔ اس کا تعلق سراسر غذا سے ہے۔ چالیس سال کی عمر تک جو چاہر کھاؤ پیو ' بلکہ اس سن تک جس طرح چاہو زندگی بسر کرو۔ لیکن جونہی چالیسویں سالگرہ شروع ہو ' گوشت ' شراب ' اور تمباکو سے قطعی اجتناب کرلو۔ اس عمر والے کے لیے گوشت یقیناً سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ اس کی جگہ پر ہفتہ میں ایک دو مرتبہ مچھلی استعمال کی جا سکتی ہے۔ مچھلی حقیقی معنی میں گوشت نہیں ہے (اگرچہ علماء تشریح اس کے خلاف کچھ ہی کہیں) مچھلی میں کربنی مادہ بہت بڑی مقدار میں موجود ہوتا ہے۔ اور معلوم ہے ' یہ مادہ دماغ اور اس کی تندرستی کے لیے اصلی جوہر ہے۔ جسم کی خلیا یا تھیلیاں ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ پرانی خلیا غالب ہوجاتی ہیں ' نئی خلیا ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔ چالیس سال کی عمر تک یہ عمل جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد خلیا کا انحلال تو جاری رہتا ہے ' مگر نئی خلیا کی تکرین نہیں ہوتی۔ درحقیقت ہم چالیس برس کی عمر سے مرنا شروع کر دیتے ہیں ' کیونکہ اس قوت سے محروم ہو جاتے ہیں جو خلیا کی تکرین کی علت ہے۔ بلاشبہ ہم اس عمر کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں ' لیکن ہمارے قوی برابر کرتے اور مٹتے جاتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ گوشت ' شراب ' اور تمباکو جن عناصر سے مرکب ہے ' وہ زندہ خلیا کو قتل کرتے اور مٹاتے رہتے ہیں۔ پس اگر ہم زیادہ زندہ رہنے کے متمنی ہیں تو ہمیں اس تدریجی خود کشی سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یعنی ہمیں ان قاتل عناصر کے استعمال سے قطعی پرہیز کرنا چاہیے "

"گنتی کے ذریعہ شباب واپس لانے کا طریقہ بے فائدہ ہے۔ اس کا اثر بہت ہی محدود اور عارضی ہوتا ہے۔ کیونکہ بڑے آدمی میں جوان بندر کی گنتی اسی وقت تک قوت پیدا کر سکتی ہے جب تک صحیح و سالم موجود ہے۔ لیکن جن ہی اس میں ضعف پیدا ہوگا ' بڑھاپا پہلے سے بھی زیادہ شدت سے واپس آجائیگا اور ڈاکٹر کی کوئی کوشش بھی اسے سنبھال نہ سکے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ زندگی کا جوہر ' گنتی میں نہیں بلکہ جسم کی خلیا میں

میں بے خوف و خطر گھس جاتا تھا۔ دست بدست لڑائی لڑتا تھا۔ بڑے بڑے شہ زوروں سے نبرد آزما ہوتا اور ہمیشہ غالب رہتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُس کا رعب دلوں پر چھا گیا۔ چم کا نام دل دھلا دیتا تھا۔ باشندے در سے اُس کا نام نہیں لیتے تھے۔ ”رستم دروں“ کے لقب سے یاد کرنے لگے تھے !

(۲)

پانچ برس تک نہایت بیدار مغزی سے حکومت کرتا رہا۔ ہر طرف امن و امان قائم ہو چکا تھا۔ کڑی پیچیدگی بھی باقی نہیں رہی تھی۔ اب اُس نے اپنے تئیں معطل پایا۔ اس تعطل نے اُس کے مزاج میں تبدیلی پیدا کی، اور اسی تبدیلی سے اُس کی بد نصیبی کا آغاز ہوا۔

حکومت کی ذمہ داریوں سے غافل ہو گیا۔ عیش و عشرت کی بساط بچھا دی۔ نفس پرستی کا دروازہ کھول دیا۔ اُس کا محل برالہوس کا مرکز اور عیش پرستوں کا کعبہ بن گیا۔

اب تک وہ یورپی قوم کا معذب تھا۔ کڑی نہ تھا جو اُسے محمد فاتح کا سچا جانشین نہ خیال کرتا ہو۔ ملک بھر کی بی بی رانے تھیں کہ آئندہ سلطان بھی ہوگا۔ لیکن اس نئی تبدیلی نے اُس کی شہرت و مقبولیت کو سخت نقصان پہنچایا۔ در جماعتیں قائم ہو گئیں: ایک اب بھی اُس کی مؤید تھی۔ پورے یورپ کے مقابلے کی قوت اُسی میں دیکھتی تھی۔ یہ جماعت وزیر اعظم محمد نشانی باشا کی تھی۔ دوسری جماعت فسق و فجور کی وجہ سے اُس کی سخت مخالفت تھی۔ دین و امت کے لیے اُسے خطرناک سمجھتی تھی۔ اس جماعت کا سرگروہ، شیخ الاسلام تھا۔

چم کا حریف، بایزید تھا۔ یہ اُس کا بڑا بھائی اور ترکی دستور حکومت کی رز سے اپنے باپ کا وارث تھا۔ سلطان محمد کی زندگی میں دونوں حریف در در رہے۔ لیکن اُس کی وفات کے بعد تصادم ضروری تھا۔

چم، عقلمند، بہادر، اولوالعزم، مگر عیاشی کی وجہ سے غفلت کا شکار ہو گیا تھا۔ بایزید، بے قوف، بزدل، پست ہمت، مگر سلطنت حاصل کرنے کے لیے بے قرار تھا۔ بایزید اپنے بھائی کی قابلیتوں سے واقف تھا، اس لیے بہت بیدار رہتا تھا۔

(۳)

اپنے باپ کی وفات کے وقت دونوں بھائی پایۂ تخت، قسطنطنیہ سے دور تھے۔ چم گلیشیا میں تھا اور بایزید آرماسیا کا حاکم تھا۔ وزیر اعظم محمد نشانی باشا چونکہ چم کا طرفدار تھا، اس لیے اُس نے سلطان کی موت فرج سے مخفی رکھی۔ کیونکہ فرج تمام تر ترکی علماء کے زیر اثر تھی۔ اُس نے پہلے ایک خفیہ قاصد چم کے پاس بھیجا کہ فوراً پایۂ تخت پہنچو اور سلطنت پر قابض ہو جاؤ۔ نیز وہ تدبیریں بھی لکھیں جن سے بایزید زیر کیا جا سکتا تھا۔ کئی دن بعد دوسرا قاصد بایزید کے پاس بھیجا اور تخت نشینی کی دعوت دی۔

دور قاصد روانہ ہو گئے۔ مگر چم بد قسمت تھا۔ اُس کا قاصد پہنچ نہ سکا۔ کوتاہیہ کا حاکم سنان باشا، بایزید کا طرفدار تھا۔ وہ حقیقت سے رائف ہو گیا اور قاصد کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ دوسری مصیبت یہ پڑی کہ پایۂ تخت کی فرج کو سلطان کی

افسانہ

ترکی تاریخ کا ایک مجہول صفحہ

(شاہزادہ چم کا انسوس ناک انجام)

کم لوگوں نے شاہزادہ ”چم“ کا نام سنا ہوگا۔ عام طور پر مورخوں نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہ نام بالکل اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کا واقعہ ترکی تاریخ میں ایک نہایت ہی غم ناک فاجعہ (تربیدی) ہے۔ اور اس وقت بھی مشرقی دنیا کے لیے عبرت و مرعظت کا ایک درس ہے۔ آج ہم قارئین الہلال سے اس تاریخی شخصیت کا تعارف کراتے ہیں۔

(۱)

چم — یا یورپین تلفظ کے مطابق ”زیم“ — ایک بد نصیب مشرقی شاہزادہ ہے۔ مصائب و آلام نے اُس سے محبت کی۔ زمانے نے بے وفائی کی۔ حسرت و غم نے اُسکا پیچھا کیا۔

سلطان محمد، فاتح قسطنطنیہ کا یہ منجھلا لڑکا تھا۔ اُس میں جسمانی قوت، ذہانت، حسن، خوش مزاجی، رتیق احساس، شجاعت، جملہ اوصاف جمع ہو گئے تھے۔ پیدائشی شاعر تھا۔ ترکی شعر و ادب میں اب تک اُس کے آثار موجود ہیں، اور اُس کی ذہنی بلندی اور شاعرانہ تخیل کا بہترین ثبوت ہیں۔

اُس کا آغاز نہایت امید افزا تھا۔ گمان ہوتا تھا کہ قدرت اُس پر یورپی طرح مہربان ہے۔ ابھی اُس کی عمر دس برس ہی کی تھی کہ اولوالعزم باپ، محمد فاتح، اُس کی قابلیت کا معترف ہو گیا اور صوبہ قسطنطنیہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ یہاں شعراء و ادباء کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ کم سن شاہزادے نے انہیں بار بار کیا، تعلقات بڑھائے، اور خداداد قابلیت کے ساتھ شعر و ادب کا باقاعدہ مطالعہ کیا۔ تھوڑی ہی مدت میں اپنے استادوں سے بھی باہر ہو گیا۔ اُسی زمانے میں ایک فارسی قصہ ”خورشید و جمشید“ کا ترکی شعر میں ترجمہ کیا اور اپنے والد کے نام ہدیہ کیا۔ محمد فاتح بہت خوش ہوا۔ پہلے سے زیادہ مہربان ہو گیا اور صوبہ گلیشیا کی حکومت سپرد کر دی۔ اُس وقت چم کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی، مگر وہ پختہ کار حکمران بن چکا تھا۔

گلیشیا میں اُس نے اپنی انتظامی قابلیت کے بڑے بڑے ثبوت پیش کیے۔ یہ صوبہ پہلے سلجوقیوں کی ایک ریاست تھا۔ آل عثمان نے اسے فتح کر لیا تھا؛ مگر یورپی طرح قابو نہیں پاسکے تھے۔ ہمیشہ بغاوتیں اور شرش برپا رہتی تھی۔ سابق سلجوقی حکمران بغاوتوں پر بغاوتیں کرتے رہتے تھے۔ مصر کے چرکس بادشاہ اور ایران کے شہنشاہ ان کی امداد کرتے تھے۔ اُس وقت ترکی سلطنت میں اس صوبے سے زیادہ مشکل حکومت کسی صوبے کی نہ تھی۔ والیوں پر والی آئے تھے اور ناکام لڑتے جاتے تھے۔

لیکن چم نے آئے ہی اپنی بے نظیر ہمت و شجاعت سے کام لے کر تمام شرش پسند عناصر کا خاتمہ کر دیا۔ ہولناک معرکوں

دو دنوں فوجیں بیک وقت برسہ کے سامنے پہنچیں۔ شہر والوں نے اپنی بربادی کے خوف سے دونوں پر شہر کے دروازے بند کر دیے۔ باہر ہی باہر فیصلہ کر لینے پر مجبور کیا۔ میدان جنگ گرم ہوا اور پہلے ہی معرکہ میں بایزید کی فوج بھاگ نکلی۔ چم، مظفر و منصور شہر میں داخل ہوا اور اپنی سابق عیاشی پھر شروع کر دی۔ اب آسے کامل یقین تھا کہ پایہ تخت کا مالک ہو جائے گا۔

لیکن یہ آس کی سخت غلط تھی۔ بایزید نے ایک اور فوج گراں سنان پاشا کی سپہ سالاری میں بھیجی۔ مگنیا سے ایک دوسری فوج آس کی کمک پر چل دی۔ اور دونوں نے مل کر چم پر حملہ کر دیا۔ عیش پسند شاہزادے کے سپہ سالار، نصرح نے دشمن کی قوت دیکھی تو دروازہ کی طرف پسپا ہو گیا۔ خود چم کو بھی برسہ خالی کرنا پڑا۔ صرف سترہ دن کی حکومت آس کی قسمت میں لہی تھی!

بایزید نے صرف اپنی جنگی قوت ہی پر بھروسہ نہیں کیا، بلکہ سازش کا جال بھی پھیلا دیا۔ بڑی بڑی رشتہیں دے کر چم کے بہت سے آدمی ملا لیے۔ حتیٰ کہ آس کا وزیر یعقوب بھی خیانت پر آمادہ ہو گیا۔ یعقوب نے اپنے آقا کو اپنی شہر چلنے کا مشورہ دیا۔ یہاں بایزید کی ایک بڑی فوج موجود تھی۔ فوراً چم پر ٹوٹ پڑی۔ اب بھی پلہ شاہزادے ہی کا بھاری تھا۔ مگر عین میدان جنگ میں آس کے سپہ سالار نصرح نے دغا کی اور فوج کا ایک بڑا حصہ لے کر دشمن سے جا ملا۔ اب چم کے لیے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا۔

لیکن ابھی ایک امید باقی تھی۔ سلجوق خاتون، سلطان محمد فاتح کی پھوپھی، دونوں بھائیوں میں صلح کی کوشش کر رہی تھی۔ خود چم نے آسے برسہ سے بھیجا تھا۔ تجویز یہ تھی کہ سلطنت تقسیم ہو جائے۔ یورپین علاقوں پر بایزید خصلتوں کی تائید کرے اور ایشیاء چم کے حوالے کر کے مضرت کم کرنے اور دے۔ نیک دل سلجوق خاتون نے سلطان کو بہت کچھ سمجھایا۔ بھائی کے حقوق یاد دلائے، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بایزید نے صاف کھدیا "بادشاہوں میں رشتہ نہیں ہوتا"

چم، شکست کھا کر بھاگا۔ راستہ میں خود آس کے سپاہیوں نے آسے لوت لیا اور سخت زخمی کیا۔ محمد فاتح کا اہل العزم فرزند دوسرے دن آق شہر میں اس طرح پہنچا کہ تن پر ایک کیترا بھی نہ تھا اور سردی سے آس کا تمام بدن کانپ رہا تھا۔ اگر ایک شخص رحم کھا کے آسے اپنا گرم کوٹ نہ دے دیتا تو یقیناً ٹھہر کر مر جاتا!

شکست کے ایک ہفتہ بعد وہ قزلباش پہنچا۔ یہاں اپنی ماں اور بیوی سے ملاقات ہوئی۔ انہیں لے کر شام روانہ ہوا، اور شام سے ۲۸ جون سنہ ۱۴۸۲ء کو مصر پہنچا۔ مصر میں آس کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا۔ خود سلطان قایتباي نے شہر کے باہر آکر خیر مقدم کیا اور معزز مہمان کو اپنے محل میں اتارا۔ چار مہینے اہم

وفات کا پتہ چل گیا۔ وہ شاہی محل میں گھس پڑی اور بایزید کے لڑکے کو بایزید کی آمد تک تخت پر بٹھا دیا۔ سلطان محمد فاتح نے اپنے دونوں لڑکوں کے بیٹے بطور ضمانت کے اپنے پاس رکھے چھوڑے تھے تاکہ وہ وفادار اور اطاعت شعار رہیں۔ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ فوج سازش سے بھی واقف ہو گئی اور وزیر اعظم کو قتل کر ڈالا۔

(۴)

اب چم کی زندگی کے ہر لڑکے تاریخک دن شروع ہوتے ہیں۔ قاصد ہوا کی طرح آکر بایزید کے پاس پہنچا۔ رلی عہد گویا پہلے ہی سے طیار بیٹھا تھا۔ فوراً روانہ ہو گیا اور نہایت سرعت سے پایہ تخت میں داخل ہوا۔ لیکن قصر شاہی میں فوج نے داخل ہونے نہیں دیا اور اپنا انعام طلب کیا۔ گویا اپنی وفاداری کی قیمت لینی چاہی۔ بایزید، تڑپوک تھا۔ فوراً خزانے کا منہ کھول دیا اور سب کو خوش کر دیا۔ بعد میں یہی بخشش فوج کا مطالبہ اور قرضہ بن گئی اور سلطنت کے لیے بہت مضر ثابت ہوئی۔ نیل، اسکندر آس کا جانشین بایزید تخت نشین ہو گیا اور اپنے بھائی میں کی جرچم کو قید میں چم پر قابو حاصل کرنے کی تدبیریں سرچنے رول کیا کرتا تھا۔ بلکہ ایک لگا۔ چم اب تک اس انقلاب سے بے خبر تھا۔

تھا۔ باپ کی وفات آس وقت معلوم ہوئی تو نورامیس سے بحث جب صدر اعظم قتل اور بایزید تخت نشین ہو گیا۔ کیونکہ کہا وقت ایک ہی عظیم ہو چکا تھا!

سخت متحیر ہوا کہ کیا کرے؟ یہ رمرئی جوہر فرد (ایٹم) ظاہر تھا کہ صدر اعظم کے بعد پایہ تخت میں علم اجتماع، جملہ میں آس کے حامیوں کی کوئی جماعت باقی نہیں رہی ہے۔ علماء آس کے سخت خلاف ہیں اور عام رائے انہی کے زیر اثر ہے۔ وہ کا سیاسی و اجتماعی اب آسے اپنے سامنے دو ہی راہیں نظر آتی ہیں۔ ہر قوم کا نظام تیس: بھائی کی اطاعت، یا جنگ۔ پہلی لڑتا ہے۔ اس نظام کی ضرورت کی طرف آس کا رجحان تھا، مگر جماعتوں کے در باتوں سے دترتا تھا: ایک یہ کہ کلیشیا مل ہونے سے کہیں زیادہ کی حکومت آس کے ہاتھ سے چھین لی جائیگی۔ دوسرے یہ کہ بایزید آسے قتل کرے اور اس کی موجودہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ ترک سلاطین تمام انتظامی دروزں کا یہ عام دستور تھا کہ اپنے بھائیوں کو قتل کر ڈالا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ کتنے ہی مطیع و وفادار ہوں۔

مجبوراً آس نے جنگ کا عزم کیا۔ آسے اپنی کامیابی کی قوی امید تھی۔ کلیشیا کے باشندے جنگجو اور وفادار تھے۔ آس نے خیال کیا، بایزید بزدل اور پست ہمت ہے۔ ہرگز مقابلہ نہ کر سکے گا۔

(۵)

چنانچہ وہ فوراً کمر بستہ ہو گیا اور ایک جرار فوج لے کر برسہ کی طرف بڑھا۔ برسہ، قسطنطنیہ کی کنجی ہے۔ آسے یقین تھا، بایزید کی طیاری سے پہلے ہی وہ برسہ پر قابض ہو جائے گا۔ مگر بایزید بھی غافل نہ تھا۔ مقابلہ کی طیاری کر چکا تھا۔ چم کے متحرک ہوتے ہی آس نے بھی ایاز پاشا کی قیادت میں ایک فوج روانہ کر دی، اور خود بھی ایشیائی ساحل پر جنگی کارروائی کرنے کیلئے آسے آمادہ ہوا۔

جزیرے کی حکومت نے ایک طرف بایزید سے معاملہ طے کر لیا۔ دوسری طرف چم سے وعدہ لے لیا کہ سلطنت پر قابض ہونے کے بعد اسے عظیم الشان مراعات دے گا۔ باضابطہ عہدنامہ لکھوا لینے کے بعد شاہزادے سے کہا کہ یہاں اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ بایزید نے اسے زہر دینے کے لیے اپنے جاسوس بھیج دیے ہیں۔ لہذا مصلحت یہی ہے کہ فرانس چلا جائے۔

(۸)

بد نصیب شاہزادہ راضی ہو گیا۔ اور اگست سنہ ۱۳۸۲ ع میں جزیرے سے روانہ ہوا۔ اسے یقین تھا کہ فرانس جا رہا ہے۔ وہاں آزاد شاہانہ زندگی بسر کریگا۔ مگر جہاز میں بیٹھتے ہی اس نے محسوس کیا کہ حکام جزیرہ کی حراست و قید میں ہے اور وہ اسے آزاد کرنا نہیں چاہتے۔ مگر اب مجبور تھا۔ صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

شاہزادہ 'شہر نیس' میں پہنچایا گیا۔ یہ مقام اسے بہت پسند آیا۔ اس نے ایک قصیدہ لکھا۔ یہیں اقامت اختیار کی، شاہی کے لیے بے چین تھا۔ چنانچہ یہاں قاصد بھیجا اور امداد کی درخواست کی۔ امدادوں نے قاصد کو راستہ میں روک لیا اور ۱۳۸۳ ع میں نیس سے دوسری جگہ لے گئے۔ شہر شہروں لئے پھرتے تھے۔

اسے دھوکا دیا گیا ہے۔ یہ لوگ اس کے ذریعہ ہیں۔ چنانچہ اس نے پھر دو قاصد روانہ کرائے۔ دوسرا ہنگری کو۔ مگر اس کے میزبان رمل گئی اور اسے قلعہ ساسناگ میں تن

(۹)

پھر ایک نیا انقلاب ہوتا ہے۔ قلعہ ساسناگ اس کی لڑکی ولینیا ہیلانا حسن و جمال نے اسے دیکھا تو عاشق ہو گیا۔ دوشیزہ کو روک لیا۔ محبت نے مرد میدان چم کی جنگ و جدل سے نفرت کر گئی۔ حکومت اس کی زندگی کی طلب پیدا ہوئی۔ اس نے بایزید کو پے در پے خطوط بھیجے اور رحم و کرم کی درخواست کی۔ مگر سنگ دل بھائی کو رحم نہ آیا۔ دشمن کو جھکے دیکھ کر اس کی ہمت آڑ بھی ہو گئی۔ اس نے شاہ فرانس سے مطالبہ کیا کہ چم کو فوراً اپنی حدود سے خارج کر دے۔

جزیرہ روتس کے حکام نے دیکھا کہ شکار ہاتھ سے جاتا ہے۔ فوراً ایک نئے سردے پر آمادہ ہو گئے۔ پوپ لینوسین ہشتم سے ایک بہت بڑی قیمت لے کر ۱۳ مارچ سنہ ۱۳۸۹ء کو شاہزادہ اس کے حوالہ کر دیا۔

(۱۰)

چم 'روم' کو روانہ کیا گیا۔ پوپ سے ملاقات ہوئی۔ چم نے اپنی مصیبتیں نہایت مؤثر پیرایہ میں بیان کیں اور درخواست کی کہ اسے مصر جانے دیا جائے جہاں اس کی ماں اور بیوی مدثر سے جدائی

لینے کے بعد حج کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ وہاں بہت سے ترک سرداروں سے ملاقات ہوئی۔ یہ لوگ بایزید کے خلاف تھے۔ انہوں نے شاہزادے کو از سر نو قسمت آزمائی کا مشورہ دیا اور اپنی عقیدت و خدمت پیش کی۔ انہی میں قاسم بک حاکم گلیشیا بھی تھا۔

(۶)

چم نے پھر کمر ہمت چست کیا۔ حلب پہنچا۔ وہاں بایزید کے کئی باغی سپہ سالار اس کے انتظار میں تھے۔ انہیں ساتھ لے کر گلیشیا گیا اور وعدہ کیا کہ سلطان بننے کے بعد گلیشیا کو خود مختاری بخش دے گا۔

چم نے ایک بڑی فوج جمع کر لی اور قونیہ کے طرف بڑھا۔ بایزید نے سنا تو ایک لشکر گراں کے ساتھ روانہ ہوا۔ اس کی فوج کا سپہ سالار اپنے زمانے کا سب سے بڑا جنگی آدمی تھا۔ کدیک احمد باشا فاتح اترتو مشرق و مغرب، دروز دنیاؤں میں مشہور تھا۔ اس نے آئے ہی چم کی فوج تہہ بالا کر ڈالی۔

چم 'پھر بھاگا اور گلیشیا کے پہاڑوں میں پڑنے لگا۔ ایک وفد بھیج کر خواہش کی کہ جنگ سے زندگی اختیار کرے۔ اس نے منظور کر لیا مگر اب صوبوں کی حکومت بخش دی جائے۔ بایزید سلطنت میں دو ساہمی جمع نہیں ہو سکے۔ جواب تھا۔

بایزید نے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ تعاقب بھی شروع کر دیا۔ چم کے لیے اب رستہ اس نے ارادہ کیا کہ مصر یا ایران میں جا کر قاسم بک نے مشورہ دیا کہ یورپ جائے اور وہاں مدد سے اپنا ملک فتح کرے۔

(۷)

شاہزادے نے بڑے پس ریش کے بعد قسطنطنیہ کی فتح کا واقعہ ابھی تازہ ہی تھا۔ ترکوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ قوی امیر عثمانیہ کی تباہی کے خیال سے اس باہمی منظور کر لینے اور اس طرح مداخلت و پہنچائینگے۔

چم نے جزیرہ روتس میں اپنا ایک وفد بھیجا۔ اس وقت یہ جزیرہ مشہور صلیبی مجاہدین 'سینٹ جان کے سرداروں' کے قبضہ میں تھا۔ جزیرے کے حاکم اعلیٰ نے اپنے ارکان حکومت کے مشورے سے شاہزادے کی حمایت قبول کر لی۔ آنے کی دعوت دی اور اپنا جنگی بیڑہ اس کے لیے بھیج دیا۔

۲۳ جولائی سنہ ۱۴۸۲ء کو چم کا روتس میں شاہانہ استقبال کیا گیا۔ اور نہایت عزت و احترام سے اس کی ضیافتیں شروع ہوئیں۔ بایزید کو معلوم ہوا تو اس نے جزیرہ کی حکومت کو دائمی صلح کے معاہدہ کا پیغام بھیجا۔ ساتھ ہی بہت سے امتیازات بھی پیش کیے۔ ان مراعات کے صلے میں چم کی حوالگی کی درخواست کی۔ جزیرہ کی حکومت بہت خوش ہوئی۔ اس نے شاہانہ مراعات قبول کر لیں۔ مگر چم کے حوالہ کرنے سے اس بنا پر انکار کیا کہ وہ مہمان ہے۔ البتہ وعدہ کیا کہ اسے جزیرے سے نکال دیا جائیگا۔

مختارات

حب ذات کس میں زیادہ ہے : مرد میں یا عورت میں ؟



(ایک مصری خاتون کے قلم سے)

سب سے پہلے مجھے یہ ظاہر کر دینا چاہیے کہ دنیا کی ترقی کے لیے جس طرح ایثار کرنے والے ضروری ہیں ، اسی طرح حب ذات رکھنے والے بھی ضروری ہیں ۔ اگر ایک آدمی بھی حب ذات نے والے لوگ کس کی خدمت کر مر جائے ۔ کیونکہ ان کے لیے یہ مرقعہ موجود نہ ہوگا ۔ لیکن یہ دنیا میں تقریباً مساوی تعداد وجود رکھتے ہیں ، اس لیے اس صورت نہیں ہے ۔

حب ذات کس میں زیادہ ہے :
یال میں جواب صرف ایک ہی ہے طور پر جنس نصرانی میں یہ رتیں علی العموم حب ذات کی ، اپنی طبیعت پر تھوڑا سا غور کر کے برخلاف اسکے مردوں میں ایثار غور کریں کہ آٹے آرام و آسائش کے س ؟ ہمارے لیے دروازے کھولتے نہا دیتے ہیں ۔ ریل اور ٹریم وغیرہ کہ خالی کر دیتے ہیں ۔ ہمارے ساتھ اٹھنے بیٹھنے ، کھانے ، پینے ، ہیں ۔ خود تکلیف اٹھاتے ہیں

اور ہمیں آرام دیتے ہیں !

حقیقت یہ ہے کہ عورت ، مرد کی اس خصلت سے بہت خوش ہوتی ہے ۔ اسے اس کی مردانگی کی علامت سمجھتی ہے ۔ اسی طرح مرد بھی عورت کی حب ذات پسند کرتا ہے ۔ بلکہ اگر ہم عورتوں میں حب ذات نہ ہوتی ، تو مرد ہم سے سخت نفرت کرنے لگتے ۔ یہی حب ذات ، بناوٹی کمزوری ، مصنوعی نزاکت ؛ وہ ادائیں ہیں جو ہمیں مرد کی نظر میں معزز و محبوب بنائے ہوئے ہیں ۔

کا غم کہا رہی ہیں ۔ مگر یورپ نے منظور نہیں کیا ۔ اس نے کہا ” یورپ کے بادشاہ ، ٹرکی پر چڑھائی کرنے کی طیاری کر رہے ہیں تاکہ تمہیں تختہ نشین کر دیں “ ساتھ ہی اس نے بہت اصرار کیا کہ مسیحی دین اختیار کر لے تاکہ ” دنیا کے ساتھ آخرت کی عزت بھی حاصل ہو جائے “

چم ، پکا مسلمان تھا ۔ یورپ کی یہ دعوت حقارت سے رد کر دی ۔ اس نے سختی سے کہا ” اگر تمام دنیا کی بادشاہی مل جائے ، تو بھی میں اپنا دین فروخت نہیں کروں گا “ اتنا ہی نہیں بلکہ غیر شہزادے نے یورپ کے زوربر سر جھکائے یا اس کے ہاتھ کو بوسہ دینے سے بھی انکار کر دیا ، جیسا کہ شاہان یورپ کا دستور تھا ۔ اس نے کہا ” میں مسلمان ہوں ۔ یورپ کے سامنے نہ تو جھک سکتا ہوں ، نہ اس کا ہاتھ چوم سکتا ہوں ! “

یورپ نے اسے دیکھان میں نظر بند کر دیا اور دول یورپ کو ٹرکی پر حملہ کی ترغیب دینے لگا ۔ مگر اس وقت بھی یورپ میں باہم دگر سخت منافست تھی ۔ آپس میں کوئی سمجھوتا نہ ہو سکا ۔ اسی اثناء میں یورپ نے انتقال کیا اور مشہور ظالم کارڈنیل ، اسکندر اس کا جانشین ہوا ۔ اس نے اس عظیم رقم پر فحاشت نہیں کی جو چم کو قید میں رکھنے کے صلہ میں بایزید سے سالانہ وصول کیا کرتا تھا ۔ بلکہ ایک جہت بڑی رشوت لے کر اس کے قتل

(۱۱)

اسی زمانہ میں (ستمبر سن ۱۴۵۳ء) فرانس نے روم کا محاصرہ کر لیا ، اور صا کہ چم اس کے حوالہ کر دیا جائے ۔ یورپ چاہا ۔ اس زمانے میں یورپ کے روح بھی سب سے بڑے ماہر تھے ۔ یورپ کے اگر ایک تندرست آدمی کو کھلا دیا ۔ اس کی تندرستی پر کوئی اثر نہ ہوگا ۔ بعد آہستہ آہستہ اس کی تاثیر کام کرنے کا خاتمہ کر دیتی تھی ۔ یورپ نے یہ اطلاع بایزید کو دیکر اس سے مطلوبہ ر چم ، چارلس کے حوالہ کر دیا ، اور اس

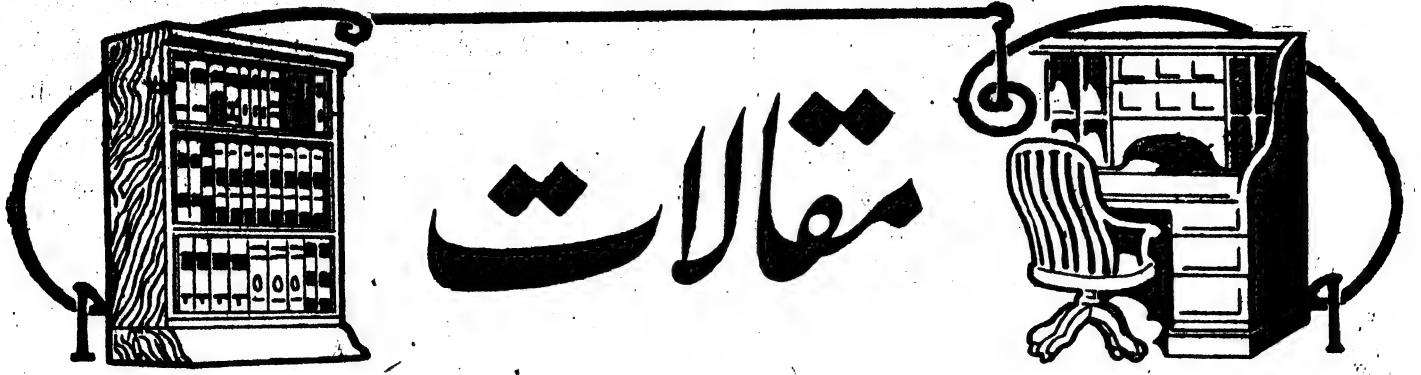
چم ، شاہ فرانس کے قبضہ میر غوج کشی کے لیے آمادہ کرنا شروع کیا کہ یورپ اس کی طرفداری نہیں سب سے بڑی اسلامی سلطنت تہا نے قطعی طور پر انکار کر دیا ۔ باد

مگر اب اس کی دائمی رہائی کا وقت بھی آ پہنچا تھا ۔ پولس رسول کے جانشین یورپ کا زہر اس کے جسم میں سراپت کر چکا تھا ۔ وہ ابھی غاپولی ہی میں تھا کہ ۲۴ - فروری سنہ ۱۴۹۵ء میں انتہائی حسرت و یاس کے ساتھ اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا !

اس کے آخری الفاظ یہ تھے :

” خدایا ! اگر دشمنان دین مجھ سے مسلمانوں کے خلاف کام لینا چاہتے ہیں ، تو مجھے جلد موت دیدے ، اور ان کا مقصد پورا نہ ہونے دے ! “





علم الاجتماع

(۱)

”علم الاجتماع“ سے مقصود وہ علم ہے جس کا موضوع بحث انسان کی اجتماعی زندگی ہے۔ انسان کی اجتماعی زندگی کی پیدائش، اُس کی نشوونما، اُس کے طبعی احوال و تاثرات، اُس کی مزاجی کیفیات، اور اُس کے نتائج و ثمرات کا بطریق استقراء اس طرح استقصا کرنا؛ کہ اس بارے میں اصول و کلیات مرتب ہو جائیں؛ علم الاجتماع کا دائرہ نظر بحث ہے۔ تاریخ علوم میں سب سے پہلے جس شخص نے اس علم کے مباحث بطور ایک مدرن علم کے ترتیب دیے، وہ علامہ ابن خلدون ہیں۔ اُن کا مقدمہ تاریخ اس علم کی عظیم النظیر کتاب ہے۔

علامہ ابن خلدون کے بعد صدیوں تک اس علم میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ گزشتہ صدی میں جب موسیو کا تر میر نے مقدمہ کا فرانسیسی ترجمہ شائع کیا تو علماء مغرب کو اس طرف توجہ ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہ مبحث رقت کا سب سے زیادہ اہم اور دقیق موضوع نظر بن گیا۔ بلاشبہ فرانسیسی ترجمہ ابن خلدون سے پہلے علماء مغرب فلسفہ تاریخ کی طرف متوجہ ہو چکے تھے، اور تاریخ کی نئی

فلسفیانہ ترتیب کی بنیادیں پڑ چکی تھیں۔ نیز اصول قوانین و نظامات حکومت پر بھی مونٹسکیو اور بنتیم جیسے مفکرین کی کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ لیکن ابن خلدون کا ”علم الاجتماع“ کا کامل مواد نہیں کہا جاسکتا۔ یہ واقعہ ہے کہ ترجمہ ابن خلدون کی اشاعت سے پہلے یہ عام بہ حیثیت ایک مستقل علم کے، یورپ میں زیر بحث نہ تھا۔ جس قدر کتابیں بھی اس علم پر لکھی گئی ہیں، سب کی سب گزشتہ صدی کے اواخر میں مرتب ہوئی ہیں، اور یقیناً اُن کا اولین سرچشمہ مقدمہ ابن خلدون ہی ہے۔ موجودہ زمانہ میں ڈاکٹر لیبل کی مصنفات سب سے زیادہ رقیع سمجھی گئی ہیں۔ اُس نے نہ صرف اس موضوع پر ہی کتابیں لکھیں، بلکہ وہ نام بھی انجام دیا جسکا ارادہ ابن خلدون نے کیا تھا مگر پورا نہ کرسکا۔ یعنی

متعدد اقوام کی تاریخیں بھی اسی علم کے اصول و کلیات کے ماتحت ترتیب دیدیں۔

ذیل میں ہم ایک مختصر مگر رقیع رسالہ کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو ترکی میں ڈاکٹر احمد شعیب بک نے سنہ ۱۹۱۰ ع میں انقلاب عثمانی کے بعد لکھا تھا، اور بلاد اسلامیہ کے اہل علم میں نہایت مقبول ہوا تھا۔ ڈاکٹر مورصف قسطنطنیہ کے مدرسہ حقوق (قانون) میں استاذ تھے، اور اُن گنتی کے اصحاب علم و نظر میں سے تھے، جنہیں ترکی کے نئے عہد تعلیم و ترقی کا ماحصل سمجھنا چاہئے۔ سنہ ۱۹۰۸ ع میں جب دستوری انقلاب ہوا، تو انہوں نے مرحوم جارد بے اور احمد رضا بے کے ساتھ شریک ہو کر ایک نہایت رقیع ماہوار رسالہ ”مجلہ علوم اقتصادیہ و اجتماعیہ“ جاری کیا تھا۔ ترکی کے تمام مشاہیر اہل قلم کی رائے ہے کہ اس سے بہتر علمی رسالہ ترکی زبان میں شائع نہیں ہوا۔ یہ رسالہ اسی مجلہ میں بہ دفعات شائع ہوا تھا۔ پھر مطبع نورت فنون نے کتاب کی شکل میں مرتب کر کے چھاپ دیا۔

اس موضوع میں یہ مقالہ مختصر ہے، مگر رسوخ نظر و فکر کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ ہم اس کا ترجمہ شائع کر دیتے ہیں تاکہ اُردو میں ایک ترک مفکر کی بہترین کتاب منتقل ہو جائے۔ البتہ یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ مصنف نے مقالہ کی تمہید میں فطرۃ انسانی کے خیر و شر پر جو اظہار رائے کیا ہے، اور اسے رزور کا مذہب قرار دیکر اسکی یک قلم تغلیط کر دی ہے، ہم اسے مصنف کی لعزش نظر سمجھتے ہیں اور اس سے متفق نہیں ہیں۔ مقالہ کا ترجمہ مکمل ہو جائے تو بطور استداراک و تعلیق اس مسئلہ پر مختصرہ اپنی رائے ظاہر کر دیں گے۔ اس مقام کے علاوہ بعض دیگر مقامات بھی مزید نظر و کارش کے مستحق ہیں، اور انکی طرف بھی خاتمہ میں اشارہ کر دیا جائیگا۔

اس مقالہ کے ساتھ ہم علامہ ابن خلدون کی تصویر بھی شائع کر دیتے ہیں۔ یہ ایک قدیم قلمی مرقع کا عکس ہے جو دمشق کے ایک قدیم کتب خانہ میں محفوظ تھا اور اب وہاں کے مجمع علمی (عربی و اسلامی) نے اپنے عجائب خانہ کے آثار عتیقہ میں داخلہ

ذریعہ بدلا جاسکا ہو۔ بلاشبہ یہ صورت کبھی فقرات از انقلابات کے بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر تبدیلی محض ظاہری اور لفظی ہوتی ہے۔ حقیقت واقعہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ جزیرہ کارسیکا مدت سے فرانس جیسی متمدن حکومت کے ماتحت ہے، مگر آج تک اس جزیرہ کی وحشت دور نہ کی جا سکی۔ یہی حال آئر لینڈ کا ہے۔ صدیوں تک ساتھ رہنے پر بھی وہ انگلستان سے منزوں دور ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ قوموں کی طبیعت و فطرت کو ان کے نظاموں پر پورا اندازہ حاصل ہوتا ہے۔ نظام کی تبدیلی اسی وقت ممکن ہے جب قوم کے دماغ میں بھی تبدیلی پیدا ہو جائے۔

(اچانک ترقی ناممکن ہے)

مقننوں کی قدرت سے باہر ہے کہ اپنے دل سے کوئی ضابطہ قانون ایجاد کر کے قوم کو اس پر چلا دیں۔ بڑی بڑی بغاوتیں اور عظیم فاتحوں نے اگر اس طرح کی جرات کبھی کی، تو یہ زبردستی زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکی اور قدیم حالت پر لوٹ آئی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر حیدران کو کسی ایسی بات پر مجبور کیا جائے جو اس کے مزاج کے خلاف ہے، تو وہ اسی وقت تک اُسے کرتا رہیگا، جب تک دباؤ موجود ہے۔ لیکن دباؤ ہٹتے ہی فوراً اُسے چھوڑ دے گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوموں کے نظام، انکی ضرورت کے ترجمان اور ان کے شعور کا مظہر ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ ان کی تبدیلی، قوم کی ذہنیت کی تبدیلی کے بعد ہی ممکن ہے۔ قوموں کی ذہنیت، فوراً تبدیل نہیں ہو سکتی۔ بہ تدریج اور آہستگی سے بدلتی ہے۔

سیاسی و اجتماعی نظام کے نشرو و تکرین کا باعث بھی ہوتا ہے جو خود کائنات کی تکرین کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اچانک تبدیلی محال ہے۔ یہ ایک اٹل اجتماعی قانون ہے کہ نمایاں تبدیلی، ان بہت سی مخفی تبدیلیوں کا نتیجہ ہوتی ہے جو صدیوں تک جاری رہتی ہیں۔ ہم تبدیلی کا احساس اُس وقت کرتے ہیں جب وضعی قوانین اگر ہمیں بتائے لگتے ہیں۔ ہم خیال کرتے ہیں تبدیلی انہی قوانین کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ یہ تبدیلی ایک طویل و مسلسل حرکت و عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔

حقیقی مقننوں کا فرض صرف یہ ہے کہ قوم کی راسخ عادتوں اور خصلتوں کی تائید کریں، مگر صرف انہی کی جو مفید ہوں۔ مضر کی مضرت کم کرنے اور بتدریج دفع کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

بسا اوقات قوم کے سمجھنے کے لیے اُسکی تاریخ سے کہیں زیادہ اُس کے ضابطہ قانون کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ ضابطہ قانون ہمیں بالکل صحیح طور پر بتا دیتا ہے کہ قوم کی اجتماعی حالت اور ضروریات مختلف زمانوں میں کیا کیا تھیں، اور ان میں بتدریج کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں؟

افراد، اقوام، نظامات، عقائد، کا ارتقاء ہمیشہ تدریجی ہی ہوتا ہے۔ جب تاریخ ہمیں کسی قوم کی بابت بتلائے کہ وہ ترقی یافتہ تمدن کی مالک تھی، تو ہمیں فوراً سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کا یہ تمدن، ایک طویل ماضی کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ یہ ماضی ہمارے لیے کتنا ہی مجہول کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ بالکل ظاہر ہے کہ زبان اور ادب (لٹریچر) کا وجود اچانک نہیں ہو جاسکتا۔ خود ان کا وجود ہی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ ایک قدیم ماضی رکھتے ہیں۔ موجودہ مغربی تہذیب کی مثال اس حقیقت کے فہم کے لیے بالکل کافی ہے۔ یورپ اپنی موجودہ تمدنی سطح تک بے شمار انقلابات سے گزر کر رہی

کر رہا ہے۔ اس تصویر میں علامہ مورسوف جس لباس میں دکھائے گئے ہیں، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں مسلمانان مغرب (مراکش و تیونس) کا عام لباس تھا۔ اور مصر و شام میں بھی اسی وضع کا عمامہ استعمال کیا جاتا تھا۔ علامہ مورسوف کا آخری عہد مصر میں بسر ہوا ہے۔ بہت ممکن ہے، یہ تصویر اصلی اور مستند ہو۔

(علم الاجتماع)

پچلے یہ علم، علماء و مفکرین کے ایک نہایت تنگ دائرے میں محصور تھا، مگر اب وہ ایک ضروری موضوع بن گیا ہے اور سب کے لیے اُس کی تحصیل لازمی ہو گئی ہے۔

(فرد اور جماعت)

فرد اور جماعت میں ایسا مضبوط رشتہ ہے کہ عملاً لازم و ملزوم بن گئے ہیں۔ ناممکن ہے کہ ان میں سے ایک مفقود ہو اور دوسرا موجود ہو سکے۔ روز بروز ثابت ہوتا جاتا ہے کہ علم اجتماع اور علم افراد، دونوں باہم دگر وابستہ ہیں۔ ان میں تفریق ناممکن ہے، اور یہ کہ تمام فلسفی اور اخلاقی مسائل، اجتماعی مسائل میں داخل ہیں۔

فرد اپنی صفات اور خصلتیں، اپنی قوم و جنس سے رشتہ میں پاتا ہے۔ یہی معنی ہیں ”جماعت“ کے۔ علم جماعت (یا اجتماع) مادی اور معنوی حیات کے علم سنن و نورامیس سے بحث کرتا ہے۔ نیز اُس کا تعلق علم الحیاء سے بھی گہرا ہے۔ کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ جملہ کائنات اپنے آغاز کے وقت ایک ہی عظیم جماعت تھیں۔ یہ اس لیے کہ وہ شروع میں غیر مرئی جوہر فرد (ایٹم) کے بے حساب ذروں کا مجموعہ تھیں۔ بنا بریں علم اجتماع، جملہ علوم کا مجموعہ اور خلاصہ ہے۔

(قوم کا نظام اُسکی استعداد و ضرورت کے مطابق ہوتا ہے)

اس علم کے اساتذہ کی رائے ہے کہ ہر قوم کا سیاسی و اجتماعی نظام دوسری قوموں سے نمایاں طور پر مختلف ہوتا ہے۔ ہر قوم کا نظام، اُس کی ذہنی و تمدنی حالت کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس نظام کی اہمیت اور خونی ہمیشہ اعتباری ہوتی ہے۔ جماعتوں کے نشو و ارتقاء میں سیاسی نظامات، سبب و عامل ہونے سے کہیں زیادہ خود مقصد و عمل ہوتے ہیں۔

قوم کی مخصوص سیاسی تنظیم، صرف اُس کی موجودہ زندگی ہی کی میزان نہیں ہوتی، بلکہ ان تمام انتظامی درجوں کا بھی پتہ دیتی ہے جو اُس پر گزشتہ زمانوں میں گزر چکے ہیں۔ کسی انسان کو بھی یہ قدرت حاصل نہیں کہ ملک میں کوئی ایسا نظام جاری کر دے جو نظری طور پر سب سے بہتر اور ترقی یافتہ معلوم ہو۔ تاریخ بتاتی ہے کہ غیر فانی قوانین قائم کرنے والے مقننوں نے صرف اس لیے کامیابی حاصل کی تھی کہ انہوں نے پچلے قوم کی ضروریات معلوم کر لی تھیں، پھر ان ضروریات کے مطابق قانون بنائے تھے۔ سرنوں نے کیا ہی خوب کہا ہے ”میں نے ایٹھنز کے باشندوں کے لیے ایسا قانون طیار نہیں کیا ہے جو عقلاً سب سے افضل ہے۔ بلکہ ایسا قانون بنایا ہے جو ان کی استعداد اور ضرورت کے موافق ہے“

تمدن کی تاریخ یہ حقیقت پروری طرح ثابت کر رہی ہے کہ ہر قوم کا نظام، اُس کی ضرورت کا مظہر ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان قوموں کے نظام تغیراً یکساں ہوتے ہیں جو ترقی کی مساریں سطح پر پہنچ گئی ہیں۔ یورپی تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی موجود نہیں کہ کسی قوم کا نظام، قوت اور تشدد کے

اُس کی کوئی مثال پیش نہیں کی۔ ہذا پر یہی ہے کہ ایک خدائی
رومی نظریہ ہی کہہ سکتے ہیں۔

(فطرۃ انسانی)

پہر یہ بھی واقعہ ہے کہ عقل و حکمت انسان کی فطری صفت
نہیں ہے، بلکہ سخت جد و جہد کے بعد کسب کی جاتی ہے۔ یہ
صفت اگر اسے صفت کہنا صحیح ہو، اب تک غیر دائمی حالت توازن
میں ہے۔ علم وظائف الاعضاء (فیوزیالوجی) اور علم النفس (سائیکو
لوجی) بتاتے ہیں کہ ”انسان فطری طور پر آتنا ہی مریض ہے، جتنا
مجھن ہے۔ ہمارے اعضاء کی سلامتی اور عقل کی درستگی، سراسر
اتفاقات کا نتیجہ ہے۔ دماغ کا عمل بھی ہمیشہ مضطرب ہوتا ہے۔
منطقی قیاسات اور اعلیٰ خیالات، صرف ایک محدود روشن خیال
جماعت سے مخصوص ہوتے ہیں۔ انسان کے ارادے پر اصلی
حکمرانی، اُس کے عقل و دماغ کو نہیں بلکہ جسمانی ترکیب،
مادی ضرورت، حیوانی طبیعت، قوت خیال، حرص و طمع، اور
شخصی اغراض وغیرہ خصلتوں کو حاصل ہے“

ہمارا یہ خیال کہ انسان فطرتاً نیکی، خیر، حلم، اور
اجتماعی مصلحت کو، بدی، شر، غصہ، اور شخصی مصلحت پر
ترجیح دینے کی طبیعت رکھتا ہے، درحقیقت اپنے آپ کو سخت دھوکا
دیتا ہے۔ کیونکہ رحمت و ظلم کی جو صفات ہم نے اپنے اجداد سے
ورثہ میں پائی ہیں، اب تک ہمارے ذہن و دماغ میں پوری طرح
راسخ ہیں۔ انسانی دماغ کی ساخت ہی کچھ اس وضع کی ہے کہ
انسان ہمیشہ اپنے خیالات و ارہام کا بندہ رہے۔ شدید ہیجان، شک
و شبہ، جذبات، سادہ لوحی، خود غرضی، یہ انسان کی امتیازی
خصوصیات و صفات ہو گئی ہیں۔

یہ حقائق پیش نظر رکھنے کے بعد، ہم باسانی فیصلہ کر سکتے
ہیں کہ انسانی فطرۃ کے متعلق روسو کا نظریہ سراسر
دھوکا و خیال ہے۔ اور اُس کے ہم مشربوں کو حقیقت سے کوئی
تعلق نہیں۔

(سلطنت کی تکرین میں اقلیم کا اثر)

سلطنت کی تکرین میں اقلیم کے اثرات کو بہت دخل ہوتا ہے۔
سیاسی و اجتماعی نظامات، اقلیم کی تبدیلی سے بدل جایا کرتے
ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جو قومیں میدانوں اور سبز زاروں
میں برد و بارش رکھتی ہیں، اُن کی اقلیم کا اقتضاء ہی یہ ہوتا ہے
کہ بددی و زندگی بسر کریں۔ ان کی مرکزی حکومت میں ابوی اقتدار
کا رنگ غالب ہوتا ہے اور استبداد کمزور ہوتا ہے۔ یہ قومیں ہمیشہ
فتوحات و حکمرانی کی دلداد ہوتی ہیں۔ برخلاف ان کے وہ قومیں
جو جنگوں میں شکار پر زندگی بسر کرتی ہیں، اپنی مرکزی
حکومت میں استبداد غالب رکھتی ہیں اور ابوی شفقت کمزور ہوجاتی
ہے۔ ان میں جہالت نمایاں ہوتی ہے۔ وسعت نظر مفقود ہوتی ہے،
اور العزمی اور بلند ہمتی ناپید نظر آتی ہے، فتح و استیلا کا جذبہ
مردہ ہوجاتا ہے، ہمیشہ تنگ دائرے ہی میں زندگی بسر کرتی
رہتی ہیں۔

(جماعتوں اور سلطنتوں کے وجود کا سبب)

قدیم ترین حکومتوں کے ظہور کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ
انسانوں کا اجتماع اور باہمی اشتراک عمل، صرف ضرورت ہی کی وجہ
سے پیدا ہوا تھا۔ وہ ابتدائی ضرورت، دشمنوں کے حملوں سے مدافعت
تھی۔ اور پھر پھر زمانوں میں ہر چیز انسان کے لیے خطرناک تھی،

پہنچا ہے۔ یہ سراسر جنون ہے کہ کوئی قوم ترقی کے بلند درجہ تک
اچانک پہنچ جانے کا خیال کرے۔

(سلطنت کی تکرین اور روسو کا نظریہ)

جوزیف دومسٹر اور بولڈ نے سلطنت (اسٹیٹ) کی تکرین
کا جو نظریہ قائم کیا تھا، وہ اب اس حد تک شکست ہو چکا ہے کہ
اس کے بطلان کے لیے کسی بحث کی ضرورت باقی نہیں رہی۔
اسی طرح ”اصحاب جمہوریت“ (جن کا سرگروہ روسو ہے) کے
نظریے بھی غلط ثابت ہو چکے ہیں۔

مذہب جمہوریت، سولہویں صدی کے اواخر میں اپنے پورے
عروج کو پہنچ گیا تھا۔ ہنری سوم کے قتل کے بعد پروٹسٹنٹ فرقہ نے
اس مذہب سے ہٹنا شروع کیا۔ سترہویں صدی میں ہوبس اور
گورڈین نے ظاہر ہو کر اس مذہب کی از سر نو حمایت شروع کی۔
لیکن وہ اس نتیجہ کی کوئی ترجیح نہ کر سکے کہ اس مذہب کے
تسلیم کر لینے کے بعد یا تو فرد کا استبداد لازم آجاتا ہے، یا
جماعت کا۔

آخر میں روسو نے اگر یہ تمام نظریے اپنی کتاب ”عقد
اجتماعی“ میں جمع کر دیے۔ روسو کی رائے ہے کہ انسانی افراد
اپنی طبیعی خود مختاری سے اس بنا پر دست بردار ہوئے ہیں
کہ انہیں اس کے معارضہ میں امن و اطمینان ملے۔ چنانچہ انہوں نے
باہم معاہدہ کر لیا کہ انفرادی زندگی کے بجائے جماعتی زندگی بسر
کریں گے۔ اس معاہدے نے اُن میں اجتماعی اخلاق کی ایک خالص
طبیعت پیدا کر دی۔

روسو کا خیال ہے کہ فرد فطرتاً نیک ہوتا ہے۔ زنا و شر،
جماعت سے پیدا ہوتا ہے۔ افراد فطری طور پر عدل و انصاف کے
دلداد، خیر اور نیکی کے پرستار، اور نظام کی اطاعت کی طرف
راغب ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ نیک اور خوش نصیب ہوتے، اگر
جماعت کی برائیاں انہیں لگ نہ جاتیں۔

حریت، مساوات، اور قوم کا اقتدار، یہ ”عقد اجتماعی“ کی
بنیادی دعوات ہیں۔ روسو نے ان کا ذکر اپنے بیان ”حقوق انسانی“
میں بھی کیا ہے۔

روسو کے زمانہ میں یہ نظریہ بہت مقبول تھا کہ انسان فطرتاً
نیک اور عاقل ہے۔ اُس کا ہر عمل حتیٰ کہ ہر حرکت کسی نہ
کسی معقول سبب پر مبنی ہوتی ہے۔ اُس وقت کے اکثر ادباء و فلاسفہ
یہی خیال رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ارکان سلطنت کا بھی اسی پر ایمان
تھا۔ چنانچہ گورگو نے تربیت پر ایک رسالہ لکھ کر بادشاہ کو دیا اور
دعویٰ کیا کہ ”اس پر عمل کر کے فرانس کی حالت ایسی ہوجائے گی
کہ ابھی یقین نہیں کی جاسکتی“ نیر کہا کرتا تھا ”انسانی اخلاق
کی فضیلت پر ایمان رکھنا فرض ہے“

جرمنی میں بھی کانت اور ریختی نے اس مذہب کا علم بلند
کیا تھا۔ لیکن اُن کے رد کے لیے بڑے بڑے فلاسفہ اٹھ کھڑے ہوئے۔
ہیگل، اسٹراوس، اسٹراٹ مل، اسپنسر، آرگسٹ کونٹ، ٹن،
رینان وغیرہم نے اپنی اپنی جگہ اُس کی دھجیل اڑادیں۔

خود اشتراکیوں نے بھی یہ مذہب قبول نہیں کیا اور اسے منطقی
مغالطہ قرار دیا۔ زومر مانن کہتا ہے ”عقد اجتماعی کا نظریہ“
معضل ایک دم ہے“

اقتدار قومی کا نظریہ بھی اب تک محض ایک دعویٰ ہی دعویٰ
ہے۔ عمل میں آج تک اُس کا کبھی ظہور نہیں ہوا۔ تاریخ نے بھی

میں ان معصوم حبشیوں کا بھی تذکرہ ہے، جنکا نام قیمتی چھتریاں لیجانا اور دوسروں کی چھتریاں پر ناچنا یا عبادت کرنا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کے مختلف فرقوں میں حق وراثت کے متعلق جو اختلافات ہیں، اور جنگی وجہ سے اکثر خانہ جنگیاں رونما ہوتی رہتی ہیں، نہایت وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں۔

اگرچہ فرقوں کے اعتبار سے مسیحی فرقوں کی تعداد اسلامی فرقوں سے جن میں مسلم ملحد بھی شریک ہیں، کہیں زیادہ ہے، لیکن آبادی کے لحاظ سے مسلمان ایک کے مقابلہ میں تین ہیں۔ اسی طرح تعداد میں وہ یہودیوں سے بھی زیادہ ہیں۔ مصنف نے ان قوموں کے حالات کے ساتھ ترکوں کے اس برتاؤ کی بھی مثالیں دی ہیں، جو وہ اپنے عیسائی اور یہودی رعایا کے ساتھ کرتے تھے۔ چنانچہ اس نے ان احکام کی نقلیں درج کی ہیں جنکے ذریعہ ارمنیوں، یادروں، اور یہودی ریبوں کو اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت ملتی تھی۔ حکمناموں کی نقلوں کے بعد مصنف نے موجودہ طریقہ حکومت کا ترکوں کے طرز حکومت سے موازنہ کر کے اول الذکر کو ترجیح دی ہے۔

ہم اس پر اتنا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ مصنف کتاب اور ٹائمس کے نقد نگار نے شام کے جس فرقہ کو "اسماعیلی" کے لقب سے پکارا ہے، وہ اگرچہ اسماعیلیہ ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن ایک مدت سے "درز" کے نام سے موسوم کی جاتی ہے اور اس کے عقائد اصل اسماعیلی فرقہ سے بہت کچھ مختلف ہیں۔

بیگم فہمی کا عجیب مطالعہ

(قاتلہ کا مقتول شوہر کی جائداد پر دعویٰ !)

قائدین الہال کو یاد ہوگا کہ اب سے تقریباً دو سال پہلے لندن کے ایک ہوٹل میں بیگم فہمی نے (جو ایک فرانسیسی عورت ہے) اپنے شوہر فہمی بے مصری کو گولی کا نشانہ بنایا تھا۔ لندن میں اس پر مقدمہ چلایا گیا، لیکن وہ چھوٹ گئی، اور اب وہی قاتلہ اپنے مقتول شوہر کی جائداد پر حق رجحیت کا دعویٰ کرنے والی ہے !

کسی مقام پر جمع ہوئے اور بحث و مباحثہ کے بعد باہم عہد و پیمان کر لیا، بلکہ صورت یہ ہوئی ہوگی کہ جماعت کے سب سے زیادہ عقلمند اور طاقتور فرد نے اس ضرورت کا احساس کیا ہوگا، اور اپنی زبردست قوت سے تمام افراد کو مغلوب کر کے حاکم بن بیٹھا ہوگا۔ پھر وقتی ضروریات نے حکومت کا نظام قائم کرنے اور وقتی قوانین بنانے میں اس کی رہنمائی کی ہوگی۔

انانیت اور حب ذات انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ دو آدمیوں کی مصلحتوں میں ان کی تصادم بھی عداوت و نفاق کا موجب بن جاتا ہے۔ مدتوں انسان نے انہی حالات میں انفرادی زندگی بسر کی۔ لیکن بالآخر طویل تجربوں نے اسے بتا دیا کہ قتل، خونریزی، نہب و سلب، جماعت اور افراد، دونوں کے لئے مضر ہیں۔ انسان مجبور ہوا کہ اپنے سابق طرز زندگی میں تبدیلی پیدا کرے اور ایک نئی مگر زیادہ پر امن اور آرام دہ زندگی اختیار کرے۔

یہی تجربہ یا ضرورت، حکومت اور تمام قوانین اجتماع کی اصلی اور ابتدائی بنیاد ہے۔

عالم مطبوعات و صحائف

Sketches of the Sects of Palestine & Syria.

By Harry Charles Luke.

(شام و فلسطین کے فرقے، مصنفہ ہرے چارلس لیوک)

اخبار ٹائمس لندن نے اپنے ہفتہ وار ادبی ضمیمہ میں مندرجہ بالا کتاب پر ان الفاظ میں تنقید کی ہے :

"اگرچہ فلسطین کی آبادی ساٹھ لاکھ سے زیادہ ہے، اور ۴۰ مختلف زبانیں بولنے والے، ۶۵ فرقوں کے اشخاص موجود ہیں، پھر بھی مسٹر لیوک مصنف کتاب کو ایک اسماعیلی بھی وہاں نظر نہیں آیا، اور اس کے لیے انہیں شام جانا پڑا۔ یہ وہی فرقہ ہے جو جنگ صلیبی کے زمانہ میں بہت مشہور ہو گیا تھا۔ مصنف نے اس کے بعض اسلاف کے حالات نہایت دلچسپ طریقہ سے بیان کیے ہیں۔ شاید اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہونگے کہ یہ وفادار قاتل اپنے آقا کے حکم کی کس طرح اطاعت کرتے تھے، اور کس طرح اس کے کہنے پر ہر قسم کے کام انجام دینے کیلئے آمادہ ہو جاتے تھے۔ حتیٰ کہ دوسروں کا قتل یا خود کشی بھی ان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

اس اسماعیلی فرقہ نے اگرچہ اپنی تمام رسمیں ترک کر دی ہیں۔ پھر بھی ایک حسین نوجوان خاتون کو سیاہ لباس میں ملبوس کرنے اور سر پر پہلوں کے تاج رکھنے کی رسم اب تک رائج ہے۔ مسٹر لیوک نے اپنی کتاب میں اس فرقہ کے نہایت دلچسپ حالات لکھے ہیں۔ باخبر مصنف ہنکو ایک آر فرقہ کا بھی پتہ دیتا ہے جو سمرتین کہلاتے ہیں۔ ان کا خاندانی مذہبی پیغمبر نابلس میں رہتا ہے اور سالانہ کوہ کرزم پر اپنی قدیم تہذیب قربانی ادا کرتا ہے جو کتاب الخروج میں درج ہے۔ اس کتاب

اور اس کی ہلاکت پر تلی ہوئی تھی۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے اجداد کو پہلی فکر یہی ہوئی کہ حیوان و انسان کی دس درجوں سے مدافعت کیونکر کریں۔ چنانچہ وہ اس کا سامان مہیا کرنے میں مشغول ہو گئے۔

ہر اشتراک عمل کا نظام ان ضرورتوں کے مطابق ہوتا ہے جو اسے وجود کا باعث ہوتی ہیں۔ انسانی اجتماع کی ابتدائی ضرورت در قسم کی تھی :

(۱) داخلی خطروں کا سد باب۔

(۲) خارجی حملوں سے مدافعت۔

اسی ضرورت نے انسانی جماعت کو حکومت کی تکوین پر مجبور کیا۔ شروع شروع میں مقصد یہ تھا کہ حکومت، جماعت کے افراد کی قوت اس طرز پر منظم کرے اور اسے اس طرح استعمال میں لائے کہ جماعت، داخلی و خارجی خطروں سے محفوظ رہ سکے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں، جیسا کہ روسو کہتا ہے، کہ جماعت کے افراد

ڈاک کی تاریخ

یورپ کے ڈاکخانوں کی بین الاقوامی مجلس کا ایک اجلاس حال میں بہ مقام ہالینڈ منعقد ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں ڈاک کے موجودہ طریقہ کی تاریخ بھی بیان کی گئی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

”قدیم زمانہ میں خطوط کی آمد و رفت کے مختلف طریقے تھے۔ ڈاک کا محکمہ زیادہ تر بادشاہوں کی خدمت کیلئے تھا۔ بادشاہ اپنے خطوط، فرمان، اور احکام اپنے عہدہ داروں اور دستوں کو بھیجا کرتے تھے۔ محکمہ ڈاک یہ تھا کہ کچھ لوگ خطوط لیکر گھوڑوں اور اونٹنوں وغیرہ سواروں پر سفر کیا کرتے تھے۔“

مصریوں نے اپنی ترقی کے زمانہ میں ڈاک کا باقاعدہ انتظام کیا۔ مصریوں سے یہ چیز رومانیوں نے لی۔ شہنشاہ اگستس کے زمانہ میں سلطنت روم میں ڈاک کا آغاز ہوا۔

ساتویں صدی عیسوی میں فرانس میں ڈاک کو رواج دیا گیا۔ لیکن چونکہ یہ زمانہ فرانس میں سخت بد امنی کا زمانہ تھا، اس لیے یہ انتظام کامیاب نہ ہوا اور جلد موقوف ہو گیا۔ چارلس اول نے بعد میں ڈاک کا محکمہ از سر نو قائم کیا تاکہ اسکی وسیع سلطنت میں مواصلات کی آسانی ہو۔ مگر زیادہ عرصہ وہ بھی قائم نہ رہ سکا۔

آخر سنہ ۱۴۹۴ء میں لوی چارلم نے اسکا پھر آغاز کیا اور ڈاک کا انتظام پوری ہرشیاری اور مضبوطی سے قائم کر دیا۔ سولہویں صدی میں فرانس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ڈاکخانوں کا جال پھیل گیا تھا، اور ہر شخص کو حق حاصل ہو گیا تھا کہ جب چاہے اپنے خطوط ڈاک کے ذریعہ بھیج دے۔ سنہ ۱۶۲۷ء میں خط نویسی کے قواعد اور شرط مقرر کیے گئے۔ سنہ ۱۶۲۹ء سے منی آرڈر بھی ڈاکخانوں میں لیے جانے لگے۔

ڈاک کے ٹکٹ سب سے پہلے سنہ ۱۶۵۳ء میں فرانس میں ایجاد ہوئے۔ لیکن تھوڑی مدت بعد انکا استعمال ترک کر دیا گیا اور لوگ انہیں بھول گئے۔ سنہ ۱۸۲۳ء میں ڈنمارک کے سرکاری اخبار میں ایک مضمون شائع کر کے حکومت کو توجہ دلائی گئی کہ ڈاک کے ٹکٹ استعمال کیے جائیں۔ مگر اس پر توجہ نہیں کی گئی۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے اسکی ضرورت محسوس کی۔ اس کے بعد باقی سلطنتوں نے بھی انکی تقلید کی۔ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوا کہ دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کب سے ڈاک کے ٹکٹ جاری ہوئے ہیں :

انگلستان	—	سنہ ۱۸۳۹
بلجیم	۳ نومبر	سنہ ۱۸۴۷
فرانس	۱ جنوری	سنہ ۱۸۴۸
اسپین	۲ مارچ	سنہ ۱۸۴۸
سولٹزر لینڈ	۱۴ اپریل	سنہ ۱۸۴۹
پروشیا	۱ جنوری	سنہ ۱۸۵۰
آسٹریا	۱ ایضاً	ایضاً
ڈنمارک	۱۵ ایضاً	ایضاً
اٹلی	۱ ایضاً	سنہ ۱۸۵۱
ہالینڈ	۱ ایضاً	سنہ ۱۸۵۲
ناروے	۱ ایضاً	سنہ ۱۸۵۵
یونان	— اکتوبر	سنہ ۱۸۶۱
ترکی	۳ مئی	سنہ ۱۸۶۶
مصر	۱۵ دسمبر	سنہ ۱۸۶۶

اس سلسلہ میں اخبار پپیل لندن کے نامہ نگار نے اس سے ملاقات کی تھی۔ اس ملاقات کے حالات یہ ہیں۔ نامہ نگار لکھتا ہے :

”یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ وہ مجھے نہ پہچان سکی۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ میں خود بھی مشکل سے اس بات پر یقین کرنے کیلئے تیار تھا کہ حسین لباس میں یہ ملبوس حسینہ وہی پریشال سفید روج ہے، جسے میں نے اب سے دو سال پہلے عدالت میں دیکھا تھا۔ آج اس کے رنگیں، روشن، تر تازہ چہرہ، اور باوقار حرکات میں کہیں بھی ان خطروں اور اندیشوں کا پتہ نہ تھا جنہوں نے اسے اپنے شہزادہ شہر کے قتل پر مجبور کر دیا تھا“

”تمام دنیا کی طرح میں نے بھی سنا تھا کہ مرحوم فہمی بے کی خالداں جو در سے پانچ ملین فرانک کے درمیان ہے، اوسکی دو بہنیں اور چچا کو مل گئی ہے۔ اسکا یہ فیصلہ کہ اب وہ خود قاہرہ جا کر یہ دعویٰ از سر نو پیش کریگی، میرے لیے ایک حیرت انگیز خبر تھی“

”میں نے دریافت کیا ”آخر کس چیز نے آپ کو اس بات پر آمادہ کیا ہے؟“

”اس نے جواب دیا ”وہ کہتے ہیں، جب تک میں بذات خود دعویٰ پیش نہ کروں، سماعت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے میرے پاس قاہرہ جانے کے سر اور چارہ کار کیا ہے؟“

”لیکن مجھے یاد تھا کہ اس سے پہلے تین مرتبہ بیگم فہمی نے قاہرہ جانے سے انکار کر دیا تھا“ اور اس کے رجوع میں ایک وجہ یہ بھی بتلائی گئی تھی کہ وہ خائف ہے۔ میں نے اس کی طرف اشارہ کیا تو وہ ہنسی اور پھر مسکراتے ہوئے جواب دیا ”میں اور خوف! میں مصر میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ مصری میرے دوست ہیں۔ شریف ہیں“ اس نے اپنے بازار پر سے کپڑا ہٹا کر بتایا کہ اُس کا ہاتھ زخمی تھا، اس لیے وہ قاہرہ جانے کے قابل نہ تھی۔ اُس نے یقین دلایا کہ اب وہ پہلے اسپین جالگی، وہاں سے سیدھا مصر پہنچے گی۔ یہ کہتے ہوئے اُس نے ایک خاص انداز سے اپنا ہاتھ اٹھایا، اور اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب روشنی پیدا ہو گئی۔ قاہرہ کا مصری انصاف اُس کے لیے کوئی خوفناک چیز نہیں ہے۔ جو قاضی ان آنکھوں سے متاثر ہوے بغیر دیکھا، اُس کے متعلق سمجھ لینا چاہئے کہ اُس کے سینہ میں دل کی جگہ یقیناً پتھر کا ٹکڑا ہوا۔ اس رعنائی کے باوجود بیگم فہمی تین شادیاں کر چکی ہے، اور اُس کی ایک ہفتہ سالہ لڑکی بھی موجود ہے!“

”بیگم فہمی کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ قاہرہ میں اپنا مقدمہ جیت لے گی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ حال ہی میں اُس نے ایک مقدمہ جیتا ہے۔ وہ مقدمہ ایک ڈریس کیس (سندوق ارائش) کے متعلق تھا جس کی قیمت ۴ ہزار پونڈ ہے۔ یہ بکس اُن دو بکسوں میں سے تھا جو شادی سے کچھ دن قبل شہزادہ فہمی بے کے لیے بنائے گئے تھے۔ ایک سیاہ کچھوے کی کھال کا اُس کے لیے دوسرا زرد رنگ کا اُس کی منسوبہ کے لیے۔ حادثہ قتل کے بعد فہمی بے کی بہن نے اس بکس کے لیے مقدمہ دائر کیا۔ بیگم فہمی اس کے لیے لڑی اور بالاخر کامیاب ہو گئی۔ اُس نے کہا ”یہ مقدمہ اس لیے نہ تھا کہ وہ بکس بہت قیمتی تھا، بلکہ یہ اصل کا سوال تھا۔ اُس نے یہ بکس مجھے دیا تھا۔ اور میرے لیے ضروری تھا کہ میں اُسے حاصل کروں“ آپ کو یہ سن کر متعجب نہ ہونا چاہیے کہ بیگم فہمی نے اپنی چوتھی شادی کا خیال ترک نہیں کیا ہے، اگرچہ اس میں عجلت نہیں ہے“

بریتیش

مکتوب مصر

(الصل کے متعلق مرقوم قلم کے قلم سے)

سعد پاشا زغلول کی زندگی پر ایک نظر

مصر میں ابوقت مرحوم زغلول پاشا کے ذکر کے سوا کوئی ذکر اہمیت نہیں رکھتا۔ قوم اب تک ماتم کر رہی ہے اور نہیں معلوم کب تک کرتی ہے گی۔ پچھلے ہفتہ ایک مفصل مکتوب، ان کی وفات پر ارسال کیا گیا ہوں۔ لیکن یہ عظیم شہر رہنا ایک مکتوب سے زیادہ ہماری توجہ کا مستحق ہے۔ میں چاہتا ہوں آج مرحوم کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالوں۔

زندگی کی پہلی ہم

سعد پاشا کی پوری زندگی، غیر معمولی شجاعت و جرات کے ساتھ سے گزر چکی۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت، جامعہ انڈرسن بائی۔ آئرن ان کے زمانے میں۔ اور اب تک۔ مصر کی سب سے بڑی اور طاقتور تعلیم گاہ ہے۔ اس کی حالت اگرچہ مدت سے زبردست ہے، مگر کم آدمی جتنے چینی کی جرات کر سکتے ہیں۔ سعد نے یہی نہیں کیا کہ آقا عمری میں

بقیہ مضمون ص ۱۷

بن محمد عالم تھا۔ لیکن مبداء اس کے عقاب میں تھا۔ بیٹن بن بکھار کو یہاں سے بھی بھاگنا پڑا۔ ابان نے عبدالکریم کی اطاعت قبول کر لی اور رفیقہ کسی جنگ کے یہ علاقہ عبا میں کوئل گیا۔

روان، قسیرین ہو چکا۔ عبدالکریم نے وہاں بھی بھاگیا۔ قسیرین سے محض حص سے دمشق آیا۔ مگر عبدالکریم نے پھانچا۔ چھوڑا۔ دمشق میں ایک مختصر سی لڑائی ہوئی اور وادہ اختلاف بھی عبا میں کے قبضہ میں آ گیا۔

دمشق سے روان علاقہ اردن گیا۔ پھر فلسطین میں پناہ ڈھونڈی مگر نہ ملی۔ آخر غلط (مصر) کا رخ کیا۔ غلط سے ایک دوا آقاہ گادوں برصیر میں جا کر چھپ گیا۔

عبدالکریم اب بھی عقاب پر مگر دم تھا۔ مگر ابوالعباس کا حکم ہو چکا کہ صالح بن علی کو اس ہم پر دوا دیکھو اور خود آگے نہ بڑھو۔ صالح بن علی، مصر ہو چکا اور پھر لنگار قسیرین میں روانہ کر کے قتل کر دیا۔ مرثیہ کے قتل نے مشرق میں ساموی خلافت کا ہیٹھ کے لئے خاتمہ کر دیا اور مبنی عباس کی خلافت قائم ہو گئی۔ تاریخ اسلام کا یہ اہم واقعہ مذہبی لائحہ عمل کے مطابق پیش کرنا تھا۔

ازہر کی ملی الامان نصرت کی، مگر انتہائی شجاعت سے، اس ظلم گاہ کو اس کی جملہ خصوصیات سے طموہ ہو گئے۔ انھوں نے آئرن کا لباس ترک کر دیا اور جدید دین کا لباس اختیار کر کے ازہر کی جگہ سے ہیشہ کے کوٹھنٹھ ہو گئے۔ یہ ان کی زندگی کی پہلی ہم تھی اور بہت سخت تھی۔

محبوب جرات

سرکاری ملازمت کے زمانے میں انھوں نے کبھی حکام کی خوشامی نہیں کی۔ بلکہ ہیشہ ان سے ایک طرح کی مخالفت جاری رہی۔ وہ اطاعت اور خوشامد چاہتے تھے۔ ان کی غیور طبیعت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ حتیٰ کہ وزارت کے عہد پر پہنچنے کے بعد ایک مرتبہ خود عباس طبعی پاشا، خدیو مصر سے سخت تکرار ہوئی۔ انھوں نے ایک لائحہ عمل طیار کیا تھا۔ خدیو نے اسے پسند نہیں کیا۔ دونوں میں بحث شروع ہوئی خدیو نے خفا ہو کر غصے سے میز پر ہاتھ مارا۔ سعد کا لباس و پیش جو یہ یہ تھا کہ انھوں نے بھی میز پر گولہ مار دیا، اور اپنی آواز بلند ہوئی کہ مصر کے نرازد کے گھونٹے سے بھی بلند نہ ہوئی تھی۔

وکالت کا پیشہ

وکالت کا پیشہ بھی انھوں نے اسی طرح اختیار کیا۔ وہ باضابطہ وکیل نہ تھے۔ تاہم انھوں نے اپنی شجاعت و جرات سے کام لیا اور اس پیشہ میں خلافت نامہ داخل ہو گئے۔ حکومت نے مخالفت کی مگر وہ سب مخالفتوں پر غالب آئے اور وکیل بن بیٹھے۔ اس کے بعد ان کی قانونی قابلیت کو وہ دہم ہوئی کہ وکالت عالیہ کے رنج سفر پہنچے پھر محکمہ عدالت کے وزیر بنائے گئے۔

لاڈلہ و قریبی پیشین گوئی

ان کی یہی جرات و شجاعت دیکھ کر لاڈلہ و قریبی پیشین گوئی کی تھی۔ آئندہ، سعد زغلول، مصر کے سب سے بڑے آدمی اور سیاسی رہنما بن گئے۔ واقعات نے یہ پیشین گوئی باطل صحیح ثابت کر دی۔

سیاسی زندگی کا آغاز

سعد پاشا کی زعمانہ سیاسی زندگی، درحقیقت، فروری ۱۸۸۷ء میں شروع ہوئی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب جنگ عری کی ہولناکیوں نے برطانیہ کو خیر بری کمال اٹھادیا تھی۔ وہ ہیٹ دہلیہ تھا کسی کو نظر اٹھانے کی بھی جرأت نہ تھی۔ خصوصاً مصر میں جہاں جنگی قانون نافذ تھا اور برطانیہ نے فاسانہ ملک کا اعلان کر لیا تھا مگر سعد زغلول نے سرکار پر کڑے جکر انتہائی شجاعت سے یہ اعلان

انگریزی قبضہ کے خلاف آواز بلند کی، اور مصر کی موجودہ سیاسی بیڈیا کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔

مرحوم نے اپنی اس پہلی سیاسی تقریریں کہا تھا:

ہمارا ملک خود مختار ہے۔ مشرق کے معاہدہ لندن میں اس کا اقرار کیا جا چکا ہے۔ جنگ کے زمانے میں جو سیاسی تبدیلی کی گئی ہے، اس کا ذکر بالکل بے گار ہے۔ کیونکہ تمام ملوک قانون کا شفعہ فیصلہ ہے کہ "حیات" پر دیکھ لیں! کا وجود اسی وقت ہو سکتا ہے جب ایک قوم دوسری قوم سے اس کی حمایت میں پہنچنے کی خواہش رکھے لہذا وہ ایک کھوتہ یا عہد نامہ جس میں ایجاب قبول، تمسایہ شرط ہے۔ لیکن مصر میں اس طرح کی کوئی بات بھی پیش نہیں آئی اور نہ قیامت تک کسی پیش آ سکتی ہے۔ غلطیہ میں برطانیہ نے خود "حیات" کا اعلان کر دیا۔ لیکن مصر نے اسے قبول نہیں کیا۔ لہذا یہ حیات، سراسر اطل ہے۔ ہرگز برقرار نہیں رہ سکتی۔

اس تقریر نے ایک طرف برطانوی حلقوں کو سخت برہم کیا۔ دوسری طرف مصری قوم میں حق طلبی کی نئی روح پیدا ہو گئی۔ چنانچہ سیاسی جہد جہد کا آغاز ہوا اور وہ ٹہرتے ٹہرتے ایک عظیم تحریک بن گئی۔ برطانیہ کی تحویل

پہلے تو برطانیہ، تحویل و تبدیلی کو کافی جتنا زہم۔ لیکن جب اسے یقین ہو گیا کہ سعد پاشا نے دے دے نہیں ہیں، تو اس کے ظلم و قوتوں میں حرکت ہوئی اور آخری کارندہ والی کرنے پر تلی گئی۔ چنانچہ ۱۲ دسمبر ۱۸۸۷ء کو جنرل کلاٹن نے نیلا مارشل جیل میں لایا، برطانوی سپہ سالار عظم کا سینیل حکم سعد پاشا کو تحریر ہو چکا:

"جنگی قانون کے بموجب اس حکم کے ذریعہ سعد پاشا زغلول کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ عام تقریروں سے پرہیز کریں۔ عام جلسوں میں شریک نہ ہوں۔ مصری وفد سے ملاقات نہ کریں۔ اخبارات میں شریک نہ لکھیں۔ کوئی سیاسی کام نہ کریں۔ انھیں حکم دیا جاتا ہے کہ خود قاتل سے چلے جائیں اور اپنے دیہات کے مکان میں قیام کریں۔ اس طرح کا سرکاری افسران کی نگرانی کرے گا۔"

سعد پاشا کا جواب

زغلول پاشا کا جواب قابل دید ہے۔ انھوں نے لکھا: "نیلا مارشل ایجنٹ ابان کا حکم مجھے ہو چکا۔ مگر یہ سخت غلط ہے۔ اس کی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ میں اپنی قہری قوت سے اس پر مددائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔" چونکہ وہ نے مجھے اپنا وکیل بنایا تو اس کی خود مختاری کو کوشش کر دیں، اس نے اس کی قوت کے سوا کسی دوسری قوت کو کوئی حق نہیں کہ اس مقدس فرض سے دست بردار ہوئے پر مجھے مجبور کرے۔

"لہذا میں بدستور اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے موجود ہوں گا۔ ظالمانہ قوت جو مجھ پر کر سکتی ہے، اگر لے۔ ہم مضبوط دہل اور ٹھنڈے ضمیر کے ساتھ اس کے مقابلے کے لئے طیار بیٹھے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں ہماری جائز کوششیں کے خلاف جتنا بھی تشدد کیا جائے گا وہ ملک کو اس کی منسل مقصد سے اور بھی زیادہ قریب کر دے گا۔ ملک کی منزل مقصود بھر کا بل آدائی کے کچھ نہیں ہے۔"

مگر قاری اور جلاطی

اس جواب کے پہنچنے ہی برطانوی حکام نے مرحوم کو اوسان کی جگہ کے مبرا مددہ آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ اس تاریخی واقعہ کا ذکر خود مرحوم نے جلاطی سے دہاں کر دیا ہے۔

سین۔ انہوں نے کہا،

”دوسال پہلے ٹھیک اسی تاریخ میں انہی قوت نے جی پوس کی جائے امن میں دست درازی کی۔ میرا گھر رط سے مسلح فوج نے گھس چکے۔ تمام کرد اور درجنوں میں بند تھیں اٹھائے باہری گھس چکے۔ درد اذول اور کھڑکیوں پر بوجے قائم کر دیے۔ پھر ہتیار بند فوجی افسر میرے خاص کمرے میں آئے۔ میں اپنے بستر پر غافل سو رہا تھا۔ مجھے نہایت دہشت ناک کے ساتھ جکھا گیا اور لباس پہننے سے بھی پہلے گرفتار کر لیا جا۔ میں نے انکار کیا اور لڑکیاں سے کپڑے پہنے۔ پھر مجھے نیچے آڈالنے۔ میرے گرد بند قوتوں اور گولہ کا جھوم تھا۔ میری بوری میرے پیچھے ڈھونڈ رہی تھی۔ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ مگر اسے روک دیا گیا۔ صلیب اور کئی ایک بھدی گاڑی پر مجھے بٹھایا گیا۔ اندھا گاڑی روانہ ہوئی۔ ایک بڑا بنگی مظاہر میرے ساتھ تھا۔ مسلح موٹریں آگے تھیں۔ مسلح موٹریں پیچھے تھیں۔ رط سے بند قوتیں نکلی ہوئی تھیں۔ ان کے استمال کے لئے ادنیٰ سی ادنیٰ آواز کا انتظار تھا۔ یہ تمام کارروائی بالکل اچانک ہوئی۔ مجھے پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی گئی کسی قانون کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ کوئی تحریری حکم پیش نہیں کیا گیا۔ قوت نے اپنی سرکشی اور جبروت کا پورا پورا مظاہر کرنا چاہا اور کر دیا“

ہندوستان کو شرم آتی چاہیو!

مرحوم کو گرفتار کر کے کہاں لے گئے؟ یہ اظہار میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہو۔ یقیناً آپ کے تمام عزیز قارئین اسے شرمناک خیال سمجھیں گے۔ میرا یہ جلیل القدر رہنما گرفتار کر کے سوئس کی ہندوستانی چھاؤنی میں بیجا رکھا تھا۔ ہندوستانی فیروں میں رکھا گیا تھا۔ ہندوستانی سپاہیوں کی حرات میں بند کیا گیا تھا!

لیکن اس کے باوجود مرحوم نے کبھی ہندوستان کو برا نہیں کہا۔ بلکہ ہمیشہ ہندوستان کی تحریک آزادی سے ہمدردی ظاہر کی۔ ہندوستانی لشکر میں پیچھے کا حال مرحوم نے توں بیان کیا:

”مجھے سوئس لے گئے۔ مگر ایک ایسے صدارت سے جو بالکل غلام تھا۔ حتیٰ کہ اس بانی تک دستیاب نہ ہوتا تھا۔ میں بہت ٹھوکر کھا۔ کھانے کا کوئی سامان بھی ساتھ لینے کی اجازت نہ تھی۔ خوش قسمتی سے ایک ہندوستانی افسر کو رس کیا اور اسے ایک روٹی اور پینر کا ایک چھڑا سا مل کر مجھے دیا۔ دن بھر کی میری غذا بس یہی تھی!

”ہجے شام کو میں ہندوستانی لشکر میں پہنچا ہوا تھا۔ یہاں جی جنرل نے مجھے اپنی حرات میں لے لیا اور ایک پٹے پر بٹھے بیٹھے میں آٹا۔ نا بھر گم ہوا میں شیمے کے سوراخوں سے اندر پہنچی تھیں اور جھلک اٹھا تھیں۔ میں اس رات مجھ پر ہمارا اپنے دن ہی کے لباس میں جاؤں کیونکہ کوئی دوسرا کپڑا ساتھ نہ تھا۔

”لیکن الجھند مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ میں ٹھانڈا ہوا ہر ایک گھنٹہ موٹر کی سریر سے تھک جا رہا تھا۔ مگر اس وقت میں بالکل نہیں تھکا۔ اندر میری مدد کی ایک ایسی قوت بجھتی کر یہ تمام سختیاں برداشت کر گیا۔

”دوسرے دن میرے پاؤں دنقاہ صحت بھی پہنچ گئے تھے۔ سرت ہوئی، کیونکہ وہ سب ملٹن تھے اور برطانیہ کی اس مظلوم پرست تھے۔ ۲۹ دسمبر تک ہم ہندوستانی لشکر میں مقیم رہے۔ یہاں تک کہ اس دن مشار کے دقت میں ہم جاکر نصرت لکھنے کے اندر فر کے لئے طیارہ جاؤ۔ پس طیارہ ہی کیا کر رہی تھی؟ ہر دقت طیارہ تھا۔ ہمارا طیارہ ہونا، صرف اظہار تھا۔

”میں قیدیوں کی بند گاڑی میں سوار کئے گئے۔ ساحل پر پہنچے۔ ایک کشتی ہمارے انتظار میں تھی۔ اسپر سوار ہوئے اور جہاز میں پہنچ گئے۔

جہاز ہندوستانی سپاہیوں سے لبریز تھا۔ یہاں میں معلوم ہوا کہ عدت جائے ہیں۔ ۴ جنوری کو عدت پہنچے۔ ۲۸ جنوری کو سیشن پہنچائے گئے۔ پھر مجھے جل مارا پیچ دیا گیا جہاں ۳ ستمبر سے ۲۰ اپریل ۱۹۷۷ تک برابر قید رہا۔

”میں نے یہ تمام مدت، قید خانوں اور قتلوں میں گزار دی دنیا میرے الگ کر دیے گئے تھے۔ کسی کو بھی ہلے قریب آنے کی اجازت نہ تھی۔ حتیٰ کہ ورزش اور چل قدمی کے لئے بھی اجازت اپنی پڑتی تھی ہماری تمام خط و کتابت دیکھی جاتی تھی اور شاید وہ بھی منزل مقصود تک پہنچاتی جاتی تھی۔ لیکن یہ تمام بندشیں اللہ تعالیٰ بالکل بے کار تھیں۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں کوئی گمراہی پیدا نہیں ہوئی ہم اپنی ناقابل برداشت مصیبتوں پر خوش ہوتے رہے۔ ہر صبح ہم یاد دل دیتی تھی کہ ہمارا مقصد کیا شریعت اور غایت کیسی نیل ہو!“

سعدیاش کے خطوط اپنی حرم کے نام
ذیل میں سعدیاش کے دو خط ملاحظہ ہوں۔ یہ خط انہوں نے جلا وطنی سے اپنی حرم خرم کو بھیجے تھے:

”ہندوستانی لشکر (سوئس)

”۲۸ دسمبر ۱۹۷۷ء

”غیر زنی!“

”مختار، ۲۷ دسمبر کا خط پہنچا۔ اگرچہ یہ فراق مجھ پر بہت شان ہو اور ملاقات کی بے حد تڑپ ہے۔ لیکن میں نے سبردست تھکے سفر کے التوا کو پسند کیا۔ مجھے اس وطنی شور پر غرور جو جسے یہ مصیبت تم پر آسان کر دی، حالانکہ میں جانتا ہوں، تھکائے لئے بالکل ناقابل برداشت تھی۔ میرے آبنائے وطن تھادی اس قربانی کے طریح سختی تھے۔ ہمارا یہ فراق کتنا ہی المناک ہو مگر میں پوری ثبات قدمی اور صبر و شکر کے ساتھ اسے برداشت کرنا چاہئے۔ نتیجہ اندھی کے ہاتھ میں ہو۔

”عبداللہ خادم بھی پہنچ گیا۔ مہذب مخلص نوجوان ہے۔ انگریزی جانتا ہو۔ میرے خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہو۔ اس کی بیوی کا ہر طرح خیال رکھنا۔

”میری تندہی، اچھی ہو۔ کئی خط تھیں بھیج چکا ہوں۔ لیکن معلوم ہوتا ہو تم تک پہنچے نہیں گئے۔ اگر یہی بات ہو تو اس سے مقصد و ظم میں زیادتی ہو۔ حالانکہ اس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ بہر حال میں تمھاری تندہی اور خوش کامیابی ہوں“

دوسرا خط

”عدن۔ ۲۵ جنوری ۱۹۷۷ء

”غیر زنی!“

”دعا ہو کہ تم اور ہمارا پورا خاندان بچہ و عافیت ہو۔ الحمد للہ تم بھی ہیں۔ صرف ہی ایک تم کو کہ تھکے خطوط نہیں پہنچتے۔ میں یہ خیال نہیں کر سکتا کہ تم لکھتی نہیں۔ تم ضرور لکھتی ہو، کیونکہ میرے کچھ دوست ہیں لیکن یہ قوت تھکائے خط روک لیتی ہو۔ اس سے میں تکلیف مند ہوں مگر خود اس قوت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ یقین کرو، میں بھی ہر بہتہ دو خط لکھتا ہوں۔ اگر تھیں کوئی خط نہ پہنچا ہو تو سمجھ لو یہ میری خطا نہیں، اسی قوت کی شرارت ہے۔

”میں عربی اخبار نہیں لیتے۔ کبھی کبھی فرانسیسی اور انگریزی اخبار لے جاتے ہیں، مگر بہت پرانے۔ ایک اخبار میں مصری قوم سے تمھاری یہ درخواست غلط ہے۔ گزری کہ میری تندہی کے لئے دعا کی جائے۔ میں اس پر بہت خوش ہوا کہ تم صبر میں تھکائے مجھے لذت لوگ موجود ہیں اور ایسے اعلیٰ خیالات رکھتے ہیں۔ خدا سے دعا ہو کہ ہماری امیدیں بر لائے اور ہماری حالت درت کر دے۔ اسلام“

مرحوم کی شخصیت

مرحوم کی شخصیت، نہایت طاقتور تھی۔ سچ کی صحبتوں میں بھی شخصیت آدمی کو ستا کر کے بغیر نہیں ہتی تھی۔ معمولی گفتگو کے بعد ہی فوراً یقین ہو جاتا تھا کہ شخص، اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ عقل کا مالک ہو۔ ایک عجیب و غریب آن پر سائیکس ہتی تھی۔ کوئی شخص بھی مرحوم سے بغیر نہ نہیں تھا تھا۔ الہی شفقت

قدت نے سعد کو کوئی اولاد نہیں دی۔ مگر ان میں الہی شفقت اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود تھی۔ تمام کم عمری کے ساتھ ان کا بڑا بالکل ایسا تھا، جیسا باپ کا اپنے بچوں سے ہوتا ہو۔ ان کا یہ قول تھا مشہور ہو جاؤ انہوں نے اسی بوی سے کہا تھا۔ اولاد نہ ہونے پر غم کرو، کیونکہ خدا نے میں ۴۲ ملین بچے عافیت کئے ہیں!“

روشن خیالی

سعد ہمیشہ روشن خیال رہے۔ جو دو تقلید کا ان پر کبھی بھی قبضہ نہیں ہوا۔ وہ اپنے زمانے سے برابر آگے رہے۔ سید جمال الدین افغانی نے مصر میں جو اجتماعی و سیاسی حرکت پیدا کر دی تھی، اس میں یہ فوراً داخل ہو گئے، حالانکہ کم عمر تھے۔ قاسم امین نے حقوق نسواں کھلے آواز بلند کی۔ یہ اس جدوجہد میں بھی پیش پیش تھے۔ دکالت سے لیکر وزارت تک جملہ منصبوں اور عہدوں میں ان کی اصلاح پسندی اور روشن خیالی کی یادگاریں اب تک موجود ہیں۔

قدرت الہی پر یقین

سعد پاشا کی پوری زندگی ایسی مثالوں سے لبریز تھی جن سے ثابت ہوتا ہو کہ وہ قدرت الہی پر غیر معمولی یقین دایمان رکھتے تھے سخت سے سخت مصیبتیں پڑیں، مگر وہ کبھی ناامید نہ ہوئے اور ہمیشہ خدا کی ذات پر بھروسہ کئے رہے۔ ان کی تقریریں ایسے جلوں سے کبھی خالی نہیں رہتی تھیں جن میں یہ یقین ایمان ظاہر نہ کیا گیا ہو۔ ان کی ایک تقریر کے چند جملے مجھے یاد ہیں۔ انہوں نے کہا:

”میں بشارت ہو کہ تم حق پر ہیں، حق کے لئے کوشاں ہیں، حق کی راہ پر چلے ہو۔ اور معلوم ہو کہ خدا حق پرستوں کا عمل راہیں نکال نہیں کرتا“

”خدا نے میں نے دیکھے کا مادی بنادیا ہو کہ وہ ہمیشہ ہماری مذکرا ہو، مصیبتوں میں ہماری دست گیری کرتا ہو۔ مصیبت چینی زیادہ سخت ہوتی ہو آتا ہو زیادہ منزل مقصود سے قرب حاصل ہوجاتا ہو۔ لہذا میں چاہئے کہ اپنے حقوق پر مضبوطی سے جمے رہوں اور ثبات قدمی کو مضبوط برداشت کرتے رہوں۔ خدا صابروں کے ساتھ ہو!“

مطالعہ اور گفتگو

مرحوم کو کتابوں کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ کبھی ان کا ہاتھ کتاب سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ عربی تقریر و تحریر میں وہ اپنی نظر بھی نہ لکھتے تھے۔ لیکن عربی زبان کا دائرہ، ان کی وسیع عقل و دماغ کے لئے نامکافی تھا۔ لہذا انہوں نے ۴۸ سال کی عمر میں فرانسیسی زبان سیکھی اور اس طرح پڑھی کہ اس کے ماہر بن گئے۔ پھر ۶۰ برس کی عمر میں عربی اور انگریزی زبانیں سیکھیں۔

گفتگو کے بھی وہ بڑے دلدادہ تھے۔ بلکہ اس فن میں مجاہد تھے۔ ایسی چمک گفتگو ہوتی تھی کہ کبھی جی بگڑا نہیں سکتا تھا۔ غلط دہلے سبھی گویا خیر میں داخل تھی۔ بہت صاف گفتگو کرتے تھے۔ ایک ایک نقطہ الگ الگ بولتے تھے۔ اس طرح بولتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا زبان سے نہیں دلوں سے بول رہے ہیں۔

معمولات

ان کی زندگی بہت منضبط تھی۔ ہر کام وقت پر ہوتا تھا۔ صبح بچہ بیدار ہوتے تھے۔ غسل کرتے تھے۔ ناشتہ تناول کرتے تھے اور ملاطفتیں

بصائر و حکم

ماہ بیع الاول کا اختتام

اور واقعہ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ، لِيُظْهِرَ عَلَى الدُّنْيَا

تایخ نوع عالم کی عظیم ہستیاں، اور داعی لاءِ اللہ اللہ کی عظمت

(مقتبس)

وہ علم غلام کی پرستش کے لئے نہیں کئے تھے اگرچہ ساری دنیا نے اُن کی پوجا کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی ساخت کی عظمت کسی انسان کے لئے بھی تسلیم نہیں کی اور نہ اپنی ذات ہی کے لئے پسند کی حالانکہ وہ اُن کے اختیار میں تھے۔ یہ عظمت اپنی تمام رعایوں کے ساتھ سرنگوں سامنے آئی۔ اُن کے قدموں پر لوٹی، مگر انھوں نے اُس سے منہ پھیر لیا، اور اُس میں ذرا بھی دھت ظاہر نہ کی۔ خذلان اختیار دیا کہ عہدیت کے ساتھ نبی ہوں، یا بادشاہت کے ساتھ نبوت لیں۔ زمین کے خزانوں کی کھیاں سامنے ڈال دی گئیں۔ تلمع و تحف کی ساری شوکتیں جمع کر دی گئیں۔ مگر انھوں نے عہدیت پسندی غربت اختیار کی۔ اُن کی روح مقدس دستہ کی خوشی ابھی میری تھی کہ فقیری میں زندہ رہیں، فقری میں دنیا سے جائیں، فقر میں ہی کے زمرے میں اٹھائے جائیں:

درآمدتہ الجبال اشتم من فہب عن فہب فارا ہا ایما شمم! جو لوگ بادشاہت ادا اس کی عظمت کے پجاری ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بادشاہ تھے، نہ انھوں نے بادشاہ ہونا گوارا کیا۔ اگر لا محالہ انھیں (صلی اللہ علیہ وسلم) بادشاہ ہی قرار دیا جائے تو اُن کی بادشاہت کیا تھی؟ زیادہ سے زیادہ ایک سنگسلاخ جزیرہ۔ جزیرہ العرب کی قیصر کی قیصریت اور کسریٰ کی کسریٰ کے مقابلے میں اس جزیرہ کی بادشاہی کوئی بڑی بادشاہی نہیں ہو سکتی۔

جو لوگ مال و جاہ دُنوی کی عظمت کے سامنے سرنگیں ہیں، وہ دیکھ لے سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مال و دولت سے بچی دست تھے۔ اُن کی دولتوں کا خزانہ، اُن کا فقر و فاقہ تھا!

جو لوگ دنیا کے عظیم پسالاروں اور فاتحوں کے جاہ و جلال کے لئے نگاہ ادب اور دلی عظمت سراہتے ہیں، انھیں مایوس ہونا چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی جگہ کی فتح تھی جو اُس عہد میں بھی دنیا کا ایک گنگام اور حقیر قرار تھا!

جو لوگ دنیا کے فلاسفہ، حکما، اور موجدین کی عظمتوں کے آشنا اور اُن کی رفعتوں کے پرستار ہیں، اُن کے لئے یہ خبریٰ خبر نہیں ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آتی تھے۔ دنیا کا صنایع لکھنا پڑھنا نہ تو انھوں نے سیکھا تھا اور نہ کسی نے انھیں سکھانے کی جرأت کی تھی۔

کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بھی مادی یا دُکار چھو لی جو پھر کے اسرار کی سی عظمت کھتی ہو؟ کوئی شہر بنا یا جس کی عظمتِ تنظیم کے برابر ہو؟ تم نے اُن کی تعریفیں، سنگی لاٹوں پر کیس کدہ بکھیرا؟ کوئی ایک شہر نہیں اُن کے نام پر آباد کیا گیا؟ کوئی ایک ملک بھی اُن کے نام پر بنا لی گئی؟ اسکندریہ کے نام پر اسکندریہ اور قسطنطنیہ کے نام پر قسطنطنیہ آباد ہو لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ایک باشت میں بھی پجاری نہیں تھی!

ہرگز نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خیالی اور فانی عظمتیں رکھنے والوں میں سے نہ تھے۔ اُن کی تاریخ لکھنے والوں کو اُن کی عظمت ان حقیر مظاہر عظمت میں تلاش نہیں کرنی چاہئے، اگرچہ دنیا ابھی مظاہر پر مری لپٹی ہو۔

جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا جوا ہو، اُسے اُن کی عظمت صرف ایک کلمہ میں بل سکتی ہو جو وہ لائے تھے۔ اُسی کلمہ میں اُن کی پوری عظمت قائم ہو۔ اُسی کلمہ کے دس بارہ حرفوں کے اندر ان کی عظمت باقی دسر داسط اور اٹل ہو۔

وہ کلمہ کیا ہو؟

”لا الہ الا اللہ“

حالتِ جانی میں بھی عظمت ہو۔ عظیم قدر و قامت کے انسانوں کا سوا ہمیشہ انسانوں کا سر جھکا گیا ہو! اسی طرح ہر فن اور ہر صنعت میں عظمت ہو، اور اپنے مقتدر اور پرستار رکھتی ہو۔

شاید کوئی بھی اس ہم اور مضطرب مہموم کی تحدید نہیں کر سکتا جس کا نام لوگوں نے ”عظمت“ رکھ چھوڑا ہو۔ لیکن اس پر بھی وہ تعلیم سے دنیا کے لئے ایک برائیت نہ رہا ہو۔ ہر شخص اُسے غرض و غایت قرار دیتا ہو۔ اُس کے لئے جدوجہد کرنا ہو، اُسے انسانوں کے مراتب تولنے کی میزان بچھنا ہو۔

اگر عظمت کا فتنہ اور مظاہر کی عبادت موجود نہ ہوتی تو انبیاء و کرام کے ذکر پر کسی کے لئے دُوان ہوتا کہ انھیں عظیم قرار دینے کی بحث کرے اس لئے کہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہو کہ انسانی عظمت کی عام صفوں میں ان کی جگہ ڈھونڈنا جائے۔ یہ صفیں جہانی کبریا کی دھوکوں اور آدمیوں کی ضلالت اندیشوں سے اہل دور و پست ہو چکی ہیں کہ انسانی عظمت اعلیٰ کے مظاہر علو و رفعت کے لئے ان کی طرف نظر بھی نہیں اٹھائی جاسکتی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام رفعت اور بھی بلند ہے۔ اس ذاتِ عظم و اکمل نے اس کے سوا کچھ قبول ہی نہیں کیا کہ تمام انسان، کبھی کے دانوں کی طرح بالکل برابر ہو جائیں۔ نہ عربی کو عجمی پر، اور عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز ہو۔ اُسے نہ دیا، اب آدمی ہم رہے ہیں برب آدم کی اولاد ہیں، اور آدم علی کا پوتا تھا۔ اُسے قبل نہیں کیا کہ انسان میں دُومست ہوں: عظیم اور غیر عظیم۔ اُس کی نظر میں خوش حال اور بد حال، فقیر اور بادشاہ، سب برابر درجہ کے آدمی تھے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُسی عظمت پر ایمان نہیں رکھتے تھے جس کے فتنے دنیا کو مفتوں بنا رکھا ہو۔ یہ عظمت، و حقیقت بلند و بالا کے لئے ذلت اور رب العالمین کی جناب میں شرک ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ

دنیا، قدیم سے عظیم انسانوں کی عظمت پر ایمان لائے ہوئے ہو۔ اپنے خیال کے مطابق مظاہر عظمت کی گونا گوں عبادتیں کرتی ہو لیکن ظاہر عظمت کا تخیل حدود و متباہن ہو۔ ایک تخیل دوسرے تخیل سے شہرت نہیں لکتا۔ ہر فرد اور ہر گروہ اپنا اپنا ذوق اور اپنی اپنی نظر رکھتا ہو۔ دکل حزب بالہدیم فرعون!

حکمرانی و فرازدائی میں عظمت ہو۔ بادشاہ و حکام اُس پر ایمان لائے ہیں۔ حرمیں اور طامع اُس کی عبادت کرتے ہیں! مال و دولت میں عظمت ہو۔ دولت مند اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ذل و داغ کے ساقط اُس کی پرستش کرتے ہیں!

اہل علم و حکمت کی بھی ایک عظمت ہو، اور اُس کے پجاری بھی ہو ہیں! حُسن میں بھی عظمت ہو اور اُس کے پرستاروں کی بھی کمی نہیں!

(بقیہ مضامین ص ۱۸)

منک ہو جاتے تھے۔ دُش بیجے دُش میں اگر بیٹھے تھے اور ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ایک یا دو بیجے دوپہر کا کھانا کھاتے تھے کبھی تنہا نہیں کھاتے تھے۔ دسترخوان پر ہمیشہ دوستوں کا مجمع رہتا تھا کھانا کے بعد ایک گھنٹہ باتیں کرتے تھے۔ پھر بیجے شام تک آرام کرتے تھے۔ پھر دُش آتے تھے اور ایک گھنٹہ کام کر کے تفریح کر لیتے تھے۔ تفریح میں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت صرف نہیں کرتے تھے۔ واپسی پر پھر مطالعہ کرتے تھے۔ ۹ بجے رات کا کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کے بعد پھر باتیں شروع ہو جاتی تھیں۔ لیکن یہ مجلس ایک گھنٹہ سے زیادہ دراز نہیں ہوتی تھی۔ دُش بیجے کے قریب چار بائی پر چلے جاتے تھے، اور مطالعہ کرتے کرتے سو جاتے تھے۔ عموماً ہم گھنٹے سے زیادہ نہیں کھاتے تھے۔



سعدی پاشا ز غلوں کے اقوال

”حمایتہ“

”انگریز کہتے ہیں تم ہماری غلامی میں نہیں، ہماری حمایت دے رہے ہو۔ یہ الفاظ وہ اس لئے بولتے ہیں کہ ان کے خیال میں مصری غلوں سے خوش تھے تھے اور معاشی پر غور نہیں کرتے۔ لیکن یہ ان کا خیال غلط ہو۔ اب ہم معاشی دیکھتے ہیں، الفاظ کی پردہ انہیں کرتے۔ ہم ان کا دل اور کابل آزادی چاہتے ہیں، اگرچہ تم اس کا نام غلامی ہی رکھ دو۔ ہم الفاظ کے بھاری نہیں ہیں۔ ہم معاشی کے طلبگار ہیں۔ ہمیں ضرورتاً کابل آزادی مطلوب ہے۔“

طامس کا نامہ بنگار

”حضرات! آپ لندن ٹائمز کو جانتے ہیں؟ انگریزی حکومت کی زبان۔ گراہی پھیلانے کا آلہ۔ لندن ٹائمز کا نامہ بنگار میرے پاس آیا اور کہنے لگا:

”آخر یہ تمام شور و غل کیوں ہو؟ آپ کیا جانتے ہیں؟“

”کچھ نہیں صرف آزادی“ میرا جواب تھا۔

”لیکن تمہارا آزادی ہی؟“ نامہ بنگار نے کہا۔

”کیا انگلستان ایسی قسم کی آزادی اپنے لئے پسند کرے گی؟“ نے سوال کیا۔

”آپ لاڈ کر زن سے کیوں گفت و شنید منظور نہیں کرتے؟“ اُس نے پوچھا۔

”ہم شیطان سے بھی گفت و شنید کرنے پر آمادہ ہیں؟ میں نے کہا: ”بشرطیکہ وہ ہماری آزادی تسلیم کر کے گفتگو کرے۔“

یہ سن کر نامہ بنگار نے رخصت کی اجازت چاہی!

طالب علموں کی خطاب

”غریبان! میں اپنے پورے شروع و ختم کے ساتھ ان پاک و کرام کا سلام قبول کرتا ہوں جنہوں نے اپنے خون سے مستقبل تحریر کر دیا ہے۔ میں پورے سرور و انبساط سے زندوں کا سلام قبول کرتا ہوں۔ اپنے ان فرزندوں کا جو موجودہ تحریک کا ستون ہیں۔ وہ کون ہیں عزیزو! وہ تم ہو، تم جو نوجوان ہو، ملک کی زندہ روح ہو، تحریک بغض ہو۔“

”میں پورے سکون سے یہ عزت قبول کرتا ہوں کہ ایک ایسی قوم کا سردار بنوں جو چوپایوں کی زندگی بسر کرنے سے انکار کرتی ہے۔ میں دبا دبی پر زندہ ہو۔ اشخاص کی پوجا ہی نہیں ہو۔“

”مجھے فخر ہے کہ ایک ایسی قوم کا سردار ہوں جو زندہ، حساس اور پرامید ہو جس کی امیدوں کا مرکز، آزادی، کابل آزادی ہو۔“

”میں تم سے عہد کرتا ہوں، ایسا عہد جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا، کہ اپنی پوری زندگی تمہارے لئے کابل آزادی کی کوشش میں صرف کر دوں گا۔ اگر کامیاب ہوا، تو سبحان اللہ، ورنہ تم میرا تمام کام پورا کرنا یہ میری وصیت ہے۔“

”تمہاری جینی فوج کے سپہ سالار کے لئے دوا نہیں لکھ رہا ہوں، صغیف الارواح ہو، بددیانت ہو۔ ہم پر حرام ہو کہ ایسی بات قبول کریں جس میں تمہاری ذلت ہو۔ ہمارے لئے جرم ہے کہ ایسی بات غلط کریں جو کابل آزادی سے کم درجہ ہے۔“

جلاد وطنی

”زغلول جلا وطن کر دیا گیا، حالانکہ زغلول، مصری قوم کا محفل ایک فرد ہے۔ تہمیر میں لاکھوں زغلول موجود ہیں، اور زغلول کی طرح آزادی

موت دہی تعلیم انسانیت کے سامنے آنے کی جرأت کرے گی جو کابل آزادی کی حقیقی اور بے میل تعلیم ہوگی!

حق و باطل کا فیصلہ نہ ملیسیوں کی تلواریں کر سکیں بجاہرین کی شمشیریں۔ حق و باطل کا فیصلہ نہ پا دیوں کے کارخانوں سے ہوتا ہو، نہ پیشوایان دین کے خود ساختہ دعویٰ اور مرعوب کن دلیلوں سے۔ نام نہاد علم و دانش کی روشن خیالیاں، اور مقدس جمود و تقلید کی راسخ الاعتقادات! یہ تمام چیزیں گمراہی کے نمونے زیادہ ہیں ہیں جو علم حق کے نور کے دیکھتے ہی فنا ہو جائے گا۔ محض ایک غوغا ہو۔ علم حق کا سبب انفرجندہ ہوتے ہی، سکون موت میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس وقت عقل صادق کا سلطان عظیم، نورانی تاج علم سر پر کھڑے ہوئے کہ جلال ربانی کے ساتھ نمودار ہوگا، اور جہل طلوت کے تمام بت سرنگوں ہو جائیں گے!

کلمہ لا الہ الا اللہ کی کابل فتحی میں صرف اتنی ہی دیر باقی ہو کہ علم و عقل حق کے بندہ بن لوں، اور یہ دونوں جبرتی قوتیں جہل و غرور کی چٹائیں پاش پاش کر کے پھینک دیں۔

ہاں، صرف اتنی ہی دیر باقی ہو۔ کیونکہ دنیا کی آنکھوں کی ریت تک جہل و دہم کے کثیف پرے پڑے ہیں۔

ہاں۔ وہ مبارک دن ضرور آئے والا ہے جب تمنا علم و عقل حق کی فرازدانی ہو جائے گی۔ علم و عقل حق کی آواز کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دے گی۔ اُس دن، صرف اُسی دن، خدا حق و باطل میں فیصلہ کرے گا۔ طیب کو وضعت سے الگ کرے گا۔ سچائی کا بول بالا ہوگا۔ منکروں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اُس دن کلمہ لا الہ الا اللہ زمین کی خشکیوں اور تریوں پر سر بلند چلے گا۔ فحش کا نشان اُس کے آگے ہوگا۔ ایک طرف سے اُس کا عرش علم کے کاغذ پر ہوگا، دوسری طرف سے عقل و دوش بردار ہوگی۔ اُس دن سارا جہان بابتگ دل تھاڑے گا۔ لا الہ الا اللہ!

ہر عظمت زائل ہو جانے والی ہو۔ عظیم، ہلاکت کی تاریکیوں میں گم ہو جانے والا ہو۔ مگر کلمہ لا الہ الا اللہ ہمیشہ باقی رہے والا ہو۔ دہی اس جہان فانی کی تنہا ابدیت ہو۔ وہ نہ تو کبھی زائل ہوگا نہ کبھی ہلاک ہوگا۔ وہ ایک ایسی عظمت ہے جس کی بنیاد، حق ہے، لہذا اُن میں حق کی قوت اور ثبات ہے۔ وہ ایک ایسی عظمت ہے جس کا ستون، الوہیت ہے، لہذا اُسے الوہیت کا غلور و ابدیت حاصل ہو۔ زمین بدل جائے گی۔ آسمان بدل جائے گا۔ نظام کون بدل جائے گا۔ تمام ایجادیں فراخوش ہو جائیں گی۔ تمام قوتیں نابود ہو جائیں گی۔ تمام فلسفے مٹ جائیں گے۔ تمام دانیائیں غائب ہو جائیں گی۔ صرف ایک رب ذو الجلال والاکرام باقی رہ جائے گا۔ اُس کی ابدیت باقی رہ جائے گی۔ اور اس لئے کلمہ لا الہ الا اللہ ہمیشہ باقی رہ جائے گا! اُس دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پورا ہو جائے گا۔ تمام مخلوق صدق دلی سے گواہی دے گی۔ ”اشھد ان محمد رسول اللہ“

م کی راہیں مصائب برداشت کر سکتے ہیں۔ مگر تحریک آزادی کچلنے کے لئے ایک زغلول کو نہیں، تمام مصریوں کو جلا وطن کر دینا چاہیے۔

مقصود آزادی

”کہتے ہیں یہ معاہدہ، مصر کی کابل آزادی کا معاہدہ ہے۔ اگر میں بھی اس معاہدہ کو کابل آزادی کا معاہدہ کہہ دوں، تو بھی برطانیہ کی نظریں مجھ پر جاؤں اور برطانی اخبار کل ہی سے فخر سے لکھا کرتے ہیں کہ ”دیں“ ”زندہ با دستہ“ لیکن میں غلامی کو آزادی نہیں کہہ سکتا۔ یا تو میں مجنون ہوں کہ آزادی کو غلامی کہتا ہوں، یا مجنون کہہ سکتا ہوں کہ آزادی کہتے ہیں لیکن میں مجنون نہیں ہوں! کیونکہ تم کہتے ہو میں مجنون ہوں! (دقت ہے)“

ال دولت کی عظمت، جاہ و عزت کی عظمت، حکومت سلطنت کی عظمت، علوم و فنون کی عظمت، طرح اور ہر نوع کی دنیوی اعزاز کی عظمت، ان میں سے کوئی عظمت بھی، بلکہ یہ تمام عظمتیں بے رحمی، اُس عظمت کو نہیں پہنچ سکتیں، جو لا الہ الا اللہ میں پنہاں ہے!

دنیا کے تمام قارون، تمام سکندر، تمام ارسطو، دینکے تمام پادشاہ، تمام فلاسفہ، کیا وقت رکھتے ہیں، جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے کلمہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کیا جائے؟

یہ ایک طرز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں، جہل و غلوں سے بڑھ کر عظیم تھا۔ اُس کی عظمت کے آگے دنیا اور دنیا کے تمام مفرخات و تسخات ہیچ تھے!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس دنیا میں گئے اور یہ کلمہ اُس کے سامنے پیش کیا۔ مگر دنیا اُس کی قدر جان نہ سکی۔ صرف ایک کلمہ تھا۔ لیکن وہ ایک ہی کلمہ، دینا سے نکریا، اور اُس میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ سو قوت کے انسانی آداب و عادات اُس کے تحمل نہ ہوئے۔ لہذا آداب عادات کے پرستار اُس سے لڑنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اہام و ذرات نے اُسے قبول نہ کیا۔ لہذا اہام و ذرات کے بجاہر اُس سے دست بردار ہو گئے۔ علم و استدلال کی طبیعت نے اُس سے کراہت کی لہذا علم و استدلال کے طاغوت اپنی جہل و قوت کے اُس پر دوڑ پڑے۔ صرف یہی ایک کلمہ تھا جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی۔ اُس کی قوت سے بادشاہوں کے جہتوں، دولتمندوں کے جہتوں، عوام و خواص کے جہتوں۔ تمام انسانوں کے جہتوں سے جنگ کی!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے چلے گئے۔ لیکن اُن کا کلمہ دنیا میں باقی رہ گیا اور دنیا میں اپنی ناممکن تسخیر قوت کا ہر وہ اپنا راستہ بنا رہا! وہ اب بھی باقی ہے۔ اب بھی کام زدن ہے۔ اب بھی مسند و مقابلہ ہے۔ اب بھی جنگ سے متاثر ہونے والا نہیں۔ مگر کسی جنگ، ایسی جنگ، جس میں اُسے آجک کبھی شکست نہیں ہوئی! جہم و آلات کی جنگ نہیں حقیقت و حقی کی جنگ! خون کی آواز و منہ جنگ میں زندگ کی کارفرما جنگ!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا کلمہ لا الہ الا اللہ، دو حالتوں پر غامی نہیں: یا تو اُن کا یہ کلمہ حق ہوگا یا باطل ہوگا۔

اگر یہ کلمہ باطل ہے۔ حالانکہ وہ باطل نہیں ہے۔ تو عالم جو ہے اُسی طرح جو ہو جائے گا جس طرح تمام باطل کلمے اور غلط نظریے مٹ ہو گئے۔ علم حق اور عقل صادق کی روشنیوں کے سامنے سے اُسی طرح غائب ہو جائے گا۔ جس طرح طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ظلمت کا نور ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر وہ حق ہے۔ حالانکہ وہ حق ہے۔ تو علم و عقل حق کے انوار اُس کے لئے اس نیاں اور بھی زیادہ کشادہ راستے کھول دیں گے۔ تاکہ وہ تمام جہان پر چھا جائے۔ مشرق و مغرب پر قبضہ کر لے۔ تمام دلوں میں اُتر جائے۔ کالے، گویے، عرب، عجم، عالم جاہل، امر از فقر اس اُس کے سامنے سرنگوں ہو جائیں! وہ دن ضرور آئے والا ہے جب صرف علم حق ہی کی سلطنت ہوگی

جاہلوں کی جہالت، متعصبوں کا تعصب، دہم پر سنوں کے اہام و عیان علم باطل کے ظنون، سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ وہ دن ضرور آئے والا ہے جب ایک عقل صادق و حقیقت اندیش ہی کی حکومت ہوگی۔ عقل انسانی تمام بندہوں سے آزاد ہو جائے گی اُس کی برحلال تحت، علم حق کی روشنی میں بچے گا۔ اُس دن حق باطل سے الگ ہو جائے گا۔ طیب اور ضعیف میں اشتباہ باقی نہیں ہوگا

جامع الشواہد طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۷۷ء میں جتنے نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دے دیئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ ۱۲۰ (دینچرالہلال) کلکٹ

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ اس وقت

دنیا کا بہترین فائنٹن قلم
امریکن کارخانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“ قلم ہے؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ نکالتا
پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں
ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی
بھر کام دے سکتا ہے

(۳) آتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سُتری
بیل بوٹوں سے مزین کہ آتنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں
کم از کم تجھے کیجیے
یاد رکھے

جب آپ کسی دوکان سے قلم لیں تو آپ کی
”شیفر“ کا

”لائف ٹائم“

لینا

چاہئے!

حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں
صرف دس روپے میں
محمول لڑاک اور بیکنگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

قابل گولڈن سٹورینج ایسے ریگولر کالوچی شہر عالمی باہر میں سید



نئے نئے ڈیزائن کی خوشامیسی کل سولکس خوبصورت مضبوط دیکھنے میں خوبصورت چالاک لکھا
بلا ڈیٹا ہوتا ہے کی قیمت مت لکھ نہایت سہ بنا دیلی قیمت سہ ہنگامہ مضبوط اہم کا تھا۔
ہر سوپ سات ماہ یکا شاد ہو ہین ہاگروپ آٹھ گئے رہا ہر سوپ سات قیمت دھڑلے
محمول لڑاک بیکنگ ہن آٹھ گئے ہن آٹھ گئے ہن آٹھ گئے ہن آٹھ گئے ہن آٹھ گئے

یہ نہیں گولڈن لڑاک بیکنگ ہن آٹھ گئے ہن آٹھ گئے ہن آٹھ گئے ہن آٹھ گئے ہن آٹھ گئے
مال کی نکاسی اور نرم کی شہرت کی وجہ سے اور یہ عاید ہی وقت تک ہر کسی
جب تک یہ گولڈن لڑاک بیکنگ ہن آٹھ گئے ہن آٹھ گئے ہن آٹھ گئے ہن آٹھ گئے ہن آٹھ گئے
ہر سوپ سات ماہ یکا شاد ہو ہین ہاگروپ آٹھ گئے رہا ہر سوپ سات قیمت دھڑلے

نوٹ: ایک ہر گھر کے خلیہ کیلئے کوئی رعایت نہیں جو ان سے چھٹی قیمت مندرجہ
ہر سوپ سات ماہ یکا شاد ہو ہین ہاگروپ آٹھ گئے رہا ہر سوپ سات قیمت دھڑلے

ہر سوپ سات ماہ یکا شاد ہو ہین ہاگروپ آٹھ گئے رہا ہر سوپ سات قیمت دھڑلے

صرف ہندو دواخانہ کیلئے

موسم گرما کا نایا تحفہ

یاد رکھیے

شریت روح افزا ۱۹۳۳ (جبرط)

جتنی دواخانہ کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اس نامی ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر دلفریزی و خیریت مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک غیرتک شریعت حاصل کر چکا ہے اور جس کو چشم بہ (دریں) ہر معدودہ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کرالیا گیا ہے۔

محرم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے تعارف کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل و پیچیدہ شتافہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسے وسیع براعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و زرخیز بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔ ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے تو الکات مثل انگور، سیب، زکتر و غیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب جو جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ نشنگی اور گہرا ہضم کو دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب، درد سرد و دوران سر، متلی و غیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سودا دی امراض کے لئے عموماً اندر گم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر الطور پر رنگ و لہریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی فتنہ مقصود نہیں بلکہ ہم خواہم تو اب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترغیب دینا مد نظر ہے۔ جس امید ہے کہ آپ بول دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ و غیر ہندوستان کی صنعت کا اُمیدوار ہونے والا درجہ کی ہر چیز دیکھی ہے۔ خوش ہو گئے امداد و جود اس قدر خوبیاں بھنے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (چھ) حکیموں اور عطاردوں کے علاوہ، ناجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں فی بوتل پونے دو روپے دیا جائے گا۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں بناتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہندو دواخانہ کا خوشنالیبل اور اس پر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح ہے کہ یہ شربت ہندو دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور ادلی صر ہندو دواخانہ دہلی سے ہی مل سکتا ہے۔ نہ صرف دواخانہ معہ جبری ۱۹۳۳ء کا رڈ اپنے پرنٹسٹل ہوگی۔

تارکا کافی پتہ ہندو، دہلی

پتہ - ہندو دواخانہ دہلی

اگر آپ

دُم
(ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی ٹھانسی کی شکایت سے
تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سوسپنڈیو دوا فروش کی دکان
سے فوراً ایکٹین

HIMROD
کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر
استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیات کرنا چاہتے ہیں تو
یاد رکھیے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنگام گائیڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں
ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، قصوں، قابل دیدہ مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو
مطلع کرے۔ نیز جس سودہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جنکی ایک

سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہو

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف

ڈنلاپ گائیڈ تو گریٹ برٹین

The Dunlop guide to great Britain

دو ڈسٹریکٹیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ٹریول ایجنٹوں کے ہاں مل سکتی ہے

گراپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سو گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور
جسے ملک معظم برطانیہ اور اُن کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہو رہا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے طبع

آپ ہمارے عظیم ذخیرے حاصل کر سکتے ہیں

سارے یہاں سے

ہر چھانکے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

الحق لا اله الا هو

بر ۱۶

جلد ۱

ابلاغ پر کلیتہ

قیمت

۵ - آنہ

۱۹۲۷

المعانی

جلد ۱

شماره ۱۶

ابلاغ پریکلیتہ

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۰ - ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۶

Calcutta : Friday, 7, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی
تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۳۰۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۱۹۷	اردو حروف کی حق میں	۳۷۵
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۳۷۴	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۲۸	نستعلیق ہون	۱۲۷

ان میں سے اکثر حضرات نئی اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر
کرینگے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال



علم الاجتماع

(۲)

(فرد کا اقتدار جماعت پر)

جماعت نے طویل تجربے سے معلوم کر لیا تھا کہ شکار اور جنگ میں رہی شخص اُس کا سردار ہونا چاہیے، جو اسلحہ کے استعمال میں مشاق اور جسمانی قوت میں اصلح ہو۔ یہ حال صرف انسانی جماعتوں ہی کا نہیں ہے۔ چیزیں بھی جب ایک اقلیم سے دوسری اقلیم کو جاتی ہیں، تو اپنی سرداری اور پیش قدمی کے لیے اپنا سب سے زیادہ قوی اور تیز نظر فرد منتخب کرتی ہیں۔ ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ چیزوں کے غول اپنے سردار کے پیچھے اڑتے ہوئے جاتے ہیں!

اپنی تکوین کے آغاز میں سلطنت کی بھی یہی صورت ہوئی۔ افریقہ، استریلیا، اور نیوزی لینڈ میں اب تک ایسے قبائل موجود ہیں جو یہ اجتماعی نظام پیش کر رہے ہیں۔ بعض قبائل ایسے بھی ہیں جن کا سردار دائمی نہیں ہوتا، عارضی طور پر منتخب کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ قبائل آسمان کا یہی حال ہے۔ اُن کا جب کوئی خاندان سفر یا جنگ کو جانے لگتا ہے تو اپنا سردار منتخب کر لیتا ہے۔ لیکن اس ضرورت کے ختم ہوتے ہی سردار کی سرداری بھی ختم ہو جاتی ہے، اور وہ باقی افراد کی طرح ایک فرد عام ہو جاتا ہے۔

جو جماعتیں جنگ و جدل سے دور ہیں، اُن میں فرد کا کوئی اقتدار نہیں ہوتا۔ چنانچہ قبائل دوجی میں کوئی بھی سردار نہیں ہے۔ تمام افراد بالکل مساویانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

یہی حال قبائل اسکیمو کا ہے۔ ان کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ ہے، مگر آج تک اُن میں کوئی سردار نہیں ہے۔ شروع شروع جب اُن کے سواحل پر یورپین جہاز پہنچے، تو انہیں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ بحری سپاہی اپنے افسروں کے اشاروں پر حرکت دیتے ہیں!

(حکومتوں کی تشکیل میں جنگ کا دخل)

ابتدائی حکومتوں کے وجود کا باعث صرف جنگ ہی نہ تھی۔ لیکن جو حکومتیں جنگی ضرورت سے قائم ہوتی ہیں، وہ فرد ہی کے ماتحت ہوتی ہیں۔ ابتدائی جنگوں کے تجارب نے انسانی جماعتوں کو یقین دلا دیا کہ نظام و ترتیب کی قوت، کثرت تعداد کی قوت سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ بہت سی جماعتیں محض اس لیے برباد ہو گئیں کہ اُن میں کوئی نظام موجود نہ تھا۔ انتشار و فوضویت عام تھی۔ چنانچہ بتدریج انسانوں نے نظام کے فوائد معلوم کیے اور منظم زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

جملہ مستبد حکومتوں کی پیدائش، جنگ ہی سے ہوئی ہے۔ شخصی حکمرانی کا باعث، جنگ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ قرونِ اولیٰ میں جب روم کے لیے ایک بڑا جنگی خطرہ پیش آیا، تو قہری حکومت (ڈیکٹیوشپ) قائم ہو گئی۔ لیکن اُس کے دفع ہوتے ہی مینسناسس، جو اس حکومت کا حاکم تھا، اپنے کہیت میں ہل چلانے واپس چلا گیا۔ تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ زیادہ سے زیادہ حریت پسند قوموں میں بھی جنگوں نے ایسے آدمی پیدا کر دیے، جو شروع میں حامی حریت معلوم ہوتے تھے مگر جنگی ضرورتوں نے انہیں مستبد حاکم بنا دیا۔

جنگی قومیں — اپنے جغرافیائی موقعہ کے لحاظ سے — استبدادی طرز حکومت ہی پر برقرار رہیں۔ اسی طرح تمام وسیع ممالک، جن پر دشمنوں کے حملے ہوتے رہے یا جن میں اندرونی شورشیں زیادہ برپا ہوتی رہیں، اُن کی حکومتیں لازمی طور پر استبدادی رہی ہیں۔ برخلاف ان کے چھوٹے چھوٹے اور چار طرف پہاڑوں سے محفوظ ملکوں کی حکومتیں جمہوری ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ قدیم زمانے میں یونان اور موجودہ زمانے میں سوئٹزر لینڈ اُن ممالک کی مثال ہیں جو استبداد سے یک قلم نا آشنا ہیں۔ لیکن قوم ترکمان — بدویت کی حالت میں — شخصی استبداد کی طرف مائل رہی ہے۔

(حکومتوں کی تشکیل میں صناعت کا دخل)

صناعت، اگرچہ براہ راست حکومتوں کی تکوین کا باعث نہیں ہے، لیکن جنگ کے بعد وہ بھی اُن کی تشکیل میں بڑا دخل رکھتی ہے۔ کیونکہ صناعت، دولت مند کی اولین سبب ہے اور اس لیے باشندوں میں فرق مراتب کا موجب ہے۔

ابتدائی انسان نے جو ہی آلات کو ترقی دی، مختلف قسم کی صنعتیں ظاہر ہونے لگیں۔ صناعات اور کاشتکاروں نے غیر معمولی محنت کے ذریعہ اتنی پیداوار مہیا کر لی جو اُن کی ضرورت سے زیادہ تھی۔ چنانچہ اُس کی فروخت اور مبادلہ سے انہیں کافی دولت حاصل ہو گئی۔ اس دولت سے انہوں نے دوسروں سے زیادہ رسوخ حاصل کر لیا اور اپنے لیے خاص خاص صنعتیں اور پیشے خاص کر لیے۔

ان مالداروں کو بہت جلد ضرورت محسوس ہوئی کہ حریص و طماع غریبوں سے اپنی دولت محفوظ رکھنے کی تدابیر اختیار کریں۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لیے قانون و نظام بنائے۔ یا دوسرے لفظوں میں ملک کے لیے حکومت کی بنیاد رکھی اور اُسکی خاص شکل تجویز کی۔

اس قسم کی حکومتیں، جو صناعات اور تاجروں کے ہاتھوں ظاہر ہوئیں، قدرتی طور پر اُن حکومتوں سے مختلف مزاج رکھتی تھیں، جنہیں جنگوں نے پیدا کیا تھا۔ کیونکہ اول الذکر میں کامل شخصی اقتدار قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ صناعات اور تاجروں کی جماعت کو بھی رسوخ حاصل تھا۔ اس قسم کی حکومتوں کی مثال قدیم زمانے میں رینس اور رلنک کی حکومتیں تھیں۔ یہ حکومتیں جنگی حکومتوں سے بہت سی باتوں میں مختلف ہوتی ہیں۔

مختارات

عورت کی طاقت

عورت، ہیئت اجتماعیہ کی بنائے والی ہے۔ پوری ہیئت اجتماعیہ، عورت کے قبضہ اختیار میں ہے۔ سب کچھ اسی کی مدد سے اور اسی کیلئے ہوتا ہے۔ عورت، مرد کی سب سے بڑی مربی و معلم ہے۔ وہ عورت ہی ہے جو مرد کو اعلیٰ اخلاق، پسندیدہ آداب، اور رفیق احساس سکھاتی ہے۔ عورت بعض مردوں کو لطف معاشرت کی تعلیم دیتی اور سب کو سخت مزاجی سے باز رکھتی ہے۔ عورت ہی کے ذریعہ مرد کو معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی اجتماعی زندگی کیسے نازک اور پر پیچ عناصر و اجزاء سے مرکب ہے۔ عورت کے قریب ہونے ہی سے ہم محسوس کرتے ہیں کہ جذبات کا طوفان اور ایمان کا دھارا اتنا زبردست ہے کہ اُسے روکا نہیں جا سکتا، اور یہ کہ انسان اپنی عقل کے بل بوتے پر نہیں چل رہا ہے۔

(انٹول فرانس)

علماء کی خوش مزاجی

عام طور پر مشہور ہے کہ علماء و فضلاء خشک مزاج ہوتے ہیں۔ شب و روز خشک، مباحث میں غور و فکر کرنے کی وجہ سے خشک دماغ ہو جاتے ہیں۔ یہ چیز اس قدر مشہور ہوئی کہ عام اور خوش مزاجی کو بڑی حد تک متضاد خیال کیا جانے لگا۔ بہت سے مدعیان علم مصنوعی خشک مزاجی کی عادت ڈال کر دنیا کو اپنی علمیت منوانے لگے۔ حالانکہ عام اور بشاشت میں ہرگز کوئی تضاد نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہنس مکھ آدمی بھی بڑے سے بڑا عالم ہو سکتا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ نمایاں مثال جاپان میں موجود ہے۔ یہاں کے علماء فن عموماً بڑے خوش مزاج ہوتے ہیں۔ حال میں مشہور جاپانی عالم، ڈاکٹر ”میورا“ امریکا گیا تھا۔ وہاں کے لوگ اُس کی ہنسی اور خوش طبعی دیکھ کر متعجب ہو گئے۔

بادشاہوں کو ہدیہ

بادشاہوں کے لیے ایک مصیبت ہدیہ بھی ہیں جو انہیں بہت بڑی مقدار میں ہمیشہ پہنچتے رہتے ہیں۔ ایڈورڈ ہفتم کے پاس سیکڑوں صندوق، سیگرت، نک ٹائی، دستانوں، جوتوں، اور چھڑیوں سے لبریز بطور ہدیہ کے آیا کرتے تھے۔ وہ ہدیہ بہت کم قبول کرتے اور اکثر واپس کر دیا کرتے۔ تاہم بعض نادر چیزیں لے بھی لیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے امریکا سے پاؤ بھر وزن کا ایک آلو بھیجا تھا۔ اُسے بادشاہ نے قبول کر لیا۔ اسی طرح ایک قدیم مصری شاہزادی کا ممی کیا ہوا ہاتھ بھی منظور کر لیا تھا، اور اُس سے میز پر کاغذ دبانے کا کام لیا کرتے تھے!

یہی حال سابق قیصر جرمنی کا تھا۔ ایک شخص نے افریقا کے سب سے بلند پہاڑ ”کیلیمنا نگار“ کی چوٹی پر سے ایک پتھر کاٹ کر ہدیہ بھیجا تھا۔ اسے قبول کر لیا۔ نیز ایک بڑھیا کا سر مارک کا نوٹ بھی منظور کر لیا تھا۔ اس عورت نے دربان کے ہاتھ شہنشاہ کو ایک لفافہ بھیجا جس میں اس بنک نوٹ کے علاوہ ایک خط تھا: ”کل میں نے آپ کو فرج کی قواعد ملاحظہ کرتے وقت سردی سے کانپتے دیکھا۔ یہ سر مارک کا نوٹ قبول کیجیے اور اس سے اونی بلیائن خرید لیجیے“

ضروری ہے کہ اُس میں بھی بعض افراد، قوم کی مدافعت کی ذمہ داری لیں، بعض عالم مصالح انجام دیں... اس تقسیم عمل اور تعارن کی غایت یہ ہوتی ہے کہ مجموعہ یعنی جماعت، قائم و محفوظ رہے۔ ہر عضو، دوسرے اعضاء کے مقابلے میں بیک وقت، واسطہ اور غایت ہوتا ہے۔ چنانچہ مثلاً کاشتکار حاکم کا خدمت گزار ہوتا ہے، اور حاکم، کاشتکار کا خادم ہوتا ہے۔ اسی طرح جماعت کا ہر فرد، دوسرے افراد کا معارف و مدد کار ہوجاتا ہے۔

یہ اعمال اپنی مجموعی حیثیت سے دائرہ حیات میں متعدد حلقوں کا حکم رکھتے ہیں۔ تمام اقوام اور قبائل، انسانی مجموعہ میں ایسے ہی دائرے بنائے چلے جاتے ہیں۔

(سلطنت میں نظام حیات)

اسپنسر نے کائنات حیہ کی بحث میں بتایا ہے کہ جسم حی میں تین بڑے نظام، تین بڑے وظائف انجام دیتے ہیں:

نظام ہضمی، مجموعہ عصبی، نظام تنفس۔

یہی حال سلطنت کا ہے۔ ایک فریق مجموعہ کے لیے اُس کی غذا مہیا کرتا ہے۔ دوسرا فریق سلطنت کا انتظام سنبھالتا ہے۔ تیسرا فریق — اور وہ درمیانی فریق ہے — زمین کی پیداوار تقسیم کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے تاکہ باقی جماعت اُسے اپنے کام میں لائے۔

یہ عمل، جسم انسانی میں دوران خون کے نظام سے بہت مشابہہ ہے۔ سلطنت میں زراعت، حکومت، تجارت، تین اعضاء ہیں اور ان اعضاء ثلاثہ کے قائم مقام ہیں جو حیۃ حیوانی قائم رکھتے ہیں۔

یہاں پر ایک سوال قابل لحاظ ہے۔ ہمیں اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ”کیا سلطنت ان اعضاء کے وجود کے بعد ہی موجود ہوجاتی ہے؟ — گھڑی کا آلہ یا جہاز کا آلہ، کائنات حیہ کے مشابہہ ہے۔ چنانچہ وہ بھی دوسرے اجسام حیہ کی طرح مختلف اعضاء سے مرکب ہے۔ اس کے اعضاء میں بھی تقسیم عمل ہے اور اپنے اعمال کی انجام دہی میں تعارن رکھتے ہیں۔ یہ آلات، زندہ اجسام سے اس قدر مشابہہ ہیں کہ وحشی انسان انہیں سچے مچ زندہ وجود ہی سمجھ لیتے ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر جاندار آلے اور بے جان آلے میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے؟“

اس سوال کا جواب لائیٹس نے یہ دیا ہے کہ ”لکڑی یا لڑھ کا متحرک آلہ، فی نفسہ کوئی ضرورت نہیں رکھتا۔ برخلاف اس کے ہر زندہ وجود ضرورت اور مستقل زندگی رکھتا ہے۔ ہر عالم حی، ہزاروں زندہ عوالم کا مجموعہ ہے“

ویرخوف اور کلدو برنڈ نے ثابت کیا ہے کہ ہر حیوان اپنے سے بہت زیادہ چھوٹے اور پست بے شمار حیوانات سے مرکب ہوتا ہے۔ ہمارے جسموں کے اندر بہت سی ذی روح کائنات موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مستقل زندگی رکھتی ہے۔ ان کائنات کی زندگی ہمارے ہی خون سے ہے۔ یہ کائنات، مختلف قابلیتیں، خواہشیں، امراض، اور حرکات رکھتی ہیں۔ اگر ہم کسی کیڑے کے در تکرے کر دیں تو بھی اُس کا ہر تکرہ زندہ رہے گا۔ بلاشبہ ترقی یافتہ حیوانوں کی یہ حالت نہیں ہے۔ لیکن ان حیوانات کے بھی بعض اجزاء — مثلاً ناخن اور بال — جسم کی موت کے بعد زندہ رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان کے ناخن اور بالوں کا بڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں زندگی موجود رہتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے کہ کئی چوہوں کی دمیں اگر ایک چوہے کے جسم میں لگا دی جائیں، تو ان تمام دمیں میں بھی زندگی پیدا ہو جائیگی۔



ایک قدیم مرقع

خلیفہ ہارون الرشید اور فرانسیسی سفارت

عرصہ ہوا، زمانہ حال کے مشہور مصری مصنف جرجی زیدان موسس الہلال قاہرہ نے اپنی سیاحت یورپ کی یادداشتیں شائع کرتے ہوئے لکھا تھا ”سورین یونیورسٹی میں ایک قدیم مرقع میروئی نظر سے گزرا۔ اس میں اس فرانسیسی سفارت کا خلیفہ

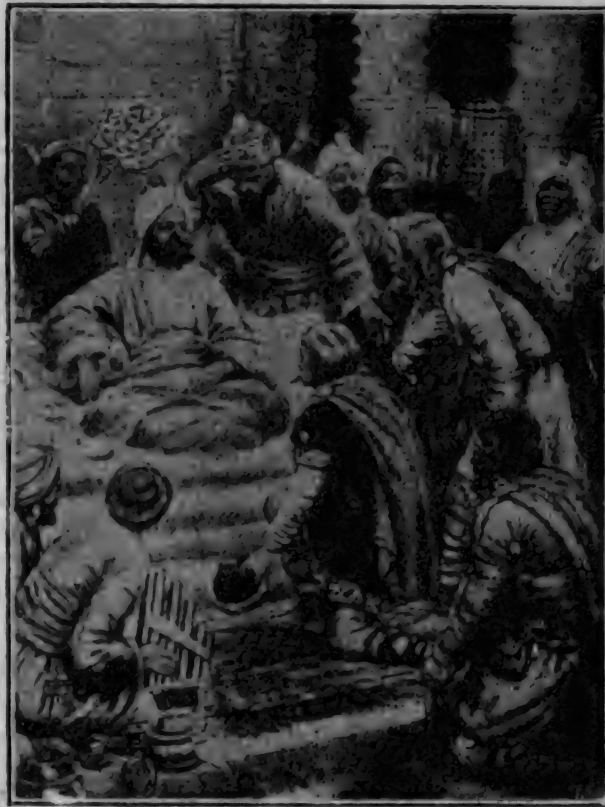
ہارون الرشید کے دربار میں زرد دکھلایا گیا ہے جو شارلیمین اول نے بغداد بھیجی تھی، اور جس کے جواب میں ہارون الرشید نے وہ عجیب و غریب گہڑی ارسال کی تھی جس کا تمام یورپ میں عرصہ تک شہرہ رہا“

جرجی زیدان نے اس مرقع کا عکس شائع کر دیا تھا۔ اس مرقع میں ہارون الرشید ایک بلند مسند پر جو تو بر تو گدیوں سے بٹائی گئی ہے، بیٹھا ہے۔ سر پر خود کی وضع کی قلنسوہ ہے اور اس پر عمامہ بندھا ہے۔ حبشی غلام عقب میں کھڑے ہیں اور فرانسیسی سفارت کے ارکان زمین بوس ہو رہے ہیں۔

مجھے اس مرقع سے بہت دلچسپی ہوئی لیکن اسکی تاریخ قدامت کی

کوئی تصریح نہیں کی گئی تھی۔ میں نے خیال کیا، بہت ممکن ہے زمانہ حال کے کسی مصور نے واقعہ سفارت کے تخیل کو مرقع کی صورت دیدی ہو، یا کسی تاریخی کتاب کی ان کے لیے طیار کیا گیا ہو۔ میں چاہتا تھا، اس بارے میں مزید معلومات حاصل کیے جائیں۔ کیونکہ مجھے اپنی ایک زیر تحریر کتاب کے لیے اس طرح کے تمام مواد کی ضرورت تھی۔

گذشتہ سال ایک تقریب سے مجھے موقع ملا کہ موسیو بلوشر سے خط و کتابت کروں۔ یہ فرانس کے مشہور فارسی داں متشرق ہیں اور کچھ عرصہ سے پیرس کے قومی کتب خانہ کے فارسی حصہ کی از سر نو تحقیقات کر رہے ہیں۔ میں نے اس مرقع کی نسبت ان سے دریافت کیا۔ ان کا جواب حسب ذیل تھا:



”جس مرقع کا آپ ذکر کیا ہے (یعنی سورین یونیورسٹی کا) وہ اصل نہیں ہے۔ اصلی مرقع کی نقل ہے۔ اصلی مرقع اس کتب خانہ میں (نیشنل لائبریری پیرس) میں محفوظ ہے۔ یہ مشکل ہے کہ اس کی صحیح تاریخ معین کی جاسکے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ سولہویں صدی میں یہ مرقع موجود تھا۔ کیونکہ سنہ ۱۵۸۹ء میں جب ہینرک Heinrich نے اپنا مجموعہ تاریخ عرب نیپلز میں شائع کیا ہے، تو اس میں یہ مرقع بھی درج کیا گیا تھا۔ مرقع کے نیچے یہ عبارت لکھی گئی تھی ”بغداد کے خلیفہ کے دربار میں شارلیمین کی سفارت — اس مرقع کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شارلیمین کے حکم سے طیار کیا گیا تھا“ مرقع کا جو نسخہ بطور اصل کے اس وقت محفوظ ہے، غالباً وہ بھی اصل نہیں ہے۔ کسی دوسرے نسخہ کی نقل ہے۔ کیونکہ اس میں بعض خاص طرح کے رنگ استعمال کیے گئے ہیں، اور ان رنگوں کا استعمال سولہویں صدی کے بعد شروع ہوا ہے۔ * * * * *

* * * * * سولہویں اور سترہویں صدی میں یہ مرقع منجمدہ ان تصاویر کے تھا، جن سے فرانس کے شاہی قصر آراستہ کیے جاتے تھے۔ قصر تولیری کے لیے یہ مرقع اوان استقبال کی ان تصویروں کی قدر و قامت کے مطابق طیار کیا گیا تھا، جو اسکی دھنی اور بانیں دیواروں پر قدم آدم جتنی ترتیب دی

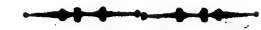
گئی تھیں۔ میں اگرچہ یہ کہنے کے لیے کافی تاریخی تصریحات نہیں پاتا کہ یہ مرقع اصلی ہے، تاہم اس کی تاریخی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کم از کم یہ بات بالکل صاف ہے کہ خرد شارلیمین کے عہد کا ہوا یا نہ ہو، لیکن سولہویں صدی سے پیشتر کا رائج و مشہور مرقع ضرور ہے * * * * * ایک دوسرے واقعہ سے بھی اس مرقع کی تاریخی حیثیت کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہارون الرشید نے اس سفارت کے جواب میں فرانسیسی سفیروں کے ساتھ اپنے خاص سفراء بھی بھیجے تھے، اور ان کے ذریعہ بیت المقدس کی طلائی کنجیاں اور بہت سے قیمتی تحائف روانہ کیے تھے۔ انہی تحائف میں وہ اپنے عہد کی عجیب و غریب گہڑی بھی تھی جس کا ذکر اس عہد کے مورخ اے جی نارت Eginhart نے

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفیٰ فاضل پاشا

اور لائحہ اصلاحیہ

(اعلان حق اور امر بالمعروف کا ایک شاندار کارنامہ)



۱۹ ویں صدی کے وسط میں دولت عثمانیہ کی سیاسی و اجتماعی اصلاحات کی جو حرکت شروع ہوئی تھی، عام طور پر اس کی ابتدائی تخم ریزی مرحوم مدحت پاشا کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدحت پاشا اس روح تجدید کا داعی اول نہ تھا۔ اسے منظم و وسیع کرنے والا تھا۔ ترکی اصلاح و تجدید کی اصلی تاریخ مصطفیٰ فاضل پاشا سے شروع ہوتی ہے۔ فی الحقیقت نوجوان ترکوں کی اجتماعی حرکت کا حقیقی مونس رہی تھا۔

(اصلاح کی ابتدائی فضا)

عثمانی دارالخلافہ میں جس شخص نے یورپ کے تمدنی انقلاب کا پہل پہل مطالعہ کیا، وہ مصطفیٰ رشید پاشا تھا۔ امراء دولت میں بھی پہلا شخص ہے جس نے یورپ کی زبانوں سے واقفیت حاصل کی۔ اس کی نشروں نما سلطان محمود مصلح کے عہد میں ہوئی تھی۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں جب سلطان مرصوف کا انتقال ہوا اور سلطان عبدالمجید تخت نشین ہوا، تو یہ لندن میں عثمانی سفیر تھا۔ سلطان عبدالمجید نے اس منصب سے ترقی دی اور وزارت خارجہ پر مامور کر دیا۔ یہ اسی شخص کی سعی کا نتیجہ تھا کہ اسی سال کے ماہ جون میں دولت عثمانیہ کی تنظیم و اصلاح کا وہ تاریخی فرمان صادر ہوا جو ”خط گل خانہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا نام ”گل خانہ“ اس لیے ہوا کہ سرے ”ترب قیو“ کے چمنستان (گل خانہ) میں اُس کا اعلان ہوا تھا۔ اس اعلان میں دولت کے قانونی اور منظم ہونے کا یقین دلایا گیا تھا۔ نیز مسلم اور

کیا ہے۔ اس عرب سفارت کے زرد استقبال کا ایک ایسا ہی مرقع فرانس میں موجود ہے جیسا یہ زیر بحث مرقع ہے۔ اس مرقع میں شارلیمیں کو اس کے دربار میں دکھایا گیا ہے اور عرب سفیر اس حالت میں نمایاں ہیں کہ اپنے تعائف پیش کر رہے ہیں۔ اس نے صاف طور پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واقعہ سفارت کے دنوں درباروں کی تصویریں بہ یک وقت طیار کی گئی تھیں۔ اور عجب نہیں خود شارلیمیں کے حکم سے طیار کی گئی ہوں۔ یہ دوسرا مرقع پیرس کی مشہور عمارت پانتھون Pantheon کی دیواروں پر اس وقت تک موجود ہے۔ یہاں شارلیمیں کے عہد کے مختلف مرقع دکھائے گئے ہیں، من جملہ ان کے عربی سفارت کا استقبال بھی ہے۔

اس مرقع کی نقل ہدیہ قارئین ہے۔

قومی کے حقوق کے مساوی ہونے اور ہر طرح کے غیر قانونی امتیازات کے منسوخ کر دینے کا اعلان تھا۔

مصطفیٰ رشید پاشا نے اپنے عہد وزارت میں تعلیمی و معاشرتی اصلاحات کی جو روح پیدا کی تھی، اُس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک قلیل جماعت نئے تعلیم یافتہ افراد کی پیدا ہو گئی۔ ان میں سب سے زیادہ نامور شخص دروہے: عالی پاشا اور فواد پاشا۔ دونوں نے صدارت و نظارت کے مناصب تک ترقی کی، اور اپنے عہد کے مشاہیر مدبرین میں شمار کیے گئے۔ سلطان عبدالمجید کے عہد کے تمام اجراءات اصلاحیہ کی باعث و کارفرما شخصیتیں یہی تھیں۔ معاہدہ پیرس (۳۰ مارچ سنہ ۱۸۴۶ء) میں دولت عثمانیہ کو جو کامیابی ہوئی، اور انگلستان، فرانس، اور اٹلی نے روس کے برخلاف ساتھ دیا، وہ بہت کچھ انہی دونوں کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ معاہدہ پیرس کے بعد ہی تاریخ اصلاح عثمانی کا دوسرا فرمان شائع ہوا تھا جو ”خط شریف“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس میں ”خط گل خانہ“ کی مزید تائید کی گئی تھی، اور تمام رعایا کی آزادی حقوق کے احترام کا یقین دلایا گیا تھا۔ یہ بھی تمام تر فواد اور عالی بھی کی مساعی کا نتیجہ تھا۔

(مصطفیٰ فاضل)

مصطفیٰ رشید، فواد، اور عالی پاشا نے اصلاح و تغیر کیلئے فضا پیدا کر دی، مگر جماعت پیدا کرنے کا کام بعد کو ہونے والا تھا۔ یہ مصطفیٰ فاضل پاشا کی شخصیت تھی، جس نے اس نئی فضا کو نشروں نما دی، اور ”نوجوان“ ترکوں کی جمعیت کا اولین سنگ بنیاد رکھ دیا۔ مدحت پاشا بعد کو آیا تا کہ اپنے عظیم اعمال اور عظیم قربانی سے اس سنگ بنیاد پر ایک نئی عمارت چن دے!

مصطفیٰ فاضل پاشا محمد علی بانی خاندان خدیوہ مصر کا پوتا اور ابراہیم پاشا فاتح حجاز و شام کا بیٹا تھا۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوا اور مصر میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ مصر میں محمد علی کے زمانے سے مغربی علوم و السنہ کی اہمیت کا احساس عام ہو چلا تھا، اور خاندان خدیوہ کے تمام افراد فرانسیسی زبان کی تعلیم حاصل کرنے لگے تھے۔ مصطفیٰ فاضل کو بھی اس کا موقع ملا۔ اس طرح مغربی علوم و تمدن کے فہم و مطالعہ کا دروازہ اُس پر کھل گیا۔ ابھی سلطان عبدالمجید ہی کا زمانہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ آیا، اور چند سالوں کے بعد جب سلطان عبدالعزیز تخت نشین ہوا، تو نظارت معارف (تعلیم) کا ناظر مقرر ہو گیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب مالیات کی وزارت کی جگہ خالی ہوئی، تو حکومت کی نظر انتخاب اسی پر پڑی۔

(لائحہ اصلاحیہ)

یہ وہ وقت تھا، جبکہ دولت عثمانیہ کی زوال پذیر ہستی کی حفاظت کیلئے اصلاح و علاج کی آخری مہلت درپیش تھی، اور قریب تھا کہ ہمیشہ کیلئے اُس کی شش صد سالہ عظمت و جلال کی دیواریں سرنگوں ہو جائیں۔ سلطان محمود مصلح نے نئی اصلاحات کی بنیاد رکھی۔ سلطان عبدالمجید نے اسے بلند کرنا چاہا۔ اگر سلطان عبدالعزیز کا وجود بھی اس سلسلہ اصلاح کی تیسری کڑی

مصطفیٰ فاضل کو اس جسارت کا صلہ صرف مہاجرت ہی کی صورت میں نہیں ملا، بلکہ اُسکی تمام ترکی جائداد بھی ضبط کر لی گئی۔ اگر فرانسیسی حکومت درمیان نہ پڑتی تو شاید مصری جائداد سے بھی محروم ہو جاتا۔

مصطفیٰ فاضل کا لائحہء تاریخ شرق جدید کا ایک اہم واقعہ ہے۔ جس جرات و مراحت کے ساتھ وقت کے ایک مستبد سلطان کو مخاطب کیا گیا ہے، اور استبداد و شخصیت کی جگہ آزادی و شہری کی دعوت دی گئی ہے، اُس کی کوئی دوسری نظیر اس عہد میں نہیں مل سکتی۔ ہم چاہتے ہیں یہ پورا لائحہ اردر میں منتقل ہو جائے، کیونکہ یہ تاریخ شرق جدید کی ایک قیمتی دستاویز ہے۔

(مسئلہ اصلاح اور ایک اصل مہم)

یہ مرقعہ تفصیل کا نہیں لیکن اشارہ نا گریز ہے۔ دولۂ عثمانیہ میں سلطان مصلح کے عہد سے لیکر سلطان عبد الحمید خان تک اصلاح و تجدید کی جس قدر حرکتیں ظہور میں آئیں، وہ اگرچہ اس اعتبار سے قابل احترام ہیں کہ استبداد و فساد کے مقابلہ میں حرب و اصلاح کی طلبگار تھیں، لیکن ساتھ ہی یہ واقعہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اُنکی بنیاد میں یورپ کی عامیانہ تقلید و محاکات کے سوا کوئی مجتہدانہ بصیرت موجود نہ تھی۔

صدیوں سے اسلام کی حقیقی دینی روح مفقود ہو چکی تھی۔ اسلام کے حقیقی سرچشمہ شرع و تعلیم کی جگہ طرح طرح کے انسانی ساخت کے نئے سرچشمے پھوٹ نکلتے تھے، اور اجتہاد و نظر کی جگہ تقلید و جمود کی بنیادیں استوار ہو گئی تھیں۔ ضرورت تھی کہ ایسے اصحاب نظر و بصیرت پیدا ہوتے، جو سب سے پہلے امت کے دینی مزاج کی درستگی کی کوشش کرتے جس کے بغیر حکومتوں کا حاکمانہ مزاج بھی درست نہیں ہو سکتا تھا۔ اس اصلاح کے بعد یورپ کے علمی و صناعی فوائد کے اخذ و اختیار کی راہ خود بخود کھل جاتی۔ البتہ بصیرت و اعتبار کے ساتھ کھلتی۔ تقلید و کور چشمی کے ساتھ نہ کھلتی۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ دولۂ عثمانیہ میں ایسے علماء نا پید تھے اور ہمیشہ نا پید رہے جو صاحب نظر و بصیرت ہوں۔ امراء و حکام جہل و اڑھام کی تاریکی میں گم تھے۔ اتفاقات نے چند شخصیتیں پیدا کر دیں جنہیں یورپ کے علوم و لغات سے آشنا ہونے کا موقعہ مل گیا۔ یہ اپنی کسی بصیرت و روشنی کی بنا پر نہیں بلکہ محض تقلید کی راہ سے استبداد و جہل کی مضرتوں پر مطلع ہوئے، اور اصلاح و انقلاب کی سعی شروع کر دی۔ سعی صحیح تھی، بروقت تھی، لیکن سعی بصیرت و نظر سے محروم تھی۔ مرض کا احساس غلط نہ تھا، لیکن نہ توثق غیص کامل تھی، نہ علاج ہی صحیح تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس راہ میں جس قدر قدم بھی آئے، وہ اگرچہ اکثر حالتوں میں اصلاً غلط نہ تھے، لیکن مجتہدانہ بصیرت و نظر کے فقدان سے کوئی صحیح انقلاب صورت حال میں پیدا نہ کر سکے، اور شرح اس اجمال کی بہت طواری ہے۔

بہر حال بحث و نظر کا یہ مقام دوسرا ہے۔ اس کے فہم و ذوق کے لیے دوسری قسم کی صحبتیں مطلوب ہیں۔ یہاں جو حقیقت قلم بند کرنی ہے یہ ہے، کہ گزشتہ صدی کے مشرقی مصلحین کی تاریخ میں مصطفیٰ فاضل پاشا کو اصلاح و انقلاب ترکیہ کے بانی و داعی ہونے کا شرف حاصل ہے، اور اسکا یادگار کارنامہ ”لائحۂ اصلاحیہ“ ہے :

ہوتا، تو بہت ممکن تھا، اصلاح و تجدید کی راہیں باز ہو جاتیں۔ لیکن عبدالعزیز کے معجزانہ استبداد نے جسکے ساتھ شخصی حکمرانی کے تمام عیش پرستانہ عناصر فساد بھی جمع ہو گئے تھے، اصلاح حال کے تمام دروازے مسدود کر دیے۔ خزانہ بالکل خالی تھا۔ یورپ سے قرضوں پر قرض لیے جارہے تھے۔ مالیات کے بہترین وسائل منقول ہو گئے تھے۔ روس نے پیٹر سبرگ سے سرائے دارلہ باغیچہ تک اپنی مخفی سازشوں کا جال بچھا دیا تھا۔ روسی سفیر جنرل اگنائف کا اقتدار رز برز بڑھ رہا تھا، اور سلطان اپنے تمام معاملات میں اسی کے مشوروں پر کار بند تھا۔ سلطان کا تمام وقت محل کی عیش پرستیوں میں صرف ہوتا۔ بسا اوقات ایک ایک مہینے تک وزراء حکومت کو بار بار باہر کا مرقعہ نہیں ملتا۔ شخصی حکومتوں کا قدرتی مزاج ہی شخصی انانیت اور مستبدانہ قہر و جبر کا ہوتا ہے۔ پھر اگر خصومت کے ساتھ اُسکا کوئی حکمران ”مستبد“ ہو جائے، تو ظاہر ہے، اُسکا استبداد کس کس درجہ ”لاجع“ اور بے پناہ ہوگا؟ تمام ترک اول قلم متفق ہیں کہ عبدالعزیز اپنے تمام پچھلے مستبد حاکمانوں سے بھی زیادہ مستبد تھا۔ کوئی بات بھی اسے اسدرجہ طیش و غضب میں نہیں لاتی تھی جس قدر اس بات کا ”ور“ کہ دنیا کی کوئی مخلوق اُسے ”مشورہ“ دنیا چاہتی ہے، یا نصیحت کرنے کی جرات رکھتی ہے۔ ابتدا میں جو لوگ بھولے سے کوئی ایسی جرات کر بیٹھے، انہیں فوراً اُسکی سزا بھگنی پڑی۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ کارخانۂ سلطنت رز برز درہم درہم ہو رہا تھا اور اُسے والے خطرے کے آثار قریب سے قریب تر ہونے لگے تھے یہ حالت جاری تھی، مگر ہر طرف غفلت و اعراض کا سناتا چھایا تھا۔ کوئی صدا نہ تھی جو کلمۂ حق و اصلاح سے آشنا ہوتی !

لیکن غفلت و افساد کے اس سکر میں بالآخر جنبش ہوئی، اور دولۂ عثمانیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دعوت الی الحق کی بے خوف صدا بلند ہوئی۔ یہ مصطفیٰ فاضل کی صدا تھی۔ وہ صدائے حق، جسے نہ تو سلطان عبدالعزیز کی سطوت و جبروت روک سکی، نہ امارت و وزارت کے مطامع مانع آئے !

تاریخ میں یہ صدائے اصلاح ”لائحۂ اصلاحیہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دراصل ایک مکتوب ہے جو سلطان عبد العزیز نے نام لکھا گیا تھا۔ مصطفیٰ فاضل نے یہ مکتوب سنہ ۱۸۹۷ میں لکھا، اور بذات خاص سلطان کے حوالہ کیا۔ لوگوں کو جب اس جسارت کا حال معلوم ہوا تو شدت تحیر سے انگشت بدندان رہ گئے۔ دولۂ عثمانیہ کی تاریخ میں یہ بالکل ایک نئی قسم کی جسارت تھی۔ ایسی جسارت جسکی مصطفیٰ رشید، فواد پاشا، اور عالی پاشا جیسے مصلحین بھی جرات نہیں کر سکتے تھے !

سلطان عبدالعزیز نے یہ لائحہ پڑھا، اور وہی نتیجہ نکلا جو مترق تھا۔ مصطفیٰ فاضل کو قسطنطنیہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ وہ پیرس آیا اور ایک مدت تک کیلیے یہاں مقیم ہو گیا۔ مصطفیٰ فاضل کے اسی قیام پیرس سے نرجوان ترک جداعت کی سب سے پہلی بنیاد پڑی۔ قسطنطنیہ کے متعدد نرجوان بتدریج پیرس چلے آئے، اور مصطفیٰ فاضل کی امداد و سرپرستی میں متحدہ زندگی بسر کرنے لگے۔ اُس عہد کے وہ تمام اصلاح پسند افراد جنہوں نے نہ صرف دولۂ عثمانیہ کیلیے سیاسی انقلاب کی تخم ریزی کی، بلکہ ترکی علم ادب و کتابت میں بھی دور جدید کی بنیاد ڈالی، اسی عہد کی پیداوار ہیں۔ نامق کمال ہے، ضیا باشا ادیب، سعد اللہ باشا، ابوالضیا توفیق، وغیرہم کی نشو و نما اسی دور میں ہوئی۔

(مصطفیٰ فاضل کا لائحہ)

اعلیٰ حضرت !

کلمہ حق بادشاہوں اور حکمرانوں تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ درباری اُس پر پردہ ڈالتے اور اُسے چھپاتے ہیں۔ بادشاہ فرمانروائی کے نشہ میں مخمور اور سلطنت کی لذتوں میں غرق، راہ صواب سے غافل ہو جاتے ہیں۔

وہ خیال کرتے ہیں کہ قومیں اپنے ہی کرتوت سے پریشانی میں پڑتی ہیں۔ اور اپنی ہی غفلت سے پستی میں گرتی ہیں۔ سلطنتیں جب برباد ہوتی ہیں، تو قضا و قدر کے بے رک ہاتھوں ہی سے برباد ہوتی ہیں۔

واقعات کو روز در روز دیکھنے اور ارہام کو ارہام سمجھنے کے لیے انسان کو برے ہی اخلاص اور بڑی ہی جرأت کی ضرورت ہے۔ بادشاہ تک بے کم و کاست حقیقت پہنچانے کے لیے آرزو بھی زیادہ اخلاص و جرأت کی ضرورت ہے۔

میرے آقا! یہ اخلاص کبھی میرے دل سے جدا نہیں ہوا۔ خود اعلیٰ حضرت سلطان اس کے شاہد ہیں۔ وہ لوگ بھی اس سے ناواقف نہیں جو میری جلا وطنی کا سبب ہوئے ہیں۔ بلاشبہ زمانے نے مجھے موقعہ نہیں دیا کہ روشن کارناموں سے اعلیٰ حضرت کی ذات شاہانہ سے اپنی عقیدت ثابت کرتا اور اپنی قوم کی فلاح و بہبود — اگر یہ نہ کہوں کہ اُس کے احیا — کے ارادے پورے کر سکتا۔ لیکن میں پہلا آدمی ہوں جس نے اعلیٰ حضرت کے سامنے شاہی حکومت کے عیوب بے پردہ کرنے اور وطن عزیز کے مصائب پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ یہ اس لیے کہ میرا دماغ اعلیٰ حضرت اور سلطنت عثمانیہ کی خدمت کے لیے سراسر وقف ہے۔ مجھے اعلیٰ حضرت کے عرش سے جو عقیدت و وابستگی ہے، اور وطن محسوب سے جو محبت و رازنگی ہے، اُسی نے مجھے میں یہ قوت پیدا کر دی ہے کہ بے خوف و خطر اُن مصائب و آلام پر نظر ڈالوں جو ہمیں رات کی تاریکی اور دن کی روشنی میں پیش آ رہے ہیں۔ ضرر کے اخلاق عالیہ پر میرا یقین مجھے ہمت دلاتا ہے کہ اُن مصائب کی تشریح کروں۔ کوئی ایک بھی مخفی نہ رکھوں۔ سب کو صاف صاف ظاہر کر دوں۔ پھر وہ علاج عرض کروں جو ہمیں شفا بخش سکتا ہے، بشرطیکہ اُس کے استعمال سے پہلے وقت نکل نہ جائے۔

میرے آقا! آپ کی مسیحی رعایا کی جانب سے جس سرکشی کا برابر اظہار ہوتا رہتا ہے، وہ یقیناً ہمارے اجنبی دشمنوں کی شرارت کا نتیجہ ہے۔ لیکن وہ اس امر کی بھی دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت کی حکومت کا برتاؤ اپنی تمام رعایا کے ساتھ کوئی عمدہ برتاؤ نہیں ہے۔ اس برتاؤ میں اگر حکومت پہلے معذور تھی تو یقیناً اب اُسے برقرار رکھنے میں اُس کے لیے کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس مسلک کا ثمرہ، ظلم کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جہل، اُس سے پھیلتا ہے، فقر و فاقہ اور شر و فساد کی اُس سے پیدائش ہوتی ہے۔

یورپ خیال کرتا ہے کہ سلطنت عثمانیہ میں صرف مسیحی رعایا ہی ظلم و تذلیل کے لیے منتخب کر لی گئی ہے۔ حالانکہ یہ سخت غلطی ہے۔ مسلمان، جن کی حمایت پر کوئی یورپین سلطنت نہیں، مسیحیوں سے زیادہ ظلم اُٹھا رہے ہیں۔ اُن کے مصائب و آلام کہیں زیادہ ہیں۔ وہ اب تک محض اس لیے صبر کر رہے

بیٹھے ہیں کہ قضا و قدر پر اُن کا پختہ ایمان ہے۔ صبر و سکون کے عادی ہیں۔ نفس بلند رکھتے ہیں۔ اُن کی یہ صفات، یورپین تخیل سے بہت بلند ہیں۔ اس لیے یورپ والے انہیں سمجھ نہیں سکتے۔ پھر یہ مسلمان، اُن شریف اور ازلو العزم اسلاف کی نسل ہیں جو فرمانروائی کے تخت پر جلوہ گر ہو چکے ہیں۔ سلطنت سے اُنکا اخلاص، قرآن پر اُن کے ایمان سے مل کر ایسا راسخ ہو گیا ہے کہ اب تک اُس میں تزلزل پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اعلیٰ حضرت اپنے مخلص تریں خادم کو یہ عرض کرنے کی اجازت دیں کہ اب مسلمانوں کا بھی پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے۔ مصیبت آخری حد تک پہنچ چکی ہے۔ آلام نے اُن کا جسم کھا ڈالا ہے۔ اپنا غم و غصہ چھپانے کی اب اُن میں قدرت باقی نہیں رہی۔ یقیناً حضور والا کے خاندان اور قوم کے لیے یہ سخت خطرہ ہے کہ رعایا، یاس و نا اُمیدی کا شکار ہو جائے۔

مخلوق پر ظلم بہت سخت ہو گیا ہے۔ آپ یقیناً اُس سے متنفر ہیں، اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ کی امت کے عظماء و اکابر بھی اُس سے بیزار ہیں۔ لیکن وہ مجموعی حکومت کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ حتیٰ کہ خود اعلیٰ حضرت بھی، جن کی قوت معلوم اور سطور مشہور ہے، شاید اُسے روکنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ کیونکہ اُس کی خبر سمع مبارک تک پہنچتی ہی نہیں۔ حالانکہ وہ اس امت کی مردانگی تباہ کر رہا ہے۔ اُس کی شخصیت گرا رہا ہے، اُس کے فضائل برباد کر رہا ہے۔

میرے آقا! آپ کی رعایا میں ایسے مخلص افراد موجود ہیں جن کے دل یہ دیکھ کر حسرت سے پگھلے جاتے ہیں کہ یہ امت — جو ہماری عزت و فخر ہے — کس طرح نسل کی کمی اور ہجرت کی زیادتی کی وجہ سے کمزور و کم تعداد ہوتی چلی جا رہی ہے۔ لیکن میں اس سے خائف نہیں ہوں۔ ممکن ہے اس میں ہمارے فوجی نظام کو بھی کچھ دخل ہو۔ لیکن جس چیز سے میں قوتاً ہوں اور جسے رز بروز قریب آئے دیکھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہم مغلوب قوموں کے مشابہہ ہوتے جاتے ہیں۔ رز بروز ہماری معنویت کمزور ہو رہی ہے اور یہ مرض قوم کے تمام طبقوں میں عام ہوتا جاتا ہے۔

میرے آقا! ہمارے اسلاف نے چار صدی پہلے مشرق کی رومن شہنشاہت تہہ و بالا کر ڈالی، عروس البلاد اور ملکہ جہاں، تسلطانیہ میں اپنے قدم گاڑ دیے، اور وہ فتح عظیم حاصل کی جو تاریخ میں ایک عظیم ترین کارنامہ شمار کی جاتی ہے۔ لیکن اس حیرت انگیز کامیابی کا راز کیا تھا؟ صرف دین کا اعتقاد اور جنگ میں شجاعت ہی نہ تھی۔ اُن کی وہ ازلو العزمی اور بہادری، درحقیقت، اُن کی معنویت ہی کا ایک جلوہ تھا۔ وہ اپنے سرداروں کی اطاعت، خوش دلی سے کرتے تھے، نہ کہ خوف اور مجبوری سے۔ یہی وجہ تھی کہ ذلت اُن پر قابو نہ پاسکی۔ عقل پر اندھی تابعداری غالب نہ آسکی۔ اُن کی خود داری برابر باقی رہی۔ استقلال ذاتی نے اُن کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اطاعت نظام (تسپلن) کی روح، عزت نفس کی روح سے مل گئی تھی۔ دونوں روحیں، مضبوط اخلاق کی بنیاد پر قائم تھیں۔ فضیلت نے اُنہیں گھر کر لیا تھا۔ اس لیے اُنہوں نے وہ عظیم سلطنت اُلٹ ڈالی جسے استبداد کی زنجیلات گھن کی طرح لگ گئی تھیں، اور ظلم و جور نے اُس کی تمام چولیں ہلا ڈالی تھیں۔

مسازات کو جملہ محاسن پر ترجیح دیں - لیکن کیا یہ صفات حمیدہ ہم میں زیادہ مدت تک باقی رہیں گی؟ کیا ہم خیر و شر کے اس تعادم کا ہمیشہ یزہی مقابلہ کرتے رہیں گے؟

میرے آقا! جس دن یہ اخلاق ہم سے رخصت ہو جائیں گے، اسی دن ہماری موت بھی نازل ہو جائیگی - ہم کسی کو بھی اپنا حامی و مددگار نہ پاؤں گے -

کاش ہماری مصیبت، صرف ہمارے معنوی انحطاط ہی پر ختم ہو جاتی اور اس جہل عمیم اور فساد عظیم تک نہ پہنچتی جو ہمارے تمام عقلی قوی تباہ کر رہا ہے -

میرے آقا! جب ہمارے اسلاف یورپ میں اترے، تو ان کے پاس علم کی کوئی روشنی بھی نہ تھی - لیکن وہ ذوق سلیم رکھتے تھے - یہ ذوق ان میں قوت و جرأت پیدا کرتا تھا، جیسا کہ تمام پاک اور بلند نفسوں کا خاصہ ہے - وہ علم نہیں رکھتے تھے، مگر عقل کے مالک تھے - وہ عقل جو حرکت پسند کرتی، جمود سے نفرت کرتی، اور ذال سے کراہت رکھتی ہے - وہ ان لوگوں سے بالکل مختلف تھے جو ہمارے ہر ازل دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے - والے افسوس! عقلیں، اس حکومت کے زیر سایہ مفلوج ہو جاتی ہیں، جس میں انفرادی ہمت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی!

میرے آقا! آپ کی رعایا میں ترک سب سے زیادہ استبداد سے متاثر ہوتے ہیں - کیونکہ یہ استبداد ان کی فطری استقامت نفس اور خود داری سے میل نہیں کھاتا - ہم ترکوں میں وہ شرمناک قابلیت ذرا بھی موجود نہیں جو یورپین عیاشوں میں تھی - ان کی حالت یہ تھی کہ عقل و فطنت رکھتے تھے مگر نہ ذلت سے گریز کرتے تھے نہ مطلق العنان حکومت سے نفرت رکھتے تھے - ہم بالکل سادہ دل پیدا ہوئے تھے - ہمارے خیالات کی سادگی پر دنیا کو حیرت تھی - لیکن جب ہمارے خیالات ہم سے چھین لیے گئے تو ہم مغبوط العواس ہو گئے - عقل کی نعمت سے محروم ہو گئے - اگر یہی حالت جاری رہی تو ایک دن آئینہ جب ہم میں حکمرانی کی صلاحیت باقی نہ رہے گی - کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ ملیگا جو انتظام سنبھال سکے -

حضور والا! ہم اب ایک ایسے زمانے میں ہیں جس میں عزت اسی کو مل سکتی ہے، جس کی عقل بڑی اور علم زیادہ ہو - یہی باعث ہے کہ تمام یورپ میں علم کا غلغلہ بلند ہے اور تمام قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں - کوئی حکومت بھی اس کے فکر و اہتمام سے خالی نہیں ہے - سوئٹزر لینڈ میں ایک آدمی بھی ان پڑھ دکھائی نہیں دیتا - انگلستان میں (جس پر مٹھی بھر امرہ حکومت کرتے تھے مگر اب اپنے امتیازات سے دست بردار ہوتے جاتے ہیں) ۲۵ - برس سے اشاعت تعلیم کی عظیم الشان کوششیں ہو رہی ہیں - مجھے یقین ہے کہ پریشیا نے آسٹریا پر صرف اس سبب سے فتح پائی ہے کہ وہ مغلوب سے علم میں زیادہ تھی - کیا ہمارے لیے رزا ہے کہ اپنے عقلی انحطاط پر قانع رہیں، حالانکہ ہمارے گرد یورپ، عقلی ارتقاء کے لیے ان تھک کوششیں کر رہا ہے؟

میں اس خیال سے پناہ مانگتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت اشاعت تعلیم کے لیے صرف مدارس کی کثرت کافی تصور فرمائیں - وہ محل کس کام کے جنہیں مکین نہ ملیں؟ ان مدارس سے کیا فائدہ جن میں ذلت و خواری کی اولاد تربیت پائے؟

بلاشبہ، مضبوط اخلاق ہی اس وجود میں تنها ایک قوت نہیں ہے - کیونکہ یہاں جرائم کی بھی جراثیم فوجیں کھڑی ہیں، اور گناہوں کے تخت بھی بچھے ہیں - لیکن یہ یقینی ہے کہ مضبوط اخلاق، ایک مستحکم و راسخ بنیاد ضرور ہے - اس کے بغیر کوئی سلطنت قائم نہیں ہو سکتی - جب وہ کسی قوم کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے، تو اس قوم کی اجتماعی عمارت بھی گر پڑتی ہے - اس کا یہ خاصہ عجیب ہے کہ جس جس اس کی فتوحات میں رستہ ہوتی ہے، اس کا دائرہ بھی وسیع و عظیم ہوتا جاتا ہے - برخلاف دوسری قوموں کے جو امتداد زمانہ سے کمزور ہو جاتیں اور کامیابی کے بعد فنا ہونے لگتی ہیں -

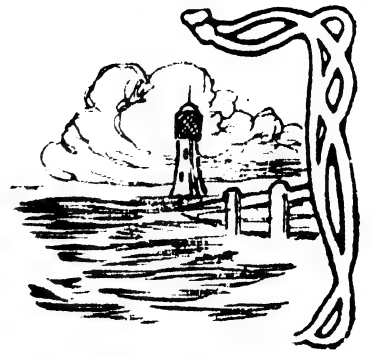
اعلیٰ حضرت کی عظمت اور وطن کی عزت کے تمام خیر خواہ، انتہائی رنج و ملال سے دیکھ رہے ہیں کہ قوم کی شہامت، زائل ہو رہی ہے اور اُسکی شرافت و خودداری ختم ہوتی جاتی ہے - یہ اعلیٰ صفات، قوم میں کیونکر باقی رہ سکتی ہیں، اگرچہ کتنی ہی راسخ ہوں، جبکہ مسیحی رعایا کے ساتھ مسلمان بھی گونا گوں ذلتوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور ہر قسم کی دنائیت کے گھونٹ انہیں زبردستی پلائے جارہے ہیں؟ مسلمان اور عیسائی، حضور والا کی تمام رعایا، حکام کے ظلم و جور سے چیخ رہی ہے - یہ حکام وہ ہیں جو حضور کے برائے نام فرمانبردار ہیں - اعلیٰ حضرت کو کیا معلوم کہ وہ شاہی احکام قوم میں جاری کرتے ہیں یا اپنی ہوا و ہوس سے کام لیتے ہیں!

آپ کی سلطنت، عام رائے سے خالی ہے - نتیجہ یہ ہے کہ آپ کے عمال، رعایا کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں - اس کے معنی یہ ہیں کہ خود حضور کے عرش معلیٰ کے پرے پر بھی ذمہ دار اور جواب دہ نہیں ہیں، کیونکہ کوئی شخص بھی ان کی شکایت عتبات عالیہ تک پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا، اور چونکہ ان کے جرائم ذات شاہانہ کے علم میں نہیں آسکتے، اس لیے ان سے باز پرس بھی نہیں ہو سکتی - لہذا وہ بالکل نذر ہو گئے ہیں - رعیت پر دست درازی میں بے باک ہیں - ہر قسم کی برائیاں کھلے بندھوں کر رہے ہیں - باشندے دگرہوں پر منقسم ہو گئے ہیں: ظالم حاکم، کوئی نہیں جو ان کا ہاتھ پکڑے - مظلوم رعایا، کوئی نہیں جو اس پر ترس کھالے - حاکم، جس کا دعویٰ ہے کہ اس کی قوت، خود سلطان کی قوت ہے، لہذا بے رک اور بے قید ہے - وہ اس قوت کی گہمند میں جملہ معائب و نقائص سے آلودہ ہوتا ہے - محکوم، جس کا کام یہ رہ گیا ہے کہ ذلت کے تاریک غار میں برابر گرتا چلا جائے - حکام، جنہوں نے رعایا کے لبوں پر قفل چڑھا دیے ہیں - اگر کبھی کسی کے منہ سے فریاد کی چیخ بلند ہو جاتی ہے تو یہ حکام اسے بغاوت قرار دے دیتے ہیں - لہذا تمام رعایا، نا اُمیدی میں پڑ گئی ہے - بے حساب ظلم و جور کے نیچے دبے ہوئے، مگر خوف سے چپ ہے - ظالم کے ہاتھ اس کا گلا دابے ہوئے ہیں، اور اعلیٰ حضرت سے مخفی نہیں کہ ظلم دلوں میں فساد پیدا کر دیتا اور عقلوں میں فتنہ ڈال دیتا ہے -

ترکوں کی رگوں میں پاک اور بے میل خون مرج زن ہے - یقیناً ہم وطن سے بے حد محبت کرتے ہیں - حب الوطنی، ہماری ہمتیں بلند کرتی ہے، بڑی سے بڑی قربانیاں بھی ہم پر آسان کر دیتی ہے - ہم بہادر سپاہی ہیں، موت سے نہیں ڈرتے - ہم میں وقار ہے اور ہمارے اسلاف سے ہمیں میراث میں ملا ہے - ہمارا امتیازی رصف، صریح اخلاص ہے - یہی اخلاص ہمیں آمادہ کرتا ہے کہ



بریک



بد نصیب کزور پتی

(کیا دولت، مسرت کا سبب ہے ؟)

(دولت جمع کرنے کے لیے ہے یا خرچ کیلئے ؟)

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ دولت مند، خوش نصیب ہیں۔ اور فقر و فاقے میں مبتلا انسان بد نصیب۔ لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے کزور پتی، انتہاء درجہ بد نصیبی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور بہت سے نان شبینہ کے محتاج ہیں جنہیں مسرت و سعادت کی زندگی حاصل ہے !

حال میں مسٹر چارلس ولنٹ نے جو ایک مشہور امریکن کزور پتی ہیں، اس موضوع پر ایک مضمون شائع کیا ہے۔ وہ اس لائق ہے کہ مفلس اور امیر، دونوں اسے غور سے پڑھیں۔

وہ لکھتے ہیں :

دولت، مسرت و سعادت کے لیے کوئی لازمی شرط نہیں ہے۔ کیونکہ مسرت، درحقیقت خود اس شخص پر موقوف ہوتی ہے جو اس کا متمنی ہوتا ہے۔ میں بہت سے کزور پتوں سے واقف ہوں۔ یہ دنیا کے سب سے زیادہ بد نصیب انسان ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے مفلس انسانوں کو بھی جانتا ہوں جو نہایت پر مسرت زندگی بسر کر رہے ہیں !

مجرد دولت سے کسی شخص کو مسرت حاصل ہو سکتی ہے جو حد سے زیادہ طماع اور صرف مال کا حریص ہو۔ ورنہ محض دولت کے جمع ہوجانے سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ مسرت بھی جمع ہو جائے۔

دولت سے وہی شخص مسرت حاصل کر سکتا ہے جو صرف اس کا جمع کرنا ہی نہیں جانتا، بلکہ خرچ کرنا بھی جانتا ہے۔ میرے خیال میں وہی دولت مند، مسرت و سعادت محسوس کرتے ہیں جو اپنی دولت بہتر طریقوں پر خرچ کرنا جانتے ہیں۔

میں بہت سے آدمیوں کو جانتا ہوں جو کہا کرتے ہیں ”اگر ہمیں ایک ملین ڈالر مل جائے تو ہم مطمئن ہو جائیں اور خوش و خرم زندگی بسر کریں“ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اتنی دولت جمع ہوجانے کے بعد بھی وہ خوشی محسوس نہیں کریں گے، الا یہ کہ وہ یہ بھی سیکھ لیں کہ اپنی دولت کس طرح خرچ کرنی چاہیے ؟

جب میں نے دولت جمع کرنی شروع کی، تو ایک لمحہ کے لیے بھی مجھے یہ خیال نہیں گزرا تھا کہ میں عنقریب کزور پتی بن جاؤں گا۔ میرے خراب میں بھی یہ بات کبھی نہیں آئی تھی کہ ایک

آزادی، قوموں کے لیے اولین مربی ہے۔ آزادی ہی تمام دوسرے مربیوں کو پیدا کرتی ہے۔ کوئی مربی بھی آزادی کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ کوئی مربی بھی آزادی کا عمل انجام نہیں دے سکتا۔ غلام قومیں علم کی تعقیب کرتی ہیں، کیونکہ علم انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ قومیں اسی وقت علم کی طرف راغب ہوتی ہیں، جب انہیں اپنے حقوق کی جانب سے اطمینان ہوجاتا ہے۔ وہ علم اس لیے حاصل کرتی ہیں کہ اپنے حقوق سے فائدہ اٹھائیں۔ اور بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ ہر جاہل اور غلام قوم، بزدل ہوتی ہے یا خائن۔

اعلیٰ حضرت! اس وقت ہماری مصیبت صرف یہی نہیں ہے کہ ہم معنوی کمزوری اور عقلی فساد میں مبتلا ہیں۔ ہماری مصیبت اس سے بھی بڑی ہے۔ ہم ہر جگہ ایک جبار و قہار دشمن کو اپنے سامنے پاتے ہیں۔ وہ بے رحم دشمن، ہمارا افلاس ہے۔ حضور نے کتنی مرتبہ اپنے خزانے خالی دیکھے ؟ کتنی مرتبہ تنخواہیں تقسیم کرنے کے لیے رزیدہ موجود نہ پا کر رنجیدہ ہوئے ؟ آپ کا رحیم قلب یہ سوچ کر ہمیشہ کس قدر اداس ہوتا رہا ہے کہ عمال سلطنت کی تنخواہیں بہت حقیر ہیں ؟ یہ اس لیے کہ حضور جانتے ہیں، مشرقی عہدہ دار جب تنخواہ کافی نہیں پاتے، تو رشوت خوار ہو جاتے ہیں۔ رعایا میں لوٹ کھسوٹ شروء کر دیتے ہیں۔ لیکن سلطنت کے خزانے خالی ہونے پر ہمیں اتنا افسوس نہیں جتنا رعایا کی غربت کا افسوس ہے۔ کیونکہ سرکاری خزانہ محض اس لیے خالی رہتا ہے کہ رعایا غریب ہے۔ رعایا کا افلاس، ایک عظیم ترین خطرہ ہے۔

دنیا کی حکمتوں میں صرف اعلیٰ حضرت ہی کی حکومت ایسی ہے جو اتنے قلیل خراج پر زندہ ہے۔ حضور کی سلطنت نہایت عظیم، وسیع، اور آباد ہے۔ تعجب ہے کہ رعایا اتنا قلیل خراج بھی ادا نہیں کر سکتی ! لیکن ہمارا یہ تعجب باقی نہیں رہتا جب ہم دیکھتے ہیں کہ خراج جمع کرنے کا طریقہ، ایک بدترین طریقہ ہے۔ ہماری قوم، بہت ہی کم کام کرتی ہے۔ وہ ہر ہنر سے جاہل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہے اور حکومت کا خراج ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ حالانکہ دوسرے ملٹوں کی رعایا ہم سے بہت زیادہ خراج بخوشی ادا کر دیتی ہے۔

اعلیٰ حضرت کی سلطنت میں ہر چیز کو زوال آگیا ہے : زراعت، تجارت، صنعت، کوئی چیز بھی تباہی سے نہ بچتی۔ ہم پیدا کرنے کے طریقے بالکل بھول گئے ہیں اور اپنے فقر و فاقہ کے مشاہدہ پر قانع ہیں۔ فقر کی ہیبتناک صورت ہمارے سامنے ہے۔ ہم اس کی دہشت سے ہمت و جرأت کا کوئی کام کر ہی نہیں سکتے۔



برید شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا پیغام - مجلس وطنی کا انتخاب -
وزراء آستانہ میں - غازی کے خلاف سازش -

(غازی مصطفیٰ کمال کا پیغام)

مجلس وطنی کے انتخاب کے سلسلہ میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی قوم کے نام ایک پیغام شایع کیا ہے۔ یہ تحریر خود مصروف نے اپنے قلم سے لکھی ہے۔ اس لیے نہایت پر زور اور بلیغ ہے۔ اس میں انہوں نے جنگ آزادی کے بعد پہلی مجلس وطنی اور اپنی جماعت ”خلق فرقہ سی“ کی کارگزاریاں یاد دلانی ہیں اور پھر قوم سے اپنی جماعت کے انتخاب کی درخواست کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”آج موقع ہے کہ ہم گزشتہ چار سال کے اندر اپنے عظیم اصلاحی و تعمیراتی جہاد پر نظر ڈالیں اور اطمینان کے ساتھ وہ کامیابیوں دیکھیں جو ہم نے حاصل کی ہیں۔ ہمارا ملک ایک ایسی مہیب جنگ سے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، فتح مند نکلا تھا۔ آج اُن مساعی و اعمال کی سخت ضرورت تھی جسے قومیں زندہ رہتی ہیں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ترک قوم نے فتح و نصرت دیکھی تھی۔ ترکی قوم کی پوری تاریخ فتوحات سے لبریز ہے۔ لیکن چونکہ پہلے ترکی قوم میدان جنگ سے باہر کوئی کوشش نہیں کرتی تھی، اس لیے اپنی فتح سے کوئی فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتی تھی۔ بلکہ بتدریج اُسکی فتح، شکست بن جاتی تھی۔ جو فتح مندی پر قرار نہیں رکھی جاتی، اُس کے نتائج بسا اوقات“

محنت اور چستی کو بھی کامیابی میں بہت بڑا دخل ہے۔ شروع میں میرا دستور یہ تھا کہ صبح سات بجے سے اپنے کام پر پہنچ جاتا تھا اور گیارہ بجے رات سے پہلے واپس نہیں آتا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ آج کل کے نوجوان اتنی محنت نہیں کرسکتے۔ لیکن اگر وہ اتنی محنت بھی کریں، جتنی وہ آسانی سے کرسکتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیاب نہ ہو جائیں۔

میرے خیال میں مضبوط محنت سے زیادہ لذیذ کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ میں دنیا کے ایک بہترین جہاز کا مالک ہوں۔ بہترین بادبانی کشتی بھی میرے پاس ہے۔ میں نے شکار بھی بہت کھیلا ہے۔ عیش و آرام کے جملہ سامانوں سے بھی متمتع ہوا ہوں۔ مگر میں سچ کہتا ہوں۔ مجھے کسی بات میں بھی اتنی لذت حاصل نہیں ہوتی، جتنی اپنی رزق کی محنت میں حاصل ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں، میری کامیابی کا سب سے بڑا راز میری اسی محنت میں ہے۔

ملین ڈالر بھی جمع کر سکوں گا۔ اس وقت میرے پیش نظر صرف یہ خیال تھا کہ کسی طرح دنیا کا ایک کامیاب آدمی بن جاؤں۔

میرے پیش نظر کامیابی کیا تھی؟ اُس کا معیار کیا تھا؟ میں بتا نہیں سکتا۔ کیونکہ کوئی مفصل خیال ذہن میں موجود نہ تھا۔ کامیابی کا معنی ایک مہم سا تصور تھا۔ میں نے یہی تصور اپنا مطمحہ نظر قرار دے لیا اور کوشش شروع کر دی۔ مجھے خود تعجب ہوا کہ تھوڑی ہی مدت بعد دولت اپنے آپ جمع ہونے لگی تھی اور اب تک جمع ہوتی چلی جاتی ہے۔

مجھے آج تک اپنی غربت اور تنگ دستی یاد ہے۔ میں بہت کم عمر تھا۔ طرح طرح کے روائے اور امنگیں دل کو دگداتی تھیں، مگر میں اپنی کوئی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے پیت بھر کر رزقی بھی نہیں ملتی تھی۔ میں در بدر کام تلاش کرتا رہتا، اور کہیں بھی کام نہیں ملتا۔ سخت جدوجہد کے بعد بالآخر ایک کام ملا۔ ایک بحری حوض میں نوکری مل گئی۔ ہفتہ وار سولہ شلنگ تنخواہ مقرر ہوگئی۔ میں بہت خوش ہوا۔ مگر فوراً ہی میری خوشی رنج سے بدل گئی۔ کیونکہ اس کمپنی کے منیجر مسٹر گوبس نے مجھے بلا کر نہایت خشکی سے کہا ”یہ تنخواہ تمہیں ملے گی، اگرچہ تم اس کے کسی طرح بھی اہل نہیں ہو“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے دل میں سخت غم و غصہ تھا۔ میں نے عزم کر لیا کہ کچھ ہی ہر جائے، میں اپنی حالت ضرور درست کرے چھوڑوں گا۔ چنانچہ میں نے کوشش شروع کر دی، اور چند ہی سال بعد یہی مسٹر گوبس مجبور ہوئے کہ مجھے اپنی عظیم کمپنی کا شریک بنا لیں۔

مجھے سے لوگ پوچھا کرتے ہیں ”آدمی کوز پنی کیسے بن جاسکتا ہے؟“ میرا جواب ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ دولت جمع کرنے کا کوئی خاص قاعدہ نہیں ہے۔ اس کا مدار صرف دو باتوں پر ہے: ذہانت اور قسمت۔ اگر انسان کو ان دونوں میں سے کافی حصہ ملا ہے، تو بلا شبہ وہ بہت زیادہ دولت جمع کر لے سکتا ہے۔

بہت سے معمولی ذہانت کے لوگ ہمیشہ ”زمانہ“ کو ملامت کیا کرتے ہیں کہ اُن کا ساتھ نہیں دیتا۔ وہ کہتے ہیں ”اگر ہمیں ایک موقع بھی میسر آجائے تو ہم فوراً دولت مند بن جائیں“ لیکن یہ اُن کی غلطی ہے۔ قصور زمانے کا نہیں خود اُن کا ہے۔ اُن کی ذہانت و قابلیت کا ہے۔ اعلیٰ ذہانت کے لوگ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر موقع کا انتظار نہیں کیا کرتے۔ وہ خود موقع پیدا کرتے ہیں اور اُس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

میں نوجوانوں کو ہمیشہ نصیحت کرتا رہتا ہوں کہ اپنی تمام قوتیں اور کوششیں ایک ہی طرف متوجہ رکھیں۔ کیونکہ بغیر اُس کے دولت حاصل نہیں ہو سکتی۔ مختلف کام شروع کر کے کوششیں پراگندہ کر دینے سے اثر ناکامی کی مصیبت پیش آجایا کرتی ہے۔ ہمیشہ ایک مرکز بنانا چاہیے، اور اُسی پر تمام قوتیں صرف کردینی چاہئیں۔ بلا شبہ میں بھی اُن لوگوں میں ہوں جو بیک وقت بہت سی تجارتیں پھیلانے رہتے ہیں۔ لیکن یہ میں نے اب کیا ہے جبکہ ایک بڑے سرمایہ کا مالک بن چکا ہوں۔ شروع شروع میں نے کبھی یہ جرأت نہیں کی کہ بہت سے کام لے کر بیٹھ جاؤں۔

کاظم قارا بکیر پاشا وغیرہ میں سے کوئی بھی انتخاب میں شریک نہیں ہے۔

(تمام وزراء آستانہ میں)

اس وقت تمام وزراء آستانہ ہی میں موجود ہیں۔ پرسوں غازی کی صدارت میں مجلس وزراء با ضابطہ منعقد ہوئی۔ جمہوری حکومت کی یہ پہلی مجلس سلاطین آل عثمان کے تاریخی محل، طولمہ باغچہ میں جمع ہوئی اور مختلف مسائل پر غور کیا۔

اس واقعہ سے پھر لوگوں میں یہ افواہ پھیل رہی ہے کہ اگر پایۂ تخت انگورہ سے یورپی طرح منتقل نہ ہوا، تو بھی قسطنطنیہ گرمالی پایۂ تخت ضرور بنا دیا جائیگا۔

(غازی کے خلاف سازش)

اس ہفتہ کا اہم واقعہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے قتل کی سازش ہے۔ اس سازش میں چار آدمی گرفتار ہوئے ہیں۔ تین ارمنی ہیں۔ ایک ترک بتایا جاتا ہے۔ سازشیوں نے پولیس سے مقابلہ بھی کیا۔ ایک قتل ہو گیا۔ تین پکڑ لیے گئے۔ پولیس کا بھی ایک سپاہی قتل ہوا ہے۔

مجرموں نے اقرار کیا ہے کہ حکومت یونان کے اشارے سے انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا۔ تجویز یہ تھی کہ غازی مصوف جب انگورہ واپس جانے لگیں تو راستے میں انکی ریل ڈالنامیٹ سے آڑا دی جائے۔

اس خبر نے یہاں کی عام رائے میں سخت ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ کیونکہ ترکی قوم ارمنیوں اور یونانیوں کی سازشوں سے بہت نقصان اٹھا چکی ہے۔ سعید حلیم پاشا وزیر اعظم، غازی انور پاشا، جمال پاشا، طلعت پاشا، کاظم بک وغیرہ، ترکی کے ایسے فرزند تھے جنہیں سے ہر شخص اپنی جگہ دنیا کا بڑا آدمی شمار ہوتا تھا۔ مگر شقی ارمنیوں نے سب کو ایک ایک کر کے دھوکے سے قتل کر ڈالا اور ترکی کے دل پر ایسے زخم لگائے، جو مدتوں مندمل نہ ہونگے۔

اب ان بد بختوں کی نظر غازی مصطفیٰ کمال پاشا پر ہے جو اس وقت ترکی قوم کی روح رواں ہیں۔

شکست سے بھی زیادہ بد تر ثابت ہوئے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ ہم نے اس قدیم سنت پر عمل نہیں کیا۔ ہم فوراً اصلاحی اور تعمیری کوششوں میں لگ گئے۔ حالت امن میں ہماری مساعی، حالت جنگ کی مساعی سے بھی کہیں زیادہ عظیم تھیں۔ ہم نے عزم بالجزم کر لیا تھا کہ اس فتح میدان سے فائدہ اٹھالینگے اور اسے ترکی قومیت کی تجدید کا سنگ بنیاد بنا دیں گے۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا ہے۔ اس کے بعد غازی نے اپنی جماعت کی کارگزاریاں بیان کی ہیں:

”جنگ آزادی سے ملک ایک غظیم اصول لے کر باہر نکلا۔ وہ اصول یہ تھا ”سینادت بلا کسی قید و شرط کے صرف قوم ہی کی ہے“ اسی اصول کی بنا پر جمہوریت کا اعلان کیا گیا۔ اسی اصول کی بنا پر منصب خلافت موقوف کیا گیا جو صدیوں سے ترکی قوم کے سر پر ناقابل برداشت بار تھا۔ ہماری جمہوری جماعت کی رائے ہے کہ ہر اجنبی مداخلت سے جمہوریت کی حفاظت کرنا ترکی قومیت کے مستقبل کے لیے ناگزیر ہے۔ یہی سب سے بڑا وطنی فرض ہے۔ یہی قوم کی زندگی کی اصلی ضمانت ہے“

اس کے بعد مصوف نے ان حیرت انگیز ترقیوں کا ذکر کیا ہے جو اس قلیل مدت میں ان کی جماعت کے ہاتھوں ظاہر ہوئی ہیں۔ بالآخر پیغام اس عبارت پر ختم ہوتا ہے:

”اس زندگی میں میرا سب سے بڑا بھروسہ اور میری سب سے بڑی قوت یہ ہے کہ قوم مجھ پر اعتماد کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی رہا ہے کہ اس امانت کو زیادہ سے زیادہ مقدس سمجھوں اور بہتر سے بہتر طریقہ پر ادا کرنے کی کوشش کروں۔ اگر تم ہمارے نام زد کردہ اشخاص کو اپنی مجلس وطنی میں بھیجوں گے، تو ہم در بارہ تمہاری خدمت کا موقع حاصل کر سکیں گے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مستقبل میں ترکی جمہوریت اور ترکی قوم کی آرزو بھی زیادہ شاندار خدمتیں میں انجام دے سکتا ہوں۔ عنقریب ترکی کا مستقبل بہت ہی عظیم ہوگا۔ کیونکہ اس کے افراد پوری ہمت سے مستقبل کی تعمیر میں مصروف ہیں“

(مجلس وطنی کا انتخاب)

مجلس وطنی کے انتخابات ختم ہو گئے ہیں۔ ہر طرف سے خبریں آ رہی ہیں کہ جمہوری یا کمالی جماعت کامیاب ہو رہی ہے۔ لیکن یہ کامیابی کوئی ایسی کامیابی نہیں ہے جسے انتخاب اور مقابلہ کی کامیابی سے تعبیر کیا جائے۔ کیونکہ اس جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعت ملک میں موجود ہی نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو انتخاب میں شریک نہیں ہوئی ہے۔

غازی مصطفیٰ کمال کی جمہوری جماعت کی طرف سے ۳۱۶ امیدوار کھڑے کیے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۴۹ - انتظامی آدمی ہیں - ۴۶ - کاشتکار ہیں - ۲۰ - فوجی افسر ہیں - ۳۴ - وکالت پیشہ ہیں - ۲۵ - علمی آدمی ہیں - ۲۵ - تاجر ہیں - ۲۳ - اخبار نویس ہیں - ۲۳ - ڈاکٹر ہیں - ۲۳ - ماہر اقتصادیت ہیں - ۹ - سیاسی ہیں - ۷ - انجینیر ہیں - ۳ - محکمہ تار اور ڈاک کے آدمی ہیں - ۳ - آلات سازی کے ماہر ہیں - ایک دروازہ ساز ہے۔

اس مرتبہ مخالفین سے میں کسی ایک شخص کو بھی اس جماعت نے نامزد نہیں کیا۔ چنانچہ علی فؤاد پاشا، طیار پاشا

الہلال کی تصاویر



افسوس ہے کہ دسمبر کی تعطیل کے وجہ سے (جو

کلکتہ میں پرچا کی تعطیل کہی جاتی ہے) وہ تصاویر طیار

نہ ہوسکیں جنہیں الہلال کے صفحات میں درج کرنا تھا۔

اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس کی تلافی آئندہ اشاعت

میں کی جائے۔

جیل (مشہور شاعر)

جیل کا عشق بخت سے مشہور عالم ہو۔ ابوسلم سادی عیادت کو گیا۔
نزع کی حالت تھی۔ جیل نے کہا۔ ابوسلم! ایسے آدمی کی بابت کیا کہتے
ہو جو خدا سے اس حال میں ملتا ہو کہ اسے کسی کا حق نہیں بھایا، شریعتیں
پلی، انجلی بدکاری نہیں کی۔ کیا اس کے لئے جنت کی امید ہو؟
سادعی نے کہا۔ ”بھلا ہاں، مگر وہ کون ہو؟“
”مجھے امید ہو کہ میں ہوں“ جیل نے جواب دیا۔
سادعی نے بخت کا ذکر کیا۔

”دیکھو جیل نے آہ سر دھر کر کہا۔“ یہ دنیا میں میرا آخری دن ہو
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں اگر مجھے بخت کی
طرف میں نے بڑی سے نظر کی ہو۔“
جب وفات باطل تریب پہنچی تو جیل نے اپنے ایک دوست کو لگا
یہ وصیت کی،

جب میں مر جاؤں، تو گھر کا تمام سامان بخار دو۔ صرف میری کپڑوں
کا ایک جوڑا اس سے الگ ہو۔ تم میری ادنیٰ پرستوار ہو کر بخت کے قبیلہ
میں جاؤ، اور اندر جگر پر کھڑے ہو کر میرے گھر کے گارڈ مین بھاڑ ڈالنا پھر
چلا کر یہ شعر پڑھ دینا:

صدع النبی وداکی جیل دہلی بمصر ثور غیر فتول
موت بے دھڑک آپہنچی جیل سے کوئی رعایت نہ کی۔ وہ اب اس طرح
ہو گیا کہ کبھی داپسی نہ ہوگی۔

القلماء الغلیظی وداوی الغولی نشان میں نزاع وخیل
میں دادی قری میں کھیتیں اور خلتاؤں میں خوشی خوشی پھر کرتا تھا۔
توئی بختیہ فاندی لہوئیل وایک خلیک ددن کل فیل
بختیہ آٹھ اور نوکر اپنے سب سے بڑے دوست کے لئے!
دوست نے وصیت پوری کوری جیل نے سلسلہ (سلسلہ) میں انتقال کیا۔

مہلب بن ابی صفو

وفات کے وقت اپنے تمام لوگوں کو جمع کیا۔ پھر رکش مستحیا اور کہا
”کیا تم یہ تمام ایک ساتھ بند ہو گے تیرے توڑ سکتے ہو؟“ انھوں نے کہا
”ہیں“ مہلب نے کہا۔ اگر الگ الگ ہوں؟ انھوں نے جواب دیا۔ ایک
ایک تیر کا توڑ! بالکل آسان ہو۔ مہلب نے کہا۔ ”یہی مثال اتفاق و
اتحاد اور جات کی ہو۔ لے ہو گے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا الگ
الگ ہو جاؤ گے تو بے آسانی ہلاک کر دئے جائے گے۔“

عبدالملک بن دنان

موت کے وقت اپنے بیٹے ولید سے کہا،
”دیکھ میری موت پر جو تون عددوں کی طرح ٹیکر لٹوے نہ بھلا۔
بلکہ کرنا نہ بنا، آستین چڑھا، چیتے کی کھال پہن لینا مجھے میرے گھر
میں ڈال کر چھوڑ دینا۔ میں اپنا معاملہ خود چکا لوں گا۔ لیکن تم اپنے معاملہ
کی فکر کرنا۔ لوگوں کو سمیت کے لئے بلانا جو اپنے سر سے لوگ لپیٹا انکار
کرے) تو تم بھی اپنی تلوار سے یوں کرنا“ (یعنی اس کی گردن اڑا دینا)
پھر خیر میں معاویہ کے دووں لوگوں، محمد اور خالد کو طلب کیا۔ ان
سے پوچھا۔ کیا ولید کی بیعت پڑاؤم ہو؟“ انھوں نے جواب دیا۔ ہم
ولید سے زیادہ کسی کو بھی خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے“ عبدالملک نے کہا
”دائرا اگر تم کچھ اور جواب دیتے تو فوراً تمھارا سر اڑا دیتا!“ پھر اپنے
بچوں نے کانٹا مارا کھٹکھٹا کیا۔ نیچے شیر پر بند رکھی تھی!
جس میں قت کی گھنٹی تھی جب سکوت موت طاری تھی۔ عبدالملک
نے کہنا شروع کیا۔ ”وہ خدا کا ہمارا ہو جو چھوٹے بڑے سب کی پرانی
سے موت دیتا ہو۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اس شخص پر صبح بھڑا کر گئی۔“

امتی کہا کرتا تھا۔ میں عبدالملک پر حسد کرتا ہوں۔ کیونکہ اس نے
موت کے وقت کہا تھا۔ ”خدا! میرے گناہ اگر چہ بے شمار ہیں اور بے حد
بڑے ہیں، لیکن تجھے معفو کے سانسے بہت کم اور بہت چھوٹے ہیں لہذا
مجھے معاف کر دے!“

کہتے ہیں، عبدالملک نے وفات کے وقت اپنے محل کی کھڑکی سے
ایک دھوپ کو کپڑے دھوئے دیکھا تھا۔ اسے ٹھنڈی سانس لیں اور
کہنے لگا۔ ”کاش میں ابھی یہی طرح ہوتا کہ اپنی روز کی کمائی سے پیٹ
پالنا! کاش میں خلیفہ نہ بنا ہوتا!“ پھر یہ شعر پڑھا:

لیتی کنت قبل ما تدلی فی دوس الجبال ادی الود
الودا ترے یہ قول سنا تو کہنے لگے۔ ”الحمد للہ۔ یہ لوگ موت کے وقت
اُس بات کی تکرار کرتے ہیں جو ہیں حاصل ہو۔ لیکن ہم موت کے وقت اُن
کی حالت کی آرزو نہیں کرتے!“

ابن القریہ

مشہور عرب خطیب ابن القریہ کو قتل کرنے کا حجاج بن یوسف نے حکم
دیا۔ جلاد تلوار لے کر آیا۔ ابن القریہ نے کہا۔ ”خدا کا حکم کی درستگی کرے!
میں مرنے سے پہلے تین افظ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں جو میرے بعد
مذہب ایش ہو کر ہمیشہ زندہ رہیں گی۔“

حجاج نے کہا۔ ”کہہ، کیا کہتا ہو؟“
ابن القریہ نے کہا۔ ”ہر میل گھوڑا گھوڑا کھاتا ہو۔ ہر تلوار کند ہو جاتی
ہو۔ ہر دانا سے غلطی ہوتی ہو۔“

حجاج نے کہا۔ ”یہ وقت، مذبح کا نہیں ہو۔ جلاد اپنا کام کر!“
جلاد کا ہاتھ چلا اور ابن القریہ کا سر زمین پر پڑا۔
سلسلہ (سلسلہ) کا یہ واقعہ ہو۔

خطل

مشہور شاعر خطل سو موت کے وقت پوچھا گیا۔ ”کوئی وصیت؟“
کہا۔ ”ہاں“ پھر اپنے دوست فرزوق کو یہ وصیت کی،

(امی الفرزوق عند المات بام جریہ وخیار
(میں موت کے وقت فرزوق کو وصیت کرتا ہوں کہ تیری ماں اور اُس
کی سونکوں کا خیال رکھے)

سلسلہ (سلسلہ) میں فوت ہوا
امام ابراہیم مخنی رحمہ اللہ امام کو
موت کے وقت سخت خوفزدہ ہوئے۔ لوگوں نے اقرار کیا کہ
”گئے“ اس حالت سے زیادہ خطرناک حالت اور کیا ہو سکتی ہو؟ ہر لمحہ دہرکا
لگا ہو کہ پروردگار کا قاصد پہنچو اور جنت یا دوزخ کی خبر سے۔ مگر خدا
کی، میری تمنا ہو کہ قیامت تک میری روح لوں ہی ملتی میں بھینسی ہو!“

سلسلہ (سلسلہ) میں انتقال کیا

مردان بن محمد

بنی امیہ کا آخری خلیفہ مردان بن محمد بن عباسیوں کے ہاتھ قتل ہوئے
لگا تو یہ شعر کہے:

الہر یوان: ذامن ذنا حذر وایس ظران: ذاصغرو ذاکر
زانہ، دوسری دن ہیں: امن کا دن اور اندیشہ کا دن۔ زندگی کیا ہو؟
آدمی میں خوشی، آدمی میں رنج۔

اکم علی الاض من خیر وایسہ وایس یوم الا الا شمس
زین بے شمار خشک و تریز ہیں، مگر تیرا اسی درخت پر اسے مالتے
ہیں جس میں پل ہیں۔

تل لہذی صفت الہر یوان بل غیر الہر الا من لوت
زانے کے انقلاب پلٹنے دینے والوں سے کہہ کر زانہ اسی کے غلا
ہو جاتا ہو کوئی درجہ رکھتا ہو۔

امامی بل لہر لہو تو دجین ولسفر باقصی قصہ اللہ
تم دیکھتے نہیں دیا ہی کی طرح پڑے تیرے ہیں لیکن موتی اُس کی
تہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔

وان کن بخت ایدی الزمان بنا وانا من تجنی بوسہ ضرر
اگر زمانے کے ہاتھوں نے ہیں تھلا ادا کی صفیں ہم پر پڑی ہیں
فقی الزمان بزم لا عدا لہا وایس کیست الا افس وافر
تو کوئی تعجب نہیں۔ آسان میں بے شمار تارے موجود ہیں مگر گن مرن
چاند اور سورج ہی کو لگتا ہو۔

سلسلہ (سلسلہ) میں قتل ہوا

ابو جعفر منصور

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے سفر حج میں مقام ”بیرسون“ پر
ہو کر جب اپنی وفات قریب لگتی، تو اپنے دلی عہد، اندی کو طلب کیا
اُس وقت ابو جعفر کے سامنے ایک بڑا بھلا رکھا تھا۔ اس کی کلاں و
حساب کے کاغذات لے رہے تھے۔ کبھی کسی شخص کو اُس کا ہاتھ لگانے کی اجازت
نہیں دیتا تھا۔

دلی عہد کو دیکھ کر خلیفہ نے کہا:

”فرزند! یہ بھلا دیکھ۔ اس کی حفاظت کرنا، کیونکہ اس میں میر
بزرگوں کا علم محفوظ ہو۔ اس (شہر بغداد) کا خیال رکھنا۔ کسی اندیش
کو اپنا یا یہ تخت نہ بنا۔ کیونکہ یہ شہر تیرا اپنا ہو اور اس میں تیری عزت
ہو۔ میں نے اُس میں تیرے لئے اتنے خزانے جمع کئے ہیں جتنے کبھی
کسی خلیفہ نے جمع نہیں کئے تھے۔ حتیٰ کہ اگر دس برس بھی مجھے سلطنت
کا خراج نہ لے تو میری یہ خزانے جملہ مصارف کے لئے کافی سے زیادہ
ہونگے۔ ان کی حفاظت کرنا، کیونکہ ان کی موجودگی میں تجھے ہمیشہ قوت
حاصل رہے گی۔ تیرا گہرا اور سہما گا۔ لیکن میں جانتا ہوں تو ان کی
حفاظت نہیں کر سکے گا۔“

”اپنے خاندان سے نیک سلوک کرنا۔ انھیں عزت بخشنا۔ ان پر
احسان کرنا۔ ان کے لئے منبر نصب کرنا۔ ان کی چو کھٹوں پر لوگوں کو
جھکاؤ۔ کیونکہ ان کی عزت، تیری عزت ہو۔“

”اپنے غلاموں سے نیکی کرنا۔ اپنے قریب رکھنا۔ ان کی نعل
میں اصاف کرنا۔ کیونکہ سمیت کے وقت وہ تیری سپر ہو گئے۔“

”خزا سائیل کے بے میں میری نیک وصیت یاد ہو۔ وہ میر
حالی و مددگار ہیں۔ انھوں نے اپنی جان مال سے تیری مدد کی ہے ان
سے اچھا زاد کرنا۔ ان کی خطائیں معاف کرنا۔ ان کے جیوں اللہ
بیادوں کی خبر لینا۔“

”خبردار! کوئی ناشہر باور نہ کرنا۔ کیونکہ تو اسے پورا نہ کر سکے گا۔
خبردار! عورتوں کو اپنے شہسورے میں داخل نہ کرنا۔ یہ میری آخری وصیت
ہو۔“

جب ام لہلہ پر آیا تو کہا۔ ”پادشاہ وہ ہو جو نہ سہما۔“

سلسلہ (سلسلہ) میں انتقال کیا

امام سقیان ثوری

موت کے وقت نہایت مضطرب تھے۔ کہا گیا۔ ابو عبداللہ! یہ
کیوں؟ کیا آپ اُس ذات کے پاس نہیں جاتے ہیں، جس کی آپ نے
ہمیشہ عبادت کی اور ہمیشہ اُسی کی طرف بھاگتے رہے؟“
کہنے لگے۔ تمھارا بھلا ہوا میں ایک ایسے راست میں سفر شروع کرنے
والا ہوں، جسے میں نہیں جانتا ادا اس پر دروگاہ کے دوہرہ پہنچنے والا
ہوں، جسے میں نے دیکھا نہیں ہو۔“

سلسلہ (سلسلہ) میں وفات پائی۔

عبداللہ بن عبدالغیر

موت کے وقت کہنے لگے۔ ”خدا کی نعت کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر تھی

کے چالاک معلوم ہوتے ہیں۔ ہر چالاک کی فواید چادر صلیب بنی ہو
ترک فالتوں نے اُس کا اتنی خطا دیا ہو۔ لیکن طوطی خطا آج تک کیا
ہی موجود ہو جیسا قدیم حدیث تھا۔

میں زیادہ تفصیل کرنی نہیں چاہتا۔ کیونکہ بے فائدہ ہو کتنی ہی
کوشش کر دی، قارئین، اصلیت کا حشر عیش بھی تصور نہ کر سکیں گے مختصر
یہ ہو کہ سابق کا یہ کینسا اور حال کی مسجد، ایک ایسی عمارت ہو جس کا مقصد
اور شاندار عمارت، انسانی آنکھ اور امت مسلمہ زمین پر کیس میں نہ ہو!

بازلیک

ایاصوفیہ میں نماز جمعہ اور گرنے کا ہم نے اہادہ کیا۔ لیکن مسجد میں
جانے سے پہلے بازلیک میں داخل ہوئے۔ بازلیک، ایاصوفیہ کے قریب
واقع ہو۔ یہ دراصل زمین کے نیچے ایک بہت لمبا حوض یا دروانی حوض
کا تالاب ہو۔ تقریباً ۳۳۹ ستونوں پر قائم ہو۔ اس سے مقصود یہ تھا
کہ دشمن کے محاصرے کے وقت اس میں پانی محفوظ رکھا جائے۔ تاہم
پایس سے ہلاک نہ ہو جائے۔ یہ تالاب، ایک مزرعہ کے دروازہ یا باغ
سے بلا دیا گیا ہو اور آسانی سے آمد و رفت ممکن ہو۔

ایاصوفیہ میں نماز جمعہ

بازلیک کی سیر سے فارغ ہو کر ہم نماز جمعہ کے لئے روانہ ہوئے۔
ہمیں یہ دیکھنے کا آزاد شوق تھا کہ مکی کے موجودہ اجتماعی انقلاب کے
بعد ہٹ پوش ترک نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھتے ہیں تو ہٹ
کے ساتھ کیونکر پڑھتے ہیں؟

لیکن مسجد میں داخل ہوتے ہی ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی
ہم نے دیکھا، مسجد نمازیوں سے لبریز ہو۔ جب کبھی ایاصوفیہ کی بات کیا
جائے کہ لبریز ہو، تو سمجھ لیا جائے کہ ہزار ہا آدمی اس میں موجود ہیں۔
مکن ہو۔ ہزار ہوں۔ مکن ہو میں ہزار ہوں۔ مکن ہو۔ ہزار ہوں
خدا کا صحیح اندازہ کون کر سکتا ہو؟

یہ دیکھ کر ہمیں ادبھی تعجب ہوا کہ سب ہٹ پہنچے ہیں۔ اس وقت یہاں
معلوم ہوا کہ ترکوں نے جو ہٹ پہنچا دی، وہ یورپین ہٹ نہیں ہو۔ ترکوں
نے اسے بھی ایاصوفیہ کی طرح مسلمان کر لیا ہو۔ یہ ہٹ، مسجد میں بھی
انکے سرور پر موجود تھی۔ اور اندکی عبادت سے رک نہیں کھینچتی
ابھی ہماری حیرت بدستور باقی تھی۔ ہم سوچتے تھے، اس ہٹ کے
ساتھ لوگ نماز کیسے پڑھیں گے؟ لیکن ہم نے دیکھا، جو آدمی نماز کے لئے
آٹھتا ہو، ہٹ اپنے سامنے رکھ لیتا ہو اور جیسے معمولی کپڑے کی
ٹوپی نکال کر پہن لیتا ہو۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس خاص
ٹوپیاں نہ تھیں۔ وہ دو مال سرور بانٹ لیتے تھے۔ خود ہم نے بھی ایسی
طرح نماز پڑھی۔ بعض ایسے بھی تھے جو زم ہٹ پہنچے تھے۔ انھوں نے
نماز کے وقت اپنی ٹوپیاں نکھڑیں۔ بلکہ انرا پچھ کر دیا اور اپنا کنا
سامنے، تاکہ رب العالمین کے حضور اپنا ماتھا زمین پر رکھ سکیں!

ترک قاری

ہم اسلامی اور مسیحی دونوں مذہبوں کے اہل بیت تھے۔ ہم سے کچھ
فاصلہ پر سنگ مرمر کے بلند پایوں پر ایک مسیح مجسمہ تھی۔ اس پر چار
ترک قاری بیٹھے خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ ہر قاری ایک ایک
گوشہ میں تھا۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ ترتیب یہ تھی
کہ پہلے ایک قاری پڑھتا۔ پھر اسی کا احادہ باری باری باقی تین
قاری کرتے تھے۔ آخر میں سب بلکہ کہتے، سبحان اللہ، الحمد للہ، واللاہ
واللہم، والہم اکبر!

میں نے اپنے عرب رکھار کا امتحان لینا چاہا۔ ان سے پوچھا یہ
لوگ کون سورتیں پڑھ رہے ہیں؟ مگر وہ جواب نہ دے سکے۔ لیکن ہمیں
بالآخر معلوم ہو گیا کہ وہ سورۃ الم نشرح اور اس کے بعد کی سورتیں پڑھ
رہے تھے۔ آخر میں انھوں نے سورۃ فاتحہ تلاوت کی۔ پھر سورۃ بقرہ،

عظیم کینسا، چھ کوشٹیاں نے شدیدہ قدیم صوفیہ کی یادگار بنانے
کے لئے تعمیر کیا تھا، اور جے عظیم اسلامی بادشاہ محمد ثانی نے مسجد بنادیا،
صدیوں پر صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اپنے سچی عظیم و خصوصیات
پر قائم رکھے ہوئے ہو۔ اب تک یہ گورا کینسا ہو۔ اس کی صلیبی شکل بدستور
قائم ہو۔ اس کے مختلف حصے، جن کی ترتیب و تینتیں صلیبی شکل و نظر
رکھی گئی ہو، اب تک اپنی صلیبیت ہی پر باقی ہیں۔ اس کے ستون اب تک
کوشٹیاں اور اس کی ملکہ کے نشان و فاداری کے ساتھ پیش کر رہے
ہیں۔ اس کے اندر دونوں پہلوؤں میں ہیشا اپنے کے حوض اب تک
موجود ہیں۔ یہ سنگ مرمر کے ہیں۔ ان کی شکل مرتبائی ہو۔ (ان میں سے)
نمازی عورتیں دھوکہ کرتی ہیں۔ اس کی دیواروں پر مقدس نقش بھی
اب تک نظر آتے ہیں، اگرچہ ترکوں نے انھیں مٹانے کی کوشش کی تھی
حضرت مریم علیہا السلام کی تصویر راج بھی اپنی موثر آنکھوں سے ناب
کی صفیں دیکھنے کے لئے موجود ہو۔ ترکوں نے اس کا مقصد از نقش
شانے کی کوشش کی کیونکہ اسلام کی عبادت گاہ اس نشان شرک کی
متحمل نہیں ہو سکتی تھی، مگر دہریہ طرح نہ مٹ سکا شاید یہ اس کا معجزہ
ہو کہ وہ ایک ایسے تاریک حصے میں ہو جہاں سے وہ سب دیکھی ہو، مگر کہ
سب دیکھ نہیں سکتے!

یہ عجیب اتفاق ہو کہ اس کی محراب۔ حالانکہ وہ کینسا تھی۔ نیز کبھی
ترمیم کے مسجد کی محراب بن گئی۔ کیونکہ عجیب قدر کی سمت میں آتے تھے۔
یہی سبب ہو کہ نماز میں تم اپنے آپ کو ایسے زمین شیشوں کے سامنے
پاؤں کے جو صوف کینسوں ہی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ ہمداری عجیب
جدید اٹھ گئی، آیات قرآنی اور عربی عبارات نظر آئیں گی، مگر تم بھی
کردے کہ مسجد میں نہیں جیسی کینسے میں ہو۔ کیونکہ ایاصوفیہ کی عجیب حالت
اب تک بالکل کینسے ہی کی ہو۔

اس محراب کے قریب، جھیلک سریش کرتی ہو، سنگ مرمر کا
منبر اب تک قائم ہو جس پر مسیحی خطیب کھڑا ہوتا تھا۔ اسی کے مقابل
اور منبر بنایا گیا ہو۔ اس پر اسلامی خطیب کھڑا ہوتا ہو۔ یہ دونوں منبر
گویا تاریخ کے دو اہم صفحے ہیں اور گہمی محو ہونے والے نہیں!
مسجد کے ساتوں نواہی چالاک اتنے عظیم الشان ہیں کہ حکم قلم

سیرنی الارض

اولم سیروانی الارض فنیظہ کیف کان عاقبہ اللین من قلم

(۸:۳۰)

سیاحان عالم کے مشاہدات و تاثرات

قدیم قسطنطنیہ پر ایک جدید نظر

(مقری اہل قلم انا ذمیری محمود کے قلم سے)

مسجد ایاصوفیہ

سیاحان عالم نے ہمیشہ اقرار کیا ہو کہ ایاصوفیہ کے مشاہدے کی تصویر
و معنوی حلال، جمال کی جو عظمت انسان کے دل و دماغ کو سحر کر چکی ہو،
وہ دنیا کی کسی موجودہ عمارت میں نہیں پائی جاتی۔ لندن کے ڈیوٹن سٹر
کے باغیچوں، وینس کے کینسے، اتھنز کے کرول، اصرے کے مسجد کرکنا، اٹلی
کے محل، کوئی بھی اس نوعیت کی تاثیر نہیں رکھتا، جو ایاصوفیہ کے کھڑکیوں
ہو۔ میں نے طویل القدر تو تاخر آسن کی لاش اس کے پرشوتک مقبرے
میں بھی ہو، وہ مقبرہ جس کے انکشاف نے دنیا بھر کے اعتصاب لاشے
ہیں۔ لیکن میرے دل پر وہ اثر نہیں پڑا جو کل ایاصوفیہ کے مشاہدے
سے محسوس ہوا تھا اور جو شاید زندگی بھر محسوس ہوتا ہو گا!

کینسہ ایاصوفیہ، اب مسجد ایاصوفیہ بن گیا ہو۔ یہی بہتر اور مناسب
بھی تھا۔ کیونکہ قدیمہ صوفیہ جس کے نام پر یہ عمارت بنائی گئی ہو، عمارت
و عبادت کے اعتبار سے، ایک مستقبل مسجد بننے کی تھی نہیں ہو۔

(بقیہ مضمون ص ۱۹)

دنیا میرے قدموں کے نیچے آجائے تو بھی میں اسے لینے والا نہیں ہو کہ
میں ہمیشہ اسی دن سے دُزارم چوں جو آج درپیش ہو

مسئلہ (مستشرقین) میں انتقال کیا

سیبویہ امام سخو

مشہور بخوی سیبویہ نے وفات کے وقت یہ شعر پڑھا:

یوم دنیا لبتی لہ فوات الموتی قبل الملائ

آزاد کرنے والے نے آندہ کی کہ دنیا ہمیشہ باقی ہو۔ لیکن آرزو
پیلے ہی آرزو کرنے والا مر گیا۔

یہ کہ کہ پیش ہو گئے۔ سر بھائی کے زائر ہوا وہ رونے لگے۔

انھوں نے آنکھ کھول دی۔ ان کے آنسو دیکھ کر کہا:

رکتا جیفا فرق الدہر بیننا الی اللہ الا تعسی من یامن اللہ

ہم سب ساتھ تھے، زمانے نے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ پس زمانے پر
کون بھروسہ کر سکتا ہو؟

مسئلہ (مستشرقین) میں فوات پائی۔

مفلون تک پہنچی۔

قرآن ختم ہونے پر ان میں سے ایک نے اور بھی زیادہ خوش الحانی مگر عجبیت کے ساتھ ایک دعا مانگی۔ اسی سلطان محمد فاتح کا ذکر تھا جو اس مسجد کا گویا بانی ہو۔ نیز ایک اور سلطان کا بھی نام لیا مگر ہم سمجھ نہ سکے۔

ترک خطیب

اب خطیب منبر پر کھڑا ہوا۔ خطبہ پڑھا۔ یہ خطبہ عربی زبان میں تھا۔ مگر اس کا ترجمہ ہم عربوں کے لئے ناقابل فہم تھا۔ ہم خطیب کا صوفی پلا جھگڑے لکھ کر یہ تھا۔ الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ الذی الہم علی المؤمنین بحکم القرآن۔

خطیب نے خطبہ کے آخر میں جیڑوں السلین دعا کر الموصدین کے لئے دعا کی اور ترکی جہوریت کے بقا و دوام کی التجا پر خطبہ ختم کیا۔

ترک نمازی

ترک نمازیوں کے آداب سمجھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ نہایت ہی عقیدہ و احترام کے ساتھ مصلوں میں بیٹھے تھے۔ از حد شروع و خضوع، ان پر طاری تھا، حالانکہ وہ خطبہ تلاوت میں سے ایک نقطہ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے اعتراض کرنا پڑا کہ یہ بہادر قوم، اپنے ایمان میں نہایت مستحکم ہو۔ لباس اور وضع قطع میں کتنی ہی تبدیلی ہو جائے، مگر اس کے لیا میں کوئی تزلزل نہیں ہو سکتا۔ و حقیقت یہ قوم، تمام مسلمانوں کے لئے قابل فخر ہو۔

نمازی عورتیں

مسجد کے آخری حصہ میں عورتوں کے لئے ایک جگہ خاص کر دی گئی تھی۔ یہ جگہ بھی بھری ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ بڑی عورتیں ہی نماز کی طرف راؤ رافب ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان میں اکثر عورتیں بڑی ہی تھیں۔ شاید یہ صوفیہ ایسی ہی نمازی عورتیں اپنے معبود میں دیکھنا پسند کرتی ہوں۔

مسجد میں عربی تحریریں

ادھر جگہ جگہ میں کچھ نقوش کی جگہ جگہ آتی ہیں اور عربی عبارتیں لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ درمیانی قہ کے مرکز کے گرد یہ آیت خط ثلث میں کندہ ہو۔ الحمد للہ السموات والارض مثل ذلک شکا تہنیا مصلح، المصلح فی زجاجہ، الزجاجہ کا ہنا کوکب درسی بقدر شجرہ مبارکہ زیتونہ لا شرقیہ ولا غربیہ۔

عرب میں یہ آیت لکھی ہو "فاحمدو الحمد اعبدوا"

دیواروں پر بابا "امد محمد، البوکر، عمر، عثمان، علی، جن، حسین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے اسماء لکھی ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تختیاں آویزاں ہیں، اور ان میں لہم الد الرحمن الرحیم اور بہت سی عربی نصیحتیں لکھی ہیں۔ یہ تمام کہتے، فن خطاطی کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ شاید ہی کہیں ان کی نظیر مل سکے۔

ایک عجیب وصف

ایا صوفیہ کی عمارت میں یہ عجیب ہندسی وصف موجود ہے کہ اس میں کڑا کتنی ہی آہستہ بلند ہو، اس کی بازگشت خوب بلند اور بالکل صاف ہوتی ہو۔ چنانچہ امام کے پوسے خطبہ کی بازگشت در دو بار سے مٹا سنا دیتی تھی۔ یہ وصف ہم نے کسی دوسری عمارت میں نہیں دیکھا۔

ایا صوفیہ کو کینسہ بنانے کی برطانی کو شرف

ایا صوفیہ کو دوبارہ کینسہ بنانے کی کو شرف نصیب ہوتی ہے کہ نہ ہو مگر سب سے زیادہ خطرناک اور آخری کو شرف اس وقت کی تھی، جب جنگ عری کے بعد اتحادیوں نے مصلحتاً یہ قبضہ کر لیا تھا۔ مسجد کے بالکل قریب اب تک دو چوٹی توچی باکیں موجود ہیں۔ خالی اور بجا ڈری ہیں وشن سے برطانی فوجوں کی معلوم ہوتی ہیں۔ انھیں دیکھ کر مجھے تعجب

دلا زار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا منظر

اسلام اور نثر اقل

ایک خط کے جواب میں

ایسی باتیں سنائے آتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ سوال یہ ہے کہ اسلام کی جو تعلیم آپ کے علم میں آئی ہے؟ اگر فی الحقیقت آپ مطمئن ہو گئے ہیں کہ وہ اسلام کی تعلیم ہے، تو پھر آپ کو مسلمانوں کی تعلیم میں اسے ڈھونڈنا کیوں چاہتے ہیں؟ آپ کو "اسلام" کی تعلیم کی تلاش ہے یا "مسلمانوں" کی تعلیم کی؟ یقیناً یہ دونوں چیزیں ایک نہیں ہو سکتیں۔ ایک چیز تعلیم بحیثیت تعلیم کے ہے اور ایک چیز اسکے پھیلنے کا نام بدل ہے۔

اگر آپ کو اسلام کی تعلیم کی جستجو ہے، تو وہ دنیا کی ہر تعلیم حقیقت کی طرح صرف اپنے حقیقی سرچشمہ میں ہی ہو سکتی ہے، نہ کہ انسانوں کی تعلیم میں اگرچہ وہ انسان اپنے اعتقاد میں مسلمان ہی کہیں ہیں۔ اگر آپ اس سرچشمہ تک رسائی ہو گئی ہے، تو اگر کم از کم میرا تاثر آتی نسبت تھا کہ آپ کو اس کا اعتراف ہے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ اسلام کی تعلیم معلوم کرنے کے لئے خود اسلام تک پہنچ گئے ہیں، اور اس مسئلہ میں آپ کے لئے صرف یہی رہ جائے کہ خود اسلام سے اسلام معلوم کریں، اور جب معلوم ہو تو جہاں تک اسلامی تعلیم کا تعلق ہے، آپ کی جستجو ختم ہو جائے۔ بلاشبہ آپ کے لئے یہ بات بانی رہ جائے کہ مسلمانوں کی موجودہ زندگی میں اس کا عمل تلاش کریں۔ لیکن "عمل" تلاش کریں۔ یہ نہیں کہ مسلمانوں کے عمل کو "اسلام" کی تعلیم قرار دے دیں۔ اگر مسلمانوں کی زندگی میں آپ کو اس کا عمل نظر آئے، تو آپ یہ رائے قائم کرنی چاہئے کہ اسلام کی تعلیم پر دنیا کی مسلمان نامی جماعت عمل کر رہی ہو۔ نہ مظلوم کے تو افسوس کرنا چاہئے اور نہ کھولنا چاہئے کہ دنیا کی مالگیر گروہوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ مسلمان نامی جماعت بھی اسلام کی تعلیمات پر عمل نہیں۔ میں نہیں جانتا یہ قدرتی اور سماجی طریقہ چھوڑ کر اپنے غلط روی اور کج اندیشی کی راہ کیوں اختیار کریں؟ جہاں آپ کو "عمل" دیکھنا چاہئے، وہاں آپ "تعلیم" ڈھونڈتے ہیں، اور جہاں سے "تعلیم" کی حقیقت کا سراغ مل سکتا ہو، اسے اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں؟

غیر من! میری وہ بات یاد کیجئے جو میں نے بار بار آپ کے ذہن نشین کرنی چاہی تھی: دنیا کی کوئی تعلیمی صداقت بھی ایسی نہیں ہو سکتی ہے کہ نہ تعلیم کا نام و عمل حجت قرار دے کر ہم حقیقت کی طرف قدم بڑھا سکتے ہوں۔ مذہب کو چھوڑنے، دنیوی اور دینی علوم و صنائع کا کوئی مفید سے محدود گوشہ لے لیجئے۔ کیا اس طریقہ سے ہم ان گوشوں میں بھی حقیقت کی طرف قدم اٹھا سکتے ہیں؟ جب دنیا کے ایک معمولی مصنف یا عالم کی کتاب کے لئے لاکھوں کروڑوں انسانوں کا نام و ادعا کچھ مفید نہیں ہو سکتا، اگر کوئی ایسی بات بیان کی جائے جو خود اس کتاب میں موجود نہ ہو، تو مذہب عالم کے لئے جن پر انسانی فہم و استعداد کے تغیرات و حوادث کی صدیاں گزر چکی ہیں اور لاکھوں کروڑوں افراد کے احوال و ظروف سے سنا بعد ازل ان کے تعلیمی حقائق متاثر ہو چکے ہیں، کیونکر کسی فرد یا جماعت کا فہم و عمل حجت ہو سکتا ہو؟

الہلال نمبر ۱۳- میں۔ ایک عزیز طالب حق کی جو مراسلت درج کی گئی تھی، افسوس ہو کہ پے در پے سفر اور علالت طبع کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہونے کی سہلت نہیں ملی۔ اب اس کے لئے وقت بچاں سکا ہوں۔

مذہب اور پروان مذہب

میرا خطاب عزیز موصون سے ہے۔ افسوس ہے، اس خط میں آپ نے اپنے اپنے جوازات ظاہر کئے ہیں وہ اسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں جس کو پرہیز کرنے کا آپ نے ارادہ کیا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب آپ پہلے پہل مجھ سے ملے، اور اپنے دل کے شکوک و اضطراب مجھ پر ظاہر کئے، تو میں نے بعض مقدمات آپ کے ذہن نشین کرنے چاہئے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ یہ وہ بنیادی مقدمات ہیں جن کے بغیر آج طلب حقیقت کی راہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑایا جاسکتا۔ ہر جہاں مقدمات کے ایک مقدمہ پر تھا کہ مذہب اور پروان مذہب امتیاز ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ ایک چیز نہیں ہو۔ مذہب کے بارے میں ہماری دہشتناکی یا مایوسی صرف ایک غلطی کا نتیجہ ہوتی ہیں کہ ہم بسا اوقات ان دونوں کا عددی اختلاف بھول جاتے ہیں۔ میں سب سے پہلی بات جو آپ کے علم میں لانی چاہتا ہوں یہ ہے کہ آپ نے جستجوئے حقیقت میں ایک بنیادی صداقت معلوم کی تھی اور اب اس کا سرسشتہ آپ کے ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے اور افسوس ہے کہ آپ متنبہ نہیں ہیں۔

آپ لکھتے ہیں: ایک بڑی شکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہے کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ کو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ جب تک مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈا ہی جاتی ہے تو نہ صرف یہ کہ نہیں ملتی بلکہ ایسی

صہ ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مکان اس غرض سے بنائے گئے تھے کہ ان میں آگیزہ مباحی دیں گے تاکہ مسجد میں نمازیوں کو داخل ہونے سے باز رکھیں۔ اس وقت اتحادیوں نے یہ مجوزہ نافذ کر لیا تھا اور امر و نذران میں اس کا اعلان کرنا چاہتے تھے۔ مگر وقت ترکوں کو خبر لگ گئی۔ ان کے کئی ہزار آدمی مسجد میں جمع ہو گئے اور طے کر لیا کہ موت سے پہلے ایا صوفیہ کو گرجا بنائے نہیں دیں گے۔ ان کے ارادے کی خبر ہوا کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور عام شورش کا سالن ہوئے لگا۔ اتحادی ڈسٹے اور اپنا فیصلہ کسی دوسرے مناسب قدم کے لئے ملتوی کر دیا۔ اے معین یقین تھا، سال دو سال بعد پوری طرح قابو حاصل کر کے یہ کارروائی کر سکیں گے۔ مگر شیت الہی اس کے خلاف تھی۔ اتحادیوں کو نامراد و مصلحتی غالی کر دیا پڑا۔ ایا صوفیہ آج تک مسجد ہی ہے اور انتشار اللہ مسجد ہی رہے گی۔

مصادر اپنی اہلی حالت میں موجود ہیں، اودہ اس قدر واضح، اس قدر مختصر، اس قدر سہل الحصول ہیں کہ ہر طالب حقیقت طلب و معرفت کا ایک قدم طرہ کر ان تک پہنچ جاتا ہے، اور جیسی کچھ بھی اصلیت ہو اس کے سامنے روشن ہو جاسکتی ہو۔

چونکہ اس آخری قسم کے تمام تعلیمی مصادر محفوظ، مدون، اداہر انسان کے دسترس میں ہیں، اس لئے اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی بیرونی شہادت کی ضرورت نہیں۔ یہ صرف اپنی اندرونی شہادت ہی سے پہچانی جاسکتی اور پرکھی جاسکتی ہو۔

بلاشبہ اس کی علمی روح امتداد زمانہ کے موثرات و عوامل سے متاثر ہو چکی ہو، اور اس لئے ”تعلیم“ اور ”عمل“ دونوں مختلف چیزیں ہو گئی ہیں تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انسانی تعلیم کی بنیادیں کھلی دھنوں کی طرح منہدم ہو گئیں۔ ایک جو اپنے حقیقت معلوم کرے سکتا ہے کہ امتداد زمانہ کے یہ تمام تغیرات سطح سے نیچے نہیں گزرتے ہیں۔ بنیادیں بدستور قائم ہیں مذاہب عالم میں ہندوستان اور ایران کے قدیم مذاہب پہلی قسم میں داخل ہیں۔ یہودی اور مسیحی مذاہب دوسری قسم میں۔ تیسری قسم سے مقصود اسلام ہے۔

جوانی حقیقت کا فرض

اگر ایک شخص کی راہ راہ نہیں ہو جے ”جدل“ سے تعبیر کیا گیا ہو تو وہ عام علیٰ ملکی اس صورت حال کے اعتراف میں برگزناں نہیں کرے گا، اور اس لئے ”تعلیم“ اور ”عمل“ کا اختلاف، یا حقیقی تعلیم اور غیر حقیقی تعلیم کی موجودگی کبھی اس کے لئے ”شک شبہ کا طوفان“ پیدا نہیں کر سکے گی۔ وہ دنیا کی زیادہ سے زیادہ واضح حقیقتوں کی طرح دیکھے گا کہ یہ وہان مذاہب کا موجودہ عمل و فہم ان مذاہب کی حقیقی تعلیم کے لئے حجت نہیں ہو سکتا اور یہ ناگزیر ہو کر حجت، عمل، اور حقیقی تجاربہ سے بے اثر ہو کر صرف مذہب اور اس کی ”تعلیم“ پر اعتبار کریں۔ ورنہ یا تو ہمیں یک قلم مذاہب کے برخلاف فیصلہ کرنا پڑے گا، یا فرقہ وارانہ تعصب و ابھار میں مبتلا ہو جائیں گے، اور اس طرح ہم حقیقت کا اعتدال ملنے کی راہیں ہم پر بند ہو جائیں گی۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہو، شاید ہی دنیا میں کسی تعلیم کی حقیقت اصلیت کا ادراک اس قدر آسان اور سہل ہو، جقدر اسلام کا ہو۔ آدلی یہ کہ اس کی تعلیمی اصل اس طرح محفوظ اور مرتب دنیا کے انسان کے دسترس میں ہو، کہ بغیر کسی علمی تحقیق و کاوش کے ہر شخص حاصل کر لے سکتا ہو اور اس کے مطالب سے واقف ہو جاسکتا ہو۔ تاہم اس کے تمام مصادر اس طرح سہل و آسان اور سہل ہو، جقدر اسلام کا ہو۔ کی گئی ہیں۔ بنیادیں تعلیمی مصادر کی جتنی بھی مقدار ہو، بحث مختصر ہو۔ اتنی مختصر ہو کہ اگر ایک معمولی درجہ کا تعلیم یافتہ انسان چاہے تو ایک دن کے اندر معلوم کر لے سکتا ہو کہ اسلام کے تعلیمی مصادر کے مطالب کیا کیا ہیں۔ سوال یہ ہو کہ ایک تعلیم اس درجہ واضح اور سہل ہمارے سامنے موجود ہو، تو کیا کسی انصاف پسند ”غیر مجادل“ انسان کے لئے جائز ہو سکتا ہو کہ وہ اس کے فہم کے لئے خود اپنے اعتماد نہ کرے، اور اگر اس کی تعلیم میں اور بعض انسانوں کے فہم میں اختلاف واقع ہو جائے، تو اپنے آپ کو ”شک شبہ کا طوفان“ کے حوالے کرے؟

یہاں تک میں نے صرف اصولی بحث کی ہو۔ اب مجھے آپ کے بعض تاثرات اور پیش کردہ سوالات کا جواب دینا چاہئے۔

معنی یہ نہیں ہیں کہ زبان سے اہل دعویٰ کیا جائے۔ جہاں تک دعویٰ کا تعلق ہو، کوئی سخت سے سخت مجادل (جھگڑالو) انسان بھی اس کو سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرے گا۔ چاہے کہ سچ کو جیل نزع کی حکمت پر اس کے ایک سچے اور بے نفس متلاشی کی روح آپ کے اندر پیدا ہو جائے۔ اس صورت میں آپ کے بحث و مبالغہ کا انداز ہی دوسرا ہو گا۔ جو چیزیں بقول آپ کے آج ”شک شبہ کا طوفان“ آپ کے اندر پیدا کر دیتی ہیں، اس حالت میں آپ کے لئے مزید یقین کا پیغام اور معرفت حق کا وسیلہ بن جائیں گی!

مذاہب عالم بہ اعتبار حفظ و عمل

اگر ایک شخص ”مجادل“ نہیں بلکہ ”طریق“ ”ہدایت“ پر عامل ہو، تو وہ بغیر کسی بحث و اختلاف کے تسلیم کرے گا کہ آج جس قدر مذاہب دنیا میں موجود ہیں، تعلیمی مصادر کے لحاظ سے ان میں تین قسمیں کی جاسکتی ہیں: (۱) وہ مذاہب قدیم مذاہب جن پر امتداد زمانہ سے انقلاب حالت کے ایسے دور گزر چکے ہیں کہ اب ان میں ان کی حقیقی صورت و حالت میں تعلیم کرنا نہایت دشوار ہو گیا ہو۔ ان کی تعلیم کے مصادر محفوظ نہیں ہیں ان کی حقیقی تعلیمی روح یک قلم منقلب ہو گئی ہو، ان کے پیروں کی علمی زندگی میں کتاب کوئی سرراغ نہیں لگایا جاسکتا۔

کسی چیز کی اصلیت حقیقت معلوم کرنے کے لئے دو طرح کی شہادت مل سکتی ہیں: اندرونی اور بیرونی۔ دونوں کا مطلب واضح و معلوم ہے۔ حاجت تشریح نہیں۔ اس قسم کے مذاہب کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے لئے ہم ان کی اندرونی شہادتوں پر قناعت نہیں کر سکتے، کیونکہ انقلاب حالت کی وجہ سے ان کے پیروں کی علمی زندگی میں اس درجہ بدل چکی ہو کہ اس سے حقیقت کی شہادت ملنا متوقع نہیں۔ طالب حقیقت کے لئے ضروری ہو کہ وہ بیرونی شہادتوں کی جستجو کرے۔ اگر کوئی ایسی شہادت مل جائے تو اس کی روشنی میں ان کی اندرونی حالت پر نظر ڈالے۔

(۲) دوسری قسم ان مذاہب کی نظر آئے گی جن کی عمر پہلی قسم کے مذاہب سے کم ہو، اور جن میں شہادت اپنی تعلیم کی اشاعت تو وسیع کے کئے بہتر زمانہ حاصل ہوا تھا۔ اس لئے اگرچہ ان پر بھی انقلاب حالت کے وہ تمام دور گزر چکے ہیں جو اصلیت کو محض اور تبدیل کرتے ہیں، مگر اس روح یک قلم مغفود ہو جاتی ہو، تاہم ان کی تعلیم کے بنیادی سرچشمے اس حد تک مزید موجود ہیں کہ ایک طالب حق ان سے اندرونی شہادت حاصل کر سکتا ہو، اور بغیر تحریف کے بے شمار پڑے پڑ جانے پر بھی اس کی جھلک نظر آجاتی ہو۔

اللہ یہ اندرونی شہادت اس درجہ واضح اور قطعی نہیں کر پڑتی شہادتوں کی ضرورت نہ ہو۔ ضروری ہو کہ کوئی مضبوط شہادت باہر بھی حاصل کی جاسکے، ورنہ حقیقت کا قابل یقین فیصلہ نہیں ہو سکے گا۔

(۳) اگر ہم نے صحت نظر کے ساتھ ان دونوں قسموں پر نظر ڈال لی ہو، تو ضروری ہو کہ ایک تیسری اور آخری قسم بھی سامنے آجائے۔ یہ وہ قسم ہو جس کا نکلنا دنیا کے تمدن و علوم کی اشاعت و تبلیغ کے نامے میں ہوا، اور اس لئے ایسے وسائل اس کے لئے ہم ہو گئے کہ تعلیمی مٹا کے تلف ہونے یا کسی بیٹی سے محروم ہوجانے کا کوئی ٹھکانا باقی نہیں رہا جس طرح اس نے اس میں جبکہ اس کا بنیاد بنا دیا ہو، اس کی تعلیم اپنی حقیقی صورت و حالت میں بھی جاسکتی تھی، ٹھیک اسی طرح آج بھی ہر آنکھ دیکھ لے سکتی ہو۔ اللہ انقلاب حالت کے وہ تمام دور و محبت پسندی کی داعی و علمی زندگی پر گزرا کرتے ہیں، اس پر بھی گزرتے ہو۔ جھگڑا اس کے فہم و عمل کی روح و درون درون پر پڑتی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی حقیقی تعلیم کے مقابل میں، اس کے پیروں کی علمی ذہنیت نے جہت مجروری ایک نئے قسم کا نقشہ پیدا کر دیا۔ تاہم ایک جو اپنے حقیقت کے لئے اضطراب و تشویش خاطر کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اس کے تمام تعلیمی

طریق جدل اور طریق ہدایت

معلوم نہیں آپ کو وہ بات بھی یاد رہی یا نہیں جو میں نے گذشتہ سال آپ کے ذہن نشین کرنی چاہی تھی۔ اس راہ میں بحث و جستجو کے ہمیشہ سے دو طریقے ہوئے ہیں۔ ایک طریقہ وہ ہے جسے قرآن نے اپنی زبان میں ”جدل“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہو۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جسے ”ہدایت“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہو۔ ”جدل“ کے معنی (لڑنے جھگڑنے کے) ”ہدایت“ کے معنی سیدھا اور سچی راہ اختیار کرنے کے ہیں۔

وہ تمام لوگ جو حقیقت و صداقت کے متلاشی نہیں ہوتے بلکہ کھالی خیال اور جذبہ سے اپنی کوئی بات منوانی اور دوسرے کی کوئی بات گرا دینی چاہتے ہیں، طریق جدل پر عامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو کتنا ہی حق کا طالب مطیع ظاہر کریں، لیکن فی الحقیقت وہ حق کے نہیں اپنی ہوا و نفس کے مطیع ہوتے ہیں۔ وہ سچائی کے متلاشی نہیں ہوتے کہ ہر موقع پر اس کے ظہور و علم کے منتظر رہیں۔ وہ محض اپنے کسی ٹھکانے ہونے خیال اور اعتقاد کے تجارتی ہوتے ہیں، اور اس لئے ہمیشہ ابا د ہونڈھ میں لگے ہوتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنی بات منوادیں۔ مذاہب عالم کے پرجوش حامیوں، مذہبی مجالس کے زبان دراز مناظروں اور مذہبی بحث و منظر کے بنائے ہوئے نام نہاد علوم میں سرسٹ کھنڈ والوں کا غالب حصہ اسی طریق جدل کی پیداوار ہے۔

لیکن دوسرا طریقہ ”طریق“ ”ہدایت“ ہے۔ یہ ان لوگوں کی راہ ہے جو سچ کو سچائی اور حقیقت کے متلاشی ہوتے ہیں، اور منوانے کے لئے لکڑیاں لینے کے لئے قدم پر ہاتے ہیں۔ وہ نہ تو کوئی خاص فریق یا جڑ رکھتے ہیں، نہ کوئی خاص فریق یا دعویٰ۔ نہ تو ان میں کسی خیال اور راہ کی برتری ثابت کرنے کی بیج ہوتی ہو، نہ کسی خاص خیال اور رائے کو رکھنے کا جوش۔ ان کی طلب، ان کی جستجو، ان کا اعتقاد، ان کا مشرب، ان کا حلقہ، ان کی تمام کوشش کی غرض غایت، صرف یہی ہوتی ہو کہ حق کی تلاش کی جائے، اور جب مل جائے تو اسے پہچان لیا جائے۔ اس طریقہ کے رہرو کی ہر بات کچھ طریقہ سے مختلف ہوتی ہو کیونکہ مقصد اور نظر و فکر کی روح میں بھی اختلاف ہوتا ہو۔ طریق جدل پر چلنے والے سچائی کے نہیں بلکہ سچائی کے نام پر جھگڑنے کے شائق ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی ہر بات میں ایک جھگڑا و اوارج بحث و داغ کی روح پائی جاتی ہو۔ لیکن طریق ہدایت کا یہ وکسیال میں بھی جھگڑا و اوارج بحث و گفتگو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کی روح طلب حق کی روح ہوتی ہو، اور حق کی طلب اور اس کی معرفت کا عشق کبھی بحث و نزاع کی نفس پرستیوں کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ حقیقت ان دونوں طریقوں میں نہ صرف اختلاف ہو بلکہ صریح تضاد ہو۔ پہلے کا نتیجہ یہ ہو کہ حق کی طلب و معرفت کی استعداد ہی طبیعت انسانی میں باقی نہیں رہتی۔ دوسرے کا نتیجہ یہ ہو کہ صرف حق ہی کی طلب معرفت کا استغراق باقی رہ جاتا ہو۔ نفس ہوس کی تمام غفلتیں اور خود پرستیوں معدوم ہو جاتی ہیں۔

جدل یا ہدایت؟

میں نے پہلے بھی لکھا تھا، اور اب پھر ایک توجہ دلاتا ہوں کہ اگر سفر کا غم ہو تو کیوں پہلے ہی سے اپنی گری کا بھی فیصلہ کر لیں؟ کیوں نہ قدم بڑھانے سے پہلے سوچ سمجھ لیں کہ ہمیں کونسی راہ اختیار کرنی ہے؟ راہیں یہاں دہی ہیں۔ ایک وہ جسے قرآن نے اپنی لولی میں ”جدل“ کہا ہو۔ دوسری وہ ہے ”ہدایت“ سے تعبیر کیا ہو۔ اگر ”جدل“ کا شرعی ہو، تو واقعہ یہ ہو کہ آج دنیا کے پرستانہ مذاہب میں نہ تو صدی انسان اسی راہ پر گامزن ہیں۔ آپ بھی اس بیڑ میں شامل ہو جائے۔ لیکن اگر حق کی طلب اور سچائی کی لگن ہو، تو پھر ضروری ہو کہ دوسری راہ اختیار کی جائے۔ لیکن دوسری راہ اختیار کرنے کے



کیا آپ کو معلوم نہیں

اسوقت

دنیا کا بہترین فائنٹن قلم

امریکن کارخانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“ قلم ہو؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ نکالتا

پچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کی زندگی بھر

کام دے سکتا ہو

(۳) آتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری

نیل بوٹوں سے مزین کہ آتنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے کبھی

یاد رکھے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں

تو

آپ کو ”شیفر“ کا

”لائف ٹائم“

لینا چاہیو!

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی

کتنی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا

کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے

استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس

طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و

ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہو؟

۱۹۱۹ء میں جتنے نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی

کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف

کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھوٹیں چھپی ہیں۔ ۱۲ (میںچرالسلام) کلکتہ



حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

نکالیں گے۔ یہ سیکرٹ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے لئے + بیوی کے لئے

مرکز ہمدرد دواخانہ دیلا

موسم گرما کا نیا تحفہ

یاد رکھئے

شریت روح افزا ۲۹۳ (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم باسٹی ہو کر بلا تفریق مذہب تمام ہر دھرمی و شرت مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک فیر تک شرت حاصل کرچکا ہے اور جس کو ختم ہر (عین معقولہ) رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کرالیا گیا ہے۔

محرم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اسکا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے فوائد کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی سلسلہ پیچہ مشتاقانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان جیسو میں بڑے علم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شرت کا استعمال کسی نہ بیک غلات نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔ ناظرین! یہ شرت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فوائدات مثل انگور، سیب، رنکھو وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبرائے کو مٹا کر تازہ۔ اختلاج قلب، دوسرے دوران سر، تلی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عمدہ اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

مضوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے فتن رکھتی ہیں ظاہر طور پر رنگ و لہریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خدادہم ثواب کے مصداق بیک کی خدمت کو ملاد ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ تول دیکھ کر اسکا استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہو اور جس کی ہر چیز دیسی ہے۔ خوش ہوئے اور باوجود اس خیال ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس کو فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی تول ایک روپیہ اٹھ آنے (بیم) حکموں اور عطارد کے علاوہ تاجران شرت کو بشرطیکہ وہ ایک دھن یا اس کو زیادہ خریدیں اور فی پیکیشن یا جگہ

نوٹ: اس شرت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شرت کا بلتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ

شریت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ تول پر ہمدرد دواخانہ کا خوشناملیل اور سپر فطر جبر و ضرر ملاحظہ فرمائیں۔

دانش ہے کہ یہ شرت ہمدرد دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی ہو سکتا ہے۔ "فرت دواخانہ معہ خبری ۱۹۲۷ء کا رڈ آنے پر رفت ارسال ہوگی۔"

تار کا کافی پتہ ہمدرد دہلی

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی

اگر آپ

دُم (ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD کی

مشہور عالم دوا کا سنگوار

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنگام ٹیک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ آپ کو مطلع کرے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجاسکیں جن کی ایک سیاح کو

قدم قدم پر ضرور پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک

ڈنلاپ گائیڈ بک برٹین

The Dunslop Guide to Great Britain

دوسرا ایڈیشن ہے ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے میلوں اسٹیشنوں کے بک ٹال سے مل سکتی ہے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور درست طلب کی کوتاہی سے گھر آگے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دنیا میں کتب فروشوں کا عظیم مرکز ہے
اور
جسے ملکِ عظمِ برطانیہ اور اُن کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور متحدہ ممالک میں شائع ہو رہا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یونانی زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایدیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہماریاں

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ررنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تہڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تہڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

۱۹۲۷

شماره ۱۷

جلد ۱

المعانی

ابن عربی

قیمت

۵ - آنه

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع معصول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے ۔

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا ۔

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے ۔

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے ۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا ۔

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ، مقامی ذاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے ۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں ۔

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کورن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں ۔

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض ، مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا ۔

الہلال

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۷ - ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۷

Calcutta : Friday, 14, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں ؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی ۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے ۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی ۔
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں ، وہ ہیں جن میں الہلال
چھپتا ہے ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں ۔ آپ ان
دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں ۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے ۔ یاد رکھیے ۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے ۔ ضروری ہے کہ اسکی
تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں ۔

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۴۰۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۲۰۷	اردو حروف کی حق میں	۳۹۰
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۴۲۴	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۴۰	نستعلیق ہوں	۱۴۰

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے ۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں
ہے ۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے ۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر
کریں گے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں ۔

الہلال



حضرت ابراہیم اور ایک بادشاہ کا

مکالمہ

۴ کریمہ ”الم تر الی الذی حاج ابراہیم“ کی تفسیر

ایک استفسار

(از جناب مولوی محمد عبدالحق صاحب سکندرابادی)

جیسا کہ جناب کو معلوم ہے، میں گزشتہ سال سے ایک سلسلہ رسائل کی ترتیب میں مشغول ہوں جن کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کے مطالب حکیمانہ ایک ایسے نئے اسلوب سے بیان کیے جائیں کہ آج کل کی مذہب سے برگشتہ طبیعتیں ان سے تشفی حاصل کر سکیں۔ ایک ہمدرد ملت رئیس دکن نے ان کے انگریزی زبان میں ساتھ ساتھ ترجمہ کرانے کا بھی انتظام کر دیا ہے، اور امید ہے کہ چند ماہ کے اندر انکی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو جایگا * * * * * اس سلسلہ میں قرآن مجید کے متعدد مقامات ہیں جو ایک عرصہ سے میرے سامنے ہیں۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ جیسا تشفی بخش حل انکا ہونا چاہیے، اس وقت تک نہیں ہو سکا ہے، اور جب تک خود اپنی طبیعت مطمئن نہ ہو جائے، دوسروں کے سامنے قدم آٹھانا دیانت تحریر کے خلاف سمجھتا ہوں۔ یہ عرض کرنا ضروری نہیں کہ قرآن مجید کے فہم و مطالعہ کا جسقدر بھی خاکسار ذوق پیدا کر سکا ہے، وہ سب جناب ہی کے طفیل ہے، اور جناب ہی کی تحریرات کے شغف کا نتیجہ ہے۔ اسلیے ان مشکلات میں بھی جناب ہی سے دستگیری کی امید ہے۔ اگرچہ وہ مقامات ایک سے زیادہ ہیں، مگر سر دست میں جرات نہیں کر سکتا کہ جناب کا زیادہ وقت لوں۔ صرف ایک مقام کی نسبت اپنا اطمینان چاہتا ہوں جس کے خاطر خواہ حل نہ ہونے کی وجہ سے خاکسار کی زیر ترتیب کتاب کا کام رک گیا ہے۔

سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک پادشاہ کے مناظرہ کا ذکر جسکی نسبت ہمارے مفسرین کا بیان ہے کہ وہ نمرد تھا : الم تر الی الذی حاج ابراہیم فی ربہ ان انا اللہ الملک، ان قال ابراہیم ربی الذی یحیی و یمیت، قال انا احيی و امیت، قال ابراہیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بها من المغرب، فہمت الذی کفر، و اللہ لا یہدی القوم الظالمین۔ مضمون اس آیت کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم سے نمرد نے خدا کے باب میں جھگڑی۔ اسپر انہوں نے فرمایا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ یعنی زندگی اور موت اسی کے قبضہ و

تصرف میں ہے۔ اگر کوئی دوسری ہستی خدائی کی مدعی ہے، تو اسے چاہیے کہ یہ قوت و تصرف اپنے اندر ثابت کرے۔ نمرد نے اس کے جواب میں کہا۔ اگر یہی وصف خدائی کا ہے تو یہ مجھے میں بھی ہے۔ میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیم نے یہ سنکر فرمایا کہ خدا پررب سے سرچ نکالتا ہے۔ تو پچھم سے نکال دے۔ اس پر نمرد مبہوت ہو کر رہ گیا۔

یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرد کا مناظرہ ہے جسمیں نمرد کی حیثیت خدائی کے مدعی کی ہے اور حضرت ابراہیم اس کے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اب اس آیت کی تفسیر میں چند درجہ مشکلات حائل ہیں :

(۱) اول یہ کہ جب نمرد خدا ہونے کا مدعی تھا، تو ظاہر ہے کہ دلیل پیش کرنا اس کے ذمہ تھا۔ نہ کہ حضرت ابراہیم کے ذمہ جنکی حیثیت منکر کی تھی۔ لیکن یہاں حضرت ابراہیم اس سے کوئی دلیل نہیں مانگتے۔ بلکہ خود اپنے پروردگار کی پروردگاری کی دلیل پیش کر دیتے ہیں کہ ”الذی یحیی و یمیت“ اور وہ اس سے معارضہ کرنے لگتا ہے۔

(۲) پھر جب انہوں نے ایک ایسی دلیل بیان فرمادی تھی جس سے بڑھکر واضح اور قاطع دلیل نہیں ہوسکتی، تو چاہیے تھا کہ نمرد کے جاہلانہ اور طفلانہ معارضہ کی قلعی کھول دیتے۔ کیونکہ وہ اپنے جہل و بلادیت سے زندگی بخشنے اور موت دینے کا وہ مطلب سمجھ ہی نہ سکا تھا جو موتی سے موتی انسانی عقل کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ وہ بول اُٹھا کہ یہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے۔ ضروری تھا کہ حضرت ابراہیم فرماتے، موت اور حیات بخشنے سے مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ ان دیکھی ذات تمام جانداروں کو نیستی سے ہستی بخشتی ہے، اور پھر ایک خاص وقت پر فنا کر دیتی ہے، اسی طرح تو بھی ایک چھوٹا سے چھوٹا کچرا بنا دیکھ۔ لیکن آپ یہ نہیں کہتے، بلکہ فوراً اس دلیل کو چھوڑ کر ایک دوسری دلیل پیش کر دیتے ہیں۔ یعنی سرچ کو اسکی معمولی سمت کی جگہ دوسری سمت سے نکال دینے کی فرمائش کرتے ہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ گویا اپنے اپنی پہلی دلیل کی کمزوری مان لی۔ اور (نعوذ باللہ) نمرد کے معارضہ سے لاجار ہو گئے۔ اسلیے اسے چھوڑ کر نئی دلیل کا سہارا لیا۔ ایک معمولی مناظر کیلئے بھی یہ بات دلیل عاجز ہے، چہ جائیکہ ایک جلیل القدر پیغمبر کیلئے۔

(۳) پھر دوسری دلیل جو پیش کی گئی، اس پر بھی شبہات وارد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید ناطق ہے کہ پہلی دلیل سے نہیں مگر دوسری دلیل سے نمرد لا جواب ہو کر رہ گیا۔ مگر اعتراض ہو سکتا ہے کہ جس شخص کی شرح چشمی کا یہ حال تھا کہ موت و حیات کے وصف الہی تک کا بیان اسے چپ نہ کر سکا، وہ اس دوسری دلیل سے کس طرح لا جواب ہو گیا؟ اگر کہا جائے، اس لیے کہ وہ پچھم کی طرف سے سرچ نکالنے پر قادر نہ تھا، تو جواب یہ ہے کہ وہ موت و حیات بخشنے پر بھی تو قادر نہ تھا؟ جس طرح اس بات کا ایک غلط مطلب ٹھہرا کر اس نے معارضہ کر دیا تھا اور حضرت ابراہیم ترک دلیل پر مجبور ہو گئے تھے، اسی طرح اس کا بھی کر دے سکتا تھا۔ کھدیتا میں بھی ایسا کر سکتا ہوں۔

(۴) علاوہ بریں دلیل کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسی بات ہوتی ہے کہ اس کے اثبات سے مدعا کا ثبوت متحقق ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم کی دوسری دلیل ایسی معلوم نہیں ہوتی۔ اس کا اثبات اس مقدمہ کے اثبات پر موقوف ہے کہ ”خدا وہی ہو سکتا ہے

موت و حیات وجود میں آسکتی ہے - مثلاً مرد اور عورت کے ملنے کے واسطے سے زندہ انسان پیدا ہو سکتا ہے ' اور قتل کے ذریعہ ہلاک کیا جاسکتا ہے - اس کے جواب میں حضرت ابراہیم نے اپنی دلیل کی مزید وضاحت کی اور فرمایا کہ احمیاء اور اماتت اگرچہ افلاک کی حرکات کے واسطے سے ظہور میں آتی ہے ' لیکن افلاک کی حرکت بھی تو خدا ہی کے حکم و مشیت سے ہے - اُس کے سرا کرن ہے جو انہیں حرکت میں لا سکے ؟ اور جب اُس کے سرا کوئی دوسرا افلاک کو متحرک نہیں کر سکتا ' تو ثابت ہو گیا کہ احمیاء اور اماتت بھی نہیں کر سکتا -

میں حیوان ہوں کہ اس امام جلیل القدر کی اس تقریر کی نسبت کیا عرض کروں ؟ ان کے جواب سے شبہ درہوا ہے یا آور زیادہ مضبوط ہو گیا ہے ؟ اول تو یہ فرض کرنا کہ نمرود کا مطلب اعتراض سے واسطہ اور بغیر واسطہ کا جھگڑا تھا ' کہاں سے ثابت ہوتا ہے ؟ قرآن مجید میں تو صرف اتنا ہی ہے کہ " انا احی و امیت " پھر یہ کہنا کہ یہ دوسری دلیل کی مزید توضیح ہے ' نئی دلیل نہیں ہے ' کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا - افلاک کی حرکت کو بھلا موت و حیات سے کیا تعلق ؟ کیونکہ یہ استدلال پہلی دلیل کے ساتھ مربوط ہو سکتا ہے ؟ پہلی دلیل کا تعلق جلانے اور مارنے کی صفت سے تھا - دوسری میں سورج کے طلوع و غروب کی جہت سے - اس میں اور موت و حیات کی طاقت و تصرف میں کوئی علاقہ نہیں - تعجب ہے کہ کیونکہ امام موصوف ایسی کمزور اور بے ربط بات کو محققین کا مذہب قرار دیتے ہیں اور وثوق کے ساتھ قرار دیتے ہیں -

پھر مفسرین کا یہ عام مذہب بھی کہ دوسری دلیل پہلی سے ارضع ہے ' تشفی پیدا کرنے سے قاصر ہے - صاف بات تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ پہلی دلیل ہی زیادہ واضح اور قطعی تھی -

تیسرے شبہ کا جواب امام موصوف نے یہ دیا ہے کہ نمرود دوسری دلیل کا معارضہ نہیں کر سکا - اسلیے کہ ہو سکتا ہے ' خدا نے اُس وقت اُس کے حواس مختل کر دیے ہوں - وہ اس قابل ہی نہ رہا ہو کہ اعتراض کرے - سوال یہ ہے کہ اگر معترض اور مشکک کو اسی طرح حواس باختہ کر کے چپ کرادینا تھا ' تو پھر اس مناظرہ کی ضرورت ہی کیا تھی ؟ پہلے ہی سے مضبوط الحواس بنا دیا ہوتا تاکہ وہ اعتراض ہی نہ کر سکتا - علاوہ بریں اگر خدا تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ جو معترضین انبیاء کرام سے معارضہ کرتے ہیں ' ان کے حواس سلب کر لیا کرتا ہے ' تو اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام کے پاس مسکت اور قاطع جواب نہیں ہوتے ' اس لیے غریب معترضین مضبوط الحواس کر کے چپ کر دیے جاتے ہیں - کیا ایسے جوابوں سے قرآن مجید کے معارف روشنی میں آسکتے ہیں ؟ خصوصاً اس زمانے میں ؟

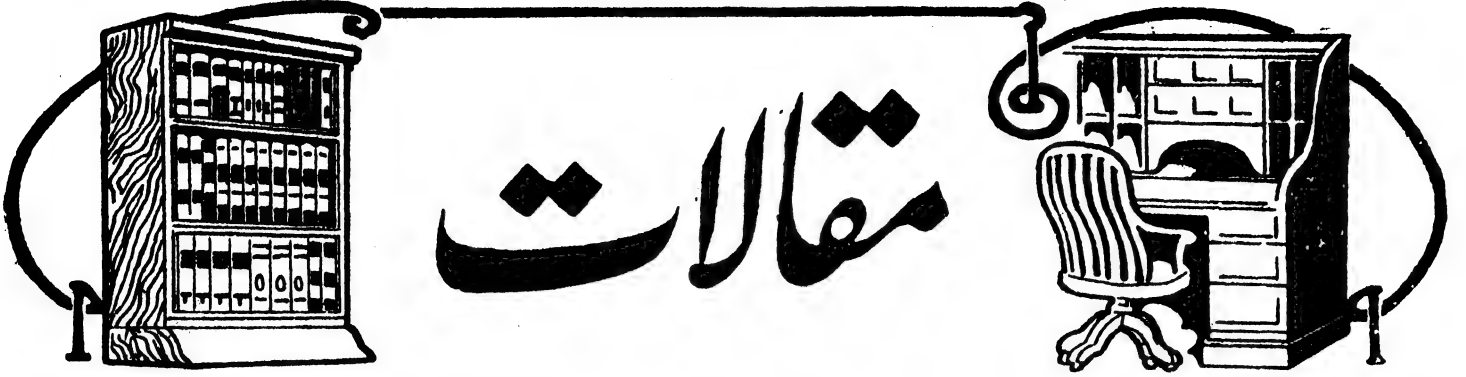
خود امام صاحب بار بار اس پر زور دیتے ہیں کہ " جب ایک دلیل یا مثال خصم کے مقابلہ میں پیش کی جائے ' اور اُس پر وہ نا فہمی سے اعتراض کر دے ' تو مستدل کا فرض ہے کہ اُس کے اعتراض کی خامی ظاہر کر دے اور بغیر اس کے اُسے نہ بڑھے ' اور جب ایک معمولی مناظرے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے ' تو ظاہر ہے کہ ایک نبی اولوالعزم کے لیے کیوں ضروری نہ ہو جس کا مناظرہ تمام دنیا کے سامنے بطور ایک بنیادی صداقت کے پیش کیا جا رہا ہے ؟ " تاہم وہ اس قوت کے ساتھ اعتراض وارد کرے ' اس کا کوئی کمزور سے کمزور جواب بھی نہیں دیتے ' اور صرف یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ " محققین کی تفسیر پر شبہات وارد

جر سورج کو جس طرف سے چاہے نکالے " لیکن سورج کا ایک سمت کی جگہ کسی دوسری سمت سے نکلتا کوئی دنیا کا محسوس واقعہ نہ تھا جو لوگوں کے علم میں ہوتا اور حضرت ابراہیم آسے اپنے پروردگار کا فعل قرار دے سکتے - نمرود کہہ سکتا تھا کہ اچھا اگر یہی دلیل ہے تو تمہارا پروردگار پورب کی جگہ پیچھم سے ایک مرتبہ نکال دکھائے - اس پر حضرت ابراہیم کیا جواب دیتے ؟ کیا وہ اپنے پروردگار سے چاہتے کہ نظام شمسی کا پورا کارخانہ درہم برہم کر کے سورج دوسری سمت سے نکلتا ہوا دکھا دے ؟

(۵) علاوہ بریں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی دلیل سے رجوع کر کے دوسری دلیل پیش کی ' تو ضروری تھا کہ یہ پہلے سے زیادہ واضح و اقطع ہوتی - اُن کی پہلی دلیل یہ تھی کہ موت و حیات کی باگ اللہ ہی کے ہاتھ ہے - دوسری یہ کہ اجرام سماری اُسی کے حکم و مشیت سے کام کرتے ہیں - ظاہر ہے کہ دوسری دلیل پہلی سے زیادہ رزنی نہیں کہی جاسکتی - اگر موت و حیات جیسا واضح اور بدیہی معاملہ خصم کو ساکت نہ کر سکا ' تو اجرام سماری کا معاملہ کیا مفید اثبات ہو سکتا ہے ؟

میں نے بڑے ہی شوق سے حضرت امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر دیکھی تھی - کیونکہ وہ قرآن مجید کے مقامات کو عقلی مباحث سے صاف کرنا چاہتے ہیں - مگر میں عرض نہیں کر سکتا کہ مجھے کس قدر مایوسی ہوئی ؟ لطف یہ ہے کہ انہوں نے پوری تفصیل کے ساتھ یہ تمام شبہات خود ہی لکھے ہیں ' لیکن جواب کا جو کچھ حال ہے ' اس کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ اُس کے پڑھنے کے بعد اپنے دل کو آور زیادہ شکوک و شبہات میں مبتلا پاتا ہوں -

پہلے شبہ پر انہوں نے بالکل توجہ نہیں کی ہے - دوسرے شبہ کے دو جواب دیے ہیں - ایک یہ کہ ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل کا اختیار کرنا مستدل کے لیے جائز ہے - اس میں کوئی حرج نہیں ' کیونکہ دوسری دلیل پہلی دلیل سے ارضع ہے - اسے عام مفسرین کی طرف منسوب کرتے ہیں - دوسرا جواب " محققین " کا جواب قرار دیا ہے - وہ یہ ہے کہ " یہ ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل کا اختیار کرنا نہ تھا - بلکہ ایک ہی دلیل کی مزید وضاحت کرنی تھی : و ہوا نا نری حدیث اشیاء لا یقدر الخلق علی احداثہا ' لہ امثالۃ ' منها الاحیاء و الاماتۃ ' و منها السحاب و الرعد و البرق ' و منها حرکات الافلاک و الکواکب ' و المستدل لا یعجز لہ اُن ینقل من دلیل علی دلیل آخر ' لکن اذا ذاک لایضاح کلام مثلاً ' فہ اُن ینقل من ذلک المثال الی مثال آخر ' فکان ما فعلہ ابراہیم من باب ما یکن الدلیل و احداً ' الا انہ یقع الانتقال عند ارضاعہ من مثال الی مثال آخر - و ہذا الرجہ احسن و البیق بکلام اہل التحقیق " اُس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں : " لما احتج ابراہیم بالاحیاء و الاماتۃ ' ارد الخصم علیہ سوالا لا ینلق بالعقل ' و ہوا انک اذا دعیت الاحیاء و الاماتۃ لا براسطۃ ' فذلک لا تجعد الی اثباتہ سبیلاً ' و ان دعیت حصلاً بواسطۃ حرکات الافلاک ' فنظیرہ او ما یقرب منه حاصل للبشر - فاجاب ابراہیم بان الاحیاء و الاماتۃ و ان حصلاً بواسطۃ حرکات الافلاک ' لکن تلک الحرکات حصلت من اللہ تعالیٰ و ذلک لا یقدح فی کون الاحیاء و الاماتۃ من اللہ ' بخلاف الخلق فانہ لا قدرۃ لہم علی تحریرات الافلاک " خلاصہ اس تقریر کا یہ ہے کہ پہلی دلیل پر جو نمرود نے اعتراض کیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اُس نے کہا ' خدا کی صفت جلانے اور مارنے کی کیسی ہے ؟ وہ بلا واسطہ جلاتا اور مارتا ہے ' یا افلاک کی حرکت اور اس کے اثرات کے ذریعہ ؟ اگر پہلی بات ہے تو اُس کا اثبات ممکن نہیں - اور اگر دوسری بات ہے تو یہ انسان کو بھی حاصل ہے - یعنی رسالط کے ذریعہ



علم الاجتماع

(۳)

(ناموس اجتماع اور محافظت و تجدید)

افراد کے وجدان سے علیحدہ، جماعتی وجدان کے متعلق ہم نے جتنے اقوال نقل کیے ہیں، دلائل نے اب تک ان کی تصدیق نہیں کی ہے۔ نیز اب تک یہ بھی ثابت نہیں ہوا ہے کہ جماعت کی صفت عضویت، افراد کی عضویت سے الگ وجود رکھتی ہے۔ یہ اقوال نظریوں اور آراء کا حکم بھی نہیں رکھتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تشبیہات و استعارات ہیں۔

لیکن ساتھ ہی یہ یقینی ہے کہ تمام طبیعی کائنات کی طرح عالم اجتماع کے بھی خاص نوامیس و قوانین ہیں، اور وہ غیر متبدل اور آقل ہیں۔

اجتماع کا ایک قانون یہ ہے کہ جن اجزاء سے سلطنت اور امت مرکب ہوتی ہے، وہ تمام اجزاء باہم دگر اس درجہ وابستہ و مربوط ہوتے ہیں کہ ایک جزء کے متاثر ہونے ہی باقی تمام اجزاء بھی فوراً متاثر ہو جاتے ہیں۔

اس اجتماعی قانون کی بنا پر مقننین اور مصلحین کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ماهر طبیبوں کی طرح اصلاح و تشریع میں بہت زیادہ ہوشیار و محتاط ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک عضو کی بیماری کے علاج میں باقی اعضاء سے غافل ہو جائیں اور پہلی بیماری سے بھی بدتر بیماریوں کی پیدائش کا سبب بن جائیں۔

علم اجتماع کے درجہ ہیں: ایک طرف وہ جدید اصلاحات اور جدید اصول و مبانی کا حامی ہوتا ہے تا کہ مستقبل، ماضی و حال سے بہتر ہو جائے۔ دوسری طرف وہ ماضی و قدیم کی بھی حفاظت چاہتا ہے۔ وہ قوموں کو بتاتا ہے کہ اپنا ماضی، اپنے مقومات اور اپنی خصوصیات بالکل فنا نہ ہو جائے دیں، انہیں بجائیں اور باقی رکھیں۔ روزہ ان کی قومیت درہم برہم ہو جائیگی اور اصلاح، فساد کا ذریعہ بن جائیگا۔

تاریخ بھی ہمیں یہی سبق دیتی ہے۔ مشاہدہ کی بھی یہی ہدایت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں کی ترقی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ تبدیل و تغیر قبول کریں۔ یعنی وہ نئے اوصاف اختیار کریں، مگر تدریج اور نظر و حزم کے ساتھ۔

قوموں کی حالت پر غور و فکر کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کے اصلی ستون درہیں:

(۱) تغیر و تبدل کی قابلیت کا موجود ہونا۔

(۲) تدریج و تطور کے ساتھ تغیر قبول کرنا۔

نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ وہ چلے کہ چکے ہیں کہ خواہ نئی دلیل بیان کی جائے، خواہ نئی مثال، ضروری ہے کہ انتقال سے پہلے معارض کی خامی واضح کر دی جائے۔ پس جس طرح شبہ عام مفسرین کی تفسیر پر وارد ہوتا ہے، اسی طرح اس تفسیر پر بھی وارد ہوتا ہے جسے امام موصوف "محققین" کی تفسیر قرار دیتے ہیں۔

مجھے جب اس طرف سے مایوسی ہو گئی تو خیال ہوا کہ موجودہ زمانے کے محققین نے اس پر ضرور نئی روشنی ڈالی ہوگی۔ چنانچہ میں نے بمبئی سے استاد امام شیخ محمد عبدہ مصری کی تفسیر منگوا کر دیکھی، لیکن افسوس ہے کہ اس میں بھی امام رازی والی تفسیر بجنسہ پائی۔ ان شبہات کا کوئی جواب نہیں ملا۔ تفسیر نیشا پوری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر علامہ ابن سعد، تفسیر روح المعانی شیخ آلوسی بھی خاکسار کے پیش نظر ہیں، مگر ان سب میں بھی یا تو وہی تفسیر کبیر والا جواب نقل کر دیا ہے، یا وہ باتیں لکھ دی ہیں جنہیں امام رازی نے عام مفسرین کا جواب قرار دیا ہے۔ یا پھر سرے سے کسی طرح کی تلاش ہی نہیں کی گئی ہے۔

جب پچھلوں میں حضرت امام رازی جیسے محقق نے اور حال کے محققین میں شیخ محمد عبدہ مصری جیسے امام و مفسر نے مجھے صاف جواب دیدیا، تو پھر میرے لیے صرف جناب ہی کی چوکت باقی رہ گئی۔ لاریب صرف جناب ہی کی ایک ذات والا صفات ہے جو موجودہ زمانے میں حقائق قرآن کی وہ تمام مشکلات حل کر دے سکتی ہے جن تک دوسروں کی نظر و تحقیق نہیں پہنچ سکی ہے۔ اب خاکسار ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ سے دستگیری کا طالب ہے۔ اور امید قوی رکھتا ہے کہ مایوس نہ ہوگا۔

مجھے سے میرے حیدرآباد کے ایک درست نے ذکر کیا تھا کہ جمعیت العلماء ہند نے عید کے موقع پر اخبار الجمعیت کا ایک خاص نمبر "خلیل نمبر" کے نام سے نکالا ہے اور اس میں صدر جمعیت مولانا کفایت اللہ صاحب نے اس مقام کی تفسیر شرح و بسط سے تحریر فرمائی ہے۔ میں نے بڑے ہی شوق سے خلیل نمبر منگوا یا اور دیکھا۔ واقعی اس میں مولانا صاحب موصوف کا مضمون "مناظرہ خلیل و زمرد" کے عنوان سے تین بڑے صفحوں میں نکلا ہے، لیکن مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں تمام تر وہی تفسیر کبیر کی پوری بحث اردر میں نقل کر دی گئی ہے۔ اس سے زیادہ ایک حرف نہیں ہے۔

الہلال:

آپ نے استفسار میں اس قدر تشریح و تفصیل کی ہے کہ اسی نے آج کی اشاعت کا بڑا حصہ رک لیا۔ اب جواب کے لیے آئندہ اشاعت کا انتظار کیجیے۔

وہ مجبور تھے کہ عام دستر خوانوں ہی پر بیٹھ کر کھانا کھالیں۔ یونان میں اصلاح و تجدید کے حامی مجرم سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ یورپی قوم سقراط کے خلاف کڑی ہو گئی، اور اُس وقت تک چین نہ لیا، جب تک اُس مصلح کی جان نہ لے لی!

بلاشبہ اس قسم کے سخت نظامات اُن ملکوں کے لیے ضروری ہیں، جو ہمیشہ دشمن کے حملوں کا نشانہ بنے رہتے ہیں۔

قدیم زمانے میں رومانیوں نے معلوم کر لیا تھا کہ اصلاح و انقلاب میں نقطہ توازن کیا ہے۔ ایک طرف وہ تجدید و اصلاح کے حامی تھے، دوسری طرف اپنی خصوصیات کی حفاظت بھی کرتے تھے۔ یہ وصف اُن میں اس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ فترحات نے اُن کے تعلقات دوسری قوموں سے قائم کر دیے تھے۔ یہ تعلقات نئے نئے حالات پیدا کر دیتے تھے، اور وہ نظامات کی تبدیلی پر مجبور ہوجاتے تھے۔ رومانیوں کا سنہرا زمانہ بھی تھا جب وہ اس مرکز توازن پر قائم تھے۔ لیکن جب سے انہوں نے افراط و تفریط شروع کی، رز بروز کرنے اور تباہ ہونے لگے۔

(انگریزوں کی کامیابی کا راز)

موجودہ زمانے میں علمی اکتشافات، جدید صنائع کے ظہور، اور مواصلات کی سہولت و کثرت نے مختلف تمدنوں میں ایک ایسا تصادم و احتکاک پیدا کر دیا ہے، کہ ہر لمحہ عظیم تغیرات و انقلابات کے موقع پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مرکز توازن تقریباً مجہول ہو گیا ہے، اور اُس کی تلاش از حد مشکل ہو گئی ہے۔ یہی سبب ہے کہ موجودہ دنیا میں ہر طرف شورشیں اور انقلابات برپا ہو رہے ہیں۔ کوئی نظام بھی پائیداری حاصل کرنے نہیں پاتا۔

لیکن صرف انگریزوں ہی کی قوم یورپ کی ایک ایسی قوم ہے جس نے رومانیوں کی طرح مرکز توازن معلوم کر لیا ہے۔ وہ ایک طرف اصلاح و تجدید کی حامی ہے۔ دوسری طرف اپنے قومی مقومات بھی برقرار رکھنے ہوئے ہے۔ اُن میں جمود و تقلید نہیں ہے۔ برابر اصلاح و تجدید میں مشغول ہیں، مگر یورپی تدریج اور دانشمندی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہیں۔ انگلستان کی آزادی نہ تو کرامویل کے ہاتھوں قائم ہوئی ہے، نہ جمہوریت پسندوں کی لائی ہوئی ہے۔ وہ انگریزی تاریخ کی پیداوار ہے (۱)۔ یہ تمام عظمت و قوت جس پر آج انگلستان فخر کر رہا ہے، درحقیقت اسی توازن فکر و عمل کا نتیجہ ہے۔

(۱) جب خاندان اسٹورٹ کے بادشاہ چارلس اول کا استبداد بہت بڑھ گیا، تو انگریز امریکا کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ حتیٰ کہ انگلستان کے بعض علاقے بالکل خالی ہو گئے۔ ظالم بادشاہ یہ دیکھ کر گھبرایا اور ہجرت کی ممانعت کر دی۔ جس دن ممانعت کا اعلان ہوا، دریائے ٹیمس میں مہاجرین کے کئی جہاز رانگی کے لیے طیار تھے۔ انہی میں کرامویل بھی تھا۔ اب باشندوں نے دیکھا کہ ظلم سے نجات حاصل کرنے کی راہ بغاوت کے سوا کوئی نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ بغاوت شروع ہو گئی۔ کرامویل اس باغی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ بغاوت کامیاب ہوئی۔ جمہوریت کا اعلان کیا گیا۔ کرامویل جمہوریت کا صدر منتخب ہوا۔ اُس وقت اُس کا لقب "لارڈ پروٹیکٹر" تھا۔ مگر بعد میں خود یہ بھی مستبد ہو گیا۔ آخر سنہ ۱۶۴۹ء میں قوم نے اُس کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا۔

یہ اجتماعی قانون نہیں عجیب ہے۔ کیونکہ بظاہر ایک قسم کا تناقض رکھتا ہے۔ ایک طرف کہتا ہے، "تغیر و تبدل ضروری ہے۔" نئی چیزوں اور پرانی چیزیں چھوڑ دو۔ دوسری طرف یہ بھی کہتا ہے کہ پرانی چیزیں ایک لخت فنا نہ ہونے دو۔ اپنے پچھلی مقومات و خصوصیات باقی رکھو۔ اپنی قومی خصوصیات مٹا کر کوئی قوم، قوم نہیں رہ سکتی۔ لیکن فی نفسہ اس میں تناقض نہیں ہے۔ دونوں باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ نئی چیزوں کے اختیار کرنے کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ تمام نئی چیزیں اختیار کر لی جائیں جو قومی مزاج و مصالح کے موافق ہوں۔ خصوصیات کے باقی رکھنے سے مقصد یہ ہے کہ وہ تمام بنیادی چیزیں قائم رکھی جائیں جو قومی مزاج کا استقلال و اختصاص قائم رکھنے کیلئے ضروری ہیں۔ یعنی رد و قبول اور اخذ و ترک میں اعتدال کا سرشتہ ہاتھ سے نہ دیا جائے۔

بلاشبہ اس قانون کی تطبیق میں اعتدال قائم رکھنا بہت مشکل ہے۔ چند ہی قومیں اصلاح میں اپنا دماغی توازن قائم رکھ سکی ہیں۔ یا تو یہ ہوا ہے کہ اپنی تمام قدیم عادات و روایات پر از گئیں، اور ایک قدم بھی آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ یا یہ ہوا کہ فوراً تبدیل و انقلاب پر اتر آئیں، اور اپنی کوئی بھی قدیم خصوصیت باقی نہ رکھی۔ پہلی صورت تفریط کی ہے۔ دوسری صورت افراط کی ہے۔ اور نجات و ترقی توسط و اقتصاد میں ہے۔

(قدیم قوموں کا جمود و تقلید)

تبدل کی قابلیت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ عالم خارجی کی اطاعت کی جائے۔ قدیم زمانے میں ہر جگہ لوگوں کا طرز معیشت تقریباً یکساں تھا۔ اسی لیے تبدل کی ضرورت بھی کمزور تھی۔ اُس کی قابلیت آہستہ آہستہ پیدا ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ بعض قدیم قومیں صدیوں تک ایک ہی حالت پر قائم رہیں اور تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اُن کا تعلق ہمیشہ ایسی قوموں سے رہا، جو انہی کی طرح وحشی یا نیم وحشی تھیں۔ اُن کے سامنے کوئی بہتر نمونہ تہذیب و تمدن کا موجود نہ تھا۔ اس لیے ترقی کی رغبت بھی پیدا نہ ہوئی، اور جمود و تقلید کی طبیعت برابر باقی رہی۔

قدیم قوموں کے جمود و تقلید کا راز یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کی طرف سے مجبور کی جاتی ہیں کہ اپنی زندگی اور زندگی کی بنیادیں محفوظ رکھیں۔ یہی باعث ہے کہ اُن قوموں میں فرد کا معاملہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ اُس زمانے میں فرد کے لیے جائز ہی نہ تھا کہ مستقل زندگی بسر کرے۔ وہ قومیں اسے بالکل قدرتی بات خیال کرتی تھیں کہ عام مصلحت کے لیے افراد اپنی ہستی قربان کر دیں۔ اُس وقت شخصی آزادی، کسی کے راہ میں بھی نہ تھی۔

بعض نظریہ آدمیروں نے آزادی کی اعلیٰ مثال یونانی جمہوریتوں میں بتائی ہے۔ حالانکہ اُن جمہوریتوں میں افراد کو مطلق آزادی حاصل نہ تھی۔ وہ ایسے نظامات کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے تھے جنہیں آج متمدن دنیا میں کوئی آدمی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اُن جمہوریتوں میں افراد کو اتنی آزادی بھی حاصل نہ تھی کہ اپنی مرضی سے کوئی دینی عقیدہ رکھیں، یا اپنی اولاد کی بطور خود تعلیم و تربیت کرسکیں۔ اسپارٹا میں یہ حالت تھی کہ افراد کو اپنے گھروں میں کھانا پکانے اور کھانے کی بھی اجازت نہ تھی۔

بھی نہیں ہوتیں۔ دنیا کی بہت سی ہوائی آرزوئیں آج مت چکی ہیں اور ان کی جگہ بالکل نئی امنگوں نے لے لی ہے۔
(زمانہ کی روح)

زمانے کی روح کبھی ایک نقطہ و مرکز پر قائم نہیں رہتی۔ وہ بحر زخار کی موجوں کی طرح ہر طرف پھیلتی اور ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ وہ ہوا کی طرح ہر مقام پر پہنچتی اور دلوں اور دماغوں کو جنبش میں لاتی رہتی ہے۔

زمانے کی روح ہی درحقیقت قوموں میں زندگی اور حرکت پیدا کرتی ہے۔ زمانے کی روح ایک پر اسرار آن دیکھی مخلوق ہے۔ کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا، مگر وہ سب میں داخل ہوتی اور اپنا عمل انجام دیتی رہتی ہے!

زمانے کی روح خاص طور پر بڑی بڑی انسانی جماعتوں میں جنبش پیدا کر دیتی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں قوت سے ظاہر ہوتی ہے۔ قصوں اور دیہاتوں میں اس کا اثر کمزور ہوا کرتا ہے۔

حکام و ارباب سیاست کا فرض ہے کہ سب سے پہلے زمانے کی روح اور اس کے مقتضیات معلوم کریں۔ اس کے مطابق اپنے اندر تبدیلی کریں۔ اسے نظام جاری کریں جو اس روح کے مطابق ہوں۔ ورنہ نتیجہ، ناکامی و ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

حکام وقت کا فرض ہے کہ اپنے زمانے کی روح سے غفلت نہ برتیں۔ یہ روح کوئی خیالی بات نہیں ہے، بلکہ حقیقی وجود رکھتی ہے۔ قوموں کے حکام اور رہنماؤں کی ذمہ داری بہت ہی عظیم ہوتی ہے۔ ان کا کام بالکل جہاز کے ناخدا کا سا ہے، جو ایک لمحہ کے لیے بھی ہوا اور موسم کی طرف سے غافل نہیں ہو سکتا۔ اس کی نظریں، جہاز کے چہ چہ پر ہوتی ہیں۔ کیونکہ ایک نہا سا سوراخ بھی پورے جہاز کی غرقابی کا باعث ہو جا سکتا ہے۔

اس تمام بھٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اجتماعی و سیاسی نظامات میں بھی تبدیلی لازمی ہے۔ ایسا کرنے سے ترقی و سعادت کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور اس کی مخالفت سے تباہی و بربادی نازل ہوتی ہے۔
(مصلح انقلاب)

بغاوت یا مسلح انقلاب اسی وقت جائز ہوتا ہے، جب عام رائے اور قوم کی امیدوں کے موافق ہو۔ ایسے انقلاب میں پوری قوم کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔ انقلاب کسی قسم کا بھی ہو۔ بنیادی تبدیلی کا ثبوت ہوتا ہے۔

اصلاح کے عمل میں حقوق کا دائرہ طبیعی طور پر وسیع ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے انقلاب میں تبدیلی اچانک واقع ہوتی ہے۔ انقلاب درحقیقت، اجتماعی انتقام ہے۔ ایک غیر طبیعی حرکت ہے۔ خونریزی اور مصائب و آلام اس سے پیدا ہوتے ہیں۔

انقلاب، ایک مصیبت ہے۔ ملک پر یہ مصیبت اسی وقت نازل ہوتی ہے جب ضرورت کے مطابق، اصلاح موجود نہیں ہوتی۔ فساد اجتماعی جسم میں پھیل جاتا ہے، اور قومی مزاج بالکل بگاڑ ڈالتا ہے۔ اصلاح کی تاخیر کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ پڑ جاتی ہے۔ وہ اپنی طبیعی حد کو پہنچنے نہیں پاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیہی ہوئی اجتماعی روح اچانک ابل پڑتی ہے، اور تمام موانع کو قوت کے ساتھ اٹھا پھینکتی ہے۔ پس انقلاب، کوئی اجتماعی قانون نہیں ہے۔ ہاں اسے اجتماعی حادثہ کہہ سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر قوم کے اخلاق و عادات ایسے ہونے چاہئیں کہ آسانی سے بدل نہ سکیں۔ لیکن ساتھ ہی ان میں اتنی لچک بھی لازمی ہے کہ بتدریج تبدیلی قبول کر سکیں۔ تاریخ کا قدردان ایسی قوموں کی نعشوں سے لبریز ہے جو یہ راز معلوم نہ کر سکنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔

(ترقی انقلاب سے بہتر ہے)

اجتماع کا یہ ناموس بھی ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ تدریجی ترقی کی راہ، اچانک انقلاب سے بہتر اور محفوظ ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسے حالات بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ انقلاب ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض جسمانی امراض کا بہترین علاج یہی ہوتا ہے کہ فوراً سخت بخار چڑھ آئے۔ بخار کی شدت، وہ امراض دور کر دیتی ہے۔ قومیں بھی کبھی کبھی ایسے ہی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں، اور ان کا علاج یہی ہوتا ہے کہ فوراً انقلاب برپا کر دیا جائے۔ کیونکہ ایسی حالت میں اگر تدریجی اصلاح کا انتظار کیا جائے گا، تو مرض امتداد زمانہ سے تمام قومی جسم پر حاوی ہو جائیگا، اور پھر اس کا علاج مشکل ہو جائیگا۔ چنانچہ جہاں تک کسی ایسی قوم کی ترقی کا تعلق ہے، جو کسی دوسری غاصب قوم کے ماتحت آگئی ہو، انقلاب کے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں کسی قدرتی حالت کی اصلاح و ترقی کا سوال درپیش نہیں ہوتا، بلکہ ایک غیر قدرتی اور ناجائز قضیہ و غضب کا خاتمہ مطلوب ہوتا ہے۔

بہر حال ماہرین سیاست کا فرض ہے کہ زمانے کی روح، اس کے پھیلنے سے پہلے ہی معلوم کر لیں، اور حکومت کی شکل میں ایسی تبدیلیاں کرتے رہیں جن پر عام رائے مطمئن ہو سکے۔ ورنہ نتیجہ نہایت ہی مہلک ہوگا۔

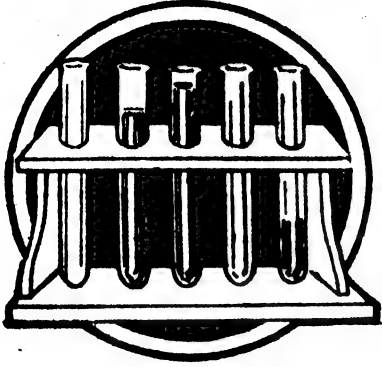
(نوجوان اور بزرے)

اس سلسلہ میں یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ سن رسیدہ افراد نوجوانوں کے مقابلے میں اصلاح و تجدید کے کم حامی ہوتے ہیں۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے کہ قابل ملامت ہوں۔ علم وظائف اعضاء سے ثابت ہو چکا ہے کہ بزرے اجسام میں اعصاب کمزور پڑ جاتے ہیں، اس لیے عادات کی مقاومت کی قوت باقی نہیں رہتی۔ برخلاف اس کے نوجوانوں کے اعصاب مضبوط ہوتے ہیں اور اس لیے عادات کی مخالفت آسانی سے کر سکتے ہیں۔

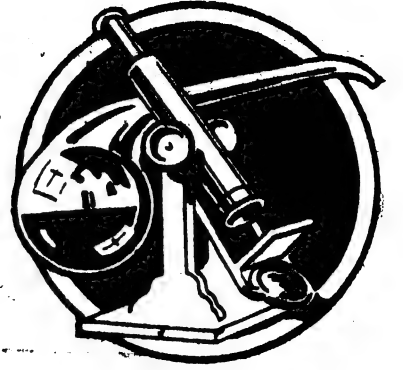
(خیالات کا عروج و ہبوط)

زمانے کی روح ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہے۔ تاریخ کے بڑے بڑے دور اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ زمانے کی مختلف روحوں کے مظہر ہیں۔ جدید خیالات و افکار کی مثال بالکل ستاروں کی سی ہے۔ وہ کبھی افق پر بلند ہوتے ہیں، کبھی بالکل چھپ جاتے ہیں۔ اسی طرح کبھی ایک قسم کے خیالات کو عروج ہوتا ہے، کبھی دوسرے قسم کے خیالات کو۔ آج جو خیالات مقبول عام و خاص ہیں، بہت ممکن ہے کہ کل مکرر و ممتد ہو جائیں۔ صلیبی جنگوں کے زمانے میں جن افکار نے تمام یورپ میں ہلچل ڈال دی تھی، آج دنیا ان سے نفرت کرتی اور ان پر حقارت سے مسکراتی ہے۔

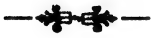
زمانہ بہت سی قوتوں کو پراگندہ کر کے فنا کر ڈالتا ہے، اور بہت سی نئی قوتیں پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے روم و گمان میں



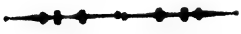
مذاکرہ علمیہ



عالم سماوی



کیا ستارے زندگی سے محروم ہیں؟



ہم تاروں بھری رات میں نظر اٹھاتے ہیں تو آسمان پر بے شمار ستارے نظر آتے ہیں۔ یہ ستارے درحقیقت ریسے ہی کرے ہیں، جیسا ایک کرہ خود ہماری زمین ہے۔ ان ستاروں میں بہت سے ستارے ہماری زمین سے بھی بہت زیادہ بڑے اور بہت زیادہ عمر کے ہیں۔ بعض ہماری زمین سے چھوٹے اور اُس سے کم عمر رکھتے ہیں۔ یہ تمام ستارے بھی ریسے ہی ایک نظام سے وابستہ ہیں، جیسا ہمارا نظام شمسی ہے۔ ان میں بھی آفتاب ہیں اور اپنے گرد بہت سے کواکب اور سیارے رکھتے ہیں۔

مدت سے علماء فلک میں سخت اختلاف ہے کہ یہ ستارے بھی ہماری زمین کی طرح زندہ موجودات سے آباد ہیں یا نہیں؟ ایک گروہ پہلی رائے کا قائل ہے۔ دوسرا دوسری رائے کا۔

پلے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ زندگی کے لیے جن شرطوں کی ضرورت ہے، وہ زمین کے علاوہ ان ستاروں میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن اُس کا یہ دعویٰ کئی وجوہ سے ناقابل تسلیم ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان شرطوں کی عدم موجودگی کا ثبوت کیا ہے؟ کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہوا، پانی، نور، حرارت، وغیرہ لوازم زندگی سے یہ ستارے بالکل خالی ہیں؟ بلاشبہ اب تک ان کے وجود کی بھی کوئی دلیل ہمارے علم میں نہیں آئی۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ یہ چیزیں وہاں موجود ہوں اور ہماری تحقیقات میں ابھی نہ آئی ہوں۔ حال ہی میں انسانی علم نے معلوم کر لیا ہے کہ بعض ستاروں میں اکسیجن موجود ہے، جو زندگی قائم رکھنے والی ہوا کا اصلی جز ہے۔

پھر یہ دعویٰ بھی بالکل بے دلیل ہے کہ زندگی کی جو شرطیں ہمیں معلوم ہیں، ان کے بغیر زندگی کا وجود ممکن نہیں۔ بلاشبہ ہماری زمین پر زندگی ان شرطوں کے بغیر ناممکن ہے۔ لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ دوسرے ستاروں کی طبیعت بھی بالکل ریسے ہی ہو جیسی ہماری زمین کی ہے؟ یہ بھی ضروری نہیں کہ زندگی کا ظہور ان ستاروں میں بھی ریسے ہی ہو، جیسا اس زمین میں ہے۔ بہت ممکن ہے ان ستاروں میں زندگی کی شکلیں بالکل مختلف ہوں۔ اجسام کی ساخت جدا ہو، اعضاء و عضلات دوسری وضع کے ہوں۔ زندگی کے لوازم مختلف ہوں۔ ستاروں کی کائنات پر ایک ہی اعتبار سے قیاس کرنا اور ان پر یکساں حکم لگانا، صحیح نہیں ہو سکتا۔

جب حکومت کی شکل حالات، ماحول، اور قومی آرزوں کے خلاف ہوتی ہے، اور اُس کی تبدیلی کے لیے قوم کے سامنے کوئی قانونی راہ باز نہیں ہوتی، تو یہ وقت انقلاب و بغاوت کے ظہور کا وقت ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ضرورت کے وقت فوراً اصلاح شروع کر دی جائے، ورنہ قوم کو یہ حق حاصل ہو جائیگا کہ قومی تبدیلی کے لیے اپنا قدرتی حق استعمال کرے اور بغاوت پیدا ہو جائے۔

اسی میں باشندگان ہالینڈ کی بغاوت (سنہ ۱۶۴۲ء) خاندان اسٹورٹ پر انگریزوں کا خروج، نیپولین بونا پارت پر جرمنی کی بغاوت، آسٹریا پر آٹالین قوموں کی بغاوت — یہ تمام بغاوتیں تاریخ کی نظر میں، صحیح، جائز، اور قانونی بغاوتیں تھیں۔

(انقلاب کی طبیعت اور حکومت کے فرائض)

بغاوت عموماً آتش فشاں پہاڑ کے انفجار یا آندھی کے طوفان کے مشابہ ہوتی ہے۔ شروع شروع میں اُس کا خیال چند افراد کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ تمام قوم میں پھیل جاتا ہے۔ بغاوت کا خیال تبدیلی کے احساس سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تبدیلی ظاہر نہیں ہوتی تو حکومت کی طرف سے عام بددلی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بددلی مخفی غصہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جب حالت اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو قوم ہر لمحہ مشتعل ہو جانے کے لیے طیار ہو جاتی ہے۔ اُس وقت معمولی سے معمولی بات بھی عام بغاوت کا سبب بن جاسکتی ہے۔

لہذا حکام کا فرض ہے کہ ایسی حالت پیدا ہونے سے پہلے ہی اصلاح نافذ کر دیں۔ لیکن اگر ہر وقت نہ کرسکیں، تو پھر اُن کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس بغاوت و انقلاب میں شامل ہو جائیں، یعنی اُسے اپنے ہاتھ میں لے لیں، تاکہ اُس کی مضرتیں کم سے کم ہو جائیں۔

اعتذار

افسوس ہے کہ شہر کی عام تعطیل کی وجہ سے اس ہفتہ بھی مطلوبہ تصاویر طیار نہ ہو سکیں اور ہمیں تصویر کے بغیر پرچہ شائع کرنا پڑا۔ تصاویر کے نہ مل سکنے کی اطلاع ملنے پر وہ تمام مضامین بھی ترک کر دینے پڑے جن کا تعلق تصاویر سے تھا۔ اس صورت حال کا صحیح علاج یہی ہے کہ جلد از جلد تصاویر کی طیاری کا مستقل انتظام کر لیا جائے۔ آئندہ پرچوں میں ہم اس کمی کی پوری تلافی کر دینگے۔

منیجر

کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہے کہ صرف اسی پر زندگی ہو اور باقی تمام عوالم بے نور اور زندگی سے محروم ہوں۔ زمین پر زندگی کے جو لوازم ہیں، ضروری نہیں کہ دوسرے ستاروں میں بھی لوازم ہیں۔ ناموس انتخاب طبیعی بتاتا ہے کہ زندہ کائنات اپنے ماحول اور زمان و مکان کے اختلاف سے مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہیں۔ ان کی شکل بھی بدل جاتی ہے۔ مزاج بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ پیلے یقین کیا جاتا تھا کہ سنٹی گریڈ کے سو درجہ حرارت میں کوئی ذی روح زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ بعض جراثیم کھولتے ہوئے پانی میں بھی زندہ رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض جراثیم برف میں بھی مدتوں نہیں مرتے۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ بارز کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے ستاروں کے جاندار بھی اُس ماحول میں زندہ نہیں رہ سکتے، جو ماحول ہماری زندگی کے منافی ہے۔

ممکن ہے ستاروں میں زندگی کا قوام ہماری زمین کی زندگی کے قوام سے مختلف ہو۔ مثلاً آکسیجن ہمارے لیے ضروری ہے، مگر دوسرے ستاروں کی مخلوقات کے لیے ضروری نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ستاروں کے جاندار ہم سے مختلف ہونگے، کیونکہ اُن کا ماحول ہم سے بالکل مختلف ہے۔ ہمارے اُن کے درمیان ماہ الا شترک صرف روح ہی ہو سکتی ہے۔ اور معلوم ہے کہ روح نہ تو کوئی شکل رکھتی ہے، نہ مادے کے تابع ہے۔ خود اپنی اسی زمین پر ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں مخلوقات اپنی جسمانی ترکیب اور ضروریات زندگی میں ایک دوسرے سے پورا اختلاف رکھتی ہیں۔ تاہم سب زندہ ہیں، اور سب میں ایک ہی روح کار فرما ہے۔ جب خود زمین پر مخلوقات کا اختلاف اِس درجہ زیادہ ہے، تو ظاہر ہے، دوسرے ستاروں کی مخلوق ہم سے کیوں مختلف نہ ہو؟

چونکہ ہماری زمین، سب سے زیادہ قدیم نہیں ہے، اس لیے ممکن ہے، دوسرے ستاروں میں زندگی زیادہ قدیم اور بہت ترقی یافتہ ہو۔ بہت ممکن ہے کہ بعض ستاروں کی مخلوق اِس درجہ ترقی کر گئی ہو کہ ہم سے بہت زیادہ علم و حکمت رکھتی ہو۔ ہم سے بہت زیادہ اسرار وجود سے واقف ہو۔ ہم سے کہیں زیادہ اُس کی ایجادیں معیر العقول ہوں۔ ممکن ہے اُس کے پاس ایسے ذرائع موجود ہوں کہ قریب کے دوسرے ستاروں تک بھی پہنچ سکتے ہوں اور روح و مادہ کے راز معلوم کر چکی ہوں۔ ممکن ہے اُن کے جسم ہمارے ہی جیسے ہوں۔ ممکن ہے ہم سے بالکل مختلف ہوں۔ بہت ممکن ہے وہ ہم سے زیادہ حواس رکھتے ہوں۔

یہ ہے خلاصہ دوسرے گروہ کے خیالات کا۔ اور پیلے گروہ کے خیالات سے زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے۔

اطلاع

اکثر حضرات الہلال کے ابتدائی نمبروں کا شوق ظاہر کرتے ہیں، اور خریدار ہوتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام پچھلے پرچے بھیج دیجے جائیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ابتدائی نمبر اب دفتر میں موجود نہیں ہیں اور اس لیے دفتر تعمیل سے معذور ہے۔

منیجر

دوسرے گروہ کا پیلے بڑی حد تک مقبول ہے۔ وہ کہتا ہے ہماری زمین کیا ہے؟ اِس لا متناہی فضا میں بڑے والے لکھو کہا کروں میں سے ایک چھوٹا سا کرہ ہے۔ زمین کو ظاہری اعتبار سے دوسرے کروں پر کوئی امتیاز حاصل نہیں۔ نہ تو اُس کا حجم ہی سب سے بڑا ہے، نہ عمر ہی سب سے زیادہ ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اُس میں زندگی موجود ہو، اور باقی تمام کرے، جو اُس سے کہیں زیادہ بڑے اور قدیم ہیں، زندگی سے بالکل خالی سمجھے جائیں؟

ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ تمام ستارے بھی ویسے ہی ایک دقیق نظام سے وابستہ ہیں، جیسا نظام ہماری زمین کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ وہ بھی نہایت انتظام کے ساتھ اپنے افلاک میں گردش کرتے ہیں۔ اُن کی رفتار میں بھی ادنیٰ سے ادنیٰ خلل یا بد نظمی کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ ستارے جن پر قدرت اپنی اِس قدر توجہ صرف کر رہی ہے، بغیر کسی زندگی کے موجود ہوں، اور اِس کے سوا کوئی غرض و غایت نہ رکھتے ہوں کہ ہماری دلچسپی اور نظر فریبی کا سامان مہیا کریں؟ اِس میں قدرت کی کیا حکمت ہو سکتی ہے کہ یہ ننھا سا ذرہ، یعنی زمین، تو آباد ہو، اور باقی تمام عظیم الشان عوالم چٹیل میدان سے بھی بدتر ہوں؟ حالانکہ وہ بھی زمین ہی کی طرح ایک پورے حکیمانہ نظام کے ماتحت قائم ہیں۔

بے شمار علمی قرائن اِس نظریے کی تائید کر رہے ہیں کہ ہمارے تمام نظام شمسی کے کواکب کی اصلیت ایک ہی ہے۔ اور وہ سدیم ہے۔ اِن سب کی تکوین، سدیم ہی کے مادہ سے ہوئی ہے۔ وہ بتدریج سدیمی کرہ سے جدا ہو کر مستقل وجود بنے ہیں۔ اِسی طرح تمام کیمیائی و فلکی دلائل کا رجحان بھی اِسی نظریے کی طرف ہے کہ نہ صرف خاندان شمسی بلکہ جملہ عوالم فلکی، اِسی سدیم سے بنے ہیں۔ زمین اور جملہ ستاروں کا خمیر ایک ہی ہے۔ سب ایک ہی مادے کی مختلف شکلیں ہیں۔ سب کا مادہ کیمیائی ذرے سے مرکب ہے۔ اِن میں ہر ذرہ اپنے اندر در کھربائی لہریں ایجابی اور سلبی رکھتا ہے۔

پس جب جملہ کائنات اور ہماری زمین، ایک ہی اصل رکھتی ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف ایک ہمارے کرے ہی میں زندگی ہو اور باقی تمام کرے، مردہ اور بے جان فرض کر لیے جائیں۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زمین کے سوا کسی دوسرے ستارے میں زندگی نہیں ہے، تو یہ سوال قابل غور ہے کہ بقول علماء فلک کے سورج اپنی حرارت برابر کھو رہا ہے، اور کروڑوں برس کے بعد ایک وقت آجائیکا جب وہ بالکل بے نور اور بے حرارت ہو کر رہ جائیگا۔ اُس وقت زمین یقیناً زندگی سے محروم ہو جائیگی۔ اِسی حالت میں یہ کروڑوں ستارے کیا ہونگے؟ کیا یہ بھی ہمارے نظام شمسی کے ساتھ تباہ ہو جائینگے؟ حالانکہ معلوم ہے کہ گنتی کے چند کواکب کے سوا باقی تمام ستارے ہمارے نظام شمسی سے باہر ہیں اور ہمارے آفتاب کی موت و حیات کا اُن پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اگر یہ تباہ نہیں ہونگے، تو اِن کے وجود سے فائدہ کیا ہے جب کہ وہ بالکل آجائیکا سنسان، اور بے جان ہیں؟

تمام عقلی و نقلی علوم اور دینی روایات بھی ثابت کر رہی ہیں کہ جملہ کائنات، ایک ہی اصل سے ظاہر ہوئی ہیں اور ایک ہی قسم کے طبیعی ناموس کے ماتحت برقرار ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو زمین

سے برکت و سعادت حاصل کی جائے، حالانکہ وہ بادشاہوں سے کہیں زیادہ اجلال و تکریم کے مستحق ہیں؟

اس طرح بتدریج بت پرستی مسیحی کنیسے میں داخل ہو گئی۔ شروع شروع میں کنیسا کی دیواروں پر تصویریں اور مرثیوں اس غرض سے آویزاں کی گئی تھیں کہ ”ان کے معائدہ سے عبرت و مرعظت حاصل ہوگی“ لیکن آگے چلکر ان کی حیثیت ایک ناگزیر دینی شعار اور ربانی عبادت کی ہو گئی۔ مخلص عیسائی بقول اور تصویروں کے لیے اسی طرح نماز پڑھنے لگے، جس طرح وہ خدا کے لیے نماز پڑھتے تھے!

اس بدعت کے ساتھ، آرزو بھی کئی مشرکانہ رسمیں مسیحی کنیسا میں داخل ہو گئیں۔ چنانچہ چراغان، بخور، رکوع و سجود، وغیرہ رسمیں، سب بت پرستوں ہی سے لی گئی ہیں۔

سچے عیسائیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اعتراض کیا۔ مگر ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ ان مقدس تصویروں اور مرثیوں کے ہزاروں معجزے مشہور ہو چکے تھے۔ لوگ ان سے دست بردار ہونے کے لیے طیار نہ تھے۔

شروع شروع میں روح القدس کی تصویریں بہت مبہم اور مضطرب بنائی جاتی تھیں۔ لیکن حضرت مسیح اور مریم (علیہما السلام) اور فرشتوں کی تصویریں بالکل صاف اور خالص انسانی قالب میں ہوا کرتی تھیں۔

(چھٹی صدی مسیحی)

ابھی چھٹی صدی ختم نہیں ہوئی تھی، کہ یہ مشرکانہ عبادت کنیسا کی ایک شرعی عبادت بن چکی تھی۔ تمام کنیسے تصویروں اور بتوں سے آراستہ تھے، حتیٰ کہ خود ریتیکان (محل اعظم پوپ) بھی ان سے لبریز ہو چکا تھا۔ اب یہ حالت تھی کہ مسیحی مؤمنین، تصویروں اور بتوں کے حد سے زیادہ دلدادہ تھے۔ انہیں عبادت و برکت کے لیے ضروری سمجھنے لگے تھے۔ وہ تقویٰ و بزرگی کے نشان خیال کیے جاتے تھے۔

آٹھویں صدی کے اوائل میں تصویر پرستی اور بت پرستی، مسیحی عبادت خانوں میں پورے عروج تک پہنچ چکی تھی۔ اسی زمانے میں بعض یونانی علماء ظاہر ہوئے، اور اسے کنیسا کی بت پرستی قرار دیا۔ ان لوگوں نے کہا ”مشرک قومیں بھی اپنے بتوں کو خدا نہیں کہتی تھیں، بلکہ بعینہ وہی معانی ان کے پیش نظر تھے، جو ان تصویروں اور مرثیوں کے بارے میں تمہارے پیش نظر ہیں۔ لیکن اس پر بھی خدا کی شریعت نے انہیں مشرک قرار دیا۔ تم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔ صرف الفاظ اور اسماء کا اختلاف ہے۔“

(اسلام کا ظہور)

صدیوں کی غفلت کے بعد مسیحی علماء میں یہ بیداری صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ دین اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر اب مصر، شام، فلسطین پر چھا گیا تھا اور خود بیزنطینی کنیسے کے مرکز پر اُسکی تیز نظریں پڑ رہی تھیں۔ اسلام کی تعلیمات اس بارے میں معلوم و مشہور ہیں۔ ابتدائی تصادم کے زمانے ہی میں مسیحیوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان انہیں بت پرست اور مشرک کہتے ہیں۔ انہوں نے اسلامی مسجدیں بھی دیکھی تھیں جو ہر قسم کی تصویروں اور مرثیوں سے خالی تھیں۔

مسیحیوں کی ایک جماعت اسلامی اثرات سے متاثر ہو گئی اور توراۃ کی تعلیم کی طرف از سر نو دعوت دینے لگی جو تصویر پرستی اور بت پرستی کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیتی ہے۔



مسیحیت اور بت پرستی

آٹھویں اور نویں صدی میں مسیحیت کو خیالات کی ایک بڑی خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس خانہ جنگی کی وجہ، بت پرستی تھی۔ بیزنطینی شہنشاہیت میں یہ نزاع آخری حد تک پہنچ گئی تھی۔

ابتدائی عہد کے عیسائی بتوں، تصویروں، اور نقش و نگار کی تعظیم و عبادت سے نفرت رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ بت پرستی تھی۔ وہ یہودیت سے نکلے تھے، اور یہودیت خدا کا تجسم نا جائز قرار دیتی ہے۔ انہیں یورپ میں یونانیوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا، یونانی بت پرستی کے سب سے بڑے شائق تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر وہ اپنے حریفوں سے اپنے آپ کو علحدہ رکھنا چاہتے تھے۔

اس زمانے میں مسیحی دعاۃ ان بت پرستوں پر ہنستے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ یہ لوگ خود اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو سجدہ کرتے ہیں۔ لیکن بت پرستی سے یہ بیزاری تثلیث اور تجسم کو رک نہ سکی۔ بلکہ اس کے بحث و جدال ہی نے در حقیقت بت پرستی اور تصویر پرستی مسیحی کنیسا میں پیدا کر دی!

(بت پرستی کی ابتدا)

یہ چیز مسیحیت میں سب سے پہلے جن نو مذہب عیسائیوں کے ذریعہ آئی تھی، وہ بھی حضرت مسیح کے بت یا تصویر کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ لیکن چونکہ بت پرستی سے نئے نئے مسیحیت میں آئے تھے، اس لیے انہوں نے حضرت مسیح کی تصویروں کی تعظیم و تکریم شروع کر دی۔ ٹھیک اسی طرح، جس طرح ارسطو اور فیساغورس وغیرہ کی تصویروں کی یونانی عزت کیا کرتے تھے۔ ان کے نئے نئے ایمان کے خیال سے مسیحی علماء نے تساہل برتا، اور یہ خیال کرے کہ یہ لوگ ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ صرف تعظیم کرتے ہیں، ان پر کوئی تشدد نہیں کیا۔ اس طرح یہ تعظیم بغیر کسی رک کے جاری ہو گئی۔

بتدریج اس تعظیم نے عبادت کی صرورت اختیار کر لی۔ پانڈک کہ تیسری صدی میں قسطنطین نے مسیحی کلیسے میں باضابطہ طور پر یہ نئی مسیحی عبادت داخل کر دی۔ مسیحی علماء نے اس وقت بھی کوئی مخالف نہیں کیا۔ انہوں نے خیال کیا، بت پرستی کی اب جڑیں تک اکھڑ چکی ہیں، اس کے از سر نو احیا کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

چنانچہ نئی پرستش کا آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلے صلیب اور مقدس آثار کی تعظیم سے شروع ہوئی۔ پھر شہیدوں اور ولیوں کی قبور کی تعظیم و تکریم شروع ہو گئی۔ پھر ان سے منڈیں مرادیں مانگی جانے لگیں۔ بالآخر ان کی مرثیوں ظاہر ہوئیں۔ لوگوں نے خیال کیا، اگر صلیب اور مقدس آثار قبور میں بزرگی ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ مرثیوں میں اور بھی زیادہ بزرگی اور برکت نہ ہو؟ بادشاہوں اور بڑے آدمیوں کے بت بنائے جاتے ہیں، کہیں نہ خدا کے برگزیدہ بندوں کے بھی بت بنائے جائیں، اور ان

میں جائز ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ شرعاً مستحسن ہے۔ دلیل میں اسلاف کی بہت سی جھوٹی روایتیں پیش کی گئی تھیں۔ مزید برآں قسطنطنیہ کی سابق دینی مجلس کی تکفیر بھی کی گئی تھی۔ اس کے فیصلہ پر عمل کرنے والوں کو بھی کانور و مرند قرار دیا گیا !

(دوسری اصلاح)

ایک مدت تک اس نئے فیصلہ پر عمل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ تئو ریلز بیزنطینہ کا بادشاہ ہوا۔ یہ بت پرستی کا دشمن تھا۔ سنہ ۸۳۳ ع میں اس نے پھر علماء مسیحیت سے ایک نیا فتویٰ حاصل کیا اور بت پرستی حرام قرار پائی۔ اس نے صرف تصویریں اور بت ہی نہیں مثالاً، بلکہ کنیسوں میں مسیحی بزرگوں کے ناموں کے ساتھ ”مقدس“ کا لفظ بھی مٹا ڈالا۔ مصریوں اور بت سازوں کو شدید سزائیں دی گئیں۔ بہت سے خلاف ورزی کرنے والے پادریوں کی پیشانیوں پر آگ سے داغ دی گئیں۔ غرض کہ اس رسم کے خلاف سخت جہاد جاری ہو گیا۔

اسی زمانے میں ایک مسیحی عالم جان (جسے عربوں نے یوحنا نحوی کے نام سے پکارا ہے) مشرقی رومن سلطنت کے کنیسے کا بطریق اعظم مقرر ہوا۔ یہ شہنشاہ کا استاد تھا اور بت پرستی کا سخت مخالف، مگر اس کی طبیعت بہت کمزور تھی۔ اس نے شاہی احکام کی تنفیذ میں تساہل کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین نے حوصلہ بڑھانے اور وہ علانیہ احکام شاہی کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو گئے۔ شہنشاہ نے یہ حالت دیکھی تو سخت برہم ہوا۔ پہلے سے بھی زیادہ تشدد پر آ کر آیا اور مقدس تصویریں اور بتوں کے معتقدین کو سخت سزائیں دینے لگا۔

(بت پرستی کا تیسرا دور)

شہنشاہ کے انتقال پر اس کی ملکہ تخت نشین ہوئی۔ یہ اپنے شہر کے خلاف عقیدہ رکھتی تھی۔ اس نے بت پرستی پھر رائج کرنی چاہی۔ مگر اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یوحنا نحوی تھا۔ یہ شخص دونوں جماعتوں کی نظر میں مکروہ تھا۔ بت پرستی کے مخالف، اسے بزدل اور منافق سمجھتے تھے۔ حامی دشمن خیال کرتے تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یہ طبیعی علوم اور فلسفہ کا عالم تھا۔ یہ چیز اس زمانے میں تمام دیندار مسیحیوں کی نظر میں کفر و العباد تھی۔ اس صورت حال نے یوحنا کو بالکل بے یار و مددگار کر دیا۔ چنانچہ اسے معزول کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ اس پر یہ تہمت لگائی گئی کہ جادوگر ہے۔ یہ تہمت اس کی معزولی کے لیے کافی تھی۔ چنانچہ اسے ذلت کے ساتھ نکالا گیا اور ایک کم نام خانقاہ میں جلا وطن کر دیا گیا۔ مگر مخالفوں کو اس سے سیری نہیں ہوئی۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس پر یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے ایک رلی کی تصویر کی انکھیں پھوڑ ڈالی ہیں۔ اس الزام پر اسے سخت سزا ملی اور توراۃ کے قانون ”دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ“ کے بموجب اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالی گئیں !

اب ملکہ کے لیے میدان صاف تھا۔ اس نے سنہ ۸۴۲ ع میں ایک اور دینی مجلس قسطنطنیہ میں منعقد کی اور اس سر نو بت پرستی کا فتویٰ صادر کر دیا۔ تمام مخالف، کافر قرار دیے گئے اور بت پرستی مسیحیت کی بنیادی عبادت تسلیم کر لی گئی۔ ۱۹ فروری سنہ ۸۴۲ ع میں کنیسۃ ایا صوفیا میں پھر تصویریں اور مورتیں وائس آگئیں۔ یونانی کلیسا اب تک یہ دن ایک عظیم دینی تہوار کے طور پر مناتا ہے۔

(لیوں کی اصلاح)

اسی زمانے میں لیوں سر قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھا۔ اس شہنشاہ نے اشور کے پہاڑوں میں نشور نما پائی تھی۔ ہر قسم کی تعلیم و تربیت سے محروم تھا۔ تاہم عقل سلیم رکھتا تھا۔ یہودیوں اور عربوں کی صحبت میں بیٹھ چکا تھا، اور ان کے اثر سے تصویریں اور بتوں کی تعظیم و عبادت سے متنفر تھا۔

یہ تخت نشین ہوا؛ اور غایت تدبیر سے اپنے ارادے مخفی رکھے۔ یہاں تک کہ جب پوری طرح اقتدار حاصل ہو گیا تو دینی اصلاح کی طرف قدم اٹھایا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ علماء کی ایک مجلس منعقد کی اور یہ فتویٰ صادر کرایا کہ کنیسوں اور مقدس ہیکلوں سے تصویریں اور مورتیں ہٹا کر کسی ایسی بلند جگہ منتقل کر دی جائیں جہاں مشرکانہ رسمیں انجام نہ دی جا سکیں۔

چند سال بعد اس نے دوسرا قدم اٹھایا اور مورتوں کی پرستش، ان کی تعظیم، اور کنیسوں میں موجودگی، سب ناجائز قرار دیدی۔ اس نے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ قسطنطنیہ کے تمام کنیسوں کو تصویریں اور مورتوں سے خالی بھی کر دیا۔ چنانچہ حضرت مسیح اور حضرت مریم بتوں (علیہما السلام) کے تمام بت تیز کر دیئے گئے۔ اور تمام تصویریں محو کر دی گئیں۔

اس کے سبب قسطنطین پنجم نے اس بارے میں آرزو بھی زیادہ سختی برتی۔ سنہ ۷۵۴ ع میں اس نے ایک دینی مجلس منعقد کی۔ اس میں ۳۳۸ پیشوا جمع ہوئے۔ اس لحاظ سے یہ مجلس بہت ہی بڑی مجلس تھی۔ مگر اس میں صرف بیزنطینی کنیسے ہی کے علماء شرکت ہوئے تھے۔ روم، اسکندریہ، بیت المقدس، اور انطاکیہ کے نمائندے شامل نہیں تھے۔ پادشاہ نے اس مجلس کے سامنے تصویر پرستی کا مسئلہ پیش کیا۔ متفقہ فیصلہ ہوا کہ یہ عبادت، مسیحی تعلیمات کی رو سے قطعاً حرام ہے۔ اور پرستش کی تصویریں، مجسمے، اور آثار مسیحی عبادت گاہوں سے خارج کر دینے چاہئیں۔ اس مجلس نے صلیب کو بھی اپنے فترے میں مستثنیٰ نہیں کیا، اسے بھی تجسم کا رمز قرار دیکر ممنوع ٹھہرایا۔ مزید برآں خود فن مصری کو بھی نا جائز بنایا۔ اس نے یہ حکم بھی نافذ کیا کہ جو شخص صلیب بنائے، یا مقدس تصویریں اور نقوش اتارے، اسے فوراً کنیسے سے خارج کر دیا جائے، اگرچہ وہ خود علماء کی جماعت ہی میں سے کیوں نہ ہو۔

سنہ ۷۶۶ ع میں اس فیصلہ کو آرزو بھی زیادہ تشدد کے ساتھ جاری کیا گیا۔ صلیب رکھنا، رلیوں کے لیے نماز پڑھنا، تصویریں کی تعظیم کرنا، یہ سب باتیں جرم قرار پائیں اور مخالفوں کے لیے تازیانہ کی سزا سے لیکر آنکھیں پھوڑنے، زبان کاٹنے، اور سولی پر چڑھانے تک کی سزائیں تجویز کی گئیں۔

(بت پرستی کا دوسرا دور)

لیکن ملکہ ایرینی کے عہد میں پھر انقلاب ہوا۔ یہ ملکہ بت پرستی کی حامی تھی، کیونکہ وہ نسل یونانی تھی اور عورت تھی۔ یہ اس حیثیت سے تخت نشین ہوئی تھی کہ اپنے نا بالغ لڑکے قسطنطین ششم کی رلی اور سر پرست رہیگی۔ اس نے بوسر اقتدار آئے ہی ایقوینی کنیس (یعنی بت پرستی کو حرام سمجھنے والے کنیس) کے علماء کو ستانا شروع کر دیا۔ ستمبر سنہ ۷۸۷ ع میں وہ مقام فیس ایک دینی مجلس منعقد کی۔ اس میں ۸۶۷ پادری جمع ہوئے تھے۔ پوپ کے نمائندے بھی شریک تھے۔ بالاتفاق یہ فتویٰ صادر کیا گیا کہ مقدس تصویریں اور بتوں کی عبادت مسیحیت

ترکی حکومت

اور اُس کے اجتماعی و سیاسی تغیرات

شرح سے ابتک

(۱)

دور اول

سنہ ۶۹۹ھ (۱۳۰۰ع) سے سنہ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) تک

آل عثمان کی سلطنت اُس زمانہ میں ظاہر ہوئی جب صلیبی جنگوں کی خونریزی سے مشرق قریب کی سرزمین سرخ ہو رہی تھی اور مسیحی تعصبات سے وقت کا مطلع غبار آلود تھا۔ اس وقت کی آب و ہوا کا یہ قدرتی اثر تھا کہ سلطان عثمان اور اُن کی اولوالعزم اولاد میں دینی جہاد کا جذبہ پیدا ہوا، اور وہ مسیحی ممالک کی فتوحات پر کمر بستم ہو گئے۔ یہ یورپ کے صلیبی حملہ کا قدرتی رد فعل تھا۔

اُس وقت ایشیائے کوچک کے اطراف و جوانب برسہ برسہ ازمید، ازنیق، طرابزون میں بیزنطینی سلطنت (قسطنطنیہ) کے باج گزار امراء حکمران تھے۔ آل عثمان نے اپنے جہاد اور ملک گیری کا آغاز اُنہی سے کیا، اور یکے بعد دیگرے مطیع یا مغلوب کرتے گئے۔ ان سے فارغ ہو کر درانیال کے آگے بڑھے، اور بلغاریا، سرربا، اور بیزنطینی سلطنت کو زیر و زیر کرنے کے بعد مسیحیت کی راج مہانی ”روم“ کو گھورنے لگے۔ یہ صلیبی لڑائیوں کے جوابی حملہ ہی کا جذبہ تھا، جس نے سلاطین آل عثمان کو یک قلم یورپ کی طرف متوجہ کر دیا تھا، اور ایشیا سے بڑی حد تک غافل رہے تھے۔ صرف سلطان سلیم یاز (خونریز) نے ایشیا کی طرف توجہ کی، مگر اس کی ایشیائی فتوحات میں ایک آرزو ہی جذبہ کار فرما تھا۔ وہ عرش خلافت پر جلوہ گر ہونے کا متمنی تھا، جس میں اُسے یورپی طرح کامیابی ہو گئی۔

یورپ صلیبی جنگوں سے بالکل خستہ ہو چکا تھا۔ مسلسل شکستوں نے اُس کی شجاعت و ہمت پر کاری ضربیں لگائی تھیں۔ فرقہ وارانہ حسد و منافست نے اُس کے تمام قویٰ معطل کر دیے تھے۔ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ دول یورپ نے ترکی سیلاب کے مقابلہ کا کوئی خیال نہیں کیا، اور قسطنطنیہ اور مشرقی یورپ کی مسیحی ریاستوں اور قوموں کو مغلوب ہوجانے دیا۔ لیکن جب ترکوں نے بلغاں سے بھی قدم آگے بڑھایا، اور ہنگری پر ترکنازیں شروع کر دیں، تو یورپ کی آنکھیں کھلیں۔ مذہب کے نام پر متحدہ محاذ قائم کیے گئے، اور ترکوں کے روکنے کی کوشش شروع ہوئی۔ مگر کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

یہاں تک کہ سلطان سلیمان قانونی کی وفات کے بعد خود ترکوں میں کمزوری پیدا ہو گئی۔ سلطان مراد ثالث کے عہد میں یہ کمزوری

اس کے بعد پھر بت پرستی کے خلاف کوئی با ضابطہ مسیحی دعوت پیدا نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ صلیبی لڑائیوں کے بعد اسلامی توحید کی تعلیم یورپ کے قلب تک پہنچی، اور مہمور مسیحی مصالح لوتھر کا ظہور ہوا۔

ظاہر ہوئی، سلطان احمد اول کے زمانہ میں اس نے ترقی پائی، اور سلطان محمد رابع کے دور میں بلوغ و کمال تک پہنچ گئی۔ ترک جس قدر کمزور ہوتے گئے، یورپ کا مسیحی اتحاد بھی اُسی قدر ٹوٹتا گیا۔ یہاں تک کہ صرف روس اور آسٹریا ترکوں کے مقابلہ میں رہ گئے، اور انہیں یورپ سے نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔

اس طرح ترکی شہنشاہیت نے اپنی عمر کا اکثر حصہ بے درپے جنگوں میں گزار دیا۔ ابتدائی جنگیں حملہ آورانہ تھیں، بعد میں مدافعتانہ ہو گئیں۔ لیکن اس تمام مدت میں ترکی سلطنت ایک مذہبی سلطنت رہی۔ اس کا تمام داخلی نظام شریعت کے احکام پر مبنی تھا۔ علماء و فقہاء کو غیر معمولی اقتدار حاصل تھا۔ مقتدرین کے فترے عزل و نسب اور نظم و نسق کے لیے جاری ہوتے رہتے۔ چونکہ عثمانی حکومت کی نشو و نما ہی اُس وقت ہوئی تھی، جب کہ اسلام کے دینی علم و عمل کی روح پڑسودہ ہونا شروع ہو گئی تھی، اور دینی نظرو بصیرت اور اجتہاد فکری جگہ تقلید و جمود کی بنیادیں قائم ہو چکی تھیں، اس لیے مذہبی احکام و نظام کی کوئی بہتر روح پیدا نہ ہو سکی۔ جن علماء کے ہاتھ میں نظم و نسق کے احکام تھے، ان کا علم تمام ترقی حنفی کی چند متداول متون و شرح تک جو متاخرین کی ترتیب دی ہوئی تھیں، محدود تھا، ان سے باہر نہ تو کوئی نظر رکھتے تھے، اور نہ ایسی فضا تھی کہ بلند نظری پیدا ہو سکتی۔

اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی پچھلی حکومتوں کی طرح، عثمانی حکومت میں نظم و ادارہ کی کوئی موافق روح پیدا نہ ہو سکی۔ دائرہ حکومت تمام براعظم یورپ اور مشرق میں پھیل گیا تھا۔ مختلف مذاہب، مختلف نسلیں، مختلف تمدن، اور مختلف جماعتی مزاج رقبہ حکومت میں جمع ہو گئے تھے، حکومت کے لیے اتنے مختلف عناصر پر کامیاب حکومت قائم رکھنی آسان نہ تھا۔ ترک ہمیشہ سے ایک جنگی قوم تھے۔ اب ان کے زیر نگین یورپ اور مشرق کی تمام متمدن آبادیاں آ گئی تھیں۔ ضرورت تھی کہ انتظام حکومت کی ایک طاقتور روح پیدا کی جاتی۔ یہ روح ضرور پیدا ہوتی، اگر علوم دینیہ کی حقیقی روح باقی رہتی، اور تقلید و تنگ نظری نے فقہاء کے دماغ عقیم نہ کر دیے ہوتے۔ لیکن افسوس کہ حالت دوسری تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رز بروز حکومت کا انتظامی مزاج مختل ہونے لگا۔ حتیٰ کہ یورپ کے مورخین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ”اسلام کے احکام کی روح ہی حاکمانہ انتظام (ادمنسٹریشن) کے خلاف ہے“ حالانکہ اسلام کی روح مخالف نہیں ہے۔ مسلمانوں کا دماغی تذل مخالف ہے۔

(دور اصلاح)

سنہ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) سے سنہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ع) تک

ادھر ترکی مدافعتانہ جنگوں میں مصروف تھی۔ روس اور آسٹریا کے حملوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ ادھر یورپ میں ایک نئی تہذیب پھیل رہی تھی، جدید تمدن زندگی اور ترقی کے نئے نئے دروازے کھول رہا تھا، اور اقوام یورپ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ ایک طرف کامل رقفہ تھا، دوسری طرف یورپی حرکت و سرعت تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ بہت آگے بڑھ گیا، اور ترکی جہاں تھی، وہیں کی رہیں رہ گئی، بلکہ مسلسل دفاعی جنگوں نے اُسکی چولیں ہلا لیں۔

آہ میرے آقا! میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اہل عمل و عقیدہ منافق اور جاہل، لفظ دستور تک سے ناواقف اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اعلیٰ حضرت سے کہتے ہیں کہ دستور بادشاہ کو ایک بے جان کلمہ عقلی بنا دیتا ہے۔ اس کا اختیار چھین لیتا ہے۔ اس کی عظمت سلب کرتا ہے دوسری طرف قوم سے کہتے ہیں: دستور بھٹیس بھٹاری غریزین غصو صیتوں، دین، لباس، رسم و رواج سب محروم کر دے گا۔ لیکن لوگ یا تو غائب نہیں، یا جہالت نے ان کی عقل پر پڑے ڈال دیے ہیں۔ میرے آقا! ان لوگوں کے مشورے پر کان نہ دہرے۔ اے میری امت! ان کی گراہی کی پروا نہ کر۔ دستور، صرف خود غرضی کو روکتا ہے بادشاہ کی صرف اتنی ہی آزادی سلب کرنا ہے کہ وہ رعیت کے معاملات غلطی نہ کرے۔ اتنا ہی اختیار چھیننا ہے، جتنے غیر معتدل اختیار سے شہر پیدا ہوتا ہے۔ وہ قوم پر کوئی ایسا حکم نہیں لگاتا جو اس کی عزت کے خلاف یا اس کی سعادت کے منافی ہو۔ وہ دین کی حفاظت کرتا ہے۔ سلطنت کا نگہبان ہوتا ہے۔ حقوق کی ضمانت کرتا ہے۔ دلوں میں طمان آتا ہے۔ ہر انسان کو آزاد اور شریف بنا دیتا ہے!

دستور ہمارے لئے یہ موقع ہم پر پڑے گا کہ تمام سلطنتوں سے اپنے تعلقات اور زیادہ بہتر بنائیں۔ میان، اس ملک میں آقا، یورپ میں، کون نہیں جانتا کہ ہمارے معاملات میں سفراء دول کی خدمت نے کتنا نقصان پہنچایا ہے؟ یہ لوگ برابر اصلاح، اصلاح جلاتے ہیں مگر کب معلوم ہو کہ اس مطالبہ سے آزاد کا مقصد ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دینا ہے، یا اس سے ان کی غرض بعض افراد کی خدمت ہے یہ اور بھی زیادہ برا اور نقصان دہ ہے۔ لیکن دستور، ہماری حکومت ایسی حکم بنادوں پر قائم کرے گا کہ کبھی اجنبی کو مداخلت کی جرات باقی نہ رہے گی۔ تمام رعایا اپنی حکومت کے ظل حمایت میں ہوں گی۔ کب کب مل والفات کے سایہ میں یکساں امن لے گا۔ دستور کے سامنے سب آدمی برابر برابر ہوں گے۔

میرے آقا! وقت آ گیا ہے کہ اسلاف کی سلطنت کو آپ بچالیں۔ اس کی راہیں ہمارے خون اور ہمارے آئینوں کی قربانیاں عظیم بھٹیں۔ اس کا منی، شاعر تھا، اس کا حاضر، حسرت ناک ہے۔ آقا یہ حاضر خود اعلیٰ حضرت کے قلم قلب کے لئے کیا پس درجہ میں رہے؟ ہمارے گرد ہر چیز میں ہے، ہمارے ہاتھ کی ہر چیز گڑی آؤ ٹوٹی جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی دور میں غلط یہ سارے خطے تھے۔ یہ رہی ہیں۔ معاملہ سنجیدہ اور واقعی ہے۔ خیال تو ہم کی اس گئی کہ ہمیں آئیکے پاس اتنی فوج موجود ہے کہ اجنبی ایدھ سے بھڑکنے والی برتناد کی آگ، بجھائے سکتی ہے۔ لیکن اس فوج کے پاس نہ تو کھانا ہے نہ کپڑے۔ کاپٹ پال سکے، نہ حکمت ہو کہ مغلوبوں کے دلوں میں آوارہ، اور نہ ہی بان ہو کہ خون زدوں کو اپنے دائرہ حفاظت میں لے لے آؤں گا نظر رک سکے۔ آپ طاعون کو اپنے ملک میں سے اٹھا کر انہمازیات کے لئے کر فیصلہ کار بن دے کر سکتے ہیں، لیکن آپ کی اس شمش میں ہمارے کیا ہے؟ بہت ممکن ہے فیصلہ کے چولن کہ دن میں ہم اسی بخشش کی بدولت اور بھی زیادہ کمزور رہے، اور غیر ثابت ہوں۔

میرے آقا! ہر سال جو گزرتا ہے، ہمارے بیرونی مددگاروں کی ہمدردی کم کرتا اور ہماری داخلی زندگی کا ایک چراغ بجھا دیتا ہے۔ یہ انجکشن ہمارے سامنے موجود ہے۔ اب وہ ہماری امداد کا دیا خواہش نہیں کرتا جیسا اب وہ کر رہے تھے۔ یہ آٹریا، جرمنی سے شکست کھانے کے بعد منجلی ہونے سے زیادہ مشرقی سلطنت بن گیا ہے۔ اب وہ سلاویوں سے تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے جو ہماری سرزمین میں قیام ہیں۔ اس سے زیادہ اندیشہ کی بات یہ ہے کہ یورپ کی عام لڑنے والے بھان بھائی ہو رہے ہیں۔ ہماری طرف نا امانی، مگر دوز بردہ ہم سے نہیں ہوتی

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفیٰ پاشا الفاضل

اور لائحہ اصلاحیہ

(۲)

کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کسان جنگلوں میں اے اے پھرتے تھے نفرد فاقہ نے انھیں حیرانوں کی سی مخلوق بنا دیا تھا۔ کوئی بھی محنت و مشقت کی طرف رغبت ظاہر نہیں کرتا تھا۔

لیکن مرتیں برس کی مدت کے بعد اب فرانس، فرانس ہو گیا ہے۔ تمدن و تہذیب کا مرکز ہو علوم و صنائع سے مالا مال ہے۔ سیر آقا یہ حیرت انگیز تبدیلی، صرف نظام حکومت کی تبدیلی کا نتیجہ تھی۔ مستبد حکومت نے ملک کو دیران کر ڈالا تھا۔ آزاد حکومت نے آتے ہی اس میں روح پھونک دی۔ ایسی روح جس نے اسے زندہ، جوان، طاقتور اور خوشحال بنادیا۔ و حقیقت فرانس پر آزادی کا بہت ہی عظیم احسان ہے۔

میرے آقا! آزادی، قوموں کو زندہ کر دیتی ہے۔ صرف معنوی زندگی ہی نہیں، مادی زندگی بھی بخشتی ہے۔ جب انسان اپنے حقوق سے محروم ہو جاتا ہے، تو ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس کے تمام جسمانی و معنوی قوتیں مفلج ہو جاتے ہیں۔

میرے آقا! جب قوم کی وہ حالت ہو جائے، جو اوپر عرض کر چکا ہوں۔ زمانہ، اس کے اخلاق پر دست درازی کرے، غفلت، آہستہ آہستہ اس کی عقل پر حادی ہوتی جائے، نفرد فاقہ اس کا خون چوسنے لگے، اور سلطنت کے خزانے خالی ہو جائیں، تو ایسی حالت میں ہر مہرب وطن اور مخلص قوم کا فرض ہو جاتا ہے کہ صرف اصلاح کے مطالبہ پر قابض نہ ہو جائے بلکہ عمل کا فوری قدم بھی اٹھائے۔ اصلاح ایک بے معنی لفظ ہے اگر اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ کتنے قوانین کا ہم سے دعوہ کیا گیا ہے کتنے نظام شائع کئے گئے مگر کبھی عمل ہمارے سامنے نہیں آیا۔ انتخاب ہم پر فرض ہو گیا ہے کہ ایک قدم آگے بڑھیں اور یہ ہم معروضہ عرش معظم کے دربار انتہائی عظیم و احترام کے ساتھ پیش کر دیں۔

میرے آقا! آپ اس سلطنت کا ہاتھ پکڑے اور اس کا شباب تازہ کر دیجئے۔ دستور (یعنی دستوری نظام حکومت) کا ہاتھ پکڑے اور اسے اختلال و بخل سے بچالیں۔ امت کو ایسا دستور چھینے چھوڑنے کا جرم نہ دے، سید شاہ ہو، نیت نیک ہو۔ پھر اسے اپنی اماں میں لے لیجئے، ایسا انتظام قائم کیجئے کہ وہ اصلاح سے جاری ہو، امانت کو آسیر عمل کیا جائے، اور ہمیشہ کے لئے دست درازوں سے محفوظ ہو جائے ایسا دستور جس کے سامنے مسلم اور غیر مسلم، دونوں اپنے حقوق کا بجا میں برابر ہیں، تاکہ قومی اتحاد پیدا ہو۔ سب کو سلامتی اپنے سایہ میں لے لے، اور مغربیوں کا یہ کلیہ ٹوٹ جائے کہ غالب اور مغلوب ہیں اتحاد، محال ہے!

میرے آقا! اہل یورپ کہتے ہیں کہ ہماری کمزوری اور انحطاط ہماری قومیت اور ہمارے دین کی وجہ سے ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ ہم فوجی زندگی بسر کرنے کے علاوہ اور کسی بات کے لئے موزوں ہی نہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال حقیقت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ہماری امت دنیا کی دوسری امتوں سے کوئی مستثنیٰ صورت حال نہیں رکھتی۔ جس طرح دنیا کی مختلف قومیں ابتدائیں جنگی قوت سے نمایاں ہوئیں تاکہ اپنی ہستی کے لئے استقلال پیدا کر سکیں، اور پھر علوم و صنائع اور تمام اعمال و عہدہ کے لئے مستعد ہو گئیں، اسی طرح ہم بھی اپنی جنگی شجاعت سے دنیا میں نمایاں ہوئے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ترقی و سعادت کے تمام اعمال کی طرف قدم نہ بڑھائیں۔ قوم کی ابتدائی حرکت لڑائی میں ظاہر ہوتی ہو یا صنائع میں مصدر و دونوں کا ایک ہی ہونا ہے اور وہ حرکت کی استعداد ہے۔ جس سے استعداد ہے، اس کی راہ کبھی ٹک نہیں سکتی۔ خود یورپ کی مختلف قوموں کا اٹھان ہماری ہی طرح جنگ عسکریت سے ہوا ہے، اور اب وہ تمدن و صنائع کے میدان میں سب سے پیش پیش ہیں۔

اسی طرح ہمارے دین پر بھی الزام صحیح نہیں۔ اس میں کی طرح دنیا کے تمام دینوں کی بھی تعلیم یہی ہے جو جملہ کائنات، مشیت الہی کے تحت ہے۔ مسیحیوں کے عقیدے اس بارے میں ہمارے عقیدوں سے کین باؤ سخت ہیں۔ وہ مذہب جو ایمان لائے ہوئے ہیں۔ ان کے دوسرے اصول کی تعلیم ہے کہ انسان، پروردگار کے ہاتھ میں ایسا ہے، جیسے گنہگار ہے مٹی کہاں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی میرے آقا! انھیں بھلائی اور بہتری حاصل کرنے سے کوئی چیز روک نہ سکی۔

حق کا اظہار ضروری ہے۔ جس چیز نے ان کی طرح علی قوم ہونے سے روک دیا ہے، وہ ہمارا طرز حکومت ہے۔ جس حکومت میں یہ اندھیر روتا ہو کہ ایک انسان دوسرے انسان کی محنت سے بغیر استحقاق کے نفع اٹھائے، وہاں نہ عقل ترقی پاسکتی ہے، نہ خوشحالی، عام ہو سکتی ہے جس ملک میں بھی نظم عمل جاتا ہے، مخلوق، عمل سے کنارہ کش ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اسے اپنی محنت سے متمتع ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔

فرانس کی حالت ہمارے سامنے ہے۔ یہ خوبصورت ملک، جس کا علاج اعلیٰ حضرت بھی ہیں مشائخہ سے پہلے سخت غفلت و نفاق میں پڑا تھا۔ لائق سے لائق وزیر پر حکومت آئے اور بڑی بڑی کوششیں کیں مگر محنت و حرفت اور تجارت و زراعت کو درلج دیں، ملک میں حرکت و زندگی پیدا کر دیں، مگر ناکام رہے۔ ملک نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ ظلم و استبداد ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ رعایا اپنی محنت سے

آہ میرے آقا! میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اہل حق و حق پرستان
ادب جاہل، لفظ و دستور تک سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔
والہی حضرت سے کہتے ہیں کہ دستور بادشاہ کو ایک بے جان کلمہ نقلی
بنادیتا ہے۔ اُس کا اختیار ہمیں لیتا ہے۔ اُس کی عظمت سلب کرتا ہے
دوسری طرف قوم سے کہتے ہیں: دستور ہمیں تمھاری غریزہ و فطرت
صیتوں: دین، لباس، رسم و رواج سب محروم کر دے گا لیکن ایک
یا تو دغا باز نہیں، یا جاہلانے اُن کی عقل پر پڑے ڈال دے ہیں۔
میرے آقا! ان لوگوں کے شوشے پر کان نہ دہرائے۔ لے بیٹھا
امت! ان کی گمراہی کی پرمانہ نہ کر۔ دستور، صرف خود غرضی کو روکتا ہے
پادشاہ کی صرف اپنی ہی آزادی سلب کرتا ہے کہ وہ دین کے معارض
ظلمی ہو کرے۔ اُنہی اختیار ہمیں تاکہ جتنے غیر معتدل اختیار سے
شرعیہ ہوتا ہے۔ وہ قوم پر کیوں ایسا حکم نہیں لگاتا جو اُس کی فطرت کے
خلاف یا اُس کی سعادت کے منافی ہو۔ وہ دین کی حفاظت کرتا ہے۔
سلطنت کا نگہبان ہوتا ہے حقوق کی ضمانت کرتا ہے۔ دلوں میں
آرام ہوتا ہے۔ ہر انسان کو آزاد و شریف بنادیتا ہے!

دستور ہمارے نے یہ موقع ہم پہنچائے تھا کہ تمام مسلمانوں سے اپنے تعلقات اور زیادہ بہتر بنادیں۔ یہاں اس ملک میں اور، یورپ میں، کون نہیں جانتا کہ ہمارے معاملات میں سفراء دول کی طرف سے کتنا نقصان پہنچایا ہو؟ یہ لوگ برابر اصلاح، اصلاح چلاتے تھے مگر کچھ معلوم ہو کہ اس مطالبہ سے ان کا مقصد ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دینا ہو، یا اس سے ان کی غرض بعض افراد کی خدمت ہو۔ یہ اور بھی زیادہ بڑا اور نقصان دہ ہو۔ لیکن دستور، ہماری حکومت ایسی مستحکم بنا دوں کہ ہر کام کرنے والے کو کسی اجنبی کو مداخلت کی ضرورت نہ پڑے گی۔ تمام رعایا اپنی حکومت کے ظل حمایت میں ہوں گے۔ کچھ اصل و انصاف کے سایہ میں یکساں امن ملے گا۔ دستور کے سامنے سب آدمی برابر برابر ہو جائیں گے۔

میرے آقا، اوقات آگیا جو کہ اسلطان کی سلطنت کو آپ بچا لیں۔
 اس کی راہیں ہمارے خون اور ہمارے آئندوں کی قربانیاں عظیم
 تھیں۔ اس کا معنی، شامداد تھا، اُس کا حاضر، حریت ناک ہے۔ آقا
 یہ حاضر خود اعلیٰ حضرت کے دیرِ قلب کے لئے کیسا آپس درجہ تکلیف دہ
 ہو؟ ہمارے گرد ہر جزیرین ہنسا رہی ہو۔ ہمارے ہاتھ کی ہر جزیرہ گردی آؤ
 ٹوٹی جاتی ہو۔ اعلیٰ حضرت کی دُور بین نظرسے ہمارے خطے دیکھ
 رہی ہیں۔ معلما، سنجیدہ اور دانتی ہو۔ خیالِ توہم کی اسیں گناہ منہر
 آئیے پاس اپنی فرج موجود ہے کہ اجنبی ایندھن سے بڑھنے والی ہر تلو
 کی آگ، بجھائے کچھ ہو۔ لیکن اس فرج کے پاس نہ تو کھانا نہ کھیت نہ
 سا بیٹ چل سکے، حاکم جو کہ مغربوں کے دلوں میں آؤا کرے، اور
 نہ ہی ہلان جو کہ خونِ زہل کو اپنے دائرہ حفاظت میں لے لے گا دلو
 کا ظلم کرے کہ آپ ملّا عوں کو اپنے ملک میں نئے نئے امتیازات دے
 لے کر فیصلہ کا حق دیکر کہتے ہیں، لیکن آپ کی اس بخشش میں سارا
 کیا ہو؟ بہت ممکن ہے فیصلہ کے ہولناک دہن میں ہم اسی گدش کی
 بدولت اور میری زیادہ کر دے کہ کس، اور فقر ثابت ہوں۔

میرے آقا ہر سال جو گزرتا تھا، ہالے بیرونی مدگا دین کی کٹا
 کم کرنا اور ہاری داخلی زندگی کا ایک چرخ بچھا دیتا تھا۔ یہ انگشتا
 ہالے سائے موجود تھو۔ اب وہ ہاری ارادہ کا ویسا غلام شہر میں
 جیسا اب وہ برس پہلے تھا۔ یہ آتشا، جو سنی سے شکست کھانے کے بعد
 منجلی ہونے سے زیادہ مشرقی سلطنت میں گیا تھو۔ اب وہ سلاوی
 سے قریب تھا۔ یہاں ہاری سوزن میں بین تم ہیں۔ اگر کسی
 زیادہ اندیشہ سے یہ کہہ کر کھپ کی عام لئے ہالے یہ بقاء نام
 ہاری طرف سے تھا، مگر بعد ہر دم سے ظہور

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفیٰ اپنا اقبال

اور لائحہ اصلاحیہ

(۲)

کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کسان، جنگلوں میں اے اے پھر لے لے
 فقر و فاقہ لے اٹھیں حیوانوں کی اسی مخلوق بنادیا تھا۔ کوئی بھی نعمت و
 مشقت کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔

لیکن صرف تیس برس کی مدت کے بعد اب فرانس، فرانس ہو گیا ہو۔ تمدن و تہذیب کا مرکز ہو، علوم و صنائع سے املاک ہو۔ مگر آقا! یہ جرت انگیز تبدیلی، صرف نظام حکومت کی تبدیلی کا نتیجہ تھی۔ مستبک و مکر نے ملک کو دیر ان کر ڈالا تھا۔ آزا حکومت نے آئے ہی اس میں دُور ٹھوکر ماری۔ ایسی بدح جس نے اسے زندہ، جوان، طاقتور، اندوختار بنادیا۔ و حقیقت فرانس پر آزادی کا بہت ہی عظیم احسان ہو۔ میرے آقا! آزادی، قوموں کو زندہ کرتی ہے۔ صرف معنوی زندگی ہی نہیں، مادی زندگی بھی بخشتی ہے۔ جب انسان اپنے حقوق کے محرم ہو جاتا ہے، تو ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس کے تمام جسمانی و معنوی قوی مفلج ہو جاتے ہیں۔

میرے آقا! جب قوم کی وہ حالت ہو جائے، جو اذیت و مرض رکھتا
ہوں۔ زمانہ، اُس کے اخلاق پر مت دمازی کرے، بغفلت، آہستہ
آہستہ اُس کی عقل پر عادی ہوتی جائے، فقر و فاقہ اُس کا خون چسپے
لگے، اور سلطنت کے خزانے خالی ہو جائیں، تو ایسی حالت میں ہر جہ
وطن اور وطن پر قوم کا فرض ہو جائے کہ کرم و اصلاح کے مطالبہ کیا پر
قانون نہ ہو جائے بلکہ مل کا فوری قدم بھی اٹھائے۔ اصلاح ایک بے
معنی لفظ ہے اگر اُس کے ساتھ مل نہ ہو۔ کہتے تو ان کا ہم سے دعو
کیا گیا، کچھ نظام شائع کئے گئے، کچھ کمری مل بنائے شائع نہیں آیا۔
اب اس ہم پر فرض ہو گیا جو کہ ایک قدم اگے نہیں آدیا ہم معروض
عرشِ شہزاد کے بعد انتہائی فقیر و بقر اس کے ساتھ پیش کر رہا۔

میرے آقا! آپ اپنی خلعت کا ہاتھ پکڑنے اور اس کا شاب
 اندہ کر لیجئے۔ (مستند یعنی مستند نظام حکومت) کا ہاتھ پکڑنے اور
 اسے اجتناب و بائیس سے بچنے لیجئے۔ است کیا ایسا مستند بچنے میں
 جسم ہندوت پر، سیدہ کلمہ پر، نیت نیکہ پر، پیرائے اپنی ملان پر
 ہے لیجئے۔ ایسا نظام قائم کیجئے کہ وہ مقام سے جاوے ہی، امت کا
 آپرل کر دیا جائے، اور پکڑنے کے دست و راز میں سے محفوظ رہے
 اور اس میں کے ساتھ مسلم اور غیر مسلم، اور اپنی حقوق و امتیاز
 میں بیکار ہو، بلکہ ان کی اتحاد و یکجا ہو، کہ جو مسلمان اپنے غلام
 نے، اور غیر مسلم کا یہ لڑکے ہونے کہ غالب اور غلبہ

میرے آقا! اہل یورپ کہتے ہیں کہ ہماری کزردی اور انحطاط ہماری قومیت اور ہمارے دین کی وجہ سے ہو۔ نیز کہتے ہیں کہ کم فوجی زندگی بسر کرنے کے علاوہ اور کسی بات کے لئے موزوں ہی نہیں۔ حالانکہ ان کے یہ خیال حقیقت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ہماری امت دنیا کی دوسری امتوں سے کوئی مستثنیٰ صورت حال نہیں رکھتی۔ جس طرح دنیا کی مختلف قومیں ابتدا میں جنگی قوت سے نمایاں ہوئیں، اگلا یہی ہوتا ہے کہ استقلال پیدا کریں، اور پھر علوم و صنائع اور تمام اعمال و تہذیب کے لئے مستعد ہو جائیں، اسی طرح ہم بھی اپنی جنگی شجاعت سے دنیا میں نمایاں ہوئے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ترقی و سعادت کے تمام اعمال کی طرف ہم نہ بڑھیں۔ قوم کی ابتدائی حرکت لڑائی میں ظاہر ہوتی ہو یا صنائع میں مصدر دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے اور وہ حرکت کی استعداد ہو۔ جمیع استعداد ہو، اس کی راہ بھی رک نہیں سکتی۔ خود یورپ کی مختلف قوموں کا اٹھنا ہماری ہی طرح جنگ و عسکریت سے ہوا ہو، اور اب وہ تمدن و صنائع کے میدان میں بے پیش پیش ہیں۔

اسی طرح ہمارے دین پر بھی الزام صحیح نہیں۔ اس میں کلمہ دینا کے تمام دینوں کی بھی تعلیم ہے جو کہ کلمہ کائنات، مشیت الہی کے تحت جو۔ مسیحیوں کے عقیدے اس بارے میں ہمارے عقیدوں سے کہیں زیادہ سخت ہیں۔ وہ مذہب جو پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ ان کے دلوں میں رسول کی تعلیم ہو کہ انسان پروردگار کے ہاتھ میں آیا ہو، جیسے تشریف آوری ملی کہا گئے ہاتھ میں آتی ہو۔ لیکن اس کے باوجود بھی اے سیر آقا! انھیں معافی اور رہتی حاصل کرنے سے کوئی حیرت رک نہ سکی۔

حق کا انکار ضرور دی ہو۔ ہیں جس چیز نے اُن کا دل غلامی میں لپیٹ کر رکھا ہے وہ ہمارا طرز حکومت ہے۔ جس حکومت میں یہاں تک رُخسہ ہو کہ ایک انسان دوسرے انسان کی خدمت سے بغیر احتیاج کے نفع اُٹھائے، وہاں عقل ترقی پاسکتی ہو، ذوقِ خفائی، علم ہو سکتا ہے جس ملک میں یہی نظر پھیل جائے، مخلوقِ اجل سے کھانکشی ہو جاتی ہو۔ کیونکہ اُسے اپنی خدمت سے محنت ہونے کا شیریں چشما ملتا ہے۔

فرمان کی حالت ہائے سلاطین ہو۔ یہ خلیفہ کی ایک
اعلیٰ حیثیت کو بھی نشانہ ہے۔ پہلے سلاطین و ناکات میں
فائن سے فائن ہو کر آئے اور پھر خلیفہ کی حالت
حرف اور تجارت و زراعت کو روکیں، گھٹیں بہت و زراعت
پیدا کریں، گھٹیں بہت ہو گئے۔ ایک قسم کی آگ و بھڑک
حالت پیدا ہوئی۔ اس بار پھر خلیفہ کی حالت سے

ایک طبیب کہا کرتا تھا "مجھے ایک گر کپڑا دو، میں تمہیں ایک شریف آدمی بنے دوں گا" اے میرے آقا آپ بھی اپنی سرپرستی میں حقوق عطا کر کے اپنی رعایا کو کھیتی، ادو انحراف، اور زندہ بنائے سکتے ہیں۔ وہ آزادی کی بخشش پر حضور کی شکر گزار ہوگی، ظلم اٹھ جانے پر دعا مانگے گی۔ آپ کی خدمت کے لئے اپنی جائیں قربان کرے گی۔ آپ کی اپنی اور سلطنت کی بھلائی کے لئے کوشش کرے گی۔ اُس کی عقل درست ہو جائے گی۔ اُس کا نفس پاک ہو جائے گا، اور اس طرح وہ اسلام کی فضیلتیں دوبارہ حاصل کر لے گی۔ جب خطرے کا بھل بجے گا، تو وہ ہتھیاروں پر سرے کر دے گی، عرش معظم کے گرد جمع ہو جائے گی، اور اعلیٰ حضرت کی نصرت میں خوش دھرم موت کا خیر مقدم بجالائے گی، کیونکہ وہ سمجھے گی، اُس کی تمام مساداتوں کا سامن سرخسہ یہی عرش مبارک ہو۔ میں یہاں اس دستور نظام حکومت کی تشریح کرنی نہیں چاہتا جسے میں ملک کی قابلیت، اخلاق، اور روایات کے مطابق سمجھتا ہوں۔ میں غریب یہ دستور اعلیٰ حضرت کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ اسے میں نے اور میرے رفقاء نے ترتیب دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے علم میں حقیقت پہلے سے موجود ہے کہ صاحب غرض نہیں ہوں۔ مجھے نہ کسی منصب کی طلب ہو نہ کسی عطیے اور بخشش کی آرزو۔ میری غرض صرف اس قدر ہے، اور میں بلند آہنگی سے اس کا اعلان کرتا ہوں، کہ اعلیٰ حضرت کے دربر سلطنت کی عظیم کثرت یعنی مسلمانوں اور مسیحیوں کی آرزو رکھ دوں۔ یقیناً جلاوطنی کی تمام تلخیاں مجھ پر آسان ہو جائیں گی اگر ذات شاہانہ کے سامنے حقیقت عیاں پیش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت سلطان معظم اسے پہلے خود اپنے ضمیر ظاہر کی طوط رجوع کیجئے کہ وہ اس زمانے میں آپ کا کیا فرض بتا رہا ہے، جبکہ آپ کی رعیت حیرت میں پڑ گئی ہے اور پورے مسمیٰ میں تباہ ہو رہی ہے؟ یہ ایک جلیل القدر عمل ہے۔ اسے وہی انجام دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے غم شہادت کا دھت عطا فرمایا ہے۔ جو کوئی بھی یہ عمل عظیم انجام دے گا، تاریخ اس کا نام ہمیشہ یاد رکھے گی اور تمام مخلوق اُس کا نام عزت و شکر گزاری کے ساتھ پکارتی ہو گی!

میرے آقا! اگر زمانے نے حضور والا کو وہ شرف نہیں بخشا جو کہ اجداد کے حصے میں آیا تھا، یعنی آپ کے ہاتھوں اس عظیم سلطنت کی بنیاد نہیں پڑی، تو زمانے نے یہ شرف آپ کے لئے محفوظ رکھ چھوڑا تھا کہ اس سلطنت کی عظمت رفتہ دوبارہ واپس لانے کا کام آپ ہی کے دست مبارک سے انجام پائے۔ تمام صادق عمان وطن بلکہ آپ کی کردیں سلمان اور مسیحی رعایا کی آوازیں ابھرتی ہیں میری شریک ہیں حضور اس عظیم و اشرف کی طوط متوجہ ہوں۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت ہی اسکے اہل ہیں۔ یہ شرف حضور کے اسم گرامی کو ان ظلمات تاریخ کے لمبائیوں کی صف میں لکھ دے گا جن کی تمام مخلوق تعظیم کرتی اور جن کی عظمت کے راگ تمام قومیں گادہی ہیں۔

مصطفیٰ فاضل۔ ۱۳۱۰ھ

خط و کتابت

میں

اپنا نمبر ضرور لکھا کیجئے جو ہر ہفتہ رسالہ کی چٹ پر

آپ کے نام کے ساتھ دیا جاتا ہے۔

مینجر

عقلوں پر قابض ہو گیا۔ مرتے وقت اُسے جسم لہوں سے پیشین گوئی کی تھی "میرے بیٹے دکن کا وکیل کی سلطنت کا درجہ میری ریاست کے رفیعے تین گنا زیادہ ہو گا" دنیائے دیکھ لیا کہ بوڑھو ناب کی پیشین گوئی بالکل حق تھی، یہ کیوں ہوا؟ صرف اس وجہ سے کہ دانشمند مکران نے ٹھیکے وقت پر آزادی کا لفظ اپنی زبان سے کہا تھا، وہ لفظ جو اپنے تین حرفوں میں دنیا کی تمام مسادات اور کامیائیاں پوشیدہ رکھتا ہے!

میرے پاس اس سے بھی زیادہ روشن اور صاف شاہین موجود ہیں اور اس کی توثیق ہیں کہ اعلیٰ حضرت اُن پر نظر فائر دالیں۔ لیکن میں اس غرض میں اُن سے کہ نہیں کر سکتا۔ میں آسٹریا کا ذکر کر دوں جو اپنی دستور آزادی کے سلسلے وقت کے عظیم خطرہ سے محفوظ گذر رہی ہے؟ برطانیہ کا ذکر کر دوں جو ابھی کل کی بات ہو کہ اپنی تہذیب کی بدلت میدان جنگ سے فحشہ بکھی ہو؟ لیکن مجھے زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ میں جس قدر عرض کر چکا ہوں، اعلیٰ حضرت کو مطمئن کر دینے کے لئے کافی ہے۔

اعلیٰ حضرت! قوموں کی آزادی اُن کا حق ہے۔ اُن کی امانت ہے۔ اُن کا ورثہ ہے۔ اور حکومتوں کا فرض ہے کہ اس امانت کے پیکر کرنے میں متناہل نہ کریں۔ یہ سیردگی ان کی قوت برہانی ہے اور انھیں طرح کے خطروں سے محفوظ رکھتی ہے۔ آج دنیا کی تمام حکومتیں اس امانت کی سیردگی پر مجبور ہو گئی ہیں۔ کوئی دیکھ کر عثمانی حکومت اس عام اجتماعی حالت سے مستثنیٰ تصور کر لیا جائے؟ کیا ترکی قوم زمرہ اقوام پیشال نہیں ہے؟

پھر ایسا کیوں ہو؟ کیا اس لئے کہا را دین ہیں ترقی و مسادات سے محروم رکھنا اور تمدن و دانشگاہی سے دور رکھنا چاہتا ہے؟ میرا جلیل القدر آقا مجھ سے زیادہ واقف ہے کہ ایک لمحہ کے لئے یہ گمان صحیح نہیں ہو سکتا۔

میرے آقا! اس دنیا میں دیباستیں نہیں ہیں: اسلامی اور مسیحی۔ اللہ ایک ہی ہے، اور سیاست اُس عمل کے سوا کچھ نہیں جو حکم کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہے۔

یہ ہمارا دین نہیں ہے بلکہ ہمارا قدیم نظام ہے جو ہمیں فدا کر رہا ہے۔ اُس نے ہمارے مدبروں کی طبیعت بگاڑ دی اور ان کی خود اداری زائل کر دی پھر ان مدبروں نے سلطنت کی طبیعت بگاڑ دی اور اُس کی عزت تلف ہو گئی۔ پس میں یہ نظام ترک کر دینا چاہئے اور اُس کی طرف کبھی لوٹنا نہیں چاہئے۔ اس نظام کے بوجھ کے نیچے امت پڑی سسک رہی ہے۔ نظام حملہ آور دشمن سے ہیں کبھی راز نہیں دے سکتا۔ ہیں وہ مظلم اختیار کرنا چاہتے جو عدل و مسادات اور حیرت صادقہ کا مظلم ہے، اور عاقبت یہ کہ جہاں کہیں ظلم ہو جاتا ہے وہاں توہم کو لہو پکڑ کر اٹھا دیتا ہے اور عظمت کے محل طیارہ کر دیتا ہے۔

کیا ہمارے لئے یہ زیبا ہے کہ وہ صوبے جو ابھی حال اچھا ہیں سوکھ ہوئے ہیں انھیں اپنے خون ادا دین کے لحاظ سے ہم پر کوئی ترجیح حاصل نہیں، آزاد نظام حکومت کا خیر مقدم کریں، اور ہم لوٹ پیش میں پڑے رہیں؟ کیا آپ کی سلطنت میں ایسے بچے اور خلع مجب وطن ہو جو ہمیں ہیں جیسے مصر، تونس، مولڈاویا، رومانیہ، اور سرہیہ میں ہیں؟ کیوں نہیں فخر ہیں۔ انھیں بلانے، وہ سرے کے بل دُور کریں گے۔ ہر شرمیں رعایا کی پسند سے ایک گروہ منتخب کیجئے، وہ آپ کے سامنے رعیت کے معاملات بے نقاب کر دے گا، اور پھر وہ عمل باز ہو جائے گی جس کی جانب حضور کی الہی شفقت کا رجحان ہے۔ اس کے بعد اپنے شاہانہ ارادے سے رعایا کے نمائندوں کو اپنی سلطنت کے مرکز میں جمع کیجئے۔ وہ عرش اعظم کے دربر رعیت کی ضرورتیں پیش کریں گے اور عتبہ عالیہ تک اُس کی آرزو پورا ہو جائے گی۔

جاتی ہو۔ اگر اعلیٰ حضرت، مرمائی فرا کر پرس، لندن، اور روم کے اعتباراً ہر ایک نظر دالیں تو معلوم ہو جائے گا کہ جو قومیں اپنی مصلحت ہمارے نزدیک کرتی تھیں، اب وہ ہماری تباہی کا یقین کرنے لگی ہیں۔ انگلستان، فرانس، اور اٹلی کے ہمارے ہمارے حکام کی حرکتیں دیکھ کر اور رعایا پر ظلم و تشاہدہ کر کے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اعلان کرنے لگے ہیں۔ یہ حکومت ہرگز اپنی اسلحہ نہیں کر سکتی۔ اُس کے زوال یقینی ہے ہم بھی اُسے چھوڑ دیں۔ اُس کی موت جلد واقع ہو جائے دیں!

میرے آقا! ہمیں ان پیشین گوئیوں کی تکذیب کر دینی چاہئے لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ اپنی حکومت میں تبدیلی کریں۔ یہ تبدیلی ضرور ہونی چاہئے کیونکہ اعلیٰ حضرت کے ارادے اور حکم سے ہوگی۔ ہم فرانس، انگلستان اور اٹلی کی شاہت کریں کہ ہمارا قومیت ہے اس میں اس قدر وہی اور مساداتیں گرا رکھا ہے، نہ ہمارے مقدس میں ہی کا اقتصاد ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مر چکے ہیں اہم زندوں کی طرح عمل کر کے دکھا دیں کہ ہمیں مرے نہیں ہیں، زندہ ہیں!

میرے آقا! ہم پہلی قوم نہیں ہیں جس نے زور کی ہے۔ اٹلی ہر خوبی بگاڑ دالی ہے، اور اُس سے تمام قوی کمر در کڑا لے ہیں۔ ہم آزادی قوم بھی نہیں ہو گئے جس کی ایسی زبوں حالت ہوئی ہے۔ یورپ میں بھی بہت سی ایسی قومیں ہیں جن پر زور نہ اپنی تمام مصیبتوں کا لہو ٹوٹ پڑا ہے، اور ان کا حال بھی بالکل ہمارے ہمارے ہو گیا ہے۔ میں اعلیٰ حضرت کے دربر عرض کر چکا ہوں کہ گزشتہ صدی میں فرانسہ ہی قوم کہیں تباہ ہو گئی تھی۔ کس طرح اُس کی صنعت و حرفت ربا ہو گئی تھی۔ کس دور اُس کی ثروت کمزور ہو گئی تھی کہ ہر دس سال کے بعد دیوالیہ ہو جایا کرتی تھی۔ کس طرح اُس کے تمام طبقوں پر ظلم ہو رہا تھا، حتیٰ کہ اس وقت کے ایک دہریے نے کوئی بازو ہم سے کھینچا تھا "آپ کی سلطنت میں کوئی نہیں جو اپنی غرت پر فخر کرے اور وزیر کے استقام سے بچ جائے۔ کوئی نہیں جو اپنی برعایت پر صبر و شکر کرے اور ایک خیر چراسی کے غصے بھی بچ سکے" اُس ملک میں حکومت کا کوئی عتبہ دبہ باقی نہ رہا تھا۔ اُس کے سامنے عمل کی تمام راہیں بند ہو گئی تھیں۔ حواس گم ہو گئے تھے روم ایک نئی روش اختیار کرتی اور بدلتی تھی۔ جنگ ہفت سالہ کے بعد تو فرانس گرا کر تیسرے درجے کی دُول کے درجے میں شمار ہونے لگا تھا۔ لیکن آج پھر بہت جلد اپنی اصلی جگہ حاصل کر لی۔ چند ہی سال میں اس کی تمام برباد قوتیں واپس آئیں۔ حتیٰ کہ اُس کی فوجوں نے پورے یورپ کی صفحہ بیکار روک دی۔

یہ حیرت انگیز کامیابی فرانس نے کیونکر حاصل کی؟ صرف اس وجہ سے کہ اُسے حکومت کے دوسرے نظام کی جگہ ایک نیا صوب پرورد نظام قائم کر دیا تھا۔ بلاشبہ یہ شاہانہ تبدیلی مصائب سے خالی نہ تھی۔ بہت سا خون بیا، بہت سے آئینہ گریے۔ مگر یہ مصائب کچھ اس تبدیلی کا لازمی نتیجہ نہیں۔ ان مصائب کی اصلی دہرہ یہ تھی کہ تبدیلی اس وقت واقع ہوئی جب اُس کے لئے ذرا بھی وقت باقی نہ رہا تھا۔ بالکل آخری لڑھکا وہ لمحہ جس میں اگر قومیں اٹھ پڑتی ہیں، تو ان کا اٹھنا بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے۔

میرے آقا! ایک فرانسیسی قوم ہی ایسی نہیں ہو جو اپنے مصائب سے صحیح سالم نکل آتی ہو۔ فرانس کے علاوہ اور بھی ایسی قومیں موجود ہیں۔ ریاست چیمونیٹی (دلی) کے نواب نے آرمڈ کی عظیم لشکر آٹا میں قور کا بادشاہ ہو جائے۔ وہ بادشاہ ہو گیا، کیونکہ اُسے کوئی فوج جمع نہیں کی، کوئی سالار طیار نہیں کیا۔ اُسے صرف یہ کیا کہ قوم کو ایک آزاد دستہ بر حکومت بخش دیا۔ اس بخشش کے ساتھ ہی اُس کی فتوحات شروع ہو گئیں۔ زمین کی فتوحات نہیں جن پر پھر ورسین کیا جاسکتا، دلو کی فتوحات جو دنیا کی حقیقی فتوحات ہیں۔ وہ پورے اٹلی کے دلوں پر

برید شرق

مکتب آستانہ

(الامال کے مقالہ نگار تقیم مسطینہ کے قلم سے)

قصر یلدرز کے ہول کی بندش - مجلس کے انتخابات - ایک نئی سازش - ترک آذربائیجان - ترکی آذربائیجان

قصر یلدرز کے لمب کی بندش

آپ کے قارئین، قصر یلدرز کے نام سے نا آشنا نہ ہونگے۔ یہی وہ محل بلکہ قلعہ ہے، جس میں بیٹھ کر سلطان عبدالحمید ثانی نے کابل ۳۳ سال تک ایسے استبداد و تہر کی حکومت کی، جو موجودہ دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں ملتی!

یلدرز، باسفورس کے یورپی ساحل پر واقع ہے۔ اس کا پہلا بیٹا، بالکل لب سمند ہے۔ یہاں سے صورت کے گھٹے اور خوبصورت جنگل شروع ہو جاتے ہیں۔ انہیں طے کر کے محل تک پہنچنے کے لئے تیز موٹر کار میں بھی کم سے کم پندرہ منٹ صرفت ہوتے ہیں۔ بہت لمبی پر محل، استحکم قلعہ کی طرح کھڑا ہے۔ پہلے اس کے گرد سیلوں تک، موچے اور قلعہ بندیاں تھیں اس زمانے میں یلدرز کا نام ترکوں کے دل لرزا دیتا تھا۔ یلدرز کا نام لیتا، یلدرز کا ذکر کرنا، یلدرز کا لفظ تحریر میں لانا، یلدرز کی طرف نظر نہ اٹھانا، یہ سب باتیں انسان کو حکومت کی نظر میں شبہ کرنے کے لئے کافی تھیں۔ اس وقت بڑے بڑے حکام کے سوا، کسی ترک کے دم میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اندر سے یلدرز کی کبھی جھلک دیکھ لے سکتا ہے!

۳۳ سال کے بعد یلدرز کا یلدرز ٹوٹا۔ سلطان محمد فاضل حم کے زمانے میں اس کی وہ ہیبت باقی نہیں رہی لیکن عوام کے لئے اس کا داخلہ اب بھی ناممکن تھا۔

حیدر الدین محمد سادس، آخری عثمانی سلطان کے زمانے میں پھر یلدرز نے اپنا رعب واپس لینا شروع کر دیا تھا۔ یہ سلطان، اپنے بھائی عبدالحمید کی طبیعت رکھتا تھا، اور اسی جبروت سے حکومت کرنی چاہتا تھا۔ گزرنے کے انقلابات نے اسے مملکت نہ دی اسے تخت سلطنت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جانا پڑا۔

آخری خلیفہ، سلطان عبدالحمید کے مختصر عہد میں یلدرز کی تمام ہیبت زائل ہو گئی جمہوریت نے آتے ہی اس کے دروازے عام خلق کے لئے کھول دیئے۔

جمہوری حکومت نے یہ محل آستانہ کی بلدیہ (میونسپلٹی) کو عے دیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ اس طرح استقبال میں لایا جائے کہ شہر کے باشندوں کی خوشامی میں ترقی ہو۔ اور اس کے قیام و مصارف کا بار خزانہ حکومت پر نہ پڑے۔ اسی زمانے میں ایک آلمین سرمایہ دار باؤیر انائی نے درخواست پیش کی کہ یہ محل اسے کرایہ پر دیا جائے۔ وہ اس میں ہٹل اور لمب (تفریح کی جگہ) قائم کرے گا، اور ایک معقول رقم حکومت کو دیا کرے گا۔ ترکی حکومت نے یہ تجویز اس شرط پر منظور

کر لی کہ ترک باشندوں کو اس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اس کے قیام کا اعلان دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں میں کر دیا جائے حکومت کا خیال تھا کہ اس طرح ترک، اسراٹ سے بچ جائیں گے اور دوسرے ملکوں کے دولت مند یہاں آکر اپنی دولت ہاں لگے۔ اور اس طرح شہر کو وہ عظیم مالی فوائد حاصل ہوں گے جو اس وقت تک صرف یورپ کے بڑے بڑے شہروں کو حاصل ہو رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہو کہ یہ ارکان حکومت کی بہت بڑی غلطی تھی۔ انہوں نے معاملہ کا صرف ایک ہی پہلو دیکھا، اور تمام پہلو نظر انداز کر دیئے۔

بہر حال آلمین نے شرائط منظور کر لیں اور انیسویں ہجری تاریخ میں پہلی مرتبہ ترکی سلاطین کے پایہ تخت میں المود لب کا یہ عظیم الشان مرکز قائم ہو گیا!

طبعی کے باقی شرطیں تھیں کہ اسوار کرایہ کے علاوہ بلدیہ کو ہٹل کی آمدنی سے بھی دسویں صدی ایک معقول رقم دیا جائے گی۔ چنانچہ بلدیہ پہلی قسط ۱۰۰،۰۰۰ (ترکی پونڈ) کی ہٹل کی آمدنی سے وصول کئے اس کے مقابل میں سرمایہ دار کو ۱۰ لاکھ ترکی پونڈ ملے گا۔

تقریباً، آئینہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس تمام مدت میں بلدیہ کو برابر شکایت رہی کہ کرایہ دار معاہدے کی شرطیں پوری نہیں کر رہا ہے۔ ترکی اخبارات میں روز معاین شائع ہوتے تھے اور اعداد و شمار ملے لکھے جاتا تھا کہ اس لمب سے ترکی قوم کی کتنی دولت منائے ہو رہی ہے؟ بجائے اس کے کہ یورپ کے سرمایہ دار یہاں آکر اپنی دولت صرف کریں، خود ترکوں کی دولت برباد کر لے گا۔ اور یونین گیا ہے۔ ہٹل میں علانیہ قمار کھیلا جاتا تھا، اور اس کا شوق ترکوں میں بھی پھیلنے لگا تھا۔ دنیا کی یہ شریف ترین قوم اب تک قمار کے مہلک مرض سے محفوظ تھی، لیکن اس آلمین سرمایہ دار کی ذمہ داری اور ارکان حکومت کی نا رعایتی نے اس سے ترکوں کو بھی آشنا کر دیا!

ایک طرف یہ بربادی پھیلی ہوئی تھی، دوسری طرف یورپ کے دولت مندوں نے گویا اس کا مقابلہ کر رکھا تھا۔ اول تو کرایہ دار نے اس مرکز کا یورپ کے مراکز تفریح میں اعلان ہی نہیں کیا، کیونکہ اس نے دیکھا، مقامی آبادی ہی اس کی مطلب ہاں کے لئے کافی ہے پھر یہ بھی ہوا کہ قومی تہذیب کی وجہ سے دوسری قوموں کے دولت مند، لندن، پیرس، برلن کو چھوڑ کر اپنی دولت ترکوں میں خرچ کرنا پسند نہیں کرتے تھے! الحمد للہ کہ ۱۷ ماہ کی غفلت کے بعد اب حکومت متنبہ ہوئی اور اسے فیصلہ کر لیا کہ اس عظیم خطرے کا سدباب کر دے۔ چنانچہ کل رات کو کوشش نفلت بک پولیس کی ایک بڑی جمیت لے کر محل یلدرز میں گھس گئے۔ قمار

خانے میں داخل ہوئے۔ وہاں بازیاں لگ ہی تھیں۔ حاضرین میں ایک اچھی تعداد ترکوں کی موجود تھی۔ ایک ترک طالب علم بھی موجود تھا۔ لوگ اسے آسانی سے سمجھ کر بھاگنے لگے۔ مگر کوشش نہ پڑ کر بھاگے:

”کھیل ختم ہو گیا۔ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہٹا!“

چنانچہ سب بہوت کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ فوراً ان کے نام لکھے گئے۔ بازی کی نہیں جیت کی گئیں۔ کل ۳۰۰،۰۰۰ پونڈ تھے۔ پھر قمار خانے کا صندوق ضبط کیا گیا۔ اس میں ۱۰۰،۰۰۰ پونڈ تھے۔ ایک شخص اپنی ہی رقم لئے بھاگ رہا تھا، اسے بھی گرفتار کیا گیا۔ پھر محل کے تمام دروازے مقفل کر دیئے گئے اور محافظ بھانگوں پر کھڑے ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد کوشش نے حب ذیل بیان شائع کیا:

”حکومت صرف اس بات کی اجازت ہی تھی کہ جس بھی لوگ یلدرز میں پناہ لیتے قائم کرنا کہ اس شہر کو مالی منفعت حاصل ہو لیکن باؤیر نے معاہدے کی پابندی نہیں کی اور اسے شہر کے لئے ایک نہایت خطرناک قمار خانہ بنا دیا۔ جسے کسی حال میں بھی حکومت کو اربابین کر سکتی۔ جمہورنا حکومت نے فیصلہ کر لیا کہ معاہدہ منسوخ کر دے اور قوم کو اس مصیبت سے نجات دلائے، اس طرح ترکوں کو یلدرز کی مصیبت دوبارہ نجات مل گئی۔

مجلس کے انتخابات

مجلس (پارلیمنٹ) کے انتخابات ختم ہوئے۔ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی پوری جماعت انتخابات میں کامیاب ہو گئی۔ کسی دوسری جماعت کا ایک آدمی بھی نئی مجلس میں نہ ہوگا۔ تمام کرسیاں ”خلق نوردی“ کے آدمیوں ہی کے قبضہ میں رہیں گی۔

اس کامیابی پر غازی مارج نے قوم کے نام ایک اعلان شائع کیا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

”میرے عزیز برادران وطن نے اپنی تنقید لئے سے ثابت کر دیا کہ وہ ہماری سیاسی جماعت پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اس کی گزشتہ خدمات پر نظر استحسان کیجئے ہیں، اور اس کے آئندہ مسلک کو مفید یقین رکھتے ہیں۔ یقیناً ان کا یہ اعتماد، ہمارے لئے بہت بہت افزا ہے۔ اُسے ہمیں مستقبل کی تعمیر کے لئے پہلے سے بھی زیادہ قوت بخشنے دی ہے۔“

بلاشبہ یہ کامیابی ہے۔ لیکن اس میں ایک پہلو ایسا بھی موجود ہے جو ہر شخص کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے، جیسا کہ پہلے مکتوب میں لکھ چکا ہوں کہ موجودہ انتخابات میں اس جمہوری جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعت شریک ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ لہذا ہر حال میں یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ اس جماعت کے امیدوار غلبہ ہو جائیں اسے کوئی ایسی کامیابی نہیں کہ جسے جو مقابلہ کے بعد حاصل ہو سکتی ہو۔ یہ اہم پہلو، خود انگوو کے نیم سرکاری اخبار ”حاکمیت“ کو بھی زیر بحث لانا پڑا۔ وہ اپنے مقالہ ”انتخابات میں لکھتا ہے:

”دوسرے ملکوں میں انتخابات، مختلف ذہنی مذاہب (اسکول) یا مختلف طبقوں کے ذاتی منافع کی بنا پر ہمارے کرتے ہیں۔ انہیں ہڈوں سبوں سے مختلف سیاسی جماعتیں قائم ہوتی ہیں۔ اور ان میں ہر جماعت برسر اقتدار آنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن ترکی میں یہ صورت حال نہیں ہے۔ یہاں اب تک ایسے طبقے موجود نہیں ہیں جن کے منافع مختلف ہوں۔ ترکی میں سرمایہ داروں، مزدوروں، اور متوسط طبقوں لوگوں کی جماعتیں موجود نہیں ہیں۔ یہاں صرف ایک ہی قوم ہے، اور تمام باشندے مشترک مفاد و اغراض رکھتے ہیں۔“

بلاشبہ حالات اس میں یہاں بھی دو فکری رجحان پیدا ہو جاتے ہیں: ایک گروہ کا فکری رجحان یہ ہوتا ہے کہ ملک کی نجات و سلامتی ماضی میں، ماضی کی تعلیم میں، اور قدیم رسم و رواج کی پابندی میں ہے۔ دوسرے گروہ کی لئے میں کامیابی قائم تر اصلاح و تہجد میں ہے پہلے گروہ میں ماضی انسان اور غیر تعلیم یافتہ اشخاص داخل ہیں۔ دوسرے

گروہ، تعلیم یافتہ اشخاص کا ہے۔

”یہ دونوں فکری رجحان، ٹرکی میں ۲۰ برس سے متصادم ہو رہے ہیں۔ سیاست، فوج، ادب، علم، کوئی میدان نہیں جس میں یہ دونوں فقط ہائے فکر باہم دست بگریباں نہ ہوں۔“

”لہذا یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر بہت سی جماعتیں نہیں تو کم سے کم دو جماعتیں ملک میں ضرور موجود ہیں اور برسرِ اقتدار آنے کے لئے مقام ہوسکتی ہیں۔ لیکن اس وقت علامت ایک ہی سیاسی جماعت موجود ہے، اور وہ حامیان اصلاح و تجدید کی ہے۔“

”اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ حامیان اصلاح اپنے مقاصد کا ایک دہل اعلان کرتے ہیں اور مقروء مضبوط لائحہ عمل رکھتے ہیں۔ برخلاف ان کے حامیان جمود و تقلید میں اپنے مقاصد کے اعلان کی جرات نہیں و حقیقت وہ کوئی معین راہ عمل رکھتے ہی نہیں۔ اس کو بھی پروہ کر کے ان میں باہم کوئی فکری رابطہ بھی موجود نہیں جو ایک باقاعدہ جماعتی شکل پیدا کر سکے۔ ہر کوئی اپنی ایک علیحدہ مضطرب اور مبہم رائے رکھتا ہے اور دوسرے کے ساتھ اپنے پر آمادہ نہیں ہے۔“

”یہی سبب ہے کہ علمی طور پر یہ جماعت مرگئی ہے۔ کسی طرح بھی اپنے حریف کے مقابلے میں کھڑی نہیں ہوسکتی۔ لیکن اُس کی اس علمی موت نے اُس میں یہ خطرناک مرض بھی پیدا کر دیا ہے کہ وہ اپنی برہ سازشوں اور خیانتوں کے جال بناتی اور ملک میں پھیلائی کی کوئٹہ کرتی ہے۔“ یہ کہنا ضروری نہیں کہ، ”حاکمیت ملیت“ کی رائے افراط و تفریط سے خالی نہیں ہے۔

ایک نئی سازش

اس نئے ایک نئی سازش پر سے پردہ اٹھا ہے۔ آپ کے قارئین کو یاد ہوگا کہ کس عہدہ یونان کے بعد ہی ترکی حکومت نے اپنی سرحدوں کو ۱۵۰ آدمیوں کو ہمیشہ کے لئے جلا وطن کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کی پھیلی زندگی، سازشوں اور خیانتوں سے بے زنجیر تھی۔

یہ لوگ ٹرکی سے بھگ کر یونان، مصر، شام وغیرہ ملکوں میں پھیل گئے اور ترکی حکومت سے انتقام لینے کی نگرانی کرنے لگے۔ یونان میں پناہ گزین غاصبوں کی روش بہت شبہ تھی۔ ترکی خفیہ پولیس براہِ راز کی نگرانی کرتی رہتی تھی۔

انہوں نے کئی سال ملطن زندگی بسر کرنے کے بعد خیال کیا کہ ترکی حکومت اُن سے بالکل غافل ہوگئی ہے۔ چنانچہ حکومت یونان کے بھر سے پر ایک سازش بنائی اور عمل کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سازش کا سرگز، حاجی سامی ہے۔ یہ جیسی قوم کا آدمی ہے اور اپنے وقت کا مشہور جرائم پیشہ اور وزیرِ زور چکا ہے۔ انجن اتحادِ دُوری کی حکومت زانے میں اس نے سیکڑوں خون کئے تھے۔ مرحوم وزیرِ پاشا صاحب ترکستان گئے تو یہ بھی وہاں پہونچا اور جنگ میں شریک ہو گیا۔ اُن کی شہادت کے بعد ہی ٹرکی واپس آیا اور اپنا پرانا مشغلہ جاری کر دیا۔ معاملہ یونان کے بعد حکومت نے اسے بھی جلا وطن کر دیا تھا۔

پچھلے ہفتے ترکی پولیس کو معلوم ہوا کہ یہ یونان سے اپنا سلاخ چرکی جہتا لے کر ترمنا پہونچا ہے، اور غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی جان لینے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ فوراً اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ مگر اُسے مقابلہ کیا تھا میں وہ خود مانگیا، مگر اُس کی پوری ٹولی قید ہوگئی۔

اس ٹولی میں تلم جیسی لوگ شامل ہیں۔ بعض کے نام یہ ہیں: حمید کوچک، حمید کلاں، جعفری قاتل، مکی برادر حاجی سامی۔ ان لوگوں نے اپنی سازش کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کی تجویز یہی ہے کہ حکومت کے قریب مقام ”ظفرخان“ میں جا کر قیام کرینگے۔ یہاں تک کہ جب غازی موصوفہ اور اُن کے دہزار اہلہ کے وسط میں آنکھوہ راجد ہو گئے تب تک وہ بالا کلاں میں اُن کی ریل ڈائنارٹ کے ذریعہ اٹاکیگا۔

”سلاخی لینے پر ان لوگوں کے پاس ہر سامنے کا فکری ایک کتاب دستیاب ہوئی۔ پولیس کو شبہ ہوا تو اُس کی کیا وہی تحقیقات کرانی گئی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس میں غیر مرئی روشنائی سے اُن کے باقی ہم خیالوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح حکومت کو اس پورے جتنے کا علم ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ایک نیشنل یا فتنہ فوجی افسر عارف بک کی گرفتاری بھی عمل میں آئی ہے۔“

ترک اور افغان

حال میں حکومت افغانستان نے فوجی تربیت تعلیم کے لئے اپنے متعدد افسر، ٹرکی بھیجے ہیں۔ انہیں باہر شادی کرنے کی سخت مخالفت تھی تاہم صوبہ دار محمد اکرم خاں نے ایک ترکی خاتون سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے اس باسے میں افغانی سفیر کو درخواست دی تیرنے درخواست، کا بل بھیج دی۔ کا بل سے خود امیران اللہ خاں کا حکم آیا کہ شادی اجازت دیدی جائے۔ آج بھی نہیں بلکہ تمام افغانی افسرین کو بھی اب ترک خاتونوں سے شادی کی آزادی دیدی جائے۔ ساتھ ہی شاہ افغانستان نے بھی لکھا کہ شادی، ترکی قانون دینی کے موافق عمل میں لائے۔ فرمان عالی میں یہ بھی تھا کہ ”میں نہایت خوش ہوں گا اگر افغان افسر اپنی ترک بیویوں کے ساتھ کا بل بھیجیں۔ ترکی اجتماعی زندگی کے اصول سیکھ کر آئیں اور اپنے ملک میں انہیں رائج کریں۔“

ٹرکی اور ایران

پچھلے دنوں بعض سرحدی حوادث کی وجہ سے ٹرکی اور ایران میں کشیدگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے، جیسا کہیں بدلت آپ کو مطلع کر چکا ہوں لیکن اب دونوں حکومتوں کے تدبیر سے جملہ غلطیاں دُور ہوگئی ہیں۔ اس کا تاہم ثبوت یہ ہے کہ اسی ہفتے ایرانی سفارتخانے میں ترکی وزیر خارجہ یونین رشتی بک اور ترکی سفیر متقیہ طرآن مدوح شوکت بک کو نہایت پرکلف دعوت دی گئی۔ اس دعوت میں ایرانی سفیر نے تیر کر کے ہوئے بہت زور دار الفاظ میں کہا کہ دونوں حکومتوں کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں، اور ہمیشہ دوستانہ ہی رہیں گے۔

مکتوب مصر

(السلام کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

نئے دہنا کا انتخاب

سید پاشا زقزل کی وفات کے بعد اُن کے جانشین کا انتخاب معاملہ بہت اہم اور مشکل تھا۔ ظاہر ہے اس وقت مصر کی توجہات کا مرکز، اس مسئلہ کے ہوا، کوئی دوسرا مسئلہ نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن انگلستان میں بھی اسی وجہ سے یہی کچھ نہ تھی۔ مصر میں انگلستان کی تمام امیدیوں اسی مسئلہ سے وابستہ تھیں اور وہ انتہائی اضطراب سے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔ حسبِ عادت انگریزی اخبارات نے مصر کی متفقہ مصلحتوں میں پیش ڈالنے کی پوری کوشش کی۔ ایک طرف احمد زور پاشا کی بیٹھ بٹھ بٹھ شریعت کی کراہ موقوف ہے۔ بہت کروا اور برسرِ اقتدار آجاء۔ دوسری طرف عثمانی پسندوں، یعنی عدلی پاشا اور ثروت پاشا کی جماعت کو اُسیا کہ دند کی جماعت، مصر کی پوری سیاست پر حاوی ہو رہی ہے۔ اب وقت ہوا اُسے گرا دے!

تیسری طرف خود دند کی جماعت میں بھی نا اتفاقی طاری ہو چکی۔ اس غرض کے لئے فتح اللہ پاشا برکات سے بہتر کوئی شخص نہیں

بل سکتا تھا۔ معروف، مرحوم زقزل پاشا کے بجائے ہیں اور اُن کے ساتھ جہاد وطنی میں بے شمار مصائب بروقت کر چکے ہیں۔ ان اخبارات نے خیال کیا کہ تفریق کر کے انہیں دند کی صدارت کے لئے کھڑا کر دینا چاہئے۔ دند کی جماعت، بعض مبالغہ کی بنا پر ان کی سرداری قبول نہیں کرنا چاہتی۔ اس طرح آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ملک کی سب سے بڑی سیاسی قوت دہم برہم ہو جائے گی۔

مگر مقامِ سرست ہو کہ یہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ زور پاشا نے کان ہلائے، مگر عام رائے سے مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ اعتدال پسند نے بھی قابلِ تفریق رویہ اختیار کیا، اور دند کی جماعت سے اُٹنا منظور کر دیا۔

خود دند نے بھی نہایت دلنشین مندی سے کام لیا اور مرحوم دہنا کی جانشینی کا مسئلہ بڑی ہی خوش اسلوبی سے حل کر دیا۔ فتح اللہ پاشا برکات نے حفیظ انگریزی اخبارات، برات کا دلہانا چاہتے تھے، مضافاتوں میں اعلان کر دیا کہ مجھے سرداری کی طلب نہیں ہے۔ میں دند کے فیصلے کے سامنے ہر وقت بلا کسی قید و شرط کے سرفرم کرنے کو تیار رہوں۔

دند نے اپنا فیصلہ ۲۹ ستمبر کو سنایا۔ یہ جلسہ نہایت عظیم الشان تھا تقریباً تمام ارکان جمع تھے۔ جلسہ کی کارروائی، محمودیہ انگریزی پاشا کی تقریر سے شروع ہوئی۔ یہ تقریر پورے دند کی جانب سے تھی۔ اس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

”جو کوئی سودگی ذات خاص کا مددگار تھا، تو سدر مرگے۔ لیکن جو سود کے اصول کا حامی تھا، تو سود کے اصول باقی ہیں، کبھی مرنے والے نہیں۔“

”بلاشبہ سدر مرگے۔ بہت سے دل، جو اُن کی بہت سے مخالفت تھے ستر سے پھیلے گئے۔ بہت سے سرجوئے کے رب سے ختم تھے، لہذا ہونے لگے فتنہ کا سراسر دند انہیں تم میں ہر طرف پھرنے لگا کہ کوئی شکاف نہ ہو اور دے لے۔ لیکن تدبیر حکیم خدا نے تمہیں اُس کی نظر بند سے بچا لیا۔ تم نے خدا کی توفیق سے فتنہ کی آنکھ پھوٹ ڈالی۔ اپنا اتحاد بچا کر شیطان کو ایس کر دیا، وہ تمہارے تحوہ علم دیکھ کر اُلٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔“ دند نے اپنے قانون کے بموجب اپنی صدارت کے معاملے پر غور کیا۔ پورے خود و خوص کے بعد اُس کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ جلیل القدر منصب ایک ایسے شخص کے پر کرے، جسے تم ب جانتے ہو اور حق کی حمایت میں اُس کا حصہ کچھ چکے ہو۔ وہ مصائب میں ہمیشہ ثابت قدم رہا۔ تکلیفوں میں اُس کی پیشانی پر کبھی بل نہ آیا۔ ایسا میں اُسے ہمیشہ سبقت کی آزادی کے لئے اُسے اپنی زندگی وقف کر دی۔

”وہ شخص کون ہے؟ وہ مصطفیٰ خاس ہے!.....“

اس تقریر کے بعد اور بہت سی تقریریں ہوئیں اور مصطفیٰ خاس پاشا بالاتفاق، دند کے صدر، اور پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں میں جماعت دند کے رئیس منتخب ہو گئے۔

دند کا پیغام

مصری دند نے تم کے نامِ نبیل پیغام اُٹلے کیا ہے:

”ابنا وطن! عظیم القدر خدا نے بزرگ دہنا کی شہادت پوری کی اور سعد زقزل کا انتقال ہو گیا۔ تم اُس کے خزانے پر غور سے دیکھو لیکن موت الٰہی نے اس کے ہوا کچھ منظور کیا کہ تمہارے سردار کو کسی ہی شریف موت ملے، جیسی شریف زندگی اُسے بخشی تھی۔ چنانچہ جس طرح وہ مجاہدوں کا تھا، اُسی طرح مجاہد ہی نہرا۔ دنیا و آخرت، دونوں اُس کے لئے مجاہد کا ثواب جزیل موجود تھا!

”سدر مرگیا، اس سے متعلقہ دل ٹوٹا۔ بعض لوگوں نے تمہارا بیچ و آلم دیکھ کر کتنا شرم کر دیا کہ اُس بڑے سینے میں جو بڑی بڑی آذر تھیں، نہان تھیں، اُس کی موت ہی کے ساتھ نہ گریں۔“

فیکلکم اللہ دھرمیہ! خدا کی طرف سے دتا ہوا جو کچھ
ہو، اس سب پر ہمارا ایمان ہو۔ (۱۳:۲)

ہم ان کے ایک ہی طرح کے عقیدے اور احترام کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔
ہم ان میں کسی طرح کی تفریق نہیں کرتے کہ ایک کی تصدیق کرس اوروں
کو مستثنیٰ ہے۔ ہم خدا کے فرماں بردار ہیں۔ اس کی سچائی جہاں کہیں
جب کبھی آتی ہو، جیسے بچائی ہو اور ہم اسے قبول کرتے ہیں!

اس طرح قرآن نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ یہ تھا کہ تمام مذاہب
کی تصدیق کی، مگر تمام پر وہ ان مذاہب کی تکذیب کی اور اس تصدیق
و تکذیب کے اجتماع سے اس بنیادی صداقت کی راہ نوح انسانی
پر کھول دی، جس پر پھر کوئی انسان مذہبی حقیقت کی معرفت مائل
نہیں کر سکتا۔ آج بھی ہر اس انسان کے لئے جو مذہب کی روحانی
صداقت کی طلب رکھتا ہو، اس راہ کے ہوا دوسری کوئی راہ موجود
نہیں ہو۔ وہ وقت اب دو نہیں ہو جب عالم انسانیت مذاہب عالم کے
اختلافات سے الٹا کر مجبور ہو جائے گا کہ یا تو ایک قلم مذہب ترک کر دے
یا تمام مذہبی صداقتوں کو جمع کرے۔ میرا یقین ہے کہ جمعیت انسانی کو
ترک نہیں کر سکتی۔ اس لئے ناگزیر ہو کہ دوسرا طریقہ اختیار کرے اور
جب وہ دوسرا طریقہ اختیار کرے گی، تو فی الحقیقت وہ یہی طریقہ
ہوگا جس کی طرف تیرہ سو برس پہلے قرآن نے دعوت تھی، یعنی انسانوں
کے لئے عقل کی تکذیب اور عقل مذاہب کی تصدیق۔ اس وقت دنیا کے
تمام پر وہ ان مذاہب کی زبان ہو کر اعلان کرے گی:

کان اللہ اس امة واحدة، دیا میں انسانی جمعیت کی ابتداء اختلاف
فیہ اللہ البینہ بشریہ سے نہیں بلکہ وحدت و یکجہت ہو چکی
مستندین، انزل مہمہ ہو۔ سب ایک ہی تھے اور اب نظریہ امت
الانساب بالحق یحکم بین الناس کے ایک ہی طریق پر ملنے والے تھے پھر
فی ما اختلفوا فیہ، وہاں اختلاف ایسا ہوا کہ ان میں بیوقوف پڑ گئی اور ان کا
فیہ الکالدین اؤہ من جلد وناہ کی بے شمار راہیں میں بکھر گئے۔
عاشا لہم النسات لیثا یفہم تب خدا نے ان کی ہدایت کے لئے نبیوں
نہدی اللہ الذین اؤہلنا کو مبعوث کیا جو ایک کردار کے پھل
اختلفوا فیہ من تحت بائذہ، کی بشارت دیتے تھے اور ہر کردار کے
واللہ یعہدی من یشاء الی نتائج سے ڈراتے تھے۔ ان کے ساتھ عظیم
سراط مستقیم (۲۰:۹) حق کی کتاب میں یقین۔ یہ اس کو نانی
کی گئی یقین تاکہ جن جن باتوں میں ادائی دگر ہی سے اختلاف اور جھگڑا
پیدا کر دیا ہو، ان سب کا فیصلہ ہو جائے اور اب اس حقیقی دین پرستی
ہو جائیں جس سے خوف ہو کہ ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے ہیں انفس
ہر کس نسل انسانی پر بھی اختلاف و فساد سے باز نہ آئی جن جن باتوں
کے فیصلہ کے لئے یہ کتاب میں نازل کی گئی تھیں، ان میں سے پھر اختلاف
پیدا کر دیا گیا، اور دین حق کی حقیقت اور وحدت گم ہو گئی جب یساہو
تو ضروری تھا کہ ایک مرتبہ ان تمام اختلافوں اور فتنوں کے خاتمہ
دین حق کی حقیقت کا عام اعلان کر دیا جائے، اور تمام جماعتوں اور
مذہبوں کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے اپنے فضل و کرم
سے اس کا دروازہ اہل ایمان پر کھول دیا، اور وہ جسکو چاہتا ہو، وہ
کی راہ دکھا دیا:

مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اب میں اس خاص سال پر متوجہ ہوا ہوں جس کا اپنے ذکر کیا ہو۔
میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں آپ نے جس قدر اثرات
قبول کئے ہیں، وہ زیادہ تر اسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں۔

اس بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہو، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ
تسلیم کرتے ہیں، یہ رسالہ فی الحقیقت بنایت ہے جو وہ اور دلازما تھا
اور اس پر اصرار کرنے میں مسلمان حق بجانب تھے۔ لیکن آپ کہتے

دلازما مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزا و قتل

ایک جوئے حق کے خطے جو ہیں

(۲)

بیس پہلے قرآن حکیم نے نوح انسانی کو دعوت دی تھی۔ دراصل قرآن
کی ساری تعلیم اسی اصل کی شرح ہو۔ قرآن جہوت نازل ہوا، اس
وقت دنیا میں مذاہب کے پیروں کی کمی نہ تھی، لیکن مذاہب کی حقیقت
گم ہو چکی تھی۔ اسی طرح گم تھی جس طرح آج بھی گم ہو۔ مذاہب پیروں
کی بے شمار جماعتیں قائم تھیں، اور ہر جماعت صرف اپنے ہی کو سچائی
کی وارث اور ہر دوسری جماعت کو سچائی سے محروم نہیں کرتی تھی۔

سچائی کی راہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن کے لئے
ظاہر دہی طریقے ہو سکتے تھے: یا تو تمام پر وہ ان مذاہب کی تکذیب
یا سب کی تکذیب کرے۔ سب کی تصدیق کی نہیں جا سکتی تھی کیونکہ ایک
کا دعویٰ دوسرے سے متضاد تھا۔ ہر جماعت نے صرف اپنی صداقت
کی مدعی تھی، بلکہ دوسرے کے بطلان کی بھی مدعی تھی۔ اس لئے سب کی
تصدیق کے معنی یہ تھے کہ سب کو یہ یک وقت حق اور باطل، دونوں تسلیم
کر لیا جائے۔ اسی طرح سب کی تکذیب بھی صداقت کے خلاف تھی۔

کیونکہ اس صورت میں دنیا کا مذہبی صداقت سے خالی ہونا لازماً تھا،
اور انسان کی روحانی ہدایت و تربیت کی تمام بنیادیں منہدم ہو جاتی
تھیں۔ پس اس لئے ان دونوں طریقوں میں سے کوئی طریقہ بھی اختیار نہیں
کیا۔ ایک تیسری راہ اختیار کی۔ اس لئے کہا، دنیا کے تمام مذاہب حق
ہیں، لیکن دنیا کے تمام پر وہ ان مذاہب حق سے منحرف ہو گئے ہیں۔

جس قدر بھی گمراہی ہو، جس قدر بھی اختلاف ہو، جہد بھی دعوتوں کی
لڑائی اور جماعت بندیوں کا تصادم ہو، پر وہ ان مذاہب کے فہم و عمل میں
ہو۔ مذاہب کی تعلیم میں نہیں ہو۔ اگر پر وہ ان مذاہب کے انحراف و دور ہوجا
جو حق نہیں ہو، تو ہر جماعت کے پاس وہ چیز باقی رہ جائے گی جو صرف
حق ہو، اور چونکہ وہ حق ہو، اس لئے نہ تو اس میں ایک راہ سے زیادہ
کی گنجائش ہو۔ نسکی طرح کے اختلاف و نزاع کا امکان۔ یہی مذاہب
عالم کا مشترک حق، دنیا کی مالگیر روحانی صداقت ہو، اور اسی کو قرآن
نے اپنی زبان میں اسلام اور سراط مستقیم سے تعبیر کیا ہو:

تولوا امنا باللہ وما اؤئل سچائی کی راہ یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے
الینا، وما اؤئل الی ابراہیم ہیں اور اس سچائی پر ایمان لائے اے ہر
داساعیل و یعقوب و لاٹا، ہمارے سامنے پیش کی گئی ہو۔ نیز ان نام پر
وما اؤئل موی و عیسیٰ، وما صدیق پر ایمان رکھتے ہیں جو ابراہیم پر ایمان
اؤئل النبیین من ہم، اور جن کی اسماعیل و یعقوب اور ان
نعتہ بین احدہم و آخری کی نسل کے رہناؤں نے دعوت دی، اور پھر
لہم صلات فانما موشل وہ تعلیم جو ساری کو دی گئی، اور وہ تعلیم جو ساری
ما اؤئل بہ تقد احملہ اور کپنا حق تھا۔ غرض کہ دنیا کے سارے نبیوں
ان تولوا، فلما فی شقاق اور مذہبی صداقت کے سامنے مطمئن ہو

یہاں تک میں نے جو کچھ لکھا، وہ اس باب میں ایک اصولی بحث بھی ہیں
لے ابھی اس طرف توجہ ہی نہیں کی ہو کہ جن باتوں کا اپنے ذکر کیا ہو ان
کی اصلیت کیا ہو اور وہ فی الحقیقت اسلام کے احکام ہیں یا نہیں؟ میں
صرف یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ صورت حال کچھ سی کیوں نہ ہو لیکن آپ کا
طریقہ نظر صحیح نہیں ہو۔ آپ اسلام کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے بعد محض
اس وجہ سے اپنے آپ کو "شک و شبہ" کے حوالے کر دیتے ہیں کہ "دوسرے
مسلمانوں" کا فہم و عمل اس کے خلاف نظر آتا ہو۔ "دوسرے مسلمانوں"
کا یہ بیان کہ وہ فہم و عمل فی الحقیقت خلاف ہو یا نہیں؟ اس سے بھی
ابھی کوئی بحث نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک جوئے حق حقیقت انسان جہاں
مفصلہ جہاں نزاع نہیں بلکہ سچائی کی طلب تھی ہو، کیوں راہ تحقیق
میں اصل تعلیم چھوڑ کر لوگوں کے فہم و عمل سے متاثر ہو، اور اس کی وجہ
سے "شک و شبہ" میں مبتلا ہو جائے!

بحیث ایک طالب حق و صداقت کے یہ بات پیشتر سے آپ کے علم
میں ہوئی چاہئے کہ مذاہب کی تعلیم اور پر وہ ان مذاہب کا فہم و عمل و عمل
چیزیں ہو گئی ہیں۔ ایک چیز نہیں ہیں، اور اس لئے اگر اس طرح کا کوئی
اختلاف آپ کے علم میں آتا ہو، تو یہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہو جس سے آپ
جہان دسراسیمہ ہو جائیں، بلکہ پیشتر کی بھی دیکھی ہوئی بات کا ایک مزید
معائنہ اور تجربہ ہو۔ تجربہ شک و شبہ کا باعث کیوں ہو؟ اس سے تو آپ کے
علم یقین میں اور زیادہ اضافہ ہونا چاہئے؟

دعوت قرآنی کی بنیادی اصل

یہ موقع زیادہ تفصیل و بحث کا نہیں ہو ورنہ میں آپ کو بتلانا کہ جس
حقیقت اور معرفت صداقت کی یہی وہ بنیادی اصل ہو، جس کی ابتداء تیرہ

(بقیہ مضامین منسلک)

"لیکن حاشا وکلا، قوم اور اس کے زعم کا مقام اس کو بلند ہو۔ سجد
مرکز لا زوال زندگی حاصل کر لی۔ تمھاری آرزوئیں جو اس کے دعوں میں
مجسم تھیں، اب اس کی غیر فانی روح کے ساتھ، ابدی دوسری ہو گئیں۔
اب فنا کا ہاتھ کسی طرح بھی ان تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"ابنائے وطن! وفد، جو تمھاری بیداری کا پہلا مظہر تھا، اب
بھی باقی ہو، اور اُنہ بھی باقی رہے گا۔ وہ تمھاری قوت کی میزان
تمھارے جہاد کا عنوان، تمھاری وحدت کی بنیاد، تمھاری آرزوئیں کی
زبان، اور تمھارے آلام کا ترجمان ہو!

"وہ اس وقت تک میدان میں نہیں چھوڑے گا جب تک کہ اہل خود مختاری
اور صحیح آزادی کے ذریعہ وطن کی عزت بے داغ نہ کرے"

کہ اسلام اس حد تک پہنچ کر ختم نہیں ہو گیا۔ بلکہ آپ کے فطوں میں:

”جو طریقہ مسلمانوں نے ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک اختیار کیا، اور جو باتیں کسی گنہگار کے لئے نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ عجیب طرح کی مذہبی ذہنیت ظاہر کرتی تھیں جنہیں کسی طرح بھی ٹھیک راستہ پر نہیں لے جایا جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام لیڈروں اور ”مولانا صاحبان“ نے اور جمعیت العلماء نے فتویٰ جاری کر دیا کہ زکیا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا جائز ہے۔ اور یہ کہ اسلام کا قانون یہی ہے جو کہ جوئی کوئی غیر مسلمان حضرت بانی اسلام کے خلاف بدنام کرے۔ اسے فوراً مار دینا جائز ہے“

میں آپ کی طبیعت کی صداقت اندیشی اور حق پرستی کا مقرر تھا اور اس موقع پر بھی مقرر ہیں۔ آپ نے اس رسالے کے متعلق جو ملے تمام کی، اور جس طرح بے لاگ اور قطعی فطوں میں اپنا خیال ظاہر کر دیا، فی الحقیقت ایک راستی پسند انسان کی ہی نشوونما ہے۔ ہونا چاہئے لیکن جن آقا کا اپنے ذکر کیا ہے، انہوں نے جو کہ تو قتل کی تعبیر صحیح ہے، اور نہ وہ تائید صحیح ہے جو آپ نے قبول کیا ہے۔ آخری چیز میں وہی اصولی غلطی کام کر رہا ہے جو چہرے کی سطوح میں بحث کر رہا ہے۔

تیسری بات جو غلط ہے، وہ غلطی عام ہے۔ اور اس ناواقفیت کی وجہ سے جو ایک ہزار سال کی عیسائی مذہب کے باوجود مسلمانوں کو اسلام اور مسلمانوں کی نسبت ہے۔ میں نے اس بار میں کیا ہے کہ اگر کسی ذریعہ سے ہم یہ بات بھی ناآشنائی دور کر سکیں تو ہمیں مخالفت اور توحش کی کتنی بڑی مثال خود بخود دے دی ہے۔ مگر فراموش ہو کہ اس کا کوئی سائنس ہوتا۔ اپنے غالباً بعض اخباروں کے صفحہ نمبر ۱۰ کے لئے قائم کر لی کہ ”مسلمان لیڈروں اور جمعیت العلماء نے فتویٰ دیا“ لیکن اگر آپ کو مسلمانوں کی اصطلاح ”فتویٰ“ کی حقیقت معلوم ہوئی جو سب سے پہلی اصولی بات ہے تو کبھی یہ بات آپ کے ذہن سے نہیں نکلتی۔ آپ ”لیڈروں“ کے ساتھ ”فتویٰ“ کا لفظ نہیں نکالتے۔ آپ سے غلطی یہ نہیں ہوتی کہ ان تمام لوگوں کو جو ”لیڈر“ یا عالم نے عام مجالس کے ایک مقرر ہونے کی حیثیت بخشی ہے، یا اپنے اپنے انداز طبیعت کے مطابق نرم و گرم خیالات ظاہر کئے ہیں ”فتویٰ“ قرار دیتے۔ بلاشبہ آپ اپنی تمام باتوں پر اس حیثیت سے نظر ڈال سکتے تھے کہ کہاں تک مسلمانوں میں یا غیر مسلمانوں میں لیکن انہیں ”فتویٰ“ کے لفظ سے تعبیر نہ کرتے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ ”فتویٰ“ نہیں ہیں۔

غالباً آپ کا خیال یہ ہے کہ جب کبھی کسی عالم پر ایک مسلمان مذہبی قسم کی کوئی بات کہے، تو وہ ”فتویٰ“ ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس طرح تو وہ ساری باتیں جو مسلمان علماء میں کہتے ہیں یا اخباروں میں لکھتے ہیں، ”فتویٰ“ ہو جائیں گی۔ ”فتویٰ“ مسلمانوں کے دینی علوم کی ایک اصطلاح ہے، اور اس کا اطلاق صرف اس بیان پر ہونا چاہیے جو ایک مسند عالم دین اس حیثیت سے دیتا ہے کہ فلاں مسلمان اس کے نزدیک شریعت کا حکم یہ ہے۔ جب تک ایک عالم شریعت اس حیثیت سے ایک بیان نہیں دے، وہ فتویٰ نہیں ہے، اور کوئی بیان بھی اسے فتویٰ نہیں سمجھتا۔ اب آپ غور کیجئے کہ لیڈروں کی طرف ”فتویٰ“ منسوب کر دینا کسی انہوں سے غلطی ہے؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ علماء بھی ”لیڈر“ ہیں۔ یہ ٹھیک ہے لیکن یقیناً یہاں لیڈر سے مقصود علماء نہیں ہیں مسلمان باعزتوں کے عام سربراہ وہ وہ اشخاص اور سیاسی رہنما ہیں، اور یقیناً نہ تو وہ ”فتویٰ“ دیتے ہیں، نہ مسلمانوں میں کوئی شخص ان کے بیانات کو فتویٰ کی حیثیت سے قبول کرتا ہے۔

البتہ جمعیت العلماء مذہبی حیثیت سے ”فتویٰ“ دے سکتی ہے، لیکن یہ خیال صحیح فطوں کی جمعیت العلماء نے ”بگ“ ”سین“ کے لکھنے والے یا چھاپنے والے کی نسبت کوئی ”فتویٰ“ جاری کیا۔ یہاں پھر وہی باہمی ناواقفیت اور ناآشنائی کی بنا آگئی ہے جو ہندو مسلمانوں کے تمام علماء پر

چھائی ہوئی ہے۔ چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اصطلاح ”فتویٰ“ کی حیثیت اور نوعیت پر آپ کی نظر نہیں، اس لئے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ غور کیجئے، اس ایک معاملہ میں کے بعد دیگرے کتنی غلطیاں پیدا ہو گئی ہیں:

اولاً، مسلمانوں میں شریعتی حیثیت سے فتویٰ اسی وقت دیا جاتا ہے جب کسی خاص معاملہ میں شریعتی حکم واضح کر دینا ہو کہ مسلمانوں کا کوئی فرد یا جماعت اس پر عمل کرے۔ موجودہ صورت میں ”فتویٰ“ کی گنجائش یہی ہے کہ ہندوستان میں ایک شخص نے اسلام کے خلاف دلائل و کتاب لکھی تھیں اور اشارے کی تھی۔ یہاں نہ تو مسلمانوں کی حکومت ہے، نہ شریعتی قوانین نافذ ہیں، نہ مسلمانوں کے مذہبی گروہ کسی طرح کا دخل سیاست و تفریق میں ہے۔ جو کچھ بھی اس بارے میں کر سکتی ہو حکومت کر سکتی ہو اگر کوئی شخص اس میں مداخلت کرے گا مجرم ہوگا۔ پس نظر ہر دو کے اس معاملہ میں مسلمانوں کے فتویٰ لینے یا دینے کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا تھا۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص اس درجہ مجبور یا احمق ہو جائے کہ وہ خیال کرے، ہندوستان میں اسے تفریق دسیات کے احکام جاری کرنے کی توفیق حاصل ہو گئی ہے اور اس نے فتویٰ دینا شروع کر دیا کہ فلاں آدمی کو قتل کر دینا جائز ہے، اور فلاں آدمی کو قیدیں ڈال دینا جائز ہے لیکن اسے یہ کہہ کر ایسا کوئی واقعہ نہیں کیا۔

ثانیاً، جمعیت العلماء کی نسبت یہ سمجھ لینا کہ چونکہ وہ علماء کی انجمن ہے اس لئے اس کی جانب سے جو کچھ بھی کہا جاتا ہے ”فتویٰ“ ہے، کہہ کر ”بے ناواقفیت کی بات ہے“ وہ ایک انجمن ہے، اور اس حیثیت سے وہ تمام طریقہ انظار کے عمل میں لاتی ہے جو دنیا کی تمام انجمنیں عمل میں لایا کرتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جو چہرہ کار ردائی کرنا ضروری سمجھتی ہے، تو تجویز کی شکل میں کوئی بات ترتیب دیتی ہے اور اسے نافذ کر کے شائع کر دیتی ہے۔ اس معاملہ پر بھی اسے ایک تجویز منظور کی اور غالباً انہوں نے اپنی جمعیت عالمہ (ورکننگ کمیٹی) کا ایک جلسہ کر کے اس کا اعلان کر دیا۔ وہ جمعیت العلماء کی ایک تجویز ہے۔ یقیناً لوگوں نے اسے اس درجہ اہمیت دی ہوگی جس درجہ اہمیت وہ جمعیت العلماء کی تجویز کو دیا کرتے ہیں، لیکن وہ ”فتویٰ“ نہیں ہے۔ کیونکہ ”فتویٰ“ دینے کی اس معاملہ میں گنجائش ہی نہ تھی۔ آپ جمعیت کی ایک تجویز کو ”فتویٰ“ کہتے ہیں۔

ثالثاً، جمعیت العلماء کی اس تجویز کا مضمون بھی آپ نے صحیح طور پر معلوم نہیں کیا ہے، اور جو کچھ لکھا ہے، وہ اصلیت سے اس درجہ ہٹا ہوا ہے کہ اگر میں آپ کو ملامت کر دوں تو آپ کو ناخوش نہیں ہونا چاہئے۔ کم از کم آپ کسی طبیعت کے آدمی کو ایک واقعہ کے نقل کرنے میں اس قدر بے احتیاط نہیں ہونا چاہئے کہ جمعیت العلماء کی تجویز تمام اخباروں میں شائع ہو گئی تھی۔ میری نظر سے بھی گزری تھی۔ اگر آپ چاہیں تو سو تھوڑی سی آدھ اخبار حاصل کر کے دیکھ لے سکتے ہیں۔ اس میں یہ کہیں نہیں ہو کہ ”زکیا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کر دینا جائز ہے“ کہ آپ نے لکھا ہے۔ کم سے کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آجانی چاہئے کہ برٹش انڈیا میں کوئی شخص ایسا جماعت اپنے آپ کو گرفتار کر لے نہیں کرے انسان کے قتل کی ملایہ تفریق نہیں دے سکتی۔ اگر جمعیت نے یا کسی انجمن نے ایسا اعلان کیا ہوتا تو یہ صحیح ایک انسان کے قتل کا اقدام تھا۔ دراصل وہ تجویز مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھی ہی نہیں گئی تھی کہ اس طرح کی قاتلانہ تفریق کی اس میں گنجائش ہوگی۔ اس کا تمام تر خطاب حکومت سے تھا۔ حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس طرح کے دلائل و احادیث کا سہارا نہ کرے، اور اگر موجودہ قوانین اپنے لئے کافی نہیں ہیں تو نیا قانون نافذ کرے۔ البتہ اس تجویز میں اس بات کا حوالہ ضرور تھا کہ اسلامی قوانین میں دیا بصورت اسلامی حکومت

ہونے کے۔ مجھے اصلی الفاظ یاد نہیں ہیں، ایسے شخص کی سزا قتل ہے جو غیر اسلام کی عداوت میں دہشت گردی کرے۔ یہ حوالہ جس طریقہ سے دیا گیا تھا، انہی کا صاف منشا یہ تھا کہ معاملہ کی اہمیت حکومت پر واضح ہو جائے۔ یعنی یہ بات اس کے علم میں آجائے کہ مسلمانوں کے دینی احساسات اس بارے میں کیا ہیں، اور ان کے نقطہ خیال سے یہ معاملہ کس درجہ اہم اور ضروری ہے؟۔ بلاشبہ اسیر بحث کی جاسکتی ہے کہ اس فقہ پر اس قانون کا حوالہ دینا یا ذکر کرنا کہاں تک صحیح تھا؟ اور فی الحقیقت اسلام کا قانون کیا ہے؟ اس بارے میں میری رائے اور اسلامی قوانین کی حقیقت کی بحث آگے آئے گی اور آپ معلوم کر لیتے کہ میرا خیال اور علم کیا ہے لیکن بحیثیت ایک صداقت اندیش انسان کے آپ کو ادا ان تمام لوگوں کو جو اس بارے میں طرح طرح کے تاثرات قبول کر رہے ہیں، یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ واقعہ کی نوعیت وہ نہیں ہے جو انہوں نے سمجھ رکھی ہے۔ ہر ایک معاملہ کی نسبت موافق رائے لکھتے ہوں یا مخالفت، ہر حال میں ہمارا مقصد یہ ہے کہ معاملہ کو اس کی صحیح اور حقیقی صورت میں لکھیں، اور صیبا کچھ بھی وہ ہے، اسے تسلیم کر کے، ملے قائم کریں۔ انصاف کیجئے، کہاں یہ بات کہ جمعیت العلماء نے ایک تجویز منظور کر کے حکومت کو صورت حال پر توجہ دلائی اور اس میں اس بات کا حوالہ دیا کہ اسلامی قانون اس بارے میں یہ تھا، اور کہاں اس کی یہ تعبیر کہ ”جمعیت نے فتویٰ دیا کہ قتل کر دینا جائز ہے“؟ اس وقت دنیا کے کسی مذہب کے ماننے والے بھی ایسے نہیں ہیں جنہوں نے گزشتہ زمانے میں اپنے اپنے وقت کے مصالح کے مطابق قتل و تفریق کے احکام نافذ نہ کئے ہوں اور وہ ان کی کتابوں میں ثبت نہ ہوں۔ مختلف مدتوں پر بے محل یا با محمل ان کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہے، لیکن کوئی شخص اس کا مطلب یہ نہیں سمجھتا کہ بحال موجودہ نہیں ناظر کرنا مقصود ہے۔

رابعاً، اپنے جس فطوں میں جمعیت کے بیان کردہ اسلامی قانون کی تعبیر کی ہے، وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ آپ لکھتے ہیں ”اسلام کا یہ قانون ہے کہ جو جوئی کوئی غیر مسلمان حضرت بانی (دعا) اسلام کے خلاف کوئی بدزبان کرے، فوراً اسے مار ڈالنا چاہئے“ لیکن آپ یقین کیجئے کہ نہ تو جمعیت انصار کی تجویز میں اس قانون کی یہ تعبیر تھی، اور نہ میری فتویٰ میں کسی مسلمان نے بھی یہ تعبیر کی ہے۔ جمعیت نے یا کسی دوسری جماعت نے اگر یہ کہا ہے کہ اسلامی حکومتوں کا یہ قانون تھا، تو اس کا صاف مطلب یہی ہو سکتا ہے جو حکومتوں کے قوانین کا عام طور پر ہوتا ہے۔ یعنی آپ کے قوانین کو روکے یہ ایک ایسا جرم تھا جو اگر عدالتی تحقیقات کے بعد ثابت ہو جائے، تو اس کے لئے قتل تک کی سزا دی جاسکتی تھی۔ اس کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ ”جو مسلمان کسی کو بدزبان کرتے دیکھے، اسے فوراً قتل کر دے“؟ اسلام کے شرعی نظم کی رو سے تو کسی جرم کے لئے بھی ایسی سزا کی جائز نہیں ہو سکتی۔ تفریق اور دسیات کے تمام احکام کا تعلق قصاص سے ہے۔ یعنی آجکل کی پول جال میں عدالتی کارروائی سے کسی فرد کو بھی اپنی جگہ اختیار نہیں کہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور جس کسی کو اپنے نزدیک مجرم سمجھے سزا دے۔ یہ کام صرف حکومت اور عدالت کا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا، تو وہ اسلامی قوانین کی رو سے اسی طرح سزا کا مستحق ہوگا، جس طرح ایک قانون کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم ہو سکتا ہے۔

میں نے اس حصہ بیان میں ضرورت سے زیادہ تفصیل اس لئے کہ میں چاہتا ہوں، یہ بات آپ پر واضح ہو جائے کہ واقعات کے مطابق وہ بیان میں دقت کی کوتاہیوں اور کچھ اندیشوں کا کیا حال ہے؟ کہ کچھ ایک بات بغیر کسی اشتباہ اور پیچیدگی کے، محض اس لئے کہ کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے اور بے لاگ طریقہ سے معاملات پر نظر ڈالنے کی استعداد رکھ چکے ہیں اور جب کبھی کسی معاملہ پر بحث کرنے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی کو گہرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے! انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور متحدہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسلے سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے

ہر چھ ماہ کے

بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کر سکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ

کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رقبہ کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھریں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

۱۹۲۷

المعانی

نمبر ۱۸

جلد ۱

بلاغ پر کلکتہ

قیمت

۵ - آنہ

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع معصوم	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہیں انکے لفافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع ایڈیٹر وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کاپی پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض ، مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے نکتہ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

الہلال

ایک ہفتہ وار موصوٰر سال

نمبر ۱۸

کلکتہ : جمعہ ۲۴ - ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 21, October 1927.

جلد ۱

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیں۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی
تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

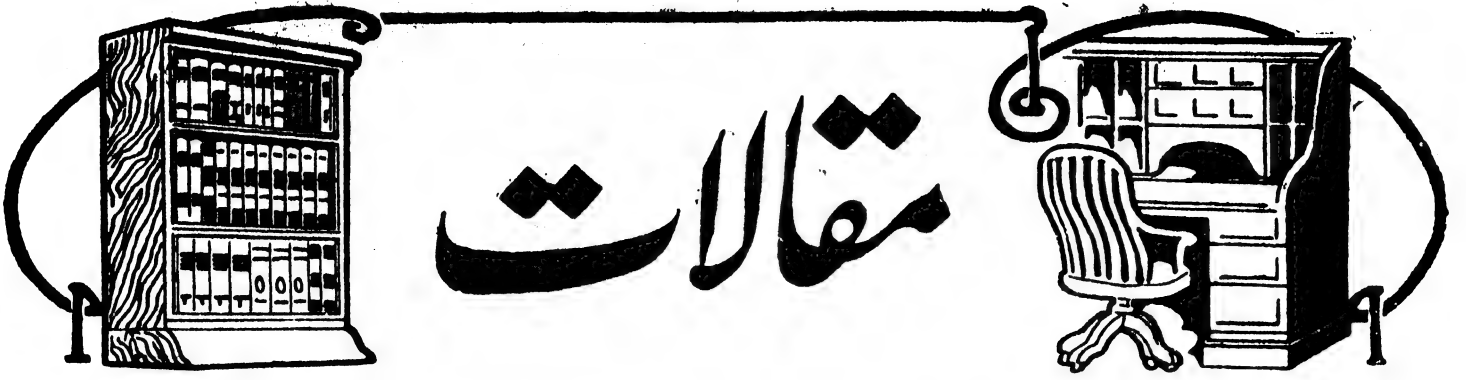
اس باری میں اس وقت تک ۱۴۹۲ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۲۱۷
اردو حروف کی حق میں	۴۱۰
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۴۶۴
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۵۰
حروف کی حق میں بشرطیکہ	
نستعلیق ہوں	۱۵۱

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر
کرینگی مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال



علم اور کلیسا کا معرکہ



کلیسائی جہل و جعور کے بعض تاریخی حقائق



گزشتہ تین صدیوں سے دین اور علم کی معرکہ آرائی کا غلغلہ بلند ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ معرکہ دین اور علم میں نہیں ہے۔ دینی جماعتوں اور علم کے مدعیوں میں ہے۔ اُن پر یہ دونوں صف آرا جماعتیں میدان سے ہٹ جائیں، تو پھر صرف علم اور دین باقی رہ جائینگے اور دنیا دیکھ لیگی کہ ان میں کوئی نزاع نہیں ہے!

یورپ میں جب نئی علمی ترقیات نے نشو و نما پائی، تو دین، مسیحی کلیسا کی شکل میں موجود تھا۔ علمی حلقوں کا تصادم کلیسا کے جمود و تعصب سے ہوا، اور اس نے معرکہ علم و دین کی صورت اختیار کر لی۔

امریکا میں ڈریپر نے اور یورپ میں کیلی نے اس معرکہ آرائی کی داستانیں لکھیں، اور ”علم“ کی فتح مندیں اور ”دین“ کی ہزیمتوں کا غلغلہ ہر طرف بلند ہو گیا۔ حالانکہ اس فرضی معرکہ آرائی میں انہوں نے جس فرق کو ”دین“ کے نام سے پکارا ہے، وہ دین نہ تھا، دینی جماعتوں کا ایک خاص نظام تھا جو کلیسا کے نام سے قائم ہو گیا ہے۔ اگر وہ ”دین“ کی جگہ ”کلیسا“ کا لفظ اختیار کر لیتے، تو یہ پورا رزم نامہ اپنی جگہ صحیح ہو جاتا، اور ہمیں علم کی فتح مندیں اور کلیسا کی ہزیمتوں کے اعتراف میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا۔ جان ڈکنسن اور پروفیسر رھائٹ نے ڈریپر اور کیلی کی یہ غلط اندیشی دور کرنی چاہی، لیکن اُن کی صدائیں زیادہ بلند اور مقبول نہ ہو سکیں۔

(پروٹسٹنٹ کلیسا اور علم)

انیسویں صدی کے آخر میں اکثر مصنفوں نے اس نزاع کی ذمہ داری رومن کیتھولک کلیسے پر ڈال دی ہے اور اُسی کو علم کی دشمنی اور علماء کی تعذیب کا مجرم قرار دیا ہے۔ گویا اس کلیسے کے سوا کسی دوسرے مسیحی کلیسے نے عام کی کوئی مقاومت نہیں کی۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ روشن خیالی اور تسامع علمی میں سب سے زیادہ مشہور کلیسا، پروٹسٹنٹ بھی عقلی تنگ نظری اور علم دشمنی میں رومن کلیسے سے پیچھے نہیں رہا۔ لوتھر کے جانشینوں نے بھی علم دشمنی میں ویسی ہی مجاہدانہ روح پیدا کر لی تھی، جیسی صدیوں سے قدیم کلیسا میں موجود تھی۔

ٹیلور نے جب کوپر نیکوس کے نظریے کی حقانیت ثابت کر دی، اور درر بین کے ذریعہ چاند میں پہاڑ، سورج میں دھبے، اور عطارد کے اقدار دکھا دیے، تو رومن کلیسا غیظ و غضب سے مچنوں ہو گیا۔

دینی عدالت کو حکم دیا گیا کہ اس ”ملحد“ کو گمراہی سے روکا جائے اور کلیسا کی اطاعت پر مجبور کیا جائے۔ دلیل و برہان سے نہیں جس سے کلیسا تہی دست تھا۔ لوتھر اور آگ سے، جس کی کذیسے کے پاس کوئی کمی نہ تھی!

لیکن کیا لوتھر اور اُس کے پیرو اس ”الحاد“ کے کم دشمن تھے؟ کیا انہوں نے عقل کے قید کرنے اور گمراہی کے پھیلانے میں کوئی کمی کی؟ اس کا جواب ہم خود لوتھر کی زبان سے سن سکتے ہیں۔ کوپر نیکوس کا رد کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:

”لوگ ایک معجزوں نجومی کی بکواس پر کان دھرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ زمین گردش کرتی ہے، نہ کہ آسمان۔ واقعہ یہ ہے کہ لیاقت اور دانائی میں شہرت حاصل کرنے کا ہر خواہش مند انسان کوئی نہ کوئی نیا نظریہ پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ مدعی ہوتا ہے کہ اُس کا نظریہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ یقینی ہے۔ یہ آسیب زدہ انسان آج اُٹھا ہے کہ علم ہنیت کے تمام قواعد و اصول تہ و بالا کر ڈالے۔ حالانکہ کتاب مقدس میں صاف لکھا ہے کہ یوشع نبی نے سورج سے کہا، ”تہر جا۔ لیکن زمین کو ایسا حکم نہیں دیا گیا، کیونکہ وہ خود ہی تہری ہوئی ہے“

ایک دوسرے پروٹسٹنٹ مصلح میلان کا لہجہ اس ”الحاد“ کے مقابلے میں لوتھر سے نرم ہے۔ لیکن وہ بھی اپنی کتاب میں (جو کوپر نیکوس کی وفات کے چھ برس بعد شائع ہوئی ہے) لکھتا ہے:

”ہماری آنکھیں مشاہدہ کرتی ہیں کہ آسمان ہر چوبیس گھنٹے میں گھوم جاتے ہیں۔ لیکن بعض جدت پسندوں نے مشہور کرنا شروع کر دیا ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے نہ کہ فلک ثانی اور آفتاب۔ اس قسم کے خیالات کی علانیہ اشاعت اور اُن کے ذریعہ مخلوق کی تضلیل، بلند ہمتی اور دیانت داری کے قطعی خلاف ہے۔ کیونکہ یہ لوگوں کے لیے مکررہ نتائج پیدا کرنے والا نمونہ بن جائیگا۔ جو کوئی بھی نیکی کا طالب ہے، اُسے حق سے روگردانی نہیں کرنی چاہئے۔ وہ حق، جو خداوند خدا نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، اور جسے سوا سب کچھ باطل ہے“

اس کے بعد یہی مسیحی مصلح مزامیر دارد اور دیگر مقدس صحیفوں کا حوالہ دے کر دعویٰ کرتا ہے ”ان سے پرری رضاحت کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے کہ زمین تہری ہوئی ہے اور سورج اُس کے گرد گھومتا ہے“۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے بیاں کے اثبات میں وہ عقلی دلائل بھی پیش کرتا ہے، اور پھر یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ”زمین اُسی حالت میں ایک جگہ قائم رہ سکتی ہے جبکہ وہ اس کائنات کے رسط میں ہو“ پھر اُسے غصہ آ جانا ہے۔ وہ غضب ناک ہو کر کہتا ہے ”اُن لوگوں کو سخت عبرت انگیز سزائیں دینی چاہئیں جو کوپر نیکوس کی تعلیم کی اشاعت کرتے ہیں!“

کے بالکل خلاف ہیں ” خواہ ریاضی کے قواعد اور درجہ بندی کے مشاہدات کا کتنا ہی دعویٰ کیوں نہ کیا جائے، لیکن ایک ایماندار مسیحی کو کبھی تسلیم نہیں کرنا چاہیے !“

یہ علم دشمنی صرف قرن مظلمہ ہی کا خاصہ نہ تھی۔ جدید پورٹسٹنٹس کو بھی وراثت میں ملی تھی۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آخری برسوں میں مشن کالجوں کے بہت سے استاد اس جرم پر خارج کر دیے گئے تھے کہ وہ جدید علم ہیئت پر اعتقاد رکھتے تھے اور اس لیے ملحد تھے !

(کلیسائی علم و استدلال)

لاہوتی عدالت میں گلیلیو کی سزا یابی کے بعد رومن کیتھولک کلیسا کی ہدایت سے کئی کتابیں لکھی گئی تھیں، تاکہ کوپرنیکوس کی ”گمراہی“ مسیحی دلوں سے دور کی جائے۔ چنانچہ سیپیرومونتائی اپنی کتاب میں زمین کو ساکن ثابت کرتے ہوئے لکھتا ہے :

”جو حیوانات حرکت کرتے ہیں، اُن کے اعضاء اور عضلات ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ زمین نہ تو اعضاء رکھتی ہے، نہ عضلات، اس لیے وہ حرکت نہیں کرسکتی۔ وہ فرشتے ہیں، جو زحل، مریخ، آفتاب وغیرہ کو حرکت دیتے رہتے ہیں۔ اگر بغرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زمین متحرک ہے، تو اسے حرکت میں لانے کے لیے ضروری ہوگا کہ اُس کے مرکز میں ایک فرشتہ ہو۔ حالانکہ معلوم ہے کہ فرشتے زمین کے اندر نہیں رہتے۔ وہاں تو صرف شیطان کا بسیرا ہے۔ اگر کہا جائے کہ شیطان زمین کو متحرک رکھتا ہے، تو یہ نا قابل تسلیم ہے۔ کیونکہ شیطان کے ایسے اعمال کتاب مقدس سے ثابت نہیں!“

کاش اس مسیحی علامہ کو معلوم ہوتا کہ اگر سناروں کی حرکت کیلیے فرشتوں کی تلاش ہے، تو وہ فرشتہ موجود ہے۔ اس کا نام ”قوت جذب و دفع“ ہے !

پولاک اپنی کتاب ”کوپرنیکوس کے رد“ میں اس طرح گہرا فاشانی کرتا ہے :

”کتاب مقدس کی تصریح موجود ہے کہ زمین ساکن ہے اور سورج چاند گردش میں ہیں۔ اگر کبھی ہم دیکھیں کہ سورج چاند متحرک نہیں ہیں، تو کتاب مقدس کی رز سے ہمیں ماننا پڑیگا کہ یہ تبدیلی کسی عظیم معجزے کی بنا پر پیدا ہوئی ہے۔ اس کے خلاف جتنے خیالات ہیں، اُن کی اشاعت پوری سختی سے رک دی جانی چاہیے، کیونکہ اُنہیں زمین کے متعلق ایک ایسی رائے پیش کی جاتی ہے جو کتاب مقدس کے صریح خلاف ہے“

یہ عقلی دلائل اور مشاہدے سے بھی استدلال کرتا ہے :

”اگر تسلیم کر لیا جائے کہ زمین حرکت کرتی ہے تو پھر مشاہدات کی توجیہ کیا کی جاسکتی ہے ؟ اگر ایک تیر آسمان کی طرف پھینکا جائے، تو وہ اپنی جگہ واپس آجیگا۔ حالانکہ تیر بہت دور جا کر گرنا چاہیے۔ کیونکہ اُنہے نظریے کے بموجب زمین از حد سرعت سے مشرق کی طرف جا رہی ہے۔ اگر فی الواقع زمین متحرک ہوتی تو زمین کا پورا کارخانہ درہم برہم ہو جاتا“

اسکے بعد لکھتا ہے :

”کوپرنیکوس کے نظریے کے بموجب زمین کا متحرک ہونا، خرد زمین کی طبیعت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ زمین صرف ٹھوس

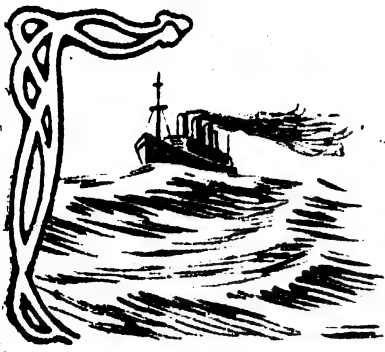
صرف لوہے اور میلان ہی نے اس علمی تحقیق کی مخالفت نہیں کی، بلکہ پورٹسٹنٹ کلیسا کے آرزو بہت سے اقطاب بھی سخت مخالف رہے۔ چنانچہ کالون نے اپنی کتاب ”حواشی بر سفر نکوبن“ میں کوپرنیکوس اور اس کے ہم خیالوں پر بڑی سختی سے حملہ کیا ہے اور اُن سب کو کافر اور ملحد قرار دیا ہے جو زمین کو نظام کائنات کا مرکز تسلیم نہیں کرتے۔ وہ زہر کی آبتیں پیش کرنے کے بعد سوال کرتا ہے ”وہ کون ہے جو کوپرنیکوس کو روح القدس کی سی عظمت رکھنے والا سمجھنے کی جرأت کر سکتا ہے ؟“

کالون کے جانشین، ٹریٹن کی بھی یہی رائے تھی۔ کپلر اور نیوٹن نے جب کوپرنیکوس اور گلیلیو کے نظریے پر پوری طرح ثابت کر دیے، اور ان کے لیے غیر منترزل قواعد مقرر کر دیے، تب بھی ٹریٹن اپنی لاہوتی کتاب شایع کرنے سے باز نہیں رہا، اور کتاب مقدس کے نصوص سے ثابت کرنا چاہا کہ آسمان، سورج، اور چاند زمین کے گرد گھومتے ہیں، اور خود زمین نظام کائنات کے مرکز میں قائم و ثابت ہے !

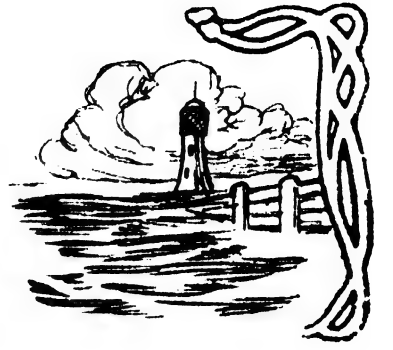
تاریخ انگلستان میں بھی اس لاہوتی جد و جہد کی بہت مثالیں ملتی ہیں۔ ہیچٹسن نے اپنی کتاب ”اصول موسوی“ میں، ڈاکٹر سمرکیل بیک نے ”مقدس فلسفہ“ میں، ہرن، اسقف ہورسلے، اور روبنس وغیرہم نے اپنی اپنی تفسیروں میں نیوٹن کے نظریے کی بڑی سرگرمی کے ساتھ مخالفت کی ہے۔ کتاب مقدس کی آیتوں سے مسلح ہو کر اُس پر قوت پڑے ہیں۔ یہی حال ڈاکٹر جان اوین کا ہے، جو پیدر پیچ مذہب کا ایک بڑا خطب مانا جاتا ہے۔ اُس نے انتہائی دیدہ دلیری سے اعلان کر دیا کہ ”کوپرنیکوس کا نظریہ، سراسر وہم و خیال ہے۔ کیونکہ نصوص رحی کے برخلاف ہے“ مشہور جان دیسلے بھی اس گروہ سے باہر نہیں ہے۔ اُس کا صاف اعلان تھا ”جدید فلکی نظریے کفر و الحاد کی طرف لیجانے والے ہیں“

سولہویں صدی کے وسط میں شہر ویٹنبرگ میں (جو پورٹسٹنٹ مذہب کا مرکز تھا) دو عالم رٹی کوس اور رینالڈ رتے تھے۔ اُنہوں نے کوپرنیکوس کے مذہب کی تحقیقات کی تھی، اور اُسے حق سمجھتے تھے۔ لیکن انہیں اجازت نہیں دی گئی کہ اپنے طالب علموں پر اپنا یہ اعتقاد ظاہر کریں۔ رٹی کوس نے تو تنگ آکر یونیورسٹی سے استعفا دیدیا، تاکہ آزادی کے ساتھ اعلان حق کرسکے۔ لیکن رینالڈ یہ نہ کرسکا۔ اُسے مجبور ہونا پڑا کہ قدیم مذہب کی حمایت کرتا رہے۔ اُسے حکم دیا گیا تھا کہ اپنے درس میں کوپرنیکوس کے مذہب کا کوئی ذکر نہ کرے۔ اگر کبھی اشارہ کرنا پڑے تو پھر اُس پر بطلموسی نظام کو ترجیح دے۔ اُس نے اس حکم پر عمل کیا۔ لیکن اُس پر بھی تغیر سے محفوظ نہ رہ سکا، اور بالآخر ذلت کے ساتھ یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ اُس کی جگہ ایک نیا استاد مقرر ہوا تھا۔ اُس معلم نے اپنی پہلی تقریر اس جملے سے شروع کی تھی : ”کوپرنیکوس کا نظریہ، بدیہی طور پر غلط ہے۔ خلاف عقل ہے۔ ہرگز علمی مرکزوں میں اُسکا ذکر نہیں کرنا چاہیے!“

پورٹسٹنٹ لاہوتیوں نے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ تعلیم گاہوں میں بھی ایسی کتابیں داخل کر دیں، جو قدیم خرافات کا مجموعہ تھیں۔ چنانچہ کالون ہنسل نے مدارس کے لیے ایک مختصر کتاب ”اصل کائنات اور نظام موسوی کا اتباع“ لکھی تھی اور ثابت کیا تھا کہ کوپرنیکوس کے فلکی نظریے کتاب مقدس



بریدنگ



دنیا کی مشترک اور عام زبان



کیا تمام دنیا میں ایک مشترک زبان رائج ہو سکتی ہے ؟



اسپرنٹو



گذشتہ مہینے میلان (اٹلی) میں یورپ کی نئی مشترک زبان ” اسپرنٹو “ کے حامیوں کا سالانہ اجتماع منعقد ہوا تھا جو کئی سال سے ہر سال منعقد ہوا کرتا ہے ۔ تازہ ذاک میں اس اجتماع کی بعض دلچسپ تفصیلات آئی ہیں ۔ چونکہ ہندوستان میں اس وقت تک اس نئی زبان کی نسبت بہت کم لکھا گیا ہے ، اس لیے ہم بعض مضامین کا خلاصہ درج کر دیتے ہیں :

موجودہ علمی ترقیوں ، تمدنی ضرورتوں ، ذرائع مواصلات کی سہولت نے دنیا کے تمام براعظموں کو باہم دگر ملا دیا ہے ۔ اس زمانے میں کوئی قوم ، دوسری قوموں سے قطع تعلق کر کے زندہ نہیں رہ سکتی ۔

لیکن اتنے قرب و مواصلت پر بھی دنیا کی قومیں اس وقت تک ایک دوسرے سے دور ہی ہیں ۔ ان میں باہمی تعارف کے ذرائع بہت کم پیدا ہوئے ہیں ۔ اس صورت حال کی بڑی ذمہ داری ، قوموں کی علحدہ علحدہ زبانوں پر ہے ۔ ہر قوم اپنی مخصوص زبان رکھتی ہے ۔ دوسری قوم کی زبان سے ناواقف ہے ۔ اگر واقف ہونا بھی چاہے تو بہت مشکل ہے کہ بہت سی زبانیں ہر شخص سیکھ سکے ۔ اس لیے عالمگیر تعارف و اجتماع کی کوئی صورت نکل نہیں سکتی ۔

یہ حالت دیکھ کر مدت سے بعض عقلاء مغرب کا خیال ہے کہ دنیا بھر کے لیے کوئی سہل اور مختصر زبان پیدا کی جائے ۔ ” اسپرنٹو “ ایک ایسی ہی نو ساختہ زبان کا نام ہے جو پچھلی صدی کے اواخر میں ایجاد کی گئی ہے ۔

اسپرنٹو کا مجدد ایک روسی ڈاکٹر زمینہوف نامی ہے ۔ یہ صوبہ کرودنو کے ایک چھوٹے سے گاؤں بیسلٹوک کا رہنے والا ہے ۔

اس زبان کی ایجاد کا خیال اُسے اُس وقت پیدا ہوا ، جبکہ اُس کی عمر صرف دس بارہ برس کی تھی ۔ اُس نے یہ سرگذشت خود اپنی زبان سے اس طرح بیان کی ہے :

” میرے گاؤں میں روسیوں ، یہودیوں ، پولشوں ، جرمنوں کی مخلوط آبادی تھی ۔ میں رز سزکوں پر لڑائی جھگڑے کے واقعات دیکھا کرتا تھا ۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ جھگڑے زیادہ تر اس لیے پیدا ہو جاتے ہیں کہ باشندے ایک دوسرے کی زبان نہیں

اور سرد ہی نہیں ہے ، بلکہ اپنے عناصر میں برودت کے خواص بھی رکھتی ہے ۔ معلوم ہے کہ برودت حرکت کو روکتی ہے ۔ بلکہ اُسے فنا کر ڈالتی ہے ۔ ہم حیوانات میں دیکھتے ہیں کہ ٹھنڈے پڑ جانے کے ساتھ ہی اُن کی حرکت بھی موقوف ہو جاتی ہے ۔ لہذا زمین کا متحرک ہونا قطعاً محال ہے “

” کتاب مقدس کی صریح نصوص سے ثابت ہے کہ آسمان زمین کے اوپر حرکت کر رہے ہیں ، اور چونکہ مدور حرکت کے لیے ضروری ہے کہ اُسکا کوئی مرکز قائم ہو ، لہذا تسلیم کر لینا پڑیگا کہ زمین نظام کائنات کے وسط میں ثابت و قائم ہے “

یہ کیتھولک کلیسا کے خیالات تھے ۔ مگر پروٹسٹنٹ کلیسا بھی اس سے کچھ کم عقل مند نہ تھا ۔ لوتھر کے پیرو بھی کتاب مقدس کی تفسیروں اور لوتھر کے اقوال کے اندھے مقلد تھے ۔ کالولیس باوجود اپنے وسیع علم و نظر کے ، لوتھر کا اس درجہ متقلد تھا کہ اُس نے بھی اس علمی حقیقت کے تسلیم کرنے صاف انکار کر دیا ۔ زمین کی حرکت کے خلاف اُس کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی :

” کتاب مقدس میں لکھا ہے ۔ خدا نے خرقیا نبی سے کہا ” دیکھ میں آفتاب کے ڈھلے ہوئے سایہ کے درجوں میں سے جو دھوپ گہڑی میں معلوم کیے جاتے ہیں ، دس درجے بھرا کے چڑھا لاؤنگا “ چنانچہ آفتاب جن درجوں میں ڈھل گیا تھا ، اُن سے دس درجے بھر چڑھ گیا (اشعیاہ - باب ۳۸) “

انگلستان کے مشہور لاهوتی عالم ڈاکٹر اسمتھ نے اعلان کر دیا تھا :

” شاہی علمی انجمن ، ملحدوں کی انجمن ہے اور دین کے خلاف کوشش کر رہی ہے “

جان اوبن کا اعلان ہے :

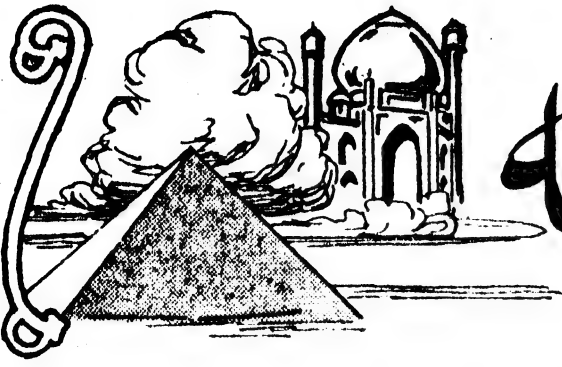
” نیوٹن کا نظریہ کبھی صحیح عامی بنیاد پر قائم نہیں ہوا ۔ وہ سراسر اڑھام و خرافات ہے ۔ اور کتاب مقدس کی صریح نصوص کے مخالف ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتنا ہے “

جان رینزی کا مقلوبہ مشہور ہے :

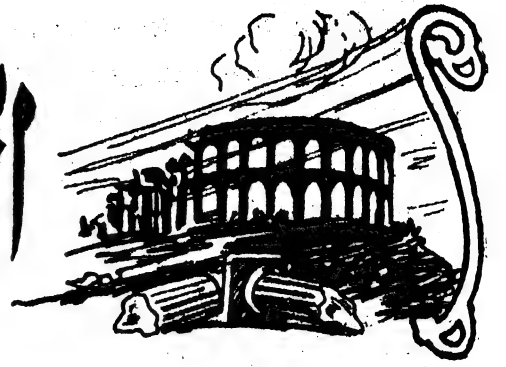
” اگر سحر و ساحری بے اصل چیز ہے ، تو انجیل کی کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے “

یہ تھی مسیحی کلیسا کی ذہنیت جس نے علم کے مقابلہ کا اعلان کیا تھا ، اور یقیناً اُس کے لیے اس میدان مبارزت میں دائمی اور ہلاکت انگیز شکست کے سرا کچھ نہ تھا ۔ کسی انسان کو بھی جو حقیقت اور صداقت کا احساس رکھتا ہے ، اس شکست پر متاسف نہیں ہونا چاہئے ۔





اثار عتیقہ



یہ جواہرات بیت المقدس کے بازاروں میں بکے۔ ماہرین
اثار انہیں تورات سے بھی زیادہ پرانا بتاتے ہیں۔
بیان کیا جاتا ہے کہ پیٹرا کا یہ کنز مخفی لارڈ کارنارون
کے دریافت کردہ وادی الملک (مصر) کے خزانے سے بھی کہیں زیادہ
بیش قیمت ہے۔ عجائب خانہ لندن کا ایک وفد اس کم شدہ شہر کی
تحقیقات کیلئے جا رہا ہے۔

(جغرافیائی محل)

یہ مقام ساحل بحر قلزم سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔ نقشہ کے
دیکھنے سے بحر قلزم کا بالائی حصہ دو ٹکڑوں میں منقسم معلوم
ہوگا۔ اس کے شمال میں جزیرہ نماء سینا ہے جسکی شکل
مثلاًث نما ہے۔ سینا کا جنوبی نوکدار کنارہ بحر قلزم کو دو شاخوں
میں جدا کر دیتا ہے۔ سینا کے غرب میں بحر قلزم کی وہ شاخ ہے
جو خلیج سوئز کے نام سے موسوم ہے۔ آج کل یہ تجارت عالم کی
شاہراہ عظیم ہے۔ سینا کے شرق میں بحر قلزم کا وہ حصہ ہے
جو خلیج عقبہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ جگہ اب متروک ہوگئی
ہے۔ جہاز بہت کم آتے جاتے ہیں۔ ایک طرف سینا کی ندی
پہاڑیاں ہیں۔ دوسری طرف خلیج عقبہ کے پہاڑوں اور صحراء عرب کا
نا پیدا کنار سلسلہ ہے۔ اس خلیج کے ساحل پر کوئی بندرگاہ نہیں
ہے۔ قصبہ عقبہ کے چند بے ترتیب مکانات کے سوا باقی تمام حصہ
غیر آباد اور پتھر والا ہے۔ بحر شمالی و بحر جنوبی کے درمیان درواز
سواحل کو چھوڑ کر جہاں بمشکل ذی ریح وجود کا پتہ چلتا ہے
دنیا کا کوئی ساحل اس قدر ساکت اور سنسان نہیں ہے!

لیکن پرانے زمانہ میں خلیج عقبہ کی اہمیت ہمارے زمانہ کے
خلیج سوئز سے کہیں زیادہ تھی۔ تین ہزار سال قبل یہاں حضرت
سلیمان کے بحری مراکب ہندوستان کی اشیاء تجارت بار کیے ہوئے
ہر وقت لنگر انداز رہتے تھے۔ جب تک ہندی و ایرانی تجارتی قافلے
اس راستے سے آمد و رفت کرتے رہے، یہ ملک تمدن عالم کا مرکز
رہا۔ جب شاہراہ تجارت یہاں سے دوسری جانب منتقل ہوگئی
اور بحر ریم اور خلیج سوئز کا راستہ دریافت کر لیا گیا، تو یہ ساحل رفتہ
رفتہ غیر آباد ہوگیا۔ صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں مسیحی مجاہدین
نے اس نواح میں کچھ بیداری پیدا کردی تھی، مگر سلطان
صلاح الدین کی تیغ جہاد نے یہ حصہ عالم بھی صلیبیوں پر تنگ
کردیا، اور اس کے بعد سے پیٹرا کے اطراف انسانی آبادی سے
ہمیشہ خالی رہے۔

جنگ عظیم کے زمانہ میں شریف حسین اور اس کے بیٹے امیر
فیصل نے اس نواح کو اپنی افواج کا عقبی مستقر بنایا تھا۔ ہر
ہفتہ انگریزی جنگی جہاز اور دھاتی کشتیاں سامان حرب سے لدی
ہوئی ساحل پر آتی تھیں۔ سنہ ۱۹۱۷ ع اور سنہ ۱۹۱۸ ع میں
اس اہم و رفت کا تسلط نہایت پابندی سے قائم رہا، اور ایک

شہر رقیم کا انکشاف

ام حسبتم ان اصحاب الکہف و الرقیم کانوا من ایاتنا عجا
(۱)

صدیوں کے خواب گراں کے بعد اب شہر رقیم یا پیٹرا پہر بیدار ہو رہا
ہے۔ قدس اور لندن کی آمدہ اطلاعات مظہر ہیں کہ حال میں اس
قدیم شہر کے کھنڈروں میں قیمتی پتھروں اور پرانے طلائی زیورات
کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بدی عربوں کے ہاتھ لگا ہے۔

پیٹرا عرب قدیم کا ایک کم شدہ شہر ہے۔ سالہا سال سے غیر آباد
پڑا تھا۔ کبھی کبھی صحرا گرد بدی جنکو شاداب نخلستانوں اور
سرسبز چراگاہوں کی تلاش ادھر ادھر آزارہ رکھتی ہے، تمدن قدیم
کی اس یادگار کو آدمی کی صورت دکھا دیتے تھے!

(الف لیلہ کا طلسم)

ایک مرتبہ ایک صحرا نشین عرب پیٹرا کے کھنڈروں میں گھوم
رہا تھا۔ ناگاہ اسکا پانوں ایک پتھر پر پڑ گیا۔ قبل اسکے کہ وہ اس
بات کا اندازہ کر سکے کہ کیا ہونے والا ہے، پتھر نیچے کو کھسکا، زمین
دھنسی، اور اب عرب ایک عجیب و غریب غار میں پڑا تھا۔ پتھر
بدستور اپنی جگہ پر آگیا، اور راہ بند ہوگئی!

اب بدی نے خود کو ایک زمین دوز معرّاب میں پایا، لیکن
باہر آنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔

غریب عرب ایک عرصہ تک ادھر ادھر تٹولتا رہا۔ تاریکی
بلا کی تھی۔ محض اس خوف سے کہ کہیں کسی دوسری
نامعلوم مصیبت سے دو چار نہ ہونا پڑے، اسنے ہاتھوں اور پیروں
کے بل رنگنا شروع کیا۔ اس جد و جہد میں ایک وسیع ایوان مل
گیا۔ اس ایوان کی تاریکی کو ایک پہاڑی سوراخ سے نکلی والے
دھندلی روشنی ایک حد تک کم کر رہی تھی۔ روشنی کا سہارا پا کر
اس محصور بلا نے ادھر ادھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا۔
کیا دیکھتا ہے کہ ایک گوشے میں قیمتی جواہرات اور طلائی اشیاء کا
تھیر پڑا ہے۔ یہ خزانہ غالباً طائر اور صیدان کے بحری قزاقوں
نے ازمنہ مظلمہ میں جمع کیا ہوگا۔ عرب حیرت کے دریا میں
تربا ہوا، اس تمام ماحول کو عالم رویا سمجھ رہا تھا۔ بالآخر اسنے
چند جواہر ریزے اپنے عمامہ میں رکھ لیے، اور باہر نکلنے کی راہ
تلاش کرنے لگا۔ اس نے غور کیا کہ روشنی جس سوراخ سے آرہی
ہے، اس سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا خیال ٹھیک تھا۔
روشنی کے ٹپچے ایک سنگی زینہ موجود تھا۔ بہ مشکل سوراخ تک
پہنچ سکا۔ وہاں پتھر کے کئی ٹکڑے ایک دوسرے پر پڑے تھے۔ زور
کرنے سے ایک پتھر ہٹ گیا اور یہ باہر نکل آیا۔

مراہی نما ظرف ہے - عرب کہتے ہیں کہ یہ ظرف فراعنہ کے جواہرات اور طلائی سرمایہ کا مخزن ہے - شروع سے اسے توڑنے کی کوششیں کی گئیں مگر کامیابی نہیں ہوئی - کرنیل لارنس نے ساتھیوں کے بھی ہزاروں گولیاں چلائیں - بعض بعض دفعہ پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ٹوٹ کر گر پڑے - مگر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا - نہیں معلوم کس دیوبی یا دیوتا کی یہاں پوجا ہوتی تھی ؟ کرنیل لارنس کی راے میں مصری دیوبی ”ایسیس“ کی پرستش ہوتی ہوگی - کیونکہ ہندوؤں کی فوج کشی کے وقت تمام سواحل بحر روم اسی دیوبی کے سامنے سر بسجود تھے -

یہاں سے چند گز کے فاصلہ پر اصل شہر بیضاری نشیب میں واقع ہے - سطح سمندر سے ۹۰۰ ہزار فیت اونچے معدب حصہ سے شروع ہوتا ہے - رادی کی بلندی صرف ایک ہزار فیت رہ جاتی ہے - اس نشیب میں اس وقت تک شہر کی سڑکیں اور عمارتوں کے آثار باقی ہیں - یہ تمام عمارتیں پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی تھیں !

پیترا کے رنگ بزرگ آثار ہر اُس سیاح کو جو مشرقی دیوار عبور کرنیکی جرات کرتا ہے ، اپنی جانب مائل کر لیتی ہیں - سورج کی کرنیں ارد گرد کی پہاڑوں کو قوس قزح بنا دیتی ہیں - انکی چمک بلرچستان کی ارغوانی پہاڑوں سے بھی کہیں زیادہ دلکش ہے - پہاڑوں کی سطح سے زعفرانی ، نارنجی ، ارغوانی ، بنفشی رنگ کی لہریں نکلتی رہتی ہیں - غروب آفتاب کے وقت رات کی تاریکی چھا جانے سے پہلے ، ایسا معلوم ہوتا ہے ، گویا طرح طرح کے رنگوں کے کی مرجیں اُمنڈ رہی ہیں !

محمد یحییٰ - ایم - اے - ایل - ایل - بی
ریکل ہدایوں

عارضی چہل پہل پیدا ہوگئی - لیکن جنگ کے خاتمہ کے بعد یہ سرگرمی بھی ختم ہوگئی ، اور یہ حصہ پھر شہر خموشاں بن گیا -

خلیج عقبہ کے دھانہ سے ایک پہاڑی اور ریگستانی سلسلہ شروع ہوتا ہے جو اندرون ملک میں دور تک چلا جاتا ہے - پیترا کے کھنڈر عقبہ سے ۹۰ - میل کی مسافت پر واقع ہیں - پہاڑوں کے درمیان اس شہر کا محل وقوع ہے - بدر رہنما کے بغیر ان آثار تک سیاح کی پہنچ مشکل ہے - پیترا سے شمال کو ۲۰ میل کے فاصلہ پر رادی بحر میت ہے - سیدھے ہاتھ یعنی شرق کی طرف شمالی عرب کا عربیہ ریگستان ہے - سامنے ارض ادم یا ادمیا کے پہاڑوں کا وہ سلسلہ ہے ، جو باب الرقیم یا پیترا کا پہاڑ کہلاتا ہے - اس سلسلہ کو قطع کیے بغیر پیترا تک پہنچنا محال ہے - دوسری جانب پہاڑی مگر ڈھالو راستہ ہے - اس پر سے ہر کر نیچے اترتے ہیں - چند گھنٹے کے پہاڑی اور پیچ در پیچ راستے کے بعد رادی ادم کا خاتمہ ہر جاتا ہے - سفید ریت کے تیلونکے ختم ہونیکے بعد ایک تنگ درہ ملتا ہے - یہ بلند پہاڑی دیوار کا دروازہ ہے - یہاں پر رادی کی وسعت ۱۲ - میل سے کم ہو کر صرف ۱۲ - فیت رہ جاتی ہے - درہ کی دیواریں ہزارہا فیت اونچی ہیں - عرب اس راستہ کو ”شق“ کے نام سے پکارتے ہیں - اس شق کی راہ سے سورجوں کے گھوڑے اور بار برداری کے اونٹ اُفتال و خیزاں راہ طے کیا کرتے ہیں - پتھر پر چاروں طرف چھبکیاں لپٹی ہوئی ہیں - ہر ہر قدم پر تنگناے زیادہ رحشتناک ہوتی جاتی ہے - راستہ میں ایک پہاڑی شگاف ملتا ہے جس سے شفاف پانی کا پ - مہ مرجزن ہے - عرب کہتے ہیں ، یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عصا مار کر اپنے پیاسے ہمارئوں کے لئے پانی کے چشمے جاری کر دیے تھے - یہ رادی رادی موسیٰ کے نام سے موسوم ہے - رادی اس قدر تنگ ہے کہ اونٹ پر سے دونوں طرف کی دیواریں بخوبی چھری جاسکتی ہیں - انٹر جگہ ارد گرد کی پہاڑیاں بلند ہو کر چھت کا کام دیتی ہیں - اس جگہ آسمان بالکل دکھائی نہیں دیتا - سورج کی شعاع بھی یہاں تک نہیں پہنچتی -

(یونانی مندر)

ایک گھنٹہ کی مسافت کے بعد سیاح ایک تیز گھاؤ سے گذرتا ہے - اب نظر کے سامنے ایسا دلغریب اور حیرت خیز منظر آ جاتا ہے جو ایک عرصہ تک کیلیے از خود رفتگی کی کیفیت طاری کر دیتا ہے - یونانی طرز کا ایک نفیس اور خوش رنگ مندر سامنے نظر آتا ہے - اسکا دلغریب حسن اور دلکشا طرز حد درجہ متاثر کنیوالا ہے - عہد کہن کے صناعتوں نے پہاڑوں سے کات کات کر یہ خوبصورت عمارت تعمیر کی تھی -

ادومی پہاڑوں سے یہ عمارت تراشتے ہوئے ، دندانہ دار آلات سے کام لیا گیا ہوا - اس مندر کی بالائی سطح مختلف رنگوں سے مزین ہے ، اور ریشمی کپڑے کی طرح جھلک رکھتی ہے -

دنیا کا کوئی اور پہاڑ تک ، دنیا کے قدیم کے اس خاموش شہر کے دروازے سے زیادہ اثر ڈالنے والا نہیں ہے - ہندوستان کا سرخ شہر ، فتح پور سیکری بھی اسکا مقابلہ نہیں کرسکتا - رومانی و یونانی مخلوط فن تعمیر کے طرز پر یہ مندر کم از کم در ہزار سال قبل اس پہاڑی سے طیار کیا گیا تھا - اسکا عہد تعمیر رومانی شہنشاہ ہڈرین کی فوج کشی کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے - اہل عرب میں اس مندر کا نام الخزینہ مشہور ہے - لمبے لمبے ستروں کے اوپر ایک دیو پیکر

WANTED.

Urdu Trained Mistresses for the Karachi Municipal Urdu Girls Schools on the following salary :

	Pay	Allowance	Total
1st Year (Junior)	Rs. 50/-	Rs. 10/-	Rs. 60/-
2nd Year	„ 55/-	„ 10/-	„ 65/-
3rd Year (Senior)	„ 65/-	„ 10/-	„ 75/-

The above posts are pensionable and governed by the Municipal Pension & Provident Fund Rules. The appointments will be on 2 years' contract in the first instance. Apply with full details; also age, nationality with copies of testimonials, if any. Applications should reach the Undersigned on or before 1-11-1927. Those already in service, should apply through their authorities under whom they are employed.

Sd. V. G. PRADHAN,

Administrative Officer.

SCHOOL BOARD,

KARACHI MUNICIPALITY, (I H.)

افشا

روحانیات کی مجلس

ہولناک رات

(مستم)

ایمان بکریوچ نے اپنے دوستوں کو مضطرب آواز اور زرد چہرے کے ساتھ ذیل کا مادہ سنایا:

مستم کے کمرے کی رات، بہت ہی اندھیری تھی۔ میں اپنے ایک دوست کے یہاں دیر تک ایک روحانی جلسے میں بیٹھا ہوں۔ مجھے تاریکی میں اپنے گھر ڈھانپنا تھا۔

اُس زمانے میں آسکو کی ایک ایسی لگی میں میرا قیام تھا، جو شہر میں سب سے زیادہ وحشت ناک اور تاریک لگتی تھی جب جب میں اُس کو گزرتا، ٹھانڈے خیالات میرا رخ پریشان کر دیا کرتے تھے۔

روحانی جلسے میں آخری جلسہ میں نے سنا تھا، وہ خاص میری ذات کے متعلق تھا۔ مشہور فیلسوف سینیوزا کی صبح کی نیند ظاہر کیا گیا تھا کہ جلسہ میں شریک ہو۔ آئے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

”تیری موت قریب لگتی، جلد خدا کے سامنے تیرا کرنا“

میں ڈر گیا۔ پھر سوال کیا۔ ”نیز شرح چاہی۔“

”تیری زندگی ختم ہو گئی۔ آج ہی تو بکریوچ نے یہ میرے سوال کا دوبارہ جواب دیا تھا۔“

میں ظم الارواح (اسپریم لیزم) کا تامل نہیں ہوں۔ تاہم موت کا خیال ہمیشہ مجھے خوفزدہ کر دیا کرتا تھا۔ ایک عجیب طرح کی اداسی مجھ پر چھا جاتی تھی۔

میں پھر اس جلسہ گاہ سے بھاگا۔ اور اپنے گھر کی راہ لی۔ اوپر کی منزل پر پہنچنے کے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ آسوتھی میرا خوف سے برا حال تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ رات بھر یہی (۲)

کر رہا تھا۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ کوڑی کے شیشے جھپکے لگ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فضا میں بھی خوف و دہشت کی ماحول میں مضطرب ہو رہے ہیں!

”اگر سینیوزا کی پیشین گوئی ٹھیک ہے۔ میں نے ڈر لگائی ہوئی آواز میں آہستہ آہستہ کہا۔ ”اگر اس سنگ دل فیلسوف کی صبح نے سچ کہا ہو تو اس کا ہی راز ہے۔“

یہ دلیلا کرتے والی ہوا میں میری زندگی.....

موت کی خبر دی ہو۔ شاید یہ ثابت میری لاش کے لے آیا گیا ہو۔

یہ ناممکن ہو۔ تاہم میرے قہر سے بہت چھوٹا ہو۔

(۴)

اب بارش پھر شروع ہو گئی۔ گویا میرے قتل کے لئے آسمان کو دشمن ہو رہی ہو۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ میرا در کوٹا اڑا رہا تھا۔ میں بھیگنے شرابور ہو گیا۔

”مجھے کیسے پناہ دینی چاہی“ میں نے جلی سے کہا۔ لیکن کہاں؟ کمرے میں، جہاں تاہم دکھا ہو؟ ناممکن!۔ اگر میں اُن گیا تو ہتھکڑیاں دلوں ہو جاؤں گا۔

مگر اس پانی اور سردی میں ٹھک کر کھڑا رہنا بھی مشکل تھا۔ میں نے اپنے ایک دوست روستون نامی کے گھر کی راہ لی۔ وہ بھی ایک سنگ تاریک لگی میں ایک کمرے کے اندر رہتا تھا۔

دروازہ کھٹکھٹا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے ایک طاقڑی ہاتھ مارا تو بجلی مل گئی۔ قتل کو کر اندر چلا گیا۔

میرا کوٹ بھیگ گیا تھا۔ میں نے اُسے آواز کر کے کی زمین پر ڈال دیا۔ اندھیرے میں پاؤں لے ایک کرسی سے ٹھوکر کھائی۔ میں اُسی پر بیٹھ گیا۔ تاریکی سخت تھی۔ کچھ سوچائی نہیں پاتا تھا۔ ہوا تیز تھی۔ کھڑکیاں اُبل رہی تھیں۔ باہر کنیسوں کے گھٹنے کر سس کی خوشی میں نکلیے تھے۔

میں نے جب سے ڈیبا نکال کر دیاسالی جلائی۔ ”اُن، یہاں بھی!“ اے اختیار میرے سنے سے چپ بکلی لگی ہیں دیوانہ دار بھاگ کر کمرے کے باہر گرا۔

یہاں بھی تاہم دکھا تھا لیکن میرے کمرے کے تاہم سو بڑا تھا۔ اور سیاح فلان سے ڈھبکا تھا۔ سیاہ فلان نے اُسے ادبھی زیادہ ہتھ ناک بنایا تھا!

”یہاں بھی تاہم تاہم!“ میں سوچنے لگا۔ ”معلوم ہوتا ہے میرا دہم و خیال ہو۔ میری بچاؤ دہوکا دکھا رہی ہو۔ ناممکن ہو کہ میں جہاں جاؤں، میرے استقبال کے لئے ایک خون ناک تاہم پہلے سے مہیا ہو جائے۔“

مرد کو میرے اعصاب میں تل لگ گیا۔ جہاں جہاں تاہم ہی نظر آتا ہے... میں مرد پر اگل ہو گیا۔ جہاں جہاں صاف ظاہر ہو۔ اسی خوش روحانی جلسے اور سینیوزا کی شبیہ صلیب نے میرا رخ خراب کر ڈالا!۔

میں تھک کر زمین پر پڑ گیا۔ دونوں کنپٹیاں زرد ہو گئیں۔ میں دباؤں۔

”الہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہو گیا!“ یہ کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل گئے۔

قریب تھا میرا سر پٹ جالے۔ میرے پیروں میں نکت باقی نہیں رہی تھی۔ میرے کاہ زور تھا کہ خدا کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی کا پانی لگا۔ نہ سر پر ٹوٹی تھی نہ جسم پر کوٹ۔ میں انہیں لینے کمرے میں جا بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھ کو دہاں..... آہ، بہت ہی بھلی ناک منظر، ناقابل برداشت ہولناکی موجود تھی!

(۵)

میرے سر کے تھک کر جالے سے ال کھٹے ہو گئے۔ ٹھنڈا پانی چٹائی سے بہنے لگا۔ حالانکہ اب مجھے کابل نہیں ہو چکا تھا کہ مجھے میری آنکھوں نے دیکھا ہو، وہ مجھ ایک جلسے کے اعصابی مرض کا خیر اور دم و خیال ہو۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔

”اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟“ یہ بار بار ہی سہی پھرتا تھا۔

تھک گئے ایک دوسرا دستہ گورڈ سائنس پانڈیٹ اس نے

گوش میں پتھر میں نے خون سے آنکھیں بند کر لی تھیں!

میں نے کمرے میں کیا دیکھا، دیکھو، اس وقت بھی میرے بدن کے دھڑکنے ہو رہے ہیں۔ دل دھڑک رہا ہے۔

میں کمرے کے وسط میں تڑپے کا تاہم دکھا تھا! اسپر وغولانی فلان چڑھا تھا۔ سہری صلیب کھی تھی۔ میں نے صحت ایک ہی جھلک دیکھی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مجھے اُس کا ہر حصہ نظر آیا۔ آج تک اُس کا پورا نقش میرے ذہن میں محفوظ ہے!

یہ ایک لڑکی کا تاہم تھا۔ کیونکہ بہت چھوٹا تھا۔ اور رنگ اور آرایش ویسی ہی تھی، جیسی لڑکیوں کے باروں پر کی جاتی ہے۔

(۳)

میں تیری طرح زینے پر سوچا اور صلیب کی تیزی سے اُترنے لگا۔ بلکہ اُسنا چاہنے لگے لگا۔ ایک نہایت ہی خوف ناک جب اپنی قوری تخت سے مجھے دھکیل رہا تھا!

ٹھک پر میں نے جلدی سے دھڑکی کا ایک کھبا دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لیا۔ کھبا، جینے سے بھیگا ہوا تھا۔ برن کی طرح ٹھنڈا تھا۔

نے سردی مجھ کی تو میرے ہوش دھواں داپس آئے لگے۔ ”اگر کمرے میں آگ لگی ہوتی“ میں خیال کرنے لگا۔ ”بلکہ اُس میں چور کھڑا ہوتا، شیر ٹھٹھا ہوتا، دیوانہ کتا بھا ہوتا، اگر اُس کی چھت بھی اچانک گر پڑتی، تو بھی مجھے تعجب نہ ہوتا۔ میں اسے ایک معمولی بات سمجھتا۔ مگر لاش! ایک مکمل تاہم! اس کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے مکان میں تاہم کیونکر آئے؟ کون آیا؟ ایک امیر لڑکی کا کا عادت تاہم! اس نے چاندی کے کلمے سے رات ایک بجی لڑکی کے حقیر کرے میں اُسے کون آیا؟ کیوں آیا؟ معلوم نہیں، وہ غالی ہو یا اندر لاش کھی ہو؟.....“

اچانک مجھے خیال آیا کہ مجھ پر نہیں تو کوئی ہولناک جرم ہے۔ لاکھ لاکھ سوچا۔ کوئی بات مجھ میں ڈالی۔

”دروازے پر تو قتل چڑھا تھا“ میں پھر سوچنے لگا۔ ”کچھ ایسی خفیہ جگہ کھی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

ناممکن ہو کہ کسی دوست نے یہ نہایت کاٹھ میرے لئے مہیا کیا ہو شاید کوئی مزدور غلطی سے لے آیا لیکن خود لانا تو مزدور سے بے غیر تھا۔

کیوں جانا؟ اور میرے یہاں دوست تاہم کیوں لگے؟.....

میں نے اپنے دل میں ایک بار دہرایا۔

بریشرت

مکتوب حجا

(المال کے مقالہ نگار قسیم جتوہ کے قلم سے)

تھی۔ اس لئے مجبور ہو کر انہوں نے یہ معاہدہ منظور کر لیا تھا۔ لیکن جنگ کے چند ہی سال بعد وہ اس سے بے پروا ہو گئے، اور فرانس سے تجارتی تعلقات قائم کر لئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ حجاز پر بھی یورش کردی، اور برطانیہ کے پروردہ اقتدار شریف حسین اور اس کے خاندان کو خارج کر دیا!

اب گیا عملاً کوئی معاہدہ بھی تجدید اور برطانیہ کے درمیان موجود نہ تھا۔ حالات میں انقلاب عظیم واقع ہو چکا تھا، اور اس لئے جدید معاہدے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کے لئے گذشتہ ماہ ہی میں مکہ مکرمہ گئے، دشنید شروع ہوئی اور اب ۲۲ ستمبر سنہ ۱۳۵۷ھ کو مکہ مکرمہ کے بعد اعلان ہو گیا ہے۔

اصلی معاہدے کا لفظی ترجمہ عربی میں ہے:

”نہر محمدی شاہ برطانیہ، آئرلینڈ، برطانیہ مقبوضات اور الجزائر اور شہنشاہ ہندوستان نے ایک جانب سے، اور نہر محمدی شاہ حجاز نجد و ملحقاتہ نے دوسری جانب سے، اپنے باہمی دوستانہ تعلقات کے استحکام اور اپنے مصالح کی حفاظت کے خیال سے غم نہ کیا جو کہ باہم دوستی اور حسن تعاون کا ایک معاہدہ منعقد کریں۔ چنانچہ اس غرض کے

معاہدہ جتوہ

قارئین المال واقف ہوں گے کہ نجد اور برطانیہ کے اجنبی علاقوں میں ایک معاہدہ منعقد ہوا تھا۔ اس معاہدے میں بعض دفعات ایسی باتیں تھیں جن سے نجد کی خود مختاری پر پابندیاں عائد ہوتی تھیں۔ مثلاً اس میں ایک شرط یہ بھی کہ حکومت نجد، برطانیہ کے ہوا کسی دوسری سلطنت سے سیاسی گفت و شنید نہیں کرے گی اور نہ تجارتی و اقتصادی تعلقات قائم کرے گی۔ یا یہ کہ سلطان نجد، حجاز کی طرف پیش قدمی نہیں کرے گا۔ اس کے معاوضہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ خارجی حملوں سے اپنے مقبوضات کی حفاظت کرے گا۔

اگرچہ سلطان ابن سعود نے کبھی برطانیہ کو اپنے ملک میں غلط کام شروع نہیں دیا، تاہم بیرونی دنیا میں حالات سے بے خبر لوگوں کو معاہدے کی شرطیں دیکھ کر شبہ ہوتا تھا کہ نجد، برطانیہ کی حمایت اور سرپرستی میں ہے۔

دراصل سلسلہ کا معاہدہ جنگ عظیم کے خاص حالات کا نتیجہ تھا۔ سلطان کو برطانیہ اور اس کے اتحادیوں، خصوصاً شریف حسین کی طرف سے سخت خطرے درپیش تھے۔ جرمنی اور ترکی سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔

چوٹ محسوس کرتے ہیں۔ مزدور جاگ رہے ہیں۔ ہم نے جوابتو دیکھیں یقیناً وہ تابوت ہی ہیں۔ ہمارا دم دھال خیال نہیں ہو۔ اب بتلاؤ کیا کریں؟

ہم اب مکان کی سیڑھی پر آ کے کھڑے ہو گئے، اور دیر تک سوچتے رہے، کیا کرنا چاہیے؟ آخر طے ہوا کہ بہت کچھ کے اوپر چلیں، اور نوکر کو جگا کر کمرے میں جائیں۔

(۷)

نوکر ہاتھ میں شمع لئے اندر گیا۔ ہم بچے بچے چلے۔ واقعی کمرے کے مین وسط میں ایک تابوت رکھا تھا۔ اُس پر سفید ریشم چادر پڑی تھی۔ کناروں پر سونے کے تاروں کا کام تھا۔ جابجا چاندی کے پھول لٹکے تھے!

تابوت دیکھ کر نوکر نے اپنے سینہ پر صلیب کا نشان بنایا۔

”اب ہم حقیقت معلوم کر لے سکتے ہیں“ میرے دوست نے رک رک کر کہا، کیونکہ وہ پوچھے جسے ہم سے کانپ رہا تھا۔ ”دیکھا چاہو سلسلہ کیا ہو؟ تابوت خالی ہو یا اس میں کوئی لاش بھی ہو؟“

بڑے پیش دلی کے بعد سارن نے بہت کی۔ چند قدم آگے بڑھا، اور تابوت کا ڈھکنا اٹک کر پیچھے ہٹ گیا۔

ہم نے جھک کر دیکھا۔ تابوت بالکل خالی تھا۔ نقش کی جگہ ایک لٹا ہوا تھا!

حال ہی میں ڈاکٹری کی سند حاصل کی تھی، اور میرے قریب رہتا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ روحانی علاج میں شریک تھا۔

میں بے تحاشا اُس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس کا کمرہ مکان کی سب سے اونچی منزل پر واقع تھا۔

لیکن میں ابھی زینے ہی پر تھا کہ اوپر سے خوفناک شہ سنائی دیا۔ ایسا معلوم ہوا، جیسے کوئی آدمی بدحواسی سے اِدھر اُدھر دوڑ رہا ہو۔

ادھر ادھر دوڑ پادلی زمین پر مار رہا ہو۔

فوراً ہی ایک دھن تک آواز میرے کانوں میں آئی،

”مدد! مدد! دوڑو! دوڑو!“

اور اس کے ساتھ ہی ایک شخص اوپر سے بے تحاشا گرا ہوا مجھ کو ٹکرایا۔

”ساروت! ساروت! دوست! تم ہو؟ کیا ہوا؟“ میں بے اختیار چلا اُٹھا۔ کیونکہ یہ شخص میرا دوست ساروت ہی تھا۔

زینے پر دھندلی روشنی تھی۔ ساروت نے آتے ہی دیوانہ وار میرے مونہ سے پوچھ لے۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہا تھا۔ چہرہ زرد تھا۔ آنکھیں عجیب قسم کی دھندلی تھیں!

”ساروت!“ میں پھر چلا۔

”ریکیوت!“ اُس کی لرزتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ ”ریکیوت!“

”تم ہو تم؟ کیا واقعی تم ہی ہو؟“

اُس نے مجھے بغور دیکھا اور لمبی سانس لی۔

”یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟“ ”مُرے کی طرح پیلے ہو گئے ہو۔“ اُن،

تھوڑی صورت لسی ڈراؤنی ہو رہی ہو؟ خداوند بتلاؤ کیا ہوا؟“ اُس نے مجھے بغور دیکھ کر کہا۔

”اور یہ تمہاری حالت کیا ہو رہی ہو؟ بالکل مرده معلوم ہوتے ہو؟“

”میرا جواب تھا۔“

”میرا“ اُس نے جلدی سے کہا۔ ”ذرا دم لینے دو۔ آہ میں اس وقت تم سے مل کر کتنا خوش ہوا ہوں؟ جان جالے جالے پچی۔ محض اُردار کے جلسوں پر خدا کی نعمت! علم الارواح پر ہزار لعین! اُس جلسے نے نہیں معلوم میرے لئے کسی لسی ہولناک چیزیں پیدا کر دی ہیں؟ کیا تم لعین کو دگے کو جوتی میں اپنے کمرے میں داخل ہوا۔“

اُن کیسا ڈراؤنا منظر! میں نے دیکھا، کمرے کے مین وسط میں ایک تابوت رکھا ہے!

مجھے اپنے کانوں پر لعین نہ آیا۔ یہ تو لعین خود میری سرگزشت تھی۔ میں نے چیخ کر پوچھا:

”تابوت! کیا کہتے ہو؟ تابوت!“

اُس نے صاف لفظوں میں کہا۔ ”تابوت! ایک حقیقی تابوت! میں بڑل نہیں ہوں۔ لیکن اس منظر سے تو شیطان بھی بے ہوش ہو جائے گا۔“

میں پھر خوں سے کانپنے لگا۔ میں نے شکل اپنے دونوں شاہیہ اُس سے بیان کئے۔ میں نے کہا۔ ”خدا! عجیب طبع کی ہولناکی! میں نے اپنے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اپنے دوست کے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اور اب تم کہتے ہو کہ تم نے بھی اپنے کمرے میں تابوت دیکھا ہے۔“

(۶)

ہم دونوں مکان کی چوڑی پر کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں بہوت تھے۔ ہم خیال ہوا، شاید ہم سو رہے ہیں۔

یہ شبہ بریک وقت دونوں کے دماغ میں گرا، اس لئے ایک دوسرے کو کھٹے مارنے لگے تاکہ معلوم کریں، ہم واقعی جاگ رہے ہیں یا عالم خواب میں ہیں!

”نہیں، ہم خواب میں نہیں ہیں“ ساروت نے کہا۔ ”ہم گئے کی

(۸)

میرے دوست نے نفاذ اٹھا لیا، اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا۔ اُس کے اندر حنبلی سطریں مرقوم تھیں:

”میرے پیارے دوست ساروت! دونوں“

”تمہیں معلوم ہو کہ میرا بھائی دیوالیہ ہو گیا ہے۔ کل اُس کا تمام

سامان نیلام ہو جائے گا۔ تم جانتے ہو، اُس کی دکان میں تابوتوں کے سوا کچھ نہیں ہو (کیونکہ شہر کے لئے دیہی تابوت میسر آتا ہے) اب

ہمارے لئے فقر و فاقہ کے سوا کچھ باقی نہیں!۔ ہمارے خاندان کے شکوے کے بعد طے کیا ہو کہ جتنے تابوت بھی راتوں رات سنبھالے جاسکتے ہیں،

سنبھال دئے جائیں تاکہ وہ نیلام سے بچ جائیں۔ چنانچہ اپنے تمام دوستوں کے یہاں ایک ایک تابوت بھیجا ہے۔ ایک تابوت تمہارے یہاں بھی

رکھوا دیتے ہیں۔ تم مطمئن ہو، ایک ہفتے سے زیادہ تمہیں اس کی حفاظت کرنی پڑے گی، اور ہم اس کے لئے تمہارے دوستوں کے نہایت

شکر گزار ہوں گے۔ تمہارا مخلص ”ایوان گوبن“

(۹)

اس واقعہ کے بعد میں نے کئی بار اپنی اہلیہ کو بلا کر بتایا۔

مات ہو کہ جب کبھی شام گھر لوٹتا ہوں، تو دروازے پر خوں سے رنگ جاتا ہوں۔ کمرے میں تابوت کا منظر یاد آ جاتا ہے۔

جلد یہ دونوں علاقے برطانیہ سے واپس لے لیں گے، کیونکہ یہ جمہوریت کی حفاظت کے لئے اضر ضروری ہیں۔ اور حدود حماز میں داخل ہیں۔

معادہ کی کامیابی کے اعتبار

قلم روکنے سے پہلے چند الفاظ ان اسباب کی بیان میں بھی ضروری ہیں جو اس معادہ کا موجب ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت تمام دنیا پر روشن ہو کہ برطانیہ مدت سے کوشاں ہو کر کبھی طرح پورے عرب خصوصاً حماز قابو حاصل کر لے۔ شریف حسین کے ساتھ اس کے معادے اور اٹلی کے ساتھ سمجھوتہ اس حقیقت کا تازہ ثبوت ہے۔ تاہم وہ ایک تیز پھر مجبور ہو گیا کہ ایسا ایک معادہ منظور کر لے جو اس کی پرانی آرزو کے صریح خلاف ہے۔

اس کے تین اہم سبب ہیں،

(۱) سلطان ابن سعود نے پچھلے چند سالوں کے اندر غیر معمولی قوت حاصل کر لی ہے۔ فتح حماز کے بعد قسری حمایت نے انھیں عرب کا ایسا طاقتور حکمران بنا دیا ہے کہ برطانیہ آسانی سے مغلوب نہیں کر سکتا۔ عرب کی سرزمین پر اپنا ایک اتنی بڑی قوت کے ٹھکانے برطانیہ کو مجبور کر دیا کہ یا تو عرب کے ساتھ منصفانہ بناد کرے، یا مدت تک کے لئے عرب میں اپنے تجارتی و سیاسی مفاد سے ہاتھ دھو لے۔ سلطان ابن سعود کو ناخوش کرنے کا نتیجہ اس کے ہوا کہ وہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک طرف وہ عراق کی طرف بڑھیں، دوسری طرف شرق اردن پر نظر ڈالیں اور قسری طرح ناری کے غیر برطانی علاقوں پر حملہ آور ہو جائیں۔ عرب کے حالات سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ عراق، شرق اردن، اور خلیج فارس کے اکثر عرب علاقوں میں تمام بدوی آبادیاں سلطان ابن سعود کے زیر اثر ہیں، اور قریب قریب، نجدی دعوت قبول کر چکی ہیں۔ سلطان کا ایک اشارہ ان ممالک کی قیامت بڑا کرے سکتا ہے۔ برطانیہ کی قوت کتنی ہی عظیم ہو، مگر وہ اپنا نادان نہیں ہو کر بیٹھے جھلے یہ تمام ممالک اپنے سربراہوں کے لئے اس کی مصلحت یہی تھی کہ سلطان ابن سعود سے تعلقات خوشگوار رکھے اور ان کی کامل خود مختاری کے خلاف کوئی جذبہ ظاہر نہ ہونے دے۔

(۲) شام کی حکمرانری نے عربی ممالک میں فرانس کو برطانیہ کا رقیب بنا دیا ہے۔ یہ معلوم ہو کر یورپ میں برطانیہ سیاست نے فرانس کو سخت شکست دی ہے۔ اور اسے اس کے تمام دوستوں سے محروم کر کے لاپرواہ کر دیا ہے۔ فرانس اس سبب برطانیہ پر دانت پس رہا ہے اور مشرق میں اس سے انتقام لینے پڑا گیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک طرف چین میں برطانیہ کی مخالفت کر رہا ہے، دوسری طرف عرب سلطان ابن سعود سے راہ دورم پیدا کر رہا ہے۔ برطانیہ نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر اسے اس موقع پر دسی بھی غفلت کی تو بہت ممکن ہے، فرانس کا پر بازی لے جائے۔

(۳) بالشویک روس نے پچھلے دنوں عرب سے بہت دلچسپی ظاہر کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بالشویک دعوت کا ایک مرکز حماز میں بھی قائم کر دیں، تاکہ یہاں سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں اس کی آتش ہو سکے۔ برطانیہ، اس وقت روس سے اصرار خائف ہے۔ اس کی اطلاع معلوم کر کے بالکل بدحواس ہو گیا، اور بے تحاشا کوشش شروع کر دی کہ وہ دستانہ معادہ منعقد ہو جائے۔ معادہ کی دوسری شرط کا تعلق غالباً اسی چیز سے ہے۔

غالباً اس تفصیل کے بعد معادہ جہ پوری روشنی میں چلے گا اور اس کے فہم میں کسی کو غلط فہمی نہ ہوگی۔ اگرچہ مکتوب میں ان اصلاحات پر بحث کر دیں گا جن کا اس وقت حماز میں اجراء درپیش ہے۔

کے درمیان جو معادہ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۵ء کو ہوا تھا، جبکہ نہر مجی میں صحت کے حاکم تھے، اب وہ اس نئے معادے کے بعد کا عدم ہو گیا۔

شرط دوم۔ یہ معادہ دونوں عربی اور انگریزی میں قلم بند کیا گیا ہے۔ دونوں دستاویزوں کا درجہ بالکل سادی ہے۔ لیکن اگر کسی عبارت کی تفسیر میں اختلاف پیدا ہو تو انگریزی دستاویز کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

شرط یا سوم۔ یہ معادہ، معادہ قہد کے نام سے موسوم ہو گا۔ یہ معادہ جہ میں یہ روز جمعہ تاریخ ۱۸ دسمبر ۱۹۴۷ء ہجری مطابق ۲۰ مئی ۱۳۶۷ء میں طے پایا۔

معادہ قہد پر بحث غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ معادہ بالکل دیکھا جیسے معادے دنیا کی تمام رتبہ خود مختار سلطنتوں کے درمیان ہوا کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ سلطنت نجد و حماز کا بل طور پر خود مختار تسلیم کر لی گئی، بلکہ شرط سوم کے دوسرے اُسے تمام بین الاقوامی حقوق بھی حاصل ہو گئے۔ نجد و حماز کی جدید تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ان کے باشندوں کی مستقل تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ دونوں ملکوں کے تعلقات طرہ سے بین الاقوامی قوانین کی بنیاد پر قائم ہو گئے، جیسا کہ اسی شرط کے آخر میں بالتفصیل مذکور ہے۔ اب برطانیہ کے وہ امتیازات بھی باقی نہیں رہے جو مروجہ سلطنت عثمانیہ نے اپنے ملکوں میں اُسے بخش رکھے تھے، اور جو اب تک حماز میں اور کسی حد تک نجد میں بھی برقرار تھے۔

اس معادے میں جا بجا "سلطان حماز و نجد و لمحقا ہا" کے لفظ آئے ہیں۔ لمحقا ہا سے مقصود وہ تمام علاقے ہیں جن پر سلطان ابن سعود کا قبضہ یا حاکمیت ہے۔ مثلاً ملک عسیر جو حال ہی میں اپنی رعنا و تربت سے حضرت شیخ سوئیسی کے مشورہ پر، ان کی حمایت میں آگیا ہے۔

مسئلہ اٹلحہ

معادے کے ساتھ چند ضمیمے بھی ہیں۔ یہ بھی شائع ہو گئے ہیں۔ ایک ضمیمہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا ہے کہ بحر احمر کو اس میں بین الاقوامی قانون سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرے گا، جو ہتھیاروں کی فروخت کے متعلق ہے۔ آپ کے قارئین واقف ہو گئے کہ یورپ کی، دل غلطی نے مشرقی تونوں کو کمر در رکھنے کے لئے ایک قانون بنا رکھا ہے، جس کی رو سے بہت سے مشرقی ممالک جن میں ایران اور مالک عرب بھی داخل ہیں، سمندر کی راہ سے اسلحہ خریدنے کے حق سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ نتیجتاً سلطان ابن سعود کا تمام مشرقی دنیا خصوصاً عربی ممالک پر بہت بڑا احسان ہو گا اگر ان کی کوشش سے بحر احمر اس با برانہ قانون سے مستثنیٰ ہو جائے اگر اس کوشش میں کامیابی ہوگی تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ عربی ممالک کی جنگی قوت بہت بہتر ہو جائے گی۔ ایک قریبی فائدہ یہ بھی ہو گا کہ بین الاقوامی کی حرص و طمع سے محفوظ ہو جائے گا جو اُس پر بہت جلد ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔

عقیدہ دمعان

ایک دوسرے ضمیمہ میں عقیدہ دمعان کے مسئلہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ دونوں علاقے شریف علی نے اپنی مختصر حکومت کے زمانے میں برطانیہ کے حوالے کر دیئے تھے۔ سلطان ابن سعود کو اس کا ردی پرا عرض تھا۔ ان کا اصرار یہ تھا کہ یہ فعل ایک مفرد حاکم کا ہے، جس کی حکومت کی بنیادیں ایک دہن کے لئے بھی استوار نہیں ہوئیں، اور جو علما ایک شہر (جہ) سے زیادہ جیسے برآمدہ حاصل نہیں تھا۔ مگر ایک ترک برطانیہ کو اس اصرار کی حقیقت سے انکار کر دیا، مگر اب اسنو اصل اصرار تسلیم کر لیا ہے۔ اور بحث کسی دوسرے موقع کے لئے ملتوی کر دی ہے۔ بلاشبہ اس وقت عقیدہ دمعان کا مسئلہ حل نہیں ہوا، لیکن ان کے حل کے لئے راستہ کھل گیا ہے۔ یہیں امید ہے کہ سلطان ابن سعود

نے نہر مجی برطانیہ کے سرگرم کلنگم کلنگم کو اپنا مختار قرار دے کر رد کیا، اور نہر مجی شاہ حماز، نجد و لمحقا ہا نے نہر بائی نس امیر فیصل اپنے فرزند ادنا ب کو اپنا مختار قرار دیا۔

.. مذکورہ بالا تہد کی بنا پر، دونوں نمائندوں کی مختاری کا عقد کی صحت سے مطمئن ہو کر، نہر بائی نس امیر فیصل بن عبدالعزیز اور سرگرم کلنگم کلنگم نے حسب ذیل شرطوں پر اتفاق کیا ہے:

شرط اول۔ نہر مجی برطانیہ، نہر مجی شاہ حماز و نجد و لمحقا ہا کی کامل اور بے قید و مختاری کا اقرار کرتے ہیں۔

شرط دوم۔ نہر مجی برطانیہ اور نہر مجی شاہ حماز و نجد و لمحقا ہا کو باہم امن و امان اور دوستی برقرار رکھنے کی طرف عہد کرتے ہیں کہ باہم تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے، اور اپنے جملہ مسائل کو مسلمی دیکھ کر اپنے ملک کو ایسے غیر قانونی اعمال کے لئے استعمال ہونے نہ دیں۔ دوسرے فرق کے ملک میں امن و امان اور سکون کے مخالف ہوں۔

شرط سوم۔ نہر مجی شاہ حماز و نجد و لمحقا ہا وعدہ کرتے ہیں کہ برطانیہ کی جملہ مسلمان رعایا اس کے زیر حمایت مسلمان باشندوں کے لئے زمین چھ کی ادائیگی میں سہولت پیدا کریں گے، جیسا کہ باقی تمام حوالے کے لئے کرتے ہیں۔ نہر مجی وعدہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی جان و مال کو ان کے قیام حماز کے دوران میں ہر طرح امانت حاصل ہوگی۔

شرط چارم۔ نہر مجی سلطان حماز و نجد و لمحقا ہا وعدہ کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا جابجوں میں سے جو لوگ ان کی سرحد میں قوت ہو جائیں گے اور جن کے شرعی وارث نہر مجی کے ملک میں موجود نہ ہوں گے، ان کا ترکہ جہ میں برطانوی نمائندے یا اس کے نائب کے حوالہ کر دیا جائے گا، تاکہ متوفی کے ستن داروں تک پہنچا دیا جائے لیکن یہ حوالگی اس شرط کے ساتھ عمل میں آئے گی کہ پہلے نہر مجی سلطان کی خاص عدالتوں کے سامنے یہ معاملہ پیش ہو جائے اور حمازی قوانین کے مطابق حمازی محکموں وصول کر لیا جائے۔

شرط پنجم۔ نہر مجی شہنشاہ برطانیہ، نہر مجی سلطان حماز و نجد و لمحقا ہا کی جملہ رعایا کے لئے حمازی اور نجدی جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ نہر مجی برطانیہ کے مقبوضات اور زیر حمایت ملکوں میں پائے جائیں اسی طرح نہر مجی سلطان حماز و نجد و لمحقا ہا بھی برطانیہ کی رعایا ان کے زیر حمایت باشندوں کے لئے برطانیہ جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ حماز و نجد و لمحقا ہا کے ممالک میں پائے جائیں گے۔ اس میں ان بین الاقوامی قوانین کا لحاظ لیا جائے گا جو خود مختار حکومتوں کے مابین نافذ ہیں۔

شرط ششم۔ نہر مجی سلطان حماز و نجد و لمحقا ہا عہد کرتے ہیں کہ کویت، بحرین، اور ساحل عمان کے مشائخ کے جس جوار کو لمحوں رکھیں گے جن سے برطانیہ کے خاص معاہدات ہو چکے ہیں۔

شرط ہفتم۔ نہر مجی شاہ حماز و نجد و لمحقا ہا عہد کرتے ہیں کہ اپنے تمام مسائل سے غلامی کے سدا ب میں برطانیہ کی مدد کریں گے۔

شرط ہشتم۔ معادہ کرنے والے فریقین پر لازم ہے کہ جلد سے جلد یہ معادہ نافذ کریں اور منظوری کے کاغذات ایک دوسرے کے حوالہ کر دیں۔ معادہ اس دن سے نافذ ہو گا، جب منظوری کے کاغذات کا باہم مبادلہ عمل میں آجائے گا۔ معادہ اس تاریخ سے، ہر ایک نافذ ہو گا۔ لیکن اگر طرین میں سے کوئی فرق بھی، سال گزرنے کے بعد ۶ مئی سے پہلے سے اعلان نہ کرے گا کہ وہ معادہ باطل کر دینا چاہتا ہے، تو اس صورت میں معادہ برابر نافذ ہو گا۔ معادہ اسی وقت باطل ہو گا، جبکہ ۶ مئی سے پہلے اس کے ابطال کا کوئی فرق یا اضافہ اعلان کرے۔

شرط نہم۔ نہر مجی شاہ حماز و نجد و لمحقا ہا اور نہر مجی سلطان حماز و نجد و لمحقا ہا

تایخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

(۱)

ترکی اصلاح و تجدید کی تحریک سلطان محمود مصلح کے زمانے میں شروع ہوئی، اور سلطان عبدالعزیز کے عہد میں مصطفیٰ فاضل پاشا کے ہاتھوں اس کی پہلی جگہ کی بنیاد پڑی۔ تاہم یہ محض ابتدائی تحریک کے قیام و ترقی کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی ایسی اولوالعزم شخصیت نمودار ہو جو اپنی قربانی کے خون سے اس نئی تحریک کی آبیاری کر سکے۔ اصلاح و ترقی کی تحریک، اس آبیاری کے بغیر کبھی نشوونما نہیں دے سکتی۔ ترکی اصلاح کا پہلا فکری عنصر مصطفیٰ رشید کی شخصیت میں پایا ہوا تھا، لیکن اسے سلطان محمود اور سلطان عبدالعزیز جیسے اصلاح پسند فرمانروائے اور اس لئے اس کی اصلاح پسندی آزائش کی جگہ فریق قبولیت کا باعث ہوئی۔ فواد پاشا اور عالی پاشا بھی مصلحانہ افکار رکھتے تھے، لیکن وہ کوئی عملی قدم نہ اٹھا سکے۔ اس لئے ان کے لئے کوئی آزائش پیدا نہ ہو سکی۔ مصطفیٰ فاضل پاشا نے بلاشبہ مقدم اٹھایا، اور لاٹھ، اصلاحیہ پیش کر کے اپنے لئے خطرات پیدا کر دیے تاہم معاملہ اس سے آگے نہ بڑھا کہ جلا وطن ہو گیا۔ یا مقرر کی حکومت و خدویت سے محروم ہو جانا پڑا۔ پس جہاں تک تحریک کی ابتدائی نشوونما کا تعلق ہے، اب تک کوئی شخصیت ایسی نمایاں نہیں ہوئی تھی جسے اس راہ میں جان فوشی قربانی کی منزل سے گزرنے پڑا ہو۔ یہ منزل ایک اولوالعزم شخصیت کے لئے ہی کی نظر تھی۔ یہ اولوالعزمیّت پاشا کی شخصیت میں ظاہر ہو گئی۔ مدحت پاشا اس راہ کا پہلا قاتل و شہید ہوئے۔ اس کے خون سے وہ آبیاری ہم بچا دی، جس کے بغیر یہ تحریک انقلاب بار آور نہیں ہو سکتی تھی۔

مدحت پاشا اور عبدالحمید

سلطان عبدالحمید کی پرنسپل مکت علیوں نے واقعات حقائق پر ایسے پڑے ڈال دیے تھے کہ گزشتہ دور تک دنیا کی نگاہیں دھوکا کھاتی رہیں۔ اور مدحت پاشا کی شخصیت نمایاں نہ ہو سکی۔ مدحت پاشا اور اسکے ساتھیوں کے خلاف جب مقدمہ قائم کیا گیا، اور اسے سلطان عبدالعزیز کے قتل کی سازش کے انکشاف سے تبریک کیا گیا، تو دنیا نے بغیر کسی شک کے قبول کر لیا۔ کیونکہ تو مدحت پاشا کی مصلحت حیثیت اور اعمال کی دنیا کو خبر تھی اور نہ ٹرکی میں کوئی ایسی قومی طاقت پیدا ہوئی تھی جو اصلیت کا اظہار کر سکتی۔ سرسری ایلٹ انگریزی سفیر متینہ منٹلی نے مدحت پاشا میں جب اپنی یادداشت شائع کی، اور مدحت پاشا کو بے قصور ظاہر کیا، تو خود انگلستان میں بہت کم لوگوں نے اسے باور کیا۔ عام طور پر خیال کیا گیا کہ سرسری اپنی ذاتی

خداات یلڈز کے حوالہ کردہ یقین سے مندرجہ میں ایک انگریزی کتاب "دوازدہ سالہ حکومت سلطان عبدالحمید" کے نام سے انگلستان میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے دیباچہ میں ظاہر کیا گیا تھا کہ "یہ انگلستان کی ایک شہزادی کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہے"۔ یہ کتاب بھی حمیدی دعایت پر دیکھنا کا نتیجہ تھی، اور اس لئے شائع نہ کی گئی تھی تاکہ سرسری ایلٹ کے ان معنائیں کا جواب دیدیا جائے جو اسے مدحت پاشا اور اس کی مصلحتانہ ماسعی کی حمایت میں لکھتے تھے اس کتاب کا اردو ترجمہ ہندوستان میں شائع ہو چکا ہے۔

انکشاف حقیقت

ایک عرصہ کے بعد جب مدحت پاشا کا لڑکا علی حیدر بے جوان ہوا، تو اس کی ان غیر عام نے اس کے باپ کی آخری امانت اس کے سپرد کر دی۔ یہ امانت کیا تھی؟ یہ ایک نامکمل خود نوشتہ سوانح تھا تھی، جو اس شہید حریت نے طائف کے قید خانہ میں لکھی تھی۔ اور چند خطوط تھے، جو اس نے اور اس کے ساتھیوں نے طائف میں لکھے تھے۔ ان خطوط میں ان تمام ہولناک واقعات کی تفصیل درج تھی جو طائف کے محبس میں پیش آئے تھے۔

یہ خطوط طائف کے قید خانے سے کیڑ کر بھیجے گئے اور اس ذریعہ سے مرحوم کے خاندان تک پہنچے؟ اس کی تفصیل ان اوراق میں درج تھی۔ اس زمانے میں مقرر کے خاندان خدایوی کی ایک امیرزادی، بیگم صفوت پاشا نے مقرر میں قیام اختیار کر لیا تھا، اور اپنی دوست و ریاقت کی وجہ سے شریف اور گورنر محترم بہت رسوخ رکھتی تھی۔ یہ بیگم مدحت پاشا اور اس کے مصلحانہ اعمال سے واقف تھی۔ اسے جب معلوم ہوا کہ وہ مع اپنے رفیقوں کے طائف میں قید کیا گیا ہے، تو آمادہ ہو گئی کہ اپنی موجودگی سے ان کی مصیبت کم کرنے کی کوشش کرے۔ اور تو کچھ نہ کر سکی، لیکن اس کی وجہ سے خط و کتابت کا ایک محفوظ ذریعہ پیدا ہو گیا۔ طائف کا ایک فوجی ڈاکٹر غریبی نے اس کے زیر اثر تھا اسے قیدیوں کے دیکھنے کی اجازت تھی۔ وہ ان سے پوشیدہ خطوط لے لیتا اور کہ مظہر پہنچا دیتا۔ مگر اسے خطوط مقرر بھیج دئے جاتے۔ مقرر سے تھرا کی ایک فرانسیسی کنبی کے دفتر میں پہنچ جاتے جہاں مدحت پاشا کا خاندان مقیم تھا۔ کنبی کے دفتر کا نظم مدحت پاشا کی بیوی اور بہن تک پہنچا دیتا۔

البتہ مدحت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری نامکمل تھی۔ اس میں معلوم ہوتا تھا کہ ان کی تکمیل کا موقع نہیں ملا، یا بقیہ مسودہ ضائع ہو گیا علی حیدر نے ان اوراق کی مدد سے مدحت پاشا کے اعمال حیات پر ایک کتاب مرتب کی، اور مندرجہ میں تجزیہ سے شائع کی پہلے فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ پھر اس کا انگریزی ادیشن بھی شائع ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دنیا کو حقیقت حال خود بخود ہونے کا موقع ملا، اور کذب و اقرا کے وہ تمام پڑے جاک ہو گئے جو عبدالحمید اور اس کے حامیوں نے اس راستہ باز مصلح کی زندگی پر ڈال دیے تھے۔ قصر یلڈز کے کارپردازوں نے بہت کوششیں کیں کہ کسی طرح اس کتاب کی قطعی شہادتیں مکرر ثابت کر دیں لیکن اب ۲۰ سال کی مستور حقیقت عالم آشکارا ہو چکی تھی، اور حقیقت جب ایک مرتبہ آشکارا ہو جائے، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے مستور نہیں کر سکتی!

طائف کا مدفون صندوق

مندرجہ کے انقلاب و دستور کے بعد اس سلسلہ میں ایک نیا انکشاف ہوا۔ معلوم ہوتا ہے، اس شہید ظلم کی مقدس امانت مقرر اس کے خاندان ہی میں محفوظ نہ تھی، بلکہ طائف کی زمین نے بھگا اپنا آغوش صیانت کھول دیا تھا۔ تاکہ اس کی آخری امانت اپنے

دستی کا جو اس میں اور مدحت پاشا میں تھی، حتیٰ ادا کر دیا ہو جہاں تک مشرقی اور اسلامی مالک کا تعلق ہے، اس وقت نہ تو لوگوں میں اس قسم کے معاملات سمجھنے کی استعداد پیدا ہوئی تھی اور نہ عام طور پر دلچسپی لی جاتی تھی۔ ہندوستان میں اس وقت جس قدر اورد اخبار نکلتے تھے، سب نے مدحت پاشا کے مقدمہ کو "باغیوں کے مقدمہ" سے تعبیر کیا تھا۔ اس زمانے کے بعض اخبارات کے فائل ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ مملکت کے "آرڈر گائیڈ" اور "لاہوک" "انجمن پنجاب" نے "باغی مدحت پاشا" کی سرزبانی کی خبر شائع کی تھی! مقدمہ کے بعد مدحت پاشا طائف کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ اور کچھ دنوں بعد گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اس وقت دنیا اس ظلم کو بالکل بھلا چکا تھی۔ اصلاح پسند ترکوں کے سوا جو یورپ میں مقرر ہو چکے تھے، کوئی جماعت ایسی تھی جسے حقیقت حال کا علم ہو، یا اس کی شخصیت میں دلچسپی رکھتی ہو۔

یلڈز کی دعایت

برسوں پر برس گزرتے، اور اس قتل ظلم و استبداد کی ہولناکی کی حقیقت دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہی۔ منطقیہ میں عبدالحمید کے تمام مستبدانہ اعمال اپنی پوری سرگرمی کے ساتھ شروع ہو چکے تھے مدحت پاشا اور اسکے دفعا کا نام لینا ایسا ہی ناقابل معافی جرم تھا جیسا "اصلاح" اور "دستور" یا "پارلیمنٹ" کا نام لینا کسی کتاب کی اشاعت محض اس بنا پر صیغہ احتساب نے "جو" نظارہ معاذ کے نام سے قائم کیا گیا تھا، روک دی کہ ان کے معنیفین کا نام بھی مدحت تھا۔

مدحت پاشا کے اعمال حیات کو دنیا کی نظروں میں مذموم ثابت کرنے کے لئے ٹرکی اور ٹرکی سے باہر بے شمار اہل قلم کی خداات خریدی گئی تھیں اور وہ تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد کوئی نہ کوئی ایسی تحریر شائع کرتے رہتے تھے جس کے ذریعہ مدحت اور اس کی جماعت کو ملک سلطنت کا دشمن ثابت کیا جاتا تھا، اور سلطان عبدالحمید کے قاتلانہ اعمال کی مدحت مرانی کی جاتی تھی۔ منطقیہ میں احمد فاضل شہزاد کا عربی اخبار "الجواب" اس کام میں سب سے زیادہ پرجوش اور محرم تھا۔ اس نے بار بار اپنے قارئین کو یقین دلایا تھا کہ "مدحت اور اس کی جماعت کا اصلی مقصد دین مقدس اسلام کی بیخ کنی کرنی تھی"۔ اور انگلستان میں بھی قصر یلڈز کے ایجنٹ نے دریغ و پشیمانی سے کہہ رہے تھے۔ بہت سے اخبار اور اخبار نویس تھے، جنہوں نے اپنی

۱۲۵۱ھ میں اس کے والد علاؤ الدین کے قاضی مقرر ہوئے۔
بھی ساتھ گیا اور تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اس کے والد چونکہ فارغ التحصیل
عالم تھے، اس لئے شہر میں ہی رہے۔ اسے فارسی، عربی، اور دینی
علوم کی تعلیم دی گئی۔ توفیق سے واپس آنے کے بعد اس نے آتش کی
تاریکی مسجد "جامعہ فاتح" میں دینی علوم کی تکمیل کی اور فارسی زبان
میں بھی کامل مہارت حاصل کر لی۔

جب ۱۲۵۵ھ میں حکومت "نہ" مدرسہ عرفانیہ جاری کیا اور
مفتی بہ ہونا طالب علم اس میں داخلہ کئے گئے، تو ان میں ایک
مجتہد آفندی بھی تھا۔ لیکن اس نے جلد دیکھ لیا کہ اس مدرسہ کے
طالب علم اس کے برابر قابلیت نہیں رکھتے، اور تعلیم بھی بہت معمولی
درجہ کی ہے، اس لئے برداشتہ خاطر ہو کر چھوڑ دیا۔

علمی زندگی

۱۲۵۵ھ میں اس نے اپنی تعلیم ختم کر لی۔ مگر اس کی علمی زندگی ابھی
سے بہت پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔ وہ کم عمر ہی سے سرکاری فرائض
میں ملازم ہو گیا تھا۔ دفتر کا کام بھی انجام دیتا اور تعلیم بھی جاری
رکھتا۔

لیکن ۱۲۵۵ھ میں اس نے خالص علمی زندگی میں قدم رکھا۔
۲۵۰۰ قرآن مجید پر اسے ایک مستقل جگہ مل گئی۔ یہ ولایت شام میں
سرکاری کاغذات کی تحریر کی جگہ تھی۔ دس برس تک اسی جگہ پر
امور رہا۔ پھر ۱۲۶۵ھ میں سامی باشا دانی تونیس کے دفتر میں لے
لیا گیا۔ ۱۲۶۵ھ میں اسی دانی کے ساتھ صوبہ مصلطی میں گیا۔
۱۲۷۵ھ میں مصلطیہ واپس آیا اور اسی زمانہ میں اس کی شادی
ہوئی۔ اس کے بعد اسے وزیر اعظم کے دفتر میں انتشار و کتابت کی
مقرر جگہ مل گئی۔ اس جگہ کے کچھانے سے اس پر علمی اور سرکاری مشاغل
کا دروازہ کھل گیا۔ اور وہ حکومت کے ممتاز اور ذمہ دارانہ مشاغل
پر مامور ہونے لگا۔

تفتیش (انکیش)

۱۲۷۵ھ میں حلب شام کے خجندی خانے میں سخت فطمی پیدائش ہوئی۔
حتیٰ کہ خزانہ حکومت کے ۲۰ فیصد غائب ہو گئے۔ اس معاملہ کی تفتیش
کے لئے دہشت آفندی بھیجا گیا۔ اسے خفیہ طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ
عربی مالک کے سپہ سالار اعظم محمد باشا قرصلی کے طرز عمل کی بھی تحقیقات
کریں۔ ۶ مئی کی محنت کے بعد اس نے ثابت کر دیا کہ لغت کے ۲۰ فیصد
نہیں، بلکہ ۵۰ فیصد غائب ہو گئے ہیں۔ چونکہ کبھی یہ جھوٹا ہوا
اس سے ایک ہزار ۴۰۰ فیصد وصول کر لئے۔ نیز ناقابل رد وائل
سے ثابت کر دیا کہ سپہ سالار نے قوم و دولت کے مسئلے میں سخت غلطیاں
کی ہیں۔

مجلس والائی صدارت

وزیر اعظم رشید باشا نے دہشت آفندی کی اس خدمت کی بہت
تقریر کی۔ عرب کا سپہ سالار معزول کر دیا گیا۔ اور دہشت کو ۱۲۷۵ھ
میں مجلس والاکا صدر مقرر کیا گیا۔ یہ منصب اس کی فطری اور غیر فطری
انتظامی قابلیت کے ثمر کے لئے ہر طرح موزوں تھا۔ تھوڑے ہی
عرصہ کے اندر اس کی قابلیتوں کے ایسے نمایاں ثبوت ملے کہ وہ رشید
باشا، عالی باشا، دہشتی باشا وغیرہ ارکان سلطنت کا مستطیع بن
گیا۔ چنانچہ جب سلطنت کی ترقی کے لئے وہی پرس بجھ کر
مصلطیہ لیا، تو معاہدوں کی تعمیر و ترمیم کے سبب اس کی وجہ ترقی
ذمہ داری کا کام تھا۔

ارکان حکومت کی مخالفت

اب ترقی کرنے کے لئے، دہشت آفندی ارکان میں کاتب ثانی کے
عہدے پر پہنچ گیا تھا۔ ۱۲۷۵ھ میں محمد باشا قرصلی، وزیر اعظم مقرر

کئے گئے تھے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اکثر حقبہ ایک ایک دو دو مسطر
کر کے، مختلف اوقات میں لکھا گیا ہے، اور بہت سے مقامات میں
تمام جملوں اور فقراتوں پر قلم کی کشش لگ گئی ہے۔ وہ قلم اور کاغذ خوش
کے نیچے چھپا کر رکھ دیا کرتے تھے، اور جب کبھی باسیانوں کی نگاہوں
سے مہلت ملتی تھی، لکھنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اکثر اوقات ایسا
ہوتا کہ پوری دو مسطر بھی نہیں لکھنے پاتے تھے کہ کسی آبی کی آہٹ ملتی
دیتی، یا باہر سے باتوں کی آواز آنے لگتی، اور وہ قلم کا غنچ چھپا دینے
پر مجبور ہو جاتا!

۱۲۷۵ھ میں اس حالت میں بھی جب حکومت سامنے تھی، زندگی و حیات
کے تمام وسائل مفقود ہو چکے تھے، ضعف پری اور امراض کے عالم
سے توبی مطلق ہو رہے تھے، اور ایک جاہل و مستبد پادشاہ اور اس
کے ذلیل اور جرائم پیشہ حکام ہر آن اس کے انفساں حیات کو کرنے
کے درپے ہو رہے تھے، وہ اپنی قوم اور ملت کی خدمت سے بے فکر نہیں
ہوا، اور محض اس امید و مہم سے کرنا شروع کیا کہ اس کے لکھے ہوئے اوراق
کبھی دہشت قوم کی نظر میں نہ آجائیں، اس لئے اپنی زندگی کے تمام
تجاربہ و انکار قلمبند کر لئے۔ عین اس وقت جبکہ عبد الحمید اس کی کتاب
کے مسائل پر غور کر رہا تھا، وہ قید خانہ کی کوٹھی کے اندر ان مسائل
کے قلمبند کرنے میں مشغول تھا جس کے ذریعہ عبد الحمید کا عرش مہمکت
موت کے خطرات سے نجات پاسکتا تھا!

"میرے والد نے یہ کتاب قید خانہ میں لکھی، اور اس کا ایک حصہ
سزائیں اپنے اہل و عیال کے پاس بھجوایا۔ یہ ابتدائی حصہ اور
بعض خطوط مجھے اپنی والدہ مرحومہ سے ملے تھے، اور میں نے انھیں
ایک مقدس تذکرہ کے ساتھ محفوظ رکھا تھا۔ چند سال پیش میں نے
یورپ میں جو کتاب مرحوم کے قتل حیات پر شائع کی تھی، وہ انہی
اور ان سے مرتب کی گئی تھی۔

"۱۲۷۵ھ میں اس شخص کا اثر ہی جسے ۱۲۷۵ھ رجب ۱۲۷۵ھ ہجری کو دات کے
۶ بجے دینے انگریزی کوٹھی کے حساب سے ۱۲ بجے عبد الحمید کے حکم
سے قید خانہ طائف میں لکھا گھونٹ کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس نے کہا
کر دیا گیا، کہ وہ ظلم و استبداد کا مخالف تھا، اور عدل و دستور کا
داعی تھا۔ آج جبکہ تمام مملکت عثمانیہ قیام دستور کے یادگار کی تحویل
مناسبت ہے، بیجا نہیں اگر میں یہ امید کر دوں کہ دستور عثمانی کے اس
شہید کی یاد پر قوم کے دل میں تازہ ہو جائے!"

سوانح حیات

دہشت باشا کی اسی خود نوشتہ سوانح عمری سے ہم مختصر اس کے
حالات نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان خطوط کا ترجمہ درج کر چکے جو
قلندہ طائف سے بھیجے گئے تھے۔

ابتدائی تعلیم

دہشت باشا ابن قاضی حاجی حافظ محمد اثرن
مصر ۱۲۳۵ھ میں بہ مقام مصلطیہ پیدا ہوا۔ والدین نے اس کو
شفیق نام رکھا تھا۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور
حافظ شریف کہلانے لگا۔

۱۲۵۵ھ میں اس کے والد علاؤ الدین کے قاضی مقرر ہو گئے۔
ہیال اس نے لکھا سیکھا، اور ایک برس بعد جب وہ واپس ہوا، تو اس نے
باشا وزیر خارجہ کے حکم سے دیوان ہائی میں داخل کر لیا گیا۔ یہاں
اس نے اس رسم الخط کی مشق کی جو اس محکمہ کے لئے خاص ہے۔ اس
محکمہ کی تعلیم کا ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے تمام فارغ
الحاصل طلبہ کو ایک علمہ نام یا لقب دے دیا کرتی تھی۔ چنانچہ اس نے
حافظ شفیق کے لئے بھی ایک نام یا لقب تجویز کیا۔ یہ دہشت تھا، اس
دن سے شفیق کی جگہ دہشت کے نام سے پکارا جانے لگا۔

سینہ میں چھپے، اور وقت مناسب کی منتظر رہے۔ علی حیدر نے خود
نوشہ سوانح عمری کا جو مسودہ اپنی والدہ سے ملا تھا، وہ نام نہاد تھا، اور
کچھ بہ نہیں چلا تھا کہ اصل میں نام نہاد تھا، یا اس کے بقیہ اوراق
ضائع ہو گئے تھے۔ اعلان دستور کے بعد یہ ایک یہ خبر ترکی اخبارات
میں چھپی کہ "وصفی آفندی میرا دراق (دیکھا دیکھا) طائف نے بہر
کے بعد، طائف کے ایک بلوغ بردن شہر سے وہ آہنی صندوق نکالا ہے،
جس میں دہشت باشا کی خود نوشتہ کتاب محفوظ تھی۔ وصفی آفندی نے دہشت
باشا کے قتل کے بعد ۱۵۔ ذی قعدہ ۱۲۷۵ھ کو زمین میں دفن کر دیا تھا۔
وصفی آفندی نے یہ صندوق علی حیدر کے حوالہ کر دیا تھا۔
سے معلوم ہوا کہ دہشت باشا نے اپنی کتاب مکمل کر لی تھی، اور احتیاطاً
اس کی دو نقلیں بھی اپنے رفیق جس شیخ خیر آمد آفندی (سابق
شیخ الاسلام) سے کرائی تھیں تاکہ اگر اصل نسخہ محفوظ نہ رہ سکے تو اس
کی نقل موجود رہے۔ اصل نسخہ کا ابتدائی حصہ بدعات ترمیم بھیجا گیا،
بقیہ اخبار ابھی نہیں بھیجے گئے تھے کہ ۱۲ رجب ۱۲۷۵ھ ہجری کی یہ
ہولناک رات آگئی جو مرحوم اور اس کے ساتھی محمد باشا و دادا کے قتل
کی رات تھی۔ اس طرح مرحوم کو بقیہ اوراق بھیجے کا موقع نہیں ملا۔
یہ اوراق قتل کے بعد قید خانہ کے حکام کو مل گئے تھے اور مصلطیہ بھیجے
گئے تھے۔ لیکن ان کی دو نقلیں خیر آمد آفندی کے پاس رہ گئی تھیں۔
خیر آمد آفندی نے کوٹھی کی کوٹھی میں یہ دونوں نسخے کسی محفوظ مقام
پر پہنچ جائیں۔ اس نے ایک نسخہ اپنے مستند دوست کمال آفندی شیخ تکیہ
آستانہ تک پہنچانے کے لئے ایک شخص مصلطیہ آفندی نامی کے سپرد کیا۔
اور دوسرا طائف کے ڈاکٹر فخری نے کوڈے دیا۔ پہلا نسخہ کمال آفندی
تک پہنچ سکا اور مصلطیہ آفندی کا انتقال ہو گیا۔ لیکن دوسرا نسخہ
فخری نے وصفی آفندی میرا دراق طائف کے سپرد کر دیا۔ وصفی آفندی
دہشت باشا کی جماعت سے ہمدردی رکھتا تھا اور دل سے اصلاح پسند
تھا۔ اس لئے اس امانت کی قدر کی، اور ایک آہنی صندوق میں بند
کر کے شہر کے باہر دفن کر دیا۔

دہشت باشا کی خود نوشتہ سوانح عمری

علی حیدر نے انقلاب کے بعد مصلطیہ لکھا تھا۔ اس نے اس
کا پچھلے مسودہ سے مقابلہ کیا، اور ترکی میں ایک نئی کتاب مرتب کر کے
مصلطیہ میں شائع کر دی۔ یہ دہشت باشا کی سرگزشت حیات کا مکمل
مجموعہ ہے۔ اس میں اس کی خود نوشتہ سوانح عمری ہے، قید خانہ طائف
کے تمام خطوط ہیں، اصلاح نظام حکومت کی تمام یادداشتیں ہیں
اور آخر میں چند فیصلے ہیں جن سے کتاب کے بعض تفصیل طلب مقامات
کی مزید تشریح ہو جاتی ہے۔

علی حیدر تک اس مجموعہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

"ایک ایسے موقع پر جبکہ میری قوم قیام دستور کی یادگار مناسبت
ہو (جولائی ۱۲۷۵ھ) میں اپنے والد مرحوم کی خود نوشتہ سوانح حیات
کا دیدار اس کے سامنے پیش کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ یہ عبرت و
موعظت کا ذریعہ ہوگا!"

"جب ہمارا وطن غزیرا اپنی صد سالہ عظمت و شوکت کی بلندیوں
تیزل کے قعر و گہرائی میں گر رہا تھا، اور عدل و نظام کے فقدان نے
امید و مرد کے تمام دروازے بند کر دیے تھے، تو اس وقت ان اوراق
کا مصنف ملک ملت کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی زندگی
کے کابل ۴۵ سال اس راہ میں بسر کر لئے۔ یہاں تک کہ اسی کی راہ
میں اپنی جان غزیرا میں قربان کر ڈالی!"

مدیر سے والد نے یہ اوراق قلم طائف کے قید خانہ میں اس وقت
لکھے تھے، جبکہ وہ غزیرا میں کی طرح ایک تنگ کوٹھی میں مقید تھا،
اور شقی و جالی پاسبانوں کی نگاہیں ہر وقت اس پر لگی رہتی تھیں۔

ابن قلم دت میں سلطان، محمد نذیم پاشا کے مشورہ پر عمل
 کر رہا اور محمد نذیم، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، روسی سفیر کی انگلیوں پر
 رہ رہا تھا۔ محمد نذیم نے سلطان کو ترغیب دی کہ حسین احمدی پاشا کو ملا

اور قیصر کی بیوی میں بھی صلح کرادی۔ غرض کہ اس نے تمام شاہ پسندوں کو ایک خیال پر جمع کر دیا۔ اب سب صرف قیصر کی خدمت نشینی چاہتے ہیں۔ ہند بزرگ نے یہ صورت حال صرف پروشیا ہی میں پیدا نہیں کر کا بلکہ جرمنی کے تمام صوبوں اور دیارستانوں کو بھی قیصر کی حمایت پر اکادہ کر دیا جو۔ اب جب قیصر واپس ہو گا تو تعین کیا جاتا ہے کہ صرف پروشیا کا نہیں بلکہ ریاست سکسونی کو چھوڑ کر تمام جرمنی کا شہنشاہ ہو گا۔ ریاست سکسونی میں باشریک خیالات مقبول ہو گئے ہیں اور وہاں مغرب پر حکومت قائم ہو جانے والی ہے) صرف اسی قدر میں بلکہ ایسڈ کی جالی پر کہ آسٹریا بھی اس کے زیر نگین آجائے گا۔ کیونکہ اس وقت وہاں جرمنی اور المان کا خیال بہت عام ہو رہا ہے۔

شاہ پسندوں کی انجمنیں

اس وقت جوئی میں شاہ پسند کی بارہ انجمن قائم ہیں۔ یہ انجمن نہایت سرگرمی سے مصروف عمل ہیں۔ تقسیم عمل کے اصول پر انجمن نے تحریک کے مختلف کام باطل لئے ہیں۔

مثلاً ایک انجن کا کام یہ ہو کہ وہ دُنیا بھر میں تیسر کو مقبل بنانے کی دعوت پھیلا رہی ہو۔ اس سلسلے میں اس کی تمام تر کوشش یہ ہو کہ جنگ عظیم کی ذہن داری سے تیسر کو بُری ثابت کرے اور سفاکی و خوں دیزی کے وہ تمام الزام دُور کرے جو اتحادی سلطنتوں نے تیسر پر لگاکے ہیں۔ اس انجن نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ دُنیا کی علم دانے اب تیسر کی اتنی مخالفت نہیں ہی جتنی پہلے تھی۔

ایک دوسری انجمن کا نام ”شعبہ خارجہ“ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام سلطنتوں اور قوموں کے خیالات قیصر کے متعلق معلوم کرتی رہتی ہے۔ اس کی تازہ روداد سے ثابت ہوتا ہے کہ دویں یورپ میں صرف ایک فرانس ہی ایسی دولت ہے جو اتنا تک قیصر کی دشمنی پر قائم ہے جتنی سلطنتوں کو زیادہ پر خاش بانی نہیں ہے۔ رد واد میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اطالی اور امریکہ، قیصر کی واپسی کی کوئی مخالفت نہیں کریں گے۔ انگلستان کی مخالفت کا بھی اندیشہ نہیں ہے، الا یہ کہ مشرق وسطیٰ کے بعد برسر حکومت آجائے اور اس کی ایک کوئی امید نہیں۔

تیسری انجن کا نام "انجن مظاہرات" ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ لوگ
جہنم میں قیصر کی حمایت کے مظاہرے کیا کرتی ہے۔ چنانچہ کوئی ایسا غالی
نہیں جاتا جس میں بڑے بڑے شہرلوں کی سڑکوں پر عام مظاہرے نہ
سکھتے ہوں۔ یہ انجن قیصر کی تصویریں اور موویں مفت تقسیم کرتی ہے۔
نیز ایسے عام جلسوں کا اہتمام کرتی ہے جن میں تمام شاہی رئیس بڑی
جاتی ہیں۔

چوتھی انجمن کا کام یہ ہو کہ تحریر کر کے ذریعہ قیصر کی حمایت کے افکار پھیلاتی رہے۔ چنانچہ اس کی سرپرستی میں کثرت اخبار شکل رہے ہیں اور سیکڑوں لائق الشاہد نوابزادہ معاینین اور کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔

پانچویں انجن بحری بڑی فوجوں اور پولیس میں اپنے مقاصد کی اشاعت کر رہی ہو اور پوری کامیابی حاصل کر چکی ہو۔ اس وقت جو زمین فوج اور پولیس میں مشکل سے کوئی آدمی ایسا سمجھتا کہ جو قیصر کا حامی نہ ہو، حتیٰ کہ خفیہ پولیس کے آدمی بھی اس تحریک میں شامل ہو چکے ہیں مختصر یہ کہ پورا جرمن قیصر کے لئے جہنم براہ ہو۔ عام باشندہ بھی نہیں بلکہ جمہوری حکومت اور اس کے اکثر اداکار بھی اسی خیال کے ہو گئے ہیں۔ ہینڈ برگ تو اپنی شاہ پسندی میں توہنی طرح مشہور ہو چکا ہو لیکن موجودہ وزیر اعظم ہرٹس مائی بھی کچھ کم شاہ پسندی ہو۔ کوش ہو رہی ہو کہ کسی طرح فرانسیسی فوجیں جلد سے جلد جرمنی کی سرحد پر غالی کر دیں تاکہ قیصر مرنے سے پہلے واپس آجائے۔

قصیر کے خیالات

یقیناً یہ معلوم کرنا نہایت دلچسپی کا موجب ہو کہ اس وقت جبکہ تیسری

برید فرنگ

مکتوب جرنی

(المال کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے)

قیصر کی جرمی میں واپسی۔ قیصر کے موجودہ خیالات۔

قیصر کی واپسی

اپنے کسی پچھلے کتب میں قیصر واکلم کی جرنی میں داپس پر فصل بحث کر چکا ہوں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ گزشتہ ۱۰۰ سالوں میں قیصر واکلم داپس آجائے گا۔ لیکن جولائی پر دوادہ اور گزشتہ ۱۰۰ سالوں میں قیصر واکلم ختم نہ ہوئی۔ حکومت جرنی نے قیصر کی جلا وطنی داپس قانون کی مدت میں دو سال کا فزید اضافہ کر دیا ہے۔ لوگ حیرت و تعجب سے اس کی سبب دریافت کر رہے ہیں؟

یہ واقعہ ہے کہ گزشتہ ماہ جملائی میں قیصر واپس آنے والا تھا جلالی کی قید اس لئے تھی کہ قیصر کی جلا وطنی والے قانون کی مدت اسی بیسویں ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن مدت ختم ہونے سے تین چار دن پہلے حکومت نے اس میں دو سال کی فرید توسیع کر دی۔ یہ کارروائی خود قیصر کے اشارے سے ہوئی تھی۔ اصلی وجہ یہ تھی کہ اب تک فرانسیسی فوجوں نے جرمنی کی سرزمین خالی نہیں کی ہے۔ اس وقت وہ دریائے رین پر قلعے بنا رہی ہیں جب تک یہ قلعے طیارے نہیں ہوجائیں گے، وہ جرمنی خالی نہیں کریں گی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ستمبر ۱۹۲۹ء کے موسم سرما میں قیصر مکمل ہوجائے گی اور پورا جرمنی آزاد ہوجائے گا۔

در اصل قیصر و آلم نے اُس وقت تک کے لئے جرمنی میں قدم رکھے کہ
 انکار کر دیا جب تک اُس کی سرزمین پر ایک اجنبی سپاہی بھی موجود نہ ہو۔
 یہی سبب ہوا کہ پھر عصر کے لئے قیصر کی واپسی پھر ملتہی ہو گئی۔
 قیصر نے انکار کیا کہ کیا؟ کیا سرحد پر فرانس کی مختصر فوجوں کی
 موجودگی اُس کے لئے خطرناک تھی؟

یہاں خطرے کا سوال نہ تھا۔ خود داری کا سوال تھا قیصر کی
غرت نفس نے گوارہ نہ کیا کہ اپنے وطن اس حال میں واپس ہو جبکہ اس
کی سرزمین پر اجنبی سپاہی موجود ہیں۔
اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اس نزاع پر روشنی ڈال چکا ہوں قیصر

(بقية مضمون مقال)

ملن کر دیں۔ یہ روسی اثرات کا مخالف اور ایک دیانت دار شخص تھا سلطان نے اُسے صوبہ برہنہ کا حاکم مقرر کر کے حکم دیا کہ پاپائی تخت سے روانہ ہو جائے حسین غازی بیار تھا۔ مگر سلطان نے اُسے جبراً بھجوا دیا۔ اسی قسم کا براؤ اور بہت سے غلامانہ اشخاص کے ساتھ بھی کر گیا۔

کچھ تہذیبی حیرتوں پر مشتمل باشا برتو سے لوٹ آیا اور دیکھا کہ امام بائے سلطان کے مغول کرنیغ پر مڑو۔ اُسے اس بائے میں بعض سربراہ درود آدمیوں سے مشورہ کرتے، بالفاظ اس تجوز کی حکایت کہ :

”اچھے خط سے معلوم ہوا کہ حکومت برطانیہ اپنی رائے پر مصر پر قبضہ کی حالت موجودہ اس نزاع کا آخری فیصلہ مشکل ہے، اس لئے ہم سکے لئے طیارہ پر کرسٹل باغفل ملٹری کروا جائے، اور آئندہ ہر سانحہ قہرپاس کا آخری فیصلہ عمل میں لائے“

اس خط و کتابت سے معلوم ہوا کہ جہاں تک مسئلہ سلاسلہ الحلقہ

برطانوی حکومت: بہتر امداد نہ ہوئی کہ نہ میں صاف صاف اپنا وقت نکال کر کرے۔ اور جہاں تک مذکورہ مسلمان کا قتل ہو: سوچو وہ مشہور جادوئی ہوگی۔ برطانیہ نے اس ایک فنکار کو ایسا نہیں کہا جو آج اب ہر کہو اس کہو کہ ان کے زیرِ قلم آج۔ البتہ حکومت غارت خانہ،

لینے باپ کی موت میں جلدی کی، لہذا میری موت میں بھی جلدی کی گئی۔

پھر یہ شعر پڑھا:

فاخرت نفسی دنیا صہبتا و لکن الی اللہ الکریم امیر
دنیا کے حاصل ہو جانے سے میری روح کو کوئی خوشی نصیب ہوئی
اب میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔

۳۳۹ھ - ۳۴۰ھ میں وفات ہوئی۔

امام جاحظ

ادب عربی کا مشہور امام، جاحظ کا جب وقت آخر ہوا تو ابوالکلیب
المبرّد عیادت کو گیا۔

مزاج پُرسی کے جواب میں جاحظ نے کہا:

”وہ شخص کیسا ہو گا جس کا آدھا دھڑلہ ہو گیا ہو، حتیٰ کہ اگر
آئے سے بھی جیروا جائے تو اسے تیرہ نہ چلے؟ اور آدھا دھڑلہ اتنا
حساس ہو گیا ہو کہ اگر کبھی بھی اُس کے قریب آئے تو درد محسوس کرنے
لگے؟“

پھر یہ شعر پڑھا:

أترجوا أن تكون دانث شیخ کما قد كنت ایام الشباب؟
کیا تو آرزو کرتا ہو کہ اب بڑا پے میں بھی دیا ہی ہو جائے جیسا
جوانی کے دنوں میں تھا؟

قد کذبت، نفسک لیس ثوب دریک لحدید من الثیاب؟
تیرا نفس جھوٹا ہو۔ پُرانا کپڑے کپڑے کی طرح کیونکر ہو سکتا ہو؟

۳۵۰ھ (۳۵۱ھ) میں انتقال کیا۔

خلیفہ معتضد بالله

سولہواں عباسی خلیفہ، معتضد بالله فوت ظالم و مستبد تھا۔ وفات
کے وقت اپنا مراثیہ اُسنے یوں پڑھا:

تنتع من الدینا فانک لاتقی وند صغیرا ان هفت ادوع انقا
دنیا سے لطف اٹھالے کیونکہ تو باقی نہیں ہے گا۔ اُس کی بھلائی
لے لے اور بُرائی چھوڑ دے!

ولأنا من الدین الذی قد انشئت فلم یبق لی حالاً ولم یبق لی حقاً
اُس دنیا پر ہرگز بھروسہ نہ کرنا جس میں نے بھروسہ کیا تھا، کچھ آنسو
مجھ سے ہونانی کی اور کبھی حق کا بھی خیال نہ کیا۔

قتلت منادی الرجال دلم اذع عدوا، ولم امل علی طیفہ خلقا
میں نے بڑے بڑے ہمارے دشمن نہ چھوڑا، کسی کو بھی اس
کی سرکشی پر باقی نہ رہنے دیا۔

واخلیت دار الملک من کل النایع فشرّهم فرأ، وشرّهم شرّاً!
میں نے اپنے تخت تمام مخالفوں سے خالی کر دیا، انھیں پرانہ کر کے
مشرق و مغرب میں بھیل دیا۔

فلما بلغت الخمر غزاً ورفعت دعات رقاب الخلق اجمع لی رقاباً
لیکن جب میں اپنی عزت و رفعت میں تار و پود تک پہنچ گیا اور تمام مخلوق
کی گردنوں میں میری غلامی کا طوق پڑ گیا،

رائی اردی سنا، فاشجرتی فانا اذانی حضرتی عاجلاً انقی!
تو ایسا ہوا کہ موت نے مجھ پر ایک تیر چلایا اور خلیفہ کبھادی۔ دیکھ،
اب میں مقبرہ ہی لینے لگے ہیں ڈالا جانے والا ہوں۔

ولم ابق عنی اجمعت، ولم اجد لذی مل مننا، ولا راح وندفا
میرے جمع کئے ہوئے خزانے میرے کام نہ گئے۔ وہ لکے بیزار ہونے لگے
اور بددلت کے لالچی، کسی نے بھی ہمدردی نہ کی!

نیالت شمری بعد موتی انقی الی نعم الرحمن ام ناره انقی؟
آہ کاش! میں جانوں، موت کے بعد اس کی نعمتیں پاؤں گا، یا دوزخ
میں جھونکے یا جہنم لگے گا۔ ۳۵۲ھ (۳۵۳ھ) میں انتقال کیا۔

بصائر و حکم

عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کی مختصر وفیات

حضرت امام شافعیؒ

امام ترمذی کہتے ہیں، جس دن حضرت امام شافعی رحمہ اللہ انتقال کیا
اُس کی صبح کو میں عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا۔

”مزاج کیسا ہے؟ میں نے سوال کیا۔

”میں نے ٹھنڈی سانس لی:

”دنیا سے جا رہا ہوں، دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں، موت کا
پالہ منہ سے لگتا ہو۔ نہیں معلوم میری روح جنت میں جائے گی کہ اُسے
مبارک بادوں، یاد دوزخ میں جائے گی کہ اُسے تعزیت پیش کر دوں؟“
پھر یہ شعر پڑھا:

ولما تساقطت ذواتنا ہی جعلت الرجا منی لعلک تملأ
اپنے دل کی سختی اور اپنی بیچارگی کے بعد میں نے تیری مغفرت پر اپنی امید کو
سہارا بنالیا ہو۔

تعطی فی ذی فلان قرنتہ بعفوک ربی کان عفوک عظما
میرا گناہ میری نظرس بہت ہی بڑا تھا، مگر جب تیرے مغفرت کے مقابلے
میں اُسے رکھا، تو لے رہا، تیرا عفو زیادہ بڑا بھلا۔

۳۲۰ھ (۳۲۱ھ) میں وفات پائی۔

مامون الرشید

نزع کے وقت جاحظ عیادت کو حاضر ہوا کسی جانور کی کھال کا بچھو
بچھا تھا۔ بچھو نے پر ریت پڑی تھی، اور خلیفہ ریت پر لوٹ رہا تھا۔ یہ
الفاظ زبان پر تھے:

”لے دے جس کی پادشاہی کبھی ناکل نہ ہوگی، اُس پر دم خراج
کی پادشاہی جاری ہو جائے وہ جو کبھی نہیں سمجھے گا، اُس پر دم خراج
مُرد ہوا!“

جاحظ نے کہا: ”خدا امیر المؤمنین کا ثواب زیادہ کرے اور زندگی
بخشے!“

”میری تندرستی کی دعا نہ کرو“ امتوں نے فوراً کہا۔ بلکہ میرے
لئے مغفرت کی دعا کرو۔

پھر کہا: ”خدا! اتنے ہیں حکم دے اور ہم نے نافرمانی کی۔ تو مجھ
بخش دے کیونکہ تو بڑا ہی رحیم ہو“ اُس پر دوحہ پروردگار گئی
۳۲۰ھ (۳۲۱ھ) میں وفات پائی۔

حکیم ابو القاسم

مشہور زہاد و حکیم شاعر ابو القاسم سے موت کے وقت پوچھا گیا۔

”کوئی خواہش باقی ہے؟“

”کہا: ”اے میری خواہش یہ ہے کہ مسمیٰ“ مخارق“ لکھے اور میرے
مرانے میرے یہ شعر لکھے:

اذا انقضت منی من الدین موتی فان عزار الی الی الی
جبکہ دنیا میں میری زندگی کی مدت ختم ہو چکی ہو تو رونے والیوں کی
تعزیت بھی بہت کم ہے۔

سیر من ذکر ی دینی موتی وحدث بعدی لخلیل خلیل!
سب میرے خیال سے نہ بھولیں گے، میری موت بھول جائیں گے۔ میرے
بعد بھی دوست اپنے دوستوں سے باتیں کرینگے۔

۳۲۰ھ (۳۲۱ھ) میں انتقال کیا۔

خلیفہ واثق بالله

خلیفہ واثق بالله نے فوت کے وقت یہ شعر پڑھا:

الموت فی جمیع الناس تشکر لاسوقہ منہم بقی ولامکث
موت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ نسا زاری لوگ نہیں گئے نہ بادشاہ
ہی زندہ رہیں گے۔

انصر الی قلیل فی مقابرهم ولس یبقی عن الملائک الملوک
غریبوں کو اُن کی قبر میں غربت نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اسیروں
کو اُن کی امیری بھی کوئی فتنہ نہ پہنچائے گی۔

پھر حکم دیا، فرش اٹھا دیا جائے۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ خلیفہ نے پنا
خسار زمین پر رکھ دیا اور چلایا:

”لے دے جس کی پادشاہی لا ذوال ہو، اُس پر دم خراج کی یاد
شاہی ختم ہو گئی!“
یہ کہتے ہی انتقال ہو گیا (۳۲۰ھ - ۳۲۱ھ)

خلیفہ معتضد بالله

خلیفہ معتضد بالله ایک دن دیبا کے فرش پر بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اُس
کی نظریک فادسی عبارت پر پڑ گئی جو فرش پر کندہ تھی خلیفہ نے اُسے
پڑھوایا تو لکھا تھا:

”مجھ شیریہ بن کسی نے اپنے باپ کو قتل کیا لیکن اُس کے
بعد پادشاہی سے کوئی فتح حاصل نہ کر سکا“

خلیفہ کے چہرہ رنگ بدل گیا۔ فوراً ہی مجلس سے اٹھ گیا چند
ہی روز بعد بیمار پڑا اور زندگی سے مایوس ہو گیا۔ اُن عیادت کو آئی تو
خلیفہ نے کہا: ”دنیا اور آخرت دونوں میرے ہاتھ سے نکل گئیں۔ میرے“

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں
دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON LONDON S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکہ
اور نقوش، پرانے زبور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے سنسنی
عجاب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہمارے نمائندہ
گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا
ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و سماعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتیں خوب انجمنز عمدتاً تک انداز ہیں!

بر عظیم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام طبعی عجائبات، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل فرماتے
رہتے ہیں۔ قاتروں کے نئے ایوان شاہی کے نوادر بھی حال میں ہم سے منگوائیں۔

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں

تو

آپ فرخت کرنے کے لئے ہم پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت
مکمل ہو کر ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ بل کے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی کو گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز
اور جسے ملک معظم برطانیہ و ان کے کتب خانہ قصر کے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کی مسلسل سلسلہ
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے اڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چھ
ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل پیشکش ہوا کرتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی جب راجی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے سجدہ کون کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی زوادی نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا ڈھانچہ بلا احتیاز و مذہب و ملت قلم نوع انسانی پر مکمل دیا ہے؟ قیمت ۱۰ روپے (منیر الممال کلکتہ)

اگر آپ کو

دم

ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سوتیلے

دوا فروش کی دکان

فوراً

ایکٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگو اگر سمجھئے

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوائیٹوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، قصوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپ کو مطلع کرے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی

مکمل گائیڈ بک

ڈنلاپ گائیڈ بوک برٹن

The Dimple Guide to Great Britain

کا دو سرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین قانون قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) آپنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوتا

(۲) آپنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی

بھر کام دے سکتا ہے

(۳) آپنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سُہری بیل بوٹوں

سے مزین کہ آپنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

منیجر "البلاغ پریس"

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

وزنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کر سکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ دیتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رقص کے جاری اور زیر بحث ادبی نوآراء پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میوزوں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میوزوں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو ”نئے سسٹم“ کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس ”نئے سسٹم“ کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رقیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گرو اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR: MAULANA ABU AL-KALAM AZAD.

۱۹۲۷

المعانی

نمبر ۱۹

جلد ۱

نیلای پریکاش

قیمت

۵ - آنی

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکار رورڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع معقول	۔	۔	۔	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	۔	۔	۔	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	۔	۔	۔	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	۔	۔	۔	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”ملیجر الہلال“ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لغاتہ پر ”ایڈیٹر“ کا نام ہونا چاہیے۔

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے۔

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔

(۶) اگر آپ در تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں۔

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کاپیوں پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھ دیں۔

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری نوائل، مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ سے نہیں ہے لکھتے ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا۔

علوم و فنون یہاں رواج پا گئے۔ پیٹرا کے وسیع تماشہ گاہوں، عربیہ محلوں، دلکش باغوں، اور تجارت سے حاصل کی ہوئی عیش و عشرت نے، آئے سیاحان وقت کا کعبہ سفر بنا دیا تھا۔ یورپ کے لیے روما اور ایشیا نے کوچک کے لیے پیٹرا، یکساں منزلت رکھتے تھے۔ تجارتی لحاظ سے یہ نبطی شہر دنیا کے قدیم کا قرطاجنہ تھا۔ یا وسطی یورپ کا برلن۔

حریص اہل روما پر پیٹرا کی شہرت نہایت شاق گزرتی تھی۔ بالآخر انہوں نے ایک طاقتور بحری بیڑے کی مدد سے سنہ ۱۰۵ ع میں پیٹرا اور اس کے حوالی فتح کر لیے۔ اب یہ حصہ ملک "ارینیا پیٹرا" کے نام سے رومانی سلاطین کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ رومانی عہد حکومت میں بھی پیٹرا عرصہ دراز تک عرب، فارس، ہند، فلسطین، مصر، اور شام کی کاروانی تجارت کا مرکز رہا۔ لیکن بعد کر شاہراہ تجارت کی تبدیلی اور روما کے زوال نے پیٹرا کے انحطاط کے دہرے کا آغاز کر دیا۔

(استدراک)

مندرجہ صدر مقالہ مولوی محمد یحییٰ صاحب رکیل بدایوں نے بعض انگریزی رسائل سے اخذ کر کے لکھا ہے، جو بعض جزئی ترمیمات کے بعد درج کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں چند امور کی وضاحت ضروری ہے :

(۱) پیٹرا نے یہ آثار مقامی عربوں میں "رقیم" کے نام سے مشہور ہیں۔ گذشتہ صدی کے اواخر کے اور حال کے تمام سیاحوں نے اسی نام سے اسکی تحقیقات کی ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں جب مقام "طابہ" کی نسبت حکومت مصر اور دولت عثمانیہ میں نزاع ہوئی تھی، اور ایک مشترک ترکی مصری کمیشن تحقیقات کے لیے متعین ہوا تھا، تو اسوقت بھی "الرقیم" کے ذکر سے دنیا کے کان آشنا ہوئے تھے۔

(۲) تورات میں بھی "رقیم" کا ذکر موجود ہے۔

(۳) قرآن حکیم نے سورہ کہف میں جہاں "اصحاب کہف" کا ذکر کیا ہے، وہاں "الرقیم" کا لفظ بھی آیا ہے : ام حسبکم ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من آياتنا عجبا ؟ (۸ : ۱۸) کہف کے لفظ کے معنی واضح تھے کہ غار کے ہیں، مگر "الرقیم" کے مفہوم کے تعین میں اختلاف ہوا۔ عربی میں رقیم کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو لکھی ہوئی ہو۔ اس لیے بعض مفسرین نے خیال کیا کہ رقیم سے مقصود یہ ہے کہ اصحاب کہف کے حالات قلمبند کر لیے گئے تھے۔ یا اس غار پر جس میں اصحاب کہف کی نعشیں تھیں، کوئی کتبہ لکھ کر لگا دیا ہوا۔ چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن عباس کا ایک قول بہ روایت سعید بن جبیر نقل کیا ہے کہ اصحاب کہف کا حال ایک پتھر پر کھود کر نصب کر دیا گیا تھا۔ اسی لیے "رقیم" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

(۳) عجب نہیں اس خیال کا باعث وہ عام شہرت ہو جو ایشیائے کوچک اور شام کے عیسائیوں میں ایک ایسے ہی واقعہ کی نسبت موجود تھی۔ قدیم لاطینی تحریرات میں ایک ایسی تحریر

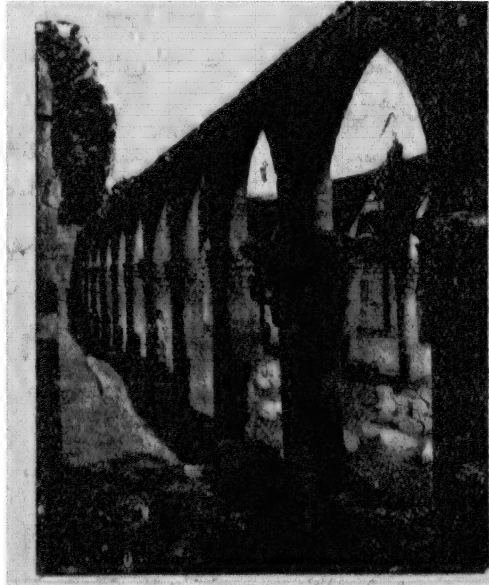
کچھ عرصہ کے بعد بنو اسرائیل کا زوال شروع ہو گیا۔ اہل اسیریا نے رفتہ رفتہ ان کے ممالک چھین لیے۔ ادومیا بھی باجگزار بن گیا۔ اہل اسیریا کو جب میدیا والوں کے ہاتھوں شکست ملی، تو ان کے ضعف نے نبطیوں کو پیٹرا پر قابض کرادیا۔ حضرت اسماعیل کے ۲۲۔ لڑے تھے۔ "نابت" سب سے بڑے تھے۔ ان سب بھائیوں کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئی۔ بنو نابت کو نبطی یا بنو نیابوط بھی کہتے ہیں۔ نبطیوں نے نہایت ترقی کی۔ ابتداءً ان کا پیشہ بحری قزاقی تھا۔ بعد کر ایک طاقتور اور متمکن قوم بن گئے۔ ان کے مکانات عالی شان اور سنگیں تھیں۔ تجارت، صناعت، سنگ تراشی، شیشہ سازی، ظروف سازی، پارچہ بافی، میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

انباط کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ اس کے حدود شمال میں دمشق تک، غرب میں فلسطین تک، اور جنوب میں وسط عرب تک پھیلے ہوئے تھے۔ پیٹرا یا رقیم ان کا دارالسلطنت تھا۔ ادومی و نبطی عہد میں پیٹرا تجارت عالم کا مرکز بن گیا تھا۔ پیٹرا کے عروج کے وقت رومی موسیٰ دنیا کی مشہور ترین شاہراہ تھی۔ کاروانوں کے گھنٹوں کی غیر منقطع جھنگار اور پے درپے قافلے کے شور و ہنگاموں نے اہل روما کو بھی متحیر کر دیا تھا۔ انباط کا آخری بادشاہ حارث رابع تھا۔ یہ بادشاہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) کا ہم عصر تھا۔ اس نے یہودیوں کے بادشاہ ہیرودس قاتل حضرت یحییٰ پر فوج کشی کی، اور میدان جنگ میں ہزیمت دی۔ پیرس حواری اسی حارث کے یہاں قید تھا، اور جیل خانہ سے کسی نہ کسی طرح فرار ہو گیا تھا۔ حارث کے بعد کوئی طاقتور حکمران پیدا نہیں ہوا۔ دولت انباط اہل روما کی ناقابل تسخیر قوت کی تاب مقاومت نہ لاسکی، اور ہمیشہ کے لیے اپنی آزادی کھو بیٹھی۔

عہد نامہ عتیق میں "سلاع" کے نام سے اس شہر کا تذکرہ ہے۔ عبرانی زبان میں سلاع کے معنی پہاڑی کے ہیں۔ جب فراعنہ

مصر کے مظالم نے بنو اسرائیل پر سرزمین مصر تنگ کر دی تھی، تو یہ شہر بہت زمانہ سے آباد تھا، اور پرانا شہر کہلاتا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ بنو اسرائیل نے صحرا نوردی سے تنگ آکر اہل پیٹرا سے پناہ کی درخواست کی تھی، لیکن انہوں نے اپنے دروازہ ان بد نصیبوں پر بند کر دیے۔ اسی لیے انبیاء بنی اسرائیل نے اہل پیٹرا کے حق میں سخت بد دعائیں کی تھیں۔

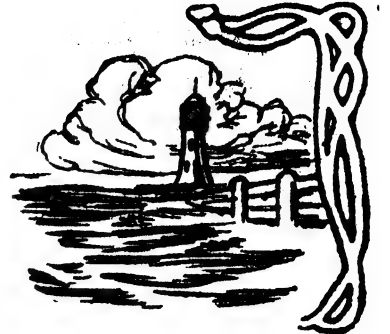
پیٹرا عرصہ دراز تک مصری تمدن کے زیر نگیں رہا۔ مصریوں سے اہل پیٹرا کے تجارتی تعلقات جاری رہتے تھے۔ اندم کے بادشاہان قدیم کی شادیاں فراعنہ مصر کے خاندانوں میں ہوتی تھیں۔ فن سنگ تراشی میں پیٹرا نے مصر سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ پیٹرا کے نوجوان اور متمول طلباء علم و فن کی تکمیل کے لیے مصر کا سفر کرتے تھے۔ دنیا کے شہروں میں پیٹرا مضبوط ترین شہر سمجھا جاتا تھا۔ سکندر اعظم نے بھی اس کے فتح کے لیے ایک جرار فوج بھیجی تھی، لیکن پہاڑی دیوار عبور نہ کرسکی۔ اگرچہ یونانی تلوار پیٹرا کو فتح نہ کرسکی، لیکن یونانی تمدن نے اسے مغتوح کر لیا۔ یونانی



"الدير"



بریک



اب میں مرد ہون!



ایک عورت کے خیالات مرد ہو جانے کے بعد!

اٹلی میں رہنا ٹیگرا زبان نامی ایک اٹھارہ سال کی دوشیزہ لڑکی تھی۔ اچانک اُس کے اعضاء میں تبدیلی شروع ہوئی۔ اب وہ پورے معنی میں مرد ہو گئی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے اُسے مرد ہونے کی سند دیدی ہے!

پچھلے دنوں ریوٹر ایجنسی نے یہ خبر تمام دنیا میں مشتر کر دی تھی۔ اب اسکی مزید تفصیلات انگلستان کے اخبارات میں آگئی ہیں:

یہ حیرت انگیز واقعہ گزشتہ ماہ اگست میں پیش آیا۔ اس سابق دوشیزہ اور حال کے نوجوان مرد نے اخبارات میں ایک مضمون شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں وہ مرد ہو جانے کے بعد اپنے تاثرات بیان کرتا ہے۔ چونکہ وہ اب تک اپنے جذبات میں نسوانیت کا تاثر ظاہر کرتا ہے، اسلئے بہتر ہے کہ ہم بھی اُس کا ذکر ضمیر مونس کے ساتھ کریں۔ وہ لکھتی ہے:

”بچپن ہی سے میرے دل میں یہ تمنا موجود تھی کہ کاش میں مرد ہوتی، تاکہ مردوں کی سی آواز زندگی بسر کر سکتی۔ لیکن اب جبکہ قدرت نے میرے لڑکپن کی یہ طفلانہ آرزو پوری کر کے دنیا کا سب سے بڑا عجیب واقعہ دکھا دیا ہے، میری خواہش بالکل برعکس ہو گئی ہے۔ کاش میں دوبارہ عورت ہو جاتی!

مسلئل: تین ہفتے اطباء کی ایک بڑی مجلس، میرا طبی معائنہ کرتی رہی۔ بالآخر متفقہ طور پر اُس نے فیصلہ صادر کر دیا کہ میں عورت نہیں رہی۔ مرد ہو گئی ہوں۔ قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ عجیب فتویٰ سن کر میری حیرت کا کیا حال ہوا ہوگا؟ میں مبہوت ہو کر رہ گئی۔ پھر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں نے اپنا منہ دڑنوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ میری ہچکی بندھ گئی۔

(۹) تورات میں جس پہاڑ کا ذکر ”جبل ہور“ کے نام سے کیا گیا ہے (جو عبرانی لفظ ہے) وہی آج کل ”جبل حور“ کے نام سے عربوں میں مشہور ہو گیا ہے۔ یہ خیال کہ یہاں حضرت ہارون علیہ السلام دفن ہوئے تھے، غلط نہیں ہے۔ تورات سے پوری طرح اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ سفر اعداد اصحاح ۲۰ میں حضرت ہارون کی وفات کا ذکر موجود ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپک اسی جغرافیائی محل میں ”جبل ہور“ کی بلندیوں پر حضرت ہارون نے وفات پائی تھی۔ اسلامی عہد میں بھی یہ مقام اس حیثیت سے مشہور تھا۔ چنانچہ غالباً عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی۔ مسجد اسوقت تک موجود ہے۔

اس وقت تک موجود ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ پانچویں صدی مسیحی میں انطاکیہ کے ایک بطریق نے یہ تحریر لکھی تھی۔ اس میں سات آدمیوں اور اُن کے ایک وفادار کتے کرائیمیری نامی کا (جسے عربی میں قلمبر کر لیا گیا ہے) قصہ بیان کیا گیا ہے۔

(۴) لیکن اگر ”رقیم“ سے مقصود وہی شہر ہے، جس کا ذکر عہد عتیق اور یوسف کی تاریخ میں ہے، تو ”رقیم“ عبرانی لفظ ہے نہ کہ عربی، اور اس لیے عربی مادہ کی اس کے لیے جستجو سرد مند نہیں۔ عبرانی میں یہ لفظ ”راقیم“ تھا۔ عربی میں ”رقیم“ ہو گیا۔

(۵) عرب شعراء جاہلیہ کے کلام میں جس طرح کھف کا ذکر پایا جاتا ہے، ”رقیم“ کا بھی ذکر موجود ہے۔ امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے:

رلیس بها الا الرقیم مجارراً

رمیدہم، والقوم فی الکھف ہمد

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب جاہلیت کے لوگ ”الرقیم“ سے واقف تھے، اور اصحاب کھف کے قصہ کی بھی شہرت تھی۔ البتہ تمام پرانے واقعات کی طرح یہ واقعہ بھی بہت کچھ معروف ہو گیا تھا، اور طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہو گئی تھیں۔ قرآن حکیم نے اصلی واقعہ آشکارا کر دیا۔

(۶) بلاشبہ اغلب یہی ہے کہ ”الرقیم“ سے مقصود یہی شہر ہو۔ الرقیم عرب میں یا عرب سے بالکل متصل واقع تھا۔ قرب کی وجہ سے وہاں کے حالات قدرتی طور پر اہل عرب کے علم میں آتے رہتے تھے۔ اگر عام مفسرین اور مورخین کا یہ خیال تسلیم کر لیا جائے کہ اس واقعہ کا تعلق ایشیائے کوچک کے رومی شہر ایفی سس (افسوس) سے تھا، تو قدرتی طور پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عرب جاہلیہ میں ایک رومی شہر کا واقعہ جو یونانی زبان میں لکھا گیا تھا، کیونکر مشہور ہو گیا؟

(۷) مفسرین میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے۔ چنانچہ امام ابن جریر اور ابراہم الغدائ نے ان کے اقوال نقل کیے ہیں۔

(۸) مضمون میں ایک پہاڑی چشمہ کا ذکر ہے جسکی نسبت عربوں میں مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام والا چشمہ ہے۔ یہ شہرت بے اصل نہیں معلوم ہوتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنو اسرائیل کے قبائل ساتھ لیکر مصر سے نکلے، تو فلسطین تک پہنچتے پہنچتے دو واقعات پہاڑی چشموں کے بہنے کے پیش آئے۔ پہلا واقعہ وادی سینا میں پیش آیا تھا، جس کا ذکر سفر خرچ کی فصل ۱۷ میں ہے۔ دوسرا واقعہ وہ ہے جو اندمیں کے ملک کے قریب ایک ایسے موقع پر پیش آیا تھا جہاں سے ”جبل ہور“ قریب تھا۔ اس کا ذکر سفر اعداد کے اصحاح ۲۰ میں ہے۔ یقیناً یہ دوسرا واقعہ شہر رقیم ہی سے تعلق رکھتا ہے، اور اسی لیے اسکا نام وادی موسیٰ مشہور ہو گیا ہے۔

مجھ سے کہتے ہیں 'اڑھ مارے ساتھ مل کر نوجوان لڑکیوں سے ملاقاتیں کر۔ کیونکہ تم بھی ہماری ہی طرح مرد ہو گئے ہو' مگر وہ بالکل نہیں جانتے کہ اگرچہ میں مرد ہو چکی ہوں، مگر اب تک میرے جذبات نسوانی ہی ہیں۔ میں ہر خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر آتش رشک میں جلنے لگتی ہوں۔ وہ مجھے اپنی رقیب معلوم ہوتی ہے!

میں اب مرد ہونے کے بعد زندگی پر نظر ڈالتی ہوں تو پہلے سے مختلف پاتی ہوں۔ اب زندگی میرے لیے ایسی رحیم و شفیق نہیں رہی جیسی پہلے تھی۔ اب خود مجھے دوسروں کی حمایت کرنے کے فرائض ادا کرنا پڑتے ہیں۔ حالانکہ پہلے دوسرے لوگ میری حمایت کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ مجھے اپنی تڑپیں و آرائش کے سوا کوئی فکر نہ تھی۔ اب مجھے اپنے ساتھ تھپتھپانے والی عورتوں کے مصارف اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتے ہیں، حالانکہ پہلے میرے مصارف دوسروں کے ذمے ہوا کرتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ اب میری آزادی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اب میں اپنی زندگی کی مالک ہوں۔ آزادی سے جہاں چاہوں جاسکتی ہوں، اور جتنی دیر چاہوں، گھر سے باہر رہ سکتی ہوں۔

شروع میں خیال تھا کہ نوجوان مرد اور نوجوان عورتیں، دونوں مجھ سے نفرت کریں گے۔ میری یہ جنسی تبدیلی کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی۔ مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ میرا خیال غلط تھا۔ دونوں گروہ مجھے پسند کرتے ہیں۔ مرد اس لیے کہ مرد ہو گئی ہوں اور ان کی صحبتوں اور گفتگوؤں میں مرد کی طرح حصہ لینے لگی ہوں۔ عورتیں اس لیے کہ پہلے میں انہی کی طرح عورت تھی میری طرف زیادہ رغبت کا اظہار کرنے لگی ہیں اور مجھ سے محبت کی طالب ہیں۔ لیکن عورتوں کی یہ حرکت مجھے بالکل نہیں بھاتی۔ کیونکہ اگرچہ طبیعت میں میرے مرد ہو جانے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ مگر میرا احساس هنوز یہی ہے کہ میں عورت ہوں!

جنوبی اخبارات نے میری اس "بد نصیبی" کی خبر شائع کی، یورپ کے مختلف شہروں سے تقریباً پچاس درخواستیں عورتوں نے میرے پاس بھیج دیں۔ جن میں لکھا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرنے کے لیے طیار ہیں۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ وہ مجھ سے شادی کیوں چاہتی ہیں؟ سب نے بالاتفاق لکھا تھا "ہم تم سے اس لیے شادی پسند کرتے ہیں کہ تم پہلے عورت تھیں، اس لیے عورتوں کے احساسات و جذبات سے بخوبی واقف ہو۔ تم دنیا کے تمام مردوں سے زیادہ بہتر شوہر بن سکتی ہو"

لیکن میں کسی عورت سے بھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔ میں نے قسم کھا لی ہے کہ اپنے منگیتر سے معزوم ہو جانے کے بعد اسی کی طرح میں بھی عمر بھر بغیر شادی کے رہوں گی!

تمام طبیعت کا بیان ہے کہ میری یہ تبدیلی نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ مئی کی ایک یونیورسٹی مجھے ایک ہزار پونڈ اس شرط پر دے رہی ہے کہ موت کے بعد اپنی نعش اُس کے حوالہ کر دوں اور وہ میری جسمانی ساخت کا معائنہ کرے۔ ہر طرف سے لوگ مجھے لکھ رہے ہیں کہ اگر میں دنیا کا دورہ کر دوں تو بڑی دولت جمع کر لوں گی۔ ایک سینما کمپنی کی بھی درخواست آئی ہے۔ وہ میری تصویریں لیکر تماشاکاروں میں دکھانا چاہتی ہے۔ لیکن میں اس قسم کی کوئی بات بھی منظور نہیں کروں گی۔ میں اپنے جسم کو مال جمع کرنے کا آلہ بنانا نہیں چاہتی!

میں ازل سے "نہیں" کہتی تھی، میں مرد ہونا نہیں چاہتی! اب یہ زمانہ کیڑے اتار دو۔ ایک ڈاکٹر نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "اب ہمارا جیسا کٹ پتلیوں میں لو۔ آج کے بعد یہ ریشمین جرابیں اور لڑھی لڑھی کا جوتا نہ پہنتا! اب تم ہماری طرح مرد ہو گئی ہو!"

میری مصیبت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ مجھے اپنے منگیتر کو یہ ہولناک خبر سنانا ابھی باقی تھا!

"خدا یا! میں کیا کروں؟" راستے میں میں خیال کرنے لگی "اپنے منگیتر سے کیونکر کہوں۔؟ آف! یہ منحوس خبر اُسے کیسے سناؤں؟"

"میرے دوست" میں نے انتہائی حسرت و یاس سے لڑکھڑائی "آواز میں اپنے عاشق کو مخاطب کیا" اب میں عورت نہیں رہی۔ ہماری شادی ناممکن ہے!۔"

اُس نے قہقہہ مارا اور مجھے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ لیکن میں نے سنجیدگی سے تمام واقعہ سنا دیا۔

"کیا؟" وہ غصہ سے چلابا "کس شیطان نے تم سے یہ کہہ دیا ہے؟" میں نے جیب سے طبی سندیں نکال کر اُسکے سامنے ڈال دیں۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ ہم دیر تک حسرت و یاس سے بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ بار بار اُس پر ایک غشی کی سی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ ہم دونوں اپنی پچھلی محبت پر غور کرتے تھے، اپنے وعدے یاد کرتے تھے، مستقبل کا خیال کرتے تھے، اور یہ سب کچھ ایک خواب سا معلوم ہوتا تھا۔ ایسی غمناکی بھٹی (بھٹی) دنیا میں کبھی واقع نہیں ہوئی ہوگی!

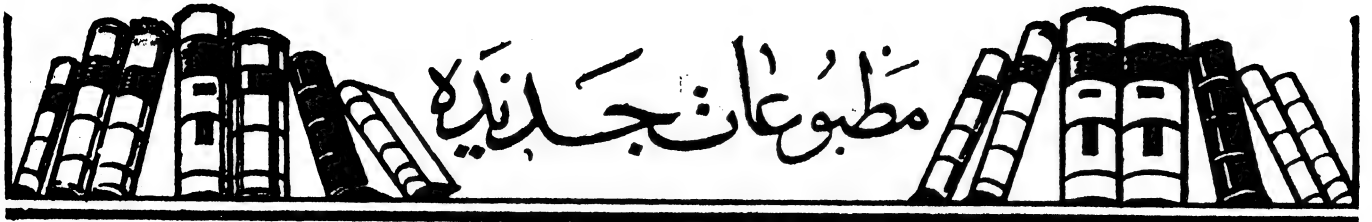
میں اگرچہ اب مرد ہو چکی تھی، لیکن اپنے منگیتر کی محبت میرے دل میں بالکل اُٹنی ہی اور ایسی ہی تھی، جتنی اور جیسی عورت ہونے کی حالت میں ہو سکتی ہے۔ میری حسرت بے حساب تھی۔ میں خیال کر رہی تھی کہ میرا عاشق اگر چاہے تو کسی دوسری عورت کو اپنی بیوی بنالے سکتا ہے، لیکن میں کتنا ہی چاہوں، اب کسی مرد کو اپنا شوہر نہیں بنا سکتی!

"کچھ پروا نہیں!" میرا عاشق جوش سے چلا کر کھڑا ہو گیا۔ "اگر تم مرد ہو گئی ہو تو کوئی پروا نہیں۔ میں تم سے اب بھی محبت کروں گا۔ اگر تم میری بیوی نہیں بن سکتی، تو دوست تو بن سکتی ہو؟ میں تم سے ایسی محبت کروں گا، جیسی محبت اس آسمان کے نیچے کسی نے بھی اپنے دوست سے نہیں کی ہوگی! میں زندگی بھر تمہارے نام پر کھڑا رہوں گا!"

پھر ہم دونوں نے نہایت جوش سے مصافحہ کیا۔ لیکن کیسا مصافحہ؟ مردانہ مصافحہ!

جب میں نے پہلی مرتبہ خوبصورت زنانے کیڑے اتار کر مردانے کیڑے پہنے، تو بے اختیار دل بھر آیا، اور ہوت ہوت کر روئے لگی۔ آہستہ آہستہ میں جب میں نے اپنی صورت دیکھی، تو رنج و غم کی شدت سے میرا دل قریب تھا کہ پھٹ جائے۔ آج میں بازاروں میں اپنی سہیلیوں کو زنانہ لباس میں چلتے دیکھ کر رشک و حسد سے جل جاتی ہوں۔ ہر عورت کے نسوانی رجحان کا منظر میری آنکھوں کے لیے غم ناک ہے۔ میرا دل بے اختیار روئے لگتا ہے!

یہ عجیب بات ہے کہ نوجوان مرد جو پہلے مجھ سے اظہار محبت کرتے تھے اور مجھے اپنے ساتھ معزوم مباحثات سے تھپتھپاتے تھے، اب



سفیرون کا استقبال

حال میں ایک دلچسپ کتاب جرمنی میں شایع ہوئی ہے : ”ایزنہ رستوں کے شاہی مراسم“ اس کے بعض حصوں کا ترجمہ مصری معاصر المقتطف نے شائع کیا ہے۔ ذیل کا ٹکڑہ اسی سے ماخوذ ہے :

قدیم زمانہ میں سفراء کے استقبال و ملاقات کے لئے دربار بڑی شان و شوکت سے سجائے جاتے تھے۔ بادشاہ اس بارے میں بہت زیادہ اہتمام کا اظہار کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں اگرچہ وہ پرانی شان و شوکت باقی نہیں رہی، تاہم سفراء کی ملاقات و استقبال کے معین اصول و قواعد موجود ہیں، جن کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ ان اصول و قواعد کو بین الاقوامی زبان میں ”پروٹوکول“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(عربی سفرا)

عربی عہد حکومت میں سفراء کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ موجودہ زمانہ کی طرح اس وقت بھی سفیر در قسم کے ہوتے تھے : عارضی اور دائمی۔ عارضی سفیروں کا کام کسی خاص پیغام کا پہنچانا یا کوئی خاص مہم انجام دینا ہوتا تھا۔ دائمی سفیروں کو دوسری سلطنتوں میں ہمیشہ حاضر رہنا پڑتا تھا۔

صاحب نہایت العرب کی تصریح کے مطابق عربوں نے سفیر کے لیے یہ شرطیں قرار دی تھیں : ”خوبصورت ہو۔ اس کا نام خوشگوار ہو۔ متدین اور پارسا ہو۔ مخلص، امین، اور نیک طینت ہو۔ حاضر جواب ہو۔ معاملہ فہم ہو۔ خوشامد کا عادی نہ ہو۔ رشوت قبول نہ کرے۔ درپوک نہ ہو...“

عرب خلفاء بیرونی سفیروں کی بڑی خاطر مدارات کرتے تھے۔ فاطمی عہد حکومت میں سفیروں کے قیام کے لیے ایک نہایت ہی شاندار محل مخصوص تھا، اور خلفاء کا حکم تھا کہ ان کی زیادہ سے زیادہ عزت کی جائے۔

استقبال کا طریقہ یہ تھا کہ اگر سفیر سپہ سالار کی قسم سے ہوتا، تو اس کے پہنچتے ہی خلیفہ ملاقات کرتا اور پیغام سننا تھا... اگر فوجی آدمی نہ ہوتا، تو ملاقات سے پہلے تین دن تک مہمان خانہ میں رکھا جاتا تھا۔ اس اثنا میں کوئی شخص بھی اس سے نہیں مل سکتا تھا۔ چوتھے دن خلیفہ کا دربار آراستہ کیا جاتا۔ جنگی افسر رعب و داب سے صغیر بنندہ کرکے ہوجاتے۔ بادشاہ اپنی پوری شان و شوکت سے تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوتا۔ ارکان حکومت اپنے اپنے رتبہ کے مطابق بیٹھتے۔ جب سب انتظام مکمل ہوجاتا، تو صاحب اعظم، سفیر کو لیے دربار میں داخل ہوتا۔ جوں ہی خلیفہ کا چہرہ دکھائی دیتا، سفیر فرش زمین کو بوسہ دیتا۔ پھر ادب کے ساتھ آہستہ آہستہ وسط دربار میں پہنچتا، اور وہاں سے معجزاً ادا کرنے کے بعد اس مقام پر پہنچایا جاتا، جہاں خلیفہ سے ہم کلامی

کرسکتا تھا۔ اس مقام پر پہنچکر سفیر کھڑا رہتا۔ اس کے گرد شاہی حاجب اور مترجم دست بستہ کھڑے ہوتے۔ خلیفہ جب گفتگو کی اجازت دیتا، تو سفیر معجزاً ادا کرکے اپنے بادشاہ کا سلام پہنچاتا۔ خلیفہ اس بادشاہ کے درجہ کے مطابق سلام کا جواب دیتا۔ پھر سفیر اپنی جیب سے بادشاہ کا خط نکال کر اپنی آنکھوں اور سر پر رکھتا اور خلیفہ کے حضور پیش کردیتا۔ اگر خلیفہ کو اس بادشاہ کی عزت افزائی منظور ہوتی، تو کھڑے ہو کر اس کا خط اٹھاتا تھا۔ پھر رزبروں کو خط کے کھولنے اور پڑھنے کا حکم دیتا تھا۔ تھوڑی دیر معمولی سلام کلام کے بعد سفیر کو بیٹھنے کی اجازت ملتی۔ وہ آداب بجا لاکر اپنی جگہ بیٹھ جاتا۔ دربار کے بعد سفیر مہمان خانہ بھیج دیا جاتا تھا۔ نج کی ملاقاتیں بعد میں ہوتی تھیں۔

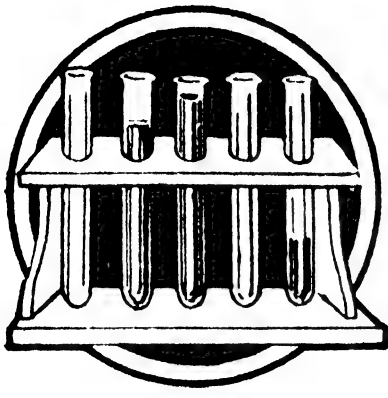
(فرانس کے شاہی رسوم)

فرانس میں جب شاہی قائم تھی، تو سفیروں سے ملاقات کا طریقہ یہ تھا کہ پیورس میں چند روز قیام کرنے کے بعد وہ رزبر تشریفات سے ملاقات کرتا تھا۔ رزبر اسے بتاتا تھا کہ بادشاہ کس دن ملاقات کریگا۔ ملاقات سے تین دن پہلے شاندار شاہی گاڑیاں سفیر کی قیام گاہ پر پہنچتی تھیں، اور اسے مع اس کے مصاحبوں کے سفیروں کی مہمانی کے خاص محل میں لیجاتی تھیں۔ یہاں وہ بادشاہ کا مہمان ہوتا تھا۔ یہ محل نہایت آراستہ ہوتا تھا اور مہمان کی تواضع میں غیر معمولی فیاضی سے کام لیا جاتا تھا۔ روزانہ دعوتیں ہوتی تھیں، اور سفیر کے خوش کرنے کی پوری کوشش کی جاتی تھی۔

سفیر جتنے زیادہ درملک کا ہوتا تھا، اتنی ہی زیادہ اس کی خاطر مدارات کی جاتی تھی۔ مرزخین کا بیان ہے کہ ترکی سفیر کے صرف کھانے پر شاہ فرانس روزانہ ۵۰۰ اشرفی خرچ کرتا تھا۔ سنہ ۱۶۹۹ء میں جب سلطنت مراکش کا سفیر آیا، تو بریست کے قیام کے دوران میں ۹۰۰۰ پونڈ، اور پیرس کے قیام میں ۳۱۷۰۰ پونڈ صرف کیے گئے۔ شہر بریست سے پایہ تخت تک سفر میں ۳۸۰۰ پونڈ صرف ہوئے تھے۔ یعنی کل ۴۴۵۰۰ پونڈ یا ۶۶۷۵۰۰ روپیہ خرچ کیے گئے تھے !

اس زمانہ میں دستور تھا کہ سفیر کے دسترخوان کے تماشہ کیلئے پیرس کے عمائدین بلائے جاتے تھے۔ انکی موجودگی میں سفیر کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ بادشاہ سے ملاقات کے دن سفیر ایک دوسرے محل میں منتقل کیا جاتا۔ یہاں کچھ دیر ٹہرنے کے بعد شاہی سواریاں آئے لینے آتی تھیں، اور اسکا جلوس دیکھنے کیلئے پیرس کی سڑکوں پر تماشائیوں کا ہجوم ہو جاتا تھا۔

روسلز کے شاہی محل تک پہنچنے میں کامل تین گھنٹے لگتے تھے۔ محل کے پھاٹک اور بیرونی میدان میں سفیر کو صف بستہ فوجیں نظر آتی تھیں۔ ان سے گزر کر وہ سیڑھیوں پر چڑھتا ہوا محل



مذاکرہ علمیہ



علوم مادیہ کی ترقی

اور

علماء کے حوصلے

— — — — —

عقل انسانی کس حد تک ترقی کر سکتا ہے؟ مادی علم کی تک و دو کہاں پر جانے تک؟ علماء کے حوصلے کیا ہیں؟

علم کی موجودہ حیرت انگیز ترقیاں دیکھ کر یہ سوال ہر شخص کے ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جواب بہت مشکل ہے۔ اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم کاغذات فطرت کے جملہ مادی و روحانی راز معلوم کر لیتا چلائے گا۔ آجیہ وہ اس وقت تک صرف چند گوشوں ہی پر سے پردہ اٹھا سکا ہے۔ فی الحال علماء کے سامنے اہم ترین مسائل حسب ذیل ہیں:

- (۱) شباب کی تجدید
- (۲) زندگی کی زیادہ سے زیادہ تطویل
- (۳) حسب مرضی نسل کی تولید
- (۴) زندگی کی تخلیق
- (۵) موت کے بعد زندگی کا اعادہ

علم اور علماء کے یہ حوصلے آجیہ تک نہیں ہیں۔ قدیم ترین زمانوں سے یہ مسائل زیر بحث ہیں۔ البتہ پہلے دنیا ان مسائل کے اشتغال کو جان سمجھتی تھی اور ان پر ہانسی تھی۔ لیکن اب نہ کوئی ہنسنا ہے نہ جان سمجھتا ہے۔ بلکہ سب حیرت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حیرت انگیز علمی انکشاف دیکھنے کے منتظر رہتے ہیں۔ کیونکہ گزشتہ ۱۵ برس میں علم کے زیادہ سے زیادہ ناممکن باتیں ممکن کر دکھائی ہیں۔

دائمر ورزوف کے اب بذکرت عملی تجارب سے ثابت کر دیا ہے کہ شباب کی عمل تجدید دہم و خیال نہیں ہے جیسا کہ پہلے سمجھا جاتا تھا، بلکہ واقعہ و عشاءہ ہے۔ اس دائمر کے ازار ہذا ہزاروں اور ہاتھ لاکھ جوان بنا دیا ہے۔ وہ اب تک زندہ ہیں اور صحیح معنوں میں جوان ہوئے ہیں۔

حال ہی میں یہ علمی انکشاف بھی ہوا ہے کہ ایک مرتبہ ہوائے کچھوٹے کا دل اطباء کے مات لیا اور ملک پورانس اور سوڈے کے اجزاء سے ممزوج ترق میں ڈال دیا۔ چند ہی لمحے بعد دل میں زندگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ زندہ دل کی طرح حرکت کرنے لگا۔ کئی گھنٹے تک زندہ رہا۔ حالانکہ کچھ دیر سے مورا پڑا تھا!

قلب کو زندہ کر دینے کا یہ پہلا تجربہ نہیں ہے۔ اس قسم کے بے شمار تجربے ہو چکے ہیں۔ یہ عمل مدت سے جاری ہے کہ موت

نے بالائی حصہ پر پہنچنا اور اس اوزان میں داخل ہونا جس میں بادشاہ ولی عہد اور ارکان سلطنت بڑے جاہ و جلال سے بیٹھے ہوتے تھے۔ شاہی استقبال کے بعد سفیر اپنی تحریر اسناد سناتا تھا اسکے بعد اپنے کاغذات پیش کرتا۔ پھر بادشاہ کے حضور اپنے ساتھیوں اور مصاحبوں کو ایک ایک کر کے پیش کرتا۔ استقبال کا یہ جاسد بہت دیر تک رہتا تھا۔ پھر سب کہانے کے کمرے میں جاتے تھے اور دعوت شروع ہو جاتی تھی۔ بعض سفیر اس قدر ہمزادلی اور ہزاری زدیاں پہنچاتے تھے کہ آٹکے بوجھ سے کہانا نہیں دیا سکتے تھے۔ عجیب ہوتے تھے کہ دسترخوان پر بیٹھنے سے پہلے دوسرے کمرے میں جا کر اپنا لباس بدل لیتے۔ دعوت کے بعد سفیر پھر اپنی سرکاری وردی پہن لیتا اور ولی عہد اور وزراء وغیرہ سے ملاقات کرتا۔ یہ ملاقاتیں بھی اتنی لمبی ہوتی تھیں کہ سفیر تک جاتا تھا اور کہانے کے کمرے میں دو بارہ جا کر بیٹھتا تھا۔

لیکن اب یہ طریقے موقوف ہو گئے ہیں۔ آج کل یورپ میں یہ دستور ہے کہ نئے سفیر کے پہنچنے کے بعد دو بجے حاجب سفارت خانہ جاتا ہے۔ سفیر اور اس کا عملہ سرکاری وردیاں پہنے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ چند مدت بعد سرکاری کارروائی اور ہانسی گارڈ پہنچ جاتا ہے اور سفیر صدر جمہوریت یا بادشاہ کی ملاقات کے لیے محل اور روانہ ہو جاتا ہے۔ سفیر کے پہنچنے پر جنگی موسیقی کے ذریعہ اسے سلامی دی جاتی ہے۔ جس ملک کا سفیر ہوتا ہے، پہلے اسی ملک کا گانا گایا جاتا ہے۔ پھر فوجی کیت بجایا جاتا ہے۔ موسیقی سے فارغ ہو کر سفیر اور اس کے ساتھی گارڈوں پر سے اترتے ہیں۔ زیریں سیزھی پر دو فوجی افسر استقبال کرتے ہیں اور سفیر کو مع اس کے ہمراہیوں کے استقبال کے کمرے میں لیجاتے ہیں۔

استقبال کے کمرے میں ایک طرف صدر جمہوریت یا بادشاہ اور ارکان حکومت ہوتے ہیں، دوسری طرف سفیر اور اس کے ساتھی۔ دونوں کے بیچ میں حاجب اور مترجم کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حاجب سفیر کا نام اور لقب پڑھ کر اس کا تعارف داتا ہے۔ پھر سفیر اپنے کاغذات پیش کرتا اور لکھی ہوئی تقریر پڑھ کر سناتا ہے۔ صدر جمہوریت یا بادشاہ جوابی تقریر کرتا ہے۔ پھر رسمی گفتگو ہوتی ہے۔ طرفین کے آدمیوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا جاتا ہے اور مصباحہ پر تقریب ختم ہو جاتی ہے۔

نظام شمسی کے جملہ کواکب، بالکل تاریک ہوجائیں گے۔ غذائی مادے کم ہو کر بالکل ناپید ہوجائیں گے۔ مہلک وبائیں پھیل جائیں گی۔ انسان، حیوان، نباتات، کوئی ذی روح، بھی باقی نہیں رہیگا۔ کیونکہ زمین، زندگی پیدا کرنے اور قائم رکھنے کی صلاحیت سے قطعی طور پر محروم ہوجائے گی!

علماء کے خیال میں یہ نتیجہ لازمی ہے۔ دنیا کی ہرادی اسی طور پر واقع ہوگی۔ لیکن یہ ہرادی کب ہوگی؟ کیا ہم یا ہماری قریبی نسلیں یہ ہولناک نتیجہ دیکھ سکیں گی؟

نہیں۔ علماء نے آفتاب کی حرارت اور روشنی کا حساب لگا کر بتایا ہے کہ ابھی آفتاب میں اتنی قوت موجود ہے کہ وہ کم سے کم ۱۰۰۰۰۰۰۰ سال تک نظام شمسی کو زندہ رکھ سکتی ہے!

لیکن آفتاب اچانک نہیں بجھ جائیگا۔ بتدریج بجھ گا۔ کیونکہ وہ بتدریج اپنی قوت حرارت کھو رہا ہے۔ اس وقت آفتاب کی حرارت، دھرتی کے مقیاس کے حساب سے دس ہزار درجہ ہے۔ علماء کا خیال ہے کہ جب یہ حرارت نو ہزار درجے پر آ جائے گی، تو کرہ ارضی کے خط استوا پر حرارت، صفر کے نیچے گر جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کوئی انسان بھی خط عرضی کے درجہ ۶۰ سے اوپر زندہ نہیں رہ سکے گا، (بجز سکنداریا کے جہاں سمندر کا وہ دھارا موجود ہے جسے "خلیج کا دھارا" کہتے ہیں اور جو اتنی حرارت باقی رکھے گا کہ زندگی برقرار رہے) الا یہ کہ جنوب سے غذا مہیا کرنے کا اس کے پاس سامان موجود ہو۔

علماء کا خیال ہے کہ جب آفتاب کی حرارت نو ہزار درجے پر آجائے گی، تو تمام انسان سمیت کر خط استوا کے گرد جمع ہوجائیں گے۔

انہیں سب سے بڑی فکر غذا حاصل کرنے کی ہوگی۔ اس وقت سخت جنگیں برپا ہونگی۔ کیونکہ آدمی زیادہ ہونگے اور غذا کم ہوگی۔ طاقتور، کمزوروں کو ہلاک کر ڈالیں گے۔ تنازع للبقا اور بقاء اصلح کا قانون یورپی بے دردی سے ناند رہے گا۔ طاقتوروں کو بھی اطمینان نصیب نہ ہوگا۔ کیونکہ سورج برابر ٹھنڈا ہوتا رہے گا۔ غذا کم ہوتی جائے گی، اور زندگی کے لیے انسانوں میں برابر جنگ جاری رہے گی!

حرارت کے ساتھ آفتاب کی روشنی بھی لازمی طور کم ہوتی جائے گی۔ بتدریج آسمان کا نیلا رنگ بدل کر تیز زرد ہوجائے گا۔ ابر کا رنگ بھی زرد ہوجائے گا۔ آفتاب کی شعاعیں حسب ذیل ترتیب سے زائل ہوجائیں گی:

(۱) مارا بنفشی شعاعیں

(۲) بنفشی شعاعیں

(۳) نیلی شعاعیں

(۴) اردی شعاعیں

(۵) سبز شعاعیں

(۶) زرد شعاعیں

(۷) نارنجی شعاعیں

(۸) سرخ شعاعیں

جب آفتاب کا نور بہت کم ہوجائے گا، تو اس کی شعاعیں سراسر سرخ ہوجائیں گی۔ پہاڑوں پر جمی ہوئی تمام برف اس وقت سرخ یا زرد دکھائی دے گی!

طاری ہونے کے بعد سینہ چیر ڈالتے ہیں اور خاص طریقوں سے دل کو ملنا شروع کر دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں دوران خون شروع ہوجاتا ہے۔ دل ہلنے لگتا ہے، اور دل کی حرکت کے ساتھ ہی تمام جسم میں زندگی واپس آجاتی ہے۔ حال ہی کا واقعہ ہے کہ لندن کے شفاخانہ سینٹ تھامس میں ایک عورت مسز ادیلڈ ایک خطرناک عمل جراحی میں فوت ہوئی۔ ڈاکٹر نے فوراً اس کا سینہ چاک کر ڈالا اور دل کی مالش شروع کر دی۔ پندرہ منٹ بعد عورت بالکل زندہ ہوئی تھی۔ البتہ وہ بیہوش رہی، اور تیس گھنٹے بعد ضعف قلب کی وجہ سے پھر مر گئی۔

اس سے بھی زیادہ عجیب تجربہ علماء نے یہ کر دکھایا ہے کہ جانداروں کے سر کاٹ کر ایک دوسرے کے جسم میں لگا دیے ہیں اور وہ زندہ رہے ہیں! چنانچہ پچھلے دنوں لندن میں علماء کے ایک جم غفیر کے سامنے ایک ڈاکٹر نے بہت سے جھینگروں کے سر کاٹ دیے۔ پھر ایک کا سر دوسرے میں جوڑ دیا۔ حاضرین یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ چند لمحے بعد تمام جھینگر اپنے نئے سروں کے ساتھ کودنے لگے تھے! تجربہ یہیں پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ کچھ مدت بعد جھینگروں میں جنسی تبدیلی بھی ظاہر ہوئی۔ یعنی جن میں مادہ کے سر لگائے گئے تھے، وہ مادہ ہو گئے، اور نر سروالے نر بن گئے!

یہ شعبہ نہ تھا۔ ایک علمی تجربہ تھا۔ علماء کی نظر میں اس تجربے کی بہت اہمیت ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہ تجربہ حسب مرضی نسل پیدا کرنے کا دروازہ کھول دے گا۔ انسان اپنی پسند کے مطابق نر یا مادہ اولاد پیدا کر سکے گا۔

اسی سلسلہ میں یہ علمی تحقیق بھی قابل ذکر ہے کہ علماء نے تجربے سے معلوم کر لیا ہے کہ اگر مچھر کی پرورش سرد مقام میں کی جائے اور غذا کم دی جائے، تو اس کی نسل عموماً نر پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے گرم جگہ میں رکھنے اور زیادہ خوراک دینے سے اولاد زیادہ تر مادہ پیدا ہوتی ہے۔ اس تجربے کی بنا پر انسانی مردم شماری کی تحقیقات کی گئی، تو معلوم ہوا عام مصائب خصوصاً جنگ کے زمانوں میں مرد زیادہ پیدا ہوتے ہیں، اور امن و راحت کے دوران میں عورتیں زیادہ ہوجاتی ہیں۔

آج کل علم وراثت کے ماہر نہایت کوشش کر رہے ہیں کہ مادی و دماغی، ہر اعتبار سے انسان کی آئندہ نسلیں زیادہ ترقی یافتہ پیدا کریں۔ ڈاکٹر شٹناخ اور ورزوف وغیرہ علماء کی کوششوں سے یہ امید پیدا ہو گئی ہے کہ اس مقصد میں ضرور کامیاب ہوجائیں گے۔ ان ڈاکٹروں کا دعویٰ ہے کہ اس صدی کے ختم ہونے سے پہلے ہی انسانی عمر کا اوسط، سو برس ہوجائے گا۔ اور پھر بہت جلد یہ صورت پیدا ہوجائے گی کہ انسان دیر سے بلکہ دو سو برس تک کی عمر حاصل کر سکے گا۔

لیکن ان تمام حیرت انگیز کامیابیوں کے باوجود علم معترف ہے کہ وہ ابھی تک اپنے عہد طفولیت ہی میں ہے، اور قدرت الہی انسان کو جسقدر دولت علم بخشنا چاہتی ہے، ابھی اس کا سوراں حصہ بھی انسان نے حاصل نہیں کیا ہے!

(جب سورج بجھ جائے گا)

بالاتفاق تمام علماء فلک کا فیصلہ ہے کہ سورج کا حجم کم ہو رہا ہے، کیونکہ اس کی حرارت میں لگا تار کمی واقع ہو رہی ہے۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب اس کی حرارت بالکل ختم ہوجائے گی۔ وہ بجھ جائے گا۔ بالکل ٹھنڈا ہوجائے گا۔ اس وقت ہمارا یہ کرہ زمین اور

(کیا کھانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی ؟)

علماء کی رائے ہے کہ ویتامین Vitamine ہی دراصل ہماری تمام غذا کا حقیقی جوہر ہے۔ اسی پر زندگی کا دار و مدار ہے۔ ویتامین کی بہت سی قسمیں قرار دی گئی ہیں، اور ہر قسم کا حرف الہیہ پر الگ الگ نام رکھ دیا گیا ہے۔ بعض جرمن علمی رسائل کا بیان ہے کہ ایک جرمن کیمیائی کو ویتامین (الف) کی ایجاد میں کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔

سر الفریڈ موند نے حال میں اس جرمن عالم کی تحقیقات کا معائنہ کیا، اور اپنے خیالات اس بارے میں شائع کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

”اگر اس جرمن عالم کا دعویٰ صحیح ہے کہ اس نے ویتامین کیمیائی طریق پر طیار کر لی ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم عنقریب جملہ میوؤں، سبزیوں، ترکاریوں، اور مچھلی کے تیل وغیرہ غذاؤں سے مستغنی ہو جائیں گے۔ ہماری اقتصادی زندگی میں عظیم انقلاب ہو جائیگا۔ کوئی ملک اپنی غذا میں دوسرے ملک کا محتاج نہیں رہے گا۔ انسان کی غذا، ویتامین کی گتیاں ہونگی، اور بہتر سے بہتر خوراک کا کام دینگی۔“

”اٹنا ہی نہیں بلکہ پورے عالم تمدن پر اس کا اثر پڑے گا۔ جسم انسانی کی موجودہ ترکیب میں بھی تبدیلی ہو جائیگی۔ اس جدید غذا کے لیے معدے کی ضرورت باقی نہیں رہیگی۔ ایک زمانہ ایسا آجائیکا جب انسان کے جسم سے معدہ بالکل غائب ہو جائیگا۔“

اطلاع

مولانا ابوالکلام کی علالت

۲۴ - ستمبر سے مولانا ابوالکلام کی طبیعت برابر علیل ہے۔ چلے پیری پیری مرض کے اشتداد سے دوران سر کی تکلیف شروع ہوئی۔ پھر سرخ بخار (ڈینگر فیر) لاحق ہو گیا۔ اس کی آج کل کلکتہ میں عام شکایت ہے۔ اب اگرچہ بخار اتر چکا ہے، مگر اس کی وجہ سے بیکہ طبیعت کمزور ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ال انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسوں میں بھی وہ حصہ نہ لے سکے، بجز رکنیک کمیٹی کے جلسوں کے جو ان کی علالت کے خیال سے انہی کے مکان میں منعقد ہو رہی ہیں۔

جن حضرات کے خطوط اس دو ہفتہ کے اندر ان کے نام آچکے ہیں، وہ جواب نہ ملنے کی وجہ سے پریشان خاطر ہو گئے۔ براہ عنایت چند دن اور انتظار کریں تاکہ مولانا کی طبیعت بحال ہو جائے، اور وہ بہ اطمینان خطوط کا جواب لکھوا سکیں۔

منشیچر

اس وقت سردی ناقابل برداشت ہوگی۔ سردی کا تعلق سورج سے زیادہ ہواؤں سے ہو جائے گا۔ جب قطبی ہوائیں چلیں گی تو سردی بڑھ جائیگی۔ جب خط استوا کی ہوائیں چلیں گی تو گرمی ہو جائیگی۔

ظاہر ہے کہ فضا کی حرارت ہی آبی بخار پیدا کرتی ہے۔ یہ بخار پانی برساتا ہے اور انسان پینے کے لیے پانی پاتا ہے۔ لیکن جب سورج کی حرارت کم ہو جائیگی، تو بخار بننا بھی موقوف ہو جائیگا۔ یعنی بارش بھی نہیں ہوگی۔ جتنا پانی پلے کا جمع ہوگا، وہ بھی بگڑ جائے گا، اور بے شمار نئے نئے امراض پیدا ہو جائیں گے۔

غرض کہ اس وقت زمین پر زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ جب سورج کی آخری شعاعیں بھی ختم ہو جائیں گی تو زندگی بالکل ختم ہو جائیگی۔

(قلب کے متعلق ایک نیا نظریہ)

ڈاکٹر منڈلسن جرمنی کا مشہور محقق ہے اور برلن کی یونیورسٹی میں قلبی امراض کا استاذ ہے۔ اس نے حال میں قلب کے متعلق ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ قلب، زندگی پر قرار رکھنے کا اصلی آلہ نہیں ہے بلکہ دوسرے درجہ کی چیز ہے۔ زندگی کی اصلی بنیاد، قلب پر نہیں، بلکہ جسم کی ان خلیا پر ہے جو خون جذب کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بہت سے کمزور دل کے آدمی مدتوں تک زندہ رہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا قلب، جسم کے مختلف اجزاء میں پوری طرح خون پہنچا نہیں سکتا۔ نیز ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ بہت سے آدمی قلب کی حرکت بند ہوتے ہی، مردہ سمجھے کر دفن کر دیے جاتے ہیں، حالانکہ وہ دراصل زندہ ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات بکثرت پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر قلب ہی پر زندگی کا مدار ہوتا، تو اس کی حرکت بند ہونے کے بعد ہی زندگی بھی ختم ہو جاتی، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

(ایک عجیب مخلوق)

آسٹریا اخباروں نے یہ عجیب خبر شائع کی ہے کہ ابوانی نام ایک گاؤں میں اب سے ۱۹ - برس پہلے ایک عورت کے لڑکا پیدا ہوا۔ یہ بندر سے بہت مشابہ تھا۔ والدین نے اس کا نام الکزندر رکھا۔ لیکن جوں جوں اس کی عمر بڑھتی گئی، بندر سے مشابہت بھی بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ اب جوان ہونے پر وہ بالکل بندر ہو گیا ہے۔ صرف صورت و شکل ہی میں نہیں، حرکات و سکنات و طبیعت میں بھی بندر ہے۔ وہ آدمیوں کی طرح رہنا پسند نہیں کرتا۔ بول بھی نہیں سکتا۔ بندر کی طرح چلاتا اور اچھلتا کودتا ہے۔ پچھلے دنوں اس کے والدین نے اسے ایک آہنی قفس میں قید کر دیا تھا۔ کیونکہ آدمیوں کو تکلیف پہنچانے لگا تھا۔ ایک دن اتفاق سے چھوٹ گیا اور سوک پر پہنچ گیا۔ لوگ اسے گوریل سمجھ کر تر گئے اور بھاگے۔ بڑی مشکل سے اسے قید کیا گیا۔ اب ایک ہنگریں عورت اسے اپنے ساتھ برداپسٹ لے گئی ہے۔ ڈاکٹر متعجب ہیں کہ کیا رائے قائم کریں؟ وہ آدمی نہیں ہے۔ مگر آدمی کے پیٹ سے بندر کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ یہاں قانون وراثت سے بھی کوئی بعث نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ قازوین کے متبعین بھی یہ نہیں کہتے کہ انسان بندر سے پیدا ہوا ہے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ بندر اور انسان ایک ہی مرث اعلیٰ کی اولاد ہیں۔

ایک فراموش شدہ عظمت

جو تذکرہ و یاد آری کی مستحق ہے



امیر محمد بن عبد الکرم

جنگی نسبت پرپ کی تازہ ذاک میں بعض نئی تفصیلات آئی ہیں - معلوم ہوا ہے کہ فرانس کے ایک دارالاشاعت نے اُسے 'فرمایش کی تھی کہ وہ خود اپنے قلم سے اپنی سوانح عمری قلمبند کر دیں - شیخ نے یہ درخواست منظور کر لی اور اب وہ بہ یک وقت فرانسیسی اور عربی 'دونوں زبانوں میں اپنے حالات قلمبند کر رہے ہیں -



مسجد پیرس منظر المسجد العظمیٰ

پیرس کی مسجد اور عربی چمنستان کا مصدر نمونہ جسکی تکمیل میلہ ۱ - ۱۹۳۰ء میں ہوگی۔ اس نے ایک لاکھ فرانک دیا ہے

نامکس ہو کہ اس بے معنی لفظ کا نتیجہ ہو جسے علوم، لغات و مکتے ہیں "منظریہ نشو و ارتقاء" جو جملہ زندہ کائنات پر مطلق ہوتا ہے صاف ظاہر کر رہا ہو کہ اس مرئی مادی عالم سے بڑے ایک عالم مرئی قوت موجود ہے جو ناموس طبیعت پر کامل سلطنت و نفوذ رکھتی ہو۔ وہی کائنات کی مالک ہو اور وہی اسے انتہائی دانش مندی سے چلا رہی ہو۔ یہ غیر مرئی قوت، لازمی طور پر ازلی وابدی ہی ہو سکتی ہو۔

اپنا مضمون ختم کرتے ہوئے لکھتا ہوں:
"طویل تجربوں کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ بقا و روح کا مفہوم محض دہم و خیال نہیں ہو۔ بلکہ ایک حقیقت پر مبنی ہو۔ انسان نے بلا سبب یہ عقیدہ پیدا نہیں کیا۔ حقیقت یہ عقیدہ، قدرت کے ایک الہام سے پیدا ہوا ہو۔ انسانی عقل ہرگز تسلیم نہیں کر سکتی کہ موت کے ساتھ ہی فنا طاری ہو جاتا ہو۔ عقل انسانی کا یہ رجحان مادی نہیں ہو۔ روحانی ہو۔ اور ہرگز باطل نہیں ہو سکتا۔ میں یہ اعلان کسی دینی جذبہ کی بنا پر نہیں کر رہا ہوں، بلکہ ایک عالم پہنے کی حیثیت سے بھی میرا یہی اعتقاد ہو۔"

ڈاکٹر انارک نے یوں اظہار رائے کیا ہے:
"انسانی زندگی میں کوئی ثبوت بھی روح کے وجود کا موجود نہیں۔ نیز کسی علمی دلیل سے موت کے بعد بقا و روح کا نظریہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے، علم ہرگز اس طرح کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ لیکن ہمارا کسی بات کے ثابت کرنے سے قاصر نہ جانا اس کے بطلان کی دلیل نہیں ہو۔"

ڈاکٹر کا روح لکھتا ہے:
"طویل تجربوں کے بعد مجھے کوئی مادی ثبوت، موت کے بعد بقا و روح کا نہیں مل سکا۔ میرا علم زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جب داغ کا عمل ترک جاتا ہے تو عقل غائب ہو جاتی ہے۔ تاہم مجھے حق یقین ہے کہ اس مادی عالم کے بڑے ایک غیر مرئی قوت ہی عقل موجود ہو۔"

ڈاکٹر اسکے کامل کا خیال ہے:
"میں نے جب تک باوجود کوشش کے کوئی ثبوت اس کا نہیں پایا کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہو۔ دراصل ہماری مادی زندگی بہت ہی تھوڑی ہو۔ لیکن اس کا امتیاز کثرت میں نہیں ہو کیفیت میں ہو۔ میرے خیال میں انسان کی تربیت اس طرح ہونی چاہئے کہ وہ علم اور دین کو ملحدہ ملحدہ لکھے اور سمجھے۔ روح کا علمی دلائل سے ثابت نہ ہونا، اس کے بطلان کی دلیل نہیں ہو۔ دین نے انسانیت کو بہت نفع پہنچایا ہو۔ انسانیت کو بہترین کی صورت باقی ہوگی۔"

ڈاکٹر کو لینڈ لکھتا ہے:
"میرے شخصی تجربے نے مجھے پورے طور پر مطمئن کر دیا ہے کہ ہماری زندگی کا تعلق ایک ایسی چیز سے قائم ہے جس کی فضا ہونے والا نہیں کاش میں اپنی فصاحت رکھتا کہ دوسروں میں بھی یہ اعتقاد پیدا کر دے سکتا۔ وہ چیز وہی ہے جسے روح کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ میں اگرچہ اسے ثابت نہیں کر سکتا مگر مجھے اُس پر کامل یقین ہے روح، مادی دیکھا دی قوانین کے تابع نہیں ہے، لہذا اسے مادیات پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ ابھی علم نے اپنی ترقی نہیں کی کہ یطیم کھول سکے"

ثبوت عالم مطبوعہ و صحیفہ

روح

ساتھ اطباء عصر کے مباحث

حال میں امریکہ کے ایک علمی رسالے نے دو سوال پیش کئے تھے:

(۱) کیا روح کے وجود پر کوئی علمی دلیل موجود ہے؟

(۲) کیا علمی دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے؟

۹۰ مشہور طبیوں نے ان دونوں سوالوں کے جوابات دئے ہیں سب سے بالاتفاق تقریباً ایک ہی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

ڈاکٹر فرانک والک نے دعویٰ کیا ہے کہ بعض مرنے والوں میں اسے ایسی علامات دیکھی ہیں، جن سے موت کے بعد روح کے بقا کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن رسالے نے وہ علامات شایع نہیں کیں۔ البتہ آتنا لکھا ہے کہ بعض ملائیت، مادی ہیں، بعض اشری (یعنی ایتھر کی قسم کی)

ڈاکٹر ہنٹ اور اسکے رفقاء علم کا فیصلہ ہے:
"کوئی علمی دلیل موت کے بعد روح کے بقا پر موجود نہیں روح کے بقا کا عقیدہ ایک خالص دینی عقیدہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ عقیدہ، انسانی نوعیت کی اس آرزو کا مظہر ہے کہ وہ ہمیشہ باقی رہنا چاہتا ہے اور فنا ہو جانے سے ڈرتا ہے۔ اس مسئلہ پر ہمیشہ دینی پہلو ہی سے گفتگو کرنا چاہئے نہ کہ علمی پہلو سے، کیونکہ علم میں اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔"

ڈاکٹر ہنٹ نے اپنے مضمون کے آخر میں لکھا ہے:
"لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ میں روح کے وجود یا اسکے بقا کا منکر ہوں۔ بلکہ میں ان سب باتوں پر پختہ ایمان رکھتا ہوں کہ میرا یہ ایمان، علمی حقائق و براہین پر مبنی نہیں ہے، بلکہ سراسر مفرد وجدان کے رجحان پر قائم ہے۔"

ڈاکٹر کین لکھتا ہے:
"اگر ہم موت سے پہلے اور موت کے بعد انسانی جسم میں باقیات کو توڑیں، تو دونوں حالتوں میں ہرگز کوئی فرق نہیں پائیں گے۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ موت کے بعد جسم انسانی میں کوئی چیز کمزور ہو جاتی ہے اس کی کوہم روح کا بکھل جانا کہتے ہیں۔ کسی انسان نے بھی روح نکلتے نہیں دیکھی، مگر کسی کو بھی اس کے بچنے میں شک و شبہ نہیں ہوتا۔ و حقیقت روح، اس کائنات میں سب سے بڑا راز بلکہ سب سے زیادہ پیچیدہ ظہیر ہے۔ علم اس کے ثابت کرنے سے قطعاً عاجز ہے، لیکن دین اسے ثابت کر رہا ہے۔ لہذا اس پر اپنی تعلیم کی بنیاد رکھتا ہے۔ یہ واقعہ کہ ہر چیز جو پہلے حواس کے دائرے میں

آتی ہے، فانی ہو۔ روح، پہلے حواس سے بڑے ہے۔ اس لئے ہم اس کے فانی ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ دوسری مقروضہ یہ قول بھی از حد پسند ہے کہ ایک بار اسے کہا تھا "اگر میں گراہ پہلی تو بھی فلاں کے ساتھ ہونے کو ترجیح دوں گا، بجائے اس کے کہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں جو بقا و روح کے منکر ہیں" مدیوں سے ملنا، کوشش کر رہی ہیں کہ عالم غیب اور قبر کے بعد کی دنیا کو معلوم کریں، مگر ان کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ یہ اس لئے کہ علم، انسان کا ساتھ صرف اس کی زندگی محدود ہے۔ موت کے طاری ہونے ہی علم کی رفاقت چھوڑ جاتی ہے۔ البتہ اس وقت دین، ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اگر نظریہ نشو و ارتقاء، علم ہیئت، اعداد و صفرے خاص علم و فنون پر مبنی یقین رکھتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ روح اور اس کے بقا پر بھی ایمان نہ رکھیں۔ کائنات کے بے شمار راز اب تک ہماری عقل سے باہر ہیں، مگر ان کی حقیقت سے جاہل ہونے پر بھی ہمیں تسلیم کرنے ہیں۔ کیوں نہ روح کے ساتھ بھی یہی راز کیا جائے؟ ایک اور مضمون نگار جسے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، لکھتا ہے:
"موت کے بعد روح کے بقا کا عقیدہ، سراسر دینی عقیدہ ہے۔ اس میں بحث کی گنجائش موجود ہے، کیونکہ مرنے کے بعد کوئی مادی بھی اس دنیا میں داخل نہیں آیا کہ ہمیں اصلی حقیقت سے آگاہ کرے۔ علم اس کے ثبوت سے قاصر ہے۔ ہماری عقل پر نفوذ نہیں کر سکتی کہ ہم کے فنا ہو جانے کے بعد روح باقی رہے۔ لیکن ہماری عقل نے اب تک کتنے حقائق سمجھ لئے ہیں؟"

ڈاکٹر ورجو کا پٹ نے لکھا ہے:
"میں بقا و روح پر کامل ایمان رکھتا ہوں، اس لئے نہیں کہ علمی دلائل اسے ثابت کرتے ہیں، بلکہ اس لئے کہ میرا وجدان مجھے اس یقین پر مجبور کرتا ہے۔ میرا یہ عقیدہ سراسر دینی عقیدہ ہے۔ اگر علم بقا و روح ثابت نہیں کر سکتا، تو یہ بھی واقعہ ہے کہ اسے باطل بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ بہر حال میں بقا و روح کا قائل ہوں میرا پختہ ایمان ہے کہ موت کے بعد ہم دہائی زندگی حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک اور ڈاکٹر نے (جسے علمی رسالے امریکہ کا مشہور ترین محقق قرار دیا ہے) کہا ہے:

"جن قرآن کی بنا پر بقا و روح ثابت کی جاتی ہے، وہ ہر امتیاز سے لائق عزت ہے۔ میرے ذہن میں ڈاکٹر ان کا یہ قول برابر موجود رہتا ہے۔ عقل کسی طرح بھی تسلیم نہیں کر سکتی کہ یہ کائنات محض اتفاقی سے ظاہر ہو چکی ہو۔ وہ حیرت انگیز دقیق نظام جس پر کائنات قائم ہے،

تاریخ شہرِ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہیدِ حریت و دستور

(۲)

سلطان کی مغزولی

حسین عونی پاشا، رشیدی پاشا، مدحت پاشا، اور خیر احمد آفندی شیخ الاسلام۔ نوپل کو طے کیا کہ جدادی الادبی کو دلی عہدِ مہم آفندی کو تخت نشین کر دیا جائے۔ لیکن اس تاریخ سے دو دن پہلے ہی سلطان عبدالعزیز کسی طرح اس معاملہ کی خبر تک پہنچی اور انھوں نے عونی پاشا کو ملاقات کے لئے اپنے محل میں طلب کیا۔ مگر عونی پاشا نہیں گئے۔ کیونکہ انھیں انشاؤں کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ چونکہ اب فردِ تاخیر میں خطہ تھا، اس لئے ہی طے پایا کہ فوراً نئی تخت نشینی محل میں لائی جائے۔ چنانچہ حسین عونی پاشا نے اسی رات اپنے سرکار کی مجلسِ معتقد کی، اور سلطان کی مغزولی کے لئے طبری تعداد میں فوج بھی جمع کر لی گئی۔

مدحت پاشا اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں لکھتے ہیں:

”ہم نے مناسب سمجھا کہ دلی عہدِ مہم آفندی کی تخت نشینی کا اعلان، وزارت جنگ کی عہدیت میں ہو۔ چنانچہ میں (مدحت پاشا) اور رشیدی پاشا صحیح طریقے کے وزارت جنگ کی طرف روانہ ہوئے حسین پاشا، احمد پاشا، ردیف پاشا، حسن پاشا، طولہ باغچہ نصر شاہی) میں گئے، تاکہ وہاں فوج کو ضروری احکام دیں۔

”یہ تمام کو روانہ دلی توری طرح مخفی رکھی گئی تھی۔ ہمیں یقین تھا کہ ہمارے رفقاء کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں ہو۔ لیکن جب ہم وزارت جنگ میں پہنچے، تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ وہاں لاکھوں آدمی جمع ہیں اور نئے سلطان کے درود کا انتظار کر رہے ہیں۔ آج تک مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ خبر تمام شہر میں راتوں رات کس طرح پھیل ہو گئی؟“

”جمع، از دو جوش و خروش میں تھا۔ طبری بھی یہی سے مراد آفندی کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک ناک دلی عہد کی سواری نمودار ہوئی۔ حسین عونی پاشا ان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ تمام مجمع نے نئے سلطان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی تخت نشینی کا اعلان ہو گیا۔ اسی وقت سلطنت کے تمام صوبوں اور یورپ کی تمام حکومتوں کو تار کے ذریعہ اس غزل و تخت نشینی کی اطلاع بھیج دی گئی۔ دارالخلافہ میں جشن شروع ہو گیا۔ ہر طرف جھنڈے بلند ہو گئے۔ اصبحی جہازوں نے بھی اپنے علم اڑھچے کر دیے۔ لیکن دلی غارت خانہ نے مظاہر جشن میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور دودن تک عالمِ مذہب میں:۔

”روس کو محمود ندیم پاشا کی مغزولی سے سخت رنج ہوا تھا۔ اب سلطان کی مغزولی نے اسے اور بھی برہم کر دیا۔ چنانچہ ناروس ترکی وزارت خارجہ کے نام تاریخاً کہ ”انھیں اس بات پر سخت افسوس ہو کہ ایک معمولی سپہ سالار کی جرات نے سلطان کو اس کے تاج و تخت سے محروم کر دیا ہو۔“

”سلطان عبدالعزیز مغزول کر دیے گئے، لیکن ان کی ذات اور عزت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا گیا۔ پہلے دستور تھا کہ مغزول سلطان قید کر دیے جاتے تھے، ہم بھی سلطنت کے مصلح کے لئے ایسا کر سکتے تھے، مگر ہم نے نہیں کیا۔ ہم جانتے تھے کہ ملک میں کوئی جفا بھی سلطان کی طرف نہ اٹھائیں ہو۔ لہذا انھیں قید کرنا قطعاً غیر ضروری تھا۔ علاوہ بریں ہم دستوری نظامِ حکومت قائم کرنا چاہتے تھے، اور دستوری حکومت میں کسی شخص کو بھی بغیر جرم کے قید کرنا جائز نہیں ہوتا، اگر یہ وہ مغزول پادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔“

مغزول ہونے کے بعد سلطان عبدالعزیز نے سلطان مراد کو دلی خاص سے مبارک باد کا خط لکھا، اور محلِ طوب قیوسے ”فرخیدہ“ میں منتقل کر دیے جانے کی درخواست کی۔ درخواست منظور کر لی گئی اور مغزول سلطان نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنی تین سو بیویوں اور کنیزوں کے ساتھ نئے محل میں منتقل ہو گئے۔

عبدالعزیز کی خودکشی

ہم ابھی نے سلطان کی تاج پوشی کے جلسوں سے پوری طرح ناواقف بھی نہ ہوئے تھے، کہ سلطان عبدالعزیز نے اپنی تخت و تہذیب کے جہیز سے بے خود ہو کر خودکشی کر لی۔

یہ واقعہ مغزولی سے ۶ دن بعد پیش آیا۔ اتوار کے دن انھوں نے اپنے ایک ملازم سے قلمی طلب کی اور اپنے بازو کی رگیں کاٹ ڈالیں۔ ان کی موت خودکشی سے ہوئی۔ یہ بالکل یقینی بات تھی۔ تاہم مزید احتیاط کے خیال سے ہم نے اس کی باقاعدہ تحقیقات بھی کرائی۔ تمام شاہی طبیبوں اور اصبحی سفارت خانوں کے ڈاکروں کو بلا کر معائنہ کرایا گیا۔ ان ڈاکروں کی تعداد اچانک قریب تھی۔ انھوں نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ سلطان نے خودکشی کی ہو۔

سلطان مراد کی بیماری

سلطان مراد کی تخت نشینی ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے عمل میں آئی تھی۔ آہنا برا مجمع انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مجمع اچھا

جوش و خروش میں تھا اور پوری قوت سے فرسے بلند کرتا تھا۔ نئے سلطان کے اعصاب پر اس منظر نے بہت برا اثر کیا، اور وہ بھی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اس واقعہ کے چھ دن جب انھوں نے مغزول سلطان عبدالعزیز کی خودکشی کا حال سنا، تو مرض نے اور بھی زیادہ شدت اختیار کی۔ دوسرے ہی دن ان میں جہیز کی علامتیں ظاہر ہو گئیں۔ ہم نے یہ واقعہ احتیاطاً مخفی رکھا اور علاج کرتے رہے، لیکن ۵ دن کے بعد ایک روز سلطان، بارغ کے محل میں پھانسی پر لٹے اور محل کے خدام کو ان کے جہیز کا حال معلوم ہو گیا۔ اب اخفا نامکن تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام شہر حقیقتِ حال سے واقف ہو گیا تھا!

سلطان کی بیماری نے سلطنت کو سخت نقصان پہنچایا۔ ہم دستوراً سامی طیارہ کر لیا تھا، مگر اسی بیماری کی وجہ سے اعلانِ ملتوی کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ حکومت کے تمام کام معطل ہو گئے۔ حتیٰ کہ سفرِ دول کے کاغذات تک کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ اگرچہ وزارت و حکومت موجود تھی، مگر قانون کے مطابق ہر حکم کے لئے سلطان کی منظوری لازمی تھی۔ اور سلطان اہلِ بل نہ تھے کہ معاملاتِ سلطنت کی سماعت کر سکتے۔

ایک نئی مصیبت

اس صورتِ حال نے ہمیں سخت پریشان کر دیا تھا۔ ہم سلطنت کے معاملات پر غور کرنے کے لئے رات رات بھر بیٹھے رہتے۔ ایک رات میرے مکان پر شیخ الاسلام خیر احمد آفندی اور وزیرِ سلطنت جمع تھے کہ ایک شخص جس کا نام نامی آیا۔ یہ فوج میں افسر تھا، اس نے عبدالعزیز کے لڑکے شہزادہ یوسف عبداللہ کا ایڈی کاٹک رہ چکا تھا۔ اس نے وزیر جنگ سے ایک بہت ضروری معاملہ کے لئے ملاقات کی درخواست کی۔ جوں ہی وہ اندر داخل ہوا، حسین عونی پاشا پر دستور لکھا کہ اصرار کر دیا۔ حسین عونی کے سینہ پر گولی لگی اور ان کا کام تہم ہو گیا۔ چونکہ ہمارے پاس ہتھیار نہیں تھے، بھاگتے ہوئے قتل ہو گئے۔ مگر قیدی احمد پاشا وزیرِ بحریہ قاتل کو گرفتار کرنا چاہا۔ قاتل نے انھیں بھی سخت زخمی کیا۔ وہ بھاگے۔ اس نے تھاقب کیا۔ حیرانہ انداز میں اس سے لپٹ گیا۔ مگر قاتل نے اسے بھی قتل کر ڈالا۔ وزراء کے محافظ سپاہی و ڈوڑی مگر قاتل کی جیب میں ہسٹول تھے۔ اس نے آدمی ادا قتل کر دیے۔ اب کسی کی ہمت نہیں بڑھتی تھی کہ اس کے قریب جائے۔ قاتل اب ایک دوسرے کے گھر میں گھسے، وہاں راشد پاشا ہوش بڑھے تھے۔ اس نے انھیں بھی قتل کر دیا۔ بالآخر جب کافی تعداد میں مسلح پولیس کپاہی پہنچے تو وہ گرفتار کیا گیا۔

اس حادثہ نے سلطنت کو بہت نقصان پہنچایا۔ حسین عونی پاشا، فنون جنگ میں بے نظیر تھے۔ راشد پاشا، خارجی معاملات میں شہرہ تھے۔ ہمارے دشمن ان دونوں کی موت سے بہت خوش ہوئے۔

بلقان اور جزیرہ کرٹ کی شورشیں

ہم ان مصائب میں گرفتار تھے کہ انتہائی مگر، سرودا، بلغاریا، اور کرٹ میں شورشیں برپا ہو گئیں۔ ہمارے غم و استغلا کے لئے یہ بڑا ہی نازک وقت تھا۔ بااں ہمہ ہم نے بروقت کارروائیوں میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی۔ فوراً ہر طرف فوجیں روانہ کر دی گئیں۔ ہماری فوجوں نے غیر معمولی شجاعت و بہت دکھائی، اور تمام شورشوں کا خاتمہ کر دیا۔

سلطان عبدالحمید کی تخت نشینی

لیکن سلطنت کی حفاظت کے لئے مجوز سلطان کی مغزولی

ناگزیر تھی۔ اب قانون کے بموجب عبدالحمید آفندی دلی عہدے پر لے دی تھی۔ لیکن اس وقت تک کہ دستور اساسی کا جو مسودہ چھپا دیا گیا تھا، دلی عہدے نے ملاحظہ کر لیا تھا اور اس سے بالکل تعلق تھا۔ اس نے بڑے ہی جوش سے کہا تھا کہ "سلطنت کی نجات صرف ایسے ہی نظام حکومت سے ممکن ہے جو اسے پورے یقین کے ساتھ اپنے اس عہدہ کا بھی یقین دلایا تھا کہ تخت نشین ہونے ہی اس کا اعلان کرے گا۔ ہم خدام سلطنت کی سرپرست بے حساب تھی۔ ہم برسوں سے اجارہ دولت کا جو خواب خرگوش دیکھ رہے تھے، اب اس کی تعمیر ہمارے سامنے تھی۔ ہم نے خیال کیا کہ یہ نوجوان شہزادہ سلطنت اور امت کا نجات دہندہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ ۱۱۔ شعبان ۱۳۹۷ھ کو عبدالحمید کی تخت نشینی کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔

سفر اور دلی کی موثر

بقائے کاملاً، حقیقت روس کا اٹھایا ہوا تھا۔ لیکن جب ہماری فوجوں نے بلقانی باغیوں کے لٹوٹے اڑا دیے، تو روس نے چند دنوں کے لیے تڑپا شروع کر کے، اور دلی کو ایک موثر منعقد کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آستانہ میں دلی عظمیٰ نے سیفوں کا اجتماع ہوا انھوں نے پہلی تجویز طے کی کہ بلغاریہ کو اندرونی خود مختاری دیدی جائے۔

مدحت پاشا کی وزارت

ظاہر ہے، ہم اس قسم کی تجویزیں منظور نہیں کر سکتے تھے۔ ان تجویزوں کا ان لینا، بلقان سے ہاتھ دھونا تھا۔ مگر دلی کو پورے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ رشتہ پاشا وزیر داخلہ بہت خائف تھے۔ اس صورت حال نے مجھے مجبور کر دیا کہ وزیر اعظم کی کسی پرہیزگاروں میں حالات کی ترقی سے تجویز واقف تھا۔ تاہم میں نے اصلاح کی کوشش شروع کر دی۔ ہماری مصیبت صرف یورپ ہی کی جانب سے نہ تھی بلکہ اس کے بھی بڑے مصیبت تھی کہ ہمارا خزانہ بالکل خالی تھا۔ سلطان عبدالعزیز کے مملکت اسرار نے ایک کڑی باقی نہیں رکھی تھی۔ میں نے غیر معمولی محنت کر کے نئے بینک نوٹ جاری کر دیے۔

دستور اساسی کا اعلان

سلطان عبدالحمید نے تخت نشین ہونے ہی دستور اساسی کا مسودہ ایک مجلس کے سپرد کر دیا تھا کہ اس کی جانچ پڑتال کرے۔ مجلس اُس پر پوری بحث کی، اور منظور کر کے سلطان کی خدمت میں بھیج دیا۔ سلطان نے بھی اس پر پسندیدگی کا اظہار کیا، اور رضی المجملہ ملاحظہ میں بڑے ترک و احتشام کے ساتھ اس کا اعلان ہو گیا۔ تمام مملکت نے اس اعلان کا پُر جوش استقبال کیا۔ پوری سلطنت میں شبن منایا جانے لگا۔

اس اثناء میں ہم نے دلی کو یورپ کی موثر کو صاف اندیشہ نظر میں اطلاع دیدی کہ ہم اس کی کوئی تجویز بھی منظور نہیں کریں گے۔ ہماری یہ جرات نہایت خطرناک تھی۔ ہم نے گویا پورے یورپ کو دعوت جنگ دے دی تھی۔ مگر ہم مجبور تھے۔ ہماری مجلس وزراء نے طے کر لیا تھا کہ خاموشی سے تباہ نہیں ہونگے۔ اگر مٹا ہی ہو تو فتح کے ساتھ مٹیں گے۔ دلی یورپ ہمارا انکار اس کرہت برہم ہو گیا، اور اپنے اپنے سفراء واپس بلا لئے۔ اس کا رد دلی کا صاف مطلب یہ تھا کہ ہمارے باہمی سیاسی تعلقات منقطع ہو گئے۔ مگر ہم نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔

دوسری طرف میں نے یہ کیا کہ بلقانی ریاستوں سے براہ راست گفت شنید شروع کر دی۔ انھیں نرم گرم شرطوں پر صلح کے لئے راضی کر لیا۔ ساتھ ہی دستور اساسی کے اعلان کے بعد ہم نے پہلی عثمانی مجلس پارلیمنٹ کے لئے انتخابات شروع کر دیے۔

ہم یہ سب کچھ کر رہے تھے، مگر چونکہ دس کی طرف سے اعلان جنگ کا قوی احتمال تھا اس لئے جنگی تیاریوں سے بھی غافل نہیں تھے۔ فوجوں کی ترتیب اور نقل و حرکت تمام مملکت میں شروع ہو گئی تھی۔

مدحت پاشا کی جلاوطنی

سلطنت ابن داخلی اور خارجی مشکلات میں پھنسی ہوئی تھی۔ اس اصلاح حال کی شب، روز کوشش کر رہا تھا، کہ اچانک ایک دفعہ ترکہ باغچہ میں سلطان نے مجھے طلب کیا۔ جوں ہی میں پہنچا، مجھ سے قلمدان وزارت لے لیا گیا، اور کہا گیا کہ میں جہاز غزالین میں فوراً سواری ہو جاؤں۔ کیونکہ میں سلطان کے حکم سے جلاوطن کر دیا گیا ہوں مجھے یورپ چلا جانا چاہیے!

سلطان مراد کی تخت نشینی کے دن سے میں نے اس قدر محنت کی تھی کہ مجھے یقین ہو کہ کوئی دوسرا انسان نہیں کر سکتا۔ میں نے لگاتار جدوجہد سے اب ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی کہ سلطنت تمام طور سے صحیح و سالم چل رہی تھی۔ لیکن اب اچانک یہ معاملہ پیش آیا۔ پہلے مجھے خوشی ہوئی کہ اب آرام کر سکوں گا۔ مگر فوراً اس خیال سے دل جل کر مخرج ہو گیا کہ میری زندگی، میری نہیں بلکہ قوم و ملک کی ہی، اور اس کے لئے سخت خطرات درپیش ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان کی یہ حرکت، سلطنت کے لئے نہایت مملکت ثابت ہوگی۔ اور اصلاح کی تمام امیدیں خالی ہو جائیں گی۔

میں نے اپنا قصور دریافت کیا۔ سعید پاشا، سلطان کے پاس گئے، اور واپس آکر کہا کہ دستور اساسی کی دفعہ ۱۱۳ کی رو سے سلطان کو حق پہنچتا ہے کہ ہر اس شخص کو جلاوطن کر دیں، جسے پولیس افسر اعلیٰ سلطنت کے لئے خطرناک ظاہر کرے۔ ساتھ ہی انھوں نے دلی سرکاری کاغذ بھی دکھائے۔ ایک میں لکھا تھا کہ پولیس نے ایک فوجی افسر کو بازار میں کتے سنا "مدحت پاشا عنقریب تری جہوریت کا تختہ ہواگا۔"

میں جلاوطنی کی اس وجہ پر اپنی بے اختیارانہ ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ سعید پاشا نے کہا "سلطان معظم، سلام کے بعد فرماتے ہیں کہ عنقریب تمھیں واپس بلایا جائے گا۔"

میں نے کہا "سلطان کے سلام کا شکریہ اکر سلطان کو میرا پیغام پہنچا دو کہ اپنی واپسی پر میں ان محلوں میں سلطان کو نہیں پاؤں گا اور نہ سلطنت کی یہ عظمت و شان نظر آئے گی۔ اُس وقت میں تباہی و دک نہ سکوں گا" میں نے یہ کہا اور روانہ ہو گیا۔

میری آگاہی جلاوطنی سے باہر تخت اور صوبوں میں سخت بھیجی پیدا ہوئی۔ لوگ ڈرے کہ اب دستور اساسی بھی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ میں نے ہی اسے مرتب کیا تھا، اور سب سے زیادہ میں ہی اس پر زور دے رہا تھا۔ یہ بھیجی دیکھ کر سلطان مجبور ہوئے کہ کئی نئی تہمتیں تراشی جائیں۔ چنانچہ مصلحتیہ کے اخبارات میں شائع کیا گیا کہ میرے کاغذات میں ایسی چیزیں ملی ہیں جن سے میری خیانت ثابت ہوتی ہو اس لئے سلطان نے مجھے معزول کر کے جلاوطن کر دیا ہے! اس وقت تک ترک اس قدر نکل چکے کہ سرکاری افسرانہ سبھی نہیں سکتے تھے۔ اس لئے اکثر لوگ میرے مخالف ہو گئے۔ مگر یورپ کے اخبارات حقیقت حال سے واقف تھے۔ انھوں نے صحیح خبر شائع کر دی کہ چونکہ مدحت پاشا نے سلطان کی غلامی منظور نہیں کی، اس لئے ان پر عتاب شاہی نازل ہوا ہے۔ ترکوں نے سنا تو سلطان پر نہایت برہم ہوئے۔ اب قصر شاہی مجبور ہوا کہ میرے خلاف ایک پوری سازش طیارہ کرے۔ چنانچہ آستانہ کے اخبارات اور ساقط مقررین اور شاعرین کو رشوت دیکر آمادہ کیا گیا کہ مجھ پر حملہ شروع کر دیں۔ میں نے ترکی اخبارات دیکھے تو ہنسنے لگا۔ بلکہ تک

یہ میرے تدبیر و دیانت کے راکھ کھاتے تھے۔ آج مجھ کو شیطان فراڈنے لگے اُس وقت بے اختیار میری زبان پر یہ آیت جاری ہوئی: "وَإِذَا ارَادُوا يُقَدِّمُوا سِوَايَ فَلَا تَصِلُوا إِلَيَّ إِنَّهُمِ افْعَلُوا لِي فِعْلًا مُّمْرَدًا"۔

روس کا اعلان جنگ

میری جلاوطنی کی خبر طرز بزرگ (دارالحکومت روس) پہنچی تو حکومت روس سے اچھل پڑی۔ آج اسے باب عالی پر زور دینا شروع کیا کہ بلقان کے متعلق اس کے مطالبات منظور کر لے۔ لیکن ترکی حکومت نے انکار کر دیا۔ اس پر روس نے اعلان جنگ کر دیا، اور دلی سے قلم کی طرف سے روسی فوج حملہ آور ہو گئی۔

اب سخت پریشانی پیدا ہو گئی۔ ہمارا خزانہ بالکل خالی پڑا تھا۔ میرے جاری کئے ہوئے بینک نوٹ، سلطان نے بے پروائی سے خرچ کر ڈالے تھے۔ نئے نوٹوں کا شائع کرنا سرپرست ناممکن تھا۔ اعلان جنگ نے سابق نوٹوں کی قیمت بھی کم کر دی تھی۔ حکومت کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ رعایا سے زبردستی وصول کیا جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔

اس سے بھی بڑی مصیبت، سلطان کی ناخبرہ کاری تھی۔ جنگ شروع ہونے ہی سلطان نے عبدالقی پاشا اور رویت پاشا کو معزول کر دیا۔ یہ دونوں پہ سالار روسی سرحدوں سے واقف تھے اور اس جنگ کے لئے پہلے ہی سے نقشے مرتب کر چکے تھے۔ ان کی معزولی نے میدان جنگ میں سخت اتہری پیدا کر دی۔ اُس وقت ہمارا جنگی قوت کافی تھی۔ ۵ لاکھ نظامی فوج نہایت عمدہ طور پر مسلح ہو چکے تھے۔ رمانا کاروں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ مگر سلطان کی غلطی مداخلت نے معاملہ خراب کر دیا۔ رمانا کاروں کو نہیں فخر کر دی گئی نظامی فوجوں میں بد نظمی پیدا ہو گئی۔ اس پر بھی سلطان پاشا اور عثمان پاشا نے دشمن کی لینا روک دی، اور امید بندھ کر یہ دونوں پہ سالار سلطنت کو خطرہ سے بچالیں گے۔ مگر کوئی جنگی مرکز موجود نہ تھا۔ مختلف مقامات سے احکام صادر ہوتے تھے۔ ہر مقام میں سلطان کی ضد موجود تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان پاشا کی فوجیں بھاگنے لگیں اور عثمان پاشا، پلوتہ میں قید ہو گئے۔ پلوتہ میں دس کی پوری قوت موجود تھی۔ خود زار روس فوج کی قیادت کر رہا تھا۔

روس کو کابل فتح حاصل ہو گئی اور اس کی مغرب و مشرق میں سین اسٹافو (مضافات منطقیہ) تک پہنچ گئیں۔ دوسری طرف سے انگریزی حکومت کا جنگی بیڑہ، باسنورس میں لگایا اور قصر شاہی کے سامنے توپیں سیٹھی کر کے کھڑا ہو گیا۔

میں اُس وقت یورپ میں ہی جلاوطنی کے دن گزار رہا تھا۔ مجھ سلطنت کے معاملات میں مداخلت یا دلی یورپ سے گفت شنید کا کوئی حق نہ تھا۔ تاہم میرا دل یہ تباہی دیکھ کر نہیں ہو گیا اور میں نے جدوجہد شروع کر دی۔ لندن، پیرس، وائٹا، برلن، تمام مراکز میں پھرا۔ اس سبھی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سین اسٹافو کا ذیل معاہدہ منسوخ ہو گیا اور سلطنت ایک مرتبہ پھر بچ گئی۔ مجھے وزیر اسطنت اور خود سلطان کی غفلت پر از حد اندوس ہر عین اُس وقت جبکہ روس پلوتہ کا محاصرہ کر رہا تھا، لیکن شہر کو راضی کر لیا تھا کہ روس پر حملہ آور ہو جائے۔ آٹھ لاکھ ملے کا نتیجہ اس کے ہوا اور کچھ دنوں کے درمیان فوجوں پر واپسی کا راستہ مسدود ہو جاتا اور سب کی سب یا تو قید ہو جاتیں، یا برباد ہو جاتیں۔ میں نے فوراً سلطان کو معصّل کر دیا۔ مگر میں دلی گزر گئے اور کوئی جواب نہ آیا۔ اس اثناء میں روس کو کابل فتح حاصل ہو گئی تھی!

میری ضدات کا اثر، سلطان پر پڑا۔ انھوں نے مجھ نے جان کو انتہائی "رحم دکر" سے معاف کر دیا۔ دوستوں نے ہمارا کا وظیفہ

مقرر کیا۔ ایک ہزار پونڈ ”انعام“ دیا۔ ۵۰۰ پونڈ میرے بیوی بچوں کو جرت کئے۔ اور مجھے اجازت دی کہ اپنے خاندان کے ساتھ جزیرہ کرٹیل میں ہوں۔ چنانچہ یکم شوال ۱۳۵۷ھ میں میرا خاندان کرٹیل پہنچ گیا۔

شام کی گورنری

لیکن دہی بینے بعد مجھ کو فرمان شاہی ملا کہ تم شام کے گورنر بن کر گئے۔ میں معاملہ کی تنگ پہنچا ہوا تھا۔ دراصل سلطان مجھے پائے تخت سے دُور رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے معذرت کی۔ بڑے پاپے کا غدمش کیا مگر سموع نہ ہوا اور شام جلا پڑا۔ مجھے اس منصب خوشی ہوئی۔ اس لئے میں نے کمناصب کی طلب تھی۔ اب میں مناصب اکتا سا گیا تھا اس لئے کہ شام میں میں اپنا جہوز اصلاح پورا کر سکوں گا۔ میرا جہوز، میری اصلاح پسندی ہو۔ میں اس کے بغیر نہ نہیں رہ سکتا تھا۔

شام میں آتے ہی میں نے دعویٰ کیا کہ مسلمان باشندوں میں تعلیم بالکل مفقود ہو۔ چنانچہ میں نے تعلیم کی اشاعت، تمام اصلاحات پر مقدم رکھی، اور سیکڑوں مدرسے جاری کر دیے۔ میں نے ایک قانون بنایا کہ، برس کی عمر کے بعد جو کوئی اپنے لڑکے کو مدرسے میں داخل کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ ان ساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد تعلیم کی طرف باشندوں کو رغبت پیدا ہو گئی۔ اور ہزار ہائے بچے پڑھنے لکھنے لگے۔ حالانکہ مجھ سے پہلے اس صوبے میں صرف گنتی کے چند کتب قائم تھے اور ان میں بھی صرف قرآن پڑھا جاتا تھا۔

ازسرنو سازشوں کا خاتمہ

تعلیم کے بعد میں نے دوسری اصلاحات شروع کیں۔ مگر ایک بار اٹلا دیا میں میرے خلاف ازسرنو سازشوں کا خاتمہ ہوا۔ سلطان نے داماد محمود پاشا اور رشیدی پاشا دونوں کو جلا وطن کر دیا جو سبھی اصلاح میں میرے ہم خیال تھے۔ اور محمود نے پاشا اور رشیدی پاشا کو اپنا مشیر بنالیا جو اصلاح اور اصلاح پسند جماعت کے سخت دشمن تھے۔ پارلیمنٹ بند کر دی۔ دستور اساسی منسوخ کر دیا۔ پھر خود میرے متعلق، آستانہ کے اخبارات نے لکھنا شروع کیا کہ میں شام میں بقاء کی طیاری کر رہا ہوں۔ غمگین اپنی بادشاہی کا اعلان کر دوں گا۔ میں اس کی بھی پروا نہ کرتا، لیکن شام میں میری اصلاحات کی مخالفت پائے تخت سے ہونے لگی۔ اب میں نے دیکھا کہ استعفا پیش کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ اپنی بری اور ضعیفی کی بنا پر استعفا دے دیا۔ بری جھوٹوں کے برسر سلطان نے اسے منظور کیا۔ لیکن حکومت سے مجھے ملے ہوئے نہیں یا۔ شام سے سترہائی گورنری پر بھیجا۔

سزائیں اصلاحات و ترقی

اس وقت صوبہ سمرنا کی حالت نہایت زلزلہ تھی۔ کوئی انتظام نہ تھا۔ ہر طرف لوٹ مار اور لے اسنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے ازسرنو حکومت قائم کی۔ مدرسے جاری کئے۔ شریکین بنائیں۔ طریم جاری کی مگر دارالخلافہ میں میرے خلاف برابر سازشیں جاری تھیں۔ محمود نے پاشا برسر اقتدار تھا اور روس کے اشاروں پر کام کر رہا تھا۔

اب سلطان عبدالحمید بالکل کھل کھلتا چاہتے تھے جن جن لوگوں سے انھیں مخالفت کا ذرا بھی اندیشہ تھا، سب کو پائے تخت سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ مگر سربوئی وہ مطمئن نہ تھے۔ اس آئینہ میں مغرور سلطان مراد کا جہوز دُور ہو چکا تھا۔ سلطان عبدالحمید کو اندیشہ پیدا ہوا، سب ادائیں دوبارہ تخت نشین کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ چنانچہ انھوں نے تمام اصلاح پسندوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔

✽

برید شرق

مکتبہ حجاز

(الملل کے مقالہ نگار جاکے قلم سے)

جدید اصلاحات

گزشتہ ہفتہ معاہدہ جدہ پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ اس ہفتہ ان جدید اصلاحات پر مفصل بحث کرنے کا ارادہ تھا جو حجاز میں شروع ہو چکی ہیں۔ مگر جب لکھنے بیٹھا تو معلوم ہوا ایک مضمون میں بحث نہیں ہو سکتی، کیونکہ اصلاحات کا دائرہ نہایت وسیع ہو۔ مجبوراً نہایت مختصر اشاروں پر اکتفا کر دوں گا۔

آج کے قارئین واقف ہیں کہ پچھلے دنوں سلطان ابن سعودی انتظامات کی تکمیل کے لئے جدجگہ تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں بعض بدظنیاں حجاز میں ردنا ہوئی تھیں۔ یہ بدظنی ایک حد تک قدرتی کمی جاسکتی ہو۔ کیونکہ موجودہ حکومت کی عمر ابھی بہت کم ہو اور صدور کے اختلاف و فساد کے بعد حجاز میں بہت ہی زیادہ بدرا در بیدار حکومت کی ضرورت ہو۔ باشندوں کے مزاج بکڑے

مدحت پاشا کے خلاف مقدمہ

اس مقصد کے لئے سلطان عبدالحمید نے مرحوم عبدالغفرز کی خودکشی کو اکڑا کر بنایا۔ عبدالغفرز کی وفات، ایک سازش اور قتل کا نتیجہ قرار دی گئی۔ ایک برس تک خفیہ طیاریاں ہوتی رہیں۔ پھر اجاںک داما محمد دجال الدین پاشا، رشیدی پاشا، سردار عری پاشا، روئین پاشا، اور شیخ الاسلام خیر الدین افندی جلاوطن کر دیے گئے۔ وجہ بتائی گئی کہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا کہ انہی لوگوں نے سلطان عبدالغفرز کو قتل کیا ہو۔ مگر وہ تحقیقات آج تک شائع نہیں کی گئی۔

اس آئینہ میں بعض دقت مجھ لکھ رہے تھے کہ غمگین تم بھی گرفتار ہونے والے ہو۔ ذرا بھاگ جاؤ۔ نیز میرے ایک یو پیٹ نے آکر کہا۔ میں ایک جہان خاص تھکے لئے لایا ہوں۔ فوراً یو پیٹ چلے جاؤ۔ درد گرفتار ہو جاؤ گے۔ مگر میں نے قطعی انکار کر دیا۔ میں نے کہا سلطان عبدالغفرز نے خودکشی کی ہو۔ نہ میں نے اور نہ کسی نے انہیں قتل کیا ہو۔ جب میں مجرم ہی نہیں ہوں تو کیوں جھاگوں اور دشمنوں کو تھمت لگانے کا موقع دوں؟ میں نے ہم برس سلطنت کی خدمت کی ہو۔ اب آخری وقت میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔

میں نے یہ کہا حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ سلطان میرے خون کیلئے ہو رہے ہیں اور جلد سے جلد میرا فیصلہ کر دینا چاہتے ہیں۔ مگر ہر روز اپنی گرفتاری کا انتظار رہتا تھا۔ چنانچہ ہم راج کو جبکہ میں سزائے دارالحکومت میں پڑا خاندان کے ساتھ سوار تھا، ادھی رات کے وقت مکہ کی ۲ پلٹنوں نے محاصرہ کر لیا، اور مجھے قید کر کے آستانہ بھیجا گیا۔

ہوئے ہیں۔ ذرا اسی غفلت میں بے لگام ہو جاتے ہیں۔

مجلس تفتیش

سلطان نے یہ صورت حال دیکھی تو فوراً اس کے سبب باب برکمر بستہ ہو گئے۔ انھوں نے ایک مجلس لجنۃ التفتیش والا اصلاح کے نام سے قائم کر دی۔ اس مجلس کی طرف میں نے کسی پچھلے مکتوب میں خفا کر چکا ہوں۔ اس مجلس کا کام یہ ہو کہ حکومت کے تمام شعبوں کی جانچ پڑتال کر کے اصلاح کی تجویزیں سلطان کے سامنے پیش کرے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ ان تمام تدبیروں پر بھی غور کرے جو حجاز کی ترقی و خوشحالی کا موجب بن سکتی ہیں۔ سلطان نے اس مجلس کو کافی اختیار دئے ہیں۔ یہ مجلس جو کچھ طے کر دیتی ہو، سلطان اسے منظور کر لیتے ہیں۔ حقیقت تمام جدید اصلاحات کا مسودہ اسی مجلس نے بنایا ہو

ذیل میں بعض اہم اصلاحات کا ذکر کیا جاتا ہو:

(۱) تعلیم مجلس نے فیصلہ کیا کہ دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح حجاز میں بھی تعلیم تین درجوں پر تقسیم کر دی جائے۔ ابتدائی ثانوی اعلیٰ۔ تمام تعلیم گاہوں کے لئے عام اس سے کہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری، ایک ہی نصاب اور دستور العمل بنایا جائے۔ نئی کتابیں تصنیف یا ترجمہ کی جائیں اور ان میں ملک کی استعداد کا لحاظ رکھا جائے۔ ۲۲ ارکان پر مشتمل ایک مجلس ”مجلس معارف“ کے نام سے قائم کی جائے اور پورا محکمہ تعلیم اس کے سپرد کر دیا جائے۔

(۲) مجلس تفتیش نے فیصلہ کیا کہ عدالتوں کا موجودہ نظام، فاسد ہو اس میں تبدیلی کی جائے۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ مقدمات کا فیصلہ عدالتوں تک نہیں ہو سکتا۔ دادخواہوں کو سخت پریشانیوں کا شکار پڑتی تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ باشندے اپنا نقصان گوارا کر لیتے، مگر عدالتوں کے تباہ کن بیچوں میں پھنسا نہیں چاہتے۔ مجلس نے طے کیا کہ عدالتوں کا نظام بہت سادہ کر دیا جائے۔ مقدمات کے فیصلے میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ شرعی احکام کے مطابق فوراً فیصلہ صادر ہو جائے۔ عدالت کے حکام کے غیر محدود اختیارات معقد کر دیے جائیں۔ ان پر باضابطہ نگرانی قائم کی جائے، تاکہ مقدمہ والوں کو ان کی دیانت پر شبہ باقی نہ رہے۔ چھوٹی چھوٹی عدالتیں جائجا قائم کی جائیں۔ ان کا کام یہ ہو کہ معمولی مقدمات کا تصفیہ فوراً کر دیا کریں۔

(۳) ملک میں حفظان صحت کا انتظام مکمل نہیں ہو۔ نئے شغل خانے کھولے جائیں۔ نئے طبی آلات میا کئے جائیں۔ لالین طبیوں کی خدمات حاصل کی جائیں۔

(۴) ڈاک اور پولیس کے محکموں میں اصلاحات جاری کی جائیں۔

مجلس امر بالمعروف

عدالتی نظام نامے کے ساتھ ایک فرمان میں مجلس امر بالمعروف دینی منکر کے قیام کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔ اس کی ذمہ داری حنفیہ میں ہے:

(۱) اس مجلس کا مرکز، مکہ میں ہوگا۔ شام، جہ، مدینہ، طائف، یمن وغیرہ محلات میں ہوں گی۔

(۲) ہر مقام کی مجلس میں جب ضرورت ارکان کی تعداد ہوگی۔ (۳) ارکان کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ شریعت کے عالم، خوش اخلاق اور خوش اطوار ہوں۔

(۴) ہر مجلس کے ماتحت، مسلح فوج ہوگی اور اس کے احکام نافذ کرے گی۔

(۵) ہر سہ ماہی دو مرتبہ یہ مجلسیں جمع ہوں گی۔

(۶) ان مجلسوں کے فرائض حنفیہ میں:

(۱) باشندوں کو اذیت ناک نازیباں سے باز رکھنا اور بے نازیباں کو نازیباں سے ناز کی طرف راغب کرنا۔

(۲) جن مقامات میں خلاف شرع کام ہونے کا شبہ ہو، ان کی نگرانی۔

(۳) باشندوں کو زہری کے ساتھ معاصی و منکرات کے ترک کی ترغیب دینا۔

(۴) شادی دینی میں خلاف شرع رسوم میں باز رکھنا۔

(۵) عوام کو خوش کلامی سے روکنا۔

(۶) کمزوروں کی مدد، بیواؤں سے حسن سلوک، للہاؤں کی دست گیری۔

(۷) حیوانات پر رحم۔

(۸) یہ مجلس ہر اس بات کا حکم دیں گی اور ہر اس بات سے منع کریں گی جس پر امت کا اجماع ہے۔ مختلف فیہ امور میں عدالتی نگرانی دینی مجلس سے رجوع کریں گی۔ کیونکہ امر بالمعروف، معروف میں ہے۔ نہ کہ امور اجتہادیہ میں۔

تنبیہ۔ ان مجالس کے ماتحت فوجوں کو سختی سے ممانعت کی جائے گی کہ احکام کے نفاذ میں ہرگز تشدد سے کام نہ لیں۔

کہ منصفہ کی مرکزی مجلس کے ارکان حنفیہ میں ہیں:

(۱) شیخ عبدالرحمن بن شاک (صدر)

(۲) عارفیہ (رکن)

(۳) محمد زکریا (رکن)

(۴) محمد رشیدی (رکن)

(۵) احمد شافعی (رکن)

(۶) عبدالمنعم عار (رکن)

(۷) عبدالمنعم مطلق (رکن)

(۸) سلیمان المصنع (رکن)

(۹) محمد الحضری (رکن)

(۱۰) محمد عبدالرحمن النعل (رکن)

محکمۃ الاحکام الشریعہ

عدالتی اصلاحات کے سلسلہ میں سب سے بڑی اصلاح، جو سلطان ابن سعود کے پیش نظر ہو، وہ "محکمۃ الاحکام الشریعہ" ہے۔ آپ کے تائید سے مخفی نہیں کہ فقہ اسلامی کے مذاہب اربعہ کی تفریق سے شریعت کے قیام میں کس قدر دشواریاں پیدا ہوئی ہیں خصوصاً ان ملک میں جہاں چاروں مذاہب کے متبعین موجود ہیں۔ بلکہ خود ہر مذہب کی کتب میں اس قدر اختلاف ہے کہ شرعی عدالتوں کا کام نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ اب سے پہلے ترکی میں جب شرعی عدالتیں قائم

(۱) عدالت خفیہ۔ اس کا مرکز قلعہ حمید میں ہوگا۔ یہ ان تمام دینی و دنیاوی مقدمات کا ذریعہ فیصلہ کرے گی جن میں ۲۰ گنی سے کم کا دعویٰ پیش ہوگا۔ اور جن میں مجرم کے لئے سنگین سزائیں ہیں۔ اس کے فیصلے کی اپیل نہیں ہو سکتی۔ آلائے کراٹھ ہر شرع کے صریح خلاف ہو۔

(۲) اسی قسم کی ایک اور عدالت بھی قائم ہوگی۔ یہ صرف بدی قبال کے مقدمات کا فیصلہ کرے گی۔

(۳) شرعی عدالت عالیہ۔ یہ ان تمام مقدمات پر غور کرے گی جو عدالت خفیہ کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔ اس کے فیصلے اس کے قاضیوں کے اتفاق اور اکثریت سے صادر ہوں گے۔

دفعہ دوم۔ جہ اور مدینہ میں بھی اسی قسم کی تینوں عدالتیں قائم کی جائیں۔

دفعہ سوم۔ مکہ کی عدالتوں میں قاضیوں کی تعداد حنفیہ ہوگی:

(۱) عدالت خفیہ میں ایک ایک قاضی۔

(۲) عدالت عالیہ میں تین۔

دفعہ چہارم۔ عدالتی نگرانی کے لئے ایک مجلس قائم ہو۔ اس کا فرض یہ ہوگا کہ وقتاً فوقتاً مقدمات کی رفتار اور فیصلوں کی جانچ کرتی رہے۔ اگر کبھی غلطی دیکھے، تو فوراً بازرسی کرے۔

دفعہ پنجم۔ یہ مجلس ایک صدر، ایک کاتب (سرکاری) اور تین ارکان سے مرکب ہوگی۔ خود سلطان ان لوگوں کو منتخب کرینگے۔

دفعہ ششم۔ اس مجلس کے وظائف حب ذیل ہوں گے:

(۱) تمام حدود شرعیہ پر نظر رکھنی۔

(۲) مالی مقدمات پر نظر ثانی کرنی بشرطیکہ کوئی فریق اس کی درخواست کرے۔

(۳) کم عمر بچوں کے حقوق اور اذیتانہ کے اسوالات کی حفاظت۔

(۴) امر بالمعروف دینی منکر۔

(۵) ان مسائل میں فتویٰ صادر کرنا جن کا تعلق شرعی عدالتوں سے نہیں ہے۔

(۶) اگر عدالتوں کے قاضی کسی معاملے میں مختلف ہوں اور فیصلہ نہ کر سکیں، تو انھیں مشورہ دینا۔

دفعہ ہفتم۔ فیصلہ کے صادر ہونے کے بعد اس کے نفاذ میں ۵ دن سے زیادہ تاخیر نہ کی جائے۔

دفعہ ہشتم۔ قاضیوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ عدالت کے اذیتانہ میں لوگوں سے بچ کی ملاقاتیں کریں۔

دفعہ نهم۔ اپیل کی انتہائی مدت میں ۱۰ ہوں گی۔

یہ عدالتی نظام نامے کے چند دفعات کا خلاصہ ہے۔ اس نظام نامے کے ساتھ ہی دو شاہی فرمان بھی شائع ہوئے ہیں۔ ایک میں کہ منصفہ کی تینوں عدالتوں کے لئے قاضیوں (دجوں) کی تقرری منظور ہوئی

دوسرے میں عدالتی نگرانی کی مجلس کے ارکان کے نام بتلائے گئے ہیں۔

عدالت عالیہ کے لئے تین قاضی مقرر ہوئے ہیں: شیخ محمد زکریا (صدر) بھجت البیطار (رکن) امین فودہ (رکن) باقی دو ذیل عدالتوں کے لئے: البیطار شیخ محمد التوحیدی اور شیخ حسین عبدالغنی مقرر کئے گئے ہیں۔

عدالتی نگرانی دینی مجلس کے ارکان حنفیہ میں:

(۱) شیخ عبدالمنعم بن حسن (صدر)

(۲) شیخ محمد علی الزکی (کاتب)

(۳) شیخ علی المالکی (رکن)

(۴) شیخ محمد الباقر (رکن)

(۵) شیخ سعید ابوالخیر (رکن)

(۵) مکہ، مدینہ، طائف، جہ، یمن وغیرہ کے ایجنٹس بنائی جائیں۔

(۶) حرم کعبہ میں نیا اضافہ کیا جائے۔ اس کے انتظام میں خرابیاں ہیں۔ اصلاح کی جائے۔

(۷) چارہ زہر سے پانی نکالنے کا موجودہ طریقہ اچھا نہیں۔ اہل حفظان صحت کے خلاف ہے۔

(۸) مندرجہ کی موجودہ صورت حال خراب ہے۔ جا بجائے کھلی ہوئی ہے۔ قسم قسم کی گندگیاں اس میں گر جاتی ہیں۔ لوگ کپڑے بھی اس میں دھو لیتے ہیں۔ حاجی اور باشندے یہی پانی پیتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔

(۹) مندرجہ نامہ کافی ہے۔ جدید کنوئیں کھودنے چاہئیں۔

(۱۰) منی، عرقا، اور بحرہ میں پانی اور سایہ کا انتظام نہیں ہے۔ یہ مجلس تفتیش و اصلاح کے سواہ اصلاحات کی چند سفارشات ہیں۔ اب دیکھنا چاہئے ان پر کہاں تک عمل ہوا ہے؟

تخلی

نئے مدرسے جاری کئے جا رہے ہیں۔ مدارس کے لئے نصاب تعلیم اور دستور العمل بنایا جا رہا ہے۔ مصروفیت سے لائق مدرس طلبہ کے

جا رہے ہیں۔ صرف حجاز کے بڑے بڑے شہروں ہی میں نہیں بلکہ دیگر قبائل میں بھی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بدی باشندے

باصابطہ مدارس سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ لہذا ان کے لئے تجدید خواص معلم بلائے گئے ہیں جو خود بھی بدی ہیں اور بدی عادات و طبائع سے واقف ہیں۔ اب تک ۱۰۰ قیلول میں تعلیم کا انتظام کیا جا چکا ہے۔

مگر ظاہر ہے تعلیمی اصلاحات کا نتیجہ ایک مدت کے بعد ہی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ تعلیمی لائحہ ایک فرمان کی صورت میں شائع کیا گیا ہے اور وہ

بالاختصار یہ ہے:

دفعہ اول۔ محکمۃ تعلیم و تحقیق میں مجلس معارف کے لائحہ عمل طرک بطور خود تعلیم ہے۔

دفعہ دوم۔ جن علوم کی تعلیم دی جائے گی، وہ یہی ہوں گے جن میں مجلس معارف نے مقرر کر دیا ہے۔

دفعہ سوم۔ حجاز کی تعلیم کا جس مجلس معارف کے ماتحت ہوگی۔

دفعہ چہارم۔ گھروں میں تعلیم نہیں دی جائے گی الا یہ کہ مجلس معارف سے اجازت حاصل کر لی گئی ہو۔

دفعہ پنجم۔ تعلیمی نصاب اور دستور العمل غریب مرتب کیا جائے گا۔ سلطان نے اس کے لئے ایک مجلس کی تشکیل کا حکم دیدیا ہے۔

دفعہ ششم۔ تعلیمی لائحہ اور دستور العمل حنفیہ اصول پر مبنی ہوگا۔

(۱) تعلیم کی غرض ایک ہے۔

(۲) حجاز میں تعلیمی بلندی دور کر دی جائے۔ تمام تعلیم ایک ہی نظام کے ماتحت رہے۔ ابتدائی تعلیم، تدریج اجباری کر دی جائے اور بیرونیوں کے لئے مفت ہو۔

(۳) حجاز میں تعلیم کے چار درجے قرار دیئے جائیں: کبتی، ابتدائی، ثانوی، اعلیٰ۔

(۴) مسجد حرام میں جو تعلیم جاری ہے، اس کے لئے ایک ضابطہ مقرر ہے۔

(۵) مدرسوں کی قابلیت کے لئے معیار مقرر کر دیا جائے۔

دفعہ ہفتم۔ مدارس اور تعلیم کی جانچ کے لئے مفتش مقرر کئے جائینگے وہ پوری تعلیم کی نگرانی کرینگے اور اپنی رپورٹیں مجلس معارف کے سامنے پیش کیا کرینگے۔

عدالتی نظام

عدالتوں کے لئے ایک نیا دستور العمل سلطان نے شائع کیا ہے جس کا خلاصہ حنفیہ میں ہے:

دفعہ اول۔ کہ منصفہ میں حنفیہ عدالتیں قائم ہوں:

تھیں اور فقہ حنفی پر فیصلہ صادر کرتی تھیں تو انھیں سخت دشواریاں پیش آتی تھیں۔ یہی دشواریاں دیکھ کر ترکوں نے ایک مجلس قانوں نامہ، فقہ حنفی سے مرتب کیا تھا اور ترکی عدالتیں اس پر عمل کرتی تھیں۔ حجاز میں چاروں مذاہب کے پروردگار ہیں۔ اگلیوں اور شافعیوں کی اکثریت ہے۔ موسم حج میں تو تین چار مہینے کے لئے ہر ملک و مذہب کے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حجاز میں کسی ایک فقہی مذہب کو مستقر قرار دینا اور باقی کو پس پشت ڈال دینا، صریحاً انصافی ہوگی۔ لہذا سلطان ابن ستود نے یہی مناسب سمجھا کہ حجاز کی شرعی عدالتیں کسی ایک مذہب سے مستقیم نہ ہوں بلکہ بیک وقت چاروں مذاہب پر جب حالت فریقین مل کر ہیں۔ چونکہ تمام اہل سنت و جماعت مسلمان، چاروں مذاہب فقہ کی بنیادیں حق تسلیم کرتے ہیں، اس لئے سلطان نے طے کیا کہ مذاہب اربعہ کے زیادہ سے زیادہ مستند اور ضروریات زمانہ کے مطابق احکام لے جائیں اور انہی کی بنا پر عدالتیں فیصلہ کریں۔

مگر موجودہ زمانہ میں ایسے علماء و قضاہ کا ملنا مشکل ہے جو بیک وقت چاروں مذاہب کے ماہر ہوں، لہذا سلطان نے طے کیا کہ ایک مجلس قانوں نامہ مرتب کیا جائے اور اس میں مذاہب اربعہ کے متفق علیہ احکام اور زیادہ سے زیادہ مستند اور وقت کے مناسب احکام جمع کر لئے جائیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے سلطان، غیر مذاہب اربعہ کے مشہور علماء کی ایک مجلس مرتب کرنے والے ہیں یہی مجلس یہ مجلہ تیار کرے گی۔

حفظان صحت

مسلمانانِ حنفی حفظانِ صحت کے انتظامات بھی شروع کرتے ہیں۔ مستعد مصری و شاہی ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ جہہ میں ایک طبی مرکز قائم کرنے کی منظوری صادر کر لی ہے۔ یہ طبی مرکز جدید ترین صحیح اسلوب پر قائم ہوگا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ متعدد ججائز و جوایز یو بی پی بھی گئے ہیں تاکہ طبی علوم کی تکمیل کریں۔ حجاز کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ اس کے فوجی ان تعلیم کے لئے باہر بھیجے جا رہے ہیں۔

جدید طرز کیں

جدہ اور مکہ کے درمیان پرانی ٹرک کی مرمت ہونے لگی ہے۔ اس راستے میں جا بجا دودھ و دھند تک ریت پھیلی ہوئی تھی اور حاجیوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ سلطان نے اس کی مرمت جاری کر دی ہے۔ ٹوری ٹرک پر پتھر کوٹا جا رہا ہے۔ آئندہ موسم حج میں حاجی یہ ٹرک بالکل طیارہ پائیں گے اور بہت آرام حاصل کر سکیں گے۔ کمزور طاقت کے مابین بھی ایک ٹرک بنائی گئی ہے۔ اس پر سوار چلنے لگے ہیں۔ طاقت، کمزور کے لئے روح کا حکم رکھتا ہے۔ سبزیاں، ترکیاں، میوے، کمزور، طاقت ہی سے آتے ہیں۔ اب سے پہلے دودھ شہروں کے مابین سفر ۳ دن میں ختم ہوتا تھا۔ اب صرف ۴ گھنٹے میں طے کیا جاتا ہے۔ طاقت کی آب دھوا نہایت عمدہ ہے۔ مناظر ایسے ہیں کہ حجاز کا سوشل سٹریکچر کبھی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اب تک اس کی آبادی و ترقی کا کوئی سامان نہ تھا۔ سلطان اسے آباد کرنا چاہتے ہیں۔ طاقت، حجاز کا قدرتی طرز پر گرائی پائے تخت ہے۔ سلطان نے اپنا خاندان طاقت بھیجا ہے، تاکہ مکہ کے دوسرے باشندوں کو بھی ترغیب ہو اور وہ گرمی میں وہاں جا کر رہیں۔

یہ سب اور مدینہ کے مابین بھی ٹرک بن رہی ہے۔

حرم میں اصلاحات

حرم کتبہ میں دو قسم کی اصلاحات شروع ہو گئی ہیں: تعمیری اصلاحات اور انتظامی اصلاحات۔

تعمیری اصلاحات کے سلسلے میں تین امور اہم ہیں:

(۱) حرم کا موجودہ رقبہ، حجاز بیت المقدس کے لئے ناکافی ہے۔ لہذا اطراف حرم کے بعض مکان، حکومت نے خرید لئے ہیں تاکہ مسجد بڑا وسیع کر دی جائے۔ یہ توسیع، باب زیادہ کی طرف سے عمل میں آئیگی۔ (۲) حرم کے گرد مسکنوں کا ایسا سلسلہ قائم ہو کہ بیت المقدس کی عظمت و قدرتی طرح ظاہر نہیں ہوئی۔ لہذا حکومت نے فیصلہ کیا کہ بتدریج اطراف کے مکان خرید کر مہندم کر لئے جائیں۔ (۳) مسجد حرام کے صحن پر کوئی چھت نہیں ہے مگر صحن اطراف والاں ہیں، لیکن وہ بھی دھوپ کی مداخلت سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس کے حارجوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ دھوپ کی شدت سے بہت آدھی بیاد ہو جاتے تھے۔ اب سلطان نے فیصلہ کیا کہ چاروں طرف والاں کے سامنے پتیلے پتیلے آہنی ستون کھڑے کئے جائیں اور ان پر ۸ میٹر بلندی پر لٹاؤ نصب کر دیا جائے۔ یہ شامیانہ دن تیر لٹاؤ دیا جائے گا اور رات کو اٹھا دیا جائے گا تاکہ ہوا بند نہ ہو۔ اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کم سے کم ۲۰ ہزار آدمی بیک وقت سایہ میں بیٹھ سکیں گے! (۴) حرم کے صحن میں سنگ ریزوں کا فرش ہے۔ اس سے حرم میں گرمی زیادہ رہتی ہے اور پوری طرح صفائی بھی نہیں ہو سکتی۔ سلطان نے فیصلہ کیا کہ سنگ ریزے اٹھا لئے جائیں اور تمام فرش پریٹ کر دیا جائے۔ چنانچہ سینٹ پھلنے کی مشین آگئی ہے۔

انتظامی اصلاحات بھی بہت ہیں۔ مرن بعض کا ذکر کرتا ہوں: (۱) اب تک کہہ کے اندر داخل ہونے کے لئے حاجیوں کو ریہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ اب یہ ناجائز قرار دیا گیا۔ تمام حاجی ایک سیٹھی ادا کئے بغیر بیت المقدس داخل ہونگے۔

(۲) موجودہ اغوات کی (خارجہ سراجو حرم کعبہ کی خدمت پر مامور ہیں) تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں کمی کر دی جائے گی۔ (۳) حرم میں نماز کے لئے ۱۰۰ امام کافی ہیں۔ باقی موقوف کر لئے جائیں گے۔ (۴) علماء سے فتویٰ طلب کیا جائے گا کہ امامت کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) حرم میں صفائی کا انتظام ناکافی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فراشوں کی تنخواہ بہت کم ہے۔ ان کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے گا۔

(۶) کبڑی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں کمی کی جائے گی۔

(۷) حرم میں کل ۲۸ دروازے ہیں۔ ۴ دروازے، اطراف کے مکان والوں کے ہیں۔ ان لوگوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ اپنے دروازوں پر دربان مقرر کریں تاکہ دروازے عام گزرگاہ نہ بن جائیں۔ حرم بیت المقدس، عبادت کا مقام ہے نہ کہ شائع عام۔ باقی ۲۴ دروازے میں ہر ایک کے واسطے دو دربان مقرر کئے جائیں گے تاکہ انتظام قائم رکھیں۔

(۸) شرفاء مسجد میں سونا جائز نہیں، الا ان پر دیسوں کے جو کوئی جائے پناہ نہیں لگتے۔ لیکن کمزور ہر آنے والا یہی مذہب میں کر سکتا ہے۔ لہذا حرم میں سونا قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ مرن اعتکاف کرنے والے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۹) حرم کی نگرانی کے لئے نقش مقرر کئے گئے۔ یہ لوگ حرم کے جلہ انتظامات کی نگرانی کریں گے۔

(۱۰) ایک مجلس، مجلسِ ادارۃ الحرم کے نام سے قائم ہوگی وہی حرم کے انتظامات کی ذمہ دار ہوگی۔

چاہ زفر

چاہ زفر کی موجودہ مصیبت یہ ہے کہ کھلا ہوا ہے۔ ڈول سے پانی نکالا جاتا ہے۔ پانی نکالنے والوں اور پینے والوں کی دھوون اٹھ میں گرتی رہتی ہے۔ پھر سب حاجیوں کو سب مرضی پانی بھی نہیں ملتا۔

عام طور پر انھیں پانی کے لئے اجرت دینا پڑتی ہے۔ ان تمام خواہوں کے سدباب کے لئے سلطان نے طے کیا کہ کنواں اور بے دھوک دیا جائے۔ زفر کی پائش سے معلوم ہوا کہ اس کا کل عمق ۳۳ میٹر ہے۔ ۱۳ میٹر میں پانی ہے، باقی ۲۰ میٹر اس کی دیوار ہے۔ ہندسی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ اگر پانی نکالنے کا معقول انتظام کیا جائے تو اس سے کمی گنا زیادہ پانی کنواں سے نکالا جاسکتا ہے، حتیٰ کہ پورا شہر اس سے سیراب ہو سکتا ہے۔ لہذا طے پایا کہ پانی نکالنے کی جدید مشین نصب کی جائے۔ حرم کے چاروں طرف کی پھیلائے جائیں اور ان میں پانی جاری کر دیا جائے۔ اس عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حاجی بھر کسی زحمت کے چوت چاہیں گے زفر کا پانی پی سکیں گے۔

جدید کنوئیں

کم، منی، عرفات، بھرہ وغیرہ میں جدید تر کے کنوئیں کھودے جا رہے ہیں۔ دادی نعمان، شہدار، اور منی میں کام شروع بھی ہو چکا ہے۔ لیکن مرن ان کنوئوں سے پانی کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا ہے۔ بڑے حوضوں کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ طے کیا گیا ہے کہ برسات اور بہاؤ سیلاب کا پانی محفوظ کر دینے کے لئے حوض بھی بنائے جائیں۔

نہر زبیدہ

چونکہ نہر زبیدہ مکہ معظمہ میں طے پانی کا تہا بنے ہو۔ لہذا اس کی حفاظت و ترقی کے لئے سلطان نے خاص توجہ کی ہے۔ یہ نہر کا بنانا سے کھلی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض مقامات میں ۲۰۰ سے ۳۰۰ میٹر تک کھلی ہے۔ اس کا بند کرنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ باشندے پانی سے سوتے ہیں گئے۔ مگر اس کے کھلے رہنے سے یہ شدید نقصان ہو کہ لوگ امیں سے لپٹے دھوئے اور نہاتے ہیں۔ ان کی نگرانی ناممکن ہے۔ لہذا طے پایا کہ عرفات میں ایک بہت بڑا ٹاناب بنایا جائے۔ نہر کا تمام پانی جدید ترین صحیح اصول پر اس میں صاف کیا جائے، اور صاف ہونے کے بعد آگے بڑھے۔ اس تبریر کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مکہ کے باشندوں اور حاجیوں کو آدھی بیا دیوں سے نجات مل جائے گی جو سرسراہی نہر کا پانی پینے سے پیدا ہو کر تھیں۔

سایہ کا انتظام

طے پایا کہ منی، عرفات، مزدلفہ، مکہ، اور جدہ کے مابین چاروں کے واسطے بڑے بڑے آیدان تعمیر کئے جائیں تاکہ وہ آگے پیچھے دھوپ سے پناہ حاصل کر سکیں۔ ہر موسم حج میں دیکھا جاتا ہے کہ سیکڑوں حاجی دھوپ کی تپش سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس کو انتظام سے یہ مصیبت بڑی حد تک دودھ ہو جائے گی۔

سلطان کی ایک تقریر

گزشتہ ہفتے سلطان نے اپنی حکومت کے تمام عہدہ داروں کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک طویل تقریر کی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

”آپ جانتے ہیں کہ فضل مل، مکرخی کا اعلان ہے۔ سب بدترین عمل، حق کا انکار ہے۔ ہماری مجلسیں ہمیشہ، مکہ حق کے اظہار حکم، و رعایا کی نصیحت و ہدایت کے لئے ہوتی چاہئیں۔

”ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مضبوط قدموں سے۔ ترقی میں ہمارے خیالات، ہمارے مقصدات، ہماری آرزوئیں ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ملت صالحہ کی پروردگار کے تقاضا ہوتی چاہئیں۔ دنیا کا جو کام ہمارے دین کے مطابق ہوگا، اسے کریں گے، جو مخالف ہوگا، اس سے باز رہیں گے۔

”حکومت کے عہدہ داروں کا فرض ہے کہ یہ حقانیت بیان کریں لیکن مرن قول و بیان کا کافی نہیں ہے۔ عمل بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرما ہو، ”آما مرن اننا مسلمون و متسنون انفسکون“۔ عملی شہریت!

یہ نگرہدود و اخشا یونانی دہلی

خط و کتابت و ترمیم و زینب نام : ناظم الانصاف دارالعلوم دیوبند ہونی چاہیے۔
المعلن : احقر حبیب الرحمن ناظم دارالعلوم دیوبند (دیوبند)

فلانکے امر سے اس نے اس کا کمر بٹا دیا اور کہنے لگا کہ اس کا کام ہے

صلی اللہ علیہ وسلم تہمتہ قرآن صیح فیہ العدل مدفون! خدا کی رحمت اُس جسم پر جسے قبر نے چھایا ہو، اور عدل اُن میں مدفون پڑا ہو۔

قد صالحت الحق لایسفی بہ بدلا فصا بالحق والایمان مقرنا وہ ہیشہ حق کے ساتھ تھا، اُسے کبھی نہیں چھوڑنا تھا۔ اُس کا کلام حق دایمان کے ساتھ ہیشہ کے لئے چھڑ گیا ہو! ”یہ کون ہو؟“ امیر نے انجان بن کر سوال کیا۔

”علی بن ابی طالب علیہ السلام“ سودہ کا برجستہ جواب تھا۔ ”اُس نے میرے ساتھ کیا کیا کرتی نظر میں ایسا بن گیا؟“ امیر نے پوچھا۔

”اُنھوں نے ہم سے مدد وصول کرنے کے لئے ایک شخص کو مقرر کیا تھا۔ سودہ نے کہا ”میرے اور اس شخص کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ میں اُس کی شکایت لے کر امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ اس وقت نماز کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ملنا چھوڑ دی، اور بڑے ہی لطف اور نرمی سے میرا حال پوچھا۔ میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپ سنتے ہی رونے لگے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا ”خدا! تو مجھ پر اور میرے حال پر گواہ ہو۔ میں نے اُنھیں تیری مخلوق پر ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا“ اِس کے بعد جب سے ایک کھال کا ٹکڑا اُڑا اور اُس پر لکھا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قد جاء تکبر سنیۃ من دیکم کذا والکلیل والمیلان بالقسط ولا تحسوا الناس اشیاءکم، ولا محشواتی الارض معصدين بقیۃ اللہ خیر کما انکم مؤمنین، واما ما علیکم بحفیظ۔ اذا قرأت کتابی فاحفظ ما فی یدیک من علما حتی یصل علیک من ینقضہ منک، والسلام“

(نصائے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس روشنی آپکی ہو۔ ہذا آپ تول ٹھیک ٹھیک کرو۔ لوگوں کا حق نہ مارو۔ زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ اللہ کا بقیہ تمھارے لئے زیادہ بہتر ہو۔ میں تم پر بھاری عہدوں ہوں۔ میری یہ تحریر پڑھنے کے بعد جو کچھ تم سے ہاتھ میں ہمارا کام ہو اُس کو محفوظ رکھو۔ یہاں تک کہ وہ شخص پہنچ جائے جو تم سے وہ سب وصول کرے۔ یعنی اُس کا حکم کو معزول کر دیا۔)

”میں نے امیر المؤمنین کے ہاتھ سے خط لے لیا۔ دادا امیر اُنھوں نے نہ تو کوئی ٹھکانا دیا، نہ اُسے بندھی کیا۔ میں نے خود ہی اُنھوں سے اُسے حوت حن پڑھ لیا“

”ابن ابی طالب نے انھیں حکم پر جری بنا دیا ہو“ امیر معاذ نے کہا ”بہت دیر میں یہ جرات تم سے دور ہوگی“

پھر حکم دیا کہ سودہ کمال واپس کر دیا جائے اور اُس سے اچھ بڑاؤ کیا جائے۔

”یہ حکم میرے لئے خاص ہو یا میری پوری قوم کے لئے؟“ سودہ نے سوال کیا۔

”مجھے دوسروں سے کیا سروکار؟“ امیر معاذ نے کہا۔ ”تو دادا کی بیٹی اور بدکار ہو سودہ نے کہا۔“ اگر عدل عام نہیں تو میں اُسے نہیں قبول کرتی“

مجھ دادا امیر معاذ نے یہ حکم دیا کہ اُس کے پورے قبیلہ کی بابت فرمان لکھ دیا جائے۔ (عقد الغریہ و بلاغات النساء)



احرار اسلام

ادائل عبد اموی کی اسلامی ہنیت

ایک بڑھیا خلیفہ کے دربار میں

سودہ بنت عمارہ

”علی علیہ السلام کی محبت اور اتباع حق کی وجہ سے“ سودہ کا جواب تھا!

”لیکن علی رضی اللہ عنہ نے تمھیں کیا بدل دیا؟“ امیر نے پھر سوال کیا۔

”بھولی باتوں کے تذکرہ سے کیا فائدہ؟“ سودہ نے جواب دیا۔

”ہم بات! امیر معاذ نے کہا۔ ”تمھارے بھائی کا معاملہ بھلا

نہیں جاسکتا۔ مجھے کسی سے بھی اپنی تکلیف نہیں پہنچتی تمھارے بھائی اور تمھاری قوم سے پہنچی ہو“

”سچ ہو“ سودہ نے جرات سے کہا۔ ”میرا بھائی حقیقہ کر دی نہ تھا کہ بھلا دیا جاسکے۔ دادا سودہ دلیسا تھا جیسا خدا نے اپنے بھائی کو کر کے بسے میں کہا ہو“

دان محض ان تمام المداہرہ کا نہ علم فی راسہ نہ صغیرہ جو جس کی پیروی دہبر کرتے ہیں۔ گویا پناہ جو جس کی چٹا پر آگ روشن ہو!

”سچ ہو۔ تیرا بھائی ایسا ہی تھا“ امیر نے تصدیق کی۔ ”اچھا، کو میرے پاس کیوں آئیں؟“

”تم اب آدمیوں کے سردار اور اُن کے معاملات انجام دینے والے بن گئے ہو“ سودہ نے کہا۔ ”خدا تم سے ہماری بابت اور ہمارے حقوق کی بابت سوال کرے گا۔ تمھاری طرف سے ہمارے یہاں ایسے حکام

آنے لیتے ہیں، جو تمھاری شوکت پر گھمنڈ کرتے، اور تمھاری قوت کی تباہی کرتے ہیں۔ یہ یہاں اس طرح کاٹ رہے ہیں جس طرح کھیتی کاٹی جاتی ہو، یہ یہیں دلیل کرتے ہیں۔ ہم سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ تمھارا دلی

بسر بن اوطاہ تمھاری طرف سے آیا اور میرے آدمی مار ڈالے، میرا مال ختم لیا، اور مجھے ایسا ہی بات کہنے پر مجبور کرنا چاہا جو میرے لئے سے نکلتا ناممکن ہو (یعنی حضرت علی علیہ السلام سے اظہار و بیزاری)

اگر اطاعت واجب ہوتی تو ہمارے اندر بھی قوت و استعداد تھی۔ بہر حال اُسے معزول کر دیا اور ہمارے شکریہ کے سختی بنو، ورنہ پھر تمھیں دکھا دینگے“

”تو مجھے دہم کاتی ہو! امیر نے کہا۔ ”میں نے ارادہ کر لیا کہ تمہیں سرکش ادب پر بٹھا کر بسر بن اوطاہ کے پاس بھیج دوں تاکہ جو سزا چاہے، دے دے“

سودہ نے سر جھکا لیا۔ پھر سر اٹھایا اور یہ شعر پڑھا:

سودہ بنت عمارہ حضرت علی علیہ السلام کے جاں نثاروں میں تھی جنگ مہین میں اُس کے پُر جوش خطبوں اور رجزہ شعروں نے شاید پر عرصہ کارزار تنگ کر دیا تھا۔ اُس کے بھائی نے نہایت پامردی سے شامی شجاعوں کو شکست دی تھی۔

جب امیر معاذ نے تخت سلطنت پر تنگ ہو گئے، تو ایک دن یہ اپنے قبیلہ کی شکایت لے کر دربار میں پہنچی۔ جو گفتگو اِس میں اور امیر معاذ میں ہوئی، تاریخ اسلام کے اوراق نے محفوظ کر لی ہو۔ یہ بعد

تھا کہ خلافت راشدہ کا دورِ حریت ختم ہو چکا تھا، اور امیر معاذ نے دیرانی شہنشاہیت کے جاہ و جلال سے تخت خلافت کو روئناس کر چکے تھے۔ پھر بھی اسلام کی پیدا کی ہوئی روح حریت کا یہ حال تھا کہ قبائل کی ایک معمولی بڑھیا عورت دربار شاہی میں آتی تھی، اور

بغیر کسی جھجک کے سخت سے سخت مخالفانہ خیالات ظاہر کر دیتی تھی! امیر کی نظر جب سودہ پر پڑی، تو بے اختیار بول اُٹھے ”کیا

تم ہی وہ سودہ ہو جو مہین کی لڑائی میں میری جماعت کے خلاف نہایت جوش و خروش سے یہ اشعار سنارہی تھیں؟“

شمر قنصل ایک ایسا بھارتیہ روم الطعان و لہجہ الاتزان لے کر فرزند عمارہ انبر و آزمائی اور جنگ جوئی میں اپنے باپ کے

سے کا زائے کر دکھا!

”والفخر علیا، والحمین، ودرہ“ دادا سودہ لہجہ دہنا بھولان علی کی، حسین کی، اور اُن کے خاندان کی حمایت کر۔ ہند اور اُس کے

بٹے کو خواہ کرے۔

ان الامام اخو البنی محمد علم الہدی و سناؤ الایمان! امام (یعنی حضرت علی) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہیں، ہدایت کا نشانہ! ایمان کا سنارہ ہیں!

نقدہ الحوت و سرام لوانہ قدما باہض صام و دنان! اُسے خطرہ سے بچا۔ اُس کے جھنڈے کے آگے شمشیر اُبارا اور فیض لے کر پیش قدمی کر!

”ہاں تم خدا کی“ سودہ نے فوراً جواب دیا۔ ”میرا حبیب آدمی نہ حق سے منہ پھیر سکتا ہو نہ جھوٹ بول کر مغذرت کر سکتا ہو۔ وہ میں ہی تھی“

”تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی؟“ امیر معاذ نے سوال کیا۔

ان تمام اصحاب کے لئے جو قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں دنیا میں عظیم الشان مقام I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON LONDON S. W. 3.

ہم

مغرب و مشرق کے تعلیم آوار، پرانی علمی اور ملبوم کتابیں، پرانی تصویروں، پرانے کتبے،
اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی
عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش
کا ہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوالیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا
ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی معارف و رسائی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔
دنیا کے تمام تعلیم تدنی مرکزین مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
تکستان، چین، و غیرہ مالک ہیں ہمارے ایجنٹ ہیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتیں خوب آئینہ عمدتک انداز ہیں!

بر عظم لورپ، ایرک

اور

مشرق

کے تمام ٹپے ٹپے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے
رہتے ہیں۔ قاهرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر بھی حال میں ہم ہی ذخیرہ ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں

تو

آپ فرخت کرنے کے لئے بھلا، پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت
مکمل ہو کہ ہمارا سفر یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی کو گہرا لگے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

دنیا میں کتبِ فروشی کا عظیم مرکز
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ و ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور متحدہ ممالک میں شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے قلم
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلہ
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایدیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں کے ہر چھ
ملک کے ہندو ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب راجی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی روش سے کد کہن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی زواہداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا وہ دارہ بلا امتیاز و مذہب و ملت قلم نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟
قیمت ملر۔ (منیر الملال کلکتہ)

اگر آپ کو

دم

ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سوتیلے

دوا فروش کی دکان

فوراً

ایکٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، قصوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کرے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی

کمن گائیڈ بک

ڈملاپ گائیڈ بوک برٹن

The Dimple Guide
to Great Britain

کا دو سرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) آپنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوتا

(۲) آپنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی

بھر کام دے سکتا ہے

(۳) آپنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں

سے مزین کہ آپنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ وابن قیم

دینی عام کے بیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے امامین کی ان نادر و اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

اسرہ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب
 ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد
 ازہائی روپیہ -

کتاب الرسیلہ — لفظ ”رسیلہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی ہے۔ بلا جلد ازھائی زریہ، مجلد سوا تین زریہ۔

اصحاب صفہ — انکی تعداد ' ذریعہ معاش ' طریق عبادت اور انکی مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آئے -

تفسیر سررة الکثر - امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا
اُردو ترجمہ - چار آئے -

العروة الوثقى — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل
بیان کیا ہے - چہ آنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی
نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں۔ نوائے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی تازہ کتاب
 کا اردو ترجمہ - سوا روپیہ -

اُئمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آئے
خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آئے

صبح سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کارش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

مینیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

“ Al-Hilal Book Agency,”

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

گاہ گاہ ہے باز خوان این دفتر پارہ را

آرزو خوابی داشتن گردانهای سینما را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مقرر رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراک کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہر تے اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طبع و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹون تصانیف کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور قائل میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے عالمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست سر روپیہ میں خرید کیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع لئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علاحدہ کر کے دیکھتے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں ”الہ لاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا، ہم نے کوشش کی کہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علامہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہو گئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شایقین علم و ادب کو آخری مرقعہ دیدے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکتی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی اندکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ زریبہ الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ زریبہ
 ” ” ” چھارم ۱۰ زریبہ ” ” ” پنجم ۱۰ زریبہ

جلد ” البلاغ“ (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا)

قیمت ۸ زریبہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علمِ ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

منیجر "البلاغ پریس"

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز اف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ررنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز اف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وسیع تبصرہ

کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رتبہ کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

برونو مولر ایند کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں تیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی معنیت اور تہوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وسیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھریوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تہوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE ALBALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

المعالي

نمبر ۲۰

جلد ۱

ابن سنان پریک

قیمت

۵ - آه

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۸ - جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۲۰

Calcutta : Friday, 4, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیں۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی
تمام نقائص ایک بار دور کر دی جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

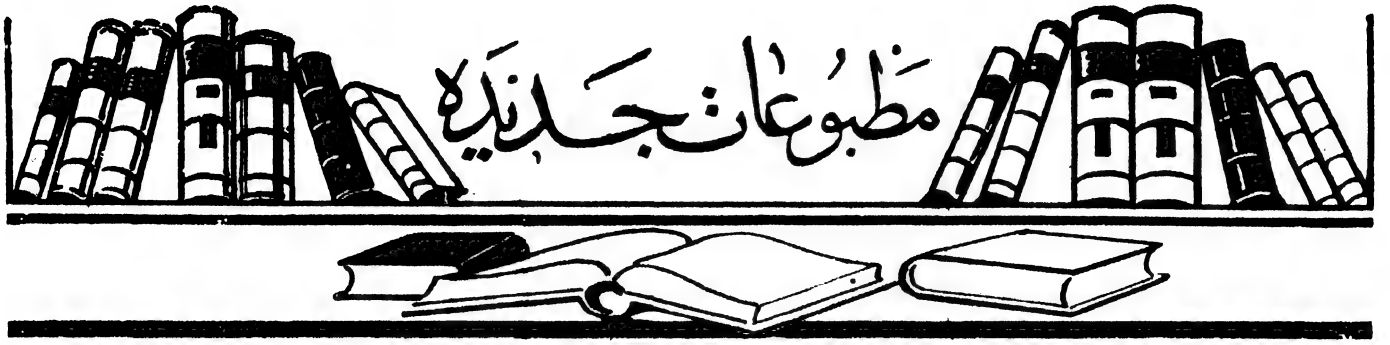
اس باری میں اس وقت تک ۱۵۵۰ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۲۳۵	اردو حروف کی حق میں	۴۲۸
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۵۵۴	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۷۳	تستعلیق ہوں	۱۵۰

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیگر بھی سی معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر
کرینگے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال



”کمیونیزم“ اور اُسکے مقاصد

جرمنی کے کمیونسٹ مرکز اشاعت نے حال میں ایک نیا سلسلہ ”کمیونیزم“ کے اصول و مبادیات پر شائع کرنا شروع کیا ہے جسکی دو جلدیں اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں۔ پہلی جلد میں زیادہ تر مشہور کمیونسٹ رہنما، کارل مارکس کے منتخب مضامین ہیں، اور ابتدا میں اُسکی مفصل سوانح حیات بھی شامل کر دی ہے۔

روس کے آخری انقلاب کے بعد سے کمیونیزم دنیا کی ایک زندہ اور عامل حقیقت ہو گئی ہے، اور ہر ملک کیلئے ضروری ہو گیا ہے کہ نہ صرف سیاسی حیثیت سے، بلکہ علمی حیثیت سے بھی اس کے اصول و مبادیات کا مطالعہ کرے، اور نقد و بصیرت کے ساتھ صحیح راے قائم کرے۔ جہانگ ہمیں معلوم ہے، اس وقت تک اردو میں کوئی کتاب ایسی شائع نہیں ہوئی ہے جس میں صحت کے ساتھ اس انقلاب انگیز سیاسی و اجتماعی مذهب کی حقیقت واضح کی گئی ہو۔ یہ نیا مجموعہ دیکھ کر ہمیں خیال ہوا کہ کارل مارکس کے بعض مختصر مقالات اس غرض کیلئے نہایت مفید اور جامع ہیں۔ ہم ان مقالات میں سے ایک مقالہ الہلال میں شائع کرنے کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے نہ صرف اس مذهب کے اصول و عقائد بلکہ اس کے ظہور و اشاعت کی ابتدائی تاریخ بھی واضح ہو جائیگی۔

یہ واضح رہے کہ اس مقالہ اور اسی طرح کے دیگر مقالات کے تراجم سے مقصود صرف یہ ہے کہ وقت کی ضروری معلومات اردو خواں طبقہ کے لیے مہیا ہو جائے۔ یہ مقصود نہیں ہے کہ یہ خیالات اس حیثیت سے پیش کیے جائیں کہ وہ یک قام مقبول اور پسندیدہ خیالات ہیں۔ ہمارے خیال میں ”کمیونیزم“ موجودہ تمدن کی سرمایہ دارانہ بے اعتدالی کا قدرتی رد فعل ہے، اور جس طرح موجودہ تمدن کی سرمایہ داری افراط کے ایک انتہائی نقطہ تک پہنچ چکی ہے، اُسی طرح کمیونیزم بھی تقریباً کے دوسرے نقطہ کا ظہور ہے۔ حق و صواب کی راہ افراط و تقریب کی راہ نہیں ہو سکتی، وہ ہمیشہ درمیان کی راہ ہوتی ہے!

(۱)

(سرمایہ دار اور مزدور)

آجنگ کی تمام سوسائٹیوں کی تاریخ، جماعتی کشمکش کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔

آزاد از غلام، شریف اور رذیل، آنا اور خدمتگار، تجارتی مکھیے اور بنجارے، مختصر یہ کہ ظالم اور مظلوم، ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے رہے، اور ایک ایسی مسلسل جنگ میں مشغول رہے

جر کبھی علانیہ تھی اور کبھی خفیہ، مگر جسکا خاتمہ ہمیشہ یا تو سوسائٹی کی ایک انقلابی کاپا پلٹ کی صورت میں ہوا، یا تمام حریف جماعتوں کی عام بربادی کی شکل میں!

قدیم ترین تاریخی عہد میں بھی تقریباً ہر جگہ سوسائٹی مختلف درجوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی اور ایک مکمل معاشرتی نظام میں سمٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ قدیم روم میں ہم شریفوں، نوابوں، گنواروں، اور غلاموں کی تقسیم پاتے ہیں۔ قرون وسطیٰ میں جاگیردار، اسامی، تجارتی مکھیے، شاگرد پیشہ، اور خدمتگار دکھائی دیتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ انہیں سے ہر جماعت بھی کئی کئی جماعتوں میں منقسم ملتی ہے۔

موجودہ سرمایہ دار سوسائٹی نے، جسکی تعمیر جاگیردار سوسائٹی کے کھنڈروں پر ہوئی ہے، جماعتی جھگڑے اور رقابتیں موقوف نہیں کیں، بلکہ پہلے سے زیادہ نئے نئے فرقے، ظلم کے نئے نئے طریقے، اور لڑائی کے نئے نئے دھنگ نکال لیے ہیں۔

البتہ ہمارے موجودہ سرمایہ دار عہد نے یہ امتیاز ضرور حاصل کیا ہے کہ اُس نے جماعتی اختلاف محدود کر دیے ہیں، اور تمام سوسائٹی سمیت کے درجے حریف جماعتوں: ”سرمایہ دار“ اور ”مزدور“ میں تقسیم کر دی ہے۔

قرون وسطیٰ کے ناشت کاروں سے دیہاتی نمائندوں کی ابتدا ہوئی، اور انہیں اسامیوں نے سرمایہ دار طبقہ کی بھی آب و گل مہیا کی۔

امریکہ کی دریافت اور زمین کے گرد دورے نے اٹھتے ہوئے سرمایہ دار طبقہ کے سامنے عمل کا ایک نیا میدان کھول دیا۔ ایسٹ انڈین اور چینی بازاروں، امریکہ کے استعمار، مستعمرانہ تجارت، نیز ذرائع تبادلہ اور ذرائع پیداوار کی وسعت نے تجارت، جہاز رانی، اور صنعت و حرفت میں ایک نئی روح پھونک دی، اور انحطاط پذیر جاگیر دار سوسائٹی کے انقلابی عناصر کو تیزی سے ابھار دیا۔

صنعت و حرفت کا سابق جاگیردارانہ نظام وہ بڑھتی ہوئی ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا تھا جو نئے بازاروں کے ساتھ پیدا ہو گئی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دست کاری کے نظام نے اُسکی جگہ لے لی، تجارتی مکھیے معزل ہو گئے، متوسط صنعتی طبقہ اُنکا قائم مقام بن گیا۔ مختلف سنڈی مکھیوں کے مابین محنت کی تقسیم، علم کارخانوں میں محنت کی تقسیم کے آگے معدوم ہو گئی۔

سرمایہ دار طبقہ نے جہاں بھی طاقت حاصل کی، تمام جائیدادارانہ، بزرگانہ، مذہبی، اور معنوی رشتے ترز پھوڑ ڈالے۔ اُسے بڑی بے رحمی سے وہ تمام برقلموں بندھن توڑ کے رکھ دیے جو انسان کو اُسکے ”فطری سرداروں“ سے باندھتے چلے آئے تھے اور اُس ایک رشتہ کے سرا کوئی رشتہ باہمی رابطہ کا باقی نہ چھوڑا جسے برہنہ خود غرضی اور کھری نقد ادائیگی کا رشتہ کہتے ہیں۔

کی جگہ نئی صنعتیں رائج کی جا رہی ہیں کہ جن کا رواج تمام مہذب اقوام کے لیے ایک نہایت ہی اہم اور قابل غور مسئلہ ہے۔ کیونکہ ان صنعتوں کی حالت یہ ہے کہ صرف یہ اپنے ہی ملک کی خام پیداوار استعمال میں نہیں لاتی، بلکہ دوز دار علاقوں کی بھی خام پیداوار چاہتی ہیں، نیز انکی کثرت کی وجہ سے ان کی قیمت صرف انکے ہی علاقے میں نہیں بلکہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہوتی چاہیے۔

پرانی ضروریات کی جگہ جو ملکی پیداوار سے رفع ہوجاتی نہیں، نئی ضروریات پیدا ہوئی ہیں جو اپنے رفع ہونے کے لیے دوز دار ممالک کی پیداوار کا بھی مطالبہ کرتی ہیں۔

یہ حال صرف مادی پیداوار ہی کا نہیں، بلکہ ذہنی پیداوار کا بھی ہے۔ ایک قوم کی دماغی پیداوار، تمام قوموں کی عالم ملکیت بن گئی ہے۔ محدود تخیل اور بے تعلقی رز بروز ناممکن ہوتی جاتی ہے، اور قومی و مقامی ادبیات سے ایک عالمگیر ارضی علم ادب پیدا ہو رہا ہے۔

سرمایہ دار طبقہ، آلات پیداوار کی تیز ترقی اور مواصلات کی مسلسل آسانیوں کے ذریعہ وحشی سے وحشی اقوام کو بھی تہذیب کی طرف کھینچ رہا ہے۔ سامان تجارت کی ارزانی ہی وہ ہماری توجہ ہے جس کے زور سے نہایت سرکش قوموں کو بھی اطاعت پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ تمام اقوام کو موت کی دھمکی دی جا رہی ہے کہ سرمایہ دارانہ طریق پیداوار اختیار کر لیں، اور نام نہاد تہذیب قبول کرے مہذب بن جائیں۔

سرمایہ دار طبقہ نے دیہات کو شہر کا تابع بنا دیا ہے۔ بکثرت نئے شہر پیدا کر دیے ہیں۔ دیہات کے مقابلہ میں قصبات کی آبادی میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا ہے۔ اور اس طرح دنیا کی بہت بڑی آبادی کو دیہاتی زندگی کی سادگیوں سے محروم کر دیا ہے۔

اُس نے جس طرح دیہات کو شہر کا محتاج بنایا ہے، ٹھیک اسی طرح وحشی اور نیم وحشی ممالک کو مہذب ممالک کا دست نثر بھی بنا دیا ہے۔ کاشنکار قوموں کو سرمایہ داروں کا اور مشرق کو مغرب کا محتاج بنا دیا ہے۔

سرمایہ دار طبقہ ذرائع پیداوار، ملکیت، اور آبادی کی وسعت پر برابر قابو حاصل کرتا جاتا ہے۔ اُس نے آبادی گنجان کر دی ہے۔ ذرائع پیداوار میں مرکزیت پیدا کر دی ہے۔ اور ملکیت کو سمیت کر صرف چند ہاتھوں کے اندر محدود کر دیا ہے۔

اس صورت حال کا لازمی نتیجہ، سیاسی مرکزیت تھی جو سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھوں وجود میں آچکی ہے، آزاد اور نیم آزاد اقوام جن کے مصالح، قوانین، حدود، اور رسم و رواج جدا جدا تھے، کھینچ تان کے ایک قوم بنا دی گئی ہیں، ایسی قوم جس کی حکومت، ضابطہ قانون، اجتماعی مصالح، اور رسم و رواج، سب ایک ہیں۔

سرمایہ دار طبقہ نے اپنے صد سالہ جماعتی عہد حکومت میں ایسی عظیم الشان بار آور قوتیں پیدا کر دی ہیں جنہیں تمام پچھلی نسلیں بھی پیدا نہ کر سکی تھیں۔ اُسے قدرت کی طاقتوں پر قبضہ کیا، علم آلات اور کیمیا کا صنعت و زراعت میں استعمال کیا، دخانی جہاز، ریلوے، اور تار برقی کے سلسلے جاری کیے، زراعت کے لیے تمام براعظموں کی صفائی کی، دریاؤں کی نہر بندی کی، اور زمین کے تمام خزانے آلات قاتلے۔ بہلا کسي

اُس نے مذہبی انبساط، بہادرانہ جوش، اور متوسط طبقے کی بلند خیالی، خود دین، تخمینہ و شمار کے آب سرد میں خرق کر دی۔ اسنے ذاتی جوہر کو مول تول اور لین دین کی ایک جنس بنا دیا۔ اور تمام بیش قیمت آزادیاں کو پس پشت ڈالکر "آزاد تجارت" کی صرف ایک نامعقول آزادی قائم کر دی!

الغرض اُس نے کمزوروں کے اُس قدیم خرد غرضانہ استعمال کی جگہ جسپر مذہب و سیاست کی دلفریبوں کا نقاب پڑا ہوا تھا، ایک نیا برہنہ، وحشیانہ، بے شرم، اور کھرا خود غرضانہ استعمال ایجاد کر دیا۔

سرمایہ دار طبقے نے ان تمام پیشوں کی خوبیوں ملیامیت کر دیں جو پیل عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اُس نے ڈاکٹر، وکیل، پڑھت، شاعر، فلسفی، غرضکہ سب کو محض ایک اجرتی مزدور بنا کے چھڑ دیا!

سرمایہ دار طبقہ نے خاندانی رشتے سے محبت و جذبات کے تمام عناصر بھی نکال پھینکے، اور انکی جگہ ایک خالص مالی لین دین کا رشتہ قائم کر دیا!

سرمایہ دار طبقہ نے بتا دیا کہ وحشیانہ اظہار طاقت، جسے قرون وسطی کے رجعت پسند اس قدر سراہتے تھے، کامل سہولت کے ساتھ انکے عہد میں کس درجہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

یہ طبقہ، سب سے پہلا طبقہ تھا جس نے ثابت کر دکھایا کہ انسان کی سرگرمی کیا کچھ کر سکتی ہے۔ اسنے مصری اہرام، رومن نہروں، اور گوتھک خانقاہوں سے بالکل مختلف قسم کے عجائبات پیدا کئے، اور قدیم ہجرتوں اور مذہبی جہادوں سے بالکل مختلف قسم کی مہمیں جاری کیں۔

تمام سابق صنعتی طبقوں کے رجوع کی اولین شرط یہ تھی کہ پیداوار کے اگلے طریقے برقرار رہیں۔ لیکن سرمایہ دار طبقہ کی زندگی ناممکن ہے جب تک کہ آلات پیداوار، طریق پیداوار، اور تمام اجتماعی رشتوں میں برابر انقلاب نہ ہوتا رہے۔ چنانچہ طریق پیداوار کا مسلسل انقلاب، اجتماعی نظام کی پیہم بڑھتی، دائمی بے چینی، اور کبھی نہ ختم ہونے والی بے اطمینانی، یہی وہ چیزیں ہیں جو سرمایہ دار عہد کو تمام دیگر زمانوں سے امتیاز دیتی ہیں۔

تمام جیسے تلے اور مضبوط معاشرتی رشتے مع اپنے ہم آہنگ مقرر و محترم عقائد و خیالات کے فنا کر دیے گئے ہیں اور ان کی جگہ جو رشتے اور خیالات رائج کئے گئے ہیں قبل اس کے کہ چمکیں، پرانے ہو چکے ہیں۔ جو کچھ بھی تھوس اور مقبول تھا، مت چکا ہے۔ جو کچھ بھی مقدس تھا، ناپاک کر دیا گیا ہے۔ اور اب انجام کار انسان مجبور ہو گیا ہے کہ اپنے حالات زندگی اور حقیقی معاشرتی تعلقات، کھلی آنکھوں سے دیکھے۔

تمام کرۂ ارضی کے سرمایہ داروں کو اپنی پیداوار کے لیے ایک برابر بڑھتے رهنے والے بازار کی ضرورت، دیوانہ کیے ہوئے ہے۔ انہیں ہر جگہ اپنا آشیانہ بنانا، ہر مقام پر ڈیرہ ڈالنا، چپہ چپہ سے نانا جوڑنا ضروری ہے۔

سرمایہ دار طبقہ نے عالمگیر بازار غصب کر کے تمام ممالک کی درآمد و برآمد قومی اور ملکی قیود سے آزاد کر دی ہے۔ رجعت پسندوں کی امیدوں کے برخلاف صنعت و حرفت کے نیچے سے اُس کی بنیادیں نکال کر پھینک دی ہیں۔ قدیم اور مروج صنعتیں برباد کی جا چکی ہیں، اور جو باقی ہیں برابر برباد کی جا رہی ہیں۔ ان

لیکن سرمایہ داروں نے صرف یہ منہک ہتھیار ہی نہیں کرے ہیں، بلکہ وہ لوگ بھی پیدا کر دیے ہیں جو یہ ہتھیار استعمال کرینگے۔ وہ کون ہیں؟ موجودہ مزدور!

جس تناسب سے سرمایہ اور سرمایہ داروں نے ترقی کی ہے، اسی تناسب سے مزدوروں نے بھی ترقی کی ہے۔ اس طبقہ کی زندگی اسی وقت تک ہے جب تک اُسے کام ملتا رہے، اور کام اُسی وقت تک ملتا ہے جب تک وہ سرمایہ کو بڑھاتا رہے۔ یہ مزدور جو اپنے تئیں فرداً فرداً بیچ ڈالنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں، تجارت کی دوسری چیزوں کی طرح ایک جنس ہو گئے ہیں اور مقابلہ کے ہیر پھیر اور نرخ کے چڑھاؤ اتار سے ہمیشہ مصیبت جھیلنے رہتے ہیں۔

مزدور کا کام، کلر کے کثرت استعمال اور محنت کی تقسیم باعث اپنی انفرادی شخصیت سے محروم ہو گیا ہے اور اب مزدور کیلئے اپنے اندر کوئی خاص کشش نہیں رکھتا۔ مزدور مشین کا محض ایک ضمیمہ بنا دیا گیا ہے، جس سے نہایت آسان کام کی خواہش کی جاتی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اب اُسکی قیمت گھٹ کر بس اتنی ہی رہ گئی ہے کہ مزدور بمشکل اُس سے اپنی قوت لایموت کا سامان کر سکتا ہے۔

اب ایک مصنوعی برتن اور مزدور، دونوں ہم درجہ چیزیں ہو گئی ہیں جنکی قیمت اُنکی لاگت کے حساب سے ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جوں جوں محنت سستی ہوتی جاتی ہے، مزدوری بھی گھٹ رہی ہے۔ پھر تماشہ یہ ہے کہ جسقدر کام کی تقسیم اور کلر کا استعمال بڑھتا جاتا ہے، اُسی قدر کام کا بوجھ بھی بڑھ رہا ہے، یا تو کام کے گھٹنے بڑھا دیے جاتے ہیں، یا زیادہ کام ایک خاص وقت میں لیا جاتا ہے، یا مشین کی رفتار میں اضافہ کر دیا جاتا ہے، (وغیرہ وغیرہ)

موجودہ صنعت نے نیک آقا کی چھوٹی سی دکان کو صنعتی سرمایہ دار کے بڑے کارخانہ کی صورت میں بدل دیا ہے۔ مزدوروں کے غول کے غول کارخانوں میں بہرے ہوئے ہیں جن کی تنظیم سپاہیوں کی طرح کی جاتی ہے، اور جو سپاہیوں ہی کی طرح چھوٹے بڑے افسروں کی ایک مطلق العنان حکومت کے شکنجہ میں جکڑ دیے گئے ہیں۔ وہ نہ صرف سرمایہ دار طبقے اور سرمایہ دار حکومت کے غلام ہوتے ہیں، بلکہ انہیں شب و روز ہر سرمایہ دار صنایع کی بھی غلامی کرنی پڑتی ہے۔

جسقدر کھلے الفاظ میں یہ خود سر حکومت اعلان کرتی جاتی ہے کہ خود غرضی اور منفعت شخصی اس کا مقصد ہے، اُسی قدر وہ حقیر، نفرت انگیز، اور تکلیف دہ ہوتی جاتی ہے!

دستی مشقت میں قوت اور چستی کی ضرورت جتنی کم ہوتی جاتی ہے، یعنی موجودہ صنعت جس قدر زیادہ ترقی کرتی جاتی ہے، اُسی قدر مردانہ محنت کی جگہ زنانہ محنت کو دی جا رہی ہے۔ مزدوری پیشہ طبقہ کے لیے اب عمر اور جنس کا اختلاف کوئی معاشرتی اہمیت نہیں رکھتا۔ مزدور مرد اور عورتیں سب کے سب محنت کے پڑے ہوئے ہیں جن کی قیمت عمر اور جنس کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

جوں ہی مزدور کو اپنے سرمایہ دار آقا سے مزدوری ملتی ہے، فوراً دوسری سرمایہ دار جماعتیں اُس پر ٹوٹ پڑتی ہیں: مکان دار، دکان دار، ساہوکار، غرضکہ سب کے سب اُس کے لوٹنے کھسکے کو آمروں ہوتے ہیں۔

پچھلی نسل کو یہ دھم بھی گزرا تھا کہ اجتماعی محنت کی گرد میں ایسی بار آور قوتیں پڑی سو رہی ہیں؟

گزشتہ بیان میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ ذرائع پیداوار اور تبادلہ جن کی بنیادوں پر سرمایہ دار طبقہ نے اپنی عمارت کھڑی کی ہے، اگرچہ جاگیرداری کے عہد میں پیدا ہوئے تھے، مگر خود جاگیر اُسے کوئی فائدہ نہ آتا سکی بلکہ اُلٹے اُلٹے گرواب میں پڑ کر تباہ ہو گئی، کیونکہ یہ ذرائع پیداوار اور تبادلہ جب اپنی ترقی کی ایک خاص منزل پر پہنچ گئے، تو وہ حالات جنکے ماتحت جاگیردار سوسائٹی پیدا کرنے اور تبادلہ کرتے تھے، یعنی کاشتکاری و دستکاری کا جاگیر دارانہ نظام، ترقی یافتہ قوتوں کے سامنے ٹہر نہ سکے۔ وہ پیداوار کو سہارا دینے کے بجائے اُسکے حق میں رک اور بوجھل بیڑیاں بن گئے، جن کا ثروت گرنا ضروری تھا۔ چنانچہ اُنکی جگہ آزاد مقابلے اور سرمایہ دار طبقہ کی اقتصادی و سیاسی حکومت نے لے لی۔

لیکن اب تاریخ نے اپنا اعادہ پھر شروع کیا ہے، جو کچھ جاگیر داروں پر گزرا ہے، وہی اب سرمایہ داروں کو درپیش ہے۔

سرمایہ دارانہ حالات، پیداوار، تبادلہ، سرمایہ دارانہ املاکی رشتے، غرضکہ پوری موجودہ سرمایہ دار سوسائٹی جس نے اسے عظیم الشان ذرائع ایجاد کیے ہیں، سخت مصائب میں مبتلا ہے۔ اسکی مثال اُس جادوگر کی سی ہے جو خبیث طاقتوں کو جگا تو دیتا ہے مگر انپر قابو نہیں رکھ سکتا۔

بہت زمانہ تک صنعت و تجارت کی تاریخ، جدید بار آور قوتوں کی موجودہ حالات کے خلاف، ایک بغاوت کی عام تاریخ رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اُن تجارتی مشکلات کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا جو وقتاً فوقتاً پوری سرمایہ دار سوسائٹی کے لیے موت و حیات کا سوال پیدا کر دیا کرتی ہیں۔

لیکن باوجود اُن ہولناک خطروں کے ایک عام اجتماعی وبا پھیلی ہوئی ہے جسکا نام ”زائد پیداوار“ ہے اور جو پچھلے زمانوں میں یقیناً ایک حماقت معلوم ہوتی۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ سوسائٹی اپنے تئیں اچانک ایک عارضی وحشیانہ حقت میں مبتلا پاتی ہے۔ قحط اور بربادی کی ایک عالمگیر جنگ برپا ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صنعت و تجارت اور زندگی کے تمام ذرائع تباہ ہو جائینگے۔ کیوں؟ اس لیے کہ تہذیب بہت زیادہ ہو گئی ہے، ذرائع زندگی بہت زیادہ ہو گئے ہیں، صنعت بہت زیادہ ہو گئی ہے، تجارت بہت زیادہ ہو گئی ہے!

ان خطرات کا مقابلہ سرمایہ دار کیونکر کرتے ہیں؟ اس طرح کہ ایک طرف تو بہت سی بار آور قوتیں بچہر برباد کر ڈالتے ہیں، دوسری طرف نئے بازاروں کو فتح کرتے اور پرانے بازاروں کو مزید رونق دیتے چلے جاتے ہیں۔ اسے معنی یہ ہیں کہ وہ آور بھی زیادہ وسیع اور زیادہ برباد کن مشکلات کیلئے راستہ ہموار کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ وہ ذرائع بھی مٹاتے جاتے ہیں جنہے یہ مشکلات رفع کی جاسکتی تھیں۔

غرضکہ وہ ہتھیار جنہے سرمایہ داروں نے جاگیرداری پر فتح حاصل کی تھی، اب خود انہیں پر آلت پڑے ہیں۔

سرمایہ دار طبقہ میں مقابلہ کی روح جس قدر ترقی کرتی جاتی ہے اور تجارتی مشکلات جس قدر بڑھتی جاتی ہیں، اسی قدر مزدوروں کی اجرت میں اتار چڑھاؤ زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ مشینری کی مسلسل اور تیز ترقی مزدوروں کی روزی کو برابر غیر محفوظ بنا رہی ہے، اور انفراسی مزدور اور انفراسی سرمایہ دار کا شخصی تصادم، جماعتی تصادم کی صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ ایک طرف مزدور، سرمایہ داروں کے خلاف متحد ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف سرمایہ دار شرح اجرت بربکار رکھنے کے لیے مزدوروں کے برخلاف جتنا بندی کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے تئیں مستقل انجمنوں کی صورت میں منظم کر لیا ہے، تاکہ اچانک تصادم کے لیے پلے سے طیار رہیں۔ کہیں کہیں یہ باہمی لڑائی بغاوت کی صورت میں بھی پھوٹ چکی ہے۔

کبھی کبھی مزدوروں کو فتح حاصل ہو جاتی ہے، مگر محض تھوڑی مدت کے لیے۔ اس سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے۔ کیونکہ ان کی جد و جہد کا اصلی ثمرہ فوری کامیابی نہیں بلکہ ان کے بڑھتے ہوئے اتحاد میں ہے۔ اس اتحاد کو موجودہ ذرائع آمد و رفت سے جو مردودہ صنعت کی ایجاد میں، بہت مدد مل رہی ہے۔ مختلف ممالک کے مزدور باہم دگر مل رہے ہیں، اور اس طرح وہ تمام انجام پا رہا ہے جس کی ازحد ضرورت تھی۔ وہ اتحاد جس کے حصول میں قرون وسطیٰ کے شہروں کو اپنی خراب سڑکوں کی وجہ سے صدیاں لگ جاتیں، موجودہ مزدوروں کو ریلوے کے ذریعہ چند سالوں کے اندر حاصل ہو گیا ہے۔

مزدوروں کی جماعتی اور سیاسی تنظیم خرد ان کے باہمی مقابلہ کی وجہ سے ہمیشہ رک رک جایا کی ہے، لیکن ہر مرتبہ زیادہ قوت، زیادہ استقلال، اور زیادہ استحکام کے ساتھ آہمی ہے۔ سرمایہ داروں کی باہمی پھوٹ سے اسے کافی فائدہ پہنچا ہے، اور وہ ہر موقع پر مزدوروں کے حقوق و مفاد کے قانونی اعتراف پر مجبور ہوئے ہیں۔

قدیم سوسائٹی میں جماعتوں کا باہمی تصادم، مختلف طریقوں سے مزدوری پیشہ طبقہ کو بڑھا رہا ہے۔ خرد سرمایہ دار بھی مجبوراً اس کی ترقی کا باعث ہوئے ہیں۔ وہ اپنے تئیں ایک مسلسل حالت جنگ میں پاتے ہیں۔ ایک طرف خاندانی امارت ہے، دوسری طرف خرد سرمایہ داروں کی وہ جماعتیں ہیں جن کے مفاد صنعتی ترقی کے مذنی ہیں۔ تیسری طرف بیرونی ممالک کے سرمایہ دار ہیں جو ہر وقت ٹوٹ پڑنے کیلئے طیار ہیں۔ غرضکہ سرمایہ داروں کو ہر طرف لڑنا اور ہر ایک سے نبرد آزمائی کرنی پڑتی ہے۔ ظاہر ہے، وہ تنہا اپنے دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور مجبور ہوتے ہیں کہ مزدوروں سے اعانت کی اپیل کریں۔ اس طرح وہ خرد ہی مزدور کو سیاسی اگوارہ میں کہینے لگے ہیں، اور ان کیلئے اجتماعی تعلیم کے عناصر مہیا کر دیتے ہیں۔ وہ خرد ہی مزدوروں کے ہاتھ میں وہ ہتھیار دیدیتے ہیں جو خرد ان کے خلاف استعمال کیے جالینگے!

صرف یہی نہیں بلکہ صنعت کی ترقی کے حکموں طبقہ کے تمام حصوں کو بھی عجلت اور گھبراہٹ کے ساتھ مزدوری پیشہ طبقہ کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا ہے، یا کم از کم ان کی زندگی خطرہ میں ڈال رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حکموں جماعت مزدوری پیشہ طبقہ کیلئے ترقی کے بے شمار پڑے مہیا کر رہی ہے۔

ادنیٰ اور متوسط طبقہ، چھوٹے درگاہدار، سوداگر، اربابیت پیشہ، زمیندار، دستکار، سب کے سب مزدوری پیشہ طبقہ میں جذب ہو رہے ہیں۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ انکا معمولی سرمایہ موجودہ صنایع کیلئے ناکافی ہے اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے مقابلہ میں بیکار ہو جاتا ہے، اور کچھ اس وجہ سے کہ ان کے خاص پیشوں کو پیداوار کے نئے ذرائع نے ظاہر ہو کر بے قدر کر دیا ہے۔ اس طرح مزدوروں کا یہ طبقہ صرف مزدوروں ہی سے نہیں بلکہ آبادی کے ہر حصہ سے مرکب ہے۔

(۲)

مزدوری پیشہ طبقہ مختلف تربیتی مرحلوں سے گزر کر اس درجہ تک پہنچا ہے۔ سرمایہ دار کے برخلاف اس کی جد و جہد اس کی پیدائش کے وقت ہی سے شروع ہو گئی ہے۔

سب سے پہلے یہ جد و جہد ایک فرد واحد مزدور کی جد و جہد کی حیثیت سے شروع ہوئی، پھر کسی ایک کارخانہ کے مزدوروں کی جد و جہد بنی، پھر کسی خاص نواح کے تمام ہم پیشہ مزدوروں کی جد و جہد کی صورت میں تبدیلی ہو گئی، جس کا مقصد سرمایہ داروں سے جنگ کرنا تھا جو ان سب کو براہ راست تباہ کر رہا تھا۔

اس منزل میں مزدور، سرمایہ دارانہ طریق پیداوار پر نہیں بلکہ خود آلات پیداوار پر حملہ کرتے تھے۔ بیرونی مال برباد کر ڈالتے تھے، مشینیں توڑ پھوڑ ڈالتے تھے، کارخانوں میں آگ لگا دیتے تھے، اور نوبت کرتے تھے کہ طاقت کے زور سے اپنی وہ حیثیت پھر قائم کر دیں جو قرون وسطیٰ میں ضائع ہو چکی تھی۔ لیکن باوجود متحدہ مقصد رکھنے کے، اس منزل میں، مزدور ایک غیر متحد بھیڑ کی شکل رکھتے تھے جو تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی، اور جس کے اندر باہمی مقابلہ کے جذبہ کے پھوٹ ڈال دی تھی۔

اس دور میں مزدور جب منظم ہونے کیلئے متحد ہوئے، تو یہ ان کے اپنے اتحاد کا نہیں، بلکہ سرمایہ دار طبقہ کے اتحاد کا نتیجہ تھا۔ وہ اپنے سیاسی، مقاصد کے حصول کیلئے مجبور ہو جاتا تھا کہ مزدوروں میں ایک نئی حرکت پیدا کرے۔

اس منزل میں مزدور براہ راست اپنے دشمنوں سے نہیں لڑتے تھے، بلکہ ان کی جگہ اپنے دشمن کے دشمنوں سے ہوتی تھی، یعنی مطلق العنان شاہی ت، زمینداروں سے، غیر صنعتی اور چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں سے۔

اس طرح مزدوروں کی یہ پوری تاریخی تحریک، سرمایہ دار طبقہ ہی کے ہاتھوں میں رہی ہے، اور تمام کامیابیاں جو اسے حاصل ہوئی ہیں، سرمایہ داروں ہی کی کامیابیاں ہیں۔

صنعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ مزدوری پیشہ طبقہ کی کمیٹ میں صرف افراد ہی کا اضافہ نہیں ہوا، بلکہ بڑی بڑی جماعتیں بھی اس میں شامل ہوتی گئیں اور اب تک ہو رہی ہیں۔

اس کی طاقت روز بروز بڑھ رہی ہے اور وہ اپنی طاقت کی افزونی برابر محسوس کر رہا ہے۔

جوں جوں مشینری، صنعت کے امتیازات منافی جاتی ہے اور اجرت ہر جگہ کم سے کم کرتی جاتی ہے، اسی قدر مزدوروں کے فوائد اور حالات زندگی میں بھی یکسانیت پیدا ہو رہی ہے۔

ابن بطوطہ کی سیاحت

(ایشیائی تاریخ میں اُس کا مرتبہ)

(عبد اللہ عنان ایک مصری اہل قلم کے قلم سے)

عین اُس زمانے میں جبکہ مارکو پولو نے اپنی ایشیائی سیاحت ختم کی، طنجہ (مراکش) میں ایک مسلمان سیاح پیدا ہوا (۵۷۰۳ھ - ۱۳۰۴ع) اِس کا نام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ تھا۔ بعد میں دنیا نے اُسے ابن بطوطہ کے نام سے جانا۔ آٹھویں صدی ہجری کی چند ممتاز شخصیتوں میں سے ایک شخصیت اِس کی بھی ہے۔

ابن بطوطہ کی طفولیت اور ابتدائی تعلیم و تربیت سے ہم ناواقف ہیں۔ لیکن اُس کے سفر نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے دینی علوم میں پوری طرح مہارت حاصل کر لی تھی۔ ہم اُن اسباب سے بھی ناواقف ہیں جنہوں نے اِس طویل سیاحت پر اُسے آمادہ کیا۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ۲۲ سال کی عمر میں اُسے حج اور بیعت اللہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا اور اِسی ارادے سے وہ وطن سے نکلا۔ معلوم ہوتا ہے اِس سفر کے لیے اُس کی مالی طیاری کافی نہ تھی۔ تاہم وہ جرات کر کے چل پڑا اور مغرب اقصیٰ کے بڑے بڑے شہر: تلمسان، الجزائر، بجایہ، قسطنطنیہ سے گزرتا ہوا گیرنس پہنچا۔ اِس وقت سیاح کا آغاز شباب تھا۔ غریب الوطنی کے مصائب سے نا آشنا تھا۔ خرد بیان کرتا ہے کہ جب گیرنس میں اُسے کسی نے اجنبیت کی وجہ سے سلام نہ کیا "تو اُس کا دل بے اختیار ہو گیا۔ آنسو جاری ہو گئے۔ اور سخت رنج و الم محسوس ہوا!"

حاجیوں کے قاتلہ کے ساتھ وہ پہلے طرابلس پھر اسکندریہ پہنچا۔ یہ اُس کے سفر کا دسواں مہینہ تھا۔ اسکندریہ آتے ہی پسمند آیا اور اُس نے گوارا نہ کیا کہ سرسری طور پر دیکھ کر اُگے بڑھ جائے۔ چنانچہ وہ ٹہر گیا اور ایک محقق سیاح کی طرح شہر اور اُس کے آثار کی تحقیقات شروع کر دی۔ یہاں سے فارغ ہو کر قاہرہ پہنچا۔ پایۂ تخت کی عمارتیں، مسجدیں، اہرام دیکھ۔ پھر پورے ملک کی ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیاحت کی۔ اِسی قدر نہیں بلکہ وہ مصر کے علماء، امراء، حتیٰ کہ بادشاہ تک سے ملا۔ یہ زمانہ ملک ناصر بن قلاوون کا تھا۔

مصر سے صحراء سینا کی راہ فلسطین پہنچا اور وہاں کے اسلامی اور مسیحی مقامات مقدسہ کی سیر کی۔ پھر شام گیا اور تمام بڑے بڑے شہر اور ڈار دیکھ۔ شام سے صحراء کو عبور کر کے حجاز پہنچا اور حج سے مشرف ہوا۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ اُس نے حج کی نیت سے سفر شروع کیا تھا۔ مگر اُس میں کامیاب ہونے کے بعد وہ وطن واپس نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے اِسی زمانے میں اُسے مشرقی دنیا کی سیاحت کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ عراق کے ارادے سے چل پڑا، اب آتے صحراء عرب سے گزرتا تھا۔ ہم مرحلہ بہ مرحلہ ہی سمجھتے ہیں۔ اب تک اُسے کوئی ایسا خطرناک سفر پیش نہیں آیا تھا۔ تاہم وہ بے خوف و خطر روانہ ہو جاتا ہے۔ درحقیقت ابن بطوطہ کی سیاحت اور

جس طرح پچھلے زمانہ میں شہزادے کا ایک حصہ سرمایہ داروں میں آتا تھا، اسی طرح اب سرمایہ داروں کا ایک حصہ مزدوروں میں آ رہا ہے، خصوصاً وہ مفکر حصہ جسے اِس تاریخی تحریک کا نظری علم حاصل ہو گیا ہے۔

تمام جماعتیں جو فی الحال سرمایہ دار طبقہ سے برسر جنگ ہیں، انہیں صرف مزدوری پیشہ جماعت ہی ایک حقیقی انقلابی جماعت ہے۔ باقی تمام دوسری جماعتیں موجودہ صنعت کے سامنے سزتی اور گلتی چلی جاتی ہیں۔ از یہ کچھ عجیب نہیں، کیونکہ مزدوری پیشہ طبقہ ہی صنعت و حرفت کی خاص اور براہ راست پیدوار ہے۔

رہا ادنیٰ اور متوسط طبقہ، چھوٹے چھوٹے دستکار، معمولی دکاندار، زراعت پیشہ زمیندار، تو یہ سب سرمایہ دار طبقہ سے اس لئے جنگ کر رہے ہیں کہ متوسط طبقہ کے رکن ہونے کے لحاظ سے اپنی حیثیت برقرار رکھیں۔ یہ جماعتیں انقلابی نہیں بلکہ قدامت پسند ہیں۔ قدامت پسند ہی نہیں بلکہ رجعت پسند بھی ہیں۔ وہ تاریخ کا چکر لڑتا کر الٹا چلانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اگر وہ کبھی انقلابی ہو بھی گئیں، تو صرف اس خوف سے ہوگی کہ مبادا مزدوری پیشہ طبقہ میں جبراً دھکیل نہ دی جائیں۔ گزشتہ سوسائٹی کے معاشرتی حالات اب مزدوروں کے معاشرتی حالات میں مدغم ہو چکے ہیں۔ مزدوری پیشہ طبقہ بغیر کسی ملکیت کے ہے، اس کے اپنے دیوی بچوں سے رشتے سرمایہ دارانہ خاندانی رشتوں سے بالکل مختلف ہیں۔ موجودہ صنعتی معیت اور سرمایہ داری نے انگلینڈ، فرانس، امریکہ، اور جرمنی میں مزدوروں کے تمام قومی اخلاق خراب کر ڈالے ہیں۔ مزدوروں کے حق میں قانون، اخلاق، مذہب، تثلیث ہیں جنکے پیچھے بیٹھ کر سرمایہ دار انہیں شکار کیا کرتے ہیں۔

تمام گزشتہ جماعتوں نے طاقت پا کر ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ اپنی حیثیت مضبوط کرنے کیلئے تمام سوسائٹی کو اپنے ہی طریق عمل کا پابند کر دیں۔ مزدوروں کو بھی اسی اصول پر عمل کرنا چاہئے۔ وہ سوسائٹی کی بار آور قوتوں پر قابو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اس کے تمام پرانے دستور کو منسوخ نہ کر دیں۔ خود مزدوروں کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسکی انہیں حفاظت کرنی ضروری ہو۔ انہیں شخصی ملکیت کی تمام سابق پابندیاں اور ضمانتیں منسوخ کر دینی چاہئیں۔

تمام پچھلی تاریخی تحریکیں یا تو آبادی کی اقلیت کی تحریکیں تھیں، یا انکے مفاد کیلئے تھیں۔ لیکن مزدوروں کی تحریک بالکل دوسری ہی نوعیت کی ہے۔ وہ عظیم الشان اکثریت کی ایک حساس تحریک ہے اور عظیم الشان اکثریت کے مفاد کیلئے ہے۔

مزدوری پیشہ طبقہ، موجودہ سوسائٹی کی سب سے نچلی پرت ہے۔ وہ اُس وقت تک نہیں اُٹھ سکتا ہے، جب تک کہ اوپر کے تمام پرت جسے حاکمانہ سوسائٹی مرکب ہے، پرزے پرزے کر کے اُڑا نہ دیے جائیں۔

اگرچہ مزدوروں کا قیام قومی بنیادوں پر نہیں ہے، لیکن سرمایہ داروں کے برخلاف انکی جد و جہد ضرور قومی ہے۔ ہر ملک کے مزدوروں کو قدرتی طور پر سب سے پہلے اپنے یہاں کے سرمایہ داروں سے نیت لینا چاہئے۔

(قسطنطنیہ)

اناطولیہ سے رہ قسطنطنیہ کو چلا - خوش قسمتی سے جس زمانے میں سلطان محمد آزنک خاں کی ملکہ "خاتون یلورن" بھی اپنے باپ شہنشاہ قسطنطنیہ کی ملاقات کو جا رہی تھی - ابن بطوطہ اسی شاہی قافلہ میں داخل ہو گیا اور سنہ ۷۳۳ھ - سنہ ۱۳۳۳ع میں نہایت ترک و احتشام سے بیزنطینی پایہ تخت میں داخل ہوا -

سیاح خود اپنی زبان سے یہ واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے :

"ہم زوال کے وقت قسطنطنیہ عظمیٰ میں داخل ہوئے - پورے شہر میں ناقوس اس زور سے بج رہے تھے کہ در دیوار تک گونج اُٹے تھے - ہم قصر شاہی کے پیل پھاٹک پر پہنچے - وہاں سر سنکریہ اپنے سپہ سالار کے ساتھ کھڑے تھے اور آپس میں کہہ رہے تھے "سراکزن" "سراکزن" جس کے معنی ہیں "مسلمان" (یونانی زبان میں Sarrazino عرب مسلمانوں کا نام ہے - شاید ابن بطوطہ نے یہی لفظ سنا ہوگا)

پھر وہ شہنشاہ سے اپنی ملاقات کا حال لکھتا ہے :

"چوتھے دن خاتون نے اپنا غلام سنبل ہندی میرے پاس بھیجا - وہ مجھے قصر شاہی میں لے گیا - ہم چار پہاڑوں سے گزرے - ہر پہاڑک میں مسلم سپاہی موجود تھے - پانچویں پہاڑک پر غلام مجھے چھوڑ کر چلا گیا - پھر چار رومی نو جوانوں کو لے کر لوٹا - انہوں نے میری تلاشی لی کہ کوئی چھری تو چھپی ہوئی نہیں ہے - انسر نے بتایا کہ یہاں کا دستور ایسا ہی ہے - جو شخص بھی بادشاہ سے ملنا چاہتا ہے اس کی تلاشی ضرور لی جاتی ہے - پھر پہاڑک کو لایا گیا - میں اندر داخل ہوا - چار آدمیوں نے مجھے گھیر لیا - در مجھے آگے سے پکڑے تھے - در پیچھے تھے - میں ایک بڑے ایوان میں داخل کیا گیا - اس کی دیواریں بہت آراستہ تھیں - قسم قسم کے حیوانات و نباتات کی تصویریں بنی تھیں - بیچ میں فوارہ تھا - دروں جانب سپاہی صف بستہ کھڑے تھے اور بالکل خاموش تھے - وسط میں تین آرمی کھڑے تھے - انہوں نے مجھے میرے محافظوں سے لے لیا اور اسی طرح پتھر کر لے چلے - انہیں ایک یہودی تھا - یہودی نے مجھ سے عربی میں کہا "درو نہیں" میں ترجمان ہوں "پھر میں ایک عظیم گنبد میں داخل کیا گیا - شہنشاہ مع اپنی ملکہ کے تخت شاہی پر جلوہ افروز تھا - داہنی طرف چہ آدمی کھڑے تھے - بائیں طرف چار آدمی تھے - سب ہتیار بند تھے - بادشاہ کے قریب پہنچنے سے پہلے مجھ سے کہا گیا کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر حواس درست کرلو - پھر میں تخت شاہی کے سامنے پہنچایا گیا - میں نے سلام کیا - بادشاہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا - مگر میں بیٹھا نہیں - بادشاہ نے مجھ سے بہت سے سوال کیے - بیت المقدس کی بابت پوچھا - مقدس چٹان، مولد مسیح، بیت لحم، شہر خلیل کا حال دریافت کیا - پھر دمشق، مصر، عراق، اور رومی ممالک کے حالات پوچھے - میں نے ہر سوال کا جواب دیا - یہودی ترجمہ کرتا جاتا تھا - شاید شہنشاہ کو میری گفتگو پسند آئی - چنانچہ اس نے اپنے لڑکوں سے کہا اس شخص کی عزت کرو اور امن و امان میں رکھو - پھر میرے لیے خلعت کا حکم دیا - نیز ایک آراستہ گھوڑا اور چہرہ بھی عنایت کیا، جو شاہی امان کی علامت ہے"

اس شہنشاہ کا نام ابن بطوطہ نے تھوڑے روز اس کے باپ کا نام جڑجڑس لکھا ہے - ممکن ہے یہ اُن کے مسیحی نام ہوں - (۱) -

عظمیٰ کا باب اسی وقت سے شروع ہوتا ہے - اسی سفر میں اس کی دماغی قابلیت، معقبات، روح، اور عزم و ہمت کی قوت ظاہر ہوتی ہے - اسی سفر میں آئے فارسی اور ترکی زبانیں بھی سیکھنی پڑتی ہیں - فارسی زبان سے سیاح کو بہت مدد ملی - خصوصاً ہندوستان میں - ٹھیک اسی طرح جس طرح اُس کے پیشرو، مارکو پولو کو تاتاری زبان سے مدد ملی تھی !

غرضکہ ابن بطوطہ اپنے مشرقی سفر پر روانہ ہو گیا - نجد اور صحراء عرب کو طے کر کے عراق پہنچا - راستے کے جملہ حالات و آثار مفصل قلم بند کیے - پھر دجلہ و فرات کو عبور کر کے عرق عجم میں داخل ہوا - اور شیراز و اصفہان وغیرہ کی سیر کی - لیکن وہ آگے نہیں بڑھا بلکہ لوٹ کر پھر دجلہ و فرات عبور کیا اور عراق عرب میں سفر شروع کر دیا - اُس وقت بغداد کی حالت نہایت زبون تھی - تاتاریوں کی تخریب کے بعد، عباسی دار الخلافہ ویران ہو گیا تھا - ابن بطوطہ یہاں بہت متاثر نظر آتا ہے اور ایک سچے مسلمان کی طرح رنج و غم کا اظہار کرتا ہے -

بغداد سے سیاح، موصل پہنچا - موصل سے نصیبین اور سنجاہ آیا - اس سرزمین کے تمام امراء و سلاطین سے ملاقات کی - یہاں پر اُس کی سیاحت اچانک منقطع ہو جاتی ہے - نہیں معلوم کیوں، وہ پھر بغداد اور بغداد سے مکہ پہنچ جاتا ہے - وہ ہم سے صرف اس قدر کہتا ہے کہ دوسری مرتبہ مکہ معظمہ اس حال میں پہنچا کہ سخت بیمار تھا - چنانچہ مکہ مکمل ایک سال جوار بیت اللہ میں مقیم رہتا ہے - اس طویل اقامت کے بعد پھر اُس میں نیا جوش پیدا ہوتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ طویل سفر پر روانہ ہو جاتا ہے -

چنانچہ وہ یمن پہنچتا ہے - پھر شمال جاتا ہے - پھر ساحل بحر عرب کے تمام ممالک کی سیر کرتا ہوا عمان اور بحرین میں جا نکلتا ہے - بحرین میں موتی نکالنے والوں سے ملتا ہے - مگر ٹھہرنا نہیں اور صحراء طے کر کے سہ بارہ مکہ معظمہ میں وارد ہوتا ہے - یہاں ملک الناصر شاہ مصر سے اُس کی ملاقات ہوتی ہے -

حج کے بعد پھر سفر شروع کرتا ہے اور اس مرتبہ بحر احمر عبور کر کے سردان، بلاد نوبہ، صید مصر کی سیاحت کرتا ہوا قاہرہ پہنچتا ہے - لیکن قیام نہیں کرتا بلکہ شام چلا جاتا ہے اور ساحل لاذقیہ سے جہاز پر بیٹھنے کے سنہ ۷۳۳ھ (سنہ ۱۳۳۳ع) میں ساحل اناطولیہ پر قدم رکھتا ہے -

(اناطولیہ)

اُس وقت اناطولیہ میں سلجوقی امراء و سلاطین کا دور دورہ تھا - لیکن آل عثمان کا قبیلہ عروج حاصل کر رہا تھا - آہستہ آہستہ سلجوقی امراء اُس کے سامنے ہتیار رکھتے جاتے تھے - سلطنت عثمانیہ کے بانی اول عثمان نے بیزنطینی شہنشاہی میں بھی دور تک ہاتھ پاؤں پھیلا دیے تھے - اُس وقت عثمانی ریاست کا پایہ تخت برسہ تھا اور ابن بطوطہ کے زمانے میں سلطان آر خان بن عثمان کی حکومت تھی -

آر خان کے علاوہ سلجوقی امراء میں سب سے زیادہ طاقتور محمد آزنک خاں شاہ شمال تھا - یہ شہنشاہ قسطنطنیہ کا داماد بھی تھا - ابن بطوطہ یہ ملک دیکھ کر بہت متعجب ہوا - کیونکہ اگرچہ یہاں اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا مگر نو مسلموں کے عادات و اطوار عجیب طرح کے تھے - ابن بطوطہ نے پورے ملک کی سیاحت کی ہے اور ہر تفصیل سے جملہ حالات بیان کیے ہیں - یہ عجیب بات ہے کہ ہر ملک میں وہ قصر شاہی، نک، رسائی حاصل کر لیا کرتا تھا - یہاں کے بھی تمام امراء و سلاطین سے اسے ملاقاتیں کیں

بڑھا۔ شمال میں اُس کا سفر بہت ہی محدود تھا۔ چین سے
پھر جازہ کے طرف لڑتا۔ جازہ سے ہندوستان آیا۔ پھر فارس، عراق،
شام، مصر ہوتا ہوا تبونس پہنچا۔ تبونس سے جہاز پر بیٹھا، اور
سنہ ۷۵۳ء میں فارس پہنچ گیا۔ یعنی کامل ۲۵۔ سال سفر کے بعد
وطن واپس ہوا !

لیکن اپنے وطن طنجہ میں اُس کا قدم زیادہ دن تک نہیں جما۔
اندلس کی سیاحت پر روانہ ہو گیا۔ اُس وقت یہ اسلامی سلطنت
سمت کر غرناطہ کے علاقہ میں محصور ہو گئی تھی۔ سلطان
ابو الحجاج یوسف بن الرلید النصری کا زمانہ تھا۔ ابن بطوطہ نے
وہاں کے علماء و فقہاء سے ملاقاتیں کیں، قدیم آثار دیکھے، پھر
مراکش واپس آ گیا۔

مگر یہ واپسی بھی عارضی تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد
صحراء اعظم کی راہ سے سردان کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ لیکن یہ
اُس کا آخری سفر تھا۔ سلطان ابو عنان شاہ مراکش مزید سفر سے
مانع ہوا اور اپنی مصاحبت پر اصرار کیا۔ یہ واقعہ سنہ ۷۵۵ء کا ہے۔
ابن بطوطہ نے مسلسل ۳۰ برس تک سیاحت کی۔ ۲۲ برس کی
عمر میں سیاحت شروع کی اور ۵۵۔ برس کی عمر میں ختم کی۔

ابن بطوطہ سلطان مراکش کا درباری بن گیا۔ سلطان اُس کے
حالات سفر سن کر بہت مسرور ہوتا تھا۔ بعض لوگ ابن بطوطہ
کی صداقت میں اُسی طرح شبہ کرتے تھے جس طرح اُس کے
پیشرو مارکو پولو کو اُس کے ہم عصروں نے غلط بیان قرار دیدیا تھا۔
ابن بطوطہ کو ابناء زمانہ کی اُس بے قدری پر بہت افسوس تھا۔
ایک جگہ وہ نہایت رنجیدہ ہو کر لکھتا ہے ”خدا جاننا ہے میرے
بیانات صحیح ہیں۔ خدا کی گواہی میرے لیے کافی ہے“

علامہ ابن خلدون نے جب اپنی تاریخ کبیر مدون کرنا شروع کی،
تو ابن بطوطہ اور اُس کی سیاحت کا قصہ تازہ تھا۔ وہ اپنے مقدمہ
میں لکھتے ہیں :

”سلطان ابو عنان کے عہد میں طنجہ کا ایک شخص ابن بطوطہ
نام مراکش میں آیا۔ یہ مشرق میں سیاحت کرچکا تھا۔ عراق، یمن
ہندوستان وغیرہ ممالک میں پھرا تھا۔ شاہ ہند کے پایۂ تخت دہلی
میں بھی گیا تھا، اور سلطان محمد شاہ کا مقرب ہو گیا تھا، حتیٰ کہ
عہدۂ قضا پر بھی مامور ہو گیا۔ سفر سے واپسی کے بعد اُس نے سلطان
ابو عنان کے دربار میں رسوخ حاصل کیا۔ وہ اپنے عجیب عجیب
مشاہدے بیان کیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ اُسے جھوٹا سمجھنے
لگے تھے۔ ایک دن میں نے سلطان کے وزیر فارس بن وردار سے اِس بارے
میں گفتگو کی اور بتایا کہ لوگ کس طرح اُس کی تکذیب کر رہے
ہیں۔ وزیر نے مجھے جواب دیا ”تمہیں اُن سلطنتوں کے حالات کا
انکار نہیں کرنا چاہیے جن سے ناواقف ہو“

ابن بطوطہ کو مارکو پولو پر کئی حیثیتوں سے امتیاز حاصل ہے۔
آخر الذکر نے براعظم ایشیا کا صرف وسطی حصہ دیکھا تھا۔ لیکن
ابن بطوطہ کی سیاحت بہت طویل تھی۔ ایشیا کے علاوہ افریقہ کے
بہت سے حصے اور یورپ میں قسطنطنیہ اور آندلس کی بھی اُس نے
سیر کی تھی۔ پھر اُس کے مشاہدات بہت زیادہ معقنہ تھے۔
اُس کا سفرنامہ اُس عہد کے ایشیا اور افریقہ کی تاریخ اور جغرافیہ
میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اُس کا اسلوب بیان بھی زیادہ
شگفتہ، مکمل اور علمی ہے۔

معلوم ہے کہ اُس عہد کے قیصر کا نام اندر نیکوس ثالث تھا اور
اُسکا باپ اندرونیکو ثانی تھا۔

اُس زمانے میں قسطنطنیہ اپنی سابق عظمت سے بہت کچھ
محرور ہو چکا تھا۔ ستر برس پہلے صلیبی مجاہدوں نے اُسے فتح کیا
اور بہت کچھ برباد کر کے چلے گئے۔ تاہم اب بھی وہ عروس البلاد
تھا۔ ابن بطوطہ نے پوری تدقیق سے اُس کا حال لکھا ہے۔ ایک
جگہ کہتا ہے :

”یہ شہر بہت ہی عظیم الشان ہے۔ در حصوں میں منقسم
ہے۔ وسط میں ایک بہت زیادہ مد و جزر رکھنے والا دریا مرجزن ہے۔
(یعنی قرن الذهب) اِس دریا کا نام ”ابسمی“ ہے۔ شہر کے
ایک حصے کا نام ”اصطبول“ ہے اور دریا کے مشرقی کنارے
پر آباد ہے۔ اِسی میں قصر شاہی اور امراء کے محل ہیں۔ یہ حصہ
بہت آباد ہے۔ بازار پر رونق ہیں۔ سڑکیں کشادہ اور پختہ ہیں۔
شہر ایک پہاڑ پر آباد ہے جو نو میل تک سمندر میں پھیلنا چلا گیا ہے۔
اُس کی چوٹی پر ایک چھوٹا سا قلعہ اور شاہی محل ہے۔ ایک
دیوار اِس پہاڑ کو گھیرے ہوئے ہے اور سمندر کی طرف سے اُسے
مسخر کرنا ناممکن ہے۔ اِسی حصے کے وسط میں کلیسا ایا صوفیا ہے۔
شہر کے دوسرے حصے کا نام ”غلطہ“ ہے۔ وہ دریا کے مغربی
کنارے پر ہے۔ اِس حصے میں فرنگی نصاریٰ رہتے ہیں۔ چنانچہ
جنیوا، وینس، روم، فرانس... کے باشندے موجود ہیں“

عرب سیاح نے بڑی تفصیل سے قسطنطنیہ کے گرجوں اور
خانقاہوں کا حال لکھا ہے۔ خاص شاہی اذن سے اُس نے ترجمان
کے ساتھ ان تمام مقامات کی سیر کی تھی۔

قسطنطنیہ میں چند ہفتے مقیم رہا۔ یونانی تمدن کا اُس کے
دل و دماغ پر گہرا اثر پڑا۔ پھر وہ دربارہ اناطولیا طے کر کے ترکیستان
کی طرف بڑھا اور خوارزم میں اُترا۔ اُس وقت یہ صوبہ مذکور الصدر
سلطان محمد ازبک کے زیرِ نگیں تھا۔ یہاں سے بخارا پہنچا۔ شہر
تاتاری حملہ سے برباد ہو چکا تھا۔ عرب سیاح نے حضرت امام
بخاری جامع حدیث کی قبر کی زیارت کی۔ پھر بلوچستان
ہوتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوا، اور سنہ ۷۳۴ء میں پنجاب
پہنچ گیا۔

ابن بطوطہ کا سفر ہندوستان بہت طویل تھا۔ اُس نے اِس
براعظم کو مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک طے کیا۔
حتیٰ کہ سیاحوں تک پہنچا۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں سے
ملاقاتیں کیں۔ سلطان محمد شاہ سے بہت تشریف حاصل ہو گیا تھا۔
یہاں وہ کئی سال رہا اور منصب قضا پر مامور ہو گیا۔ نیز کئی
سیاسی سفارتوں پر بھی گیا، اور پادشاہ کی بہت سی خدمات
بجا لایا۔

ہندوستان کے حالات ابن بطوطہ نے بہت تفصیل سے بیان کیے
ہیں۔ ہندوؤں کے رسم و رواج، عبادات، عادات پر بحث کی ہے۔
ہندوستان میں ایک مرتبہ اُسے دائوں نے لوٹ لیا تھا۔ اُس کے
کھنڈات بھی لے گئے تھے۔ سیاح اپنے کاغذات کے نقصان پر بہت متأسف
ہے۔ کیونکہ اُن میں اُس کے سفر کی یادداشتیں بھی تھیں۔

ہندوستان سے وہ جازا اور سماترا گیا۔ پھر شمال کی طرف روانہ
ہوا۔ وہ ہم سے کہتا ہے کہ یہ سفر چین کا تھا۔ مگر تفصیل سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہ چینی ہندوستان اور جنوبی چین سے آگے نہیں



بریدنگ



ہوائی سفر کا ایک نیا تجربہ !



کامیاب ہو گئے۔ نوعیت کے اعتبار سے یہ نہایت سہل اور سادہ قسم کی چیز ہے۔ لیکن محل استعمال کے لحاظ سے ایک عظیم فضائی تجربہ کا دروازہ کھل رہی ہے۔ اس تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ اگر ضرورت پیش آجائے، تو ایسی فضائی سواری استعمال کی جا سکتی ہے جو تار کے معمولی سلسلوں پر ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک بغیر کسی خطرے کے سوار کو پہنچا دے !



سائنٹفک امریکن کی آخری اشاعت نے امریکہ کے ایک نئے فضائی تجربہ کی روداد شائع کی ہے۔ معمولی اتفاقات کس طرح علمی تجارب کے نئے نئے دروازے کھل دیتے ہیں ؟ یہ واقعہ اس حقیقت کی ایک تازہ مثال ہے !

واشنگٹن کے قریب ایک بحری تنگ نالے پر بجلی کے تاروں کا سلسلہ قائم ہے۔ یہ تار معمولی کہموں پر نصب ہیں۔ جس

تصور میں یہ سواری تار پر چلتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ دوسری تصویر میں وہ ابتدائی نقطہ دکھایا گیا ہے جہاں سے روانگی شروع ہوئی ہے، اور دہلی میں درمیانی حالت دکھائی ہے۔ یہ ایک پتلا سا تختہ ہے جس میں ہاتھ سے چلانے کی جگہ لگی ہے، اور چھوٹے چھوٹے پہیوں سے تار پر دوڑ رہا ہے۔ سائنٹفک امریکن کا نامہ نگار کہتا ہے ”در آدمی اس آلہ پر سوار ہوئے اور بغیر کسی حادثہ کے تار پر سفر کرتے ہوئے چلے گئے“ اس اتفاقی تجربے سے ثابت ہو گیا کہ تار پر معلق چلنے والی ٹرینوں کی تعمیر پوری طرح کامیاب ہو سکتی ہے۔ نیز اگر ضرورت پیش آجائے، تو دنیا کی بڑی بڑی بحری آبذائیں معلق سواروں کے ذریعہ بہ آسانی زمین سے ملا دی جا سکتی ہیں۔

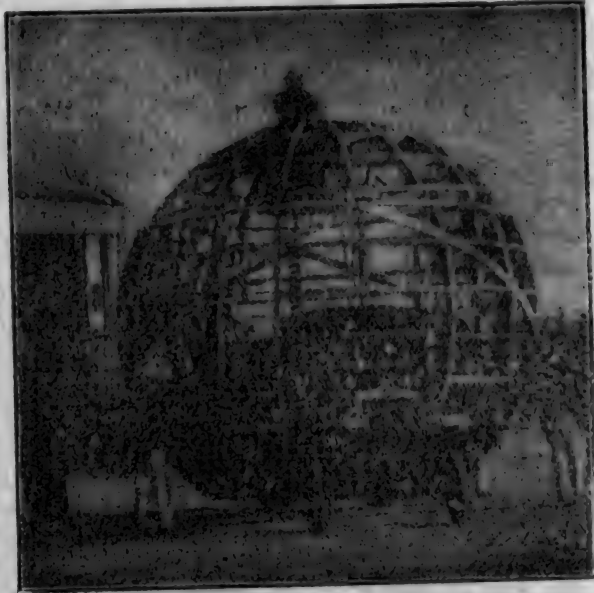
طرح کے کہمبے ہر جگہ تار کا سلسلہ قائم کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ پچھلے دنوں بجلی کے کارخانہ کے بعض افسروں نے ارادہ کیا کہ اگر تار کا تمام سلسلہ رنگ دیا جائے تو حفاظت اور پائیداری کے لیے بہتر ہوگا۔ لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ موجودہ نصب و قائم حالت میں رنگنے کا انتظام کیونکر ہو؟ تار کا برا حصہ تنگ نالے کے اوپر سے گزرا ہے، اور نہایت بلندی پر واقع ہے۔ کوئی کشتی، کوئی جہاز، کوئی سواری، اس غرض کے لیے کام نہیں دے سکتی تھی۔ بالآخر انہوں نے غور کرنا شروع کیا کہ خاص اس غرض کے لیے کوئی نیا ذریعہ پیدا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ ایک نیا مگر عجیب قسم کا ذریعہ پیدا کرنے میں

بالشویک روس کی عدالت

جرنر جاسوسوں کے قتل کا فیصلہ لکھ رہی ہے !



ابھی تھوڑا عرصہ ہوا، خبر آئی تھی کہ حکومت روس نے ۲۶ آدمیوں کو جاسوسی کے جرم پر گرفتار کیا ہے جن میں سے ۹ ملزموں کو قتل کی سزا دی گئی۔ یہ مرقع اسی مقدمہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور گریفک لندن کے نامہ نگار نے مرسکو سے بھیجا ہے۔



روسی تبلیغ و اشاعت

حال میں روسیوں نے ایک قومی میلہ کی تقریب پر ایک نہایت دلچسپ مجسمہ ”سرمایہ داری“ کا طیار کیا تھا جو ایک موٹر کار پر نصب تھا اور تمام قصبوں اور قریوں میں

اُسکی نمائش کی گئی تھی۔ یہ مجسمہ کوہ کا ایک ڈھانچا ہے، جسکے اوپر ایک انسان بیٹھا ہوا ہے۔ کوہ سے مقصود تمام دنیا ہے، اور انسان سے مقصود ”سرمایہ داری“ کی طاقت ہے۔ گویا سرمایہ داری نے تمام کوہ ارضی اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے !

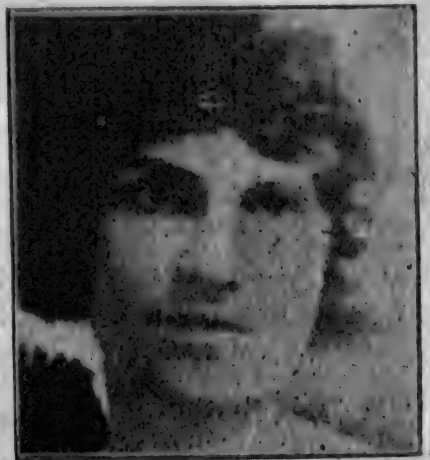
”سرمایہ داری“ کی ہمہ گامی د عالم ادگنی کی مجسمہ تمثیل !

لاسلی عکاسی



یہ دو تصویریں ”لاسلی عکاسی“ کے تجارب کا آخری تجربہ پیش کرتی ہیں۔ ”لاسلی عکاسی“ سے مقصود وہ نیا انکشاف ہے جس کے ذریعہ دور دراز مقامات سے بغیر ریت و حضور کے تصویر لیلی جاسکتی ہے۔ امریکہ میں اس کا تجربہ نہایت تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ ستمبر کے اواخر میں متعدد تصویریں کامیابی کے ساتھ لی گئیں۔ تصویر نمبر ۱ ایک عورت کی تصویر ہے

(۱)



(۲)



جو تصویر لینے کے مقام سے کئی میل کے فاصلہ پر تھی۔ تصویر نمبر ۲ بھی ایک ایسی ہی تصویر ہے لیکن اس میں نمبر ۱ سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے۔ یہ تجربہ جب پوری طرح کامیاب ہو جائیگا، تو جس طرح ریڈیو مراکز کے ذریعہ دنیا کے ہر حصہ کی صدائیں سن لی جاسکتی ہیں، اسی طرح ہر منظر اور رجسٹر کی تصویر بھی بہ آسانی کھینچ لی جائیگی !

تھریسا بے ہوشی کی حالت میں



صلیب اور خون

—•••••—

(بیوریا میں ایک پر امراہ عورت !)

یورپ کی عقل پرستی اور مشرق کی توہم پرستی کا غلطہ صدیوں سے بلند ہے۔ مشرقی ممالک میں عام طور پر یہ خیال پیدا کر دیا گیا ہے کہ ہر طرح کی توہم پرستی اور غیر معقول خوش اعتقادی صرف مشرقی اقوام ہی میں پائی جاتی ہے۔ باشندگان یورپ نے عقل و دماغ ان تمام امراض سے محفوظ ہیں ! لیکن واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۲۷ء کے یورپ میں بھی ہزاروں لاکھوں انسان ایسے موجود ہیں، جنہی مذہبی توہم پرستیاں کسی طرح بھی مشرقی اقوام کی خوش اعتقادیوں سے کم نہیں ہیں !

یورپ کی پچھلی ڈاک کے اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوریا کے ایک کاشتکار خاندان کی لڑکی تھریسا نیومین نامی کی نسبت ہزاروں لاکھوں انسانوں کا اعتقاد ہے کہ وہ ایک مسیحی معجزہ کے اعلان کے لئے بھیجی گئی ہے۔ دس دسوں سے لگ بھگ اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں، اور یقین کرتے ہیں کہ اس کی زیارت سے اور اس کا دامن چھو لینے سے ہر طرح کی بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے !

یہ ”مسیحی معجزہ“ کیا ہے ؟

دین کیا جاتا ہے کہ تھریسا تھریسے وقفہ کے بعد یہ لڑکی بے ہوش ہو جایا کرتی ہے۔ اور بے ہوشی کی حالت میں اس کے تمام جسم پر صلیب کے نشان پڑ جاتے ہیں۔ نیز پیر کے قلوں سے خون بھی جاری ہو جاتا ہے۔ جب ہوش میں واپس آتی ہے، تو صلیبی نشان معدوم ہو جاتے ہیں، اور خون کا بہنا بھی بند ہو جاتا ہے۔ اخبارات کا بیان ہے کہ نہ صرف علاقہ کے پادریوں نے بلکہ سرکاری افسروں نے بھی بے ہوشی کی حالت میں اس لڑکی کا معائنہ کیا ہے، اور سب متفقہ طور پر تصدیق کرتے ہیں کہ صلیب کے نشان جسم پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ عجب نہیں یہ لڑکی ہسٹریا یعنی اختلاق الرحم کی کسی غیر معروف قسم میں مبتلا ہو۔



بالین جانب تھریسا ہے۔ دھنی جانب اک راہبہ ہے
جو آئے گرجا لے جا رہی ہے !

ہندوستان کی آبادی، دنیا کی مجموعی آبادی کا پانچواں حصہ ہے۔

ہندوستان کی آبادی ولایات متحدہ کی آبادی سے ۳ گنی زیادہ ہے۔

ہندوستان کی آبادی فرانس کی آبادی سے ۸ گنا زیادہ ہے۔

صرف مدراس اور میسور کی آبادی، جاپان کے برابر ہے۔

صرف بمبئی کی آبادی، اسپین اور پرتگال کی مجموعی آبادی سے زیادہ ہے۔

ہندوستان میں ہر مربع میل کی اوسط آبادی ۱۷۷ ہے۔

اگر ہر منٹ میں ۲۵ آدمی پر نظر ڈالی جائے، تو پورے ہندوستان کی آبادی دیکھنے کے لیے ۳۰ برس کا زمانہ درکار ہوگا!

(دنیا کی آبادی رنگ کے اعتبار سے)

(کل دنیا کی آبادی : ۱'۶۹'۶۵۰'۰۸'۰۰۰)

۹۳'۶۰'۰۰'۰۰۰	سفید فام
۵۱'۷۴'۸۸'۰۰۰	زرد فام
۲۴'۳۰'۶۰'۰۰۰	سیاہ فام

(سفید فام)

۲۴'۵۰'۰۰'۰۰۰	ہندوستانی
۲۶'۶۷'۰۰'۰۰۰	تیبتاؤں
۱۷'۶۰'۰۰'۰۰۰	سلاوی
۶۷'۲۰'۵۰'۰۰۰	لاطینی
۹۵'۰۰'۰۰'۰۰۰	یونانی
۴'۰۰'۰۰'۰۰۰	باسکس
۷۵'۰۰'۰۰'۰۰۰	افغان
۱'۰۰'۰۰'۰۰'۰۰۰	ایرانی
۲'۴۰'۰۰'۰۰'۰۰۰	عرب اور یزید
۶'۵۰'۰۰'۰۰'۰۰۰	یہودی
۸'۵۰'۰۰'۰۰'۰۰۰	قبطی
۹۰'۰۰'۰۰'۰۰'۰۰۰	دیگر اقوام

(زرد فام)

۳۲'۳۰'۰۰'۰۰۰	چینی
۵'۶۵'۰۰'۰۰۰	جاپانی
۱'۷۰'۰۰'۰۰۰	کوریائی
۱'۲۰'۰۰'۰۰۰	ترک
۱۴'۰۰'۰۰'۰۰۰	امریکی دیسی، اہل ملایا، اور فلپائن
۳'۰۰'۰۰'۰۰۰	منگولی
۱'۰۰'۰۰'۰۰'۰۰۰	کرغیز وغیرہ
۹۵'۰۰'۰۰'۰۰۰	مگائر
۳۵'۰۰'۰۰'۰۰۰	فنس
۱۰'۰۰'۰۰'۰۰۰	اسکیمو اور سالیوین
۸۵'۰۰'۰۰'۰۰۰	سیامی
۷۸'۹۰'۰۰'۰۰۰	برمی
۶۵'۰۰'۰۰'۰۰۰	تبتی

ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۱)

(ہندوستان کا رقبہ)

ملک	رقبہ ایکڑ کے حساب سے
ہندوستان	۱'۱۶'۲۹'۱۹'۰۰۰
برطانوی ہندوستان	۶۲'۰۷'۲۵'۰۰۰
یورپ	۲'۴۰'۰۰'۰۰'۰۰۰
جزائر برطانیہ	۷'۷۱'۵۲'۰۰۰
ولایات متحدہ امریکا	۱'۹۰'۳۲'۶۹'۰۰۰
اسٹریلیا	۱'۹۰'۳۶'۶۴'۰۰۰
کینڈا	۲'۳۹'۷۰'۸۲'۰۰۰
جرمنی	۱۳'۳۵'۹۴'۰۰۰
فرانس	۱۳'۰۸'۵۴'۰۰۰
چین	۲'۵۰'۴۷'۲۸'۰۰۰
جاپان	۱۶'۶۸'۷۲'۰۰۰

ہندوستان، جرمن شہنشاہی سے ۷ - گنا زیادہ بڑا ہے۔

ہندوستان، جاپانی سلطنت سے ۱۱ - گنا زیادہ بڑا ہے۔

ہندوستان، جزائر برطانیہ سے ۱۵ - گنا زیادہ بڑا ہے۔

ہندوستان، بر اعظم یورپ کے برابر ہے۔ باستثناء روس۔

ہندوستان میں ۷'۰۰'۰۰'۰۰۰ دیہات ہیں۔

ہندوستان میں ۶۷۷ دیسی ریاستیں ہیں۔

برطانوی ہندوستان، ۱۴ صوبوں پر منقسم ہے۔ ہر صوبہ، ضلعوں

پر منقسم ہے۔ ہر ضلع، تعلقوں یا تحصیلوں پر منقسم ہے۔ ہر

تعلقہ، تھانوں پر منقسم ہے۔ ہر ضلع کا اوسط رقبہ ۴'۵۰۰ مربع

میل ہے۔

ہندوستان کی دس میں نو حصہ آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔

ہندوستان میں ۷ لاکھ دیہات ہیں۔ اس کے معنی یہ ہے کہ اگر

کروڑی آدمی ہر قریہ میں صرف ایک دن ٹہرے، تو پورے ہندوستان

کے دورے کے لیے ۱'۹۲۷ سال درکار ہونگے۔

ہندوستان میں ایک لاکھ سے زیادہ آبادی رکھنے والے ۳۱

شہر ہیں۔

(ہندوستان کی آبادی)

ملک	کل دنیا
ہندوستان	۱'۶۹'۶۵۰'۰۸'۰۰۰
برطانوی ہندوستان	۳۱'۹۳'۶۱'۰۰۰
جزائر برطانیہ	۲۴'۷۰'۰۰'۰۰۰
جاپان	۴'۲۹'۱۹'۷۰۰
جرمنی	۶'۱۰'۸۱'۹۵۴
فرانس	۵'۱۸'۷۰'۷۲۲
ایٹلی	۳'۹۲'۰۹'۵۱۸
سورینٹ روس	۴'۲۱'۱۵'۶۰۶
چین	۱۳'۲۰'۰۰'۴۱۳
ولایات متحدہ امریکہ	۲۳'۶۰'۹۴'۹۵۳
	۱۱'۲۷'۸۶'۰۰۰

اندوید کرے گئے۔ کرے کے سامنے نئی تلواریں لے رہے تھے۔ باہم گفتگو کی سخت ممانعت تھی، مگر اب اُن کی یہ بات نہ پاس آئی۔ اس پابندی کی تعمیل ممکن نہیں۔

سلطان کا فرمان، شریف کو پہنچا کر یہ لوگ دینے لگے۔ وطن میں۔ اندیشہ ہو بھاگ جائیں گے۔ گوری سختی سے نگرانی ہونی چاہئے۔ یہ حکم پاتے ہی شریف نے کمر لگے روشن دالوں کو بھی بند کرادیا اور ہائے پردہ میں لوہے کی بڑیاں ڈال دیں۔ مگر اب بڑیاں کاٹ دی گئی ہیں۔ کیونکہ سیاری نے جہاں اس قابل ہی نہیں کہا کہ یہ بوجھ برداشت کر سکیں۔

خوش قسمتی سے ایک شریف آدمی کی ہمدردی حاصل ہو گئی۔ یہ ہمارے خطوط تم تک پہنچا کرے گا۔ پچھلے خطوط، جو تھیں، اُن کے ذریعے بھیجے گئے تھے۔ جب میں نے اپنے رفیقوں کو اطلاع دی کہ میرے اور اُن کے خطوط، منسلق مقصود پر پہنچ گئے، تو وہ پوچھ پوچھ کر دے لگے۔ کیونکہ ہر ایک کے بچے ہیں اُن کی ملاقات کی تیار کرتے ہیں۔ اگر ہم نے جرم کیا ہوتا تو اس خیال سے دل کو تسکین دے سکتے کہ یہ ہمارے جرم کی سزا ہو، لیکن ہم نے تو کوئی جرم نہیں کیا۔ جو اس کے سلطنت امداد کی اصلاح دینی چاہی ہو۔ اگر سب جرم ہو، تو اس میں اس ملک پر جہاں اصلاح دینی جرم بھی جائے!

میرے رفقا، انتہائی غم و غم میں ہیں۔ یہ بالکل قدرتی بات ہے لیکن میری حالت اُن سے بہتر ہو۔ میں اب ۶۰ برس سے تجاہد کر چکا ہوں۔ اس عمر کا آدمی کتنے برس اور جی سکتا ہو؟ ہمیں یا ہمارے گزشتہ سال ہی سے میرا غم تھا کہ غلوٹ کی زندگی اختیار کر لوں۔ سفر آخرت کی تیاری میں باقی دن گزارا۔ معلوم ہوا کہ خدا نے یہ اُسی کا سالانہ کر دیا ہو!

موت سے تعلق کی ذہن کو تلاوت قرآن میں مشغول کر دیا۔ گزشتہ نہیں جانتی تھی۔ اب الحمد للہ پوری صحت مل گئی اور جی "قد سبح اللہ تک قرآن مجید از سر نو حفظ کر لیا ہو۔ میں نماز کی بھی پوری پابندی کرتا ہوں۔ شب و روز خداوندی میں مشغول رہتا ہوں۔ آیت "اصحاب بن مصیبتہ الا باذن اللہ" میں دیکھو! ہمارے ہر لمحہ میرے پیش نظر رہتی ہو۔ مجھے اس سے بڑا ہی تسکین حاصل ہوتی ہو۔ اپنے رب پر متوکل ہو گیا ہوں۔ اپنے تئیں اُس کے حوالے کر دیا ہو۔ تم بھی ایسی کرو۔ اُس پر توکل کرو اور اُس کے سپرد ہو جاؤ!

اگر مجھے کوئی بیٹا ہو، تو وہ تمہاری اور بچوں کی جدائی کا ہو۔ خداوند جل و علا سے دعا ہے کہ ہم سب کو پھر جمع کرے۔ میرے مصیبت دانت ٹوٹ گئے۔ یہاں اُن کی موت کرنے والا کوئی نہیں۔ کھانے میں اب مجھے ناقابل برداشت بخلیت کا سامنا کرنا پڑا ہو جس سے تباہی طلب کی تھی ابھی تک نہیں سمجھی۔ نیز لکھا تھا کہ تفسیر ربیعہ تھی، تفسیر روح البیان، اور وہ زندگی کی فراموشی کتاب بھی جو مجھے میں اکثر پڑھا کرتا تھا۔ یہ سب کتابیں، سترائیں مجھ میں ہیں۔ اگر بیچ سکوں، تو روٹی میں دیر نہ کرنا۔

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ بچوں کی تعلیم پر پوری توجہ صرف کر رہی ہو۔ علی حیدر، دبیہ، صابرو کو بہت بہت یاد کرو۔ وہ تیرا اہم کردار تمام ملازمین کو سلام۔

سترائیں دو صندوق، سامی کپڑے کے منجھکے پاس چھوڑ دیا۔ عتاقان میں میرے تھے اور اعزائی نہیں ہیں۔ تاکید کر دی تھی کہ تھیں لے لے۔ معلوم نہیں ان کا کیا مشرعا ہے؟ اگر مستحق اب تک اسی خانے کے پاس ہی، تو مجھے کھڑا کر کے اُدھار دیا تو وہ

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستو

مدحت پاشا کے وہ خطوط جو اُس نے قید خانہ طائف کے اپنے عزیزوں کے نام بھیجے تھے

(۱)

”آج بچوں کی تصویریں پھیں۔ میں نے تمہارے خطوں کے جواب بھیجے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اُن کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔

ستمنا سے مجھے استاء ہونے لگے۔ وہاں قہر لہجہ میں مجھ کو محمد پاشا اور نوری پاشا کو ملحدہ ملحدہ جھڑپوں میں قید کر دیا۔ مجھے یہ کہا گیا کہ حقیقتات سے ثابت ہو گیا ہے سلطان عبدالعزیز نے خود کشتی نہیں کی ہو۔ بلکہ سلطان مراد اور اُن کی والدہ کے اشارے سے مجھ کو پاشا اور نوری پاشا نے انھیں قتل کر لیا ہو۔ اور یہ کہ خود میں خیر احمدی، اور رشیدی پاشا بھی اس قافلہ سازش میں شریک ہیں پھر کہا گیا کہ مصطفیٰ پہلوان، حاجی محمد مصطفیٰ جزاری، سلطان ایوب کے تین خادم اہل قابل ہیں۔

حالانکہ یہ سب جھوٹ ہے کیونکہ یہ تینوں شخص، عبدالعزیز کی وفات کے وقت نظر بند تھے۔ اگر بغیر محال عبدالعزیز کو کسی نے قتل ہی کیا ہو تو کسی حال میں بھی میرے یا رشیدی پاشا کے خلاف شہ کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ سلطان کی وفات کے وقت اُن کی والدہ اور تین سو بیویاں اور کنیزیں محل میں موجود تھیں۔ پانچ برس گزر گئے، مگر آج تک انھوں نے مجھے اشارہ کیا ہے کہ میں بھی نہیں تھا کہ سلطان قتل کئے گئے ہیں۔

میں نے محل شاہی میں نام نہاد عدالت کے سامنے پوری تفصیل سے تمام واقعات بیان کئے۔ تمام جہوں کو مجبوراً تسلیم کر لینا پڑا کہ واقعی کوئی ثبوت قتل کا موجود نہیں، بلکہ یہ سراسر بہتان ہے۔ مگر چونکہ سلطان عبدالعزیز "خطرناک" لوگوں سے چھٹکا حاصل کرنے پر کوشش تھے۔ اس لئے عدالت نے ۱۱ آدمیوں کو زبردستی مجرم قرار دے کر بے رحمانہ سزائیں دیں۔ عدالت کے سامنے ہمارا کارڈاں نے آخر وقت تک اس فیصلہ میں شرکت سے انکار کیا۔ سلطان نے اُن کی ہمایا غازی کی بھی پوری قدر دانائی اور بہاری طرح دینی قہار نے مجھ پر لے گئے!

سلطان سے میری کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ بعض مصاحب ہر شہرے میں میرے پاس سلطان کی پیغام لے کر آتے تھے اور اہل سلاطین

مے جاتے تھے۔ ایک دن یہ پیغام پہنچا کہ سلطان کو میری اس مصیبت کا نہایت قلق ہے۔ میری جلا وطنی پر وہ انتہائی افسوس کے ساتھ مجھ کو ہونے ہیں۔ لیکن قیدی ہمدردی سے مجھے اجازت دی ہو کہ اپنا خاندان اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں! یہ خبر مجھے اذن شاہی حاصل ہوا کہ اپنے عزیزوں کو اگر چاہوں، خط لکھ دوں۔ میں نے خطوط لکھ کر دے دیے، مگر افسوس ہو کہ وہ تو لوگوں تک نہیں پہنچائے گئے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دس یا آٹھ گھنٹوں میں ہمدردی ہو کر میرے خادم عارف کو افسوس لے جائے گا کہ ایک کمرے میں قید کر دیا۔ میرے پاس پہننے کا ایک کپڑا بھی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ رات کا لباس بھی موجود نہ تھا۔ جو کپڑے میرے بدن پر تھے، وہی پہنے رہا۔ اتفاق سے ایک دن میں نے خادم کو دیکھ لیا۔ اُس کے پاس میرے رات کے پہننے کا کرتا موجود تھا۔ وہ میں نے پہن لیا اور بدن کے کپڑے آدرا خود اپنے ہاتھ سے دوپٹے اور اُس وقت تک کمرے میں چھپا بیٹھا رہا جب تک کپڑے سوکھ نہ گئے۔ اب دنیا سے مجھے نفرت ہو گئی ہو اور بچا ہوا جلا اپنے پروردگار کے سامنے پہنچ جائے!

ہم تمام دفعاتے مصیبت جہاں "عز الدین" پر سوار کرے گئے۔ کچھ نہیں معلوم تھا کہاں جا رہے ہیں؟ محمد پاشا کو ایک نہایت غلیظ کمرے میں رکھا گیا۔ نوری پاشا اور میں بھی ایسے ہی کمرے میں رہنا پڑے گئے۔ پھر دروازوں پر قفل چڑھائے گئے۔

ہم جدہ پہنچے۔ پھر آخر کی گوری بہت ہی سخت ہوتی ہو۔ ہماری تندرستی کو بہت نقصان پہنچا۔ ہمارے کمرے پانچواںوں کے قریب تھے۔ ہمارے دل پر بھٹا جاتا تھا۔ نوری پاشا اور جہاں میں پانچواںوں کے تھے۔ اب تک اُن کا داغ درست نہیں ہوا۔

جدہ پہنچے ہی ہم سمجھ گئے کہ طائف میں قید ہونا ہو مگر ہم باہم کوئی گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ہر ایک کے ساتھ آٹھ آٹھ مسلح سپاہی تھے اور بولنے کی سخت ممانعت تھی۔ ہم سے از حد لذت کا بتاؤ کیا گیا کشاں کشاں کہ مصلحت تھی۔ اور حرم شریف کے قریب بعض کمرے میں قید کر دئے گئے۔ ہم خاص مسجد کعبہ میں موجود تھے۔ مگر ایک مرتبہ بھی ہمیں زیارت کی اجازت نہیں دی گئی! ہم طائف پہنچے اور قلعہ کے قید خانہ میں ملحدہ ملحدہ کوٹھڑیوں کے

(۲)

”رمضان کے بعد کوئی خط نہیں ملا۔ محفلے اور بچوں کے حالات نہ معلوم ہونے سے سخت قلق اور ملال ہو۔ تم نے ضرور روپیہ دیکھنے کی چیزیں بھیجی ہوں گی۔ مگر مجھے کچھ نہیں پہنچا۔ مجھے روپیہ کی از حد ضرورت ہو۔ کیونکہ پچھلے سال جو ۵۰ روپے بھیجے تھے، اور جو رقم، دستخطیہ سے آئی تھی، اب اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں ہو۔ دوسرے ہر کہ پہلے حکومت نے ہمارے کھانے پینے کا خرچہ خریدا دیا۔ اب وہ کسی کو کچھ نہیں بچا۔ ہم اپنی روٹی خریدنا پڑتی ہو۔ ہمارے ساتھ بعض ایسے قیدی بھی ہیں جن کے پاس ایک سیسینس۔ میرا محمود پاشا ان کی کفالت کر رہے ہیں۔ انھیں کپڑے بھی بناتے ہیں۔ ہمیں قید خانے کے نوکروں کا بھی خیال کرنا پڑتا ہو۔ یہ لوگ محض ہماری وجہ سے یہاں رکھے گئے ہیں۔ ان حالات کی بنا پر، ہمیں یہ سخت ضرورت ہو۔“

ہمارے رفقاء میں فوج کے بعض افسر بھی ہیں انھوں نے ہم سے کچھ روپیہ قرض لے کر کپڑا خریدا ہو۔ بچے خود اپنے ہاتھ سے سیسے ہیں۔ ان کی مصیبت ایسی بڑھتی ہو جاتی انکے لئے ایک خشک روٹی کا بھی انتظام نہیں کیا گیا ہو۔ بعض مجبوراً روزہ رکھتے ہیں۔ ہم پر فرض ہو کہ ان کی ضروریات زندگی کا حتیٰ الوسع حل رکھیں۔ ہر ملک میں دولت مند، غریبوں کی دست گیری کرتے ہیں لیکن یہاں ان مسکینوں کے لئے اس رقم کا کوئی موقع موجود نہیں ہے۔ انسانیت کا تقاضا ہے کہ ہم ہی انکی جیڑیں۔ لہذا فوراً ۴۰۰ روپے پچاس روپے حکومت کے توسط سے بھیج دو۔ اگر فوراً روپیہ نہ آیا تو میں اپنا باقی کاربن اور گھڑی بیچ کر مجبور ہو جاؤں گا۔ اس صورت میں لوگ بہت قیل و قال کرینگے اور ہمارے ذہن کو تشویش ہوگی۔

بچوں کو بہت پیار۔

دست

قلندہ طاقت کا قید خانہ

۵ مارچ ۱۹۷۷ء

(۳)

”... پرسوں یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ شریف مکہ عبداللہ حب عادت آجکل طاقت میں موجود تھے۔ مشکل کی رات کو وہ اپنے گھر میں ملین سو رہے تھے کہ اچانک ادھی رات کو تین فوجوں نے آکر ان کا محل گیر لیا۔ فوج کے ساتھ ۴ توپیں بھی تھیں۔ صبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ شریف اپنے رات کے کپڑوں میں ہمارے قید خانے میں قیدی بنے چلے آ رہے ہیں۔“

کہا جاتا ہو شریف کا جرم یہ ہو کہ اُسے انگریزوں سے سازش کرنی چاہی تھی۔ اس شخص نے ہمیں محض سلطان کے خوش کرنے کے لئے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ خدا نے اس کا بدلہ لیا۔ دہی مصیبت اُس پر ڈال دی جس میں ہم پھنسے ہیں۔ اس میں ہر عاقل کے لئے عبرت ہو۔ لیکن مجھے اس شخص پر بہت ترس آتا ہو۔ سربس کا بوڑھا جو اُس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں سے ہو۔ یہ واقعہ بالکل دیسا ہی ہو، میاں میں ترنا میں پیش آیا تھا۔ فرق صرف اس قدر کہ وہاں توپوں کی تعداد زیادہ تھی۔“

دست

(۴)

”گزشتہ رمضان سے تمھاری ادب بچوں کی کوئی خبر نہیں ملی۔ میں نے بھی تمھیں اپنی مفصل حالت نہیں لکھی۔ کیونکہ نہایت سخت تکلیف میں ہوں۔ پانچ مہینے ہوتے ہیں کہ ہمارے خدمت گارہم کو ملکہ کر دئے گئے ہیں۔ حال میں آستانہ سے عربک نام ایک شخص خاص

اس غرض سے بھیجا گیا ہو کہ اگر ہماری ایذا رسانی میں کچھ کی روک تھام ہو تو پوری کر دے۔ اس شخص کی عمر زیادہ ہو، مگر عقل کم ہو۔ اس کے اخیال ایسے ہیں جو کسی شریف الطبع آدمی کے نہیں ہو سکتے۔ یہ ہماری جان لینے پر تیار ہوا ہو، کیونکہ شاید اُسے یہی حکم ملا ہو یا فرد مقتولیت اس ذریعہ سے حاصل کرنی چاہتا ہو۔ اُس کا خیال ہو کہ جھوٹا کھنڈ سے ہم جلد میں مرنے لگے بلکہ ہماری زندگی بڑھ جائے گی۔ لہذا کوئی ایسی تدبیر نکالنی چاہتا ہو جس سے میری، محمود پاشا کی، اور خیر السعدا خدی کی زندگی جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ وہ نوکروں سے کہتا ہو ”تمھارے وطن واپس جانے کے لئے بے قرار ہو گے۔ لیکن جب تک یہ تمھارے آقا زندہ ہیں، تم واپس نہیں جا سکتے۔ ان کے قتل میں میری مدد کرنا کہ آزادی حاصل کر سکو“ چنانچہ اس نے نووی پاشا کے خادم بکر آغا کو بلا کر کہا ”تم نوکروں کی قید اُسی وقت ختم ہوگی جب یہ لوگ مریں گے۔ نووی پاشا تو بچوں ہیں۔ کئی دفعہ کمرے کی کھڑکی سے پھانسا بھیجا جا۔ تم ان کی اس میں مدد کو نہیں کرتے؟ مجھ سے ریتی لو اور کھڑکی کی صلاح ریت ڈالو تاکہ نووی پاشا پھانسا نہ لگا ہو جائیں“

غرض کہ اس نے تمام نوکروں کو ٹھکرانا شروع کر دیا ہو۔ نوکروں اُس کی سازش میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ اس پر انھیں سخت تکلیفیں دی جا رہی ہیں۔ یہ خبریں سن کر ہم سخت پریشان ہو رہے ہیں زہر دینے کی نووی کو شش کی جا رہی ہو۔ ایک طرف دنیائی منفعت حاصل کرنے کے لئے یہ شخص ہمیں مارنا چاہتا ہو، دوسری طرف اخروی ثواب کے لئے حج کرنے بھی گیا ہو۔ یہ سمجھتا ہو اس طرح اور دنیا، دونوں اُسے حاصل ہو جائینگے!

ہم ڈیڑھ برس سے یہاں ہیں مگر آج تک قلعہ کا پھاٹک نہ مل سکے۔ غریزہ زین لوگوں سے بھی ملاقات کی اجازت نہیں ملی۔ ہمارے پاس ایک اجنبی باورچی تھا۔ ڈاراد ہسکار اُسے بھی رخصت کر دیا گیا یہ حالات دیکھ کر ہمیں یقین ہوتا ہو کہ ہمیں جلد اس دنیا سے کوچ کرنا ہوگا۔

اگر ہمارے تعلقے اور اس طرح تعض میں بند رکھنے سے مقصود یہ ہو کہ تمھارا ہی کی سازش پر پردہ ڈالا جائے، تو یہ کوشش بے سود ہو۔ یورپ بھر میں اصلی حقیقت مشہور ہو چکی ہو۔ اخبارات کے صفحوں پر آچکی ہو۔ لیکن اگر ہمیں تکلیف دے کہ سلطان اور ان کے صاحب خوش ہوتے ہیں تو ہمارے لئے اس کے ہوا کوئی چارہ نہیں کہ احکم الحاکمین سے فریاد کریں اور دعائیں گن کہ وہ اپنا فیصلہ جلد صادر کر دے۔ اگر ہمیں کوئی منفعت مزاج لے تو ہماری ناقابل بیان مصیبت کی یہ داستان نہ دینا۔

قید خانہ طاقت ۵ محرم سنہ ۱۴۰۰ھ

(۵)

دالی حجاز عثمان پاشا کے نام ”آپنے رسالہ دار محمد کے نام جو خط لکھا ہو، اُس میں شکایت کی ہو کہ میں نے عمر پاشا کے اخیال کی اطلاع انگریزی تو فیصل کو دی ہو۔ حالانکہ میں نے تو فیصل کو مذکور ہرگز کوئی خط نہیں لکھا۔ بلکہ اس قسم کا کبھی دم بھی پیدا نہیں ہوا کہ اُسے اطلاع بھیجوں۔“

عمر پاشا کی حرکتیں ایسی نہیں ہیں کہ زیادہ دنوں تک بھی ان کی طاقت اور کمزوری بچہ بچہ اُن سے واقف ہو۔ اگر انگریزی تو فیصل کو علم ہوا ہو تو تاجروں اور عام باشندوں کے ذریعہ ہوا ہوگا۔

لیکن اپنے دوسرے خط میں پھر مجھے اس معاملہ میں طاقت کی ہو۔ بظاہر آپ کو یقین ہو کہ اس میں میرا ہاتھ ضرور ہو۔ لہذا میں مجبور ہو گیا ہوں کہ حقیقت ظاہر کر دوں۔

عمر پاشا علی الاعلان کہتے رہے ہیں کہ اُنکے آنے کی غرض ہم قیدیوں کو زہر دے کر قتل کرنا ہو۔ صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی وہ اسے ثابت کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے کھلے بندھوں نوکروں کو مشورہ دیا کہ اپنے آقاؤں کو دن دہاٹے مار ڈالیں۔ نوکروں نے ایسا نہیں کیا تو انھیں قید کر دیا گیا اور سخت تکلیفیں دی گئیں۔

اجاب ہو کہ اگر یہ شرمناک حالات معلوم ہو گئے ہیں تو یہ کچھ نہیں ہو۔ انگریزی تو فیصلوں کا کام ہی یہ ہو کہ خبریں معلوم کر کے اپنی حکومت کو مطلع کرتے ہیں۔ باہر ہمارا کوئی ایسا مقتدر علیہ موجود نہیں جس پر اس طرح کے معاملات میں بھروسہ کر سکیں۔ پھر کیسے یقین کیا جا سکتا ہو کہ ہم نے انگریزی تو فیصل کو اطلاع پہنچائی ہوگی؟ ہمارے نوکر بھی آزاد نہیں ہیں کہ دوسرے دوسرے جاسکیں۔ وہ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قلعہ سے نکلتے ہیں تاکہ ضروری اشیاء بازار سے خرید لیں اور اس وقت بھی مسلح افسروں کی حراست میں رہتے ہیں۔

نہیں معلوم ہوتا ہے منیر نے یہ کیونکر کوارا کیا کہ ہمیں ملاقات کر دے۔ تمھارے خیال میں اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اپنی آزادی، اولاد، احباب، مال و متاع سب سے جیتے جی محروم کر دئے گئے ہیں، اور ایک تعض میں جان و زور کی طرح محسوس ہیں۔ وہ آؤ عزیزوں کی صحت بھی معلوم نہیں کر سکتے؟ یقیناً یہ ایسا برتاؤ ہو جسے دنیا کا کوئی قانون کوئی شریعت، کوئی انصاف پسند انسان جائز قرار نہیں دے سکتا!

اگر یہ نئی تہمت تراشنے سے مقصود یہ ہو کہ ہماری عزیزوں کو خط و کتابت بھی موقوف کر دی جائے تو وہ ہماری اس قید کی وجہ سے پہلے ہی سخت بدبختی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ مرے کو ماننا کہاں کا انصاف ہو؟

تم نے اپنے خط میں لکھا ہو کہ تمنا میں میں نے فرانسیسی تعض سے پناہ چاہی تھی۔ یہ حقیقت سے تمھاری جہالت کی دلیل ہو۔ میں سورہ سحر نامہ جیسے ایک بڑے صوبے کا حاکم تھا۔ اچانک ایک رات میرے گھر کا فوجوں نے محاصرہ کر لیا۔ مجھ کو قید کر کے قلعہ میں اپنی عورتوں اور بچوں کا گریہ دیکھا اپنے کانوں سے سنتا تھا، مگر انھیں تسلی تک نہیں دے سکتا تھا۔ اُس وقت میرے دل کی کیا حالت ہوگی؟ اس کا جواب میں خود تمھارے منیر سے چاہتا ہوں اگر تم مجھے اس لئے ملاقات کرتے ہو کہ حکومت کی حرکتوں کو حق بجانب قرار دو، تو یہ کوشش بے فائدہ ہو۔ میں دومرتبہ دیراعلم رہ چکا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود بھی مجھ سے یہ ذلت آمیز برتاؤ کیا گیا اور بغیر کسی جرم کے قید میں ڈال دیا گیا۔

تم نے تمھارے نام ایسی باتوں کی اجازت دے نہیں سکتے اور اب تم ہماری زبانیں بند کر دے گے۔ ہماری زبانیں اب بھی بند ہیں۔ معمولی افسروں اور سپاہیوں کی ہر ہر حرکت ہو۔ ہم زبان ہلا نہیں سکتے۔ تم اس وقت اختیار رکھتے ہو۔ ہم بے اختیار ہیں۔ جو تمھارے دل میں آئے شوق سے کر دے۔ ہمیں اعتراض کا بھی حق نہیں ہو۔ تم ہمیں ”مجم“ کہتے ہو۔ ہم اس پر بھی مقرر نہیں ہو سکتے لیکن ہم تمھیں دیکھ کر باوجود لانا ہوں جو تم نے دارالحکومت میں مجھ سے کی تھی تم نے انسانیت، شرافت کا ذکر کیا تھا۔ کیا یہ وجود برتاؤ ان صفات کے مطابق ہو؟

قید خانہ طاقت، ۵ محرم سنہ ۱۴۰۰ھ

(۶)

نفیہ نام کے نام

”... پچھلے دنوں مشہور کر دیا گیا کہ میں ہندوستان یا قادیان

ہل میں خیانت کی۔ خدا کا مال غیر مستحقوں کو دے ڈالا۔ خدا نے اپنی کتاب میں حق داروں کے حق مقرر کر کے بیان کر دیے ہیں۔ مگر تو نے خدا کے حکموں پر عمل نہیں کیا۔ لیکن علی نے جس اپنے حق لے لینے کے لئے برابر لڑا جو خدا نے ہمارے لئے مقرر کر دیے ہیں۔ مگر انہوں نے ہتھاری لڑائی لے لی، انہیں ہارا، جہنم تکم کرنے کی ہمت ہی نہ تھی۔ میں نے تیرا مال نہیں، تنگ کر اچھا کر جانا ہے۔ میں تو صرف اپنا حق مانگتی ہوں۔ ہم دوسروں کا حق لینا جائز نہیں سمجھتے۔ آہ! تیرے دانت ٹوٹیں اور تیری مصیبت سخت ہو جائے تو اپنی زبان پر علی کا نام لانا ہے!

پھر وہ رونے لگیں۔ یہ شرابی زبان پر تھو:

آلایا عین دیکھ اسعدینا اللہ ابی امیر المؤمنین
ہاں لے آئے کچھ تیرا بھلا ہو ہمارا ساتھ ہے۔ ہاں امیر المؤمنین پر نبی
آنسو بہا!

زینا خیر بن رب المطایا وفارہا بن رب المغینا
ہم نے اس سب سے اچھے کو کھو دیا جو کبھی گھوڑوں پر یا کشتیوں
پر سوار ہوئے۔

ومن لبس النعال اذ احتلما دن قرأ الشانی والکینا
اور جنھوں نے زمین پر قدم رکھا اور جنھوں نے قرآن پڑھا۔
اذا استقبلت وجہا لی جن رایت البدر راع النافریا
حسین کے باپ کا چہرہ دیکھنا، بدر کا لکھنا جو بٹ کھینچے
والوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔

ولاد اللہ لاسی علیا حسن صلاتی الالکینا
میں نے اللہ، علی مجھے بھول نہیں سکتا، نہ رکوع کرنے والوں میں
اس کا بھی نماز بھول سکتی ہوں۔

ألی الشہر الحرام فجعونا بخیر الناس طرا اجینا
تہ نے ماہ حرام میں سب آدمیوں سے اچھے آدمی کو مار کر ہمیں صبت
میں ڈال دیا!

معاذ اللہ! میں نے انھیں ہزار دینار دیئے اور کہا:
”بھوپھی! اسے طرح طرح چاہو جو چاہو۔ پھر جب کبھی ضرورت پڑے
اپنے پیچھے کو کھنکا، وہ طرح بھاری مدد کرے گا۔“



بھائی، خیر! انھیں میں بھول نہیں سکتی تھی (رب جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے)
شعیت وحشی غلیل صدی شعیت نفسی وقصیت نذری
(لے وحشی (قاتل جزہ) تو نے میرا دل ٹھنڈا کیا۔ میری منت پوری
کر دی۔

فشکر وحشی علی عری حتی تینب علی فی تری
”وحشی! کا شکریہ عمر مجھ پر واجب ہے، یہاں تک کہ میری
پڑیاں قبر میں غائب ہو جائیں۔
تیری ماں کے جواب میں میں نے کہا تھا:
یا بنت رقلع عظیم الکفر خزیت فی بدو غیر بدو
لے بیوقوف بڑے کافر کی بیٹی! بدر میں اور ہر دن میں تجھ کو روکنا
لے۔

صبیحک ام قبل الفجر بالما شمیم الطوال الزہر
خدا تجھ پر صبح سے پہلے، دراز قد، خوبصورت، مٹیوں کی غارت گری
نازل کرے۔

بکل قلع حنام نفی حمزہ لشی وعلی صغری
تیغ بران سے تجھے کاٹے، حمزہ، میرا شیر جو اعلیٰ میرا بڑا ہے۔
ہنگ وحشی حجاب ہتر اللبغیا بعد ما من فخر
وحشی نے آبرو کی گردالی۔ اب فاحشہ عورتوں کے لئے تیرے
بعد کوئی فخر باقی نہیں رہا۔

”تمھارا بڑا ہوا“ امیر معاویہ نے عمرو بن العاص اور مردان بن
الحکم سے کہا ”انھیں نے اس خلافت کو مجھ پر غنا کر دیا اور یہ باتیں تو
پھر اودی سے مخاطب ہوئے:

”بھوپھی! اپنی ضرورت بیان کر۔ عورتوں کی یہ کواں سن کر وہ
”مجھے دو ہزار، دو ہزار، دو ہزار، پوسے“ ہزار دینار دوہا آدھا
نے مطالبہ کیا۔

”پہلے دو ہزار کس لئے؟“ امیر نے سوال کیا۔
”میں حارث بن عبد المطلب کے خاندان کے لئے کھیتی کی زمین میں
کنواں خریدوں گی“ اودی نے جواب دیا۔

”تم نے بہت خوب سوچا“ امیر نے کہا ”اور دو سو دو ہزار؟“
”خاندان عبد المطلب کے نوجوان کی شادی کر دوں گی“
”بہت خوب! اور تیس سو دو ہزار؟“

”مذہ کی گرائی اور زیادت بیت اللہ کے خرچ کے لئے“
”بہت خوب خیال ہے۔ میں نے منظور کیا۔ تمھاری خاطر ہمیشہ
منظر ہو“ امیر نے خوشامد سے کہا۔

تھوڑی دیر چپ رہ کر امیر نے پھر سوال کیا،
”بھلا اگر علی مجبور ہوئے تو یہ رقم ہرگز منظور کرتے“
”سچ ہے“ اودی نے فوراً جواب دیا ”علی، امانت ادا کرتا تھا
خدا کے حکموں پر چلتا تھا۔ مگر تو نے اپنی امانت صاف کر دی۔ خدا کے

احرار اسلام

عہد اموی کی اسلامی سہیت

اردی بنت الحارث ابن المطلب

ایک موسم حج میں ضعیف العمر اردی بنت الحارث بن عبد المطلب
امیر معاویہ بن ابی سفیان کے دربار خلافت میں حاضر ہوئی۔
”میرے بھتیجے! تو کیسا سو؟“ اردی نے کہا ”تو نے خدا کی نعت
سے کفران کیا۔ اپنے بھائی (یعنی امیر المؤمنین علی علیہ السلام) کے حق کا
لحاظ نہ کیا۔ اپنے نام کے سوا ایک نیا لقب اختیار کیا (یعنی امیر المؤمنین
کالقب) دوسرے کے حق پر قابض ہو گیا (یعنی خلافت پر) حالانکہ ہم
میں نہ تو خود تو نے کوئی خدمت کی، نہ تیرے بار و اسلاٹ نے۔ تم
نے محمد علی امیر علیہ السلام کے لئے ہوئے حق سے اعراض و انکار کیا تھا
اپس خدا نے تمھاری فطرتیں بگاڑ دیں۔ تمھیں ذلیل و خوار کیا۔ حق
داروں تک پہنچ گیا۔ اس کا بول بالا ہوا۔ اگرچہ مشرکوں پر یہ ظفر منڈی
بہت شاق تھی۔ اس میں میں ہم اہل بیت کا درجہ اور حسب لوگوں
سے زیادہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں فوت ہوئے کہ منعقد
مروج تھے، خدا کے حضور میں مغز و دیندیہ تھے۔ آپ کے بعد ہم اہل
بیت کے ساتھ تھے وہ بڑا دکھا جو قوم موسیٰ کے ساتھ خاندان جزو
نے کیا تھا کہ ان کے مردوں کو قتل کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ رکھتے
تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارا شیرازہ بند نہ سکا۔ ہم
پر کوئی سختی بھی آسان نہ ہوئی۔ ہماری انتہا جنت ہے۔ تمھاری انتہا
دوزخ ہے!“

”مگر اے بڑا ہوا! عمرو بن العاص جو دربار میں موجود تھا، بے اختیار
پکار اٹھے ”اپنی زبان روک، شرم سے کچھ بھی کر“
”تو کوں سو؟ تیری ماں سے؟“ اردی نے خفگی سے کہا۔

”عمرو بن العاص“ لوگوں نے جواب دیا۔
اردی نے کہا ”تو مجھ سے بولنے کی جرأت کرتا ہے! اپنے عیب
چھپے رہنے دے۔ اپنی خیریت منا۔ والد تو قریش میں نہ تو خالص
حب نسب رکھتا ہے نہ اچھی اصلیت کا مالک ہے“

”ہو توں بڑا ہوا! مردان بن الحکم نے کہا ”تیری بیانی بھی
تیری عقل کے ساتھ جا چکی ہے۔ تیری شہادت مقبر میں ہے“
”صاحبزادے تم بھی بولے! اردی نے کہا ”والد حکم سے
زیادہ تو سفیان بن الحارث بن کلدہ سے زیادہ مشابہ ہے“

پھر وہ معاویہ کی طرف مخاطب ہوئیں:
”والد! مردان لوگوں کو تو نے ہی مجھ پر حرات دلائی ہے، حالانکہ
تیری ماں اشد کی لڑائی میں جزو کے قتل کے مستحق تھی۔

نخن جزینا کم بیوم بدو والمحب یوم محراب ذات سحر
ہم نے تم سے جنگ بد کا بدلہ لیا۔ لڑائی، لڑائی کے دن آگ
کے طرح شعلے کھتی ہے۔

ماکان من عقبہ لی من صبر ابی دعی و دخی دھری
مقبہ (مہنگا باپ تھا) پر مجھ صبر نہیں ہو سکتا تھا۔ میرا باپ، چچا،

ماں اللحم دوا آتش
برہنہ خان

منیجر ہمدرد و اخوانہ یونانی دہلی

[illegible]

زنگ دیکھو
دور وے تولہ سونا
گھسکر آؤ مالو
جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت نازک نقش چوڑیاں جڑی سے بنکر آئی ہیں۔ چمکے انیس ایک خول کا ستور میں بنایا گیا ہے۔ ان کے اندر رنگین چوڑیاں آجاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرجد اور یا قوت کے گینے جڑوے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیے لیکن رنگ و رونق میں فرق نہیں آیا اور یہ ایسی ہی جیتی ہے۔ صنف نازک کے لئے بہترین تھوڑے۔ دھاتی روپ میں پانچو روپے کا کام بخلا جاسکتا ہے۔ ہر ساز کی موجودگی کی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتی ہیں جلد منگوائے تاکہ اس کا ختم نہ ہو جائے۔ اٹھ چوڑیوں کی قیمت دھاتی روپہ۔ جبکہ مذکورہ قریباً دو روپہ کا ہوگا۔ چوہر چوڑیوں کے دہلی نام سے پائے (معا) { میجر گولڈن اسٹور۔ پوسٹ بکس نمبر لاہور۔

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON LONDON S. W. 3.

ہم

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلعی اور سلطنتوں کے، پرانی تصویریں، پرانے ہتھیار، اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہیں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مساعرت و سعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔ دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ملکوں میں پہلے ایسے ہیثہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتی عجب و عجیبز مدد تک انداز ہیں!

بر عظمیٰ یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قارئین کے لئے ایران شاہی کے نوادر بھی حال میں ہم تک پہنچ رہے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں

تو

آپ فرحت کرنے کے لئے بہت پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت مہنگی ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے لئے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی کو گہرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور جسے ملک معظم برطانیہ و ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور متحدہ ممالک میں شائع
ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نئے
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کی مسلسل سلسلہ
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے اڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چہ
ملکے بجز ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر مطبعہ میں شائع ہوئی تھی جب راجی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی کسے کسے کہن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی زوادی نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا احتیاز و مذہب دہشت قلم نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟
قیمت ہر۔ دینار (مثال کلکتہ)

اگر آپ کو

دم

ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے ستر قریب

دوا فروش کی دکان

فوراً

ایکٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوائیٹوں

ہوٹلوں، کلیوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپ کو مطلع کر دے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جا سکیں

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی

مکمل گائیڈ بک

ڈنلاپ گائیڈ بوک گریٹ بریٹن

The Dunlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک شاپس سے مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین فائین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) آپنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ نکالتے یا بچھڑ

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوتا

(۲) آپنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی

بھر کام دے سکتا ہے

(۳) آپنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سُری بیل بوٹوں

سے مزین کہ آپنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے بڑے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائلز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائلز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی موارد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائلز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، توڑاؤں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "ٹکے سسٹم" کے نام سے متقدم ممالک میں مشہور ہے۔ اس "ٹکے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہریزی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گرو اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیریں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street. Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

المعالي

تذکرہ پیر علی

قیمت

۵ - ۱۰

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع معقول	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت ارر ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام ارر پتہ صاف ارر خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکر وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ در تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں -

(۷) منی اوقار روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض ، (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے لکھ کر ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

الہلال

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۵ . جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۲۱

Calcutta : Friday, 11, November 1927.

نیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں ؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی .
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے .
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی .

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں ، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں . آپ ان دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں . لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں .
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے . یاد رکھیے .
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے . ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں .

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۵۹۸ مراسلات وصول ہوئی ہیں . تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

۴۳۰	اردو حروف کی حق میں	۲۴۰	عربی حروف کی حق میں
	حروف کی حق میں بشرطیکہ		موجودہ مشترک طباعت کی حق میں
۱۵۰	نستعلیق ہوں	۲۷۳	پتھر کی چھپائی کی حق میں

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے .

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے . اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے . آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں .

الہلال

(ہندوستان کی آبادی مذہب کے اعتبار سے)

سنہ ۱۹۰۱ میں	سنہ ۱۹۱۱ میں	سنہ ۱۹۲۱ میں	
۲۰۷۰۵۰۵۵۷	۲۱۷۳۳۷۹۴۳	۲۱۹۲۹۰۹۲۰	برہمن
۹۲۴۱۹	۲۴۳۴۴۵	۴۹۷۵۷۸	آریا سماج
۴۰۵۰	۵۵۰۴	۹۳۸۸	برہمر
۲۱۹۵۳۳۹	۳۰۱۴۴۹۹	۳۲۳۸۸۰۳	سکھ
۱۳۳۴۱۴۸	۱۲۴۸۱۸۲	۱۱۷۸۵۹۹	جین
۹۴۷۹۷۵۹	۱۰۷۲۱۴۵۳	۱۱۵۷۱۲۹۸	بودھ
۹۴۱۹۰	۱۰۰۰۹۹	۱۰۱۷۷۸	پارسی
۶۲۴۵۸۰۷۷	۶۶۹۴۷۲۹۹	۶۸۷۳۵۲۳۳	مسلمان
۲۹۲۳۲۴۱	۳۸۷۶۲۰۳	۴۷۵۴۰۹۴	عیسائی
۱۸۲۲۸	۲۰۹۸۰	۲۱۷۷۸	یہودی
۸۷۱۴۰۴۸	۱۰۳۳۶۲۲۹	۹۷۹۲۹۱۵	دوسرے مذاہب

(ہندوستان کی آبادی جنس کے اعتبار سے)

مرد	عورت	
۱۹۳۹۹۵۵۵۴	۱۵۴۹۴۹۹۲۹	کل ہندوستانی صوبوں کی آبادی
۲۰۸۷۰۷۴۹	۲۱۴۳۸۲۳۹	مدراں
۱۰۱۷۹۹۹۹	۹۱۷۷۲۵۰	بمبئی
۲۴۱۵۱۲۲۲	۲۲۵۴۳۳۱۴	بنگال
۲۳۷۸۷۷۴۵	۲۱۵۸۸۰۴۲	پُرچی
۱۱۳۰۶۲۹۵	۹۳۷۸۷۵۹	پنجاب
۹۷۵۹۹۹۹	۹۴۵۵۲۲۳	برما
۱۹۷۹۳۸۹۹	۱۷۲۳۸۳۲۳	بہار اور سیسہ
۹۹۵۱۳۹۹	۹۹۹۱۳۹۱	صوبہ متروک
۳۹۹۱۱۰۹	۳۹۴۵۱۲۱	آسام
۱۲۲۹۳۱۶	۱۰۲۲۰۲۴	صوبہ سرحدی

(ہندوستان کی آبادی زبانوں کے اعتبار سے)

۹۹۷۱۴۳۹۹	ہندوستانی
۴۹۲۹۴۰۰۹	بنگالی
۲۳۹۰۱۴۹۲	تیلگو
۱۸۷۹۷۸۳۱	مرہٹی
۱۸۷۷۹۵۷۷	تامل
۱۹۹۳۳۵۹۹	پنجابی
۱۲۹۸۰۵۹۲	راجستانی
۱۰۳۷۳۲۰۴	کناری
۱۰۱۴۳۱۶۵	اڑیا
۹۵۵۱۹۹۲	گجراتی
۸۴۲۳۲۵۹	برمی

ہندوستان میں ۱۴۷ - زبانیں بولی جاتی ہیں - ۲۳ - زبانیں دس لاکھ آدمیوں سے زیادہ کے استعمال میں ہیں -

(ہندوستان میں بیرونی زبانیں سنہ ۱۹۲۱ میں)

عورتوں کی مجموعی تعداد : ۱۵۴۹۴۹۹۲۹
بیرونی کی مجموعی تعداد : ۲۹۸۴۴۸۳۸

ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے
ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے ؟

(۲)

(برطانوی شہزادہ کی قومیں)

(مجموعی آبادی ۴۴۹۲۳۰۰۰)

۲۴۴۳۰۳۰۰۰	ہندوستانی
۵۷۵۳۰۰۰	عرب
۱۵۵۰۰۰۰	افغان
۱۰۰۰۰۰۰	پارسی
۱۰۸۴۰۰۰	یہودی
۳۱۵۰۰۰۰	دوسری قومیں

(یورپین)

۹۴۲۷۹۰۰۰	{ برطانوی، فرانسیسی، کنیدی، بولر، وغیرہ
----------	--

(سیاہ فام)

۴۹۱۹۹۰۰۰	نیگرو
۹۱۵۰۰۰۰	ہندوستانی
۹۹۷۰۰۰	پاپونس
۶۰۰۰۰	آسٹریلیا کے دیسی

(زرد فام)

۹۵۵۹۰۰۰	ملایو وغیرہ
۷۸۹۰۰۰۰	برمی
۹۱۰۰۰	ترک
۲۳۰۸۰۰۰	چینی
۳۰۰۰۰۰	تبتی
۵۳۰۰۰۰	مور
۱۵۹۰۰۰۰	دیسی امریکن

(دنیا کی آبادی ہر مربع میل کے حساب سے)

۳۷۵	انگلینڈ
۳۱۰	جرمنی
۲۵۵	جاپان
۱۸۹	فرانس
۱۷۷	ہندوستان
۱۰۵	چین
۹۴	روس
۳۱	ولایات متحدہ امریکا

(بیروں کی تعداد عمر کے اعتبار سے)

۵ برس کی	۵ برس سے	۱۰ برس تک کی	۱۵۱۳۹
۱۰	۱۰	۱۰۲۲۹۳	۲۷۹۱۲۴
۱۵	۲۰	۵۱۷۸۹۸	۹۶۶۹۱۷
۲۰	۲۵	۱۵۱۶۰۴۷	۲۳۵۴۱۲۲
۳۰	۳۵	۲۲۳۲۵۹۹	

(دنیا کے مختلف ملکوں میں شرح اموات ہر ہزار انسانوں میں)

آبادی	سنہ ۱۹۲۱ میں	سنہ ۱۹۲۵ میں
امریکا	۱۰۰۰۰۰۰۰	۱۲۶۹
انگلینڈ	۴۵۴۰۰۰۰۰	۱۱۶۷
فرانس	۳۹۲۰۹۵۱۸	۱۱۶۵
جرمنی	۶۰۰۰۰۰۰۰	۱۳۶۲
جاپان	۶۱۰۸۱۹۵۴	۱۴۶۲
ہندوستان	۳۱۹۳۹۱۰۰۰	۲۴۶۲
ناروے	۲۶۰۰۰۰۰۰	۱۳۶۲
نیزرلینڈ	۱۲۰۰۰۰۰۰	۹۶۵
سویڈن	۶۰۰۰۰۰۰۰	۱۳۶۸

(شرح پیدائش سنہ ۱۹۲۱ ع میں)

امریکا	۱۹۶۵
انگلینڈ	۲۲۶۴
فرانس	۱۸۶۵
جرمنی	۲۳۶۵
جاپان	۲۴
ہندوستان	۳۱۶۸۳
نیزرلینڈ	۲۱۰۹۴

(دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں اوسط عمر سنہ ۱۹۲۵ ع)

(سال)	انگلینڈ اور ویلس
۵۱۶۵	۵۵۶۵
۶۰۶۰	۴۸۶۵
۴۷۶۴	۴۷۶۰
۴۴۱۳	۲۳۶۷

(دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں بچوں کی شرح اموات فی ہزار)

انگلینڈ اور ویلس	۵۷
فرانس	۸۵
بلجیم	۱۰۷
جرمنی	۱۰۸
اسپین	۱۴۵
اٹلی	۱۶۱
جاپان	۱۶۶
ہندوستان	۱۹۴
نیزرلینڈ	۴۵

(ہندو)

ہندو عورتوں کی مجموعی تعداد : ۱۰۵۸۲۱۸۲۵
 ہندو بیروں کی مجموعی تعداد : ۲۰۲۵۰۰۷۵

(مسلمان)

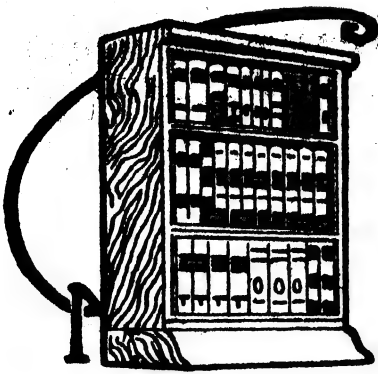
مسلمان عورتوں کی مجموعی تعداد : ۳۲۳۸۹۸۴۸
 مسلمان بیروں کی مجموعی تعداد : ۴۷۱۲۵۹۳

(عورتوں میں بیروں)

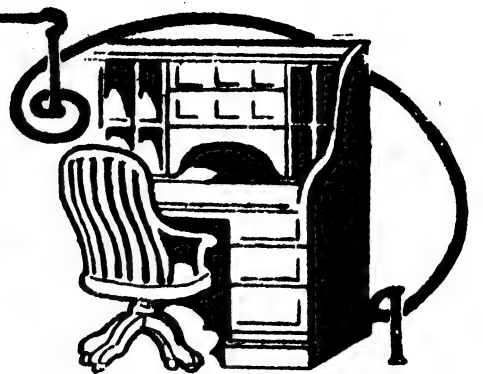
مدارس	۴۰۴۹۸۱۲
بمبئی	۱۹۸۱۸۴۹
بنگلہ	۴۴۴۴۰۵۰
پٹنہ	۳۷۴۹۵۳۳
پنجاب	۱۲۳۷۷۰۵
برما	۷۳۱۷۳۹
بہار اور ایسا	۳۲۱۱۳۱۰
صوبہ متوسط	۱۱۵۵۸۹۲
آسام	۵۷۳۳۰۱
کل برطانوی ہند	۲۱۰۳۰۵۰۰

ہندوستان میں ایتھنوں کی تعداد (سنہ ۱۹۲۱ ع میں)

کل برطانوی ہندوستان میں	آریہ	پٹنہ	پنجاب	برما	بہار اور ایسا	بنگلہ	مدارس	صوبہ
۴۴۶۷۳	۲۱۸۷	۲۰۸۵	۲۳۳۴	۶۲۸۵	۱۲۳۴	۱۱۱۰۲	۵۸۰۲	۵۰۳۵
۲۸۲۳۴	۱۵۶۵	۱۲۱۸	۱۲۰۳	۵۲۸۸	۱۲۰۳	۷۷۹۱	۳۲۵۸	۳۵۰۴
۹۳۶۴۳	۳۱۱۵	۷۶۰۵	۱۱۴۲۳	۶۴۴۷	۱۱۷۹۳	۱۴۳۱۱	۱۱۹۴۷	۱۱۹۴۷
۶۱۷۸۳	۲۲۵۵	۵۲۰۲	۷۲۲۴	۵۴۳۰	۶۵۲۱	۸۳۶۷	۹۳۳۷	۹۳۳۷
۱۸۰۹۵۹	۲۷۴۷	۱۵۰۱۴	۱۳۸۵۲	۱۱۳۲۵	۲۹۱۶۶	۵۰۷۷۹	۱۸۷۰۲	۱۸۷۰۲
۱۸۶۱۷۶	۳۴۵۹	۲۲۴۸۲	۱۴۳۱۴	۱۳۱۹۸	۲۴۴۹	۵۴۲۹۳	۱۴۷۶۶	۱۴۷۶۶
۶۲۱۸۰	۳۲۰۸	۴۴۵۰	۷۸۴۲	۶۵۸۹	۱۱۸۸	۱۰۱۰۶	۱۱۴۴۸	۵۵۳۵
۲۲۹۴۲	۱۱۰۲	۴۷۶۶	۲۷۵۴	۳۱۷۶	۴۳۹	۲۱۹۰	۴۰۰۳	۳۹۸۹



مقالات



مستشرقین اور استشرق

(عربوں اور اہل یورپ کے علائق)

عربوں کا اہل یورپ سے تصادم اور اتصال اُس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب عربوں نے شام و مصر اور دوسرے رومی مقبوضات پر فاتحانہ اقدام کیا تھا۔ اسپین اور پرتگال کی فتح نے عربوں کو خود یورپ میں پہنچا دیا۔ پھر جب دوسری، تیسری، اور چوتھی صدی ہجری میں بنو امیہ نے اپنی خلافت اندلس میں قائم کر لی، تو یورپ سے تعلقات آہ بھی زیادہ ہو گئے۔ تیسری صدی میں جزیرہ سسلی کی فتح اور جنوبی اٹلی میں عربی اثر نے یہ تعلقات آہ زیادہ وسیع کر دیے۔

اس کے بعد صلیبی جنگوں کے زمانے میں تصادم و اتصال نہایت سخت ہو گیا۔ اہل یورپ مشرق کا تمدن، اخلاق، اور علوم دیکھ کر دنگ ہو گئے۔ مال و جان کے بے شمار نقصان کے ساتھ، تمدنی، علمی، اخلاقی فوائد بھی بے شمار حاصل کیے۔ بہت سے صلیبی مجاہدین نے عربی زبان کی باقاعدہ تحصیل کی۔ ان کے متعدد امراء اور سپہ سالار عربی زبان اور عربی تمدن کے دل سے حامی ہو گئے۔

(یورپ پر عربوں کا علمی اثر)

یورپ میں عربی زبان اور تمدن کی مقبولیت کا آغاز اس سے پہلے ہو چکا تھا - یورپ کے مختلف ممالک سے طالب علم اسلامی اسپین میں آتے تھے اور مسلمان اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتے تھے - خود پوپ سلوسٹر دوم ' جو سنہ ۹۹۹ ع میں پاپائیت کے منصب پر پہنچا ' عربوں کا شاگرد تھا - اس نے قرطبہ اور اشبیلیہ میں مسلمان علماء سے ریاضی ' ہیئت ' اور جغرافیہ کی تعلیم حاصل کی تھی - اسی طرح شاہ لیون اور اسٹوریا نے بھی قرطبہ میں علم طب حاصل کیا تھا -

دالتیر کا بیان ہے کہ قدیم زمانے میں تمام یورپیں پادشاہ ' عرب اور اُن کے شاگرد یہودی اہلباء اپنے درباروں میں رکھتے تھے - اور اسپین اور اُس کے پڑوسی ممالک کے بکثرت مسیحی باشندے بھی عربی زبان کی تحصیل کرتے تھے ' تاکہ عربی سلطنت میں ملازمت حاصل کر سکیں یا عربی ممالک میں تجارت کریں -

(مسیحی تبلیغ اور عربی زبان)

چودھویں صدی کے اوائل میں عربی زبان کے لیے یورپ میں ایک خاص سرگرمی پیدا ہوگئی۔ روم کے پوپ نے قرن وسطیٰ میں وہبانیہ کا ایک نیا نظام جاری کیا تاکہ ایشیا، افریقا، اسپین اور سسلی کے غیر مسیحی باشندوں میں مسیحیت کی تبلیغ کی جائے۔ لیکن تجربے سے معلوم ہوگیا کہ اس مقصد میں کامیابی نہیں

نفس کی بیماریوں سے	چیف سے	حیفہ سے	بخار سے	مجموعی تعداد اموات	مجموعی تعداد بچوں کا تناسب اموات	نسب اموات	نسب پیدائش	آبادی	صورہ
۴۴,۷۸۲	۱۸,۸۱۰	۵۱,۹۷۱	۳,۶۴,۲۵۹	۱۰۰,۹۰۰,۴۳۰	۱۷,۹۰۰,۲۰۰	۲,۴۰۰	۱۴,۳۰۰,۸۵۸	۳,۴۰۰	مدارس
۲۸,۹۲۹	۱۱,۱۵۲	۸,۲۳۹	۲,۱۴,۵۹۳	۵,۲۹,۵۷۹	۱۹,۰۰۰,۳۰۰	۲,۷۰۰,۴۰۰	۹,۷۹,۳۲۱	۳,۵۰۰	بیماری
۲,۶۹,۴۳۹	۵,۵۹۷	۴۸,۵۱۴	۹,۱۲,۴۰۳	۱۲,۰۰۰,۳۰۰	۱۸,۳۰۰	۲,۵۰۰	۱۳,۷۰۰,۱۰۰	۲,۹۰۰	بنگلہ
۲,۷۴,۱۲	۲,۷۲۴	۹۷,۰۰۰	۹,۴۷,۸۰۷	۱۲,۸۳,۸۷۲	۱۹,۱۰۰,۰۰۰	۲,۸۰۰,۲۰۰	۱۵,۷۳,۸۱۰	۳,۴۰۰	پنجاب
۵,۴۴,۸۸	۴,۰۰۰	۳,۳۵۱	۴,۵۲,۱۸۷	۸,۹۱,۰۰۰	۲,۱۲,۴۰۰	۳,۴۰۰,۴۰۰	۸,۲۱,۹۸۵	۴,۰۰۰	پنجاب
۱۱,۰۹۸	۲,۵۰۱	۸,۰۸۳	۷۵,۲۸۸	۲,۳۳,۱۹۴	۱۹,۷۰۰,۲۰۰	۲,۱۰۰	۲,۳۰۰,۵۸۵	۲,۷۰۰	پنجاب
۹,۹۰۹	۹,۹۳۲	۷۷,۴۸۰	۱,۰۱,۹۳۵	۳,۸۹,۷۹۳	۱۵,۸۰۰,۲۰۰	۲,۹۰۰	۱۲,۱۴,۱۴۹	۳,۴۰۰	پنجاب
۳,۷۱,۳۰۹	۹,۷۸	۹,۷۰۴	۴,۰۰,۹۴۴	۴,۰۰,۳۰۰	۲,۳۰۰,۲۰۰	۳,۴۰۰	۲,۳۰۰,۲۰۰	۳,۴۰۰	پنجاب
۹,۷۰۸	۱,۹۴۷	۱۹,۱۸۲	۱,۳۱,۱۹۸	۱,۸۷,۱۲۷	۱۸,۴۰۰,۲۰۰	۲,۷۰۰,۲۰۰	۲,۱۲,۷۵۵	۳,۱۰۰	پنجاب
۵,۳۳,۳۳۹	۵,۳۳۸	۲,۹۳,۷۰۷	۴,۰۰,۷۹۹	۹۸,۷۹,۲۸۹	۱۸,۴۰۰,۲۰۰	۲,۸۰۰,۲۰۰	۸۳,۱۷,۴۰۰	۳,۱۰۰	پنجاب

(برطانی ہندوستان میں شرح پیدائش و موت سنہ ۱۹۲۴ ع)

کمپوننسٹ اچے نظریہ کو صرف ایک جملہ میں بیان کر سکتے ہیں۔ ”سرمایہ دارانہ نج کی ملکیت کی منسوخی“

ہم کمپوننسٹوں کو ملامت کی جاتی ہے کہ ہم شخصی ملکیت منسوخ کر دینی چاہتے ہیں جو محنت سے حاصل کی گئی ہے اور جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ شخصی آزادی، جماعتی جد جہد، اور قومی خرد مختاری کی بنیاد ہے۔

”بڑی دشواری سے حاصل کی ہوئی، خود کمائی ہوئی، خرد جمع کی ہوئی ملکیت!“ کیا اس قول سے تمہارا مقصود چھوٹے چھوٹے سوداگروں اور کسانوں کی ملکیت ہے جو سرمایہ دارانہ ملکیت کا ہیولہ پیش کرتی ہے؟ ہمیں اس کے منسوخ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صنعت کی ترقی نے خود ہی اسے منسوخ کر دیا ہے اور برابر کر رہی ہے۔

یا تمہارا مقصود موجودہ سرمایہ دارانہ ملکیت ہے؟

کیا اجرتی محنت، یعنی مزدور کی محنت خود مزدور کیلئے کوئی ملکیت پیدا کرتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ وہ تو صرف ”سرمایہ“ پیدا کرتی ہے۔ یعنی ”ملکیت“ پیدا کرتی ہے جو اجرتی محنت سے فائدہ اٹھاتی ہے، اور صرف اسی حالت میں بڑھ سکتی ہے جبکہ اجرتی محنت کی نئی نکاس برابر ہوتی رہے۔ ملکیت اپنی موجودہ شکل میں سرمایہ اور اجرتی محنت کی باہمی نزاع پر قائم ہے۔ آؤ ہم اس نزاع کے دونوں پہاڑوں کی جانچ کر لیں!

سرمایہ داری فی نفسہ کوئی شخصی پیداوار نہیں ہے، بلکہ سراسر اجتماعی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ سوسائٹی کے بے شمار ارکان کے متحدہ عمل سے وجود میں آتی ہے۔

اسی طرح سرمایہ بھی شخصی نہیں ہے، بلکہ ایک اجتماعی طاقت کا نام ہے۔

لہذا جب سرمایہ، عام ملکیت کی صورت میں بدل دیا جاتا ہے، یعنی سوسائٹی کے تمام ارکان کی ملک بنا دیا جاتا ہے، تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ شخصی ملکیت عام ملکیت بنا دی گئی۔ کیونکہ یہاں شخصی ملکیت کا وجود ہی نہیں تھا۔ البتہ جو چیز بدلی جاتی ہے، وہ ملکیت کی صرف معاشرتی حیثیت ہے۔ یعنی ملکیت سوسائٹی میں اپنی انفرادی طاقت کھو دیتی ہے۔

اب ہم اجرتی محنت کا مسئلہ لیتے ہیں:

اجرتی محنت کی اوسط شرح کم سے کم ہے۔ یعنی مزدور کو اتنی رقم ملتی ہے، جس سے وہ بمشکل اپنی زندگی قائم رکھ سکتا ہے۔ پس اس طرح مزدور اپنی محنت سے جتنی اجرت حاصل کرتا ہے، وہ اتنی کم ہوتی ہے، جس سے اس کی نہایت سادہ زندگی کی ضمانت ہو سکتی ہے۔ ہم کسی طرح بھی محنت کی پیداوار کا یہ شخصی استعمال منسوخ کرنا نہیں چاہتے۔ ایسا استعمال جو انسانی زندگی کے بقاء اور درام نسل کیلئے ناگزیر ہے۔ البتہ ہم اس استعمال کی وہ افسوسناک حیثیت ضرور مٹا دینی چاہتے ہیں جسکی وجہ سے مزدور صرف سرمایہ بڑھانے کیلئے زندہ رہتے ہیں، اور صرف اتنے عرصہ تک زندہ رہتے ہیں، جب تک حکمران طبقہ کے مفاد کو انکی ضرورت رہتی ہے۔

سرمایہ دارانہ سوسائٹی میں ہمتشہ ماضی، حال پر حکومت کرتا ہے۔ لیکن کمپوننسٹ سوسائٹی میں حال، ماضی پر حکمران ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ سوسائٹی میں سرمایہ، آزاد اور مستقل

”کمپوننسٹ“ اور اس کے مقاصد

(۳)

(مزدور اور کمپوننسٹ)

تمام پہیلی سوسائٹیوں کی تعمیر، جیسا کہ بیان ہوا، ظالم اور مظلوم جماعتوں کی باہمی دشمنی کی بنیادوں پر ہوئی تھی۔ لیکن کسی جماعت پر ظالم جاری رکھنے کیلئے کم سے کم یہ ضروری ہے کہ اسے ان حالات کی ضمانت دیدی جائے، جو اس کا غلامانہ وجود برقرار رکھ سکیں۔ قدیم سوسائٹی میں یہ بات حاصل تھی، چنانچہ لگائی اسامیوں نے جاگیر داری کے عہد ہی میں لیائی مجالس کی معیوبی کا حق حاصل کر لیا تھا۔ لیکن موجودہ سرمایہ دار عہد میں مزدوروں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ صنعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ بڑھنے اور اونچا ہونے کی جگہ اپنے معاشرتی حالات کے بہر میں آ رہے ہیں زیادہ غرق ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ ناک شیبہ تک کو محتاج ہو گئے ہیں۔ انکی محتاجی کہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ آبادی اور دولت کی ترقی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے!

پس یہ بات صاف ہے کہ اب سرمایہ دارانہ تو سوسائٹی کے اندر اپنی حکمران حیثیت برقرار رکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں، اور نہ اپنے جماعتی معاشرتی نظام کو بطور ایک برتر قانون کے اس پر عائد کر سکتے ہیں۔ اب وہ حکومت کرنے کے قابل ہی نہ رہے۔ وہ اپنے غلاموں کو انکے غلامانہ وجود کی بھی ضمانت نہیں دے سکتے۔ اب سوسائٹی ہرگز سرمایہ دار طبقہ کے ماتحت نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ اس کا وجود سوسائٹی کیلئے مفید نہیں رہا۔

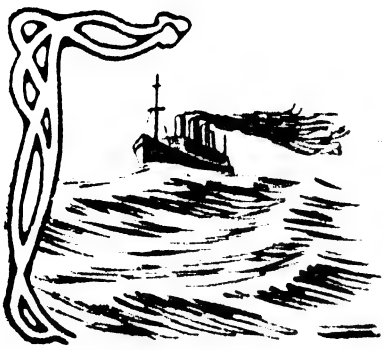
سرمایہ دار طبقہ اور سرمایہ دار حکومت کی بنیاد اجرتی محنت پر ہے، اور اجرتی محنت کا دار و مدار مزدوروں کے باہمی مقابلہ پر ہے۔ صنعت کی ترقی، جس کا خود ساختہ اور ناقابل مقابلہ اوجنت سرمایہ دار ہے، مزدوروں کی باہمی پھرت کو ایک انقلابی اتحاد سے بدل رہی ہے، اور وہ انجمنوں کی صورت میں ظہور پذیر ہو رہا ہے۔

لہذا موجودہ صنعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ سرمایہ دار طبقہ کی وہ بنیاد بھی کت کت کر اس کے پیروں کے نیچے سے نکل رہی ہے جس پر اس کی پیداوار اور تصرف کا نظام قائم ہے۔ وہ اس کی پیداوار ہی ہے جو اب سب سے زیادہ اس کی دشمنی پر تل گئی ہے اور اس کی لاش کیلئے قبر کھود رہی ہے۔ سرمایہ داروں کا زوال اور مزدوروں کی فتح دو برابر درجہ کی اٹل چیزیں ہو گئی ہیں۔

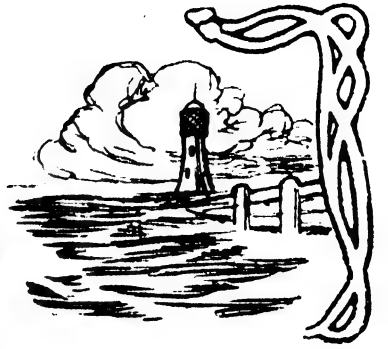
(۴)

جب جب معاشرتی حالات میں کوئی تاریخی تبدیلی ہوئی ہے، تو تمام املاکی رشتوں میں بھی مسلسل تاریخی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ مثلاً انقلاب فرانس نے سرمایہ دارانہ ملکیت کی حمایت میں جاگیر دارانہ ملکیت منسوخ کر دی تھی۔

کمپوننسٹ کی امتیازی خصوصیت عام ملکیت کی منسوخی نہیں ہے، بلکہ صرف سرمایہ دارانہ ملکیت کی منسوخی ہے۔ موجودہ سرمایہ دارانہ ملکیت ایک انتہائی اور کامل ظہور ہے پیداوار اور اس کے استعمال کے اس نظام کا، جو سراسر جماعتی نزاع اور باہمی تخریب پر مبنی ہے۔



پرسنگ



یورپ میں ایک مشرقی درویش

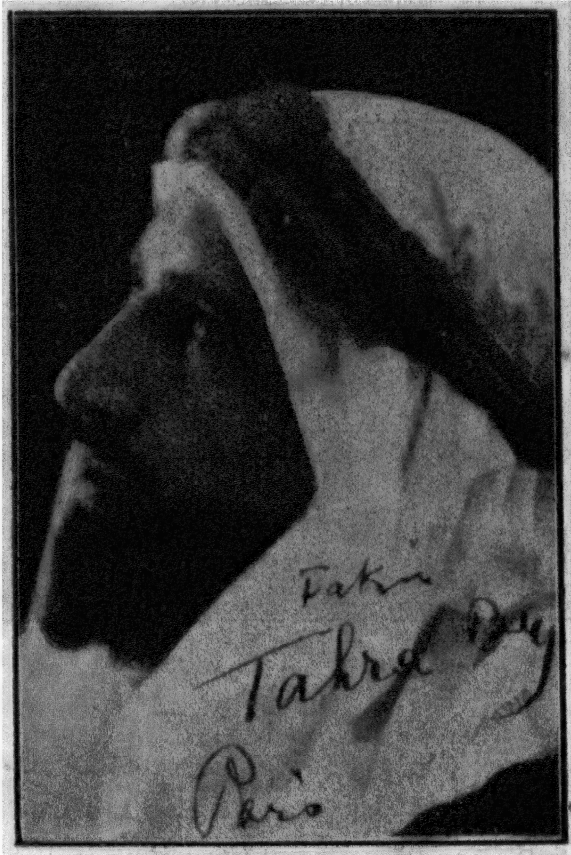
علماء و اطباء کی حیرانی

طاہر بے جو زمیں میں زندہ مدفون ہو جاتا ہے !

قارئین الہلال کو یاد ہوگا کہ گزشتہ سال ریوٹر ایجنسی نے پیرس سے یہ خبر شائع کی تھی کہ ”طاہر بے نامی ایک مشرقی درویش کے اعمال نے تمام پیرس میں دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں کی ایک جماعت نے اس کے اعمال کا مطالعہ کیا ہے، اور ان کے بے لاگ ہونے کی شہادت دی ہے“

آج کل یہ شخص انگلستان میں ہے۔ گریفک کے مقالہ نگار نے ایک مبسوط مقالہ لکھ کر اس کی شخصیت سے دنیا کا تعارف کرایا ہے اور اس کے مختلف اعمال و غرائب کی تصویریں بھی شائع کی ہیں۔ مقالہ نگار لکھتا ہے :

”پیرس میں گزشتہ دو سال سے وقتاً فوقتاً ایک پر اسرار شخصیت دیکھنے میں آئی ہے۔ یہ میاں قد آدمی جس کے بدن کا رنگ زیتون کا سا اور تازہ سیاہ ہے، یورپی مغربی نفاست کے ساتھ ملبوس رہتا ہے۔ اس کے مطمئن چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جوان نے بہت دنوں سے اپنے دل کی صفائی کا راز جان لیا ہے۔ یہ پر اسرار شخص مشہور درویش طاہر بے ہے، جس نے گزشتہ ڈھائی سال سے یورپ کو اپنے کمالات سے حیرت میں ڈال دیا ہے۔“



طاہر بے

یہ سنہ ۱۸۹۷ع میں طنجه میں پیدا ہوا۔ اسکی پیدائش کے وقت ہی اسکی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ اسلیے تعلیم و تربیت کے لئے قدیم دستور کے مطابق فقراء کے گروہ میں رکھ دیا گیا، اور اس طرح ابتدا ہی سے فقری کی آب و ہوا میں نشور نما پائی۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں قسطنطنیہ آیا اور ترکی لڑکوں کی طرح معمولی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اس نے علم طب پڑھ کر طبیب کی سند حاصل کر لی۔

اسکی زندگی خاموش مطالعہ اور غور و فکر میں گزری ہے، اور جب تک اس نے اپنے ابا و اجداد کا پر اسرار علم حاصل نہیں کر لیا،

لوگوں کو اس کے کمالات کی کوئی خبر نہیں ہوئی۔ سنہ ۱۹۱۹ع میں اس نے ایک جمعیت قائم کی جسکا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے تمام ڈاکٹروں اور فلسفیوں کے سامنے روحانیت کے مسائل اور تجارب پیش کرے۔

یورپ، جنوبی امریکہ، اور انگلینڈ کے بڑے بڑے شہروں میں طاہر بے نے صرف ڈاکٹروں ہی کو نہیں بلکہ عامۃ الناس کو بھی عجیب عجیب اعمال دکھلائے ہیں جنکی کوئی علمی ترجیح اینک نہیں کی جاسکی۔

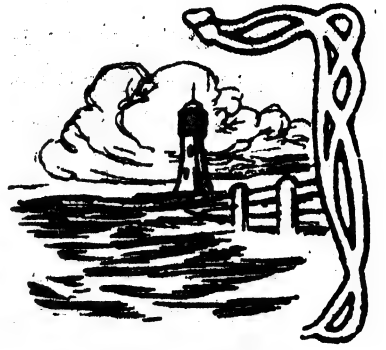
پہلے پہل جولائی سنہ ۱۹۲۵ء میں یہ پیرس میں وارد ہوا۔ وہ چند ماہ اٹلی میں بھی گزار چکا تھا۔ روم، نیپلس، پیلرمو، فلورنس، اور بولونا میں اس نے اپنے تجربے علم کے بڑے بڑے ماہرین کو دکھلائے تھے۔ کئی ہفتوں تک اطالوی اخبارات اس کے کارناموں سے لبریز رہے۔ روم میں ارکان حکومت اور سفارتی عملہ کے سامنے اس نے اپنے فن کے مظاہرے کیے۔ خود مسولینی نے بھی چند بار چیکی محل میں اس کا استقبال کیا تھا۔ شاہ وکٹر ایمینوئل نے بھی اپنے حضور میں بلایا۔ شاہ جارج پنجم نے بھی جو ان دنوں پیلرمو میں مقیم تھے، اس کے اعمال دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

پیرس میں پہلے علماء نے ایک خاص جلسہ میں اس کے کمالات کا مشاہدہ کیا تھا جہاں پیرس کے مشہور اخبارات کے نمائندے بھی بلائے گئے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ فرانسیسی علماء اس کے اعمال دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے اور متفقہ طور پر یہ رائے قائم کی کہ ”اس کے اعمال شعبہ بائی سے پاک ہیں“ لندن کے ایک بڑے تھیٹر میں بھی جہاں کی ایک کرسی بھی خالی نہیں رہی تھی، اس کے کمالات دیکھ گئے۔ چونکہ تقریباً تیس آدمی بیہوش ہو گئے تھے، اسلیے اسکا عام مظاہرہ بند کر دیا گیا۔ خود طاہر بے کا بیان یہ ہے کہ ”میرے کام میں کوئی شعبہ نہیں ہے۔ میں اپنے اسرار ظاہر کر دینے کے لیے راضی ہوں، مگر میرا دعویٰ ہے کہ سوائے خاں خاص فقراء کے اور کوئی شخص یہ کمالات حاصل نہیں کر سکتا“

وہ کہتا ہے ”فقیروں کی روحانی قوت بہت مضبوط ہوا کرتی ہے۔ انکی تعلیم تین مہینے کی عمر ہی سے شروع ہو جاتی ہے“



بریکنگ



یورپ میں ایک مشرقی درویش

علماء و اطباء کی حیرانی

طاہر بے جو زمیں میں زندہ مدفون ہو جاتا ہے !

قارئین الہلال کو یاد ہوگا کہ گزشتہ سال رپورٹر ایجنسی نے پیرس سے یہ خبر شائع کی تھی کہ ”طاہر بے نامی ایک مشرقی درویش کے اعمال نے تمام پیرس میں دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں کی ایک جماعت نے اس کے اعمال کا مطالعہ کیا ہے اور ان کے بے لاگ ہونے کی شہادت دی ہے“

آج کل یہ شخص انگلستان میں ہے۔ گریفک کے مقالہ نگار نے ایک مبسوط مقالہ لکھ کر اس کی شخصیت سے دنیا کا تعارف کرایا ہے اور اس کے مختلف اعمال و غرائب کی تصویریں بھی شائع کی ہیں۔ مقالہ نگار لکھتا ہے :

”پیرس میں گزشتہ دو سال سے رقتاً فوقتاً ایک پر اسرار شخصیت دیکھنے میں آئی ہے۔ یہ میانہ قد آدمی جس کے بدن کا رنگ زیتون کا سا اور قازہی سیاہ ہے، یورپی مغربی نفاست کے ساتھ ملبوس رہتا ہے۔ اس کے مطمئن چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جوان نے بہت دنوں سے اپنے دل کی صفائی کا راز جان لیا ہے۔ یہ پر اسرار شخص مشہور درویش طاہر بے ہے جس نے گزشتہ تھالی سال سے یورپ کو اپنے کمالات سے حیرت میں ڈال دیا ہے۔“

یہ سنہ ۱۸۹۷ء میں طنجه میں پیدا ہوا۔ اس کی پیدائش کے وقت ہی اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لیے تعلیم و تربیت کے لئے قدیم دستور کے مطابق فقراء کے گروہ میں رکھ دیا گیا اور اس طرح ابتدا ہی سے فقیری کی آب و ہوا میں نشور نما پائی۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں قسطنطنیہ آیا اور ترکی لڑکوں کی طرح معمولی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اس نے علم طب پڑھ کر طبیب کی سند حاصل کر لی۔

اس کی زندگی خاموش و غور و فکر میں گزری ہے اور جب تک اس نے اپنے ابا و اجداد کا پر اسرار علم حاصل نہیں کر لیا

لوگوں کو اس کے کمالات کی کوئی خبر نہیں ہوئی۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں اس نے ایک جمعیت قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے تمام ڈاکٹروں اور فلسفیوں کے سامنے روحانیت کے مسائل اور تعارب پیش کرے۔

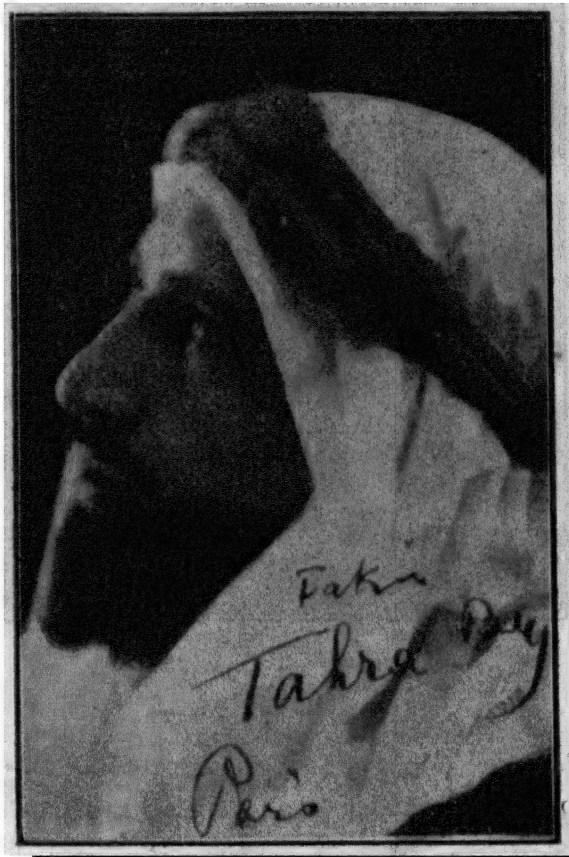
یورپ، جنوبی امریکہ اور انگلینڈ کے بڑے بڑے شہروں میں طاہر بے نے صرف ڈاکٹروں ہی کو نہیں بلکہ عامۃ الناس کو بھی عجیب عجیب اعمال دکھلائے ہیں جن کی کوئی علمی توجیہ اب تک نہیں کی جاسکی۔

پہلے پہل جولائی سنہ ۱۹۲۵ء میں یہ پیرس میں وارد ہوا۔ وہ چند ماہ اٹلی میں بھی گزار چکا تھا۔ روم، نیپاس، پیلرمو، فلورنس اور بولونا میں اس نے اپنے تجربے علم کے بڑے بڑے ماہرین کو دکھلائے تھے۔ کئی ہفتوں تک اطالوی اخبارات اس کے کارناموں سے لبریز رہے۔ روم میں ارکان حکومت اور سفارتی عملہ کے سامنے اس نے اپنے فن کے مظاہرے کیے۔ خود مسولینی نے بھی چند بار چنگی محل میں اس کا استقبال کیا تھا۔ شاہ وکٹر ایمینوئل نے بھی اپنے حضور میں بلایا۔ شاہ جارج پنجم نے بھی جر آن دنوں پیلرمو میں مقیم تھے اس کے اعمال دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

پیرس میں پہلے علماء نے ایک خاص جلسہ میں اس کے کمالات کا مشاہدہ کیا تھا جہاں پیرس کے مشہور اخبارات کے نمائندے بھی بلائے گئے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ فرانسیسی علماء اس کے اعمال دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے اور متفقہ طور پر یہ رائے قائم کی کہ ”اس کے اعمال شعبہ بازی سے پاک ہیں“ لندن کے ایک بڑے

تھیٹر میں بھی جہاں کی ایک کرسی بی خالی نہیں رہی تھی اس کے کمالات دیکھے گئے۔ چونکہ تقریباً تیس آدمی بیٹھ کر ہو گئے تھے اس لیے اس کا عام مظاہرہ بند کر دیا گیا ! خود طاہر بے کا بیان یہ ہے کہ ”میرے کام میں کوئی شعبہ نہیں ہے۔ میں اپنے اسرار ظاہر کر دینے کے لیے راضی ہوں، مگر میرا دعویٰ ہے کہ سوائے خاص خاص فقراء کے اور کوئی شخص یہ کمالات حاصل نہیں کر سکتا“

وہ کہتا ہے ”فقیروں کی روحانی قوت بہت مضبوط ہوا کرتی ہے، ان کی تعلیم تین مہینے کی عمر ہی سے شروع ہو جاتی ہے“



طاہر بے

تیزی سے بڑھتا شروع ہو جاتی ہے - یہ خیال پیش نظر رکھ کر وہ اب مصر جانے والا ہے - وہاں وہ بڑے بڑے وقفوں کیلئے مدفون رہیگا جنکا مجموعی وقفہ تین سال تک کا ہوگا - وہ کہتا ہے کہ اس عمل سے جسم آہستہ آہستہ متغیر ہو جایگا مگر دماغ سو گنا زیادہ ترقی کر جائے گا !

طاہر کی عمر تیس سال کی ہے مگر علمی تجربوں کیلئے وہ اپنی زندگی کے پورے تین سال وقف کر دیگا - وہ کہتا ہے کہ اگر دس پانچ برس آرنکل گئے تو اس تجربہ کا موقعہ باقی نہیں رہیگا - جوانی گذر جانے کے بعد انسان اس طویل جسمانی سکون و جمود کی حالت برداشت نہیں کر سکتا -

طاہر بے کے اعمال موجودہ انسانی فہم و ادراک سے بالاتر ہیں - وہ ایک ایسی راہ کا سالک ہے جسکا مغربی دماغ ادراک نہیں کر سکتا - وہ اپنے چہرے ' گردن ' بازو ' اور پیروں کو لوہے کی سلاخوں یا چھریوں سے چھید دیتا ہے - جب اس کے سینے سے خنجر باہر نکالا جاتا ہے تو نہایت تیزی سے خون کی دھار بہنے لگتی ہے - اور جب تماشائی یقین کر چکے ہیں کہ واقعی خون ہی ہے ' تو وہ یکایک خون کا بہنا رک لیتا ہے - وہ اپنی نبض کی رفتار تیز اور سست کر سکتا ہے - وہ ایک ایسے تختہ پر جس پر لوہے کی نوکدار کیلیں جڑی ہوئی ہوتی ہیں ' لیت جاتا ہے ' اور ایک سو پچھتر پانچ کا پتھر اس کے پیٹ پر رکھ کر لوہے کے بھاری ہتھوڑے سے چور چور کر دیتا جاتا ہے - پھر وہ اٹھا کر کھڑا کر دیتا جاتا ہے ' اور ایک سکنڈ کے اندر اپنی اصلی حالت میں واپس آ جاتا ہے !

کیا پتھر کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا کڑی نظر کا دھوکا یا شعبدہ ہے ؟ بعض اشخاص کا خیال ہے کہ اس عمل کے دوران میں سب لوگ مسمریزمی عمل سے مسحور کر دیے جاتے ہیں ' اور انہیں وہی نظر آتا ہے جو عامل چاہتا ہے !

گذشتہ سال لندن ٹھیٹر کے منیجر مسٹر شوبرٹ طاہر بے سے ملنے پیرس

گئے تھے تا کہ امریکہ جانے کے معاملہ پر اس سے گفتگو کریں - لیکن اُسے سینے سے خون بہتا دیکھ کر انہیں غش آ گیا - وہ بہ مشکل اس لائق ہوئے کہ واپس آ کر اُسے مدفون کر دینے کا عمل دیکھ سکیں - انہیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ فقیر ایک ساحر ہے " .

اگر یورپ کے علماء ' مشرق کے قدیم نفسیاتی علوم سے واقف ہوتے ' اور انہیں معلوم ہوتا کہ حبس نفس کی مشق علم وظائف اعضا (فزیا لوجی) کے قوانین پر کیجا عجیب اثر ڈال سکتی ہے ' تو وہ طاہر بے کے ان اعمال پر متعجب نہ ہوتے - اب سے تقریباً چار سو برس پہلے شیخ عبد الوہاب شعرانی نے قاہرہ میں خود اپنی آنکھوں سے یہ تمام اعمال دیکھے تھے ' اگرچہ وہ انکی صحیح تعلیل نہ کر سکے -

اسکا دعویٰ ہے کہ انہیں زخم یا ضرب شدید کا احساس نہیں ہوتا ' یہ اپنے آپ پر کامل سکتہ کی سی حالت طاری کر دے سکتے ہیں - سانس رک لیتے ہیں - زندہ دفن کر دیے جاسکتے ہیں - اپنی زندگی اور اپنے خیالات پر قابو رکھتے ہیں ' اور نیک و بد اراج کو بلا سکتے ہیں " .

" زندگی کا ابدی معما حل کرنے کے لیے فقراء موت کی عمیق غار میں اترتے ہیں - جس طرح غراس سمندر کی تہ تک پہنچ جاتا ہے - ان کی جسمانی موت ' غفلت اور نسیان کی نیند کو ایک ایسی حد تک پہنچا دیتی ہے ' جہاں سے جسم کے مرکب حصوں کی تفریق شروع ہو جاتی ہے ' اور جہاں روح جسم سے الگ ہونا چاہتی ہے " .

طاہر بے اپنے ابتدائی اعمال کی نمائش کے بعد اپنے آپ کو زندہ مدفون کرا دیتا ہے جس میں تماشائیوں کی خواہش کے مطابق دس منٹ سے لیکر نصف گھنٹے تک کا وقفہ ہوتا ہے - اُس پر ایک سکتہ کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے - اُس کے کان ' ناک ' اور منہ رزلی سے بند کر دیے جاتے ہیں - اُس کے بعد ایک تابوت میں لٹا کر اُسے بالو سے بھر دیا جاتا ہے ' اور تابوت زمین کے اندر دفن کر دیا جاتا ہے - جب وقت پورا ہو جاتا ہے تو تابوت نکالا جاتا ہے ' اور چند سکنڈ کے بعد طاہر بے کا سکتہ ختم ہو جاتا ہے - تابوت سے نکالے جانے کے وقت وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا اور جسم کا رنگ دھندلا مٹیالا ہو جاتا ہے - طاہر بے کے بیان کے مطابق رنگ کی یہ تبدیلی اس لیے واقع ہوتی ہے کہ جتنی دیر تک وہ تابوت کے اندر رہتا ہے ' دوران خون بند ہو جاتا ہے - اس کا قول ہے کہ اگر اپنے آپ پر سکتہ کی حالت طاری نہ کریں تو ہوا کے بغیر دس منٹ کے اندر مرجاؤں - بہت دن گزرے ' دفن کا یہ طریقہ مصر میں بھی مروج تھا - ساحروں نے مجرموں کی سزا کے لیے یہ چیز



طاہر بے تابوت سے نکالا گیا ہے اور ایک ڈاکٹر اسے کھڑا کر رہا ہے

ایجاد کی تھی - کیونکہ زندگی کی قدر و منزلت جو دینی طور پر ضروری سمجھی گئی تھی ' کسی انسان کیلئے سزائے موت جائز نہیں رکھتی تھی - مجرم صرف عارضی طور پر دفن کر کے پھر باہر نکال دیے جاتے تھے - تجربہ سے اندازہ کیا گیا تھا کہ اگر ایسی سزا متواتر دی جائے اور مجموعی سزا کا وقفہ ایک سال ہو جائے ' تو مجرم کی عمر طبعی دو سال گھٹ جانی تھی ' کیونکہ اس طویل جمود و سکوت کی حالت میں جسم کے رگ اور پٹے تھک جاتے تھے ' اور ان کی قوت کم ہو جاتی تھی -

لیکن انہیں ساحروں کا یہ متروہ بھی ہے کہ اگر یہ درا چوڑی چھوٹی خوراکیں میں دی جائے تو بہت سے امراض کیلئے مفید ہوتی ہے -

ایک مزید انکشاف طاہر بے کے تجربوں کیلئے باقی ہے - وہ یہ کہ جسم جب مٹی کے اندر مدفون ہو جاتا ہے تو دماغ کی نشروں نما

و فنون کی تمام تر بنیاد رضعیۃ اور رضعیۃ کے تعمق اور کارش پر ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس جس رضعیۃ کا انہماک بڑھتا گیا، فطریۃ کے فہم و ذوق کی استعداد کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آ گیا، جب لوگوں کے دماغ اس درجہ رضعیۃ اور رضعی طریق بحث کے عادی ہو گئے، کہ کسی اہم اور عظیم بات کو اس کی سادہ اور سہل صورت میں دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ ذہن کی کارش پسندی جو علوم رضعیہ کے اشتغال کا لازمی نتیجہ ہے، آسان اور سہل مطالب کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ یہ صورت حال صرف قرآن ہی کو پیش نہیں آئی، بلکہ مختلف صورتوں اور حالتوں میں تمام صحف سماوی کو پیش آچکی ہے، اور منجملہ ان اسباب کے جو ہمیشہ کتب و ادیان کی تعریف کا باعث ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ داعی قرآن (معلم) نے اسے ”تعمق“ اور ”تنطع“ سے تعبیر کیا، اور فرمایا کہ ہلاکت کی راہوں میں سے ایک راہ یہ بھی ہے جیسا کہ متعدد موقوفات میں وارد ہے۔ یہ مرقعہ تشریح کا نہیں۔ اگر آپ دقت نظر سے کام لیں گے تو ان چند جملوں کے اندر اصول تفسیر کی ایک اصل عظیم آپ کے سامنے آ جائیگی۔ یہ اصل عظیم نہ صرف تفسیر قرآن میں، بلکہ علم و نظر کے بے شمار گوشوں میں آپ کی رہنمائی کر سکتی ہے۔ ذہن انسانی ”رضعیۃ“ میں جس قدر کارش پسند ہوتا گیا ہے، اتنا ہی ”فطریۃ“ سے دور ہوتا گیا ہے۔

بہر حال یہ دوسرا ”غیر قرآنی“ طریقہ ان تمام طریقوں پر مشتمل ہے جو صدرازل کے بعد پیدا ہوئے۔ متکلمین مفسرین کا طریق تفسیر کم و بیش یہی ہے۔ کوئی اس طریقہ میں ایک خاص حد تک گیا ہے، کوئی بہت زیادہ دور تک۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی راہ کے شہسوار ہیں۔ ان کے بعد اکثر مفسرین نے دانستہ یا نادانستہ انہی کا نقش قدم اختیار کر لیا۔ قاضی ابن رشد کی کشف الادبہ اور فصل المقال اور شیخ الرئیس کی بعض مختصر تفسیریں امام رازی اور مفسرین متکلمین سے پچے لکھی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ہم معلوم کر لے سکتے ہیں کہ متکلمین اشاعرہ، فلاسفۃ اسلام اور معتزلہ سے کتنا ہی انکار کرتے ہوں، لیکن وہ خود بھی اسی طریقہ کی پیداوار تھے۔ بہتر قسم کی نہیں۔ ناقص اور کمزور قسم کی پیداوار۔

ایک سخت بنیادی غلطی جو اس طریقہ کی مقبولیت کا باعث ہوئی، متاخرین کا یہ خیال تھا کہ وقت کی علمی ضرورتوں کیلئے سلف کا طریقہ سرد مند نہیں ہے۔ یہ بات ضرب المثل کی طرح ان کی زبانوں پر جاری ہو گئی تھی کہ ”سلف کا طریقہ ایمان کیلئے بہتر ہے مگر استدلال کیلئے مفید نہیں“ حالانکہ اگر ایمان کو جہل سے نہیں بلکہ علم و بصیرت سے پیدا ہونا چاہیے، تو جو طریقہ ایمان و یقین کے لیے سرد مند ہوگا، وہ استدلال و برہان کیلئے کیوں غیر مفید ہوگا؟ جہان تک نام نہاد علمی ضروریات کا تعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ متاخرین کے طریقہ سے بڑھ کر کمزور اور نا مراد طریقہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ ”استدلال“ کو فنون رضعیہ کے ”منطقی استدلال“ سے باہر نہیں دیکھ سکے، اور وجدان و طبیعت کی حقیقی شہادتوں سے آنکھیں بند کر لیں۔ آپ اپنے استفسار میں جا بجا لکھا ہے کہ ”امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ موجودہ زمانے میں سرد مند نہیں“ لیکن میں کہتا ہوں اس تنقید کی کیا ضرورت ہے؟ یہ طریقہ تو کسی زمانے میں بھی سرد مند نہ تھا۔ کیا یہ طریقہ اُس زمانہ میں سرد مند تھا جب امام صاحب نے تفسیر لکھی ہے؟ اس کا حال خود انہی



حجة ابراهیمی

ایہ کریمہ ”الم ترالی الذی حاج ابراہیم“ کی تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریق

(از مولانا ابوالکلام)

الہلال نمبر (۱۵) میں جناب مولوی عبد الحق صاحب کا جو استفسار آیۃ مندرجہ عنوان کی نسبت شائع ہوا تھا، اس کا جواب حسب ذیل ہے:

(۱) قرآن حکیم کے مطالعہ و تدبر میں آپ کو جو مشکلات پیش آرہی ہیں، وہ اس تک پیش آتی رہیں گی، جب تک کہ اس بارے میں چند بنیادی اصول واضح نہیں ہو جائیں گے۔ یہ مرقعہ تفصیل و اطلاب کا نہیں ہے۔ مختصراً یہ سمجھیں کہ صدرازل کے بعد سے قرآن حکیم کے فہم و تدبر کی راہیں دو ہو گئی ہیں۔ ایک ”قرآنی“ ہے۔ دوسری ”غیر قرآنی“ قرآن کے فہم و تدبر کے لیے غیر قرآنی طریقہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے اس پر آپ کو تعجب ہو۔ اس میں شک نہیں یہ معاملہ فکر انسانی کے عجائب تصرفات میں سے ہے۔ مگر ایسے تصرفات اس کثرت سے ہو چکے ہیں کہ انہیں عجیب سمجھتے ہوئے بھی ہمیں متعجب نہیں ہونا چاہیے۔

”قرآنی“ طریقہ سے مقصود قرآن کے مطالعہ و فہم کا وہ طریقہ ہے جو تمام تر قرآن پر مبنی تھا۔ قرآن سے باہر کے اثرات کو اس میں دخل نہ تھا۔ عربی لغت کے صاف اور معروف معانی، عربی بول چال کے بے تکلف اور سادہ معازرات، صدرازل کا بے لاگ ذوق و فہم، اور انبیاء کرام کا فطری اور غیر صناعتی اسلوب بیان، اس طریقہ کی خصوصیات تھیں۔ سلف امت کا طریق تفسیر یہی تھا۔

”غیر قرآنی“ طریقہ سے مقصود وہ تمام طریقے ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ مفسرین قرآن کے ذوق و فکر سے پیدا ہوئے۔ یہ علوم رضعیہ کی اشاعت، ایرانی، رومی، اور ہندی تمدن کے اقتباس، اور عجمی اقوام کے اختلاط کا قدرتی نتیجہ تھا۔ مفسرین کے ہر کردار نے قرآن کے مطالب اسی شکل و نوعیت میں دیکھے، جیسی شکل و نوعیت کی فکری حالت ان کے اندر پیدا ہو گئی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ قرآن کے الفاظ، تراکیب، اسلوب بیان، دلائل و براہین، مواظ و حکم، سب کے ایک دوسری ہی طرح کی نوعیت پیدا کر لی۔ قرآن کی تعلیم و بیان کی تمام تر بنیاد فطریۃ اور فطریۃ کی سانگی پر تھی۔ علم

اور بھائی نظرائیں۔ ایک طرف سے یہ فوجیں بھاگ رہی تھیں، دوسری طرف تکلف و منصور ترکی فوجیں آ رہی تھیں۔ بیچ سمندر میں دونوں کا سارا جہاز۔ اول الذکر نے آخر الذکر کو فوجی سلاخی دی!

”میرے آستانہ“ اسی واقعہ کی یادگار ہے، ہوا، اکتوبر کو پیش آیا تھا

ترکی طبعی کافر نس

انگورہ میں ترکی طبعی کافر نس منعقد ہوئی، جسے پاشا نے اس کے افتتاح کیا۔ کافر نس میں بہت سے اہم طبی مسائل پر بحث ہوئی نیازی بک کی روداد سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کا مرض ترکوں میں بھی عام ہے۔ اس وقت ۵ لاکھ ترک اس میں مبتلا ہیں۔ یہ بیماری زیادہ تر حصن منصور، دیار بکر، اور اردوفا کے علاقوں میں پائی جاتی ہے۔ رشاد رضا بک اور موسیٰ کاظم بک نے مرض سل پر بحث کی اور بتایا کہ گذشتہ ۲۵ سال کے عرصہ میں مرتبہ مسلمانین میں اس بیماری سے ۶۹،۰۰۰ آدمی مر چکے ہیں۔ پورے ترکی میں سالانہ ۳۳،۰۰۰ آدمی اس مرض کا شکار ہوتے ہیں۔ یعنی ہر دس ہزار ترکوں میں ۳۰ آدمی اس بیماری میں مرتے ہیں۔

ترکی اور ایران

ادھر کچھ مدت سے ترکی اور ایران کے مابین کشیدگی پیدا ہو گئی ہے، جیسا کہ پہلے مسکاتب میں لکھ چکا ہوں۔ اس ہفتہ میرزا فدائی خاں سابق وزیر جنگ ایران، آستانہ پہنچے ہیں اور انگورہ بارہو ہیں۔ ان کا سفر اسی نزاع کے دور کرنے کے لئے ہے۔ موصوف نے اخبارات کے نمائندوں کو حسبِ ایل بیان دیا ہے:

”سرکش کرد، ترک حدود پر تاخت و تاراج کرتے ہیں۔ ترکی حکومت خیال کرتی ہے کہ یہ مجرم، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں۔ میں نے بھی یہی سنا ہے کہ یہ لوگ بعض ترکی اضلاع کو بھی پکڑے گئے ہیں۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ یہ کرد، ایرانی سرزمین میں پناہ تو ہیں۔ اگر واقعہ یہی ہے تو ہم انھیں ہرگز پناہ نہیں لینے دینگے اور ان کی حکومت کو ہر طرح مطمئن کر دیں گے“

تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ترکی افسر یہ مجرم پکڑے گئے تھے، اب رہا ہو گئے ہیں اور اپنی سرحدیں واپس آ گئے ہیں۔

شمالی منقشر

مراکش، ٹیونس، اور الجزائر فرانسسی استعمار کے بعد

(السلام کے مقالہ نگار مصر کے قلم سے)

مراکش کی آبادی

۳ مارچ ۱۹۵۷ء کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے کہ فرانس کے زیر حمایت مراکش کا رقبہ ۱،۱۵،۰۰۰ مربع کلومیٹر مربع ہے، اور آبادی ۴،۲۰،۰۰۰ ہے۔ ۱۹۶۰ء میں ۴،۱۶،۰۰۰ مسلمان ہیں۔ ۱،۸۰،۰۰۰ ایلیا یہودی ہیں۔ ۶۶ ہزار فرانسسی ہیں۔ ۴۰ ہزار دوسرے یورپ ہیں۔ اس سے پہلے مسلمان میں مردم شماری ہوئی تھی۔ اس کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ۵ برس کے قلیل عرصہ میں فرانسسیوں کی تعدادیں ۱۹ ہزار کا اضافہ ہو گیا ہے۔

مراکش کی دولت

مراکش کے باشندے زراعت پیشہ ہیں۔ زیادہ تر غنہ کی کاشت ہوتی ہے۔ اب تک کوئی قیمتی کان دریافت نہیں ہوئی۔ مرن فاسفٹ

اس ظلم و جور کے مقابلے میں آستانہ کے ترکوں نے کیا کیا؟ انھوں نے کوئی بغاوت کی؟ نہیں۔ کوئی مظاہرہ کیا؟ نہیں۔ وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ اتحادی قوتیں سمجھیں ہم نے مرعوب کر لیا۔ دنیا کی یہ سب سے زیادہ جبار قوم ہماری غلامی پر غلام ہو گئی۔ مگر یہ ان کی غلطی تھی۔ ترکی قوم کی طبیعت سے جہالت تھی۔ ترکی قوم کا خاصہ یہ کہ جب وہ جلال میں آتی ہے تو خاموش ہو جاتی ہے۔ جب ترک کوچپ ستائے میں دیکھو تو اس سے بھاگو۔ کیونکہ وہ عرصہ ہو گیا ہے۔ قہر جلال کی قوتیں اس کے دل و دماغ میں جمع ہو رہی ہیں۔ آستانہ کے ترک بھی اتحادیوں کے مظالم کے مقابلے میں خاموش ہو گئے۔ مگر ان کی روح بول رہی تھی۔ اتحادیوں کے لئے وہ اندر ہی اندر اناطولیہ میں بارڈر کھینچ رہے تھے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اناطولیہ میں قومی تحریک کا قیام، زیادہ تر آستانہ کے باشندوں ہی کی سعی و محنت سے ہوا۔ اتحادیوں کا یہ چوک بہت ہی سخت تھا، مگر آستانہ سے برابر سامان جنگ، توپیں، آدی، اور دویہ اناطولیہ پہنچ رہا تھا۔ کس راہ سے جاتا تھا؟ کون لے جاتا تھا؟ کس وقت جاتا تھا؟ ان سوالوں کا جواب اب تک تاریخ کے پاس موجود نہیں ہے۔ مگر جاتا تھا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے۔

آستانہ کے ترکوں کی خاموشی نے آخر ہر سال بعد رنگ دکھایا۔ اتحادیوں کے پروردہ ٹونان کو اناطولیہ میں ایسی شکست ہوئی کہ موت سے بدتر تھی۔ دیکھتے دیکھتے نچ مندر ترکی فوجیں باسفورس کے سلنے پہنچ گئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب انگلستان، فرانس اور اٹلی کی تقریباً تمام بحری قوتیں، باسفورس اور مرمرہ میں جمع تھیں۔ اتحادی خیال کرتے تھے یہ قوت دیکھ کر اناطولیہ کے ترک ڈر کر اٹلے پاؤں بھاگ جائیں گے۔ مگر وہ ڈرے نہیں۔ خود اتحادیوں ہی کو ڈرنا پڑا۔ مائیک کاڈلٹ آئسرم معاہدہ قبل کرنا پڑا۔

اس کے بعد ہم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ ہم نے وہ دیکھا جسے دیکھ کر ہم اپنی آنکھوں کی صحت پر شبہ کرنے لگے۔ مگر وہ واقعہ تھا۔ ہم نے یہ دیکھا کہ اتحادی بیڑے، جواب تک سلطان کو قید کئے گئے تھے، اچانک ان کے جھنڈے، سر بلند ترکی جھنڈے کے سامنے جھک پڑے۔ جس وقت ترکی جھنڈا، وزارت جنگ کے بلند میاں پر اڑا گیا، تمام اتحادی قوتوں نے اسے ذلت کے ساتھ جھکی سلام کیا۔

پھر ہم نے کیا دیکھا؟ یہ دیکھا کہ اسی اتحادی فوجیں، جو آستانہ کی طرف ترکوں پر فوجا تھا، مظاہرے کرتی پھرتی تھیں اور ترکوں کو شریفانہ برتاؤ کی تسلی نہیں سمجھتی تھیں، خود وہ شہت سے اپنا اسباب باندھتا

بید شرق

مکتوب آستانہ

(السلام کے مقالہ نگار قیام مسلمانین کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا خطبہ۔ عید آستانہ۔ ترکی طبعی کافر نس۔ ترکی اور ایران

غازی مصطفیٰ کمال کا خطبہ

اس ہفتہ سب سے اہم واقعہ، انگورہ میں خلقِ قدس یا جمہوری عتبات کی موثر ہو۔ موثر ترین سب سے زیادہ اہم کارروائی، غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا وہ تاریخی خطبہ ہے جو کابل ایک ہفتہ تک جاری رہے گا موصوف نے یہ خطبہ، کئی اہ کی محنت سے طیار کیا ہے۔ اس میں وہ تمام تاریخی اور سیاسی حقائق جمع کر رہے ہیں جو معاہدہ التوائے جنگ کے بعد سے اب تک ترکی میں واقع ہوئے ہیں۔

غازی نے اپنا خطبہ ”انجن طیارات“ کو دے دیا تھا۔ اسی نے چھاپا ہے اور وہی ترکی کے طول و عرض میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ تقسیم کرے گی۔ ہر روز جتنا خطبہ غازی سنائیں گے، انجن، آستانہ اخبارات کو تقسیم کرے گی۔ ایک جہتی کہنی نے دنیا کے اخباروں میں اس کا خلاصہ بھیجے اور مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع کرنے کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ اب تک متعدد زبانوں میں ترجمہ طیار ہو چکا ہے، عنقریب ہندوستان آجائے گا۔

”عید آستانہ“

آپ کے قارئین نے یہ لفظ شاید پہلے نہیں سنا ہوگا۔ حالانکہ لفظ ترکوں میں ایک عجیب جوش پیدا کر دیا کرتا ہے۔ عید آستانہ، یا آستانہ کی عید ہر سال ۱۸ اکتوبر کو پری دہرم و دھام سے منائی جاتی ہے۔ پہلے ہفتے ہم نے چوتھی مرتبہ یہ عید دیکھی تھی۔ تمام پچھلی عیدوں سے زیادہ شاندار تھی۔

یہ عید اتحادی فوجوں سے آستانہ کی آزادی کی یادگار ہے، جنگ عری کے خاتمہ پر دول اتحاد نے ترکی سے التوا جنگ کا ساہو طو کیا۔ اس معاہدہ کی رو سے ترکوں نے ہتیار رکھنے۔ ہتیار رکھنے ہی اتحادی فوجیں پائے تخت میں گھس پڑیں۔ انگریزوں نے ”پیرا“ پر قبضہ کر لیا۔ فرانسیسیوں نے استنبول پر، اٹلی نے باسفورس کے ایشیائی ساحلوں پر۔ ان سلطنتوں کے جنگی بیڑے بحر مرمرہ اور اسٹون میں داخل ہو کر لنگر اٹا رہے تھے اور اپنی توپیں شہر کی طرف سیدھی کر دیں۔ پھر ان کی بری فوجیں آئیں اور شہر کی وہ حالت کر دی جو خونخوار فاسح، مفتوحوں کی کیا کرتے ہیں۔ ایسا ظلم و ظم شروع کیا جس کا تصور بھی ترکوں نے نہیں کیا تھا۔ مسلح سپاہی اور مسلح جاسوس ہر طرف پھرتے تھے اور جسے چاہتے تھے، بدبختی میں مبتلا کر دیتے تھے، بہت سے لائے گئے۔ بہت سے قید کئے گئے۔ بہت سے جلاوطن کئے گئے کوئی غلط ترک بھی اتحادیوں کے اہتمام سے بچ نہ سکا۔

رحمت پاشا کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے محمد آغا کو بلایا کہ انہیں بن کے کہا:

”دودھ دالے نے ہیں یہی دودھ بھیجا تھا جس میں سے کبڈا کو دیا کرتا ہو۔ لیکن جسے بھی دودھ کا ایک قطرہ زبان پر رکھا، اس کی حلق جل گیا۔ معلوم ہوتا ہو زہر، تانبے کے کسے سے پیدا ہو گیا ہو تم بھی جا کر کما نڈا کو خبر کرو۔ ایسا نہ ہو انہیں کوئی نقصان پہنچ جائے“

محمد آغا نے داپس آکر کہا کہ نڈا ابھی دودھ دالے کے برتنوں کا معائنہ کرینگے۔ اسے ارینگے۔ قید کرینگے۔ پوری تحقیقات کرینگے۔ قیدیوں نے یہ سنا تو مسکرانے لگے۔ کیونکہ سن چکے تھے کہ نڈا اپنے ساتھیوں سے دھچتا تھا۔ ان لوگوں نے دودھ تو کھایا ہوگا؟ کیا مرگے؟ کیا زہر کا اثر فوراً ظاہر ہوتا ہو؟

رحمت پاشا کے بعض رفقاء نے مسموم دودھ کما نڈا کے پاس بھیجا کہ اس کی کیا دی تحلیل کی جائے لیکن اسے ہنسکر دودھ واپس کر دیا۔ اور کہا ”ہیبا تحلیل کرنے کے آلات موجود ہیں!“

اس واقعہ کے بعد باوجودی خانہ اچھی طرح بند کر دیا جاتا تھا۔ کھانے پینے کے برتنوں پر علامتیں لگا دی جاتی تھیں۔ لیکن دو ہفتہ کے بعد ایک دن عادت آغا نے جوں ہی دروازہ کھولا، برتنوں پر سے علامتیں ہٹتی ہوئی تھیں۔ باسی کھانے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ تحقیقات معلوم ہو گیا کہ زہر ملا دیا گیا ہو۔ بعد میں مش آغا اور نوری آغزی نے اقرار کیا کہ انہوں نے زہر ملا دیا تھا!

اسی اثنا میں محمد پاشا، دست دتے میں مبتلا ہو گئے۔ پتہ چلا تو میں کوئی زہر ملا دہ بلا ہوا ہو۔ انہوں نے اتروہ پینا چھوڑ دیا اور چھو گئے۔

ایک دن پانی کا رنگ اور ذرہ بدلا ہوا تھا۔ اس میں بھی زہر ملا دیا گیا تھا۔ فوراً صراحی توڑ ڈالی گئی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ زہر، سقر سے ہیا کیا جاتا تھا۔ لانے والا ایک شخص شہیل آغا تھا۔ والی حجاز کو اس پر بہت اعتماد تھا اور اسی کے ذریعہ دشمنوں کو قتل کرایا تھا۔ یہ ایک مدت سے یہاں آیا ہوا تھا مگر تب اس خطرناک جرم کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ۳۱ مارچ سنہ ۱۲۸۷ھ کو رسالہ محمد علی دودھ جٹ فوج اور توپ خانہ لے کر کراچی سے آیا اور قلعہ کے محافظوں میں اپنے ۴۰ سپاہی داخل کر دیے۔

محمد علی نے آتے ہی رحمت پاشا کے خادم عادت آغا کو طلب کیا کہ ”میں زہر لایا ہوں۔ اگر تم رحمت پاشا کو کھلا دو تو ہمیں ایک ہزار پونڈ انعام دیا جائے گا۔ ایک دوسرا شخص، محمد پاشا کو مارنے کے لئے طیار ہو گیا ہو۔ اسے ۶۰۰ پونڈ انعام دیا جائے گا“

عادت آغا وفادار نہ رہا۔ اسے مظاہر زہر لے لیا اور دھڑ کیا کہ اپنے آقا کو قتل کر ڈالے گا۔ مگر قلعہ میں داپس آکر رحمت پاشا اور محمد پاشا کو فوراً قید کر دیا۔ انہوں نے باقی رفتار کو مطلع کیا۔ سب ہنایت پریشانی میں پڑ گئے۔

محمد علی، خاص قتل کے ارادے سے آیا تھا۔ تمام قیدی اس حقیقت سے واقف ہو چکے تھے۔ اچھی آمد کے ایک ہفتہ بعد اسے اس کتاب جرم کی پھر کو کشش کی۔ پونے قلعے میں فوج لا کر بھروی اور محاصرہ کر لیا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ رحمت پاشا کے خادم عادت آغا نے بڑی ہی وفاداری سے کام لیا تھا اور راز فاش نہ کر دیا تھا۔

واقعہ یہ تھا کہ صوبہ دارا بہم لے عادت آغا کوئی دوسرے افسر کی موجودگی میں بلایا کہ:

”میں کچھ رات رحمت پاشا کا خاکہ کر دینا چاہتا ہوں۔ اب سے پتھر تو زہر لے کر اور پکا وعدہ کیا، مگر اب تک کچھ بھی نہیں کیا۔ انتظاب یہ

کر دو کہ رحمت پاشا کے ساتھ سوتے ہو۔ مات کو کرے کا دروازہ کھلا لیٹنے دینا۔ دیکھو اگر دروازہ بند کر کے سو گئے تو ہم سے بڑا کوئی نہ ہوگا“ یہاں قلعہ میں سیاسی قیدی نڈا عشار کے بعد اپنے اپنے کمرے میں جانے کے لئے رخصت ہو رہے تھے کہ عادت آغا نے آکر کہا: ”آپ لوگ جلد نہ ہوں، کیونکہ آج رات میرے آقا کو قتل کرنا چاہتے ہیں!“

تمام رفقاء گھبرا گئے اور انہوں نے مل کر لیا کہ رحمت پاشا کو تنہا نہیں چھوڑینگے۔ ایک افسر نے عادت آغا کی گفتگو سن لی تھی۔ انہوں نے محمد علی کو خبر ہو جانے کی۔ محمد علی نے فوراً عادت آغا کی گرفتاری اور قیدیوں کے منتشر کرنے کا حکم دے دیا۔ مش آغا ایک افسر نے آکر کہا ”میرا لائی محمد علی سلام کے بعد کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کا یہ کچا ہوا مسموم ہو۔ فوراً اپنے اپنے کمرے میں چلے جائے“

رحمت پاشا اور محمد پاشا نے جواب دیا ”ہم ہرگز یہاں سے نہ جائینگے۔ تم لوہے کے زور سے ہیں نکال دو!“

پھر فوراً بکر آغزی کو مارنے آکر کہا ”عادت، ایک شیرازی ہو۔ وہ ایک ایسا جھوٹ بولا ہو جسے پورے سمندر کا پانی بھی دھو نہیں سکتا“

رحمت پاشا نے پوچھا ”ہلے گرد یہ تمام طیار کیا کسی ہیں؟ بکر آغزی نے جواب دیا ”ہیں اب تک کوئی خاص حکم نہیں ملا۔ لیکن ہم ہر حکم کی اطاعت ضرور کرینگے“

پھر اسے قتل کھائی کا اب تک جتنی خبریں مشہور ہوئی ہیں بالکل جھوٹ ہیں ۲۴ در قلعہ سے باہر چلا گیا۔

جرم کی رات

۱۲ رجب سنہ ۱۲۸۷ھ کو رات کے پچھلے پہر میں رحمت پاشا اور نڈا محمد پاشا قتل کر ڈالے گئے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

اس رات میرا لائی محمد علی اور بکر آغزی کما نڈا، قلعہ کے پھاٹک میں ہو۔ قلعہ کے اندر بہت سی فوج جمع کر دی گئی۔ سپاہیوں کو کافی مقدار میں کاروں سے تعمیر کر دیے گئے۔ آدھی رات کے بعد محمد پاشا کے خادم حاجی شکاری کو جگا کر پھیلے گئے۔ پھر قیدی کے کمرے کے سلسلے دودھ مسل سپاہی کمرے کر دیے گئے۔ رحمت پاشا کا خانہ عادت آغا پہلے ہی سے قید کر دیا گیا تھا۔ مگر مصوت تنہا نہ تھے۔

نامت پاشا کے لڑکے علی بک ان کے ساتھ سو رہے تھے۔ اچانک رحمت پاشا کے کمرے کا دروازہ ٹوڑ ڈالا گیا۔ علی بک اٹھ اٹھا۔ محمد پاشا کو قتل کرنا چاہا۔ انہوں نے کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ صرف خدا کے خوف سے ڈر دیا اور نصیحت کی۔ انہوں نے کہا ”دیکھو، سپاہی کا کام، وطن کی حفاظت ہے۔ نہ کہ اس کتاب جرم“

لیکن ان کا گلا گھونٹ ڈالا، اور وہ ہلاک ہو گئے! اسی طرح قاتلوں نے محمد پاشا کا دروازہ بھی توڑا۔ وہ جا پڑے اور تکیہ اٹھا کر دیر تک مقابلہ کرتے رہے۔ آخر تھک گئے محمد آغا، ایک افسر نے ان کے گلے میں سی کا پھندا ڈال دیا۔ وہ زور سے چلائے ”ایمان امد!“ اس آواز پر سب لوگ جاگ پڑے۔

خیر امد آغزی، پاس کے کمرے میں تھے۔ وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ سپاہیوں نے کہا ”ڈرے نہیں۔ آپ کے لئے کوئی اندیشہ نہیں ہو“ مگر وہ اس قدر مرعوب ہو گئے تھے کہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور رات بھر اسی حالت میں رہے۔

محمد پاشا کو قتل سے پہلے بہت سختی دی گئی، پھر گلا گھونٹ ڈالا گیا۔ مگر یہ ناکافی سمجھا گیا اور لاٹھیوں سے ان کا ہاتھ توڑ ڈالا گیا!

قتل کے بعد دونوں شہیدوں کو غسل خانے اٹھا لے کر رات

ہی کو کھلی بک تھوسہ لکی دکان توڑ کر کن کے لئے کڑا نکالا گیا اور فوج کے امام ریس آغزی کو شہیدوں کے منہ لے کا حکم دیا گیا۔ مگر انہوں نے انکار کیا۔ اسپر دند کو بغیر غسل اور کن کے دفن کر دیا گیا۔ دونوں قبروں پر دو پتھر لگا دیے گئے۔ ایک پر لکھا تھا ”رحمت پاشا ۲۱ مارچ کو فوت ہوئے“ دوسرے پر تھا ”محمد پاشا ۲۱ مارچ کو فوت ہوئے“

حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا۔ کیونکہ دونوں کو ایک ہی دن قتل کیا گیا تھا۔

رحمت پاشا اپنے قتل کے بہت دن سے منتظر تھے۔ واقعہ سے دو تین دن پہلے ایک مرتبہ نڈا کے بعد سر جھٹکے دیر تک بیٹھے رہے ساتھیوں نے فکر کی وجہ دریافت کی۔ کہنے لگے:

”میں موت کے باسے میں غور کر رہا ہوں جس کی تکلیف ہ منٹ سے بھی کم میں ختم ہو جاتی ہو۔ سوچتا ہوں کون سی موت سے کم تکلیف دہ ہوتی ہو: گلا گھونٹنے کی موت یا گولی کی موت یا بیاری کی موت؟ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں موت کو زندگی ترجیح دیتا، مگر یہ معاملہ انسان کے اپنے بس کا نہیں ہو۔ دیکھو میں جلد ہوا۔ موت سے قریب ہو کر پھر دودھ ہو گیا۔ ہماری وجہ سے کئی آدمی یہاں قید ہیں۔ شاید ہماری موت ان کی رہائی کا سبب ہوگی“

وفات سے پہلے رحمت پاشا نے خیر امد آغزی کو ۴۰ پونڈ دیے اور کہا ”یہ میرے کفن و دفن کے لئے ہیں“ مگر خیر امد آغزی کو اس خدمت کا موقعہ نہیں ملا۔ اس لئے انہوں نے یہ رقم حاکم کے حوالے کر دی۔

رحمت پاشا اور محمد پاشا، گلا گھونٹ کر قتل کئے گئے۔ مگر حکومت نے یہی مشہور کیا کہ وہ بیمار ہوئے تھے اور اپنی قضا سے مر گئے لیکن دنیا نے یہ جھوٹ تسلیم نہیں کیا اور بہت جلد حقیقت مشہور ہو گئی۔

سلطان عبدالحمید، ان دونوں شہیدان وطن سے اس قدر خائف تھا کہ بہت دن تک ان کی موت کا اسے یقین نہیں ہوا۔ چنانچہ دو مرتبہ اس نے اپنے خاص آدمی حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے طائف بھیجے اور انہوں نے پوری تحقیقات کی۔ مگر سلطان کو برابر یہی شک رہا کہ دونوں کس بھاگ گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آخر میں سلطان نے حکم دیا کہ رحمت پاشا کا سر کاٹ کے اس کے پاس بھیجا دیا جائے۔ چنانچہ قبر کھودی گئی، سر کاٹا گیا، اور ایک صندوق میں بند کر کے روانہ کر دیا گیا۔ مگر چونکہ بیچ میں ہنر سیز پڑتی تھی اور وہاں کا جنگی خانہ بہت سختی سے تلاشی لیتا ہو، اس لئے صندوق پر یہ عبارت لکھ دی گئی ”خاص جلالہ السلطان کے لئے“

رحمت پاشا اور محمد پاشا کی قبریں کچھ عرصہ موجود رہیں۔ مگر احمد راتب پاشا نے اپنی حکومت کے زمانے میں ان پر سے پتھر اکھڑا ڈالے اور قبریں زمین سے برابر کر دیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس واقعہ قتل کے ایک ہفتہ بعد والی حجاز مرض خلیج میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہ گویا خدا کا دنیا ہی میں اس آہٹ تھا۔



اور بھائی نظرائیں۔ ایک طرف سے یہ فوجیں بھاگ رہی تھیں، دوسری طرف تکظفر منصور ترکی فوجیں آدمی بھیتیں۔ بیچ سمندر میں دونوں کا سنا سنا ہوا۔ اول الذکر نے آخر الذکر کو فوجی سلائی دی!

”میں آستانہ“ اسی واقعہ کی یادگار ہے۔ ہزار اکتوبر کو پیش آیا تھا

ترکی طبعی کافر نس

انگورہ میں ترکی طبعی کافر نس منعقد ہوئی۔ جمعہ پانچ بجے اسکا افتتاح کیا۔ کافر نس میں بہت سے اہم طبعی مسائل پر بحث ہوئی۔ نیازی بک کی روداد سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کا مرض ترکوں میں بھی عام ہے۔ اس وقت ۵ لاکھ ترک اس میں مبتلا ہیں۔ یہ بیماری زیادہ تر حصن منصور، دیار بکر، اور آردوفا کے علاقوں میں پائی جاتی ہے۔ رشاد منابک اور سوسی کاظم بک نے مرض سل پر بحث کی اور بتایا کہ گذشتہ ۲۵ سال کے عرصہ میں مرنے والے مسلمانوں میں اس بیماری سے ۶۶،۰۰۰ آدمی مر چکے ہیں۔ پورے ترکی میں سالانہ ۳۳،۰۰۰ آدمی اس مرض کا شکار ہوتے ہیں۔ یعنی ہر دس ہزار ترکوں میں ۳۰ آدمی اس بیماری میں مرتے ہیں۔

ترکی اور ایران

ادھر کچھ مدت سے ترکی اور ایران کے مابین کشیدگی پیدا ہو گئی ہے، جیسا کہ پچھلے سکا تب میں لکھ چکا ہوں۔ اس ہفتہ میرزا فرحتی خاں سابق وزیر جنگ ایران، آستانہ پہنچے ہیں اور انگورہ بارہو ہیں۔ ان کا سفر اسی نزاع کے دور کرنے کے لئے ہے جو موصوف نے اخبارات کے نمائندوں کو حسب ذیل بیان دیا ہے:

”سرکش کرد، ترک صدود پراخت و تاراج کرتے ہیں۔ ترکی حکومت خیال کرتی ہے کہ یہ مجرم، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں۔ میں نے بھی یہی سنا ہے کہ یہ لوگ بعض ترکی اضلاع کو بھی پکڑے گئے ہیں۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ یہ کرد، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں۔ اگر واقعہ یہی ہے تو ہم انھیں ہرگز پناہ نہیں دینے دینگے اور ان کی حکومت کو ہر طرح مطمئن کر دیں گے“

تازہ خرد سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ترکی افسر یہ مجرم پکڑے گئے تھے، اب رہا ہو گئے ہیں اور اپنی سرحدیں واپس آ گئے ہیں۔

شمالی نقیہ

مراکش، ٹیونس، اور الجزائر فرانسسی استعمار کے بعد

(السلام کے مقالہ نگار مصر کے قلم سے)

مراکش کی آبادی

۱۹۳۰ء کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے کہ فرانس کے زیر حمایت مراکش کا رقبہ ۱،۱۵۰،۰۰۰ مربع کلومیٹر ہے اور آبادی ۳،۰۰۰،۰۰۰ ہے۔ ۱۹۲۲ء میں ۲،۰۰۰،۰۰۰ مسلمان ہیں۔ ۱،۸۰۰،۰۰۰ ایگیا سیودی ہیں۔ ۶۶ ہزار فرانسسی ہیں۔ ۴۰ ہزار دوسرے یورپ ہیں۔ اس سے پہلے مسلمان میں مردم شماری ہوئی تھی۔ اس کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرن ۵ برس کے قلیل عرصہ میں فرانسسیوں کی تعدادیں ۱۹ ہزار کا اضافہ ہو گیا ہے۔

مراکش کی دولت

مراکش کے باشندے زراعت پیشہ ہیں۔ زیادہ تر غلہ کی کاشت ہوتی ہے۔ اب تک کوئی قیمتی کان دریافت نہیں ہوئی۔ مرن فاسفٹ

اس ظلم و جور کے مقابلے میں آستانہ کے ترکوں نے کیا کیا؟ انھوں نے کوئی بغاوت کی؟ نہیں۔ کوئی مظاہر کیا؟ نہیں۔ وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ اتحادی قوتیں سمجھیں ہم نے مرعوب کر لیا۔ دنیائی یہ سب سے زیادہ جبار قوم ہماری غلامی پر قائم ہو گئی۔ مگر یہ ان کی غلطی تھی۔ ترکی قوم کی طبیعت سے جہالت تھی۔ ترکی قوم کا خاصہ ہے کہ جب وہ جلال میں آتی ہے تو خاموش ہو جاتی ہے۔ جب ترک کوچپ ستائے میں دیکھو تو اس سے بھاگو۔ کیونکہ وہ عرصہ ہو گیا ہے۔ قرد جلال کی قوتیں اس کے دل و دماغ میں جمع ہو رہی ہیں۔ آستانہ کے ترک بھی اتحادیوں کے مظالم کے مقابلے میں خاموش ہو گئے۔ مگر ان کی روح بول رہی تھی۔ اتحادیوں کے لئے وہ اندر ہی اندر اناطولیہ میں بارڈر بھاڑ رہے تھے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اناطولیہ میں قومی تحریک کا قیام، زیادہ تر آستانہ کے باشندوں ہی کی سعی و محنت سے ہوا۔ اتحادیوں کا پہرہ جو کہ بہت ہی سخت تھا، مگر آستانہ سے برابر سامان جنگ، توپیں، آدمی اور روپیہ اناطولیہ پہنچ رہا تھا۔ کس راہ سے جاتا تھا؟ کون لے جاتا تھا؟ کس وقت جاتا تھا؟ ان سوالوں کا جواب اب تک تاریخ کے پاس چوڑ نہیں ہے۔ مگر جاتا تھا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے۔

آستانہ کے ترکوں کی خاموشی نے آخر ہر سال بعد رنگ دکھایا۔ اتحادیوں کے پروردہ یونان کو اناطولیہ میں ایسی شکست ہوئی کہ مرن سے بدتر تھی۔ دیکھتے دیکھتے نئے مند ترکی فوجیں باسفورس کے سائنے پہن گئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب انگلستان، فرانس اور اٹلی کی تقریباً تمام بحری قوتیں، باسفورس اور مرمرہ میں جمع تھیں۔ اتحادی خیال کرتے تھے یہ قوت دیکھ کر اناطولیہ کے ترک ڈر کر اپنے پاؤں بھاگ جائیں گے۔ مگر وہ دوسے نہیں۔ خود اتحادیوں ہی کو ڈرنا پڑا۔ مائیکل کاڈش آئسرم معاہدہ قبل کرنا پڑا۔

اس کے بعد ہم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ ہم نے وہ دیکھا جسے دیکھ کر ہم اپنی آنکھوں کی صحت پر شبہ کرنے لگے۔ مگر وہ واقعہ تھا۔ ہم نے یہ دیکھا کہ اتحادی بیڑے، جہاز تک سلطان کو قید کئے گئے تھے، اچانک ان کے جھنڈے، سر بلند ترکی جھنڈے کے سامنے جھک پڑے۔ جہود ترکی جھنڈا، وزارت جنگ کے بلند منار پر اڑا دیا گیا، تمام اتحادی قوتوں نے اسے ذلت کے ساتھ جنگی سلام کیا۔

پھر ہم نے کیا دیکھا؟ یہ دیکھا کہ وہی اتحادی فوجیں، جو آستانہ کی طرف ترکوں پر فاقانہ مظاہرے کرتی پھرتی تھیں اور ترکوں کو شریفانہ برتاؤ کی تسخیر نہیں سمجھتی تھیں، خود دہشت سے اپنا اسباب ہاتھ

بید شرق

مکتوب آستانہ

(السلام کے مقالہ نگار قیسم مستطینہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا خطبہ۔ عید آستانہ۔ ترکی طبعی کافر نس۔ ترکی اور ایران

غازی مصطفیٰ کمال کا خطبہ

اس ہفتہ سب سے اہم واقعہ، انگورہ میں خلقِ قدسی یا جمہوری عتبات کی موثر ہو۔ موثر میں سب سے زیادہ اہم کارروائی، غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا وہ تاریخی خطبہ ہے جو کابل ایک ہفتہ تک جاری رہے گا موصوف نے یہ خطبہ، کئی اہ کی محنت سے تیار کیا ہے۔ اس میں وہ تمام تاریخی اور سیاسی حقائق جمع کرے ہیں جو معاہدہ التوائے جنگ کے بعد سے اب تک ترکی میں واقع ہوئے ہیں۔

غازی نے اپنا خطبہ ”انجن طیارات“ کو دے دیا تھا۔ اسی نے چھاپا ہے اور وہی ترکی کے طول و عرض میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ تقسیم کرے گی۔ ہر روز جتنا خطبہ غازی سنائیں گے، انجن، اناحصہ اخبارات کو حقیقت کرے گی۔ ایک جہتی کہنی لے دینا کے اخباروں میں اس کا خلاصہ بھیجے اور مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع کرنے کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ اب تک متعدد زبانوں میں ترجمہ تیار ہو چکا ہے۔ منقرضہ باغیوں میں آجائے گا۔

”عید آستانہ“

آپ کے قارئین نے یہ لفظ شاید پہلے نہیں سنا ہو گا۔ حالانکہ لفظ ترکوں میں ایک عجیب جوش پیدا کر دیا کرتا ہے۔ عید آستانہ، یا آستانہ کی عید ہر سال ۱ اکتوبر کو بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ پچھلے ہفتے ہم نے چوتھی مرتبہ یہ عید دیکھی تھی۔ تمام پچھلے عیدوں سے زیادہ شاندار تھی۔

یہ عید اتحادی فوجوں سے آستانے کی آزادی کی یادگار ہے۔ جنگ عومی کے خاتمہ پر وہی اتحاد نے ترکی سے التواء جنگ کا سہارا لیا۔ اس معاہدہ کی دوسری طرف سے ترکوں نے ہتیار رکھ دیے۔ ہتیار رکھتے ہی اتحادی فوجیں پانچ تھمت میں گھس پڑیں۔ انگریزوں نے ”پیرا“ پر قبضہ کر لیا۔ فرانسیسیوں نے استنبول پر، اٹلی نے باسفورس کے ایضائی ساحلوں پر۔ ان مسلمانوں کے جنگی بیڑے بحر مرمرہ اور باسنو میں داخل ہو کر لنگر اٹا دیا ہو گئے اور اپنی توپیں شہر کی طرف سیدھی کر دیں۔ پھر ان کی بری فوجیں آئیں اور شہر کی وہ حالت کر دی جو خونخوار فاسح، مفتوحوں کی کیا کرتے ہیں۔ ایسا ظلم و ستم شروع کیا جس کا تصور بھی کبھی ترکوں نے نہیں کیا تھا۔ مسلح سپاہی اور مسلح جاسوس ہر طرف پھرتے تھے اور جہے چاہتے تھے، بدبختی میں مبتلا کر دیتے تھے۔ بہت سے لائے گئے۔ بہت سے قید کئے گئے۔ بہت سے جلاوطن کئے گئے۔ کوئی غلط ترک بھی اتحادیوں کے اہتمام سے بچ نہ سکا۔

کی ایک کان بی ہو۔ البتہ خیال کیا جاتا ہو کہ ملک میں سیسے، زنگ، تانبے کی بھی کاٹیں موجود ہیں، مگر زیادہ بڑی نہیں سمجھی جاتیں۔

مراکش کی تجارت

سلاطین سے اب تک کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہو کہ مراکش میں برآمد پر درآمد کا سلسل اضافہ ہو رہا ہو۔ ذیل کے نقشے سے اس کا اندازہ ہوگا:

سنہ	ملین فرنک کے حساب سے زیادتی
۱۹۱۳ء	۱۳۲
۱۹۲۳ء	۵۱۴
۱۹۲۳ء	۵۰۸
۱۹۲۳ء	۳۰۳
۱۹۲۳ء	۶۲۶
۱۹۲۳ء	۹۸۰

مراکش کی تجارت میں فرائض کا حصہ بہت بڑا ہو۔ ذیل کے نقشے سے اس کا اندازہ ہوگا۔

سنہ	مجموعی تجارت	فرائض کا حصہ
۱۹۱۳ء	۲۲۲	۱۵۲
۱۹۲۱ء	۱۲۱۶	۷۵۳
۱۹۲۳ء	۱۷۵۳	۹۵۳
۱۹۲۳ء	۲۳۰۳	۱۳۲۷

برآمد میں بھی اضافہ ہوا ہو۔ سلاطین میں مراکش کی کل برآمد ۱۲ ملین فرنک تھی۔ ۱۹۲۳ء میں ۱۲ ملین تک پہنچ گئی۔ لیکن درآمد کے مقابلے میں یہ ترقی بہت معمولی ہو۔ کیونکہ برآمد میں سافوٹ بھی اعلیٰ ہو جو سراسر فرانسیسی کمپنی کی ملکیت ہو۔ اس کی قیمت سلاطین میں ۱۰،۱۲۵،۰۰۰ فرنک تھی۔ اسی طرح دوسری کادون کی آمدنی جو فرانسیسی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہیں، ۶ ملین فرنک تھی۔ اس وقت تک مراکش کی ۶ لاکھ کھار قابل کاشت زمین، ۶۶ ہزار فرانسیسیوں کی ملکیت میں جا چکی ہو۔ یہ لوگ اپنی پیداوار، زرعی پھینچتے ہیں اور بے شمار نفع حاصل کر رہے ہیں۔

مراکش کا قرضہ

فرانسیسی حمایت سے پہلے مراکش پر ۱۶ ملین قرضہ تھا۔ لیکن ۱۹۲۳ء میں ایک نیا قرضہ اس کے سر منٹھ دیا۔ اب اس کی تعداد ۴۷ ملین فرنک ہو گئی ہو۔ حکومت مراکش کے سالانہ میزانیہ میں قرض اور سود کی ادائی کے لئے بھی ایک مذہبوتی ہو۔ سلاطین میں حکومت کی آمدنی ۳۶،۶۹،۳۴۰ فرنک تھی اور قرض کی قسط ۳۰،۶۹،۰۰۰ فرنک تھی۔ ۳۶،۶۹،۳۴۰ فرنک میں آمدنی ۱۵،۷۷،۷۷۷ فرنک تھی اور قرض کی قسط ۷،۷۷،۷۷۷۔

ریلوے

اس وقت مراکش میں ۱،۲۵۵ کیلومیٹر ریلوے لائن بھی ہوئی ہو لائن دو قسم کی ہو: چھوٹی اور بڑی۔ چھوٹی لائن، فوجی نقل و حرکت کے لئے ہو اور جب ذیل مقامات کو متصل کرتی ہو:

خط	درازی
دار بعبا سے مراکش تک	۲۸۴ کیلومیٹر
جدہ سے فاس تک	۴۰۱
قطرہ سے وزان تک	۱۵۸

آخر الذکر دونوں خطوں سے جنگ ریل کے زمانے میں اس نے بہت فوائد حاصل کئے۔ ان پر مسافر بھی سفر کرتے ہیں، مگر کم بڑی لائن کی دو شاخیں ہیں:

قطرہ - فاس لائن - یہ ایک فرانسیسی کمپنی کی ملکیت ہو؟

مذکرہ علمیہ

نظریہ نشو و ارتقا کی موجودہ منزل

(۲)

مشکلات

نظریہ ارتقاء کے تحقق کی راہ میں اب تک متعدد مشکلات مائل ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہو کہ طبقات الارضی تاثیرات کے تحت ارتقائی سلسلے کی بعض کڑیاں گم ہیں۔ ان کڑیوں کا پتہ لگانا ضروری ہو۔

حقیقت کی مدد سے ہم نے عہد میوسینی (یعنی وہ عہد جس میں زمین کی سطح کا دوسرا طبقہ طیار ہونا شروع ہوا) کے اواخر تک کی حقیقت کر لی ہو۔ مگر خود اس عہد کی حقیقت پوری طرح مکمل اور یقینی نہیں ہو۔ بلاشبہ ہیں میوسینی طبقات میں پتھر لے ہوئے دانت لے ہیں لیکن ہو یہ بندرنا انسان، یا انسان نابند کے دانت ہوں۔ لیکن ان مخلوق کی تسمین کے لئے زیادہ تحقیقات کی ضرورت ہو۔

عہد میوسینی کم سے کم ڈیڑ لاکھ برس دراز تھا۔ اس سو پہلے کا زمانہ، عہد میوسینی کہلاتا ہو اور کم سے کم کچھ سات لاکھ سال دراز تھا۔ اسی عہد میں بندرنا انسان ظاہر ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلگرم کو جو ہندوستان کے شعبہ طبقات الارض میں کام کرتے ہیں) ایسے پتھر لے ہوئے آثار دستیاب ہوئے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ بندرنا انسانوں کی بارہ تیس موجود تھیں اور عہد میوسینی کے واسطہ دادا و خرمیں ہالیس کے جنگلوں کے اندر زندگی بسر کرتی تھیں۔ پھر آج ہم بندرنا انسان کی کم از کم تین ایسی تسمیں سے بھی واقف ہیں جو اسی عہد میں یورپ کے جنگلوں کے اندر موجود تھیں لیکن انہوں میں ان کے جسم کے صرف وہی اجزاء مل سکے ہیں جو زیادہ

پائدار تھے۔ یعنی دانت اور جڑے۔ ان دانتوں کو اگر قلم انسان کے دانتوں کے سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو کوئی شخص اس امر کو انکار نہ کر سکے گا کہ عہد میوسینی کے بندرنا انسان کے دانت موجودہ انسانی دانتوں کی اصل ہیں۔

انسان کب ظاہر ہوا؟

یہ غیر ضروری ہو کہ عہد میوسینی سے پہلے انسان کے ظہور کی حقیقت کی جائے۔ کیونکہ اس عہد سے پہلے کے ارضی طبقات میں صرف بندرنا انسان ہی کے آثار ملتے ہیں۔ اس وقت جتنے بھی دلائل ہالیس پاس موجود ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہو کہ موجودہ انسان نے ایک ایسے بندر سے ظہور کیا ہو جو بندرنا انسان قسم کا تھا۔ یہ قسم شپاری قسم کے بندر سے زیادہ ترقی یافتہ تھی۔ اور یہ کہ انسان کی سطح انقدر اونچے سے عہد میوسینی میں جدا ہوئی ہو۔ بنا بریں انسان کی عمر دس لاکھ برس کی ہو۔

انسان کے تسلسل فرائل

طبقات الارضی سباحث سے اب تک قطعی طور پر ثابت نہیں ہوا کہ انسان کی اصل، بندرنا انسان ہو۔ پھر کیا وجہ ہو کہ ہم اس پر زور دیتے ہیں کہ انسان اپنے ظہور کے کسی عہد میں بندرنا انسان قسم کی ایک مخلوق تھا؟ حالانکہ یہ معلوم ہو کہ انسان اہد بند میں مختلف حیثیتوں سے بہت فرق ہو۔

میں مختصر جواب دیتا ہوں۔ موجودہ صدی کے اوائل میں یورپیوں نے ہر جنس حیوانی کا تعلق اس کے افراد سے معلوم کرنے کے

سنہ	ملین فرنک
۱۹۱۳ء	۳۹۳۵
۱۹۲۳ء	۲۳۳۸
۱۹۲۳ء	۹۰۲۲
۱۹۲۳ء	۱۲۰۵۶

صحراء میں ریل

شمالی افریقہ کے فرانسیسی نظم و نسق کی سرکاری کافرٹس ہر سال متعدد ہوا کرتی ہو۔ حال میں اس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس میں نے متعدد عجیب و غریب منظموں کی ہیں۔ ان میں سے زیادہ اہم تجویز یہ ہو کہ صحراء میں ریلوے لائن تعمیر کر کے شمالی افریقہ و وسطی افریقہ سے ملا دی جائے۔ اگر یہ ریلوے خط تعمیر ہو گیا تو افریقہ کی عربی اور تجارتی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ صحراء کا تمام غیر آباد حصہ آباد حقہ ہو جائے گا، اور مقررے مراکش تک ایک نیا اندرونی خط چلا

۴۔ اس کی درازی ۴۰۶ کیلومیٹر ہو۔
قنطرہ - رابطہ لائن - یہ دار بعبا اور مراکش ہوتی ہوئی
قطرہ - فاس ریلوے سے مل جاتی ہو۔ یہ سراسر فرانسیسی کمپنی کی ملکیت ہو۔
مراکش میں فرائض کے جنگی مصارف
ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا کہ فرائض کو اب تک مراکش کے محکم کرنے کے لئے کتنے مصارف برداشت کرنا پڑے:

سنہ	ملین فرنک
۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۴ء	۱۲۶
۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۵ء	۵۹۸
۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۶ء	۱۳۱۰
۱۹۱۶ء سے ۱۹۱۷ء	۴۹۰۸
۱۹۱۷ء سے ۱۹۱۸ء	۴۷۸۲
۱۹۱۸ء سے ۱۹۱۹ء	۴۳۶۱

افسانہ

فرانس کا آخری مقبول ڈراما

مضحک اور غمناک عناصر کا مجموعہ

ایلن کاشوہرا

لئے ایک طریقہ دریافت کیا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ کیمیائی افعال کے لحاظ سے خون کی جانچ کی جاتی ہے خون کی جانچ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کیمیائی تعامل کے لحاظ سے انسان اور بندرنا انسان کا خون بالکل ایک ہی طرح کا ہے۔ دونوں کا خون یکساں طور پر یکساں امر اہل قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور دونوں خون اپنی کیمیائی ترکیب میں بھی ایک ہی ہیں۔ پھر اسی ترکیب میں دونوں کے دماغ بھی یکساں ہیں۔ رحم مادر میں جس طرح انسان کا بچہ نشوونما پاتا ہے، ٹھیک اسی طرح اس بندر کا بچہ بھی نشوونما حاصل کرتا ہے۔ رحم میں دونوں بالکل یکساں حالات سے گزرتے ہیں۔ دونوں کے جسم میں ایک ہی قسم کے اثری اعضاء بھی موجود ہیں اور نظریہ نشوونما ارتقاء کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ پھر جس طرح عورت اپنے بچے سے محبت کرتی اور پالتی ہوتی ہے، بالکل اسی طرح اور ویسے ہی جذبات کے ساتھ ہی قسم کا بندر بھی اپنے بچے کو پالتا ہے۔

یہ تمام حقائق، ان کثیر دلائل میں سے صرف چند ہیں جن سے انسان اور اس بندرنا انسان میں کامل مشابہت ثابت ہوتی ہے۔ اگر یہ دونوں مخلوق ایک ہی اصل سے پیدا نہیں ہوئے، تو اس مشابہت کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے؟

دماغ انسانی کا نشوونما

بندر کے دماغ میں کوئی جزو ایسا موجود نہیں جس سے مشابہت جزو انسان کے دماغ میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح انسان کے دماغ میں جو اجزاء اور اہل کی ترکیب موجود ہے، بعینہ وہی گوریل کے دماغ میں بھی موجود ہے۔ انسان کا دماغ بندرنا انسان کے دماغ سے ذرا بھی مختلف نہیں۔ فرق صرف کثرت کا ہے۔ انسان کا دماغ کثرت میں زیادہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ فرق، معمولی فرق نہیں ہے۔ انسان کے دماغ کے کثرت اور معین اجزاء میں اس کی تقسیم ہی ہے انسان کو نشوونما اور اک، عمل و کلام، اور تعلیم و تربیت کی قوت بخشی ہو۔

ڈاؤن نے انسان اور بندرنا انسان کے دماغوں کی تحقیق کی۔ ثابت ہوا کہ فرق صرف کثرت میں ہے نہ ذریت میں۔ ڈاؤن کے بعد دوسرے بہت سے علماء نے بھی تحقیق کی اور اس لئے کی تائید کی۔ علم وظائف الاعضاء، علم النفس، علم التشریح، اور علم الجینز وغیرہ علم کے مباحث سے ثابت ہو گیا ہے کہ انسان کے دماغ نے بندرنا انسان کے دماغ سے ترقی کی ہے، اور اس ترقی کے دوران میں کسی نئی ترکیب کا اس میں اضافہ نہیں ہوا ہے۔

پچیدہ مشکلات

ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہماری تحقیقات بالکل مکمل ہو چکی ہیں درحقیقت ہم ابھی پہلی ہی منزل میں ہیں۔ ہمارے سامنے بہت سی ایسی پچیدہ مشکلات ہیں جن میں ہم حل نہیں کر سکے ہیں۔ ہم اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب ہم یقین کے ساتھ انسانی دماغ کی ترقی اور گوریل کے دماغ کی پستی کا سبب بیان کر سکیں گے ہم ناموس وراثت کی معقول تفسیل کر سکیں گے اور بتا سکیں گے کہ ایک خاندان زیادہ طاقتور ہوتا ہے اور دوسرا کمزور؟

پھر یہ عجیب بات ہے کہ عید مسیحی میں صرف انسان کے مورث اعلیٰ کے دماغ ہی نے ترقی نہیں کی، بلکہ دوسرے بہت سے حیوانات کے دماغوں نے بھی ترقی کی ہے۔ شرع میں تمام بندروں کا دماغ بہت ہی چھٹا تھا۔ پھر اس میں زیادتی ہوتی رہی یہاں تک کہ انسانی دماغ کا طرز پیدا ہوا۔ یہ کیسی مہیا؟ وہ کیا موثرات تھے جنہوں نے اس دماغ کے لئے ترقی کی راہ پائی؟ سرسب ان سوالوں کا ہمارے پاس کافی جواب موجود نہیں۔

ذیل میں اس ڈرامے کا خلاصہ ایک نقاد متاشائی کی نظر سے قلمبند کیا گیا ہے، جو گذشتہ موسم بہار میں پیرس کا سب سے زیادہ مقبول اور دلچسپ ڈراما تسلیم کیا گیا تھا۔ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے چند امور پیش نظر رکھنے چاہئیں:

- (۱) "کامیڈی" اور "ٹریجڈی" کی دو قسمیں معلوم ہیں، لیکن ایک تیسری قسم وہ ہے جس میں دونوں طرح کے جذبات جمع کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یعنی وہ واقعات و احساسات کا ایک ایسا ماحولہ مجموعہ ہوتا ہے کہ اسے ایک اعتبار سے مضحک کہہ سکتے ہیں، ایک اعتبار سے غم انگیز۔ اس اشتراک سے قطعاً یہ نہیں ہو کہ مسلسل واقعات میں بعض حصے غم انگیز آجائیں اور بعض مضحک، جیسا کہ شکسپیر نے ہلٹ جی مٹا کی میں ایک منظر ہلٹ اور قبر کھودنے والوں کے مضحک مکالمہ کا دکھا دیا ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ نفس افندہ اور اس کے واردات و احساسات کی نوعیت ہی ایسی ہو کہ اسے ایک پہلو سے مضحک اور ایک پہلو سے غم انگیز قرار دیں سکیں۔ یہ قسم آجکل فرانس میں سب سے زیادہ مقبول ہے، اور مندرجہ ذیل ڈراما اسی قسم کا ایک آخرین نمونہ ہے۔
- (۲) سب سے زیادہ قابل غور یورپ کی موجودہ اخلاقی ذہنیت کی نمائش ہے جو اس ڈرامے میں پہلے سامنے آ جاتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ آئین اور اس کے شہر کی قصصی سیرت یورپ کے اعلیٰ اور متوسط طبقات کے نوے فی صدی مرد و عورت کی حقیقی سیرت ہے۔ حیات و ذہنیت کی اخلاقی اور معاشرتی وضع غائب ہو چکی ہے بعض ایک طرح کا قانونی معاہدہ رہ گیا ہے جس کی پابندی معاشرتی ضروریات کی بنا پر کی جا رہی ہے، بہت کم ممکن ہو کہ کچھ عرصہ بعد پابندی بھی ضروری نہ رہے۔ موجودہ تمدن کا ہتھکڑے غنچ، اخلاق اور اخلاقی حد کا خاتمہ ہے!

سے بھی زیادہ بڑی معلوم ہوتی ہے۔ اس کا لباس اس کے برتن سالن اُترتے کے مناسب ہے۔ اسکی گفتگو سننے ہی تم جان جاتے ہو کہ وہ پیرس کی مخلوق نہیں، اطراف ملک سے آئی ہے۔ اور یہ کہ اس سہم طبقہ سے تعلق رکھتی ہے جو متوسط طبقہ کو نہیں ہو مگر اس سے اتر کر رہتا ہے بھی گوارا نہیں کرتا۔

عورت، بیوہ ہے۔ شوہر کی یادگار ایک لڑکی آئین موجود ہے۔ یہ نہایت حسین اور خوش اندام ہے۔ ماں مٹی زانہ کے جوڑے تنگ اگر پیرس میں بچا ڈھونڈتی ہیں۔ فن موسیقی کے ایک ماہر سے ملاقات ہوتی ہے۔ وہ خود بھی اپنے بہترین بدست جو مگر قبضاتی دد شہرہ پر مقرر ہو جاتا ہے۔ دونوں کو اپنے شکستہ گھر میں بگڑ دیتا ہے۔ پھر ایک دست اس رشک ماہ کا استاد، مرنے، اور عاشق بن جاتا ہے۔

لڑکی، رقص و سرور میں کابل ہو جاتی ہے۔ پیرس کی ایک تھیلر کی کینی اس کی خدات قبل کر لیتی ہے۔ آج کی رات وہ پہلی مرتبہ اس پر آنے والی ہے۔ ماں اسے بڑے ہی تاثر، اضطراب، مسرت، اور کسی قدر خوف کی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ لیکن کامیابی کی اہمیت بھی سمجھتی ہے اس لئے خوشی بھی منانا چاہتی ہے۔ چنانچہ اسے دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ میز پر قسم قسم کے کھانے چنے ہیں جو دہشتزد کے لئے معمولی مگر فریوڈ کے لئے بہت قیمتی ہیں۔ وہ اپنے دل کی تمام باتیں اپنی کم کم بھرتی خادمہ کو سناتی ہے۔ اس کا لہجہ بالکل ویسا ہی

(۱) میں ہنسنا چاہتا تھا جب یہ ڈراما دیکھنے کے لئے جانے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ ہنسوں گا، کیونکہ قصہ کا نام ہی مضحک تھا۔ پھر پہلی مرتبہ اسٹیج پر آیا تھا اور کتنے جینوں کی نظریں اتک اس پر نہیں پڑی تھیں جو اسٹیج پر اس میں حصہ لینے والے تھے، سب فن ظرافت میں مشغول تھے پیرس کے خلق کی عادت ہے کہ پہلے ہی سے لٹک اٹھانے لگتی ہے میں نے بھی پیشگی ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

سننے ہوئے تھیلر تھے۔ پردہ اٹھنا تھا کہ ماہر ہنسی کے پٹیل میں کل پڑ گئے لیکن چند ہی لمحے بعد ہنسی غائب ہو گئی۔ اپنے اندر ہنسنے ایک عجیب طرح کا احساس پایا۔ الفاظ شاید اسے بیان نہیں کر سکتے کیونکہ وہ احساس نہ تو خالص مسرت تھی نہ خالص رنج۔ یوں کہہ کر وہ چیز خالص رنج سے بھی زیادہ تلب کو سنا کر رہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی جسم پر بھی جو کرک تھی، بلکہ شاید ہنسی پر۔ شاید مقصود پر انشنگ میں سکونا اس رنج میں کھلکھلا کر ہنسنا!

کیوں؟ اس لئے کہ تھیلر تھا جسے ملنے انسان کی اچھی چیز پیش کر رہا ہے جو اس کا ظاہر ہنسنا ہے والا ہے، ہنسنا چاہو یا نہ چاہو، اپنا دولانے والا ہے، رونا چاہو یا نہ چاہو۔

(۲)

پردہ اٹھنے ہی ایک ادھر عورت اٹھائے سامنے موجود ہے۔ ادھر

جو جیسا دادی کا اپنی پوتی کے مقابل میں ہوتا ہو گفتگو کچھ اس طرح کی ہو کہ وہ دونوں اس میں سنجیدگی سے مصروف ہیں مگر ہم سننے والے ہنسی سے لٹے جاتے ہیں!

اچانک موسیقی کا اُستاد آتا ہے۔ بہت خوش ہے۔ مگر خوشی نے کچھ اضطراب بھی پیدا کر رکھا ہے۔ وہ تاثر سے بے اختیار رونے لگتا ہے۔ ایسا رونا جو متاثرانہ نہیں کو ہنسائے والا ہے۔ ماں کو اس کی بیٹی کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہے۔ پھر اس کامیابی کی نقل کو آکر دکھاتا ہے اور وہ نغمے سناتا ہے جس سے لڑکی نے سامعین کا خراج تحسین وصول کیا تھا۔

ماں خوش ہے۔ لیکن ساتھ ہی غیر مطمئن بھی ہے۔ کیونکہ بیٹیوں کی آپ بھوانا پسند کرتی ہے اور دل سے چاہتی ہے کہ لڑکی کسی اور کام میں لگے۔ اُستاد موسیقی بھی خوش ہے۔ لیکن ساتھ ہی خوفزدہ بھی ہے۔ کیونکہ ڈرتا ہے، مبادا المین وہ نغمہ مذاہنوں کے دامن میں پھنس کر اُن کی ہود ہو۔

(۳)

ماں اپنی لڑکی کے عاشق کا خون محسوس کرتی ہے۔ ساتھ ہی اُس کی اخفا راز کی کوشش کو بھی محسوس کرتی ہے۔ دونوں گونگو حالت میں ہوتے ہیں کہ لڑکی اٹھ کھیلنا لگتی ہے، ہنسی جھپٹتی، جوش میں بھر پور ہوتی آتی ہے۔ ماں کو پیار کرتی ہے۔ عاشق کے سامنے آتی ہے اور شکریہ ادا کرتی ہے۔

لیکن اُن کی قسمت میں موت کا لطف تنہا اٹھانا تھا۔ بھٹکر کا میجر ایک دوست نہیں کے ساتھ آجود ہوتا ہے۔ دونوں لڑکی کو اُس کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں اور کھیل کود کے ایک ٹیپے جاتے خانہ میں گھڑی بھر ساتھ بیٹھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اُن کی گفتگو کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ لڑکی پہلے ہی دعوت قبول کر چکی تھی۔ مگر اب پس پیش کرتی ہے اور عاشق کو ساتھ نہ لے جانا خلافتِ موت خیال کرتی ہے۔ آنے والے اسے محسوس کرتے ہیں اور فوراً عاشق کو بھی مدعو کرتے ہیں وہ اہنگنا کرنا ہے۔ یہ اصرار کرتے ہیں۔ لڑکی بھی صبر کرتی ہے۔ مجبوراً اقرار کر لیتا ہے۔ آنے والے جلد موٹر بیچنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو جاتا ہے۔

عاشق سڑکوں کے مرنے میں تنہا ہے۔ اب وہ منظر سامنے آتا ہے جو ہنسنا بھی ہے اور رنج بھی دیتا ہے۔ عاشق، دعوت کا لباس پہنتا ہے مگر کوئی کپڑا بھی درست نہیں۔ سب اتنے چھٹے پڑائے ہیں کہ شرم سے عرق عرق ہو جاتا اور دلی رنج محسوس کرتا ہے۔ لیکن بناوٹی خوشی کا اظہار بھی کرتا ہے۔ تمام جابجا سے لٹے ہوئے ہیں۔ ایک تمام ملتا ہوا تو دوسرے کا چہرہ نہیں۔ المین بھی اپنی آرائش میں مصروف ہے۔ غصے کے بغیر نہ دھن کا لباس عاریتہ دیدیا ہے۔ اسی کو پسینہ ہوا اور اُس کی دونوں معلوم ہوتی ہے۔ مگر اُس کی بھی زینت کا تمام سامان موجود ہے۔ وہ ہنستا ہے لیکن اپنے عاشق کی اندرونی تکلیف محسوس کرتا ہے۔ ہنسی بستم دکھاتی ہے اور تسلی دیتی ہے۔ عاشق دودھ کرتا ہے کہ آئینہ دینی تخت کوئے گا اور اُس کی ضرورت کی تمام چیزیں جلد بیا کرے گا۔

موٹر آگئی۔ ماں کو دیکھو کسی خوش ہے؟ بیٹی کے منہ پر قربان ہوئی جاتی ہے۔ لو، اُس کے پیچھے چلی جاتی ہے۔ لٹکے ہوئے دامن اٹھائے ہو کہ لڑکی کا لباس سیرسری کے عیار سے میلانا ہو جائے مگر منہ غلامہ شوقِ خدمت میں موم بتی لے آگے آگے چل رہی ہے۔ عاشق کو کچھ چہرہ ہے۔ اسے بھی مگر خوشی کا افسوسا کر رہا ہے۔ دل درد رہا ہے مگر لبوں پر مصنویٰ ہم نمایاں ہے!

(۴)

دوسرے دفعہ کے بعد انقلابِ حال شروع ہو جاتا ہے۔ بھٹکر

آنکھوں کے سامنے اب ایسے لوگ ہیں جن میں ہر مشکل پہچان سکتے ہیں۔ دھڑلے اُنکے اطوار اور انداز بدل گئے ہیں۔ اب غربت کی سبکی کیس نظر نہیں آتی۔ المین کے کمال نے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔ ہر جگہ مقبول ہے۔ دنیا مسکرا کے قدموں سے لپٹ گئی ہے۔ شب و روز جن برس رہا ہے، کسی کو بھی افلاس کی شکایت باقی نہ رہی۔ اب نازنین کی ماں وہ بڑھاپا دھیر عورت نہیں ہے جسے ہم نے پہلی فصل میں دیکھا تھا۔ اب اُس کے چہرہ پر شباب کی رونق ٹوٹ آئی ہے۔ نئے فیض میں لمبوس ہے۔ گفتگو کی طرز بھی بدل گئی۔ اب وہ پیرس کی خاتون ہے آدائیں بھی بڑا تیر ہو گیا۔ اب وہ خوش گلو ہے۔ حرکات و سکنات بھی پہلے سے نہیں ہے۔ اب بھر تلی اور جُت دچالاک ہے۔ اُستاد بھی اب وہ پہلے کا خستہ حال، زمرہ، گویا نہیں رہا۔ اب وہ ایک خوش حال رئیس ہے، بھاری بھر کم، سنجیدہ، باوقار سب بڑھ کر اب اپنی محبوبہ المین کا شہر ہے۔ صرف یہی لوگ نہیں، بلکہ ان کی غریب خادمہ بھی بالکل بدل گئی ہے۔ ایک نئے نوکر کا بھی اضافہ ہے۔ پیرس کا وہ حقیر گھر بھی نہیں رہا جو موم بتی سے روشن کیا جاتا تھا اور جس کی زمین دامن میلے کر ڈالتی تھی۔ اب وہ مندر کے خوش منظر ساحل پر ایک شاندار عمارت میں ہیں۔ ہر موسم گرامین المین کے دوستوں اور قدر دانوں کا یہاں ہجوم رہتا ہے۔ تمام چوٹی کے آدمی جمع ہوتے ہیں۔

ہم بھٹکر کے میجر اور اُس کے مالدار ساتھی کو چند اور دوستوں کے ہمراہ المین کے گھر بار بار آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ وہ بیٹھے ہیں کھیلے ہیں، مذاح کرتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں۔ المین کا شہر مطمئن اور خوش ہے۔ اپنے دوست سے شکر ادا کر کے لہجہ میں کہتا ہے "مذکورہ مستیت یہی تھی کہ میں مالدار ہو جاؤں۔ میں عنقریب ایک موسیقی آئیز قصہ لکھنے والا ہوں جو ضرور مقبول ہوگا۔ میرا تعلق ایک بڑے اخبار کو بھی ہو گیا ہے جس میں موسیقی پر نقد کیا کروں گا"

گفتگو جاری تھی کہ المین کے دوست آگئے۔ اُستاد موسیقی اپنی دوست کے ساتھ کسی کام سے باہر چلا گیا۔ المین اپنے دولت مند قدر دان کے ساتھ تنہا کر رہی ہے۔ باقی احباب ملاقات کے ایوان میں بیٹھے ہیں۔ گھر کے مالک کی داپسی کا انتظار کر رہی ہیں۔ المین اُد اُس کے دوسرے گفتگو کرتی ہے۔ عجیب صورت حال! دونوں عاشق ہیں! عورت اپنے شوہر سے خیانت کر رہی ہے۔ اب معلوم ہوا اس تمام دولت کا سرچشمہ ہی خیانت ہے!

اس وقت ہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ المین کا اُستاد اُس کے غبی شوہر سے تنگ آ گیا ہے۔ اس نے تنگ ہو کر اپنی اُستاد سے دل کھول کر منع ہونا چاہتا ہے۔ مگر غبی شوہر بیچ میں سدا رہا ہے! یہ شوہر واقعی غبی ہے، یا عبادت ظاہر کرتا ہے؟ یہ مصنویٰ غنا اس لئے تو نہیں کہ دولت سے فائدہ اٹھائے؟

مالدار فاسق کا یہی خیال ہے۔ مگر المین اسے ماننے سے اہنگنا کرتی ہے۔

(۵)

دونوں تخیل میں ہنسی تلخ کر رہے تھے کہ باہر دوستوں کی آواز بلند ہوئی "حضرت آگے! حضرت آگے!"

دونوں ہوشیار ہو گئے۔ شوہر گھر میں داخل ہوا۔ احباب خُصمت بچھے۔ اب میاں بیوی تنہا ہیں۔ دونوں میں باتیں ہوتی ہیں شوہر کی اُداسی نمایاں ہے۔ بیوی دھج پھرتی ہے وہ پس دیش کرنا ہے پھر بتاتا ہے کہ لوگ اسے "المین کی شوہر" کہتے ہیں۔ اُس کا نام نہیں لیتے یہی نہیں بلکہ اُسے دیکھ کر مسکراتے ہیں، آنکھیں لاتے ہیں۔ اُستاد کرتے ہیں۔ لہذا اُسے کچھ شک ہے۔ بیوی اپنے تمام پلٹر اور جُتن

کی دلفریبیاں کام میں لاتی ہے۔ شوہر کے شکوک دور کرنا چاہتی ہے۔ اب دیکھو، شوہر تنہا ہے۔ بیوی کا بڑا کھول رہا ہے۔ اُس میں ایک بڑی رقم موجود ہے۔ اُس کا شہ اور زیادہ ہو جاتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ کل المین جو نے میں بہت روپیہ مانگی لیکن اسے خبر تک دی نہ ہو اور بھی تو ہی ہو جاتا ہے۔ دیکھو اُسے میٹر کا خانہ کھولا جیسی جواہر کا کاشٹا ہاتھ میں لیا۔ یہ کہاں سے آیا؟ بیوی نے اس کا ذکر کم نہ کیا شک اب یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے!

لیکن المین چالاک ہے۔ شوہر ماقم ہے۔ آسانی سے دھوکا دے سکتی ہے۔ چند میٹھی میٹھی باتیں تمام شکوک دغ کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ شوہر اپنے نوکر اور خادمے بھی زیادہ غبی ہے۔ یہ دونوں کچھ جانتے ہیں۔

(۶)

تیسرے دفعہ کے بعد ہم المین کے شوہر کو اپنے دست پر گفتگو میں مصروف پاتے ہیں۔ اب اُسے کابل مقیم ہو گیا ہے۔ بیوی کی خیانت میں کوئی شہ باقی نہیں ہے۔

اُسے یہ یقین اس طرح حاصل ہوا کہ المین اور اُس کے احباب نے تفریح کے لئے جانا چاہا۔ شوہر نے مڈر کیا اور کسی بہانہ سے گھر ہی میں رہ گیا۔ اُن کی روانگی کے بعد خود بھی تقاب میں پوشیدہ چلا اُسے احباب کے ساتھ المین اور اُس کے مالدار آشنا کو نہیں پایا۔ دونوں دہن بھر کیں غائب ہو۔

بد نصیب شوہر سخت اُداس ہے۔ لیکن اپنے کو سنبھالے ہوئے ہے۔ دست سے کہتا ہے "موجودہ شرمناک صورت حال ناقابلِ برداشت ہے۔ میں اس زندگی سے بیزار ہوں۔ اپنی سابق غریبانہ مگر شریفانہ زندگی کی طرف لوٹ جانا چاہتا ہوں۔ لیکن داپسی سے پہلے ایک کھیل کھیلنا چاہتا ہوں۔ بہت ہی دردناک کھیل!"

احباب، سیر سے واپس آگئے۔ المین اور اُس کا اُستاد بھی ہمراہ ہے۔ سب اپنے اپنے مشا دے بیان کر رہے ہیں۔ شوہر دل میں کٹا جاتا ہے، مگر ظاہر میں دلچسپی کا اظہار کر رہا ہے۔ ہنسی خوشی بک کی سناتا ہے۔ سب اُسے بیوقوف بنا رہے ہیں اور سمجھتے ہیں وہ کچھ نہیں سمجھتا!

(۷)

رضعت کا وقت آگیا۔ سب اس قرار دہو کے ساتھ جانے لگے کہ ہول میں رات کے کھانے پر جمع ہونگے۔ لیکن المین کے شوہر نے اپنی بیوی کے آشنائے چند لمحہ ٹھہرنے کی درخواست کی۔ کمرہ میں صرف تین شخص رہ گئے: میاں، بیوی، اور اُس کا اُستاد۔ اُس وقت وہ مؤثر منظر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے جو شوہر سے گری ہوئی بیوی سے شدید نفرت، اور اُستاد پر سخت غصہ کے جذبات پیدا کر دیتا ہے۔

غضبناک مایوس شوہر کو دیکھو! وہ اُستاد اور اپنی شرافت کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ لیکن بالکل نئے قسم کا انتقام! وہ کسی طرح کا تشدد کرنا پسند نہیں کرتا۔ انتقام میں بھی نرم اور بڑبارہ رہنا چاہتا ہے۔

دیکھو، بیوی اٹھ کر دوسرے کمرہ میں چلی گئی۔ اب دونوں رقیب رُودِ دُشمنی میں ہیں۔ شوہر اپنی بیوی کے عاشق سے گفتگو کرتا ہے۔ بغیر کسی تہید کے ظاہر کرتا ہے کہ "میں سب کچھ جانتا ہوں، عاشق بہت ہو کر رہ جاتا ہے۔ حواس بجا کر کے ڈرتے ڈرتے پوچھتا ہے" تو کیا ارادہ ہے؟ اُسے یقین تھا، جواب میں "مبارک" سنے گا۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ شوہر کچھ نہیں چاہتا موجودہ صورت، حال پر رضامندی کا اظہار کرتا ہے جو حیرت فوراً

شدید حقارت میں تبدیل ہو جاتی ہو۔ عاشق اسٹریٹ پر گرفتار حصار کی نظر سے دیکھتا ہے جس کی رگوں میں گرم خون کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے اور جاس بات پر راضی ہو جاتا ہے کہ اس کی بیوی، اُس میں اور بیوی کے آشنا میں مشترک رہے!

عاشق خضت ہوتا ہے، المین سسکاتی ہوئی اپنے شوہر کے پاس آتی ہے گفتگو جاری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ شوہر بیوی سے بھی اچانک کھدیتا ہے کہ ”میں سب کچھ جانتا ہوں!“ وہ ششدر رہ جاتی ہے۔ خوف سے کانپنے لگتی ہے مگر وہ سنجیدگی سے کہتا ہے ”کوئی جرح نہیں۔ مجھے یہ صورت منظور ہے!“ بیوی بے حد حقارت سے بے عزت شوہر کو دیکھتی ہے، رفتی اس کا دل سخت مجروح ہوا ہے۔ وہ چاہتی تھی، شوہر اُس سے محبت کرتا، اور اس نے اُس کی خیانت پر غضب ناک ہوتا۔ مگر اب کھیتی ہے کہ شوہر کو اُس کی ذرا بھی تادیب نہیں۔ آہ، وہ اپنی حیثیت کو ٹوڑ کر کٹ سے زیادہ نہیں پاتی!

اس بے طرفی پر خود کو سخت شست کئے لگتی ہے۔ اس شوہر کا علم بھی لہر نہ ہو جاتا ہے۔ جذبات بہت دبا ئے، اب بے قابو ہوا جاتا ہے۔ دیکھو، آتش فشاں پھٹا، غیظ و غضب نے دیوانگی کی شکل اختیار کر لی محبت اپنی پوری قوت سے ظاہر ہوئی۔ غیت ہولناک درجہ تک پہنچ گئی۔ اب وہ رک نہیں سکتا۔ خائن بیوی کو اُس کے غضب سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اچانک چلاتا ہے ”میری دیو سی دیکھ گئی!“ عورت لرزہ برآمد ہے۔ بید کی طرح تھر تھرتھاتی ہے۔ مگر دل کی گہرائی میں مسرت و سعادت محسوس کر رہی ہے۔ اب اُس نے دیکھ لیا کہ شوہر محبت سے خالی نہیں۔ اب تک آتش عشق میں جل رہا ہے۔ غیرت سے انتقام پرتلا ہوا ہے۔ وہ اُس کے قدموں پر گرنا چاہتی ہے۔ معافی کا ارادہ کرتی ہے۔ توبہ کے لئے آمادہ ہو رہی ہے۔ شوہر غصہ کی دیوانگی میں اس پر ٹوٹ پڑنے کو ہے۔ لیکن افسوس، یہ کیا ہوا؟ شوہر اچانک سنبھل جاتا ہے، رنگ سحر کھوکھلی آواز میں کہتا ہے ”موٹر آئی ہوگی۔ اپنے آشنا کے ساتھ چلی جاؤ!“ پھر فوراً بھاگ کر گھر سے بھل جاتا ہے۔ عورت رونا دھونا دایلا کر اس شروع کر دیتی ہے!

(۸)

بے عزت شوہر نے کہا تھا ”موٹر آئی ہوگی۔“ اس پر چلی جانا، مگر اب موٹر کہاں؟ المین کے آشنا نے محسوس کیا تھا کہ اس کے دل میں شوہر کی دیو سی پر نفرت و حقارت پیدا ہو گئی ہے، حالانکہ اس نفرت حصار کی تین تین ایک دوسری نفرت بھی پوشیدہ تھی؟ کوئی نفرت؟ المین کو نفرت! اُس عورت سے نفرت جس کی اب کوئی قیمت عشق باقی نہیں رہی تھی، جواب کسی شوہر کی مجبور نہ تھی، بلکہ خود شوہر کی طرف سے فتن و ہوس کی پیش کش تھی!

المین اپنے شوہر اور اپنے آشنا کے فتن، دونوں سے مجرم ہو گئی ہے اُس کے شوہر کا انتقام تھا۔

المال کے ابتدائی نمبر

المال سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر یعنی نمبر ۱ سے ہیکہ بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دو گنی قیمت پر خریدنے کے لئے طیار ہیں۔ دفتر کو اطلاع دیجائے۔ میمن

تیاخ و عمر

آزادی کی راہیں

تیاخ قرطاجنہ کا ایک عبرت انگیز صفحہ

ہنیال نے دوم کو سخت شکستیں دیں۔ ترازین کا مرکز، جو ستر ق م میں واقع ہوا، بہت ہولناک تھا۔ اس کے ایک برس بعد ”کان“ میں دوم کو اور بھی زیادہ سخت شکست ہوئی۔ پوری فوج کٹ گئی۔ ہنیال، اٹلی میں ۱۱ برس تک جنگ کرتا رہا۔ دوم کے بالکل قریب تھا مگر سخت کوشش کے باوجود بھی اُسے کسی طرح فتح نہ کر سکا۔ مسلسل جنگوں نے خود ہنیال کو بھی بہت کمزور کر دیا تھا۔ اُس نے قرطاجنہ، ملک کے ٹکھ لکھا۔ فوراً اُس کا بھائی ہنرود بال پیک فوج کے کروانہ ہوا۔ مگر دریا کے متور دس پر رومانوں نے اُسے روک لیا۔ جنگ کی۔ اُسے قتل کر ڈالا، اور پوری فوج برباد ہو گئی۔ اس اشاہ میں رومانوں نے ہنیال کو چھوڑ کر خود قرطاجنہ پر چڑھائی کر دی۔ قرطاجنہ والوں نے ہنیال کو مدد کے لئے بلایا وہ فوراً چلا۔ مگر سلسلہ ق م میں قرطاجنہ کے قریب ہی اُسے دومی سپہ سالار شینون نے سخت شکست دیدی

اب قرطاجنہ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ صلح کی دست کرے۔ دوم نے صلح کی شرطیں پیش کیں کہ قرطاجنہ اپنا پورا جنگی طیارہ اور بحریہ اس لئے تمام جزیرے اور اس میں تمام مقبوضات، دوم کے حوالے کرے۔ نتیجہ بھی کسی سے جنگ نہ کرے۔ قرطاجنہ یہ ذلت قبول کرنے پر مجبور تھا لیکن ہنیال نے اس کا رد کر دیا۔ وہ ملک بدر ہو گیا۔ سیریا اور مقدونیا کے بادشاہوں کو دوم کے خلاف جاکر کھڑا کر دیا۔ ان کی فوجوں میں لڑا رہا۔ لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی آخر سلسلہ ق م میں نہر کا کنوڈ کشی کر لی۔

تیسری جنگ

(سلسلہ ق م)

قرطاجنہ اور دوم کی آخری لڑائی تھی مگر تاریخ میں اول دہے کی لڑائی بھی جاتی ہے کہ وہ کہ اس میں مغلوبوں نے بہت دشواریاں کئے تھیں۔ یہ ہر دو گنا کے جو آج تک تمام عجائب انہی کے لئے نمودار ہوئے ہیں۔

اس جنگ کی وجہ یہ تھی۔ ظلم و جس کی آخری حد تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ دوم کے ایک شہریت کا توڑنے قرطاجنہ میں سیاحت کی اور یہ کچھ کر چل گیا کہ مسلسل جنگوں اور شکستوں کے بعد بھی قرطاجنہ بہت خوشحال اور آباد ہے۔ اُس کی تجارت و ثروت روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ وہ دوم واپس آیا اور رومانی مجلس شیعہ کے سامنے جب ذیل تقریر کی۔

”دیوتاؤں کا ہم پر بڑا فضل ہے کہ ہم کو یہاں ایسی سربراہ اور چیلہ سرزمینوں کا مالک بنا دیا ہے۔ ہمارے ملک کا مرکز ہمیں مجبور کرتا ہے کہ

فینیقیا کے باشندوں نے اپنے بادشاہ بھلید کے عہد میں شہر قرطاج آباد کیا۔ قرطاجنہ کے معنی ہیں نیا شہر۔ یہ آبادی، شمالی افریقہ کے ساحل پر ٹیونس کے قریب قائم ہوئی تھی۔ فینیقیا کی کڑوری کے بعد قرطاجنہ نے عروج حاصل کیا اور تیرج بحرا بیض کی تجارت کا مالک بن گیا۔ اُس کا جنگی طیارہ، دوم کے طیارے سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ سستی سے جبل طارق تک اُن کا اقتدار قائم تھا۔ مراکش الجزائر اور ٹیونس کے اکثر حصے اُن کے قبضے میں آ گئے تھے۔ اسپین، سبیلی، سرڈانیا، کارسیکا مفتوح یا زیر آتھے۔ تجارت نے بہت وسعت اختیار کر لی تھی۔ پوری قوم، دولت سے مالا مال ہو رہی تھی۔ لیکن دوم کو اُس سے سخت حسد تھا اور برابر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں تین جنگیں سے زیادہ اہم ہیں۔

پہلی جنگ

یہ جنگ سلسلہ ق م میں ہوئی۔ دوم نے اسے شروع کیا تھا۔ دوسرے ہوئی کہ دوم نے سبیلی میں شہر سی پرتھ کر لیا۔ یہ شہر قرطاجنہ کے تالے تھا۔ قرطاجنہ کے بحری اسطول نے دوم کو سخت نقصان پہنچایا۔ یہ دیکھ کر دوم نے بھی فوراً جنگی طیارہ طیار کیا اور بحری جنگ شروع ہو گئی۔ لیکن جزائر ایتھ کے قریب قرطاجنہ والوں کو شکست ہوئی اور پورا سبیلی، دوم کے قبضہ میں آ گیا۔

دوسری جنگ

اس شکست کے بعد قرطاجنہ کی تنخواہ دار فوج نے کمرشی شروع کی اور طوائف اندلی کی پھیل گئی۔ لیکن اسی زمانے میں ایک عظیم آدمی ہملکار ظاہر ہوا، تمام فتنوں کا مرکز بن ڈالا، اور اسپین میں ایک عظیم انسان فوج، دوم سے لڑنے کے لئے مرتب کی۔ کیونکہ اب ہم سرڈانیا اور کارسیکا پر بھی قابض ہو چکے تھے۔

یہ جنگ، تیارخ میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس میں ہنیال نے ظہور کیا تھا جو دنیا کا مشہور ترین سپہ سالار تسلیم کیا گیا ہے۔ ہنیال نے بچپن ہی میں اپنے باپ سے تمام کھائی تھی کہ عہد دوم کا دشمن ہے گا۔ اُس کی قسم بھی ثابت ہوئی۔ پوری زندگی، دوم سے جنگ میں گزار دی۔

رومانوں کو یقین تھا کہ جنگ، اسپین میں ہوگی۔ اسی کو انہوں نے اسپینی سرحدوں پر جنگی طیاروں کی فتنیں۔ لیکن ہنیال، کوہ برسا کو عبور کر کے فرانس پہنچا اور فرانس سے الپس کے پرفانی پہاڑوں کو عبور کر کے اچانک اٹلی کے میدانوں پر جا دھکا۔ دوم والے سخت مجب ہوئے۔ اُنھیں ہرگز خیال نہیں گزرا تھا کہ اس طرح کوئی فوج حملہ آور ہوگی۔

کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ جو ہدایت کا طالب ہو، ہم سے ہدایت لے، یقین چاہتا ہے، ہم سے یقین لے۔ حق تم ہو چکا تھا، مگر اب بدل ہو۔ پس لے مابجین دالصار ثابت قدم رہو۔ شکاف بھر ہو، ٹوٹا، جڑ گیا ہو۔ کلمہ عدل قائم ہو چکا ہو۔ حق، باطل بڑا ہو۔ کوئی جلد بازی کر کے یہ نہ کہنے لگے کہ کیسے؟ اور کیزکر، کی مشیت ضرور پوری ہو کر ہے گی۔ عورتوں کا رنگ، ہمدی ہو مردوں کا رنگ، خون ہو، صبر و ثابت قدمی کا نتیجہ ہمیشہ محمود ہو۔ ہاں بڑھو! جنگ کی طرٹ بڑھو! سینے تان کر بیٹھو! پیچھے نہ ہٹے! آج کے بعد کوئی دن نہیں!

”اے زرقار!“ امیر نے تھیر ختم کر کے کہا ”تم ہر خون پر کی شریک بن چکی ہو“

”امیر المومنین کی بشارت صحیح ثابت کرے“ زرقار نے کہا۔

”تو کیا یہ بات محض پسند آئی؟“ معاویہ نے سوال کیا۔
”ہاں مجھے بہت پسند آئی۔ خدا میرے عمل سے اُس کی تہ کر دے“

”والہ علی کی موت کے بعد تمہاری اُس کو یہ محبت، زندگی میں اُس کی محبت سے کہیں زیادہ مجھے پسند ہے“ امیر معاویہ نے کہا۔
”اپنی حاجت بیان کر دو“
”میں نے قسم کھالی کہ کبھی کسی امیر سے کوئی خواہش نہیں کر گی“ زرقار نے کہا۔

معاویہ نے ایک زمین، جاگیر میں ملی۔ زرقار کو پہلے ہی سا اُس سے دس ہزار درہم آمدنی ہوئی۔
(بلاغات النساء و عقد الفرید وغیرہ)

لیکن قرطاجہ والوں کی شجاعت اور ثابت قدمی کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وہ بالکل مغلوب ہو گئے۔ مغلوب ہی نہیں، سب سے قتل کر ڈالے گئے۔ تھوڑے ہی آدمی زندہ بچے مگر وہ قید ہو گئے۔

فتح حاصل کرنے کے بعد روم والوں نے قرطاجہ میں لگ لگائی کاہل سڑو دن تک شہر جلتا رہا۔ اٹھارہ دین بن، شہر نہ تھا۔ راکم کے انبار بچے تھے اور ہوا میں اڑ رہے تھے۔

قرطاجہ کی شکست، تاریخ میں اب تک فتح شمار کی جاتی ہے کیونکہ اُسے آزادی کی راہ میں موت پسند کی۔ غلامی کی زندگی گوارا نہیں کی

زرقار بنت عدی و بار خدائیں

ایک دن امیر معاویہ نے اپنے دربار میں زرقار بنت عدی کا ذکر کیا۔ یہ جنگ مقین میں حضرت ملی علیہ السلام کے طرف تھی، اور فوج کو جنگ کی ترغیب دے رہی تھی۔

”زرقار کی تھیر کسے یاد ہے؟“ امیر نے اپنے درباریوں سے سوال کیا۔

”ہم سب کو یاد ہے“ درباریوں نے جواب دیا۔
”اُس کے ہاتھ میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟“ امیر نے پوچھا۔
”اُسے قتل کر ڈالئے“ سب نے کہا۔

”بہتر مشورہ ہے“ امیر نے کہا۔ ”کیا میرے جیسے شخص کے لئے ردا ہو کہ حاکم ہو چکے کے بعد لوگ کہیں اُسے ایک عورت قتل کر ڈالی؟“

پھر اپنے کاتب کو بلا کر حکم دیا کہ عامل کو کھڑے بھیجے۔ زرقار کو پوسے اعزاز داکرام کے ساتھ میرے پاس روانہ کر دو۔
چنانچہ زرقار دربار میں حاضر ہو گئی۔

”اے امیر معاویہ!“ امیر نے زرقار کو دیکھ کر کہا ”خوب آئی! خالہ کیا فخر ہے؟“

”اچھی ہوں۔ راہ میں بڑا آرام ملا“ زرقار نے جواب دیا۔
”جانتی ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟“

”میں دلوں کا حال کیونکہ جان سکتی ہوں؟ وہ خدا ہی ہے جو سب کا علم رکھتا ہے“

”میں نے تمہیں صرف یہ دریافت کرنے کے لئے بلایا ہے کہ تم جنگ مقین میں سرخ اونٹ پر سوار تھیں اور دونوں صفوں کے درمیان پتھر پھینکا کر ہمارے دروں کو جوش دلاتی پھرتی تھیں۔ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟“

”اے امیر المومنین! سر مر گیا۔ دم کٹی چکی۔ زانہ بدل گیا آنکھ دلوں کے لئے عبرت بنیں۔ آج کے بعد کل ہو۔ دن کے بعد رات ہو“ زرقار نے جواب دیا۔

”سچ ہے“ امیر نے کہا۔ ”مگر تمہیں اپنی مقین دالی تھیر یاد ہے؟“

”نہیں“

”لیکن مجھے یاد ہے“ امیر نے کہا۔ ”والہ میں نے سناتم کہ یہی مقین ہے“
”اے لوگو! تم ایک ایسے شخص میں پڑ گئے ہو جس میں ظلم کی چادریں تم پر پھیل گئی ہیں اور صراطِ مستقیم سے تمہیں ہٹا دیا ہے۔ یہ ایک انڈھا گونگا بھندہ ہے جس نے کوئی کسی کی ستا ہو نہ کسی کو دیکھتا ہو۔ اے لوگو! چراغ، سورج کے سامنے روشنی نہیں دیتا۔ شادہ، چاند کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا، غمرا، اصل گھوڑے پر سبقت نہیں کر سکتا۔ ایسے

ہم بھی تجارقی قوم ہیں اور وہ تمام مالک جہاں ہم تھیں کرتے ہیں اُنہیں زیر اثر رہیں تاکہ ہمارا مال محفوظ رہ سکے۔ ہم نے دنیاؤں کی مٹی پوری کی اور اپنے اقتصادی و جنگی اقتدار کا دائرہ وسیع کرنے لگے۔ لیکن وہاں دُور افقی میں ایک ملک قرطاجہ موجود ہے۔ اس کے پاس بڑی دولت، بڑی فوج، بڑا بیڑہ ہے۔ اُسے ہر طرٹ تجارت پر قبضہ رکھنا ہوا اور ہر ملک ہماری راہ روک رہا ہے۔ لہذا دنیاؤں کی مشیت کا بل طور پر پوری کرنے کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اس قوم کا بالکل قلع قمع کر ڈالیں۔ ہم نے عملاً دومرتبہ اُس پر سخت ضربیں لگائیں، لیکن میں ابھی ابھی وہاں سے اہل ہوں۔ اپنی ان دونوں آنکھوں سے اُس کی حالت دیکھ چکا ہوں۔ وہ اب بھی بہت الدار، باجوصلہ، طاقتور اور ہمارے لئے دائمی خطرہ بنی ہوئی ہے۔ لازمی ہے کہ قرطاجہ کو بالکل پامال کر دیا جائے!“

مجلس نے مقرر کی تجویز بڑی خوشی سے منظور کر لی اور کسی جائز سبب کی جستجو شروع کر دی۔

اتفاق سے اُسی زمانے میں ایک بربر بادشاہ سے قرطاجہ کو جنگ کرنا پڑی۔ روم نے یہ جنگ خلافتِ معاویہ قرار دی اور قرطاجہ چیل کر دیا۔ شکست کے بعد قرطاجہ نے اپنے مغربین کے تین سو لاکھ (تین سو لاکھ) جہاز، اور تمام ہتیار، روم کے حوالہ کر دیے۔ کیونکہ صلح کی یہی شرط تھی مگر روم کا ارادہ دوسرا ہی تھا۔ اُس نے دیکھا اب قرطاجہ بالکل بے بس ہو گیا ہے۔ چنانچہ مطالبہ کیا کہ فوراً شہر خالی کر دیا جائے اور باشندے سمندر سے اسیل دور ہٹ کر ایک نیا شہر بنا کر رہیں۔

یہ شرط قرطاجہ والوں نے منظور نہیں کی اور اُسے روم کو جنگ پیش کر گئے۔ اُنھوں نے شہر کے دروازے بند کر دیے اور طیاریاں کرنے لگے۔ ایک مقرر نے بازار میں کھڑے ہو کر تھیر کی:

”دیوتا ہماری قوم پر ہمیشہ مہربان رہا اور ہمیں سرخرو، سر ملنے اور مالالال رکھا۔ لیکن روم کے ذیل ہتھیں اور سنگ لگنے ہم پر حسد کرتے ہیں اور مدت سے ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے خونریزی ختم کرنے کے لئے ایسی شرطیں منظور کر لی تھیں، جنہیں کوئی شریف قوم منظور نہیں کر سکتی۔ لیکن اب وہ ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنا وطن بھی اُن کے حوالے کر دیں۔ یہ ناممکن ہے۔ ہم مرجائینگے مگر یہ مقدس زمین دشمن کے حوالے نہیں کرینگے!“

قرطاجہ میں سخت جوش پھیل گیا تھا، مگر ہتیار موجود نہ تھے۔

باشندے سخت متفکر تھے کہ مقابلہ کیا کیا سامان کریں؟ اتنے میں ایک طرف سے شہر بلند ہوا۔ اُنھوں نے خیال کیا دشمن گھس گیا مگر وہ دشمن کا شور نہ تھا، خود قوم کے نوجوان، ہتیار بنانے کے لئے لوہا جمع کرتے پھرتے تھے۔ انہیں دیکھ کر اور لوگ بھی ساتھ ہو گئے

اور عبادت خانوں، عمارتوں، مکانات میں جتنا لوہا بیل سکتا تھا جمع کر لیا، حتیٰ کہ دروازوں سے کیلیں تک نکال لیں۔ پھر فوراً قلعہ لوہا پھلکا کر لوہا لیں بنائی گئیں۔ عورتوں نے اپنی چوٹیاں کاٹ لیں تاکہ کمانوں کے لئے کام آئیں۔ لاجار اور بوڑھے عبادت خانوں میں بٹوں کے سلسلے گر پڑے اور فوج و نصرت کی دعائیں کرنے لگے۔

نئے ہتیار لے کر قرطاجہ کے باشندے میدان میں بیٹھے اور رومیوں سے لڑائی شروع کر دی۔ لیکن سخت جدوجہد کے باوجود بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ شکست کھائی اور واپس موکر شہر کے دروازے بند کر دیے۔ روم والوں نے اب خود شہر چاروں طرف سے گھیر لیا اور ایک نئی معرکہ کے بعد اندر گھس پڑے۔ شہر شہر ابھی مغتوج نہیں ہو سکا تھا

باشندے ہر طرف پر سوچے لگائے کھڑے تھے۔ جب روم والوں نے یہ مورچے بھی چھین لئے تو اب گھروں میں لڑائی شروع ہوئی۔ ایک ایک گھر تہہ تہہ حاصل کرنے کے لئے روم والوں کو خون ہٹانا پڑا

خواجہ حسن نظامی

کا

ہفتہ وار انگریزی خیابا

نیگ مسلم دہلی

تبلیغ کا حامی، مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا

معاون اور تمام اسلامی مطالبات کو گورنمنٹ

کے سامنے پیش کرنے والا۔ سالانہ قیمت پانچ روپے

طالب علموں کو چار روپے۔ ہر تعلیم یافتہ مسلمان

کو پڑھنا چاہئے،

مینجر نیگ مسلم دہلی

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و مقبول خاص عام اسم ہستی

ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی کا

عیدم الشال نادر الوجود سرائی تحفہ

”ہمدرد، دہلی“

تار کا کافی پتہ

ماہ الحکم و دانش

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز جو وہ ظاہر ہو لیکن تندرستی بھی ایسا ہی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے طاعت بلکہ بیکار ہے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہی توبہ کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کیشہ کیا ہو ماما لیم استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا طعنت اٹھائے یہ امر تو مسلم ہے کہ ماما لیم معوی ارواح ہے، بدن میں جنتی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا بھجانا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا ماما لیم خصوصیت کے ساتھ پیردن کو جوان اور جوانوں کو جوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور معوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطور خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہے بلکہ عالمی شہرہ آفاق شفا دار الملک بساؤر غفرلہ مابین علم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب مدوح نے بغرض رفاه عام ”ہمدرد و دواخانہ“ کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ماما لیم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا شاہد کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر معتدبہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہے۔ پہلک کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیاہی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض اُمویں ہم کو اپنی کچی ہمدی کے اظہار کا کوئی حلقہ نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر ارشہ تار دینا پڑتا ہے۔

ماما لیم کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہے شکائے اور آزمائے! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ شک آنت ک خود بویہ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پا سچر پیہ فی بول مقرر کی گئی ہو ملا اسکے چند اقسام کے حلوسے معوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پوسے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مغفود مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست سید محمد جتوئی تیار ہے۔ مفت طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ۔ ”میجر ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی“

میجر ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی

برص و سفید داغ ابیہ میں جڑ سے غائب

در نہ ٹوبی قیمت واپس۔ (قرآن نامہ نکالیں کیش خود اک مجموعہ میا اور ایک شیشی روغن سیاچا چوسو ۲۱ روز کافی ہوگی قیمت منہ خج سار دیر پیروانہ

دقمر علاج برص نہاں در بھنگہ (بہار)

پروانہ

اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ملک اور قوم دولت کا سچا پروانہ دلچسپ اچھوٹے مضامین نظم و نثر سے لبریز نوبر ۱۹۲۳ء در بھنگہ سے نہایت پابندی کے ساتھ شائع ہوگا لکھائی چھاپائی اور کاغذ بہت نفیس چند سالہ تین پڑھنے طلبہ سے دو روپیہ (عام) مالک فیر سے پانچ روپیہ (مہر)

میجر رسالہ پروانہ در بھنگہ (بہار)

گھسکر آرمالو

دور و لے تولہ سونا

رنگ دیکھو

جڑنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت نازک منٹش چڑیاں جڑنی سے بن کر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ انکے اندر رنگیں چڑیاں آجاتی ہیں۔ امدیہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرد اور باقت کے رنگینے جڑنے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ دور رفت میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی پتی ہے۔ صنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ ڈھائی روپیہ میں پانچ سو روپے کا کام نکالا جاسکتا ہے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں ذرا فروخت ہوتی ہیں۔ جلد نکلوانے تاکا شات ختم نہ ہو جائے۔ ۸ چڑیوں کی قیمت ڈھائی روپیہ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس چڑیوں کے دام مبلغ سات روپے (مہر)

میجر گولڈن اسٹور۔ پوسٹ بکس ۱۱۸۰

ارشتہار کے لئے

ان تمام صحاب کے لئے جو قیمتی تہن و صنعت کی قیمتی شاہکار کا شوق رکھتے ہیں دنیا میں عظیم الشان مقام I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہر

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پُرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پُرانی تصویروں، پُرانے کتبے،
اور نقوش، پُرانے نواد، آرٹس و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پُرانے صنعتی،
عجائب و نواد، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش
گاہوں اور ذخائر کی فرمائش ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے
ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مسافت و ساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

بائیں ہمہ

قیمتیں قجب انگریز مندرجہ آنداں ہیں!

بر اعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے
رہتے ہیں۔ قاتلوں کے نئے ایوان شاہی کے نوادر بھی حال میں ہم تک فراہم ہوئے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت
مکمل ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل کے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سو گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں
شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چھواہ
کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے سجدہ کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی زرداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا احتیاط و غلبہ امت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟ قیمت بارہ آنے (۱۲/)

(میر الہلال کلکتہ)

اگر آپ کو

دُم

ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سو قریب

دو فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت چاہتے

ہیں تو

یاد رکھئے

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنما

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، قصوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کرے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیج سکیں

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے!

ایسی

کمل گائیڈ بک ضر

ڈولپ گائیڈ لوگریٹ برٹن

The Dowlp Guide
To Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے

ریلوے اسٹیشنوں کے بک شال سے مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین فائنل قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کی زندگی بھر

دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز سرخ اور سنہری ہیل لوں

سے فرین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے کہے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو

"شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی عام کے بیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے ایمین کی ان نادر اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب
 ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اُردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مچل
 ازھائی روپیہ -

مقام الرسيلہ — لفظ ”رسيلہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی ہے۔ بلا جلد ازہانی رویہ، مجلد سوا تین رویہ۔

اصحاب صفہ — انکی تعداد، ذریعہ معاش، طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آئے۔

تفسیر سورة الکوثر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا
اُردو ترجمہ - چار آئے -

العزرة الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل
 بیان کیا ہے - چھ آئے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی
نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں۔ نرائے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا، مصری کی تازہ کتاب
کا اردو ترجمہ - سہا روپیہ -

اُئمه اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے
خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آنے

صہیح سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کارش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

" Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

گاہ گاہ ہے باز خوان این دفتر پارینہ را
آمارہ خواہی داشتن گرد اغملائے سینہ ما

ازدو صحافت اسی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفرین دعوت تھی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی زرم پیدا کر رہی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف مذاق کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ادب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خریدیں اردو صحافت میں اعلیٰ طراوت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور کتاب میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خریدیں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیہ میں خرید لیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) سترہ چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علاحدہ ارے کیلئے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں ”الابلاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک دخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا، ہم نے کوشش کی کہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک درپرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا دیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پروجس کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہو گئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آخری مرقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہو سکے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ۷ اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ زریبہ الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ زریبہ
 ” ” ” ” چہارم ۱۰ زریبہ ” ” ” ” پنجم ۱۰ زریبہ
 جلد ” البلاغ“ (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا)
 قیمت ۸ زریبہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - معصوم ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

منیجر^{۲۵} البلاغ پریس^{۲۶}

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناخن مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مجاہدین تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

روزانہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی نوالد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher ;

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گہر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بعیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

السلامة

نمبر ۲۲

جلد ۱

ابن عربی

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع معقول	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوبن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھ دیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرامہ ، (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

الہلال

ایک ہفتہ وار موصوٰر سالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۲۲۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۲۲

Calcutta : Friday, 18 November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔ طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔ پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔ براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔ طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۶۵۰ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

۴۴۰	اردو حروف کی حق میں	۲۴۲	عربی حروف کی حق میں
	حروف کی حق میں بشرطیکہ	۶۳۰	موجودہ مشترک طباعت کی حق میں
۱۵۰	نستعلیق ہون	۲۷۸	پتھر کی چھپائی کی حق میں

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال



(نپولین اعظم)

نپولین اور اسکی اخلاقی زندگی

(انسانی عظمت اور اخلاقی نامرادی)

میدان جنگ اور حجلہ ہوس!

اٹھارویں صدی میں نپولین بونا پارت کا ظہور بھی انسانی اولوالعزمی کا ایک عظیم ظہور تھا۔ شاید ہی یورپ کے کسی انسان کی نسبت دنیا نے اسقدر کہا اور سنا ہو، جسقدر اس غیر معمولی انسان کی عجیب و غریب دماغی قوتوں کی نسبت کہ سن چکی ہے۔ تاہم انسانی عظمت کی اخلاقی نامرادی کا یہ کیسا عبرت انگیز منظر ہے کہ یہی نپولین جب میدان جنگ سے باہر اپنے گھر کی محفوظ زندگی میں دیکھا جاتا ہے، تو اس میں اتنی قدرت بھی نظر نہیں آتی کہ نہایت ادنیٰ درجے کی اخلاقی کمزوریوں سے اپنے آپکو باز رکھے!

حال میں جرمنی کے ایک اہل قلم گیرٹرڈ اربنز Gertrude Aretez نے ایک کتاب ”نپولین اور اسکی دوست عورتیں“ لکھی ہے، اور اس میں مستند تاریخی ذرائع سے وہ تمام شہادتیں جمع کر دی ہیں جو نپولین کی عاشقانہ برہوسیدوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے، اور در تین ہفتہ سے انگلستان اور یورپ کے اکثر اخبارات و رسائل کا موضوع بحث ہے۔ ہم اس کی بعض تاریخی داستانیں قارئین الہلال کی عبرت و بصیرت کیلئے درج کرتے ہیں۔

(سولہ برس کی عمر میں عشق)

محبت کے باب میں نپولین کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ ”محبت کا اہل آدمی کا دل بہلا رہا ہے“ ممکن ہے، نپولین نے یہ اس وقت کہا ہو، جب وہ پاک دامن تھا۔ لیکن بعد میں — اگر مخالف مورخین کی روایت تسلیم کر لی جائے تو — اس نے اس قول کی بنا پر حسن و ہوس کی زندگی سے اجتناب نہیں کیا، وہ ہمیشہ کسی نہ کسی حسینہ سے وابستہ رہا۔

آغاز شباب میں نپولین مارسیلز اور پیرس کی سڑکوں پر پھرتے پرانے کپڑے پہنے پھرا کرتا تھا۔ نہ تو اس کی ہیئت سے کبھی کو دولت مند کی شبہ ہو سکتا تھا، نہ اس میں ظاہری حسن و جمال ہی کچھ ایسا غیر معمولی تھا کہ کسی کو اپنی طرف متوجہ کر لے۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ اس زمانہ میں بھی بکثرت عورتیں اس پر عاشق ہو گئی تھیں۔ کیونکہ فی الواقع اس میں کوئی ایسی نامعلوم کشش موجود تھی، جو دلوں کو لہا لیتی تھی۔ ممکن ہے، اس کا شرمگین انداز اور اس کے پر غرور چہرہ کی عجیب اداسی اس کے دیکھنے والوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دیتی ہو۔

کہا جاتا ہے کہ نپولین سولہ برس کی عمر میں جب والنسا میں رہتا تھا، تو وہاں کی بہت سی حسین عورتیں اس پر فریفتہ ہو گئی تھیں۔ مگر خود اسے بجز ایک کے کسی سے دلچسپی نہیں ہوئی۔ اس دوشیزہ کا نام ”کارولین کولومبیا“ تھا۔ وہ نہایت نازک اندام اور خوبصورت تھی۔ ایک مرتبہ خود نپولین نے اس لڑکی کے

انسان ذہن و جسم کی کتنی ہی عظمتیں حاصل کر لے، لیکن روح اور اخلاق کی ادنیٰ سے ادنیٰ پاکیزگی بھی حاصل نہیں کر سکتا، اگر اس کا اعتقاد اور عمل روحانی ہدایت کی روشنی سے معزز ہے! انسان کے لیے یہ سہل ہے کہ تمام دنیا فتح کر لے۔ سکندر نے دنیا کی تمام سلطنتیں تہہ و بالا کر ڈالی تھیں۔ انسان کے لیے یہ بھی دشوار نہیں کہ ذہن و فکر کی ایسی بلندیوں تک پہنچ جائے جہاں تک دوسروں کے قدم نہ پہنچ سکے ہوں۔ ارسطو، اقلیدس، سولن، اور سنیکا جیسے فاتحین علم کی فتح مندیوں لا زوال ہو چکی ہیں، اور دنیا منطق، ریاضی، قانون، اور فلسفہ اخلاق میں آج تک ان کی پس در ہے۔ انسان کی اولوالعزمی ان بلندیوں پر بھی نہیں رکھتی۔ کچھ مشکل نہیں اگر وہ آگ کے شعلوں میں کود پڑے، سمندر کی موجوں کی ہنسی اڑائے، پہاڑوں کی صفیں چیر قائلے۔ لیکن ہاں، یہ مشکل ہے، بہت ہی مشکل ہے، کہ وہ اخلاق اور روحانی پاکیزگی کی راہ میں اپنی کسی ایک خواہش نفس کا بھی مقابلہ کرے۔ اس کی ساری اولوالعزمی اور کوہ ہمتی جو دنیا کی ساری رکاوٹوں کا تن تھا، مقابلہ کر سکتی ہے، ہوائے نفس کی ایک ادنیٰ سی رکاوٹ بھی اپنی راہ سے ہٹا دینے پر قادر نہیں ہوتی۔ سکندر تمام دنیا کی تسخیر کی محنت سے نہیں تھکا، لیکن بابل کی ایک عورت جب اس کے سامنے آئی، تو اپنی خواہش نفس کے اضطراب سے بے بس ہو کر گر گیا! سنیکا نے تمام نوع انسانی کو اخلاق اور اخلاقی سعادت کی دعوت دی، لیکن خود اپنے آپ کو ایک دوسرے انسان کی منکوحہ عورت سے باز نہ رکھ سکا۔ ارسطو کے دامن علم کے دھبے بھی دنیا گن چکی ہے، اور یونان کی ایک قدیم ضرب المثل ہمیں بتلاتی ہے ”بڑا انسان بنو۔ اگر نیک انسان نہیں بن سکتے!“

فی الحقیقت انسانی زندگی کی یہی اخلاقی اور عملی نامرادی ہے، جو الہامی ہدایت کی کسی بالاتر قوت کی ضرورت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ انسان اپنے ذہن و جسم کی قوتوں سے سب کچھ کر لے سکتا ہے، لیکن تکلف اور ہزارت سے بھی اپنے آپ کو نیک نہیں بنا سکتا۔ اگر انسانی زندگی کی سعادت کیلئے اس عملی صداقت کی کچھ بھی ضرورت ہے جسے نیکی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، تو ناگزیر ہے کہ عام انسانی سطح سے کوئی بلند تر ذریعہ ارشاد و ہدایت کا ہو۔ مذہب اور الہام اسی ذریعہ ہدایت کا نام ہے۔

قبضہ جمانا چاہا۔ چنانچہ ایک مرقعہ پر جب یہ چاروں عاشق و معشوق جمع تھے، نپولین نے حکمانہ انداز میں کہا ”جوزف! تم اور تمہاری معبودہ دونوں غیر مستقل مزاج ہیں۔ لیکن مجھے میں اور میری معبودہ میں استقلال ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم تم مبادلہ کر لیں تا کہ تمہارا نقص جویا پورا کر دے“ اور میں ڈیڑرا کی کمی پوری کر دس“ یہ عجیب و غریب فلسفہ بیان کر کے اُس نے اپنے بھائی کی معبودہ کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور کسی کو بھی مخالفت کی جرأت نہ ہوئی!

لیکن تھوڑے ہی زمانہ کے بعد نپولین نے محسوس کیا کہ عزت و عظمت کی راہیں اُس کے سامنے کھلی ہوئی ہیں۔ لہذا ڈیڑرا کو یک قلم چھوڑ دیا، اور اُس کی منتوں اور آنسوؤں کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔

(جوزیفائن سے عشق)

اُس کی طبیعت کچھ ایسی بیچین واقع ہوئی تھی کہ ایک ہی حالت پر چلے جانا اُسے پسند نہ تھا۔ سابق محبت سے دوسرے بردار ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد وہ جوزیفائن پر فریفتہ ہو گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اکتوبر ۱۷۹۵ء میں جب نپولین بام عزت کی ابتدائی سیڑھیوں پر تھا، اُس کے پاس ایک کم عمر لڑکا آیا، اور اپنے باپ کی تلوار واپس مانگی۔ یہ لڑکا فرانس کے مشہور سپہ سالار والکنوٹ الکزنڈر کا بیٹا تھا جسے فرانسیسی انقلاب کے زمانے میں پھانسی دیدی گئی تھی۔ نپولین بچہ کی جرأت و فصاحت سے بہت خوش ہوا اور اُس کی درخواست منظور کر لی۔ دوسرے دن اُس کی ماں شکر یہ ادا کرنے آئی۔ یہی جوزیفائن تھی۔ نپولین پہلی ہی نظر میں اس پر عاشق ہو گیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ دوسرے دن خود نپولین جوزیفائن کے چھوڑے سے مکان پر گیا۔ جوزیفائن واقعی بہت خوبصورت تھی، ساتھ ہی عقلمند بھی تھی۔ اُس نے محسوس کر لیا کہ نپولین اُس کی چشم و ابصر کا شکار ہو گیا ہے۔ چونکہ اسراف کی وجہ سے سابق شوہر کی تمام دولت خرچ کر کے مقروض ہو چکی تھی، اس لیے اس نے بھی اس نئی دعوت عشق کا پوری سرگرمی سے استقبال کیا اور تعلقات بڑھانا شروع کر دیے۔ چند ماہ کی آمد و رفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارچ سنہ ۱۷۹۶ء میں جنرل بونا پارت اور جوزیفائن کی شادی ہو گئی۔ دہن کی عمر درلہا سے سات سال زیادہ تھی، مگر نکاحنامہ میں اُس کی عمر ۲۹ - برس لکھی گئی اور نپولین کی ۲۶ برس!

شادی کے دو دن بعد نپولین کو اٹلی کے حملہ پر جانا پڑا۔ سخت مصروفیت تھی، مگر جوزیفائن کی یاد ہر وقت تازہ رہتی تھی۔ ہر منزل پر سے خط کے ساتھ قاصد بھیجتا، اور اپنی حالت سے اُسے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ پہلے خط میں لکھا تھا ”جب جب اپنے دل پر ہاتھ رکھتا ہوں، تم اُس میں موجود ملتی ہو جس سے مجھے بڑی تسکین ہوتی ہے۔ اس دنیا میں اگر کوئی غم ہے تو صرف تمہاری فرقت کا“

جوزیفائن کی تصویر ہر وقت اُس کے پاس رہتی تھی۔ جب کہیں پڑاؤ ڈالتا تھا، تصویر نکال کر سامنے رکھ لیتا تھا۔ جب کوچ کرتا تھا تصویر جیب میں رکھ لیتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نیس میں اُس کے ہاتھ سے تصویر کا آئینہ چھوٹ کر ٹوٹ گیا۔ اسے اُس نے فال بد سمجھا۔ قریب تھا کہ جوزیفائن کی طرف سے

متعلق کہا تھا ”اُس وقت دنیا میں کوئی دوسرا شخص ایسے خوش نصیب نہ تھے جیسے ہم دونوں تھے۔ ہم ایک ایسی پاک معبودہ کے مزے لہت رہے تھے، جیسی خواب میں بھی کسی انسان نے نہ دیکھی ہوگی... اکثر ہم دونوں باغوں میں چلے جاتے اور درختوں پر چڑھتے اترتے۔ بارہا ہم دن دن بھر مخلوق کی نظروں اور شہر کے شور و غل سے دور بیٹھے باتیں کیا کرتے تھے!“

لیکن امتداد زمانہ نے نپولین کے دل سے اس دیشیزہ کی یاد محو کر دی اور اُسے اپنی ایک ہم وطن لڑکی سے عشق ہو گیا۔ نپولین شروع ہی سے مستبد تھا۔ اُس نے اپنی معبودہ کو سختی سے حکم دیدیا کہ اُس کے سوا کسی کو بھی مسکرا کر نہ دیکھے۔ لڑکی کے دل میں اس جابرانہ حکم سے نفرت پیدا ہو گئی، اور اُس کے پنچہ سے نکلنے کے لیے اُس نے ایک دن شراب میں زہر ملا دیا۔ اور نپولین مرنے مرنے بچا!

(ادھیز عورت سے عشق)

اس واقعہ سے کچھ عرصہ بعد نپولین کو ایک ادھیز عورت ”میدیم پرمون“ سے محبت ہو گئی، اور اس قدر بڑھی کہ ایک لمحہ بھی اُس کی جدائی گوارا نہ تھی۔ ایک دن نپولین نے اُس سے باضابطہ شادی کر لینے کی درخواست کی۔ عورت نے اس خواہش پر زور سے قہقہہ لگایا ”تم بیوقوف ہو گئے ہو! مضحکہ بننا چاہتے ہو! پہلا لوگ کیا کہینگے؟ پوری ہونے کے بجائے میں تمہاری ماں بننے کے زیادہ قابل ہوں!“ نپولین پر یہ بات بہت ناگوار گزری اور قطع تعلیق کر لیا۔

(نپولین کا طریق محبت)

ایک مورخ کا بیان ہے کہ نپولین نے بے شمار عورتوں کا دل تروڑا ہے۔ اُس کی عادت تھی کہ تعلقات بڑھائے جاتا تھا، اور جب عورت اُس کے دام محبت میں پھنس جاتی تھی، تو بے اعتنائی سے بالکل چھوڑ دیتا تھا۔ چنانچہ ”میدیم ولسکا“ پولینڈ کی ایک حسینہ کا واقعہ اس بات کا کافی ثبوت ہے۔ نپولین نے اس عورت کو دیکھا اور لبھانا چاہا۔ مگر اُس نے سخت نفرت کا اظہار کیا۔ نپولین نے اُسے قبضہ میں لانے کی بہت کوشش کی، مگر وہ برابر بیزار رہی۔ آخر ایک دن غضبناک ہو کر چلایا ”تو دیکھ لیگی۔ میں تجھے کس طرح زیر کرتا ہوں! تجھے میرے ارادہ کے سامنے جھکنا پڑے گا! دیکھ، یہ میرے ہاتھ ہیں گھڑی ہیں، جس طرح میں یہ گھڑی چور چور کیے ڈالتا ہوں، اسی طرح پولینڈ کا ملک بھی پاش پاش کر کے پھینک دوں گا!“ اُس نے یہ کہا اور گھڑی زور سے دیوار پر مار دی۔ اس حرکت کا عورت پر اتنا شدید اثر ہوا کہ وہ بے ہوش ہو کر نپولین کے قدموں پر گر پڑی۔

لیکن چند دنوں کے بعد ہی نپولین نے اُسے اکٹا کر چھوڑ دیا!

(محبت میں استبداد)

عشق و محبت کے میدان میں بھی اس شخص کے ظلم و استبداد کے قصے مشہور ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ غربت کے زمانہ میں جب نپولین اور اُس کا بھائی مارسیلز کے بازاروں میں پھرا کرتے تھے، اتفاق سے ریشم کے ایک سردار ”فرانسوا کلاری“ کے خاندان سے اُن کا تعارف ہو گیا۔ اس تاجر کی دو لڑکیاں تھیں۔ بڑی کا نام ”جولیا“ تھا۔ چھوٹی کا ”ڈیڑرا“۔ نپولین نے شروع میں جولیا کو پسند کیا اور اُس کے بھائی نے ڈیڑرا کو۔ تھوڑے دن بعد نپولین اپنی معبودہ سے سیر ہو گیا، اور بھائی کی معبودہ پر

یہودیہ کو ایک خط میں لکھتی ہے "زندگی سے آکٹانگی ہوں - موت کی تمنائیں کر رہی ہوں!"

جنگ اٹلی سے فارغ ہو کر دنوں میں بیرونی شہر شہر سے پیرس لوٹے۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد نپولین کو پھر جوزیفائن سے علیحدہ ہونا پڑا۔ وہ مصر کی مہم پر روانہ ہو گیا، اور بیرونی سے وعدہ لے لیا کہ جنگ ختم ہونے ہی مصر چلی آگئی۔ مگر ابھی وہ مالٹا ہی پہنچا تھا کہ اس عیش پسند عورت نے خاوند کو ایک قلم بھلا دیا، اور جیسے شروع کر دیے۔ نپولین اب فرانس میں اس قدر ہر دلعزیز ہو گیا تھا کہ اس کی بیوی کی آزادیوں پر تمام پیرس ملامت کر رہا تھا۔ مگر خود اسے کچھ پروا نہ تھی۔ بہت جلد نپولین کو تمام ررداد معلوم ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی زمانہ میں اسے سب سے پہلے جوزیفائن کو طلاق دینے کا خیال پیدا ہوا تھا۔

جوزیفائن سمجھتی تھی کہ نپولین شاید کبھی واپس نہ آئے گا، یا بہت مدت کے بعد آئے گا۔ اسی لیے بالکل بیباک ہو گئی تھی۔ مگر اچانک اسے خبر ملی کہ اسکا شوہر مصر سے آگیا ہے، اور عنقریب پیرس پہنچنے والا ہے۔ بہت خوفزدہ اور پریشان ہوئی۔ ایک طرف اپنی بے اعتدالیوں کا خوف تھا۔ دوسری طرف سخت مقروض بھی ہو گئی تھی۔ حیران تھی شوہر کو کیا جواب دے گی؟ مگر تھی چالاک۔ فوراً پیرس سے استقبال کیلئے روانہ ہو گئی۔ نپولین کو بھی اس کی رزانگی کی خبر مل گئی تھی۔ اس نے بالکل مختلف راستہ اختیار کیا، اور محل میں آکر تمام دروازے بند کر لیے۔ جوزیفائن اپنی تدبیر میں ناکام ہو کر سرعت سے لوٹی، اور سیدھی محل کی طرف روانہ ہو گئی۔ مورخ میسن کا بیان ہے، "جوزیفائن محل کے دروازہ پر کھڑی دستکیں دیتی رہی۔ مگر نپولین نے کوئی شنوائی نہیں کی۔ پھر اس نے اپنے گھٹنوں پر جھک کر پھرت پھرت کے رونا شروع کیا، مگر اس پر بھی سپہ سالار نے مطلقاً پروا نہ کی۔ اس حالت پر پورا فن گزر گیا، مگر دروازہ نہیں کھلنا تھا نہیں کھلا۔ اب جوزیفائن بالکل تھک گئی۔ ناامید ہو کر واپس جانے والی تھی کہ اس کی ایک سہیلی اس کے دنوں بچوں ارجین اور ہورٹانس کو لے آئی۔ انہوں نے رکوع کر کے اپنے سوتیلے باپ کو پکارنا اور اپنی ماں کیلئے رزور کر سفارشیں کرنا شروع کیا۔ معصوم بچوں کی آواز سن کر نپولین کا دل نرم ہو گیا اور دروازہ کھل دیا۔ پھر جوزیفائن کو اٹھایا، آنسو پونچھے، معاف کیا، اور اسکا بیس لاکھ فرنک قرضہ بھی ادا کر دیا"

(جوزیفائن کو طلاق)

اس کے بعد جوزیفائن نپولین کے ساتھ رہی۔ جب وہ تخت نشین ہوا، تو اس نے ملکہ فرانس کا تاج پہنا اور شہنشاہی کی عزت و عظمت کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہی۔ یہاں تک کہ نپولین کو اپنے بعد اپنے جانشین کی فکر ہوئی۔ اس خیال نے دوسرے سیاسی مصالح کے ساتھ ملکر اسے جوزیفائن کی طلاق پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ طلاق دیدی گئی، اور نپولین نے شہنشاہ آسٹریا کی لڑکی میری سے شادی کر لی۔

مشہور ہے کہ آسٹریا بیرونی کو اپنے شوہر سے ذرا بھی محبت نہ تھی۔ بلکہ سخت نفرت کرتی تھی جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ نپولین نے جزیرہ سینٹ ہیلنا میں بستر مرگ پر اپنے ڈاکٹر کو وصیت کی تھی کہ موت کے بعد اسکا دل شیشہ میں رکھ کر آسکی

بالکل ناامید ہو جاتا۔ مگر اس نے فوراً خط لکھا "کاش تمہارے پر ہوتے، اور تم آکر میرے پاس آجائیں!"

لیکن جوزیفائن اپنی راک رلیوں میں مصروف تھی۔ نپولین کی اسے ذرا بھی پروا نہ تھی۔ اب اسے پایہ تخت میں بیوی عزت حاصل ہو گئی تھی۔ اچھے اچھے لوگ اس کی خوشامد میں لگے تھے۔ چند ہفتہ کے اندر نپولین نے اٹلی میں عظیم الشان فتوحات حاصل کر لیں اور اطمینان پا کر جوزیفائن کو بلا لینا چاہا۔ لیکن وہ برابر حیلے حوالے کرتی رہی۔ آخر نپولین نے سختی سے لکھا کہ فوراً چلی آؤ۔ اس مرتبہ اس نے ایک نیا عذر پیش کیا۔ اس نے لکھا کہ میں سفر نہیں کر سکتی کیونکہ حمل سے ہوں۔ نپولین کو اس جھوٹی خبر سے بڑی ہی خوشی ہوئی۔ اس نے فوراً خط لکھا "جوزیفائن! میں نے سخت غلطی کی۔ کس طرح اپنے گناہ کا کفارہ کروں؟ میں نے ناحق شک کیا۔ حالانکہ تم بیمار تھیں۔ سچ ہے، محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے... کاش ایک ہی دن کیلئے میں تمہارے پہلو میں ہوتا!"

نیز اپنے بھائی کو لکھا "جوزیفائن کی علالت نے میرے ہوش اڑا دیے ہیں۔ کش میں اسے لکھ سکتا۔ اس کی محبت جنوں کے درجہ تک پہنچ گئی ہے۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ خدا نخواستہ اگر وہ مر گئی تو زندگی میں میرے لیے کوئی لطف باقی نہیں رہے گا!"

لیکن چند ہی دن بعد نپولین کو معلوم ہو گیا کہ جوزیفائن نے دھوکا دیا تھا۔ وہ بالکل اچھی ہے، اور پیرس میں ضیافتیں دے رہی ہے۔ اب اس کے غصہ کی کوئی حد نہ تھی۔ اس نے فوراً تلخ لہجہ میں خط لکھا، اور حکم دیا کہ بلا کسی عذر کے روانہ ہو جائے۔ جوزیفائن بادل ناخراستہ روانہ ہو گئی۔ میلان میں نپولین نے بڑی مسرت سے استقبال کیا۔ مگر چند ہی دن بعد اسے پھر میدان جنگ میں جانا پڑا۔ کیونکہ فوج ایک خطرہ میں پھنس گئی تھی۔ خطرہ دور کر کے اس نے پھر اسے طاب کیا۔ خط میں لکھا تھا "جدائی کے وقت تمہارے آنسوؤں نے میرے دل کو سخت مایوس کر دیا تھا۔ میری عقل جاتی رہی تھی۔ اب یہاں میرے پاس آجاؤ، تاکہ مرے سے پہلے ہم کہہ سکیں کہ ہم نے بھی چند دن خوشی کے دیکھے ہیں" مورخ میسن کا بیان ہے کہ نپولین، جوزیفائن کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا تھا، گویا کسی مقدس دیوی کے حضور میں کھڑا ہے!

(نپولین کا رقیب)

جوزیفائن اپنے شوہر کے حسب الحکم جنگی پڑاؤ میں آگئی۔ یہاں چارلس نام فوج میں ایک کم رتبہ افسر تھا۔ کم عمر اور خوبصورت تھا۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے، نپولین کی فوج میں اس سے زیادہ حسین آدمی کوئی نہ تھا۔ جوزیفائن دیکھتے ہی فریفتہ ہو گئی۔ یا تو فوج میں رہنے سے بیزار تھی، یا اب فوج سے جدا ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔ دنوں میں شناسائی ہوئی، تعلقات بڑھے، اور اٹھ بڑھے، کہ خود نپولین نے محسوس کر لیا۔ وہ نہایت غصہ ہوا مگر ضبط سے کام لیا۔ البتہ اتنا ضرور کیا کہ اپنے رقیب کو فوج سے نکال کر پیرس بھیج دیا اور حکم دیا کہ آئندہ احکام کا منتظر رہے۔ اپنے شوہر کی اس کارروائی سے جوزیفائن کو سخت صدمہ ہوا۔ مگر مجبور تھی۔ کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنی

ثانیاً، ایک اصل عظیم اس باب میں یہ ہے کہ انبیاء کرام کا طریق تعلیم ”مقدمات“ کا طریقہ نہیں ہوتا۔ ”براہ راست“ تلقین کا طریقہ ہوتا ہے۔

عام بول چال میں اس کا مطلب یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی بات کے ثابت کرنے اور منہ دینے کے طریقے دو ہیں: ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے مخاطب سے چند ایسے باتیں منوالی جائیں جو اصل مدعا نہیں ہیں، لیکن انکے تسلیم کر لینے کے بعد مدعا کا تسلیم کر لینا ضروری ہو جائیگا۔ یہ طریقہ ”مقدمات“ کا طریقہ ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو بات مخاطب کے دل میں اتارنی ہو، وہ ایسی شکل و نوعیت میں بیان کر دی جائے کہ بغیر کسی دوسری بات کے سہارے کے، خود بخود دل نشیں ہو جائے۔ اس بات کے سمجھنے، مان لینے، اور شک و انکار سے محفوظ ہو جانے کیلئے کسی دوسری بات کے سونچنے سمجھنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ یہ طریقہ ”براہ راست“ تلقین کا ہے۔ کیونکہ اس طریقہ میں اثبات مدعا کیلئے جو کچھ کہا جاتا ہے، مقدمات کا محتاج نہیں ہوتا۔ پہلا طریقہ علوم رضیہ اور نظار کا ہے۔ دوسرا طریقہ طریق فطری اور انبیاء کرام کا ہے۔

انبیاء کرام اگر اپنی تعلیم میں مقدمات کا طریقہ اختیار کرتے، تو ظاہر ہے کہ ان کا خطاب عام نوع بشر سے نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ بجز چند افراد کے جنہوں نے عام رضیہ کے طریقہ پر مقدمات کے بحث و نظر کی استعداد پیدا کر لی ہو، عامۃ الناس نہ تو ان کی تعلیم سمجھ سکتے، نہ ایمان کے لیے مکلف ہو سکتے۔ انبیاء کے لیے ضروری ہوتا کہ وہ ایمان کی براہ راست دعوت دینے کی جگہ پہلے مدرسوں میں وضعی علوم کی تعلیم دیتے پھرتے، پھر تعلیم کے بعد مقدمات ترتیب دیکر اثبات مدعا کی شکلیں بنائے، پھر ان مقدمات میں سے ایک ایک مقدمہ پر لوگ جھگڑتے۔ پھر جب مخاطب ان مقدمات کے جال میں الجھ جاتا، تو اُسے بے بس کر کے اقرار کرا لیتے۔ یہ طریقہ حکماء کی بحث و نظر کا ہے۔ ”دعوت“ کا نہیں ہے۔ اور انبیاء کرام ”داعی“ ہوتے ہیں۔ ”مناظر“ اور ”نظار“ نہیں ہوتے!

ثالثاً، مقدمات کا طریقہ جیسا کچھ بھی ہو، یقین نہیں پیدا کر سکتا، عاجز پیدا کر دیتا ہے، اور دونوں میں فرق ہے۔ انبیاء اپنے مخاطبین میں یقین پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ بحث میں عاجز کر کے چپ کر دینا نہیں چاہتے۔ مقدمات کا طریقہ پیچ در پیچ اور چند در چند نظری مسلمات پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر مخاطب اس پیچ و خم کا شاطر نہیں ہے، تو بہت جلد لاجواب ہو کر چپ ہو جائیگا۔ یہ ”چپ ہو جانا“ نہ کہ ”مطمئن ہو جانا“ طریق مقدمات میں مناظر کی فتح سمجھی جاتی ہے۔ لیکن انبیاء اہل زبان نہیں، دل جیتنا چاہتے ہیں، اور زبان کے بے بس ہو جانے سے دل میں یقین نہیں پیدا ہو جاتا۔ تم ایک تیز زبان آدمی سے گفتگو میں ہاری نہیں لیجا سکتے، اس لیے ہمارا مان لیتے ہو، مگر اس سے دل کا اعتقاد تو نہیں پیدا ہو جائیگا؟

رابعاً، مقدمات کے طریقہ کا تمام تر دار و مدار وضعی علوم کے نظری مسلمات پر ہوتا ہے، از یہ مسلمات وہ تو ہر حال میں حقیقی ہیں، نہ ہر زمانے کی عامی استعداد یکساں طور پر ان کا اعتراف کر سکتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کل تک جو بات مسام طور پر مٹتی جاتی تھی، آج اتنی کمزور ہو جائے کہ لوگ اس کی



حجة ابراہیمی

اے کریمہ ”الم تر الی الذی حاج ابراہیم“ کی تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طرق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریقہ

(از مولانا ابوالکلام)

(۲)

(۴) انبیاء کرام (علیہم السلام) حکماء کے وضعی طریق استدلال کی جگہ فطری طریق تلقین کیوں اختیار کرتے ہیں؟ میں اسکی تشریح یہاں نہیں کر سکتا، کیونکہ اول تو یہ تحریر تشریح کی متحمل نہیں، ثانیاً اے زیر بحث میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اسکی تشریح آگے آئیگی۔ البتہ ترتیب بیان کیلئے مختصر لفظوں میں یوں سمجھیے کہ:

اولاً، انبیاء کرام کی تعلیم کا مقصد بحث و نظر نہیں ہوتا، ایمان و یقین ہوتا ہے۔ ایمان و یقین کیلئے وضعی علوم کا طریق استدلال کسی حال میں بھی سود مند نہیں۔ انبیاء کرام کے تمام احکام کا دار و مدار ما وراء محسوسات حقائق پر ہے جسے قرآن حکیم نے عالم ”غیب“ سے تعبیر کیا ہے۔ عالم ”غیب“ کے معاملات خلاف عقل نہیں ہیں مگر ما وراء عقل ضرور ہیں، اسلیے انکا عام نظری استدلال کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف وجدانی شہادت کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ وجدانی شہادت جو فطرۃ انسانی میں ودیعت کر دی گئی ہے اور جسکا اذعان قدرتی طور پر ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ پس انبیاء کرام کا طریق ارشاد یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کے وجدان سے خطاب کرتے ہیں، نہ کہ مجرد ذہن و ادراک سے۔

دوسری کے پاس لیجا لے۔ لیکن جب ڈاکٹر ملکہ کے پاس پہنچا، تو اسے ایک کانے عہدہ دار سے تعشق کرتے پایا۔ ملکہ نے ڈیوائن کا پیغام سن کر کہا ”میں نے اسکی محبت کبھی اپنے دل میں محسوس نہیں کی۔ اگرچہ میں یہ ہمیشہ یاد رکھنے پر مجبور ہوں کہ وہ میرے لڑکے کا باپ ہے“

مذکورہ بالا عورتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتوں سے ڈیوائن کو محبت ہوئی یا انہوں نے اس سے محبت کی۔ انہیں سب سے اہم اور قابل ذکر تین عورتیں ہیں۔ میڈیم پیرلن، میڈیم تھی اسٹائل اور مسٹر ارل۔ ہم انکے واقعات باختصار بیان کر دیں گے۔

منہ یصدرون - وقالوا: الہتنا خیر اہم ہر؟ " اس کے بعد کہا " ماضیوہ
لک الا جدلا ' بل ہم قوم خصمون! " یعنی منکرین کی یہ فکری
حالت کہ وہ بات کی حقیقت پر غور کرنے کی جگہ فرضی اور تخیلی
صورثیں پیدا کر کے کج بحثی کرنی چاہتے ہیں ' راستی و حق پرستی
کا طریقہ نہیں ہے - " جدل " کا ڈھنگ ہے -

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے دعوت الی الحق کا طریقہ
راضع کرتے ہوئے کہا : ادع الی سبیل ربک بال حکمة و الموعظة

الحسنة ' و جادلہم بالتی ہی احسن (۱۶ : ۱۲۶) اس آیت
میں بالترتیب تین طریقوں کا ذکر کیا ہے : حکمت - موعظة حسنة -
اور جدل - لیکن جدل کو " بالتی ہی احسن " کے ساتھ مقید کر دیا
ہے - یعنی ایسا جدل جو اچھے طریقہ پر کیا جائے - اس سے معلوم
ہوا کہ قرآن نے نزدیک " جدل " حکمت و موعظت کی طرح
محمود و مطلوب نہیں ہے ' الا یہ کہ " بالتی ہی احسن " ہو -

جس آیت کی نسبت آپ نے استفسار کیا ہے ' دراصل وہ اسی
حقیقت کا ایک بہترین نمونہ پیش کرتی ہے - وہ راضع کرتی
ہے کہ انبیاء کا طریق دعوت و ہدایت کا ہے - جدل کا نہیں ہے - اور
تشریح اسکی آگے آئیگی -

(۶) لیکن افسوس ہے کہ متکلمین کا منطقی ذوق طریق
قرآنی کی اہمیت و حقیقت معلوم نہ کر سکا - انہوں نے قرآن کو
بھی وہی منطقی جامہ پہنا دینا چاہا ' جو خود انہوں نے علم و نظر
کے ہر گوشے میں پہن لیا تھا - چونکہ یہ طریقہ قرآن کیلئے ایک
مصنوعی طریقہ تھا ' اسلئے قدم قدم پر طرح طرح کی مشکلات
پیش آئیں - لغت ساتھ نہیں دیتی تھی ' عربی اسلوب
بیان قطعاً مخالف تھا - سباق و سیاق کا مقتضا کچھ اور ہی کہتا
تھا - سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کا عام نظم بیان اس طریق کے ساتھ
چل نہیں سکتا تھا - تاہم وہ اپنی موشگافیوں اور کوہ کنڈلیوں میں
برابر بڑھتے ہی گئے ' اور کسی نہ کسی طرح کہینچ تان کر ایک نیا
کارخانہ استدلال کوھیکر کھڑا کر دیا - اب دنیا کہتی ہے کہ قرآن کی
مشکلات حل نہیں ہوتیں - لیکن کوئی نہیں جو اس حقیقت پر سے
پردہ اٹھائے کہ مشکلیں قرآن کی مشکلیں نہیں ہیں - مفسرین کی
پیدا کی ہوئی مشکلیں ہیں - اگر ایک بات کو اس کی (بان)
اس کے اسلوب ' اور اس کے قدرتی معانی سے ہٹا کر ایک دوسری
طرح کی شکل دیدی جائیگی ' تو یقیناً وہ صاف نہیں رہیگی ' مشکلات
کا ایک معما ہی بن جائیگی !

یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کے ساتھ ہم در ہی طرح کا سلوک کرسکتے
ہیں - یا تو اس کی سچائی تسلیم کریں - یا انکار کردیں - اگر ہم اس
کی سچائی تسلیم کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ وہ تمام اوصاف بھی
تسلیم کر لیں جو اس نے اپنی نسبت بار بار بیان کیے ہیں - ان
اوصاف میں سب سے پہلا اور بنیادی وصف یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار
سے سہل ہے - کسی اعتبار سے بھی مشکل نہیں - پس قرآن
سب کچھ ہو سکتا ہے مگر مشکل اور پیچیدہ نہیں ہو سکتا -
کوئی تفسیر ' کوئی تاریل ' کوئی ایسی بات جس سے اس
کی کوئی ایک سورت ' کوئی ایک رکوع ' کوئی ایک آیت ' بلکہ اس کا کوئی ایک لفظ بھی مشکل اور مقدمات طلب
بن جائے ' قرآن کے لیے سچی تفسیر اور سچی بات نہیں ہو سکتی -
یقیناً وہ سچی نہیں ہو سکتی - اس لیے کہ قرآن جسے سچ ہونا چاہیے ' بار بار کہتا ہے : ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر (۵۴ : ۱۷)

ہنسی اڑائیں - ایمان کی بنیاد ایسی متغیر اور متزلزل بنیاد پر نہیں
ہو سکتی - وہ تو ہر فرد ' ہر جماعت ' ہر طبقہ ' اور ہر زمانہ کے لیے
ایک یکساں حقیقت ہے - یہ محل تفصیل کا نہیں ' ورنہ مثالوں
سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی - ہمارے حکماء اور متکلمین نے
حدوث عالم اور اثبات صانع کے کتنے ہی استدلال ترتیب دیے تھے ' جن کی بنیاد اس وقت کے مذاہب فلسفہ کے نظری مسلمات پر
رکھی گئی تھی ' لیکن آج ہم کسی پرے لکے آدمی کے سامنے انہیں
دھرانے کی جرأت نہیں کرسکتے !

(۵) صرف یہی نہیں کہ قرآن کا یہ طریقہ نہیں ہے ' بلکہ
اس نے راضع طور پر اس طریقہ کی مذمت کی ہے ' اور اسے بھی
انہی طریقوں میں سے قرار دیا ہے جو اس کے نزدیک " جدل " کے
طریقے ہیں ' اور جو طریق " دعوت " و " ہدایت " کے
ساتھ جمع نہیں ہو سکتے - یہ طریقہ جھگڑنے اور لفظوں اور باتوں کے
پیچ میں مخاطب کو کس دینے کے لیے ضرور مفید ہے - مگر اذعان
و یقین کیلئے کہ طریق دعوت و ہدایت کا مقصد وحید ہے ' کچھ
مفید نہیں - بلاشبہ اس طریق کا عامل ایک علمی قسم کا جھگڑالو
آدمی بن جاتا ہے ' لیکن مرشد اور ہادی نہیں بن سکتا - اس کی
طبیعت کبھی اس طرف نہیں جاتی کہ سچائی اور حق معلوم کرے -
وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے کہ اپنے بنائے ہوئے قاعدوں ' گڑھے
ہوئے مقدموں ' اور منوالی ہوی اصطلاحوں سے کسی نہ
کسی طرح مخاطب کو لاجواب کر دے - رفتہ رفتہ خود اسکا قلب بھی
حقیقت سے نا آشنا اور اسی قسم کی باتوں پر قانع ہو جاتا ہے جسے
انگریزی میں " ٹکنیکل " قسم کی باتیں کہتے ہیں (لفظ صناعی
اسکا پورا مفہوم ادا کرنے کیلئے کافی نہیں ' الا یہ کہ اختیار کر لیا
جائے) اگر وہ ایک مخاطب کو جو حق کی جستجو اور یقین کی
راہ میں اس سے نزاع کر رہا ہے ' صرف ایک لفظ کی غلطی ' یا کسی
اصطلاحی قاعدہ کی نا آشنائی ' یا ترتیب مقدمات کے پیچ
و خم کے الجھاؤ سے شرمندہ کر دے سکے اور لا جواب بنا دے ' تو وہ
اسے اپنی برتری سے بڑی فتح مندی سمجھ گا ہے ' اور اسے " مناظرہ
میں ہرا دینے " سے تعبیر کریگا - لیکن ایک لمحہ کیلئے بھی یہ
نہیں سونچے گا کہ اس نام نہاد فتح و شکست سے حقیقت اور سچائی
کا فیصلہ کیونکر ہوگا ؟ یہ زیادہ سے زیادہ مناظرہ کی حیت ہے - لیکن
حقیقت کا فیصلہ تو نہیں ہے ؟ اگر وہ اس مناظرانہ کج اندیشی کی
مدد و ہوشی سے افاقہ پائے ' اور خود اپنے دل کی گہرائیوں کا
حساب لے ' تو اسے معلوم ہو جائے کہ جس بات کے منوانے کیلئے وہ
ایک عالم کو چپ کراتا پھرتا ہے ' خود اسی کے دل کو اس پر قرار
نہیں ہے - قرآن و سنت پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ' اور
اس طرح کے تمام طریقے ' نہ صرف حصول مقصد کیلئے سود مند
نہیں ہیں ' بلکہ ہدایت و یقین کی راہوں سے دور کر دینے والے
ہیں - قرآن ان تمام طریقوں کو " خصومت " اور " جدل " یعنی لڑنے
جھگڑنے کی راہ قرار دیتا ہے - اس نے جا بجا اس نوعیت کے
اعتراضات اور تشکیکات نقل کی ہیں - پھر بتلایا ہے کہ یہ حق
و ہدایت کی راہ نہیں ہے ' خصومت اور جھگڑنے کی روش ہے -
سورہ یاسین میں منکرین کا یہ استفہام تشکیکی نقل کرنے کے بعد
کہ " و یقولون متی ہذا الوعد ان کنتم صادقین ؟ " فرمایا " ما یظنون
الا صیحة واحدة " تاخوہم و ہم یخصمون ! " " خصومت " کا لفظ
یہاں ایسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے - سورہ زخرف میں منکرین کا
یہ انداز سخن نقل کیا ہے کہ " ولما ضرب ابن مریم مثلاً اذ قومت

بھی چپکا دی۔ مطلب یہ قرار دیا کہ حضرت ابراہیم نے حدوث عالم پر حرکت و تغیر سے استدلال کیا ہے۔ یعنی اُن کی حجۃ بھی یہی تھی کہ ”العالم متغیر و کل متغیر حادث“ انہوں نے کواکب کے صانع عالم نہ ہونے پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ اُن میں حرکت ہے۔ حرکت تغیر کو کہتے ہیں، اور جس میں تغیر ہو وہ محدث ہے، اور جو محدث ہے وہ قدیم نہیں، اور جو قدیم نہیں، وہ صانع عالم نہیں ہو سکتا! اس تفسیر پر ہمارے متکلمین کو اس درجہ رثوق بلکہ فخر ہے کہ حضرت امام رازی تغیر سے استدلال حدوث کو ”طریق ابراہیمی“ قرار دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں ”پہلا حکیم ربانی جس نے اس حکمت سے مخلوق کو آشنا کیا، وہ حضرت ابراہیم خلیل ہیں!“

ابھی اس سے قطع نظر کیجئے کہ اس استدلال کی کمزوریوں کا کیا حال ہے، اور اسکا مغرور اور کبریٰ ہی کونسا قطعی اور مسلم ہے کہ نتیجہ قطعی الثبوت ہو۔ اس پر بھی بحث نہ کیجئے کہ اس طرح کا استدلال انبیاء کرام کی طرف منسوب کرنا طریق دعوت نبوت سے کس درجہ نا اشنائی اور حقیقت فراموشی ہے۔ صرف اس بات پر غور کیجئے کہ لغت و عربیت کے لحاظ سے اس تفسیر کا کیا حال ہے؟ آیت کریمہ میں ”کرب“ چاند، اور سورج کا ذکر ہے، اور تینوں کیلئے ”انل“ کا لفظ آیا ہے۔ متکلمین کی یہ تفسیر ”انل“ کے معنی حرکت و تغیر قرار دیتی ہے، اور جب تک یہ معنی قرار نہ دیے جائیں، اُن کے گڑھے ہوئے استدلال کی دیوار کھڑی نہیں ہو سکتی، لیکن جزم و قطع کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ عربی لغت میں کسی ایسے ”انل“ کا وجود ہی نہیں جو حرکت و تغیر کے معنی میں بولا جاتا ہو۔ جو ”انل“ عربی زبان میں مستعمل ہے، اُسکے معنی تو کسی چیز کے چھپ جانے اور غائب ہو جانے کے ہیں۔ قد افلت الشمس تافل و تافل انولا۔ لی غابضہ و احتجبت۔ اس کے سوا کوئی معنی اس لفظ کے مفہوم میں داخل نہیں۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ جب چاند قُوب گیا، سورج غروب ہو گیا، تو حضرت ابراہیم نے کہا ”انی لا احب الافلین“ میں چھپ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یہاں حرکت و تغیر کی مصیبت کہاں سے آگئی؟

پھر قیامت پر قیامت یہ ہے کہ ”حرکت“ سے بھی انکا مقصود حرکت لغوی نہیں ہے۔ بلکہ حرکت مصطلحہ فلسفہ ہے۔ یعنی وہ حرکت جو ایک حالت سے دوسری حالت میں انتقال کو کہتے ہیں، خواہ مکان میں ہو یا زمان میں، اور کم میں ہو یا کیفیت میں۔ مثلاً درخت کا نمؤ بھی حرکت ہے، اور یہ حرکت فی الکف ہے، اور کسی رنگ کا تغیر بھی حرکت ہے، اور یہ حرکت فی الکیف ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ”انل“ کے مفہوم میں کسی نہ طرح کھینچ تان کر حرکت کی دلالت پیدا بھی کر لی جائے، تو لغت اور قرآن پر یہ کیسا صریح اتہام ہوگا کہ حرکت کا یہ فلسفیانہ مفہوم اُن کے سر پہنچا جائے؟

علاوہ بریں متکلمین اپنے ذوق تفلسف میں یہ حقیقت بھی بھول گئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب جن لوگوں سے تھا، وہ کواکب کو صانع کائنات نہیں سمجھتے تھے کہ اُنکے لیے اس مزعومہ استدلال کی ضرورت ہوتی۔ اُن لوگوں کا اعتقاد احرام سمارہ خصوصاً چاند سورج کی نسبت رہی تھا، جو دنیا کی تمام مشرک عقول کا اپنے اپنے دیوتاؤں کی نسبت رہچکا ہے اور اب تک ہے۔ یعنی یہ ایسی روحانی اور ملکوٹی ہستیاں ہیں جنہیں دنیا کی تدبیر و

فانما یسرناہ بلسانک لعلم یتذکر (۵۸: ۳۴) ہوالذی یتزل علی عہدہ آیات بیانات لیہرجکم من الظلمات الی النور (۹: ۵۷) قرانا عربیا غیر ذی عوج (۲۸: ۳۹) فانما یسرناہ بلسانک لتبشر بہ المتقین (۹۷: ۱۹) وانه لتزلزل رب العالمین۔ نزل بہ روح الامین۔ علی قلبک للکون من المذنبین۔ بلسان عربی مبین! (۱۹۱: ۲۶) انه لقول فصل وما ہو بالهزل (۱۴: ۸۶) یعنی قرآن صاف اور راضع عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اُسکی تعلیم بالکل کھلی ہوئی اور اسکا طریق بیان تمام تر سہل اور دل میں اتر جانے والا ہے۔ سچائی اس میں کھل دی گئی ہے۔ حقیقت کے لیے اُس میں کوئی نقاب نہیں۔ اُس کا بیان یکقلم سیدھا سادھا ہے۔ کسی طرح کی تیزوہ اور پیچیدگی اُس میں راہ نہیں پا سکتی۔ اُسکے سمجھنے پر جانے کیلئے صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ دل لگنے والا اور کان سننے والا ہو۔ اُسے صرف سن لینا ہی اُسے پا لینا ہے، اور اُسے دیکھ لینے سے انکار نہ کرنا، اسکی شیفتگی اور عشق کا اقرار ہے!

علاوہ بریں قرآن نے جابجا اپنے نام گناہے ہیں۔ وہ کہتا ہے میں ”موعظہ“ ہوں، ”ذی الذکر“ ہوں، ”تبیانا لکل شی“ ہوں، ”تذکرہ“ ہوں، ”ہدی رحمہ“ ہوں، اور یہ ظاہر ہے کہ جو بات وعظ ہو، تذکر ہو، نصیحت ہو، ہدایت ہو، روح و دل کے رگوں کی شفا ہو، وہ منطقی شکلوں کا آجھاؤ اور مقدمات در مقدمات طلسموں کا کارخانہ نہیں ہو سکتی!

(۷) ضرورت ہے کہ مختصراً اس معاملہ کی توضیح کے لیے ایک دو مثالیں بھی دیدی جائیں:

متکلمین نے جو طریقہ الہیيات میں اثبات مدعا کا اختیار کیا تھا، اُس میں سب سے زیادہ اُن کا اعتماد حدوث عالم کے اثبات پر تھا۔ یعنی عالم قدیم (مطلحہ فلسفہ) نہیں ہے۔ پیدا شدہ ہے۔ حدوث عالم کے لیے سب سے زیادہ قوی استدلال حرکت اور تغیر کا استدلال سمجھا جاتا تھا۔ بچپن میں ہم نے یہ شکل رچی تھی: ”العالم متغیر“ و کل متغیر حادث۔ فالعالم حادث“ (عالم متغیر ہے، اور ہر چیز جو متغیر ہے، حادث ہے۔ پس عالم حادث ہے) چونکہ متکلمین کے دماغ میں اثبات مدعا کی بھی شکلیں بسی ہوئی تھیں، اسلئے انہوں نے قرآن کے استدلال کو بھی کھینچ تان کر یہی جامہ پہنا دینا چاہا۔ قرآن حکیم نے جس طرح آیت زیر تدبر میں حضرت ابراہیم (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کی ایک ”حجۃ“ کا ذکر کیا ہے، اُسی طرح سورہ انعام میں ایک دوسری ”حجۃ“ کا بھی ذکر کیا ہے: و تلک حجتنا اتیناھا ابراہیم علی قومه، نرفع درجات من نشاء، ان ربک حکیم علیم (۸۳: ۶) یہ ”حجۃ“ کیا تھی؟ یہ ”حجۃ“ وہ تھی جس میں حضرت ابراہیم کے مشاہدہ ”ملکوت السموات والارض“ کے واردات کا ذکر ہے: فلما جن علیہ اللیل، رى کربکا، قال هذا ربی، فلما افل، قال لا احب الافلین! (۷۶: ۶) یعنی حضرت ابراہیم نے ستارہ

چاند، اور سورج دیکھا، اور جب اُن میں سے ہر کرب قُوب گیا، تر فرمایا ”انی لا احب الافلین“ چونکہ اس معاملہ کو قرآن نے ”حجۃ“ کے لفظ سے تعبیر کیا تھا، اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، متکلمین نے ”حجۃ“ مستعملہ قرآن کو وہی حجۃ قرار دے لیا تھا جو اُن کی مصطلحہ منطق ”حجۃ“ تھی، اسلئے انہوں نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے منطقی استدلال کی شکل یہاں

ہے۔ یعنی اس جیسی ہے۔ تاج محل کے مثل کوئی عمارت نہیں۔ یعنی اس جیسی کوئی عمارت نہیں۔ قرآن نے بھی جا بجا مثل کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔

لیکن جب فلسفیانہ مصطلحات رائج ہو گئیں، تو ”تمثیل“ کا استعمال ایک خاص تعریف و حدود کے ساتھ ہونے لگا۔ مثلاً مماثلت کے مفہوم میں منطقی اطلاق پیدا کر کے اُسے مماثلۃ فی الجہر، مماثلۃ فی کیفیۃ، مماثلۃ فی الکمیۃ، مماثلۃ فی القدر و المساحۃ، وغیرہ میں لے گئے، اور اس کے بعد ”مثل“ مستعملہ قرآن سے بھی وہی استدلال کرنے لگے۔ مثلاً ”لیس کمثلہ شی“ میں ”مثل“ کو ”وہی“ ”مثل“ مصطلحہ قرار دیتے ہیں، اور اس پر اپنی تمام فلسفہ آرائیوں کی عمارت استوار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ تمام اجسام متماثل ہیں، اور جسم وہ ہے جو جواہر فرد سے مرکب ہو، یا جسکی طرف اشارہ کیا جاسکے، اور جسکی مقدار ہو، پس جب خدا نے فرمایا ”لیس کمثلہ شی“ تو اس سے اُن تمام جسمی (مصطلحہ فلسفہ) مماثلتوں کی نفی ہو گئی جو جواہر میں یا اعراض میں ہو سکتی ہیں۔ فلو کان جسماً لکان لہ مثل، و اذا لم یکن جسماً، لزم نفی ما زومات الجسم۔ یقیناً خدا نے مثل کوئی شے نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ”لیس کمثلہ شی“ میں قرآن نے عربی کا جو لفظ استعمال کیا ہے، اور اسکا جو مطلب در سر برس تک تمام عرب مخاطبین سمجھتے رہے، وہ کیا تھا؟ کیا وہ یہی مثلیت مصطلحہ فلسفہ تھی؟ حاشا وکلا۔ عربی میں مثل کا لفظ ٹھیک انہی سیدھے سادے معنوں میں بولا جاتا ہے، جن معنوں میں ہم آجکل اردو میں بولا کرتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے ”تاج محل آگرہ کے مثل کوئی عمارت موجود نہیں“ تو اس سے اُسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ مماثلۃ فی الجہر یا مماثلۃ فی الکمیۃ، یا مماثلۃ فی کیفیۃ، یا مماثلۃ فی القدر و المساحۃ، یا مماثلۃ فی اہی معنی اصطلاحی فلسفی کی نفی کر رہا ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایسی خوشنمائی رکھنے والی کوئی دوسری عمارت موجود نہیں۔ قرآن نے بھی ٹھیک ٹھیک اسی سادہ اور لغوی معنی میں ”مثل“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ فلسفیانہ دقیقہ سنجیدگی یہاں کہاں سے آگئیں؟

یا مثلاً، عربی کا ایک لفظ ”خلد“ اور ”خلود“ ہے جسکے معنی لغت اور زبان میں طول عہد کے ہیں، اور اسی نسبت سے وہ ہمیشگی کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے۔ لیکن یہ ہمیشگی ایسی ہی ہوتی ہے جیسے بول چال میں ہم کہتے ہیں ”یہ آدمی ہمیشہ کلکتہ ہی میں رہیگا“ اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ ابد تک رہیگا اور مستقبل میں کوئی وقت ایسا نہیں آئیگا جب وہ کلکتہ میں موجود نہ ہو، بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ یہیں ٹھہرا ہوا ہے اور عرصہ تک یہیں ٹھہریگا۔ قرآن نے بھی جا بجا اسی معنی میں یہ لفظ استعمال کیا ہے، لیکن بعد کو جب فلسفیانہ بحثیں پیدا ہو گئیں، تو ”خلود“ کے معنی ایسی ہمیشگی کے ہو گئے جسکی کوئی نہایت نہ ہو۔

یا مثلاً، عربی میں لفظ ”قدیم“ کے وہی معنی ہیں، جو اردو میں ”پرانے“ کے ہیں ”یہ مکان بہت قدیم ہے“ ”یہ بہت مدت سے ہے۔ لیکن متکلمین نے فلسفیانہ مباحث میں ”قدیم“ و ”حدرت“ کی خاص مصطلحات اختیار کیں، اور اسی ”قدیم“ کی بھی ایک خاص منطقی تعریف بن گئی۔ اب کتاب رسنہ کا مستعملہ ”قدیم“ بھی اسی معنی میں لیا جانے لگا!

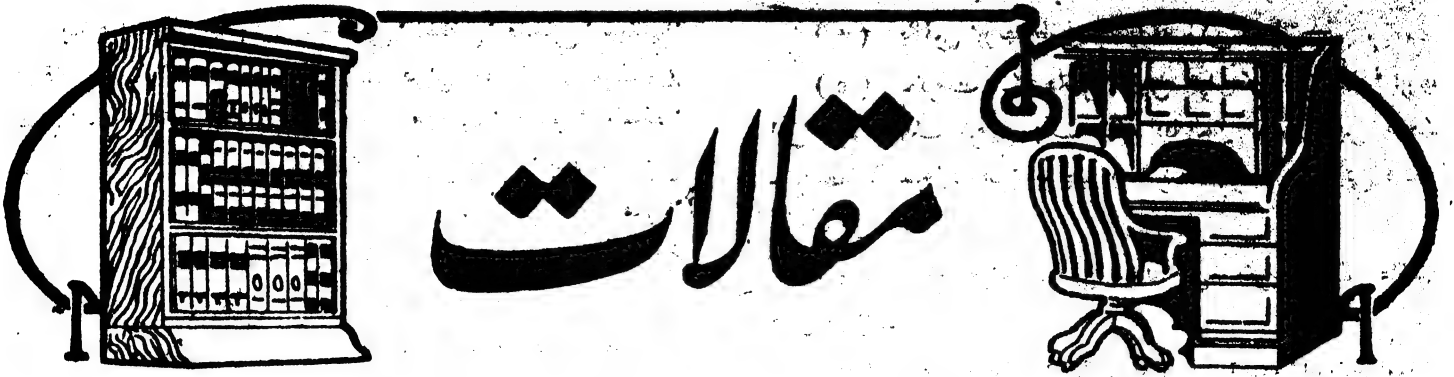
تصرف میں دخل ہے، اور اسلیئے انکی پرستش ضروری ہے۔ پس جب وہ کواکب کو مانع کائنات سمجھتے ہی نہ تھے، تو انکے محدث و مخارق ہونے کے دلائل پر حضرت ابراہیم کیوں زور دیتے؟ اور کیوں قرآن اسے ”تک حجة ایندھا ابراہیم علی قومہ“ سے تعبیر کرتا؟ انکے علم میں تو کوئی ایسی بات آئی تھی، جس سے کواکب کے تدبیر و تصرف عالم میں دخیل ہونے کا بطلان ثابت ہوتا، کیونکہ انکے ہم زمانوں کی اصلی گمراہی یہی تھی۔

یہ محل مزید تشریح و اطناب کا متحمل نہیں، رزہ یہی ایک تفسیر اس حقیقت کی توضیح کیلئے کافی تھی کہ متکلمین کے طریقہ نے قرآن حکیم کے معارف و حقائق پر کیسے تو بر تو پردے ڈال دیے ہیں، اور انکی ذہنیت معارف قرآنہ کی روح سے کس درجہ مختلف بلکہ متضاد ہے۔ فی الحقیقت قرآن حکیم کا یہ مقام من جملہ اہم ترین دلائل قرآنہ ہے، لیکن متکلمین نے ایک دروازہ کار اور تقریباً بے معنی منطقی استدلال کا جامہ پہنا کر اس کی ساری دلوزی اور خوبی غارت کر دی ہے، جو کسی طرح بھی اس پر راست نہیں آتا۔ لطاف یہ ہے کہ یہ استدلال حضرت ابراہیم کی طرف اس جوش و سرگرمی کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے، گویا انکے لیے ابراہیم خلیل کی جگہ امام الحرمین یا امام رازی بن جانا کوئی بڑی ہی فضیلت کی بات ہے!

میں نے یہاں اسطو کی جگہ امام الحرمین اور امام رازی اسلیئے کہا کہ جو بات حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کی گئی ہے، وہ اتنا زان بھی نہیں رکھتی، جسقدر عامہ حکماء کی عقلیات کا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے سچ کہا ہے کہ ”متکلمین نے طریق قرآنی اسلیئے ترک کیا، تاہ فلاسفہ و عقلیین کے ساتھ چل سکیں، مگر افسوس کہ یہ بھی نہ کرسکے۔ انکی خام خالیوں سے تو پھر حکماء کی باتیں غنیمت ہیں“

یا مثلاً، قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کے صفات کا ذکر کرتے ہوئے ”احد“ اور ”واحد“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ”احد“ اور ”واحد“ کے معنی اس زبان میں جسمیں قرآن نازل ہوا ہے، اسکے سوا کچھ نہیں ہیں کہ یہ صفت، تعدد کی نفی کرتی ہے۔ یعنی وہ ایک ہے، اکیلا ہے، اسکا کوئی شریک نہیں۔ کوئی عرب یا عربی داں انسان ”احد“ کا لفظ سنکر اس سے زائد کسی مفہوم کا تخیل ہی نہیں کرسکتا، لیکن متکلمین نے اسکے لیے فلسفیانہ معانی اور التزامات پیدا کر لیے، اور بلا تکلف انہی معانی میں استعمال کرنے لگے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں، خدا نے اپنا رصف احد قرار دیا ہے۔ احد وہ ہے جو مذہب نہ ہو سکے، پس معلوم ہوا کہ وہ جسم نہیں ہے، کیونکہ اجسام نابل انقسام ہیں۔ ہمیں بھی اسکا شوق نہیں کہ خدا کی جسمیت ثابت کی جائے، لیکن یہ قطعی ہے کہ قرآن نے عربی کا لفظ ”احد“ اس مصطلحہ متکلمین مفہوم میں استعمال نہیں کیا ہے، اور نہ اس انقسام و عدم انقسام کی دقیقہ سنجیدوں سے اسے کوئی تعلق ہے۔

یا مثلاً، عربی کا ایک لفظ ”مثل“ ہے۔ ”مثول“ کے اسمی معنی کسی چیز کے نصب ہونے کے تھے۔ مصرر صورت بنا دینا ہے، اس لیے اُسے ”مثول“ کہتے تھے۔ مثل الشی۔ اہی انتصب و قصر۔ سبزو مرم میں ہے ”فمثول لها بشرأ سربا“ یعنی آدمی کی شکل میں نمایاں ہوا۔ پھر اسی نسبت سے اسکا استعمال مشابہت کے معنوں میں بھی ہونے لگا۔ فلان چیز فلان چیز کے مثل



”کمپونیزم“ اور اس کے مقاصد

(کارل مارکس کے مباحث)

(۳)

” لیکن تم کمیونسٹ ‘ سرمایہ دار عورتوں کی عمومیت بھی رواج دے گے “

ایک ہی طرح کے سرمیں تمام سرمایہ دار یہ راگ آلاپ رہے ہیں !

چونکہ سرمایہ دار اپنی بیوی کو بھی پیداوار کا ایک آلہ تصور کرتا ہے ‘ اس لیے جب کبھی سنتا ہے کہ آلات پیداوار عام ملکیت ہو جانے والے ہیں ‘ تو قدرتی طور پر خیال کرتا ہے کہ عورتوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا !

اُسے کبھی یہ خیال نہیں گزرتا کہ کمیونسٹوں کا مقصد تو صرف اس قدر ہے کہ عورت پیداوار کا محض ایک آلہ نہ سمجھی جائے ۔ وہ عورتوں کی موجودہ حیثیت بدل دینی چاہتے ہیں ۔

ہمارے سرمایہ داروں کے اس عیارانہ خوف سے زیادہ گرلی چیز مضحکہ انگیز نہیں جس کی وہ اس باطل دعویٰ میں نمائش کر رہے ہیں ۔ کمیونسٹوں کو عورتوں کے عام بنانے کی کیا ضرورت ہے جب کہ ان کی یہ صورت حال تقریباً ہمیشہ موجود رہی ہے اور آج بھی موجود ہے !

ہمارے سرمایہ دار بزرگ کیا کر رہے ہیں ؟ اپنے مزدوروں کی عورتوں اور لڑکیوں کو اپنے قبضے و تصرف میں رکھنے سے سیر نہ ہو کر نیز باضابطہ عصمت فرشی پر بھی قانع نہ ہو کر ‘ وہ اب آپس میں ایک دوسرے کی بیویوں سے علاقہ تعلقات پیدا کر رہے ہیں ‘ اور یہ تعلقات سرمایہ دار سوسائٹی کی بہترین معاشرتی دلچسپی ہیں !

خود سرمایہ دارانہ شادی بھی درحقیقت عورتوں کی عمومیت ہی ہے ۔ کمیونسٹوں کو زیادہ سے زیادہ الزام یہ دیا جاسکتا ہے کہ وہ عورتوں کی موجودہ رباکارانہ اور خفیہ عمومیت ختم کر دینی چاہتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ پیداوار کے موجودہ نظام کی منسوخی کے ساتھ اُس کا نتیجہ یعنی عورتوں کی عمومیت بھی معدوم ہو جائیگی ‘ اور اُس وقت عام عصمت فرشی کا بازار بھی گرم نہیں ہو سکیگا ۔

کمیونسٹوں پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ وطنی و قومی راج فنا کر دینی چاہتے ہیں ۔

مزدوروں کی نہ تو کوئی قوم ہے نہ وطن ۔ پس جو چیز انہیں ملتی ہے نہیں ‘ وہی ملی بھی نہیں جاسکتی !

مزدوروں کو پہلے سیاسی طاقت حاصل کرنی چاہیے ‘ پھر اپنے تئیں بطور ایک قوم کے قائم کر دینا چاہیے ۔ یہ کام بذات خود ایک قومی کام ہے ‘ اگرچہ سرمایہ دار اُسے کچھ نہ سمجھیں ۔

جوں جوں سرمایہ دار ترقی کرتے جاتے ہیں ‘ آزاد تجارت پھیلتی جاتی ہے ‘ عالمگیر بازار کھلتے جاتے ہیں ‘ صنعتی پیداوار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ‘ قومی اختلافات بھی کم ہوتے جاتے ہیں ‘ اور حالات زندگی میں ہمرنگی و یکسانیت بڑھتی جاتی ہے ۔

مزدوروں کی فتنمندی ان اختلافات کو اور زیادہ کم کر دیتی ‘ کیونکہ ان کی تجارت کے لیے تمام دنیا اور کم سے کم مہذب ممالک کا متحدہ عمل اڑھیں شرط ہے ۔

افراد کے باہمی خود غرضانہ استعمال میں جس قدر کمی ہوتی جاتیگی ‘ اسی قدر قوموں کا باہمی خود غرضانہ استعمال بھی کم ہوتا جائیگا ۔

جوں جوں فرقہ بندیوں معدوم ہوتی جائیگی ‘ قوموں کی باہمی دشمنی بھی مٹتی جائیگی ۔

رہے باقی الزام جو کمیونزم پر مذہبی ‘ فلسفی ‘ اور نظری نقطہ نظر سے لگائے گئے ہیں ‘ تو وہ اس قدر پرچ ہیں کہ کسی سنجیدہ بحث کے محتاج نہیں ۔

کیا اس حقیقت کے سمجھنے کے لیے کسی گہری بصیرت کی ضرورت ہے کہ مادی حالات زندگی اور اجتماعی نظام کی تبدیلی کے ساتھ انسان کے خیالات ‘ نظریے ‘ تصورات ‘ حتیٰ کہ ضمیر و وجدان تک بدل جاتا ہے ؟

خیالات کی تاریخ بجز اس کے اور کیا ثابت کرتی ہے کہ دماغی پیداوار ‘ مادی پیداوار کے ساتھ ہمیشہ بدل جاتی ہے ؟ ہر عہد کے حکمران خیالات ہمیشہ رہی رہے ہیں ‘ جو اس کے حکمران طبقہ کے تھے ۔

جب لوگ اُن خیالات پر بحث کرتے ہیں جو سوسائٹی میں انقلاب پیدا کر دیا کرتے ہیں ‘ تو یہ حقیقت صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ پرانی سوسائٹی کے اندر ہی نئی سوسائٹی کے عناصر کی تکوین پوشیدہ تھی ‘ اور یہ کہ قدیم خیالات کے انحلال کے ساتھ ہی قدیم اجتماعی رشتے بھی پرانے ہو جاتے ہیں ۔

جب قدیم دنیا اپنے زوال کی آخری گھڑیوں سے گزر رہی تھی ‘ تو قدیم مذاہب بھی انہیں رکتے رہے تھے ۔ یہاں تک کہ مسیحیت نے ظاہر ہو کر انہیں نکل لیا ۔ اسی طرح جب اٹھارہویں صدی میں مسیحی خیالات کی جگہ عقلیت نے لی ‘ تو جاگیر دار سوسائٹی نے اُس وقت کے انقلابی سرمایہ داروں سے فیصلہ کن لڑائی لڑی ۔ پھر مذہبی آزادی اور وجدانی آزادی کے خیالات نے عام کی علمداری اور آزاد مقابلہ کا اصول ظاہر کر دیا ۔

(۴) باغیوں اور کارکنوں کے اصلاح کی جگہ

(۵) حکومت کے ہاتھوں میں قوت کی توسیع اور یہ اس طرح کہ ایک قومی ہنگ قائم کیا جائے جس میں صرف حکومت کا سرمایہ ہو اور جسے بلا شرکت غیرہ اجارہ داری کا حق حاصل ہو۔

(۶) ذرائع مواصلات اور برآمد کی حکومت کے ہاتھوں میں مرکزیت۔

(۷) قومی کارخانوں اور آلات پیداوار کی توسیع اور بنجر زمینوں کی ایک عام اجتماعی خاکہ کے مطابق اصلاح۔

(۸) سب کو معاش کیلئے مجبور کرنا اور صنعتی فوجوں کی تنظیم، خصوصاً زراعت کیلئے۔

(۹) زرعی اور صنعتی معاش کی آمیزش، تاکہ شہر اور دیہات کی باہمی تفریق مٹ جائے۔

(۱۰) تمام بچوں کیلئے عام مفت تعلیم۔

جب دوران ترقی میں جماعتی امتیازات معدوم ہو جائیں گے اور تمام پیداوار قوم کی بڑی اکثریت کے ہاتھوں میں سمٹ آئیگی تو عام اجتماعی طاقت اپنی سیاسی حیثیت کو دیگی۔ سیاسی طاقت درحقیقت ایک منظم طاقت ہے تاکہ دوسری جماعتوں پر مسلسل ظلم کیا جاسکے۔

اگر مزدور انقلاب کے ذریعہ برسر اقتدار آجائیں اور طاقت کے زلے سے پرانے حالات پیداوار پر بند کر ڈالیں تو ان حالات کے ساتھ قدرتی طور پر وہ موجودہ جماعتی نزاعات اور خود جماعتوں کو بھی بریاد کر ڈالیں گے، بلکہ ساتھ ساتھ خود اپنی جماعتی حکمرانی کی حیثیت بھی مٹا دیں گے۔

الہلال کو

اشاعت کی کمی کی شکایت نہ ہوتی، اگر مصارف

کی زیادتی پیش نہ آتی۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں الہلال کی

یہی قیمت تھی۔ یعنی بارہ روپیہ سالانہ، مگر تمام طباعتی

اشیاء کی قیمت موجودہ قیمتوں سے آدھی تھی۔ اس

وقت اگرچہ الہلال کا حلقہ اشاعت اردو کے تمام رسائل سے

زیادہ ہے، لیکن مصارف کی زیادتی کی وجہ سے اب تک

آمدنی اور خرچ برابر نہیں ہو سکے ہیں۔ کیا آپ اس معاملہ

پر ترجیح ضروری نہیں سمجھتے؟ اگر ضروری سمجھتے ہیں

تو توسیع اشاعت کے لئے کوشش کیجیے۔

(ملیجر الہلال)

بلاشبہ اعتراض کیا جائیگا کہ مذہبی، اخلاقی، فلسفی، سیاسی اور قانونی خیالات تاریخی ترقی کے دوران میں تبدیل ہوتے رہے ہیں، مگر ان تبدیلیوں کے باوجود بھی مذہب، اخلاق، فلسفہ، سیاست، اور قانون کی حقیقت کبھی نہیں بدلی، بلکہ یہ چیزیں بدستور باقی رہیں۔ مزید برآں کچھ اٹل سچائیل بھی ہیں جو تمام اجتماعی نظاموں میں ہمیشہ قائم رہی ہیں اور ان میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ لیکن کمپوزم یہ تمام سچائیل نئی بنیاد پر قائم کرنے کی جگہ انہیں سرے سے مٹا دینا چاہتا ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو تمام تاریخی ترقیوں کے بالکل مخالف ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ تمام پچھلی سوسائٹیوں کی تاریخ جماعتی نزاع کی تاریخ ہے جس نے مختلف زمانوں میں مختلف شکلیں اختیار کیں۔ جماعتی نزاع نے کوئی شکل بھی اختیار کی ہو، لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں سوسائٹی کا ایک حصہ دوسرے حصوں کو خود غرضانہ استعمال میں لاتا رہا ہے۔ لہذا کچھ عجب نہیں، اگر ان تمام زمانوں کا اجتماعی ضمیر ہمیشہ تقریباً ایک ہی قسم کے خیالات کا پابند رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس اجتماعی ضمیر کی تبدیلی اسی وقت ممکن ہے جب جماعتی نزاع کا پورے طور پر خاتمہ کر دیا جائے۔

کمپوزم کیا ہے؟ ملکیت کا انقلاب اور اس کے روایتی رشتوں کا ایک براہ راست طبعی انفجار! لہذا کچھ عجیب نہیں، اگر وہ اپنے دوران ترقی میں تمام روایتی نظریوں سے آزادانہ قطع تعلق کرے اور ایک نیا نظام قائم کر دے!

لیکن ہمیں سرمایہ داروں کے اعتراضات کی پورا نہیں کرنی چاہئے۔ اپنے کام میں بدستور منہمک رہنا چاہئے۔

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ مزدوری پیشہ طبقہ کے انقلاب کا پہلا قدم یہ ہے کہ وہ حکمران طبقہ کی حیثیت حاصل کرے۔ یعنی حقیقی جمہوریت کو کامل فتح حاصل ہو جائے۔

مزدور، سرمایہ داروں سے تمام سرمایہ بتدریج چھین لینے اور پیداوار کے تمام آلات حکومت کے ہاتھوں میں جمع کر دینے کیلئے اپنی سیاسی طاقت استعمال کریں گے، یعنی پیداوار کے تمام ذرائع وہ خود اپنے ہاتھوں میں لے لیں گے۔ کیونکہ وہی حکمران طبقہ ہونگے اور کوشش کریں گے کہ جلد سے جلد بار آور طاقتوں کی مجموعی مقدار بڑھا دیں۔

یہ مقصد ظاہر ہے کہ پورا نہیں ہو سکتا، جب تک کہ حقوق ملکیت اور سرمایہ دارانہ حالات پیداوار پر علانیہ سخت حملے نہ کیے جائیں۔ یہ حملے ان ذرائع سے کیے جائیں گے جو ابھی اقتصادی حیثیت سے ناقابل حصول معلوم ہوتے ہیں، مگر بتدریج بڑھیں گے اور ضروری ہو جائیں گے۔ اس سے مقصد رہی ذرائع ہیں جو پیداوار کے تمام طریقوں میں انقلاب پیدا کر دیں۔

یہ ذرائع مختلف ممالک میں قدرتی طور پر مختلف ہونگے۔ تاہم ترقی یافتہ ممالک میں حسب ذیل ذرائع سے بہتر کام لیا جاسکتا ہے:

(۱) زمین کی ملکیت کی منسوخی اور زمین کے لگان پر حکومت کا قبضہ۔

(۲) بھاری اور برابر بڑھنے والا انکم ٹیکس۔

(۳) سرمایہ دارانہ وراثت کی منسوخی۔

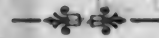


بریدنگ



مصری خواتین کا نقاب جو اب رخصت ہو رہا ہے !

مصر اور ترکی کی نسوانی تحریکات



پیرس کے مصر رسالہ نے ایک سلسلہ مقالات بلاد اسلامیہ کی جدید نسوانی تحریکات پر شائع کرنا شروع کیا ہے۔ مقالہ نگار حال میں قسطنطنیہ اور قاہرہ کے سفر سے واپس آیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :

”سنہ ۱۹۲۷ کی جرمنی لہر قاہرہ اور قسطنطنیہ کی عورتوں کے دماغوں میں درڑ رہی ہے، آئے میں لفظوں میں منتقل کر دینا چاہتا ہوں“

مقالہ نگار کے تاثرات کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

(۱) ترک اور مصری عورتوں میں نئے خیالات کی نشو و نما اگرچہ گذشتہ صدی کے اواخر سے شروع ہو گئی تھی، مگر وہ ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھ سکی۔ سنہ ۱۹۰۰ تک قسطنطنیہ اور قاہرہ میں نئی قسم کی خواتین کا مطالب صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ فرانسیسی زبان سے واقف ہیں، مغربی روش کا لباس مشرقی اصلاحات کے ساتھ پسند کرتی ہیں، اور ان میں اہل قلم عورتوں کی بھی ایک محدود تعداد پیدا ہو گئی ہے۔

(۲) لیکن موجودہ صدی کے اوائل سے صورت حال میں نئی نئی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان تبدیلیوں میں سب سے زیادہ اہم تبدیلیاں دو تھیں۔ ترک اور مصری خواتین کا یورپ میں آزادانہ سفر و قیام۔ اور

ترک نقاب۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۵ سے لیکر سنہ ۱۹۰۸ تک ترکی اور مصر کی پچاس سے زیادہ خواتین یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں دیکھی گئیں۔ ان میں بڑی تعداد ان کم عمر خواتین کی تھی جو تعلیم کی غرض سے یورپ آگئی تھیں۔ ان متعلمات میں مصر کے خاندان خدیوی کی بھی بعض خواتین تھیں۔



جدید مصری خاتون
بیگم زغرل اپنے معمولی لباس میں



(۳) سنہ ۱۹۰۸ء میں جب ترکی میں انقلاب دستوری ہوا، تو حالات نے یکایک ایک دوسری ہی صورت اختیار کر لی، اور ترکی کے خواتین کی معاشرتی زندگی میں انقلاب عظیم ہو گیا۔ اس وقت تک دار الخلافہ میں خال خال مسلمان عورتوں کے کلب تھے، اور جتنے بھی تھے، زیادہ تر امریکن مشنری جماعتوں کے قائم کیے ہوئے تھے۔ لیکن اب یکایک زنانہ کلبوں کی تعداد میں عظیم اضافہ ہو گیا۔ سب سے پہلے انجمن اتحاد و ترقی نے زنانہ کلب قائم کیے۔ پھر عام تحریک شروع ہو گئی، اور ایسے ایسے عظیم الشان کلب قائم ہو گئے، جن کے ارکان کی تعداد سیکڑوں سے بھی متجاوز تھی۔ اسی وقت سے ترک خواتین نے ملک کی سیاسی و معاشرتی تحریکات میں بھی علانیہ حصہ لینا شروع کر دیا۔ ایک کثیر تعداد مقرر اور اداہیں کی بھی پیدا ہو گئی جن میں ایک کافی تعداد ترکی زبان کے اچھے خطیبوں اور اہل قلم کی تھی۔ چہرہ کا نقاب بھی تمام تعلیم یافتہ خواتین نے تقریباً ترک کر دیا۔ البتہ باہر نکلنے کے لیے ایک خاص طرح کا جسم پوش لباس پہن لیا جاتا تھا جس سے نہ صرف تمام جسم اور لباس کی آرائش چھپ جاتی تھی، بلکہ سر کے بال بھی پوشیدہ رہتے تھے۔ صرف نصف پیشانی سے لیکر تھڈی تک چہرہ کھلا رہتا تھا۔

پایگا - اب مشرق کی ساری چیزوں کی طرح مشرق کی عورت بھی تقریباً نابود ہو گئی ہے۔ وہ وقت دور نہیں ہے جب اس کا سراغ ڈھونڈنے کیلئے مورخین کو کتابوں کے سیکڑوں اوراق اُلٹے پڑھنے - اب انگورہ، قسطنطنیہ، اور قاہرہ ہی میں نہیں، بلکہ بغداد اور شام میں بھی "مشرقی عورت" بغیر ڈھونڈنے نہیں مل سکتی۔ گذشتہ سال میں نے بیروت میں بہت کوشش کی کہ کسی ایسے امیر گھرانے کا سراغ لگاؤں جہاں مجمع کامل مشرقی زندگی نظر آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک



سنہ ۱۹۲۱ میں قسطنطنیہ کی مسلمان عورتوں کا مظاہرہ

سب سے زیادہ اہم تبدیلی یہ ہوئی کہ مسلمان خواتین نے سرکاری دفاتر میں کام کرنا شروع کر دیا جس کی کوئی سابق مثال موجود نہ تھی۔ ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کے اکثر مراکز میں عورتیں ہی عورتیں نظر آنے لگیں۔ دفاتر میں تالیفیت عورتیں بھی پیدا ہو گئیں۔ اس صورت حال نے مشرقی ممالک میں بھی اس اسلوب حیات سے عورت کو آشنا کر دیا، جو اس وقت تک صرف یورپ اور امریکہ ہی کی مضطرب آبادیوں میں محدود تھا۔

(۴) ترکی کی اس تبدیلی نے قاہرہ پر بھی اثر ڈالا جہاں مغربیت کہیں زیادہ قوت و وسعت کے ساتھ نشو و نما پا رہی تھی۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں جب قاسم امین بک نے مسلمان عورتوں کی معاشرتی زندگی میں اصلاح کی ضرورت محسوس کی تھی، اور پردہ کے خلاف اپنی مشہور کتابیں شائع کی تھیں، تو اس وقت مصر کے اندر بمشکل پچیس مسلمان عورتیں ایسی نکل سکتی تھیں جو بغیر نقاب کے گھر سے باہر نکلنا گوارہ کرتیں، لیکن اب ایک بڑی تعداد ایسی عورتوں کی پیدا ہو گئی، جو بغیر کسی جھجھک کے کھلے منہ باہر نکلنے لگی تھیں، اور انہوں نے پوری طرح مغربی لباس اختیار کر لیا تھا۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں جب میں قاہرہ گیا تھا، تو مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا تھا کہ نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی عورتیں تمام قدیم رسوم و عوائد ترک کر چکی ہیں، اور بجز خال خال گھرانوں کے قدیم مصری زندگی کا نظارہ کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ بعض گھرانوں کی خواتین سڑکوں پر بالکل کھلے ڈالے نکلنے سے پرہیز کرتی تھیں، لیکن اپنے گھر میں انہیں اس سے انکار نہ تھا کہ ایک یورپین خاتون کی طرح مہمانوں کی پذیرائی کریں، اور ان کی صحبتوں میں اپنے شوہروں اور عزیزوں کے ساتھ شریک ہوں۔

(۵) جنگ کے بعد دنیا میں جو تعجب انگیز تغیرات ہوئے ہیں، شاید ان میں کوئی چیز بھی اس درجہ مؤثر اور قابل غور نہیں ہے، جس قدر مشرقی عورت کی کامل مغربیت ہے۔ اب ہمیں وہ تمام پر اسرار اور قصہ نما تذکرے بھلا دینے چاہئیں، جو کسی زمانے میں مشرقی عورتوں اور مشرقی حرمسراؤں کی داستانوں میں ہماری تعجب آمیز دلچسپی کا ذریعہ ہوا کرتے تھے، اور ہر مغربی سیاح جو مشرق کا قصد کرتا تھا، سمجھتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو الف لیلہ کی شاہراہوں میں سرگرداں

درست نے رہنمائی کی، اور میں ایک گھرانے میں مدعو کیا گیا۔ یہ گھرانہ بیروت کے ایک قدیم امیر خاندان کا گھرانہ تھا۔ اس کے ارکان مغربیت کے دلدادوں میں "قدامت پرستی" کیلئے بدنام ہیں۔ یہ مخالفانہ شہرت سنکر مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ میں نے خیال کیا تھا کہ بیسویں صدی میں کم از کم ایک مرتبہ "الف لیلہ" کے عالم میں واپس جاسکونگا۔ لیکن آپ میری مایوسی کا اندازہ کر سکتے ہیں، جو اس وقت مجھے ہر طاری ہوئی، جب میں نے اس "قدامت پرست" گھرانے میں اپنے آپکو ایک کامل قحط کے فرانسیسی ایوان ملاقات کے صوفے پر پایا، اور صاحب مکان نے یہ کہہ کر اپنی دوازدہ سالہ لڑکی کی تقریب کی کہ "یہ میڈمزیل..... ہیں!"

یہ بیروت کا قدامت پرست گھرانہ ہے! بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ اس گھرانے کی ساری قدامت پرستی اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اس کی مسن عورتیں مغربی لباس نہیں پہنتیں، اگرچہ اپنی لڑکیوں کے لیے اسی کو پسند کرتی ہیں!

مقالہ نگار نے آخر میں افسوس کیا ہے کہ مشرق نے مغرب کی تقلید کے شوق میں اسکی بالکل پروا نہ کی کہ مغربی معاشرت کی بے اعتدالیوں سے اپنی نگہداشت کرے۔ وہ کہتا ہے "بلاشبہ مشرقی عورت کو مغرب سے بہت کچھ حاصل کرنا تھا، لیکن ساتھ ہی اپنی قدیم زندگی کی بہت سی قیمتی چیزیں محفوظ بھی رکھتی تھیں جن کے فقدان پر آج مغرب افسوس کر رہا ہے"



قسطنطنیہ میں خواتین کے ایک خیراتی بازار کا افتتاح

۱۸۵۷ء سے ۱۸۵۸ء تک کا زمانہ انجمنستان کی پارچہ بانی کا سنہ زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ مین اسوقت جبکہ انگریزی کپڑے کی برآمدگی جہاں دکن کی طلسمی تیز رفتاری اور سیکانیکی ایجادات کی بحر المعول تاثیر کے ماتحت روز افزاں ترقی کر رہی تھی، ہندوستانی کپڑے پر ۵۰ فیصدی خجکی لگا دی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈھاکہ کاغیس کپڑا اس زبردست خجکی کی وجہ سے انجمنستان جانا موافق ہو گیا اور بالآخر یہ کپڑا بازار سے مفقود ہو گیا۔ (پروفیسر قمر)

تیلخ و عبر

ہندوستان

انگریزی حکومت پہلے اور انگریزی حکومت بعد

خود انگریز مدبروں اور مصنفوں کی نظر میں

اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مدبروں کی شہادت

(۲)

۱۸۵۷ء تک ہندوستان کا سوتی اور ریشمی کپڑا انجمنستان کے بازاروں میں معقول نفع کے ساتھ خود انگریزی کپڑے سے ۵۰ تا ۶۰ فیصدی کم قیمت پر بچتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی کپڑے کو بچانے کے لئے ہندوستانی کپڑے پر ۵۰ اور ۸۰ فیصدی خجکی لگا دی گئی۔ اگر یہ ظالمانہ خجکی نہ لگائی جاتی اور مالیت کے قانون نافذ نہ کئے جاتے، تو ”پسلی“ اور ”چمڑے“ کے تمام کارخانے شروع ہی میں بند ہو جاتے اور باوجود دشمنوں کی قوت سے مسلح ہونے کے ہرگز نہ چل سکتے۔ درحقیقت یہ کارخانے، ہندوستانی کپڑے کی لاش پر کھڑے کئے گئے ہیں۔ اگر ہندوستان خود مختار ہوتا تو وہ اس اپنی کار ترقی بہ ترکی جواب دیتا۔ وہ بھی انگریزی مصنوعات پر بھاری خجکی لگا دیتا اور اس طرح اپنی تجارت کو نفا ہونے سے بچا لیتا۔ مفت کالین ہندوستان کو نہیں دیا گیا۔ وہ بے رحم بدیشوں کے رحم پر تھا۔ انگریزی مصنوعات پر خجکی ادا کئے جبراً اس ملک میں ان کی گئیں۔ بدیشی تاجروں نے غیر منصفانہ سیاسی تحبے استعمال کئے اپنے اس حریف کا گلا گھونٹ ڈالا جس سے وہ کسی طرح بھی مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (ہسٹری آف انڈیا اڈیل)

۱۸۵۷ء میں مہاراجا سوامی ایک شخص نے صرف ۵ گھنٹے کے اندر ڈھاکہ میں ۲۱۰۰۰ تھان مل کے خریدے۔ (ڈاکٹر یوہ)

اسوقت انجمنستان میں ایک شخص موجود ہے جس نے نواب کے زمانہ میں ایک صبح اپنے ہی مکان پر ۸۰۰۰ تھان مل کے خریدے تو متعجب خود کار بگر لائے تھے۔ پہلے ایٹم انڈین کمپنی کے گمشدوں کا ظلم جو رہے روک ٹوک تھا۔ لیکن سرارج الدولہ کے مدد سے شروع ہوا۔ خود مذکورہ بالا شخص کا مینی مشاہدہ ہو کہ جھگل باڑی کے کتا سو ڈوبانوں نے اپنا پیشہ اور گھر بار محض اپنی ظلموں کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا حالانکہ اسوقت یہ ظلم صرف شروع ہوا تھا۔ (بوٹھ کے خیالات صفحہ ۹۵-۱۹۱)

فدا جان جب کسی کے سخت ادب جاہلہ معاہدے منظور کرنے سے انکار کر دیتے تھے تو کچھ کے ایٹم انڈین کا سامان نیکام کر کے قرض کر لیتے۔ مہینہ نیم کاتے مالوں پر بھی ہی ظلم کیا جاتا تھا۔ ایسی کچھ شائیں موجود ہیں کہ لوگوں کے انجمن کو محض اس لئے کاٹ دیے گئے کہ وہ مین تانگا بننا سیکھیں! (ولیم بولٹس)

جب کسی کا گلا شہر کسی صنعتی شہر میں تنجا تو اپنے لئے آج بگڑ کر گھر ختم کر لیتا گلا شہر کا گھر کچری، کھلا تھا۔ یہاں وہ اپنے ہر کارڈن کے ذریعہ سے بیکاروں اور دلاؤں کو نوکریوں کے فتح کرنے کا حکم دیتا۔ پھر انھیں کچھ پیٹنی دیکر مہذبہ پر دستخط کرانا چاہی۔ مگر انھیں جن دت میں خاصیت پر مال مہیا کرنا پڑا۔ جلدیہ پروتھا کے لئے غریب بیکار کی رمانندی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی

افریقہ سے لیکر شنگائی تک، ہر بند گاہ میں ہندوستان کا تاج ہر طرح کا کپڑا تجارت دستیاب ہوتا تھا۔ (دار کو پوچھو مسئلہ)

۱۸۵۷ء کے بنام قانون کی رو سے انجمنستان میں ۲۹ ستمبر تک سے چین، ایران، ہندوستان کے ہر قسم کے کپڑوں کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا۔ اور اعلان کر دیا گیا کہ اس تاریخ سے جتنا بھی کپڑا اچھا وہ یا تو ضبط کر لیا جائے گا، یا واپس کر دیا جائے گا۔ (سر جارج ڈیوڈ)

”سیسی“ انجمنستان میں یہ سخت جرم تھا کہ کوئی عورت ہندوستانی چھٹ استعمال کرے۔ ۱۸۵۷ء میں گلڈال میں ایک انگریز خاتون کو دو ہزار پونڈ جرمانہ اس لئے ادا کرنا پڑا کہ اس کا دواں ہندوستانی کپڑے کا تھا۔ (پروفیسر لیگی)

سترہویں صدی کے آخر میں انیس اور عہد ہندوستانی چھٹ اڈیل بہت بڑی مقدار میں انجمنستان بھیجی گئی اور وہاں اس قدر مقبول ہوئی کہ مقامی ادنیٰ ریشمی کپڑے کی تجارت سخت خطرہ میں پڑ گئی۔ چنانچہ اس کی روک تھام کے لئے مسئلہ اور مسئلہ علم میں پارلیمنٹ نے ایسے قانون پاس کیے جن کی رو سے انجمنستان میں ہندوستانی کپڑے کا استعمال قلعاً ممنوع قرار پایا۔ (پروفیسر لیگی)

انیس کپڑا بننے، رنگوں کے بلانے، دھات پر نقش و نگار بنانے جواہرات گڑھنے، عطر کے طیارہ کرنے، اور جڑی قہر کی ترقی و ترقی معقول میں ہندوستانیوں کا کمال تعلیم نمانہ سے شواہد آفاق ہے۔ (پروفیسر ویبرا)

ہندوستان کی صنعت پارچہ بانی ہندوستان میں پارچہ بانی کو ہر زمانہ میں بے نظیر کمال اور ناقابل تہو ہنرمندی کے ساتھ برقرار رکھا ہے۔ ان کے بعض کپڑے تو ایسی تیر انجمن لغات سے طیار ہوتے ہیں کہ پرستان کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کمال دراصل، ہندوستانیوں کے بہترین ذوق، لغات پسندی اور سلیقہ کا نتیجہ ہے۔ (برنس مسئلہ میں)

ہندوستان کے جھگی و ختوں میں بھلوں کی جگہ دن (سن) پیدا ہوتی ہے جو اپنی لغات اور خوبصورتی میں بھڑکے دن کو بھی مات کرتی ہو۔ ہندوستانی اس سے دن کے کپڑے بناتے ہیں۔ (ہیر وڈوٹس مسئلہ قبل سچ)

اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ ہندوستان اور بابل کے انجمنستان بل سچ میں تجارتی تعلقات قائم تھے۔ مسئلہ قبل سچ کی معرکہ یو کی ہوئی لائیں انیس ہندوستانی ستر میں لپی ہوئی دستیاب ہوئی ہیں۔ روم میں ہندوستانی پارچہ جات کی بہت بڑی کیت تھی۔ یہ واقعہ اس طرح محقق ہوتا ہے کہ ”ایڈر پلیٹی“ نے شکایت کی ہے کہ روم کی بہت بڑی روم ہرسال ہندوستانی کپڑے پر خرچ ہوتی ہو ڈھاکہ کی مل یونان بھیجی تھا۔ کے نام سے مشہور تھی۔ (پروفیسر لیگی)

ہم جانتے ہیں کہ یہودیوں نے اپنی قومیت کے ابتدائی برسوں (دینی قبل سچ ۳۰۰ سال) میں ہندوستان کا کپڑا استعمال کیا ہے۔ (یکہر صفحہ ۲۰۶)

فینی سچ سے ۲۰۰ سال پہلے مصر اور عرب کی در آمد کے تذکروں میں بچل کی مل کا ذکر کرتا ہے۔ (جیمس ٹیل)

برید شرق

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا تاریخی خطبہ

بعد از جنگ حوادث و اعمال کی مستند و دوا

(التمال کے مقالہ نگار تقیم مسطفیٰ کے قلم سے)

اس حالت پر میں موت کو ترجیح دیتا تھا۔ میں نے فوراً یونان سے بل کی طیارہ میں شرف کر دی۔ جون اور جولائی (مطلوبہ) کے مہینوں میں اسیا اور ارض روم کے شہروں میں میں نے کانفرنسیں منعقد کیں۔ لیکن میری سگر میاں دیکھ کر استنبول کے حکام سخت برہم ہو گئے۔ علی کمالی ایک وزیر داخلہ نے مجھے طلب کر کے کہا کہ باب عالی میری تجویز کا مخالف ہے۔

۳ جولائی کو میں نے اپنے دوستوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور سات لفظوں میں ان تمام خطروں سے آگاہ کر دیا جو میرے ساتھ قومی تحریک میں شرکت سے انہیں پیش آنے والے تھے۔ لیکن انہوں نے نہایت بہادری سے سرگرم عمل رہنے پر اصرار کیا اور اعلان درفاق کے متین کھائیں۔

تب میں اپنے قومی منصب سے مستعفی ہو گیا تاکہ آزادی سے جدوجہد جاری رکھ سکوں۔ لیکن ارض روم میں میرے دوستوں میں باہم ناچاقی پیدا ہو گئی۔ میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ تاریخ ثابت کر چکی ہے کہ کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ایک قابل مستقل مزاج، ادبیت و رواداری کی اطاعت نہ کی جائے۔ ایسے ناک وقت میں اختلاف سے ہرگز کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

قومی حرکت کا دوسرا قدم

قومی تحریک نے دوسرا قدم، سیاست کا سفر سے اٹھایا۔ اس کانفرنس میں تمام ترکی ملاؤں کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ یہیں صاف طور پر یہ بات طے پا گئی کہ اتحاد دلوں، خصوصاً یونان کی مقاومت کی بجائے اور ہر ممکن تدبیر سے ترکی سرزمین، اجنبی فوجوں سے پاک کی جائے۔

اُس موقع پر ایک فرانسیسی افسر نے سیواس میں اگر کمالی فرانس عنقریب اس قومی تحریک کا سرچل ڈالے گا! میں نے اُسے جواب دیا ”سیواس پر ہم ہرگز قبضہ نہیں کر سکتے۔ فرانس یا کوئی اور طاقت اگر ہماری تحریک چلنا چاہتی ہو تو اُسے ایک طویل ہولناک جنگ کے لئے تیار ہونا چاہئے۔“

اسی کانفرنس میں یہ مسئلہ پیش ہوا تھا کہ امریکہ کی حمایت میں ترکی کو چلایا جانا چاہئے۔ کپتان رودف بک، جنرل رائٹ پاشا، خالدہ ادب ہانم (زوجہ عدنان بک) اس تجویز کے سرگرم حامی تھے مگر میں نے ارکان مجلس سے درخواست کی کہ نہرست یہ مسئلہ ملوثی کر دیا جائے۔ میری درخواست منظور کر لی گئی۔

کمال ایک ہفتہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا جمہوری مؤقر میں اپنا تاریخی خطبہ سناتے ہوئے خطبہ بیت ہی طویل ہو۔ تلخیص کے سہارا سے۔
مسئلہ میں التوا و جنگ
موصوف نے بیان کیا:

۱۹ مئی ۱۹۱۹ء میں وہ بحر اسود کے ساحل سمسون پہنچے۔ یہ وہ وقت تھا جب ترکی کی داخلی حالت از حد بتر ہو چکی تھی۔ سلطان وحید الدین اور اُن کے وزیر اعظم داماد فرید پاشا، ملک کو اُس عہد کے بعد نکالنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے جس میں وہ التوا و جنگ کے بعد گر پڑا تھا۔ اتحادی سلطنتیں، معاہدہ التوا کی کسی شرط کی بھی پابندی نہ تھیں۔ برطانی، فرانسیسی، اٹالیا فوجیں، ترکی کی بہت سی شہریوں پر قابض ہو گئی تھیں۔ پھر اپنی اتحادیوں کے اشارے سے ۵ مئی ۱۹۱۹ء میں یونانی فوجیں ترمنا پر قابض ہو گئی تھیں۔ اسی قدر نہیں، بلکہ ترکی سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ تھیں سے دست بردار ہو جائے تاکہ وہاں جمہوری حکومت قائم کر دی جائے۔ کردستان کو خود مختاری دیدے۔ ملاؤں کو آزادی دے اور اُس میں بھی ایک خود مختار حکومت بن جائے، جس کا پایہ تخت، طرابزون ہو۔

انجمن مجاہدانہ

استانبول، تمام سازشوں کا مرکز تھا۔ ”انجمن مجاہدانہ“ کے زیادہ خطرناک سازشی مرکز تھا۔ یہ انجمن خود سلطان کی سرپرستی میں تھی۔ وزیر اعظم اور دوسرے ارکان سلطنت، اُس کے ممبر تھے۔ اس انجمن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ترکی قومی تحریک کو کچل ڈالے۔ فوج کی انتہی، آخری حد سے بھی تہمت لگائی گئی، لیکن وہ بہتو سلطان سے وفادار تھے۔ ملک میں یہ تحریک بھی پھیل رہی تھی کہ ترکی اب خود کچھ نہیں کر سکتا، لہذا کسی بڑی سلطنت سے امداد حاصل کرنا چاہئے۔ اس غرض کے لئے تین درجے لوگوں کے پیش نظر تھے: ”انگلستان کی سرپرستی قبول کر لی جائے۔ یا امریکہ کی حمایت منظور کر لی جائے۔ یا خود اندرون ملک میں متحد حکومتیں قائم کر دی جائیں“

غازی کی ابتدائی مساعی

اس کے بعد غازی نے اپنی ذاتی کوششوں کی طرف اشارہ کیا، ”میرے دشمنوں نے مجھے آزادانہ سے نکلوانے کی کوشش کی تھی میرے ماتحت پہلے تین فوجیں تھیں۔ نینر انگورہ اور دیار بک کی فوجیں پر بھی مجھے نگرانی کا حق حاصل تھا۔ میں یہ کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ وطن مقدس کسی اجنبی حکومت کی غلامی میں پڑے۔“

(ب) ہندوستانی ہمارے بڑے آدمیوں پر ہماری ہی طرح فوکر کرنے لگیں گے۔

(ج) ہماری ہی طرح تعلیم حاصل کرنے، ہماری ہی طرح ایک خاص سے دلچسپی لینے، ہماری ہی طرح ایک خاص نتیجہ کے لئے کوشاں ہونے سے، وہ ہندوستانی ہونے کے بجائے انگیزہ ہو جائیں گے۔ ٹھیک کشی طرح، جس طرح وہ میوں کی ماتحت قومیں روم ہو گئی تھیں!

(د) اس طرح وہ قدیم ہندوستانی بنیادوں پر آزادی حاصل کرنے کی خواہش سے دست بردار ہو جائیں گے۔ اس کے بعد کوئی قومی تبدیلی ناممکن ہوگی۔ ہمارا مقصد مدت دراز تک بے خطر قرار دے سکے گا (د) تعلیم یافتہ طبقہ یہ سمجھ کر کہ اُس کے ملک کی بھلائی ہماری ہی سرپرستی میں ہو سکتی ہو، قدرتی طور پر ہم سے وابستہ رہے گا۔
(سرکاری مراسلہ ۱۹۱۹ء)

زمین کی فتح کے بعد ہندوستان کا داغ بھی فتح کر لیا گیا۔
(دہلی)

داغ ہی سلطنتیں برباد کرتے اور قائم کرتے ہیں، داغ بے قبضہ نہ کرے۔
(لواسٹ ڈومینین)

بغیر داغی انقلاب کے سیاسی انقلاب ناممکن ہو۔ پوری ایک فوج کی لیڈر آسانی رو کی جاسکتی ہو، لیکن باقی حلقہ کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔
(میرس)

کوئی بھی ہندوستانی ذہانت اور ذریعہ پرشہنش کر سکتا۔ مگر ہرگز ہو کہ مغربی طریقہ تعلیم نے اُسے کس طرح اپنا شکار کر لیا ہو اور ہندوستان کی روایتی ذہانت کی مشتعل قوت بالکل افسردہ ہو کر رہ گئی ہو!
(د)

ہم نے بنگالیوں کو جو تعلیم دی ہو وہ صنعت و حرفت کی طرف متوجہ کرنے کے بجائے صرف ادبیت سکھائی ہو۔
(سرای، اسی، بولک)

جہاں باشندے خوشحال ہوتے ہیں، وہاں تعلیمی رتی خطرناک نہیں ہوتی۔ مگر جہاں افلاس اور تعلیم کا ساتھ نہ ملے، وہاں آگ لگا دیتی ہو۔ یہ ایک سچی حقیقت ہے، لیکن کتنی آدمی ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ حقیقت ہندوستان میں کتنی سچی ہو! (ڈبلو۔ ایس۔ بلنٹ)

شرعیہ میں گورنمنٹ کا تعلیمی دستور اعلیٰ یہ تھا کہ ملک کے انتظام کے لئے آدمی فراہم کئے جائیں۔ نیز تعلیم کے بجائے صرف ادبی تعلیم کی بہت افزائی کی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں ادبی تعلیم یافتوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی، اور تعلیم تقریباً مفقود رہی۔ (سید رشید)

التمال کے ابتدائی نمبر

التمال سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر ۵ تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دو گنی قیمت پر خریدنے کے لئے تیار ہیں۔ دفتر کو اطلاع دیجائے۔ پیچھے

حکومت آستانہ اور سید بن کافرنس

حکومت آستانہ، سیواس کا نفرنس دیکھ کر گھبرا گئی اور قومی تحریک کا گلا گھونٹ دینے پر کمر بستہ ہو گئی۔ اس مقصد کے لئے اسے صوبہ معمورہ الفیز کے حاکم علی غالب کو تعین کیا۔ اسے حکم دیا کہ شرعی صوبوں کے تمام کردوں کو قومی تحریک کے خلاف کھڑا کر دے۔ نیز ایک اجنبی افسر کی مدد کے لئے مقرر کیا۔

علی غالب ایک کوفتین تھا کہ وہ سیواس تک پہنچ سکتا ہو اور حکومت پر قابض ہو کر قومی تحریک کا خاتمہ کر دے سکتا ہو۔ لیکن ہم قومی کارکن پوسے طور پر بیدار تھے۔ ہم نے بد وقت صردی تدابیر اختیار کیں۔ مجرموں کا تعاقب شروع کر دیا۔ جلد ہی ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور اجنبی حمایت میں بھاگ کر پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ نیز میں نے عام حکم صادر کر دیا کہ کردستان میں اجنبی افسروں کی موجودگی قطعاً ممنوع ہو۔ الایہ کہ ان کے پاس ہماری خاص اجازت موجود ہو۔

پھر میں نے سلطان کو ایک طویل برقی پیغام بھیجا۔ اس میں اتنا ہی تعظیم و تحکم کے الفاظ استعمال کئے اور درخواست کی کہ موجودہ ذوات کو توڑ دیں اور ایسا ایسی وزارت مرتب فرمائیں جو قومی آرزوں کی موید ہو۔

فرید پاشا یہ پیغام دیکھ کر بہت چراغ پا ہوئے۔ انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ قومی کارکنوں کو بہت ڈرا دیکھا اور بالآخر آستانہ اور اناطولیہ کے مابین گفتگو کا سلسلہ ہی متقطع ہو گیا۔ سیواس کا نفرنس کے بعد ہم نے پارلیمنٹ منعقد کرنے کی کوشش شروع کی۔ لیکن آستانہ کی حکومت اسے جمع ہونے دینا نہیں چاہتی تھی۔ اگر قومی کی مرضی کے خلاف صلح حاصل کر سکے۔ یہ دیکھ کر ہم نے اپنے تمام ہتھیار واروں کو حکم دے دیا کہ پوری مستعدی سے انتخابات کی تیاریاں شروع کر دیں۔ نیز سیواس کا نفرنس کی اس تجویز کو علی جاہر پہنانے کے لئے کمر بستہ ہو گئے کہ اندرون ملک میں ایک نمائندہ جماعت، مجلس قومی کے نام سے قائم ہو اور جملہ معاملات وہی انجام دے، یہاں تک کہ ملک میں ایسی حکومت قائم ہو جائے جس پر قوم کو اعتماد ہو۔

اس جدوجہد میں ہم نے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آخری اختلافات، سورطن، رشک و حسد کی کوئی حد نہ تھی۔ ساتھ ہی قومیوں کی غلامیہ عادات اور خفیہ سازشوں نے اب ادب بھی زیادہ زور کیا۔ مزدوری تھا کہ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا جائے اور سب کا سر کھل ڈالا جائے۔ ہم نے یہی کیا۔

اسی دوران میں ہر طرف سے سلطان پر تار باریوں کی بارش ہوئی کہ فوراً اس خائن وزارت کو توڑ دیں۔ اسی دوران میں ملی نوادہ پاشا سفر میں میدان جنگ کے سپہ سالار اور انگریزوں میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ میں نے مداخلت کی اور پرامن طریقہ پر تصفیہ ہو گیا۔ اس فیصلہ کی بنا پر انگریزی فوجیں، مرزلیون اور ساتسون سو پٹ گئیں۔ اب حکومت آستانہ کو یقین ہو گیا کہ اناطولیہ کی قومی تحریک کا طماننا ممکن ہو۔ اس کے خلاف جتنی کوشش کی جاتی ہے، وہ اتنی ہی زیادہ مضبوط ہوتی جاتی ہے، لہذا اسے یہی مناسب تھا کہ سختی کے بجائے نرم تدبیروں سے اس کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ مرحوم عبدالکلیم پاشا کو مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے منتخب کیا۔ ۲۷ اور ۲۸ جنوری درمیان رات کو ہم دونوں تار باری کے آگے پرہیز گھنٹے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مگر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ اب داد فرید پاشا کے لئے اسکے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں تھا کہ وزارت کی کرسی خالی کر دیں چنانچہ تین دن بعد مستعفی ہو گئے۔

اسی زمانے میں طرابزون کے بعض لوگ ایک دفتر مرتب کر کے بطور خود سمجھوتہ کے لئے آستانہ جانے لگے۔ مگر انھیں روک دیا گیا اور طرابزون کے صوبہ دار کو قید کر دیا گیا۔

اس کا جواب حکومت آستانہ نے یہ دیا کہ پھوٹ ڈالنے کے لئے بعض منافق اناطولیہ میں بھیج دے۔ مگر اسیں اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ اناطولیہ کی قومی مجلس نے آستانہ کے باشندوں کی اور زیادہ حمایت حاصل کر لی اور سلطانی حکومت کے شر سے انھیں باخبر کر دیا۔ ہم نے یہی نہیں کیا بلکہ ان پر جوش و خروش کا اندیشہ بن کر استوں کی ناک میں بھی نیکل ڈال دی جو تسلطیہ پر حملہ کرنے اور تلوار کے زور سے فیصلہ حاصل کرنے پر تھے ہوئے تھے۔ ہم نے ہر جگہ اپنی دعوت پھیلادی حتیٰ کہ دول اتحاد کے اہل عمل والے کو بھی، جو آستانہ میں موجود تھے، متاثر کر دیا۔

علی رضا کی وزارت

ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو علی رضا پاشا کی وزارت قائم کر دی۔ علی رضا پاشا کا مسلک، فریہ پاشا سے بالکل مختلف تھا۔ نئی وزارت، مفاہمت چاہتی تھی۔ مگر وہ بھی اس مفاہمت میں مخلص نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی قومی سے گلا گھونٹ دے۔

علی رضا پاشا نے مجھے مفاہمت کی دعوت دی۔ میں نے گفتگو کے لئے ہر شرط پیش کی:

(۱) اگر جدید وزارت، قومی آرزوں کی موید ہوگی تو قومی مجلس بھی اس کی تائید کرے گی۔

(۲) جدید وزارت، ملک کی حریت کا کوئی فیصلہ اس وقت تک کرے، جب تک پارلیمنٹ منعقد نہ ہو اور حکومت پر اس کی کابل اور آزاد کرائی قائم نہ ہو جائے۔

(۳) صلح کا نفرنس میں جو نمائندے جائیں، وہ ان لوگوں میں سے ہوں جن پر قوم اعتماد کرتی ہو۔

(۴) جدید وزارت، پوری صفائی سے اپنا مسلک ظاہر کرے۔

(۵) وہ تمام عہدہ دار، سپہ سالار برطرف کر دے جائیں جو قومی تحریک کے مخالف ہیں۔ ان کی جگہ وطن پرست آدمی مقرر کئے جائیں۔

کئی دن تک گفت و شنید جاری رہی۔ علی رضا پاشا صرف زبان سے وعدہ کرتے تھے کہ ہماری شرطیں منظور کرتے ہیں۔ وہ ہمیں یقین دلانا چاہتے تھے کہ ہم سے ہر طرف دار ہیں۔ جمال پاشا مسینی کو وزارت میں اسی لئے داخل کیا تھا کہ قومی کو غلط فہمی میں ڈال سکیں۔ کیونکہ جمال پاشا مسینی، قومی آدمی خیال کئے جاتے تھے۔

لیکن ہم دہر کا نہیں کھا سکتے تھے۔ جب ہم نے دیکھ لیا کہ گفتگو سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو ہماری قومی مجلس بدستور قائم رہی اس کی بیوری اور مستعدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد پوسے اناطولیہ پر اس کی حکومت قائم ہو گئی۔ ساتھ ہی ہماری خفیہ انجمن ہر طرف پھیل گئیں۔ خود آستانہ اور سراسر میں بھی ہم متعدد طاقتور انجمنیں قائم کر سکے۔ ان کوششوں کا اصلی مقصد یہ تھا کہ ہم انتخابات میں کامیابی حاصل کر لیں۔ ہم چاہتے تھے پارلیمنٹ، آستانہ کے بجائے اناطولیہ کی سرزمین میں منعقد ہو۔

اسی زمانے میں امریکن جنرل بارڈو اناطولیہ میں سیاحت کر رہا تھا۔ اسے مجھ سے سیواس میں ملاقات کی اور سوال کیا:

”اگر تمام قریبوں کے بعد بھی قوم کوئی نتیجہ حاصل نہ کر سکی تو کیا کر دے؟“

میں نے جواب دیا:

”اگر قوم تمام قریبوں کرے گی تو مزدور کامیاب ہو جائے گی۔“

لیکن اگر اسپر بھی کامیاب نہ ہو تو معنی یہ ہو گئے کہ قوم مر گئی! اس کے بعد غازی نے کثافت پاشا کی مذمت کی۔ کہا:

”میں نے انھیں حکم دیا کہ صوبہ قونیا کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ مگر انھوں نے مجھ سے منصب کی ترقی کا مطالبہ کیا۔ پھر میں نے انھیں پتہ لگا دیا کہ باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا جا رہا ہے، مگر انھوں نے دوبارہ منصب کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب میں خود تمام منصب سے برخاست کر دیا گیا تھا اور مجھے پچاسی کی سزا کا حکم مل چکا تھا!“

علی رضا پاشا نے ایک چال ادا چلا جا ہی۔ صلح پاشا کو مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے آیا تھا۔ مگر میں اسی وقت سیواس میں شورش بھی پیدا کر دی۔ یہ شورش انجمن عمان انگریزوں کی کوششوں سے برپا ہوئی تھی۔ اس علاقے میں انجمن کا رنج دوایں ایک انگریز راہب ”فرہ نام تھا۔ سیواس کی طرح ادا با زار، بردس میں بھی شورش نے طغوی کیا۔ مگر ہم نے بد وقت سب کا خاتمہ کر دیا۔

میں اس بات پر مصر تھا کہ پارلیمنٹ، اناطولیہ میں منعقد ہو لیکن احمد غرت پاشا، جمال پاشا مسینی، احمد عتوبی پاشا اس کے خلاف تھے۔ صلح پاشا کی مجھ سے گفتگو اس سمجھوتہ پر ختم ہوئی کہ طرفین نے اناطولیہ، اٹنہ، سمرنا اور آدرہ کو ترکی قومی وطن تسلیم کر لیا۔ اس کی تعمیر و ترقی کو ناجائز قرار دیا۔ سلطنت و خلافت کے برقرار رہنے پر اتفاق کر لیا۔ نیز یہ طے پا گیا کہ پارلیمنٹ کے انتخابات پوری آزادی کے ساتھ جاری ہوں۔

ہم نے علی رضا پاشا کی حکومت سے یہی مطالبہ کیا کہ فرانسسوں سے جنگ کی جگہ چلیے۔ جنھوں نے انگریزوں کے بعد اتر پر قبضہ کر لیا تھا اور اجنبی جاسوسوں کو قطعی طور پر شرارت پھیلانے سے روک دیا جائے۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ کوئی ایسی قلعہ قبل نہیں کی جائے جسے مجلس قومی نا منظور کرے۔ اس کے مقابلے میں ہم نے مان لیا کہ پارلیمنٹ آستانہ ہی میں منعقد ہو۔

قومی مجلس انگورہ

۲۷ نومبر ۱۹۱۷ء میں ہماری قومی مجلس سیواس سے انگورہ میں منتقل ہو گئی کیونکہ اب ضرورت تھی کہ ہم یونانی میدان جنگ سے قریب ہیں۔

پارلیمنٹ، آستانہ میں منعقد ہوئی، مگر اتحادیوں نے اسے جبراً بند کر دیا۔ میں نے پارلیمنٹ کو انگورہ میں جمع ہونے کی دعوت دیدی۔ مجھے پہلے سے معلوم ہو گیا تھا کہ اتحادی، پارلیمنٹ کے ممبروں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ممبروں کو تنبیہ کر دیا اور خود انگورہ چلے آئے پر زور دیا۔ مگر انھوں نے میری نصیحت قبول نہیں کی اور قید ہو گئے۔

اسی زمانے میں جمال پاشا مسینی نے کوشش کی کہ اناطولیہ کی قومی تحریک پر قابض ہو جائیں۔ قومی فوج پر اپنے طرفداروں پر مقرر کر دیں۔ مگر انھیں کامیابی نہ ہو سکی۔ پھر انھوں نے اتحادیوں کے دباؤ سے مجبور ہو کر چاہا کہ ترکی فوج، یونانیوں کے مقابلے میں ہٹ جائے۔ مگر ان کی یہ کوشش بھی داسکاں گئی۔

جب پارلیمنٹ کے ممبرانگورہ پہنچے تو میں نے انھیں باہمی اتحاد کی نصیحت کی۔ میں چاہتا تھا پارلیمنٹ کا صدر مجھے منتخب کیا جائے، تاکہ میں جب چاہوں، اسے اناطولیہ میں طلب کر سکوں مگر اس وقت ارکان مجلس، اتحادیوں کے خوف سے اس کی جرأت نہ کر سکے۔

اب بہت سی نئی مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ ہمیں سب پر غالب آنا تھا۔ میں نے ترکی میں اور تمام اسلامی ممالک میں اعلان شایع

(۲) سلطان کا قیام، آستانہ میں ہے، لیکن حکومت اور پارلیمنٹ کا مرکز، انگورہ میں رہو گا۔

لیکن توفیق پاشا اور سلطان نے یہ تجویزیں منظور نہیں کیں نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے لندن میں اپنا علحدہ وفد بھیجا اور کانفرنس کی شرطیں منظور کر دیں۔

اسی اثنا میں یونانیوں نے دوبارہ حملہ شروع کیا۔ لیکن پھر عصمت پاشا کے ہمتوں شکست کھائی۔ مگر دوطرفہ جہاں رات پاشا سے سخت مقابلہ جاری رہا۔ آخر ہم نے رات پاشا کو دہلی ملا لیا اور عصمت پاشا پورے میدان کے سپہ سالار مقرر ہو گئے۔

جعفر طیار اور رات پاشا

غازی نے جعفر طیار پاشا کا ذکر کیا جو مشرقی تھریں میں قومی تحریک کے علمبردار تھے:

”میں انھوں نے کوئی قابلیت بھی ظاہر نہیں کی۔ اس علاقہ میں تحریک کی ناکامی کے سرسرمہ دار رہی ہیں۔ تاریخ انھیں مرکز معائنہ نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ بغیر کسی مقابلے دشمن کے ہاتھ میں قید ہو گئے!“

اس کے بعد معرکہ نے رات پاشا کا پھر ذکر کیا:

”رات پاشا نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ فوجی پاشا، وزیر جنگ بنائے جائیں عصمت پاشا۔ میدان جنگ کے سپہ سالار ہوں اور خود (یعنی رات پاشا) جنگی اٹھان کے بعد رات پاشا کے جانی“ میں نے انھیں حریف جواب دیا:

”آپ جنگی اٹھان کے سپہ سالار بننا چاہتے ہیں؟ جنگی اٹھان کی صداقت کے معنی یہ ہیں کہ ملی طور پر پورے میدان جنگ کی نگرانی لیکن آپ میرا اس کی مرکز قابلیت نہیں ہوا۔“

اس کے بعد رات پاشا کو شہنشاہین ”وگئے“ اور پھر کچھ بھی نہیں کیا۔

کابل فتح

تین مہینے سکون کے بعد ۱۷ جولائی ۱۹۴۷ء کو یونانیوں نے بہت بڑے پیمانہ پر عشاق اور بدوہ کی طرف حملہ شروع کیا۔ ۱۴ اگست کو معرکہ جاری رہا۔ آخر ترکی فوجیں پیچھے ہٹنے لگیں اور دیہاتے سفلیا کے اس پار آکر کھیں۔

مجلس وطنی، ترکی فوجوں کی دہلی سے سخت پریشان ہوئی اور مجھے حکم دیا کہ خود اپنے ہاتھ میں سپہ سالاری لے لوں۔ میں نے اس شرط پر یہ منصب قبول کر لیا کہ مجلس مجھے وہ تمام اختیارات بھی بخش دے جو اسے فوج پر حاصل ہیں۔ مجلس نے یہ شرط منظور کر لی اور تین مہینے کے لئے اپنے اختیارات مجھے عطا کر دیے۔

میں نے کمان اپنے ہاتھ میں لے لیا، درمیانہ کادہ مہرک پیش آیا، جسے علاء الدین یونانیوں کی کر توڑ ڈالی۔ تب مجلس وطنی نے مجھ کو ”مارشل“ کا خطاب دیا۔ ساتھ ہی ”غازی“ کا لقب بخشا۔ پہلے فتحیہ کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ہم سے معاہدہ کر لیا۔ ترکی کی کابل خود مختاری تسلیم کر لی اور ان تمام علاقوں سے دست بردار ہو گیا جو جنوبی اناطولیہ میں اس کے قبضہ میں تھے۔

اسی دنوں میں یونانیوں نے بحر اسود پر ترکی علاقے میں اپنی جمہوریت قائم کرنا چاہی۔ بعض یونانیوں نے اس کی ہمت افزائی کر رہے تھے۔ ۲۵ مارچ فوج یونانیوں کی تائید پر تھی۔ مگر ہم نے اس فتنہ کا بھی سرکھل ڈالا۔

۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں خود مجلس وطنی کے اندر مخالفت نے زور پکڑا۔ مخالفت کے سرگروہ رؤف بک اور قورہ واصف بک تھے رات پاشا کا میلان بھی اسی جماعت کی طرف تھا جو ازمنہ آباد

ساتھ ہی یونانی سلاب کے دو کٹنے کے لئے تھیں اور فرانسیسیوں کی سرکوبی کے لئے اٹھنے میں میدان جنگ قائم کئے گئے۔ ہماری کوششیں جلد بار آور ہوئیں۔ اٹھ، طرطوس، اور مرسیں میں ہم نے فرانسیسیوں کا محاصرہ کر لیا اور فرانس کو ہماری تمام سرزمینیں خالی کر دینی پڑیں۔ ساتھ ہی مجلس وطنی نے اپنا ایک وفد روس بھی بھیجا۔ پورے ایک برس تک گفت و شنید جاری رہی۔ یہاں تک کہ اپریل ۱۹۴۷ء میں اسکو سے پہلے دو تانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

جون ۱۹۴۷ء میں یونانیوں نے حملہ شروع کیا۔ قومی فوج مجبور ہوئی کہ پیچھے ہٹ جائے۔ اس وقت میں خود میدان جنگ گیا۔ علی نواد پاشا کی زیر قیادت علی شہر اور ادین قرہ حصار کے خطرناک سرنو موہے قائم ہو گئے۔

دوئی شکستیں

اسی اثنا میں دوئی شکستیں پیدا ہوئیں: ایک ”مشرق“ بزنس کی تھی۔ یہ ایک خفیہ انجمن تھی اور آدم چرکی کے ماتحت تھی۔ دوسرا معاملہ جلال الدین عارف بک کا تھا۔ انھوں نے چاہا کہ مشرقی صوبوں میں اپنے لئے ایک خاص حیثیت پیدا کر لیں۔ مگر ہم ان دونوں شکلوں پر بھی غالب آ گئے۔

امنی فتنہ

اسی دوران میں اتحادیوں کے اشارے سے امن قوم نے سر اٹھایا اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اب ہیں اس نوعیت کا بھی مقابلہ کرنا تھا۔ چنانچہ ہماری فوجیں حرکت ہوئیں۔ اردو کی انجمن طرح گوشالی کی اور قاصص پر قبضہ کر لیا۔ پھر اردو کو مجبور کیا کہ صلح کی درخواست کریں۔ اس کا نتیجہ معاہدہ کومرد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے ترکی سرحدیں دہلی ہو گئیں جو ۱۹۳۷ء میں تھیں اس طرح امنی خطرہ بالکل ختم ہو گیا۔ روس نے بھی یہ معاہدہ قبول کر لیا بشرطیکہ اطمینان اس کے حوالہ کر دیا جائے۔ اس تدبیر سے ہم مشرق کی طرف سے تھکوتہ مطمئن ہو گئے۔

قومیہ کی بغاوت

اس کے بعد قومیہ میں پھر بغاوت ظاہر ہوئی۔ ہم مجبور ہوئے کہ ازسر نو ایک فوج مرتب کریں۔ اور ہم چرکی نے اس امر کی مخالفت کی اور جب ہم نے اس کی پروا نہیں کی تو وہ یونان سے ہل گیا۔ اب ایک مرتبہ پھر قومی فوج پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئی۔ ہم نے فوراً ملی فوج پاشا کو میدان جنگ سے واپس کر کے ماسکو کی سفارت پر بھیجا اور عصمت پاشا اور رات پاشا کو سپہ سالار مقرر کیا۔

میں اسی زمانہ میں دادا فرید پاشا پھر معزول ہو گئے اور توفیق پاشا صالح پاشا کے ساتھ برسر حکومت آئے۔ انھوں نے اناطولیہ معاہدہ کے لئے ایک وفد بھیجا۔ یہ وفد اس وقت پہنچا جب عصمت پاشا این آدی میں یونان کو شکست دے چکے تھے۔ یہ قومی حکومت کی پہلی فتح تھی۔ لیکن اس فتح کے بعد ہی یونانیوں نے ملی آدم چرکی کی امانت سے کوتاہی پر حملہ کر دیا اور ہماری فوجوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ صدمہ صرف اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ رات پاشا بدلت دشمن کے محاصرہ کے لئے میدان جنگ میں نہیں پہنچے۔

لندن کانفرنس

اس کے بعد لندن کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں حکومت انگورہ بھی مدعو کی گئی۔ مگر میں نے وزیر اعظم توفیق پاشا سے مطالبہ کیا کہ وہ دحل اتحاد سے کہیں کہ براہ راست حکومت انگورہ کانفرنس میں بلائی جائے، کیونکہ ترکی میں تنہا ہی حکومت موجود ہے۔ ساتھ ہی وزیر اعظم کو مجلس وطنی کی حسب ذیل درخواستیں سے مطلع کر دیا:

(۱) مجلس وطنی، سلطان کی ذات شاہانہ کو تسلیم کرتی ہے۔

کے۔ ترکی میں جو اعلان شائع کیا تھا، وہ اس عبارت سے شروع ہوتا تھا۔ آزادی کی اس مقدس جنگ میں خدا ہمارے ساتھ ہو!“

اسی زمانے میں علی شہر اور ادین قرہ حصار سے ہم اتحادی میں نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ دیوے بھی کئی جگہ سے توڑ ڈالی گئی۔ نئی مجلس وطنی بھی منعقد ہوئی۔ یہ واقعہ ۲۳ اپریل ۱۹۴۷ء کا ہے۔

اس کے بعد غازی نے رات پاشا کا پھر ذکر کیا۔ ”میں نے انھیں تھریں کے میدان جنگ میں جانے کا حکم دیا۔ مگر انھوں نے تعمیل نہیں کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ ایک فرانسیسی آب دو پرنسپل آستانہ چلے گئے۔ آج تک معلوم نہ ہو سکا اس سفر کی غرض کیا تھی؟“

اس کے بعد کالم قارا بکر پاشا کی مذمت کرتے ہوئے غازی نے کہا:

”یہ مجلس وطنی کے سیراس سے انگورہ آنے پر قرض تھے پھر جب آستانہ میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو انھوں نے زور دیا کہ مجلس وطنی توڑ دی جائے۔ لیکن میں نے ان کے مشورہ کی کوئی پروا نہیں کی“ اس کے بعد غازی نے وہ دو دادیں پڑیں جو مشورہ خان سعید مثلاً، انگیز راہب فرد کو بھیجا کرتا تھا۔ پھر بتایا کہ نورالدین بک تسلیمین کا پولیس کمانڈر انگیز راہب جاسوسوں کو پناہ دیتا تھا۔

اس کے بعد غازی نے اس سلسلہ پر روشنی ڈالی کہ مجلس وطنی کی تاسیس کے بعد موجودہ سیاسی مسلک کیونکر اختیار کیا گیا؟ انھوں نے کہا:

”اس وقت تین سیاسی رجحان ملک میں موجود تھے: پان اسلامیزم، پان تورانیزم، ترکی قومیت۔ میری رائے اسی آخری رجحان کی طرف تھی۔ یہ اس لئے کہ جلد ترکی قوموں کا ایک علم کے نیچے جمع ہونا ناممکن ہو۔ اس وجہ سے خارجی تحریک یا اسلامی تحریک پر بھروسہ کرنا ایک ہم اور جنون تھا۔ لہذا ہمارے لئے اس کے سوا کوئی راہ باز نہ تھی کہ اپنی خالص قومی تحریک پر تکیہ کریں۔ ہمارے لئے ایک قومی سیاست ضروری تھی۔ قومی سیاست سے مقصد، وہ زندگی ہو جو ہم سے پہلے قوم کی قوت پر قائم ہو۔ پھر تمام تمدن دنیا کی ہمدردی حاصل کر سکے“

جب میں نے مجلس وطنی کے سامنے اپنا یہ نقطہ نظر پیش کیا، تو یہ بحث شروع ہوئی کہ اگر حکومت کی شکل کیا ہونی چاہئے۔ اس وقت سلطان اور خلیفہ آستانہ میں موجود تھا۔ بہت سے لوگ اسے معذور اور بے گناہ سمجھتے تھے۔ لہذا ضروری ہوا کہ کوئی ایسی تجویز بنائی جائے جو حالات کے مناسب ہو۔ چنانچہ یہ تجویز منظور کی گئی:

”مجلس وطنی سے بلا کوئی قوت تسلیم نہ کی جائے۔ مجلس وطنی میں تنہی اور تنفیذی دونوں قوتیں جمع ہیں جب سلطان اور خلیفہ، تیسرو آزاد ہوگا اس وقت اس کی وہ حیثیت ہو جائے گی جو مجلس وطنی کے کرے گی“

فرید پاشا کی وزارت

پھر مجلس وطنی کے انتخابات پیش آئے اور اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ میں اسی زمانے میں سلطان وحید الدین نے ہماری صند پر فرید پاشا کو دوبارہ وزیر اعظم بنایا۔ ہماری قومی حکومت کے خلاف فتنے شائع کئے گئے اور دشمن کے ہوائی جہازوں سے تمام ملک میں قہقہے کئے گئے۔ اب ہر طرف شورش پیدا ہوئی خفیہ اور علانیہ قومی حکومت پر یورش شروع ہوئی۔ بلور، ادا بازار، مشرقی انگورہ، قوقاد، یوزقاد اور دفر، سیوہرک، ایطین، قونیہ، فرسنگ تمام علاقوں میں مسلح بغاوت برپا ہو گئی۔ پھر فوراً ہی ازمیت میں حبش خلافت نے ظہور کیا اور قومی حکومت مجبور ہوئی کہ ان تمام فتنوں سے بیک وقت جنگ کرے چنانچہ خیانت وطنی کا قانون بنایا گیا اور محاکم استقلال ”مرب کر دئے گئے“

اور فتح سے نامیدی تھی۔ حالانکہ اب ہم کافی طاقتور تھے۔ ۱۹۲۲ء کا جولائی ابھی آیا ہی نہیں تھا کہ ترکی فوج، فیصلہ کن سرکر کے لئے کرپت ہو گئی اور دشمن کے مقابلہ پر ۲۰ فوجوں نے حرکت کی۔ اب ہماری جنگی طاقت، دشمن کے برابر تھی۔ لیکن ہوائی جہاز اور توپیں اسکے پاس ہم سے زیادہ تھیں۔ مغربی میدان جنگ کے ۲ حصے کر دئے گئے ایک حصہ نور الدین پاشا کی قیادت میں تھا اور دوسرا یعقوب پاشا کے سپرد کیا گیا۔ عصمت پاشا، سپہ سالار عام تھے۔

چند ہی آدمیوں کو اصلی حالات کا علم تھا۔ عام طور پر باغی ہوئی تھی۔ مگر ہم بالکل مطمئن تھے، کیونکہ اپنی قوت سے واقف تھے۔ ایک ایک ۲۰ گت کو ہم نے حملہ شروع کیا اور صرف ۵ دن کے اندر ان کا قلع قمع کر ڈالا۔ تمام دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ اب ہماری مظہر منصف فوجوں نے تھریس اور استنبول کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ دول اتحاد ہماری معاونت پر اٹھیں۔ ہم نے کہا اگر یونان، تھریس اور آدنہ سے دست بردار ہو جائے تو ہماری فوجوں کو آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح تھریس اور آستانہ بھی آزاد ہو گیا!

دو علی کا خاتمہ

پھر یونان کا فرنس منعقد ہوئی۔ لیکن اتحادیوں نے قومی حکومت پر بھی ایک ضرب لگانا چاہی۔ انھوں نے صلح کا فرنس میں حکومت آستانہ کو بھی دعوت دی۔ اب میں مجبور ہوا کہ اس دو علی کا خاتمہ کر دیا چنانچہ میں نے مجلس وطن میں تقرر کرتے ہوئے کہا:

”سیادت، دی نہیں جاتی، لی جاتی ہو۔ آل عثمان نے یہ یاد، غضب کر لی تھی۔ لیکن اب قوم نے واپس لے لی ہو۔ یہ ایک حقیقت ہو۔ اب میں اس کا اعتراف کر لینا چاہئے۔ مجھے یقین ہو یہاں تو آدمی جمع ہیں، سب یہ اعتراف کر رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ اعتراف نہ بھی کریں تو حقیقت بہر حال عقرب و زردوش کی طرح ظاہر ہو جائے گی“

اس تقرر کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس وطن نے سلطنت کو خلافت سے الگ کر دیا۔ شخصی خزانہ دانی کا خاتمہ کر دیا۔ آخری سلطان نے یہ دیکھا تو جو اس ہو کر اجنبی حمایت میں پناہ لی اور ترکی سے بھاگ نکلا۔ اس طرح وحید الدین، منصب خلافت سے شادیا گیا اور اس کی جگہ عبد الحمید آفندی کا انتخاب ۲۸ نومبر ۱۹۲۲ء کو عمل میں آیا پھر یونان میں صلح کا فرنس شروع ہوئی۔

اس اثنا میں میں نے تمام اناطولیہ کا دورہ شروع کیا۔ عام باشندوں سے طویل گفتگو کی اور تمام داخلی اور خارجی معاملات، کاشت کاروں پر واضح کرنا شروع کئے۔

شاہ پسندوں کی تحریک

میں کسی وقت شاہ پسندوں نے بھی اپنی تحریک پھیلانا شروع کی۔ وہ کہتے تھے خلیفہ، دنیا بھر کے مسلمانوں کا سلطان ہو۔ ترکی قوم خدا کی تلوار ہو جسے خلیفہ، خلافت کے مقاصد میں استعمال کرتا ہو لیکن میں اس خیال کا مخالف تھا۔ میں کہتا تھا یہ محض اداہم ہیں۔ اگر خلیفہ، دنیا بھر کے مسلمانوں کا سلطان ہو، تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف ایک ترکی ہی قوم، اس کی تلوار بنے۔ پھر ترکی قوم اپنا خون، پوری دنیا سے صلیبوں بہا چکی ہو۔ اب وقت آ گیا ہو کہ وہ اپنے بقا و حیات کی فکر کرے اور اداہم سے باز آجائے۔ یہی مختلف دعائیں منصب خلافت کی منسوخی کا سبب ہیں“

موجودہ دور حکمرانی

اس کے بعد مقرر نے موجودہ ترکی حکمرانی کی اس طرح تشریح کی: ”۲۱ اپریل ۱۹۲۲ء کے قانون اساسی میں لکھا گیا ہو کہ ترکی سلطنت کا سرکاری دین، اسلام ہو لیکن اب یہ جملہ حذف کر دینا

ہو گا۔ کیونکہ ہماری جدید جماعت کے قانون میں خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، شرعی امور کی وزارت، دینی مدارس کی بندش خالصتاً ہوں کی منسوخی، اور ترکی ٹوپی کی موافقت، یہ تمام باتیں اہل ہیں۔ شروع شروع اس کا اعلان اس لئے نہیں کیا گیا کہ ہم قول ہو پہلے عمل کو پسند کرتے ہیں!

جب عصمت پاشا یونان سے پہلی مرتبہ واپس آئے تو میں نے ان پر بڑی سختی سے حملہ شروع کیا۔ لہذا میں نے ازبر نو انتخابات کا فیصلہ کر دیا۔

ایک دن رات کو روفت بک میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ رات پاشا کے مکان پر لے گئے۔ وہاں علی نواد پاشا بھی موجود تھے۔ روفت بک نے مجھے کہا:

”میں آل عثمان اور سلاطین آل عثمان سے وابستہ ہوں۔ میں انہی کا پروردہ ہوں۔ سلطنت اور خلافت، وہ فیض ہیں جن کا ہر آدمی پرچ نہیں سکتا۔ اگر یہ منصب منسوخ کر دئے جائیں گے تو ملک ہولناک مصائب میں مبتلا ہو جائے گا!“

رات پاشا نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا ”ہم شاہی خزانہ کے بغیر اس سرزمین پر زندہ ہی نہیں رہ سکتے!“ علی نواد پاشا نے کہا ”میں نے اب تک اس معاملے میں کوئی غور نہیں کیا ہو“

میں نے ان لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور کہا ”آپ یہ مسئلہ معروض بحث میں نہیں آیا ہو۔ لہذا یہ گفتگو قبل از وقت ہو لیکن جب وہ وقت آیا تو بلا کسی شکل کے سلطنت اور خلافت میں تفریق کر دی گئی۔ خلیفہ عبد الحمید سے ہم نے مطالبہ کیا کہ اپنے نام سے ایک اعلان شائع کریں اور اپنے خائن مشیر کے اعمال کی مذمت کریں مگر انھوں نے اس سے قطعاً انکار کیا۔ اسی قدر نہیں بلکہ اپنے دستخط ان غفلتوں میں کرنے پر اصرار کیا۔ خلیفہ رسول عبد الحمید بن عبد الغیز خاں، اسی زمانہ میں رات پاشا نے خلیفہ عبد الحمید کو ایک گھوڑا ہدیہ پیش کیا۔ انھوں نے اسے قبول کر لیا تو وقت پاشا نے اسے ”لطف الہی“ قرار دیا!“

سابق خلیفہ عبد الحمید کی فراموشی

جینو کی خبروں سے معلوم ہوا کہ سابق خلیفہ عبد الحمید آفندی عقرب پیر کی ایک حسین و دھیرہ سے شادی کرنے والے ہیں اب عورت کا نام ”جولیت لیان“ ہو۔ ایک فرانسیسی سرمایہ دار کی بیٹی ہو جو سوئٹزرلینڈ میں مقیم ہو۔ عبد الحمید کی عمر ابھی سے زیادہ کم ہو چکی ہو۔ بڑا پاپا آگیا ہو۔ مگر دھیرہ کی عمر صرف ۲۲ برس ہو۔

خلیفہ کے محل میں ۵۰ عورتیں تھیں۔ مگر شریعت اسلامیہ کے بموجب ان میں سے صرف چار ان کی شرعی بیویاں تھیں۔ ان چار میں سے دو مرچکی ہیں۔ ایک نے پیر میں خودکشی کر لی۔ دو کا اٹلی میں ایک ریل کے حادثہ میں مرچکی۔

سلطان عبد الحمید اس وقت جینو کے معانات میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں بالکل گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے مساحلوں میں سے صرف گیارہ آدمی ساتھ ہیں۔ ان کا سالانہ خرچ جو ترکی حکومت نے دینا منظور کیا ہو، صرف اٹھارہ ہزار پونڈ ہو۔ لیکن ان کی جائیداد کی آمدنی اس سے کئی گنی زیادہ ہو۔ اس لئے وہ اپنی جلا وطنی میں بھی آرام کی زندگی بسر کتے ہیں۔ پیر کی دھیرہ نے ایک اخبار کے نمائندے سے گفتگو کرتے

ہوئے کہا:

”میں نے اور سلطان نے قوری کوشش کی کہ ہماری منجی معنی رہو لیکن یہ راز کسی طرح فاش ہو گیا۔ مجھے یقین ہو کہ وہ دونوں تنہا پرست زندگی بسر کر سکیں گے۔ بلاشبہ سلطان کی عمر زیادہ ہو، حتیٰ کہ وہ میرے دادا معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس سے میرے دل کے تعلق پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ سلطان نے وعدہ کیا ہو کہ ہم ”مولن“ دوہرا کے ساحلوں پر گزارے کے پیر میں ساتھ رہیں گے۔“

”تھیں معلوم ہو کہ اب سے پہلے سلطان کے پاس ۵۰۰ عورتیں تھیں؟“ نامہ نگار نے سوال کیا۔

”ہاں میں جانتی ہوں“ نازنین نے جواب دیا۔ لیکن مجھے اس سے کیا سروکار؟ عقلمند عورت کبھی اپنے شہم کے پرنے حالات نہیں کر دیتی۔ یہ عقل اور ادب، دونوں کے خلاف ہو! تھوڑے وقفے کے بعد اسے آستانہ اور اصفانہ گیا:

”جس مرد کے پاس اب سے پہلے ۵۰۰ عورتیں رہ چکی ہیں ۵ ضرور جاتا ہو گا کہ ایک عورت کو کس طرح خوش رکھ سکے؟“

عبد الحمید آفندی اس شادی کے لئے وسیع پیمانے پر طبکاری کر رہے ہیں۔ لیکن اب تک اس کی تاریخ اور شادی کا مقام کسی کو معلوم نہیں ہو۔

عظیم الشان توأم تارہ

پچھلے دنوں امریکن ڈاکٹر جی۔ ایس۔ بلاسکٹ نے ایک عجیب کوکب دریافت کیا جو۔ یہ ساتھ توأم جو۔ یعنی جڑواں ہو۔ ۲۰ سال ایک ساتھ ہیں۔ ملتب گیس سے مرکب ہیں۔ اس عجیب کی حرارت پچھلے ہوئے لوہے کی حرارت سے بارہ گنی زیادہ ہو۔ ایک تارہ بڑا ہو۔ دوسرا چھوٹا ہو۔ چھوٹے کی روشنی آفتاب کی روشنی سے ۱۲،۵۰۰ گنی زیادہ ہو۔ اور قطر، زمین کے قطر سے ۲،۰۰۰ گنا زیادہ ہو۔ دونوں کا حجم، زمین کے حجم سے ۸،۰۰۰،۰۰۰ گنا زیادہ ہو۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کی گردش کرتے ہیں۔ حرکت کا دائرہ، بیضاوی شکل کا ہو اور دائرہ، ۱،۰۰۰،۰۰۰ میل طویل ہو۔ ایک ہفتہ میں وہ یہ مسافت طے کر لیتے ہیں۔ تقاریر میں ہر منٹ میں ۱۲،۵۰۰ میل ہو۔

خواجہ حسن نظامی

کا

ہفتہ وار انگریزی اخبار

نیگ سلم دہلی

تبلیغ کا حامی۔ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا مدافع اور تمام اسلامی مطالبات کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنے والا۔ سلاہت باخبر ہے۔ طالب علموں کو پڑھنے پر تعلیم دینے مسلمان کو پڑھنا چاہیو

میجر نیگ سلم دہلی

عالم مطبوعات صحائف

تاریخ کا سب سے بڑا سوانح

خروج زیادہ ہوتا ہے، بعض سے کم۔ اول الذکر اجسام میں کبھی کبھی بیک وقت کئی کئی رو میں حلول کر جاتی ہیں اور وہ حدود و جہزوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آگے چل کر ڈاکٹر نے روحوں سے اپنی کئی گفتگو میں بھی نقل کی ہیں۔ چنانچہ شاہ ایدورد ہنرم کی وفات کے دن اسے ایک انگریز انیکٹرس "لیلیان" کی روح سے گفتگو کی۔ وہ لکھتا ہے میں نے سوال کیا:

"کاش تم مجھے بتا دیتیں کہ موت کے بعد کیا ہوا؟"

روح نے یوں جواب دیا۔

دہشت سے لوگ بھاری دنیا سے یہاں آتے رہتے ہیں۔ لیکن میں ان سے نہیں ملتی۔ حالانکہ ملاقات کے لیے تو بہت اصرار کرتے ہیں۔ دیکھو ایک شخص مجھے بچا رہا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ عالم فانیں شاہ ایدورد کے نام سے شوٹا تھا اور اس کی ماں بہت بڑی ملکہ تھی۔ لیکن اب یہاں وہ خود اور اس کی ماں، محض دور دراز ہیں اور باقی روحوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتیں۔ ہم یہاں اس وقت تک ٹہرے ہیں جب تک ہم پر اس عالم اور وجود فنا کے تمام راز نہ کھل جائیں!

حیوانات کی عمر

تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ بڑی حیوانات اپنی طبعی موت کو کم مرتے ہیں۔ زیادہ تر قبل از وقت موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مردہ گری، بھوک پیاس، قتل اور دوسرے بہت سے حادثے ان کی زندگی ختم کر دیتے ہیں۔

حالی میں ایک جرمن ڈاکٹر ٹین نے اس سلسلہ پر بحث کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ ملائمے ایک حیوانات کی عمر کے متعلق جتنے نظریے قلم لے گئے ہیں، اکثر غلط ہیں۔ اور یہ کہ عمر کی درازی، جسم کے قد قیاس پر موقوف نہیں ہے، بلکہ دوسرے اسباب سے تعلق رکھتی ہے۔ ہر بیل بھلی کو مستثنیٰ کر کے، جس کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے بعض دوسرے حیوانوں کی عمر اس ڈاکٹر کی رائے میں حسب ذیل ہے:

کچھو	۲۰۰	برس
طوطا	۲۰۰	"
کڑا	۲۰۰	"
بٹا	۲۰۰	"
ہاتھی	۲۰۰	"
شکار	۱۶۲	"
گدھ	۱۲۲	"
شیر	۵۰	"
بوم	۵۰	"
بھگلا	۶۰	"
اونٹ، گھوڑا، گدھا	۵۰	"
دیکھ، کرگدن، دریائی گھوڑا	۵۰	"
گرگھوڑا، میڈک	۴۰	"
جنگلی سور	۳۰	"
شیر، چیتا، دریائی بھگلا	۲۵	"
گدیا	۲۰	"
ہرن	۱۶	"
کٹی اور بھینس	۱۵	"
لومڑی	۱۰	"
چوہا	۳	"

اسی ڈاکٹر نے یہاں پر یہ بھی لکھا ہے کہ بعض شکاری جانور بھی ان کی عمر میں شامل ہیں۔

حالانکہ معلوم ہے جنگ عرصی میں جن سلطنتوں نے شکست کھائی تھی ان کے ہتیار چھین لئے گئے ہیں اور ان کے پاس کوئی فوج بھی نہیں ہے۔ "خود مجلس اقوام کے صدر سینور زیک وگلز کو اعزاز کرنا چاہا کہ تین دول عظمیٰ: برطانیہ، امریکہ، اور جاپان اپنے جنگی جہازوں کے محدد کر لئے پر متفق نہیں ہوئیں، لہذا کوئی امید نہیں کہ باقی سلطنتیں باہم کوئی سمجھوتہ کر سکیں گی!"

فرعکتاب مجلس اقوام کی حقیقت کھل گئی ہے اور یہ پتہ چل گیا ہے کہ اس پر اعتماد نہیں لکھتا۔

جنون کے بارے میں ایک نیا منظرہ

ڈاکٹر کارل ویگلڈ، امریکہ کا ایک مشہور ڈاکٹر ہے اور عقلی امراض میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ حال میں اپنے جنون کے متعلق ایک نیا منظرہ پیش کیا ہے۔ اس منظرہ کو بہت سے علماء، خود ڈاکٹر کا جنون بتاتے ہیں، مگر وہ اس پر اصرار دہرے ہوئے، اس قدر صبر کرتے ہیں کہ منظرہ یہ نہیں کہتا۔ ایک مسلم حقیقت بتاتا ہے!

منظرہ یہ ہے کہ "موت جس سے تمام لوگ اس قدر ڈرتے ہیں، محض ایک معمولی حادثہ ہے۔ موت کے معنی یہ ہیں کہ روح ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ موت کی کوئی حقیقت نہیں۔ خود روح کو بھی اس انتقال کی خبر نہیں ہوتی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مجھتے مجھتے روح پھر عالم مادہ کی طرف لوٹ آتی ہے اور کسی زندہ آدمی کے جسم میں حلول کر جاتی ہے۔ جیسا کہ پیش آتی ہے تو آدمی مجنون ہو جاتا ہے۔ پس جنون کی علت یہ ہے کہ کوئی گم ہشت راہ روح، جسم میں حلول کر گئی ہو۔

ڈاکٹر اپنے مضمون میں لکھتا ہے:

"۳۰ برس کی تحقیقات کے بعد مجھے ثابت ہو گیا ہے کہ موت کے بعد بھی روح باقی اور زندہ رہتی ہے۔ ہمارے گرد بے شمار روحیں بھڑکی ہیں اور ہم سے مخاطب ہونا چاہتی ہیں۔ لیکن ہم نہ انہیں سمجھتے ہیں نہ کسی اور طرح محسوس کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ خود یہ دنیا بھی جاہل ہوتی ہے۔ نہ اپنی حالت پوری طرح جانتی ہے نہ ہلکے سکوت ہی کے سبب سے واقف ہوتی ہے۔ یہی جہالت انہیں ایک تاریک عالم میں لجا رہی ہے اور وہ اس سرگرداں دنیا میں ہیں۔ لیکن بہت سی روحیں بھٹک کر اس دنیا میں داپس آ جاتی ہیں اور انہیں جسموں میں داخل ہو کر انہیں مجنون بنا دیتی ہیں۔

"ہر انسان کے جسم سے ایک تنطیلی سیال مادہ بہتا رہتا ہے جو بھی مادہ روح کو جسم کی طرف کھینچتا ہے بعض جہول سے اس مادہ کا

نام ہند "مجلس اقوام" اور چھوٹی تو ہیں حال میں امریکن اخبارات کا ایک سربر آوردہ مناسبتہ مجلس اقوام کی کارروائیوں کا مطالعہ کرنے جتنو لگیا تھا۔ واپسی کے بعد اس نے امریکن اخبارات میں حسب ذیل تاثرات شائع کئے ہیں:

"یہ انجمن، صرف دول عظمیٰ نے اپنی دلچسپی اور خود غرضی کے لئے بنائی ہے۔ تمام چھوٹی سلطنتیں ان کے جورد استبداد سے فریاد کر رہی ہیں مظلوم قوموں کو یہاں بچ کیا جاتا ہے اور ان کی کھال کھینچ کر تھپتھپاتے جاتے ہیں۔ کمر درتوسوں کی فریادیں، ردی کی ٹوکر میں ڈال دی جاتی ہیں اور وہ مجلس اقوام کو نکت کرتی، روتی پیتی نامراد لوٹ جاتی ہیں۔ یہ انجمن کچھ مفید ہو سکتی تھی اگر دول عظمیٰ اپنی سازشی طبیعت بدل دالتیں۔ مگر یہ نامکن ہے۔ سازش ان کے غیر میں داخل ہو چکی ہے جو ان کی تمام رکن سلطنتیں اس امر سے بخوبی واقف ہیں اور اب چھوٹی سلطنتیں بناوٹ پر طیارہ بڑھی ہیں۔ چنانچہ انجمن کے آٹھویں سالانہ جلسہ میں انہوں نے اپنے مضمون اور فقرات کا علانیہ مظاہر کر دیا۔ سویڈن، ہالینڈ، پولینڈ، فنلینڈ، لیتھینیا، استونی وغیرہ نے بلگریے سے کی۔ انہوں نے مناسبتہ لفظوں میں کہہ دیا۔ دول عظمیٰ نے اس انان کی کشتی، جان بوجھ کر ترقی کر دی ہے۔ وہ تمام اضطراب اور بے چینی وہاں لے آئی ہیں جو گزشتہ جنگ کا سبب تھی۔ وہ باہم سازشیں کرتی ہیں۔ خفیہ معاہدے طیارہ کرتی ہیں اور وہ تمام خطرناک کام کر رہی ہیں جو مجلس اقوام کے مقاصد کو قطعی مخالفت رکھتے ہیں"

"چھوٹی قوموں کی بنیاد کا علم ہالینڈ لبر کیا۔ اس نے مطالبہ کیا کہ ۱۹۱۹ء والا معاہدہ کا پروڈکول زندہ کیا جائے جس کی رو سے جرمنی کو تیار ہوں کی قلیل اور چھوٹی سلطنتوں کی زبردست سلطنتوں کی حمایت ضروری ہے۔ ہالینڈ کی اس تجویز کی سولین نے تائید کی اور اس کے مناسبتہ نے تصریح کی کہ اس وقت بعینہ وہی مسلک، دول عظمیٰ نے اختیار کر لیا ہے جو گزشتہ جنگ کا سبب ہوا تھا اور اس مناسبتہ بھی ایک بہت زیادہ ہولناک جنگ کا موجب بنے گا۔

"پولینڈ نے اس کی تائید کرتے ہوئے تجویز کی کہ مجلس اقوام جنگ کی حرمت کا قطعی فیصلہ صادر کرے۔ لیتھوینیا اور فنلینڈ نے تجویز کی کہ تمام سلطنتیں اس بات کا عہد کریں کہ ہر مظلوم سلطنت کو مالی مدد دیں گی تاکہ وہ اپنی مخالفت پوری طرح کر سکے۔ فنلینڈ کے وزیر خارجہ نے بیان کیا کہ گزشتہ سال یوٹ نے اپنے جنگی سالانہ پر

۲۱۹،۰۰۰،۰۰۰ روپے خرچ کئے ہیں۔ یہ بعینہ اتنی ہی رقم ہے جتنی سالانہ میں اس نے خرچ کی تھی، جس سے جنگ عرصی کا کھلو ہوا۔ یوٹ کی اس وقت مجموعی جنگی قوت، ۵۰،۰۰۰،۰۰۰ سپاہی ہیں۔ یعنی سالانہ میں یہ ایک پاس یعنی فوج تھی، اس سے اس وقت تھوڑی سی کم ہے۔

دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں ہر آدمی کی سالانہ آمدنی
(دستخط میں)

امریکہ	۳۳۲۸	روپیہ
برطانیہ	۱۴۵۶	"
فرانس	۱۲۹۲	"
اطلی	۵۴۰	"
جاپان	۱۱۸۰	"
ہندوستان	۳۰	"

فی کس روزانہ آمدنی

امریکہ	۱۲
برطانیہ	۱۱
فرانس	۱۰
اطلی	۹
جاپان	۸
ہندوستان	۷

ٹیکس کی فی آدمی شرح بحساب روپیہ

سال	برطانیہ	فرانس	جرمنی	اطلی	امریکہ	ہندوستان
۱۹۱۳ء	۵۲-۸۰۰	۲۸-۳۰۰	۲۳-۰۰۰	۱۸-۰۰۰	۲۱-۰۰۰	۲-۱۳-۰۰
۱۹۲۰ء	۳۲۰-۸۰۰	۱۳۱-۰۰۰	؟	۸۳-۰۰۰	۱۳۵-۰۰۰	۴-۸-۰۰
۱۹۲۵ء	۲۹۱-۴۰۰	۱۵۹-۰۰۰	؟	۱۰۹-۰۰۰	۸۴-۰۰۰	۵-۷-۰۰
۱۹۲۷ء	۲۳۰-۷۰۰	۲۲۵-۰۰۰	۶۳-۰۰۰	۱۲۰-۰۰۰	۸۱-۰۰۰	۵-۱۰-۰۰

ہندوستان اور جزائر برطانیہ میں پیشوں

کے اعتبار سے آبادی کا تناسب

ہندوستان	جزائر برطانیہ
مجموعی آبادی ۳۱۹۳۶۱۰۰۰	مجموعی آبادی ۴۶۳۰۰۰۰
زراعت پیشہ ۶۱۵۸	۱۱۵۶
صنعت پیشہ ۱۱۶۳	۵۱۵۲
تجارت پیشہ ۶۵۳	۱۳۵۳
آزاد پیشہ ۲۵۶	۵۲۶
بچ کی نوکریاں ۱۵۵	۱۲۵۸
دوسرے پیشے ۵۱۵	۰۰۰
کان کن ۱۵۱۷	۶۱۵

دنیا کی فردوری پیشہ آبادی

ملک	مجموعی آبادی	فردوری
امریکہ	۱۰۵۷۱۶۰۰۰	۴۶۶۷۷۰۰۰
برطانیہ	۴۶۲۰۷۰۰۰	۲۵۷۳۳۰۰۰
فرانس	۳۹۲۰۹۰۰۰	۲۰۹۳۱۰۰۰
جرمنی	۵۹۸۵۸۰۰۰	۳۰۲۳۲۰۰۰
اطلی	۳۸۸۳۶۰۰۰	۱۸۷۱۸۰۰۰
ہندوستان	۳۱۹۳۶۱۰۰۰	۶۸۸۶۳۰۰۰
کیوبا	۸۷۸۸۰۰۰	۳۲۲۱۰۰۰
آسٹریلیا	۵۵۱۰۰۰۰	۲۳۹۷۰۰۰
جنوبی افریقہ	۱۴۲۲۰۰۰	۴۷۴۰۰۰
نیوزی لینڈ	۱۲۸۴۰۰۰	۵۱۵۰۰۰

ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۳)

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی آبادی مع شرح پیدائش و اموات

نام شہر	۱۹۲۱ء	۱۹۱۱ء	۱۹۰۱ء	پیدائش	موت
کلکتہ	۹۰۷۸۵۱	۸۹۶۰۶۷	۸۴۷۹۶۶	۱۸۵۹	۲۲۵۷
ممبئی	۱۱۷۵۹۱۴	۹۷۹۴۴۵	۷۷۶۰۰۶	۱۷۶۰	۲۷۶۰
مدراں	۵۲۶۹۱۱	۵۱۸۶۶۰	۵۰۹۳۴۶	۲۳۵۶	۴۷۶۳
ہوورہ	۱۹۵۳۰۱	۱۷۹۳۸۹	۱۷۷۵۹۴	۲۴۵۶	۲۳۳۸
ڈھاکہ	۱۱۹۴۵۰	۱۰۸۵۵۱	۷۹۷۳۳	۲۳۵۶	۲۷۶۲
ٹنہ	۱۱۹۹۷۶	۱۳۶۱۵۳	۱۳۴۷۸۳	۲۱۵۷	۱۴۵۷
بنارس	۱۹۵۳۷۳	۲۰۸۱۲۱	۲۰۹۳۳۱	۵۷۱۵	۴۷۱۵
الہ آباد	۱۳۵۶۰۵	۱۵۹۷۰۱	۱۷۷۶۳۲	۲۷۶۰	۲۷۶۰
آگرہ	۱۸۳۷۷۰	۱۸۳۶۱۹	۱۸۸۰۲۲	۶۰۲۷	۲۹۵۰
کانپور	۱۹۵۰۸۵	۱۷۷۰۴۰	۱۹۷۱۴۰	۲۶۲۱	۴۳۷۷
لکھنؤ	۲۱۷۱۶۷	۲۶۰۶۲۱	۲۶۴۰۴۹	۲۶۱۲	۳۶۷۷
دہلی	۲۳۶۹۸۷	۲۲۵۴۷۱	۲۰۸۷۷۷	۲۶۲۳	۲۹۷۷
لاہور	۲۵۷۲۹۵	۲۱۰۲۷۱	۲۰۲۹۰۴	۲۳۷۷	۳۷۸۴
کراچی	۲۰۶۱۹۱	۱۵۹۲۷۰	۱۱۶۶۶۸	۲۶۶۰	۲۶۶۰
طبرہ	۹۱۸۸۰	۹۹۳۷۷	۱۰۳۷۹۰	۳۸۷۱	۳۷۸۱
جے پور	۱۲۰۱۹۶	۱۳۶۱۹۹	۱۶۰۷۰۷	۲۲۶۷	۳۷۹۰
ناگپور	۱۱۲۴۵۳	۱۰۶۴۲۲	۱۲۷۷۳۲	۶۰۰۳	۴۷۳۶
رنگون	۳۳۵۵۰۵	۲۹۳۳۱۶	۲۳۳۸۸۱	۱۸۷۷	۲۷۸۱

برطانوی ہندوستان میں تختی آبادی کی بڑائی

صوبہ	مرد	عورتیں	مجموعی تعداد
مدراں	۶۹۷۹۰	۷۹۸۶۴	۱۴۹۶۵۴
ممبئی	۱۴۱۳۷۳	۱۴۲۴۴۳	۲۸۳۸۱۶
بنگال	۱۳۹۳۴۷	۱۳۳۳۳۰	۲۷۲۶۷۷
پونہ	۱۰۷۲۲۲	۱۰۷۰۲۳	۲۱۴۲۴۵
پنجاب	۷۲۳۳۲	۷۲۱۳۵	۱۴۴۴۶۷
برما	۲۲۴۹۷	۲۲۴۵۶	۴۴۹۵۳
بہار	۸۳۳۴۹	۸۵۵۲۷	۱۶۸۸۷۶
کراچی	۲۸۳۶۴	۲۹۷۷۳	۵۸۱۳۷
آسام	۲۹۲۳۷	۲۳۱۵۲	۵۲۳۸۹
مکلی برطانوی ہند	۶۰۰۸۹۳	۶۰۶۶۲۸	۱۲۰۷۵۲۱

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و مقبرہ مقبول خاص و عام اسم باہمی

ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی کا

مدیم الشال نادر ابو جوسرانی تحفہ

”ہمدرد، دہلی“

تار کا کافی پتہ

ماء اللحم دوا آتشہ

بہ نفع خاص

زندگی جیسی غریزہ اور پیاری چیز جو وہ ظاہر ہو۔ لیکن تندرستی بھی ایسا ہی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے طاعت بلکہ سیکڑ ہو۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہو تو سب کچھ ہو۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشیدہ کیا ہوا مالچ استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا طبع آٹھائے یہ امر تو مسلم ہے کہ مالچ معوی اور داح ہے، بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا بھارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا لگی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا مالچ خصوصیت کے ساتھ پردوں کو جان اور جوانوں کو جوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور مدیم شیت اور معوی اور ذرت بخش اجزاء سے بطور خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کے معمولی اور کئی نہیں جو بلکہ عالیجناب شفا دار الملک بہادر و غفران آباؤائیں علم دہلی کا خاص خانہ دانی نسخہ جو جناب مدوح نے بغرض رفاه عام ”ہمدرد و دواخانہ“ کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ مالچ کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا شاہرہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر معتد بہ اور پورا فائدہ ایک جلد میں ہوتا ہے۔ چلک کو صرمت اپنی غلطی اور خوش بیاہی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض امور میں ہم کو اپنی سچی ہمدی کے اہلدار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

مالچ کے استعمال کا یہی موسم ہو اور یہی زمانہ ہو شکائے اور آزارائے تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعوئی میں سچا ہے۔ مشک آنت کو خود بخود۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی یا پھر پیسہ فی بوتل مقرر کی گئی ہو مٹا اسکے چند اہم کے علو معوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پوسے اغفال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسبیت پر ملتی ہیں۔ فہرست مدیم ابو جوسرانی تیار ہے۔ مفت طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ ”میجر ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی“

میجر ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی

برص سفید داغ ابولومین خربے غائب

در نہ پوری قیمت واپس۔ افراد نام رکھائیں کہیں خوراک معجون سیمادور ایک شیشی روغن سیماجو پوسے ۲۱ روز کافی ہوگی قیمت معجون سیمادور پیرہ آنہ

دقمر علاج برص نبشہ در بھنگہا (ہبار)

پکوانہ

اپنی قیمت کا پہلا سال ملک اور قوم دولت کا بچا پروانہ دلچسپ اچھوتے مضامین نظم و نثر سے لبریز نو برس کا ڈیڑھ سال سے نہایت پابندی کے ساتھ شائع ہو گا لکھائی چھاپائی اور کاغذ بہت نفیس چند سالہ تین پڑھنے طلبہ سے دور پیر (عام) مالک غیر سے پانچ روپیہ (مشر)

میجر برص پکوانہ در بھنگہا

گھسکر آرمالو

دور و لے تولہ سونا

زنگ پیکر نو

جوسرانی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت نازک نقش چوڑیاں جوسرانی سے نکلائی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک قول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ انکے اندر رنگیں چوڑیاں آجاتی ہیں۔ امدیہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرجہ ادیا قوت کے کچھ بڑے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ درون میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی بھی ہے۔ مصنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ ڈھائی روپیہ میں پانچ سو روپے کا نام نہ لاجا سکتا ہے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں ذرا فروخت ہوتی ہیں۔ جلد ننگوائے ناکاشات ختم نہ ہو جائے۔ ۸ چوڑیوں کی قیمت ڈھائی روپیہ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہو گا۔ چوبیس چوڑیوں کا دام مبلغ سات پینے (مشر)

میجر گولڈن سٹور پوسٹ بکس لاہور

ابو جوسرانی کی بے نظیر تولیاں ہر کسی میں۔ صدی علی آسانی سے قیم چھوچکے ہیں کہ پڑھنے والے کے لئے عمار کی گولیاں کافی۔ حکیم محمد عمر ایڈیٹر سنٹر۔ موگا ضلع فیروز پور پنجاب۔

مطبوعات جامعہ

تاریخ الامت۔ تاریخ اسلام کا وہ جلد جو مجموعہ تاریخی اصول اور تحقیق و تنقید کے ساتھ مولانا حافظ محمد اعظم صاحب جبر اچھے نے اردو خوان ملک اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے تالیف فرمایا ہے۔ طرز تحریر نہایت سادہ اور سلیس اور عالم جامعہ اسلامیہ دہلی اور علیہ تعلیم صوبہ سرحد برائے انکے اپنے مدارس کے لئے پسند کیا ہے۔

(۱) حصہ اول سیرۃ الرسول میر (۲) حصہ دوم خلافت راشدہ (۳) حصہ سوم خلافت عباسیہ میر (۴) حصہ چہارم خلافت عباسیہ (۵) حصہ پنجم خلافت عباسیہ جلد دوم عام

(۵) حصہ پنجم خلافت عباسیہ جلد دوم عام دیوان غالب اردو (طبع ثانی) مطبوعہ برلن جرمنی۔ ہندوستان کا مایہ ناز شاعر ادیب مرزا غالب کے کلام کا مجموعہ بڑی لطافت و نفاس کے ساتھ طبع کر آیا ہے۔ پاکٹ سائز۔ مالچ جلد بھرے نقش و نگار طلائی اور ارق اور غالب کی لائٹ ملکی نگین تصویر جوسرانی ہندوستان کا اعلیٰ ترین ہو دیوان مکمل ہو جس میں مرزا رحمہ کا خود نوشتہ مقدمہ غزلیات۔ قصائد اور رباعیات ہیں۔ آخر میں بیاض کے لئے حاشیہ دار سادہ اور ارق شامل ہیں۔ جلد کا رنگ ترخ۔ نیلا یا سبز قیمت صرمت چار روپے (اللہ) لکھنے کا پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی

تاریخ فلسفہ اسلام آڈیو کے شوقینوں کی ایک شوقین۔ ج۔ دی پور کی تصنیف کا براہ راست جوسرانی سے ترجمہ از ڈاکٹر سیطہ حین صاحب۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی (برلن) استاد فلسفہ تعلیمات عالم اودھا کا دی جامہ تعلیمات (عام) برہان۔ تفسیر سورہ نور مصنفہ محمد علی صاحبہ صاحبہ روتی۔ خواجہ صاحبہ سلسلہ تفسیر القرآن فی سائر اہلہ کسی تعداد کا محتاج نہیں۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مصنف کی دیگر تفاسیر بھی ہم سے مل سکتی ہیں۔ ہدیہ جلد ۱۰ (ایک روپیہ) نبیادی معاشیات۔ اٹھ دن کی مشہور و معروف تصنیف کالیں اردو میں ترجمہ از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی شیخ (مجاہد)

ان تمام صحاب کے لئے جو قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی شاہکار کا شوق رکھتے ہیں دنیا میں عظیم الشان مقام I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرائی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرائی تصویریں، پرائی سکے،
اور نقش، پرائی زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرائی صنعتی،
عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش
گاہوں اور ذخائر کی فرستیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے
ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مسارت و سامانی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

بائیں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیزہ مدت تک آنداں ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام ٹپے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے
رہتے ہیں۔ تاہم کے لئے ایران شاہی کے نوادر بھی حال میں ہم سے فراہم کیے جاسکتے ہیں

اگر آپ کے پاس نفی اور موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے لئے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھر آگے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں
شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلہ
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چھ ماہ
کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

منیجر " البلاغ پریس "

النجر الحلال مجلدات الهلال

گاہ گاہے بازخان این دفتر پارسہ را
تازہ خاوی داشتند گردانمہ سینہ را

اردو صحافت کی تاریخ میں الهلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفرین دعوت تھی۔

الهلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصرعہ رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراک کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ادب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس نے ظاہری خریدار اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہفت گون تصاویر کے اندراج کا انتظام دیا گیا، اور قارئین میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خریدیں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں تھیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیہ میں خرید دیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کیے ہیں وہ بڑی بڑی قیمت پر بھی غلغلہ کر کے ایلایے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں ”البلاغ پریس“ کا جب تمام اسدائے نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الهلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے دوش کی یہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جانیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک درپرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا دیا جائے۔

چندچہ الحمد للہ یہ دوش ایک حد تک مشہور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہوئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں۔ چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہوسکتی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی اندکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
”چہارم ۱۰ روپیہ“ ”پنجم ۱۰ روپیہ“
جلد ”البلاغ“ (جب دوسری مرتبہ الهلال اس نام سے شائع ہوا)
قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصول داک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

منیجر ”البلاغ پریس“

مطبوعات الهلال بك ایجنسی معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کے بیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے امامین کی ان نادر و اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے۔

آسروہ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازھائی روپیہ -

ذباب الرسیلہ — لفظ ”رسیلہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی ہے۔ بلا جلد ازھائی روپیہ، مجلد سوا تین روپیہ -

اصحاب صفہ — انکی تعداد، ذریعہ معاش، طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آنے -

تفسیر سورة الکوتر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمہ - چار آنے -

العزرة الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل بیان کیا ہے - چھ آنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں - نو آنے

بعد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی تازہ کتاب کا اردو ترجمہ - سوا روپیہ -

ائمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الامام - بارہ آنے
خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آنے

مہم سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کوشش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معنی و ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی -

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

“ Al-Hilal Book Agency,”

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹالمر اف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹالمر اف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ

دیتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی نوالد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹالمر لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو - بولن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میوزوں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میوزوں، توکاروں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھریوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

الحمد لله

مبلغ در کل
ابن پری

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”منیجر الہلال“ کے نام سے کی جائے لیکن جر خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفاظ پر ”ایڈیٹر“ کا نام ہونا چاہیے۔

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خرش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں۔

(۷) منی اقدار روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں۔

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض، مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا۔

لَا تَقُولُوا لِمَا تَرَوْنَ وَلَا تَسْمَعُونَ إِنَّمَا أَكْثَرُكُمْ مُضِلٌّ

الہلال

ایک ہفتہ وار مصور سال

نمبر ۲۳

کلکتہ : جمعہ ۲۹ جمادی الاول ۱۳۴۶ ہجری

جلد ۱

Calcutta : Friday, 25, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان
دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی
تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

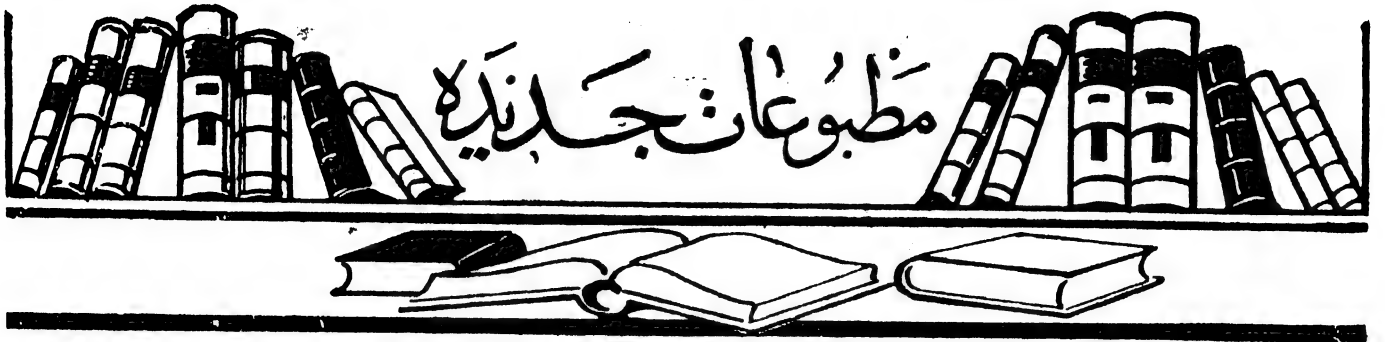
اس باری میں اس وقت تک ۱۷۴۲ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۲۵۰
اردو حروف کی حق میں	۴۵۲
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۶۸۰
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۹۰
حروف کی حق میں بشرطیکہ	
نستعلیق ہوں	۱۶۰

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر
کریں گے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال



رستم بن رضا

(نپولین کا چرکسی غلام اور معتمد)

الہلال کے گذشتہ نمبر میں ہم نے ایک جرمن اہل قلم کی جدید کتاب کا ذکر کیا تھا جس میں اُس نے نپولین کے بعض غیر

مشہور گوشہ ہائے حیات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ابھی اس کتاب کی بہت سی دلچسپ اور عبرت انگیز داستانیں باقی ہیں، لیکن ہم چاہتے ہیں، مجلس کے تبدیل ذائقہ کیلئے اُسکے ایک دوسرے حصہ پر قارئین الہلال کو توجہ دلائیں۔ یہ حصہ بھی تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے پچھلی داستانوں سے کمتر نہیں ہے۔ اس میں نپولین کی درباری زندگی کی ایک عجیب و غریب تاریخی شخصیت سے اُنکی تقریب ہوگی۔ یہ شخصیت دس برس تک نپولین کے تمام عجائبات زندگی کی طرح یورپ کی ایک عجیب و غریب ہستی کا درجہ رکھتی تھی۔ حالانکہ اُسکی ابتدائی زندگی اس طرح شروع ہوئی تھی کہ وہ مصر کا ایک چرکسی غلام تھا!



رستم بن رضا

یورپ کے تمام مورخین نے اس کا

نام رستم بن رضا لکھا ہے۔ فرانس کے قیام کے بعد اُس نے فرانسیسی زبان میں اسقدر قابلیت حاصل کر لی تھی کہ آخری عمر میں اپنی یادداشت حیات قلمبند کی۔ اس یادداشت میں اُس نے خود اپنے قلم سے اپنے ابتدائی حالات لکھے ہیں۔ جرمن مصنف ہمیں بتلاتا ہے کہ یہ کتاب اسکے پیش نظر ہے۔

(مہیب آقا اور عجیب غلام!)

گزشتہ صدی کے اوائل میں روئے زمین پر ایک طوفانی آندھی آئی۔ اُس نے بادشاہوں کے تخت اُبت دیے۔ تاجداروں کے تاج گرا دیے۔ یہ ایک مہیب جبار تھا جس کے سامنے تمام یورپ سر بسجود ہو گیا تھا۔ اس مہیب آقا کے ساتھ ہمیشہ ایک عجیب و غریب غلام بھی دیکھا جاتا تھا۔ مہیب آقا نپولین تھا، اور عجیب الہیٹ غلام رستم تھا!

رستم بن رضا کوفان سنہ ۱۷۸۲ع میں تفلیس (قراقاز) میں پیدا ہوا۔ اُس کا بچپن کوہ قاب کے مرغزاروں میں بسر ہوا تھا لیکن زمانے کے انقلابات نے اُس کے دل و دماغ پر اُس سرزمین کے حسن و جمال طبیعت کا کڑی اثر باقی نہیں چھوڑا۔ وہ نہ تو شاعر ہوا، نہ مصور۔ اُس کی قسمت میں ایک عجیب انسان کا عجیب غلام بننا تھا!

نپولین کے سرکٹری مینزل نے اپنے روز نامے میں لکھا ہے: ”رستم کا باپ طبیب تھا۔ بعض مورخین نے اُسے تاجر بھی بتایا ہے۔ اُس کے چار اولاد تھے۔ انمیں ایک رستم تھا۔ سنہ ۱۷۹۵ - تک وہ اپنے والدین کے ساتھ رہا“

خود رستم نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ وہ اپنی ماں سے از حد محبت رکھتا تھا۔ یہی محبت اُس کی تمام مصائب کا سبب ہوئی۔ باپ نے اُسے گھر سے نکال دیا اور وہ آردہ گردوں کی طرح گاؤں گاؤں پھرنے لگا۔ اتفاق سے اُسی زمانے میں وہاں کے امراء میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ رستم اس جنگ میں قید ہو گیا، اور بہت دنوں تک ایک قلعہ میں بند رہا۔ پھر وہاں سے بھاگا تا کہ اپنی ماں کی کفالت کرے۔ اب وہ اپنے شوہر سے علیحدہ ہو گئی تھی اور چھوٹے چھوٹے بچے ساتھ لے کر کسی طرف چلی گئی تھی۔

بہت تلاش کے بعد رستم نے ماں کا پتہ لگایا اور اُس کے ساتھ رہنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد اُس نے ارادہ کیا کہ کسی شہر میں جا کر آباد ہو جائے اور اپنے خاندان کی پرورش کا انتظام کرے۔ وہ سب کو ساتھ لے کر چل دیا، مگر راستے میں بردہ فروش قزاقوں نے گھیر لیا، اور پورا قافلہ گرفتار ہو گیا۔ بردہ فروشوں سے ایک مالدار عورت نے رستم کو خرید لیا اور اپنا لڑکا بنا کر گھر میں رکھا۔ لیکن اُس کے شوہر کو گھر میں اس خوبصورت نوجوان کی موجودگی ناگوار ہوئی۔ اُس نے مصر کے ایک امیر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

مصری امیر رستم کو مصر لایا۔ پھر اپنے ساتھ مکہ معظمہ لے گیا۔ حج کے بعد دنوں شام کے راستے واپس ہوئے۔ مگر ابھی راہ ہی میں تھے کہ معلوم ہوا، نپولین نے مصر پر قبضہ کر لیا ہے۔ امیر نے فیصلہ کیا کہ مصر نہ جائے اور اپنے دوست احمد باشا جزار والی

قیمت لباس میں "قنصل" (نیپولین) کے ساتھ ساتھ پہرا کرتا تھا اور پیرس کی مخلوق اُسے دیکھ کر متعجب رہ جاتی تھی !

قنصل مقرر ہونے کے بعد نیپولین اُس محل میں اٹھ گیا، جو حکومت نے اُسے دیا تھا۔ رات کو اُس کے خاص کمرے کی نگہبانی رستم ہی کے ذمے تھی۔ وہ رات بھر دروازے پر پڑا رہتا تھا اور کسی کو اندر جانے نہیں دیتا تھا۔

ایک دن جوزیفائن کو معلوم ہوا کہ نیپولین کے ساتھ ایک عورت موجود ہے۔ وہ غصے میں بھری ہوئی اٹھی اور کمرے میں گھس پڑنا چاہا۔ مگر رستم دروازے پر سو رہا تھا۔ اُس کے خرائے اتنے بلند اور خوفناک تھے کہ جوزیفائن ڈر گئی۔ شمع ہاتھ سے گر پڑی اور بدحواس لٹے پاؤں بھاگی !

دن کے وقت رستم کے فرائض یہ تھے کہ صبح اپنے آقا کو حجامت میں مدد دیتا تھا۔ نیپولین نہایت تنگ مزاج تھا۔ بار بار چلا اٹھتا تھا "گدھے ! آئینہ سیدھا کر۔ خوش قسمتی سے تیرا آقا مصری نہیں ہے ورنہ گردن اڑا دیتا ! " حجامت کے بعد اپنے آقا کو نہلاتا تھا۔ پھر اُس کے ساتھ دفتر جاتا تھا اور ایک لمحہ کیلئے بھی جدا نہیں ہوتا تھا۔

کلیدر کہتا ہے :

"نیپولین نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ لیکن وہ اپنی فیاضی سے دوسروں کی محبت خرید لیا کرتا تھا۔ ہمیشہ جوتے میں اپنی تمام جیت، رستم کو دیدیا کرتا۔ ایک مرتبہ پانچ دن کے اندر تین ہزار فرنک رستم کو مل گئے۔ اِس تقرب کی وجہ سے تمام خادم رستم پر حسد کرنے لگے تھے۔ صرف خادم ہی نہیں، بہت سے بڑے بڑے آدمی بھی جلتے تھے۔ اُن کا خیال تھا۔ رستم کی یہ تمام قدردانی صرف اِس لیے ہے کہ وہ اُس کے دشمنوں کو خفیہ قتل کر دالتا ہے۔

رستم نیپولین کے ساتھ سایہ کی طرح لگا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ فوج کی قواعد کے وقت بھی آقا کے گھوڑے کے پہلو میں اُس کا عربی گھوڑا نمایاں نظر آتا تھا۔ گھوڑے پر چیتے کی کھال کا زین ہوتا تھا۔ زین پر سونے کا کام تھا۔ خود رستم کا لباس، ریشم کا کارچوبی ہوتا۔ در در تک اُس کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی۔ وہ اِس قدر شاندار ہوتا تھا کہ رستم، عرب پادشاہ معلوم ہوتا تھا، اور نیپولین اُس کا فرنگی سپہ سالار۔ تھیٹر میں بھی وہ نیپولین کے پہلو میں بیٹھتا تھا۔ تمام نظریں غلام کی شان و شوکت کے تماشے میں محو ہو جاتی تھیں !

جب کبھی وہ راستے میں تنہا ہوتا، مخلوق ہجوم کر کے ساتھ ہو جاتی۔ مسرت کے نعرے بلند ہونے لگتے۔ اپنے فاتح آقا کی طرح یہ غلام بھی اپنی عظمت و غرور میں مدھوش رہتا تھا۔ وہ بالکل پورا نہ کرتا کہ لوگ اُس کی تعریف میں نعرے لگا رہے ہیں، یا تضحیک کر رہے ہیں !

عکا کے یہاں قیام کرے۔ رستم نے لکھا ہے کہ احمد باشا نے اپنی دوستی کا حق اِس طرح ادا کیا کہ مصری امیر کو زہر دے کر مار ڈالا !

(نیپولین تک رسائی)

رستم نے اب اپنے سامنے ایک نئی مصیبت دیکھی۔ مجبوراً مصر بھاگ گیا۔ مصر میں ایک دوست نے اُسے مشہور خاندان بکری کے سجادہ نشین شیخ السادات کی خدمت میں پیش کر دیا۔ شیخ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اپنے غلاموں کا افسر بنا دیا۔

شام کے حملے سے واپسی پر نیپولین کے استقبال کیلئے مصر کے تمام امراء شہر کے باہر کھڑے تھے۔ سید بکری بھی موجود تھے۔ وہ نیپولین کی سواری کے لیے ایک گھوڑا بھی لے گئے تھے۔ گھوڑے کی لگام، رستم کے ہاتھ میں تھی۔ نیپولین نے گھوڑا شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا۔ چند دن بعد دو غلاموں کی فرمائش کی۔ سید بکری نے دو غلام حاضر کر دیے۔ انہی غلاموں میں ایک رستم تھا۔

نیپولین نے اپنی خدمت میں لیتے وقت رستم کو ایک مربع تلوار اور طلائی دستے کے درطینچے عطا کیے۔

(فرانس میں داخلہ)

فرانس کی واپسی میں رستم بھی نیپولین کے ساتھ تھا۔ راستے میں کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ ایک دن نیپولین کے ساتھیوں نے سناٹے کیلئے کہدیا کہ "جنرل تمہیں اِس لیے ساتھ لیے جاتا ہے، تاکہ پیرس کے جلسے میں تمہاری بھینٹ چڑھائے" سادہ لوح غلام ڈر گیا اور راویلا مچانا شروع کر دیا۔ نیپولین نے سنا تو بہت ہنسا۔ اور وہ تمام رقم اُسے بخش دی، جو دروازے سفر میں اپنے ساتھیوں سے جوئے میں جیتی تھی !

نیپولین نے رستم کو مارسیلز میں چھوڑ دیا۔ ہر طرف لوگوں کی

فطریں اُس پر پڑتی تھیں۔ عورتیں تو اسپرٹوٹ پڑیں۔ اسے عجیب مشرقی اطوار اور چرکسی چشمہ رابر اُنکے لیے نئی قسم کی چیز تھی۔ چند دن بعد نیپولین کا اسباب لیکر وہ پیرس روانہ ہوا۔ راستے میں ڈاکو مل گئے، اور تمام اسباب لوٹ لیا۔ رستم کی مرصع تلوار اور چھ ہزار فرنک کی تھیلی بھی چھین لی۔

جوزیفائن، نیپولین کی بیوی، رستم کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اپنی خدمت میں قبول کر لیا۔ بعد میں لوگوں نے اِس پر طرح طرح کی چہ میگوئیاں کیں۔ کہا گیا کہ جوزیفائن غلام پر عاشق ہے۔ اِسی قدر نہیں بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ نیپولین رستم کو معض اِسی نیست سے لایا تھا، تاکہ جوزیفائن کیلئے دلچسپی کا سامان مہیا کر دے، اور خود اُس کی نگرانی اور رشک سے آزاد ہو جائے۔

(رستم اور پیرس)

کچھ ہی سبب ہر، لیکن پیرس میں رستم کے ظہور نے نیپولین کی عظمت میں غیر معمول اضافہ کر دیا تھا۔ رستم اپنے پیش



(رستمی فیشن)

پیرس کی نازنینوں نے لیے رستم ایک متحرک فتنہ بن گیا تھا۔ وہ ان کی نظر میں مشرقی حسن و جمال کا ایک پر اسرار ہیکر تھا۔ یہاں تک کہ اُس نے لباس کی بھی نقل اتاری جانے لگی۔ پیرس کا سب سے زیادہ مقبول فیشن ”رستمی فیشن“ ہو گیا۔ خود جوزیفائن اس لباس پر فخر کرتی تھی۔ فرانس سے نکل کر یہ فیشن جرمنی پہنچا، اور لریزا ملکہ پریشیا تک نے اختیار کر لیا۔ عورتوں کی طرح مرد بھی اس کی تقلید کرنے لگے تھے۔ یہ بیماری ایسی عام ہوئی کہ خود نپولین بھی مبتلا ہو گیا۔ اُس نے بھی رستم کا سا لباس اپنے لیے بنوایا تھا اور بڑے بڑے جلسوں میں پہن کر جاتا تھا!

اُس عہد کے ماہر مصوروں نے رستم کی تصویریں اُتاریں۔ اخبارات و رسائل نے خاص اہتمام سے شائع کیں۔ پورے یورپ میں اُس کی شہرت عام ہو گئی۔

جب نپولین کی تاج پوشی قریب آئی، تو اُس نے، درباری درزی کو حکم دیا کہ رستم کے لیے بیش قیمت خلعت طیار کرے۔ یہ خلعت اس قدر گرانبہا تھا کہ صرف کوٹ پر سات ہزار تین سو فرانک خرچ ہوئے تھے۔ جرتے جرتے ایک سو بیس فرانک تھے۔ یہ رقم اُس زمانے میں ایک شاہی لباس ہی پر خرچ ہو سکتی تھی!

تاج پوشی کے جلسوں میں رستم اپنے خاص لباس میں ملبوس شہنشاہ کے پہلو بہ پہلو چل رہا تھا۔ وہ خود بھی اپنے گھوڑے پر ایک شہنشاہ معلوم ہوتا تھا۔ ہر طرف اُس کے اعزاز میں تالپوں کا شور بلند تھا!

(مفتاہ عروج)

رستم نے اپنی زندگی کے بہترین ایام شہنشاہ نپولین کے ویرسایہ بسر کیے۔ دربار میں اُسے اتنا عروج حاصل تھا کہ خاص و عام سب حسد کرتے تھے۔ نپولین جب کوئی شہر فتح کرتا تھا تو شاہی گاڑی میں فاتح کے پیچھے رستم ہی بیٹھتا تھا۔ نا واقف اُسے سلطنت کا رکن اعظم خیال کرتے تھے۔ بہت سے ارگ اُس کی خوشامدیں کرتے، تا کہ اس کے ذریعہ نپولین کی خوشنودی حاصل کر لیں!

جب نپولین پیرس میں ہوتا تو رستم کو درگھنٹے تقریب کی اجازت ملتی۔ وہ اپنے اُن دوستوں سے ملنے جایا کرتا جن کے یہاں خوبصورت عورتیں ہوتیں۔ لیکن میدان جنگ میں اُسے ایک لمحہ کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ کیونکہ اُس کے فرائض ہر لمحہ اُسے شہنشاہ کے ساتھ رہنے پر مجبور کرتے تھے۔ وہی اس کے لیے کھانے کا بھی انتظام کرتا تھا۔

نپولین کے کھانے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ بسا اوقات وہ کھالے بغیر ہی سو جاتا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ نپولین اُدھی رات کو اپنے بستر پر گیا اور کھانا طلب نہ کیا۔ رستم نے خیال کیا، اب وہ کھانا نہیں کھالگا۔ اُس نے بھنی ہوئی مرغی خروشی کھانا شروع کر دی۔ لیکن ابھی اُدھی مرغی بھی کھانے نہیں پایا تھا کہ نپولین نے کھانا مانگا۔ رستم بہت گہرا ہوا، مگر اب کوئی کیا سکتا تھا؟ وہی بچی ہوئی مرغی لیکر حاضر ہو گیا۔ نپولین دیر تک مرغی دیکھتا رہا۔ پھر غلام پر غضبناک نظارن ڈالیں اور کہا ”میں نہیں چاہتا تھا کہ بعض مرغیوں کا صرف ایک ہی بازو اور ایک ہی

ٹانگ ہوتی ہے۔ مجھے کبھی اس جہات کا رحم بھی نہیں گزرا تھا کہ دوسروں کا جھوٹا کھانا پڑے!“

رستم ڈر گیا۔ رنگ فق ہو گیا۔ **اپنی** ہوئی آواز میں کہنے لگا ”مہربان آقا! میں بہت بھوکا تھا۔ پہلے ارادہ صرف ران کھانے کا تھا۔ مگر افسوس۔ بازو بھی میں کھا لیا!“ نپولین چپ ہو گیا، اور مرغی کھالی، صبح اُس نے ایک سپہ سالار کو بعض احکام دینے کیلئے طلب کیا۔ رستم بھی سامنے کھڑا تھا۔ نپولین نے سپہ سالار سے کہا ”تم نے کچھ سنا؟ کل رات میں نے اُٹنے رستم کا پس ماندہ کھایا تھا! ملعون! ادھر آ۔ میں تیرے کان ملونگا۔ خبردار، پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا!“ یہ کہہ کر نپولین زور سے ہنس پڑا۔ (شادی)

رستم، اپنے آقا کو رزم پیرس کی عورتوں سے اپنے عشقیہ معرکوں کی داستانیں سنایا کرتا تھا۔ نپولین کو ان واقعات سے بڑی دلچسپی ہوتی تھی اور وہ غلام کی ہمت افزائی کیا کرتا تھا۔ آخر رستم کا یہ شوق رنگ لایا۔ اور وہ ایک عورت پر عاشق ہو گیا۔ اُس نے شہنشاہ سے شادی کی درخواست کی۔ نپولین نے پوچھا ”وہ کچھ مالدار بھی ہے؟“ رستم نے جواب دیا ”جب تک حضور کے قدموں سے لگا ہوں، مجھے مل کی کیوں فکر ہو؟“ نپولین کو یہ جواب پسند آیا اور شادی کی اجازت دیدی۔

یکم فروری سنہ ۱۸۰۶ء میں الکزانڈرائن دوریل سے رستم کی شادی ہوئی۔ خود شہنشاہ جلسہ میں شریک ہوا، اور تمام خرچ اپنی جیب خاص سے ادا کیا۔ شادی کے ایک برس بعد لڑکا پیدا ہوا۔ رستم نے اُس کا نام ایشیل رکھا۔ نپولین کو یہ بچہ بہت پیارا تھا۔ اکثر بلا کر اُس سے کہیلا کرتا تھا۔ جب وہ لڑکتا تھا، تو اُس کی دندنوں مٹھیریں میں اشرفیاں ہوتی تھیں!

نپولین کو رستم اس قدر عزیز تھا کہ سفر اٹلی کے موقع پر جب وہ بیمار ہو گیا تو نپولین نے چلتے وقت اُس سے کہا ”رج نہ کرنا۔ میں جلد واپس آونگا۔ میری بیوی تمہاری خبر لیگی۔“

خود رستم نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اُس پر بے حد مہربان تھا۔ شروع میں نپولین نے اُس کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں کی تھی۔ ایک دن اتفاق سے یاد آ گیا تو فوراً ۱۲۰۰ فرانک مقرر کر دیے۔ تھوڑی ہی مدت بعد یہ رقم درگنی کر دی گئی۔ یعنی ۲۴۰۰ فرانک مانے لگے۔ لیڈ ۲۴۰۰ فرانک شکار میں بادشاہ کی بندوق اٹھانے کیلئے، اور ۹۰۰ فرانک دالمی انعام کے طور پر بھی ملے تھے۔ اس کے علاوہ کھیل میں جسقدر روپیہ نپولین جیتتا تھا، سب اسے دیدیتا تھا۔ عیدوں اور جشنوں کے موقع پر بھی بہت کچھ دیتا تھا۔ چھٹنچہ ۲۰۰۰ فرانک سنہ ۱۸۰۸ء میں دیے۔ ۳۰۰۰ سنہ ۱۸۱۰ء میں دیے۔ ۴۰۰۰ سنہ ۱۸۱۱ء میں دیے۔ ۶۰۰۰ سنہ ۱۸۱۳ء میں دیے۔ ۶۰۰۰ سنہ ۱۸۱۴ء میں دیے۔ پھر معزلی سے پہلے ایک مرتبہ یکمشت ۵۰۰۰۰ فرانک عطا کیے!

(رستم کا خاتمہ)

لیکن افسوس ہے کہ مصیبت کے وقت رستم بے وفا ثابت ہوا۔ آقا کے تمام احسانات بھول کر اُس سے رخ پھیر لیا!

۶ اپریل سنہ ۱۸۱۴ء میں نپولین کو تخت سے دست بردار ہونا پڑا تھا۔ وہ جب جزیرہ البا کی طرف روانہ ہوئے لگا، تو رستم بلا اجازت اپنی بیوی سے مشورہ کرنے چلا گیا۔ بیوی شریف تھی۔



حجة ابراہیمی

ایڈ کریمر * الم تر الی الذی حاج ابراہیم * کی تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریقہ

(از مولانا ابو الکلام)

(۳)

افسوس ہے کہ محل اس کا متحمل نہیں کہ مثالوں کے بیان میں اطلب سے کام لیا جائے۔ ورنہ آپ دیکھتے کہ تفسیر قرآن کا کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں ہے جو اس غیر قرآنی طریق تفسیر سے متاثر نہ ہو چکا ہو، اور اصلیت پر بے شمار پردے نہ پوکے ہوں۔ اگر آپ صرف امام راغب اصفہانی کی مفردات ہی اٹھا کر دیکھ لیں جو آج کل کے نئے محققین قرآن میں سے اکثر کا توشہ عام ہے، تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ نہ صرف قرآن کے مطالب و دلائل کی صورت بدل دی گئی ہے، بلکہ اس کے تمام الفاظ کے لیے بھی ایک نیا فلسفیانہ قاموس ترتیب دیدیا گیا ہے، اور وہ چیز جسے اپنے ”عربی مبین“ ہونے پر ناز تھا، اب ایک مشکل ترین عجمی چیستان بننے لگی ہے!

(آیت زبر تدبر)

اب جب کہ یہ تمہیدی مطالب ایک حد تک واضح ہو گئے ہیں، آیت زبر تدبر کی تفسیر نہایت سہل ہے۔ چند سطروں کے اندر تمام مشکلات دور ہو جائیں گی۔ البتہ تفسیر سے پہلے چند مبادیات کی مختصراً تشریح اب بھی ضروری ہے:

(۱) اس آیت میں قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے عہد کے ایک انسان کا مکالمہ نقل کیا ہے۔ سب سے پہلی اور بنیادی غلطی جس کی وجہ سے تمام مشکلیں پیدا ہو گئی ہیں، یہ ہے کہ مکالمہ کی نوعیت ہی غلط سمجھ لی گئی ہے۔ آیت میں ”حاج“ کا لفظ آیا ہے: الم تر الی الذی حاج ابراہیم فی ربه۔ یعنی کیا تمہیں اس آدمی کا حال معلوم نہیں جس نے ابراہیم سے پروردگار عالم کے بارے میں حجت کی تھی؟ چونکہ مفسرین متکلمین کے دماغ میں منطقی طریق مناظرہ و حجت بسا ہوا تھا، اور انبیاء کرام کے حجج و براہین فطریہ کو بھی جامہ پہنانا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے اس مکالمہ کو ”مناظرہ“ مصطلحہ منطقی قرار دیدیا، اور پھر لگے فن مناظرہ کے تمام اصول و اداب اس پر

اس نے کہا ”تمہارا فرض ہے کہ اس نازک وقت میں اپنے مہربان آقا کا ساتھ نہ چھوڑو“ نیپولین کو امید نہیں تھی کہ رستم لوٹے گا۔ مگر دوسرے دن دیکھا تو وہ موجود تھا۔ اس نے اپنے بلا اجازت چلے جانے پر افسوس و ندامت کا اظہار کیا اور نیپولین کا دل اس کی طرف سے صاف ہو گیا۔

اسی اثنا میں نیپولین نے اپنی ناکامیوں سے مضطرب ہو کر زہر کہا لیا، مگر ڈاکٹروں نے اس کی جان بچائی۔ ایک دن اس نے رستم سے پستول طلب کیا۔ رستم نے مارشل برتیب سے مشورہ کیا۔ مارشل نے کہا جو جی میں آئے کر۔ میں کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔ لیکن بعض دوستوں نے کہا۔ اگر شہنشاہ خود کشتی کرلیگا تو دنیا تمہیں کو الزام دے گی۔ کہا جائیگا، تم نے دشمنوں سے رشوت لیکر پستول نیپولین کے حوالہ کر دیا۔ تاکہ وہ خود کشتی کر لے۔

اس واقعہ کو رستم نے حیلہ بنایا، اور نیپولین سے ہمیشہ کے لیے علحدہ ہو گیا۔ جلا وطن ہوئے وقت شہنشاہ نے اپنے غلام کی بابت سوال کیا۔ اور جب اس کی بے وفائی کا حال سنا تو قدرتی طور پر بہت رنجیدہ ہوا۔

رستم کی بے وفائی اسی پر ختم نہیں ہو گئی، بلکہ وہ دو مرتبہ انگلستان بھی گیا۔ وہاں نیپولین کے دشمنوں کے سامنے اپنا شاہی خلعت پہنکر جایا کرتا تھا۔ انگریزوں کے ہاتھ اس نے اپنے آقا کی بہت سی یادگاریں بھی بیچ ڈالیں۔ انہی میں سونے کا ایک تکرہ بھی تھا۔ اس پر لکھا تھا ”نیپولین کی یادگار اپنے وفادار غلام رستم کے لیے“

۷۔ دسمبر سنہ ۱۸۴۵ء کو اس کا انتقال ہوا۔ اس کی قبر اب تک پیرس میں موجود ہے، اور اس پر یہ عبارت کندہ ہے: ”یہاں شہنشاہ نیپولین کا غلام رستم رخصتا سو رہا ہے“

اس کی زندگی ہی میں اس کے دونوں لڑے مر چکے تھے۔ صرف بیوہ اور ایک لڑکی باقی رہی۔ لڑکی کی شادی ایک فرانسیسی تاجر سے ہو گئی تھی۔

الہلال کو

اشاعت کی کمی کی شکایت نہ ہوتی، اگر مصارف کی زیادتی پیش نہ آتی۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں الہلال کی یہی قیمت تھی۔ یعنی بارہ روپیہ سالانہ، مگر تمام طباعتی اشیاء کی قیمت موجودہ قیمتوں سے آدھی تھی۔ اس وقت اگرچہ الہلال کا حلقہ اشاعت اردو کے تمام رسالوں سے زیادہ ہے، لیکن مصارف کی زیادتی کی وجہ سے اب تک آمدنی اور خرچ برابر نہیں ہو سکے ہیں۔ کیا آپ اس معاملہ پر توجہ ضروری نہیں سمجھتے؟ اگر ضروری سمجھتے ہیں تو توسیع اشاعت کے لیے کوشش کیجیے۔

(منیجر الہلال)

عظمت سمجھتے ہیں، جسے ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منہ سے نکلا دینا، انکی بزرگی کی بڑی ہی دلیل اور انکے مرتبہ نبوت و خلعت کی بڑی ہی خورد ریزی ہے!

اس سے بھی بڑھ کر اعجاب العجائب معاملہ یہ ہے کہ قرآن حکیم اس مقام پر جس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے، وہ یہی ہے کہ انبیاء کرام کا طریق دعوت، ”ہدایت“ کا طریقہ ہوتا ہے۔ ”جدل“ و ”خصومت“ کا نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت خلیل نے باوجود اس کے کہ ایک الد الخصام کچ بھٹی کرنے لگا تھا، سرشتہ ہدایت ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور مجادلانہ نزاع کی جگہ طریق ہدایت سے اعتراف حق پر مجبور کر دیا۔ لیکن متکلمین ہیں کہ عین اسی مقام کو مجادلانہ انداز استدلال کی شکل دے رہے ہیں، اور بڑی کوء کندیوں اور کاء براوردنیوں کے بعد ثابت کر دینا چاہتے ہیں کہ اصل حقیقت یہ نہیں ہے۔ بالکل اس سے الٹی ہے۔ یعنی طریق، طریق جدل اور مناظرہ ہے۔ نہ کہ ارشاد الی الحق اور ہدایت الی المقصود!

تفسیر کبیر کا یہ پورا مقام پڑ جائیے۔ معلوم ہوتا ہے، حضرت خلیل اور نمرود کا مکالمہ منطقوں کی ایک اچھی خاصی مجلس مناظرہ ہے۔ ایک طرف نمرود بیٹھا ہے، اور ایک پختہ کار فلسفی کی طرح شفا اور اشارات کے تمام مباحث رت چکا ہے۔ دوسری طرف حضرت ابراہیم ہیں، اور امام رازی اور قاضی عسڈ کے علم کلام کا ایک ایک لفظ نوک زبان رکھتے ہیں۔ نمرود ایک سوال کرتا ہے۔ یہ اُس کا جواب دیتے ہیں۔ وہ ان کے جواب کا توڑ کرتا ہے، اور نئے مقدموں میں اُچھانا چاہتا ہے۔ یہ ایک شاطر مناظر کی طرح فوراً پینترا بدلتے ہیں، اور انہی مقدمات کے داڑ سے اُسے گرا دینا چاہتے ہیں۔ وہ سبب اور واسطہ کے طرف رخ کرتا ہے۔ یہ حرکت افلاک کا پیچ کس دیتے ہیں۔ سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت نبوت نہ ہوئی۔ میر زاهد اور سیالکوٹی کا مباحثہ ہو گیا! حاشا وکلا کہ انبیاء کرام جو تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کے لیے آئے ہیں، یہ مجادلانہ انداز سخن اور مخاصمانہ طریق مخاطب رکھتے ہوں۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی یہ طریق تفسیر تسلیم کر لیا جائے تو ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کر لینا پڑے گا کہ دنیا کے سارے نبیوں اور رسولوں کی سب سے بڑی بڑائی یہ تھی کہ وہ منطقی اور متکلم ہوں۔ لیکن اگر یہی معیار نبوت ہے، تو دنیا کا سب سے بڑا نبی ارسطو تھا جس نے سب سے پہلے منطق کے اصول و قواعد سے دنیا کو آشنا کیا، نہ کہ ابراہیم خلیل اور محمد بن عبد اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام، جن کا لکھنے پڑھنے کے طریقے سے آشنا ہونا بھی ثابت نہیں!

(۲) اب غور کیجیے۔ اس مکالمہ کو ”مناظرہ“ قرار دیکر کس طرح انہوں نے اپنے آپکو مشکلات کے حوالہ کر دیا ہے؟ اگر یہ ”مناظرہ“ ہے، اور حضرت ابراہیم کی بڑی فضیلت یہی ہے کہ مناظرین کی طرح مخاطب کر سخن پروری میں ہرا دیں، تو ضروری ہے کہ مناظرہ کے جو اصول و آداب وضع کیے گئے ہیں، انہیں کسی نہ کسی طرح اس مکالمہ پر منطبق کیا جائے۔ مصیبت یہ ہے کہ وہ منطق نہیں ہوتے۔ کیونکہ سرے سے یہ مناظرہ مصطلحہ قوم تھا ہی نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مشکلات کا کوئی تشفی بخش حل نظر نہیں آتا۔ فن مناظرہ وضعیہ کے لحاظ سے پہلی چیز فرقوں کی حیثیت کا تعین ہے۔ یعنی اُن میں سے کون مدعی ہے کون منکر۔ کون مثبت ہے، کون منفی۔ پھر مستدل کے واجبات ہیں، اور

منطبق کرنے، اور جب منطبق نہ ہو سکے تو لا یعنی اور درازکار توجہیں کرنے لگے۔ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں سب سے پہلی بات جو کہتے ہیں، یہی ہے کہ ”والقصہ الاولیٰ مناظرۃ ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم مع ملک زمانہ“ (جلد ۲: ۳۱۷) جو نبی انہوں نے اس معاملہ کو ”مناظرہ“ کے لفظ سے تعبیر کیا، حقیقت سے الگ ہو گئے، اور پہلا قدم ہی اُلٹا پڑ گیا۔ اب جس قدر آگے بڑھتے جاتے ہیں، حقیقت سے زیادہ دور ہوتے جاتے ہیں، اور یکے بعد دیگرے اُلجھاؤ پر اُلجھاؤ پڑتے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق ”المسئلۃ الاولیٰ“ اور ”المسئلۃ الثانیہ“ اور ”الاشکال الاول“ اور ”الاشکال الثانی“ کا سلسلہ یہاں بھی پروری قوت اور وضاحت کے ساتھ جاری رکھا ہے، لیکن جب جواب کا موقعہ آیا ہے، تو پانچ پانچ اور چھ چھ وجوہ اشکال بیان کرنے کے بعد ایک شافی جواب بھی نہیں دے سکتے، اور ایک ایسے طریقہ سے جو پڑھنے والے کو حیرت و ارتباب میں غرق کر دیتا ہے، رخصت ہو جاتے ہیں!

امام رازی کے بعد جس قدر مفسرین پیدا ہوئے، سب نے اس مکالمہ پر اسی حیثیت سے نظر ڈالی۔ البتہ حافظ عماد الدین ابن کثیر جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تلامذہ میں سے ہیں، اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ سلف کے طریق تفسیر سے آشنا ہو چکے تھے، اس لیے ان موشگافیوں میں نہیں پڑے۔ بلکہ صاف صاف کہ دیا ”وهذا التنزيل علي هذا المعني احسن مما ذكره كثير من المنطقيين“ (حاشیہ فتح البیان جلد ۲: ۱۵۶) یعنی یہ مطلب اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو بہت سے منطقوں نے قرار دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ منطقوں کے طریقہ سے لگ رہ کر بھی وہ پروری طرح اُن کی لغزشوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ یعنی اس اُلجھاؤ سے وہ بھی نہ نکل سکے جو حضرت ابراہیم کے ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل اختیار کرنے کے معاملہ میں پڑ گیا تھا۔

یہ بات معلوم کرنے کیلئے کہ متاخرین کی پیدا کی ہوئی مشکلات سے متقدمین کس طرح محفوظ تھے، امام ابن جریر طبری کی تفسیر پر نظر ڈالیے جو معدنیوں کے صاف اور سادہ طریق پر روایات جمع کر دیتے ہیں۔ انہوں نے سرے سے یہ فتنہ انگیز لفظ ”مناظرہ“ استعمال ہی نہیں کیا ہے۔ وہ ”حاج ابراہیم فی ربہ“ کا ترجمہ ”الذی خاصم ابراہیم فی ربہ“ کرتے ہیں، جو فی الحقیقت اس محل کیلئے خود قرآن کا بتلایا ہوا لفظ ہے، اور پھر سیدھا سادھا مطلب بیان کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔

یہ واضح رہے کہ ہمیں یہاں مناظرہ کے لغوی اطلاق سے اختلاف نہیں ہے، بلکہ اصطلاحی اور وضعی اطلاق سے اختلاف ہے۔ وضعی علوم کی اصطلاح میں ”مناظرہ“ ایک خاص فن ہے جس میں مباحثہ کے اصول و آداب وضع کیے گئے ہیں، اور اس کا مقصد اسکات خصم ہے۔ یعنی جھگڑنے والے کو چپ کر دینا۔ نہ یہ کہ اسے شوک در کر دینا۔ نہ صرف یہ کہ انبیاء کرام کا طریق بیان یہ نہیں ہوتا، بلکہ قرآن بتلاتا ہے کہ کسی طالب حق کا بھی طریقہ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ طلب حق اور علم حقیقت کی راہ نہیں ہے۔ ”جدل“ اور ”خصومت“ کی راہ ہے۔ اب غور کیجیے۔ یہ کیسی مصیبت ہے کہ جس طریق بحث و کلام کو قرآن مذموم ٹھراتا ہے۔ اسی کو ہمارے مفسرین متفلسفین محمود و مطلوب قرار دیتے ہیں، اور قرآن کے تمام دلائل اور انبیاء کرام کے تمام مکالمات و مخاطبات کو اسی شکل و صورت میں آراستہ کرنا چاہتے ہیں، اور پھر ذہن کی اس کچی اور فکر کے اس مرض کو علم و معرفت کی ایک ایسی

کہتے ہیں) اور مصر کے فرعون کا (جو کچھ بھی اُس کا نام ہو) ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے اُن کا ذکر ایسے لفظوں میں کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس خدا کے اقرار سے منکر تھے جسکی دعوت حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے اُنکے سامنے پیش کی تھی اور خرد اپنی خداوندی اور خداوندی کی طاقتوں کا دعویٰ رکھتے تھے۔ چونکہ مفسرین کے پیش نظر صحیح تاریخی معلومات نہ تھیں اسلیے وہ صحت کے ساتھ اس انکار اور ادعا کی نوعیت متعین نہ کر سکے۔ یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ دونوں پادشاہ اپنی خدائی کے اس معنی میں مدعی تھے کہ وہی صانع کائنات ہیں۔ چنانچہ دونوں مقامات کے تمام مکالمات و مخاطبات میں فریق ثانی کی یہی اعتقادی حیثیت قرار دی گئی ہے اور اسلیے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) کے تمام دلائل و ارشادات اسی پہلو سے دیکھے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ بات حقیقت حال کے خلاف ہے اسلیے اس کی وجہ سے طرح طرح کے نئے الجھاؤ پیدا ہو گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نہ صرف دنیا کی تاریخی معلومات کی بنا پر بلکہ خرد قرآن حکیم کی تصریحات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں آج تک کسی انسان نے بھی اس معنی میں خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ وہی صانع کائنات ہے۔ ایسا دعویٰ کرنا بلکہ ایسے ادعا کا تخیل کرنا فطرت انسانی کے اسدرجہ خلاف ہے کہ کوئی انسانی ہستی ایسی جرات ہی نہیں کرسکتی۔

تحریر اندازہ سے زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے اسلیے اس مقام کے دلائل و مباحث درج نہیں کیے جاسکتے۔ حقیقت حال سمجھنے کیلئے حسب ذیل اشارات کافی ہونگے:

اولاً، نوع انسانی نے خدا کی صفات کے تصور میں جو تھوکرے کھائی ہیں، من جملہ اُن کے ایک عالمگیر گمراہی شاہیت و الہیت کا تشابہ ہے۔ یعنی شاہیت کے اختیارات نے بھی ما فوق الفطرت اختیارات کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ جب کبھی کوئی انسان اپنی غیر معمولی جسمانی قوتوں سے مخالفوں کو زیر کرے پادشاہ بن جاتا، لوگ خیال کرتے، وہ دیوتاؤں کا انسانی مظہر ہے، بلکہ خرد بھی دیوتا ہے۔ پھر جب شاہیت نے نسل و خاندان کے سلسلہ کی صورت اختیار کر لی، تو کسی انسان کا شاہی نسل سے ہونا، اس کے دیوتائی رشتوں کی دلیل سمجھا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ اس خیال نے پوری طرح ایک عام عقیدہ کی نوعیت پیدا کر لی کہ پادشاہ انسان نہیں ہے۔ انسانیت سے بلند تر ہستی ہے۔ اُسکی طاقت بھی الہی طاقت، اور اُسکا حکم بھی حکم خداوندی ہے۔

قرآن حکیم نے بابل اور مصر کے جن دو پادشاہوں کا حال بیان کیا ہے، اُنکی اور اُن کے قوم کی گمراہی یہی تھی۔ وہ اپنی قوم میں ایک دیوتا کی طرح مانے جاتے تھے۔ اس لیے نہیں کہ ان دو انسانوں نے خصوصیت سے اسکا دعویٰ کیا تھا، بلکہ اس لیے کہ وہ پادشاہ تھے اور پادشاہ کیلئے ایسا ہی اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔

ثانیاً، اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ مفسرین کا یہ سمجھنا کہ فرعون اور نمرود نامی دو انسان خدائی کے مدعی تھے، صحیح نہیں ہے۔ جس طرح کی خدائی کے یہ مدعی تھے، اُس طرح کی خدائی کا اعتقاد اُس عہد کے بے شمار پادشاہوں اور پادشاہی کے سلسلوں کیلئے رہ چکا ہے۔ ہندوستان میں بھی پادشاہ کے لیے ایسا ہی اعتقاد موجود تھا۔ حتیٰ کہ اُن کا سلسلہ نسب چاند سورج سے ملا دیا گیا تھا۔ تاتاریوں کی ابتدائی تاریخ بھی

مجیب کے فرائض ہیں۔ جو مدعی ہو، اسے دلیل پیش کرنی چاہیے۔ جو منکر ہو، اسے توڑ کرنا چاہیے۔ چونکہ مقصود اس تمام کارخانہ سے اسکاٹ خصم ہے۔ یعنی مخاطب کو چپ کرنا دینا، اس لیے تمام اصول و آداب اسی محور کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ امام رازی نے جب اسے مناظرہ قرار دیا، تو ضروری ہوا کہ پوری بات اُسی سانچے میں ڈھال کر دکھا دی جائے۔ بات اُس سانچے میں ڈھلتی نہیں۔ بس ساری مشکلیں اسی سے پیدا ہو گئی ہیں۔

آپ خرد اپنے استفسار میں لکھتے ہیں:

”یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ ہے، جس میں نمرود کی حیثیت خدائی کے مدعی کی ہے اور حضرت ابراہیم اُس کے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاہتے ہیں“

یہ جو آپ نے ”در اصل مناظرہ ہے“ کہ دیا، بس یہی تمام فساد کی جڑ ہے۔ ”مناظرہ ہے“ تو حضرت ابراہیم کی حیثیت ایک مناظرہ کی ہے۔ اگر وہ مناظرہ ہیں، تو چاہئے کہ اُن قواعد کلام سے سرمو تجاوز نہ کریں جو فن مناظرہ کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ یا مثلاً رشیدیہ میں درج ہیں۔ اور چاہیے کہ بد بخت نمرود بھی اُنہی مقدمات اور مبادیات کے مطابق سرگرم ضلالت و شقارت ہو، جو ہم شرح مراقف وغیرہ میں پڑ چکے ہیں!

امام رازی اور متکلمین کے اصول تفسیر یہی ہیں، اور آپ بھی اُنہی کے قدم بقدم چلنا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ”مناظر“ مصطلحاً، قوم کیوں ہوں؟ اور اگر وہ مناظر ہوں، تو کیوں اُن تمام گھرے ہوئے قاعدوں کے پابند ہوں جو علوم رضیعیہ کی تدوین کے بعد ہم نے اپنے اوپر لازم کر رکھے ہیں؟ کونسی عقل کی قطعیت اور وحی کی تنزیل موجود ہے کہ حضرت ابراہیم کو بھی اُن قواعد کلام کی پابندی کرنی چاہیے جو مناظرہ رشیدیہ میں ہم رت چکے ہیں، یا جنہیں بحر العلوم نے اپنے حواشی میں لکھا ہے؟ ”مناظر کے لیے یہ جائز نہیں“ اور ”مستدل کے لیے یہ ضروری ہے“ سوال یہ ہے کہ کیوں جائز نہیں؟ کیوں ضروری ہے؟ اور کیوں ان اصول موضوعہ اور قواعد مصنوعہ ”ما انزل اللہ بہا من سلطان“ کے انبیاؤ رسل پابند ہوں؟ کیوں ان کے لیے جائز نہ ہو کہ سرمو ان سے تجاوز کریں؟ کیا مصیبت ہے کہ قرآن عربی زبان میں آرتا ہے۔ تمام فصحاء قریش اُس کی فصاحت کے آگے سرسجود ہو جاتے ہیں، لیکن چار سو برس کے بعد ہمارے مفسرین بحث کرتے ہیں کہ سیدہ اور کسائی کے بنائے ہوئے قواعد کے مطابق وہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ چار ہزار برس پہلے ایک داعی الی الحق فطرت الہی اور وجدان انسانی کے مطابق رشد و ہدایت کا دروازہ کھولتا ہے، اور ایک منکر حق کو شک و انکار کی جگہ یقین و ایمان کی راہ دکھلا دیتا ہے، لیکن پانچویں صدی ہجری میں امام رازی آکر بحث کرتے ہیں کہ منطقی طریق مناظرہ کے مطابق یہ مکالمہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور پھر چودھویں صدی میں آپ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مشکلات حل نہیں ہوتیں۔ مشکلات حل ہوں تو کیسے ہوں جب صدیوں سے مشکلات ہی کر بلاوا دے دے کر سمیٹا گیا ہے، اور اصلیت کی سادگی وضعیت اور صناعت کی کم اندیشیوں اور پیچیدگیوں کے اندر گم ہو گئی ہے؟

(۳) ایک دوسری بنیادی غلطی جو یہاں الجھاؤ پیدا کر رہی ہے، حضرت ابراہیم کے مخاطب کی اعتقادی حیثیت ہے۔ مفسرین سے ایک سخت تسامح قرآن حکیم کے اُن مقامات کی تفسیر نہیں ہوا ہے، جہاں بابل کے اس پادشاہ کا (جسے نمرود

یہ اوصاف ٹھیک ٹھیک اُس متکبرانہ انداز سخن کے مطابق ہیں جو اس مکالمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عربوں میں شاہان رزم 'قیصر' شاہان ایران کسری' اور شاہان مصر فرعون کہے جاتے تھے 'اسی طرح بابل کے پادشاہوں کے لیے 'نمرود' کا لفظ بطور لقب کے مشہور ہو گیا تھا۔ یہ لقب بے اصل بھی نہ تھا 'کیونکہ جس طرح رزم میں سیزر اور لیزر میں خسرو پادشاہوں کا نام رکھا تھا 'اسی طرح بابل کے پیلے فرمانروا کا نام نمرود تھا۔ پس ابتدا میں جب لوگوں نے یہ کہا ہوگا کہ مکالمہ نمرود سے ہوا ' تو اُن کا مقصد یہ ہوگا کہ بابل کے ایک پادشاہ سے ہوا۔ یہ مطلب نہ ہوگا کہ نمرود نامی انسان سے ہوا تھا۔

رابعاً ' یونانی مورخوں کے بیانات اور علم الآثار کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بابل کواکب پرست تھے۔ اسی کواکب پرستی نے انہیں علم ہئیت کے علمی مبادیات سے آشنا کیا تھا۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ اجرام سماویہ کائنات کی ایسی ملکوتی ہستیاں ہیں جنہیں تدبیر و تصرف عالم کی تمام قوتیں حاصل ہیں۔ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے ' انہی کے عمل و تصرف سے ہوتا ہے۔ ان میں سات ستارے برے دیوتا ہیں ' اور سورج ان سب میں بڑا ہے۔ آج کل علم نجوم کے نام سے جو خرافات دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ' یہ ہندوستان اور بابل ہی کی کواکب پرستی کا بقایا ہیں۔ اپنے پادشاہوں کی نسبت اُن کا بھی یہی اعتقاد تھا ' جو اُس عہد کی تمام قوموں کا رکھا تھا۔ یعنی وہ سورج دیوتا کے زندہ مظہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کی تقدیس بھی اسی طرح کی جاتی تھی ' جیسی تمام دیوتاؤں کی کی جاتی تھی۔

(۳) مکالمہ کے آخر میں ہے : "فہت الذی کفر" یعنی جب حضرت ابراہیم نے دوسری دلیل پیش کی تو معادل کچھ نہ کہہ سکا۔ ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ مفسرین نے اس مکالمہ کو منطقی منظرہ بنا دیا تھا۔ مناظرہ اور جدل کا ما حاصل یہ ہے کہ مخاطب کو لا جواب کر دیا جائے۔ اس لیے انہوں نے "فہت الذی کفر" کا مطلب یہ قرار دیا کہ حضرت ابراہیم کی دوسری دلیل کے جواب میں وہ کوئی بات نہ بنا سکا۔ اس لیے مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت ابراہیم کی بات کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکا تھا۔ اور شرح چشمی اور کج بکٹی کی جگہ اُس پر حیرانگی کی حالت طاری ہو گئی تھی ' لیکن یہ حیرانی محض اس بات کا نتیجہ نہ تھی کہ وہ سخن پروری میں لا جواب ہو گیا تھا۔ کیونکہ ابھی تفصیل کے ساتھ آپ سن چکے ہیں کہ انبیاء کرام کی مخاطبت بات میں لا جواب کر دینے کے لیے نہیں ہوتی۔ یقین و ایمان کے لیے ہوتی ہے۔ پس اُس کے مبہوت ہو جانے کا سبب یہ تھا کہ حضرت ابراہیم کی دوسری بات اُس کے دل میں آ کر گئی۔ پہلی بات پر تو اُس نے معادلانہ کج بکٹی کر کے جواب دیا تھا۔ کیونکہ اپنے جہل و ضلالت کی وجہ سے اُسکی حقیقت سمجھ نہ سکا تھا۔ لیکن دوسری بات اُسکی فکری اور اعتقادی استعداد کے مطابق کچھ ایسی دل کو لگتی ہوئی تھی ' کہ سننے ہی میں متاثر ہو گیا ' اور تیر نشانہ پر لگ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ یعنی وہ سچائی جسے پہلی کور چشمی کی وجہ سے اب تک نہیں دیکھ سکا تھا ' اب یکایک اُس کے سامنے چمک اُٹھی ' اور باوجود کمالِ تندر اور ضلالت کے اُس میں جھٹلانے اور شرح چشمی سے کج بکٹی کرنے کی جرأت باقی نہ رہی !

اسکی شہادت دیتی ہے۔ بنو اسرائیل نے جب فلسطین اور شام پر قبضہ کیا تو جو قومیں وہاں آباد تھیں ' اُن کا بھی اپنے پادشاہوں کی نسبت ایسا ہی خیال تھا۔ خود قرآن اور تورات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصری زندگی کے جو واقعات بیان کیے ہیں ' اُن کا تعلق بھی ایک پادشاہ سے نہیں ہے۔ دو پادشاہوں سے ہے جو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے تھے۔ ایک فرعون وہ ہے جس کے محل میں حضرت موسیٰ پیدا ہوئے۔ دوسرا وہ ہے جو اُن کا تعاقب کرتا ہوا خلیج سوئز میں غرق ہوا۔ اگر فرعون کے ادعاء الوہیت سے مقصد یہ ہوتا کہ وہ کسی ایک انسان کا شخصی ادعا تھا ' تو ظاہر ہے ' بغیر کسی امتیاز کے دونوں کی نسبت ایک ہی طرح کی ادعائی ذہنیت قرآن کیوں ظاہر کرتا ؟ دراصل قرآن نے اسی لیے اُن کے ناموں کی جگہ اُن کا عام لقب "فرعون" استعمال کیا۔ کیوں کہ کسی ایک پادشاہ کا تندر و طغیان دکھانا مقصد نہیں تھا۔ تمام فراعنہ کا طغیان دکھانا مقصد تھا۔

بہر حال قرآن حکیم نے ان دونوں پادشاہوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ انسانی گمراہی کی ایک خاص حالت کا نمونہ دکھلا دے۔ اس نوع کی گمراہی کے لیے یہ کامل قسم کے نمونے تھے۔ اس لیے انہی کو بطور مثال کے چن لیا گیا۔

باقی رہے فرعونوں کے وہ متکبرانہ اور مدعیانہ اقوال جو قرآن حکیم نے نقل کیے ہیں ' تو اُن میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ وہ اپنے آپ کو خدا بمعنی صانع کائنات سمجھتے تھے۔ چونکہ مفسرین نے یہی مطلب گہرا لیا تھا ' اس لیے ان کی نظر آیات کے صاف صاف مطلب کے طرف نہیں گئی۔ دوسری راویوں میں پہنچ گئے۔ لیکن یہ محل تفصیل کا نہیں ہے۔

ثالثاً ' آیت زیر تدبر میں جس پادشاہ کا ذکر کیا گیا ہے ' اُس کی شخصیت بھی صحیح طور پر متعین نہیں کی گئی۔ عام طور پر مشہور ہے کہ وہ نمرود تھا۔ لیکن بابل اور نینوا کے آثار قدیمہ سے جس قدر معلومات فراہم ہو چکی ہیں ' اُن سے اس خیال کی تصدیق نہیں ہوتی۔ "نمرود" سے مقصد وہ پادشاہ ہے ' جس کے خاندان نے سب سے پہلے بابل پر حکمرانی کی تھی۔ اس خاندان کا سب سے زیادہ مشہور شخص "آر" پنجم تھا جس کے سوانح حیات کی منقش اینٹیں جرمن وفد کی کوششوں سے سنہ ۱۹۰۴ء میں برآمد ہوئی ہیں۔ ان اینٹوں کی عبارت سے جو خط مسماری میں کندہ ہیں ' معلوم ہوتا ہے کہ نمرود اور اُس کے خاندان کا زمانہ دو ہزار سات سو برس قبل مسیح تھا۔ اگر تورات کے سنین تسلیم کر لیے جائیں ' تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ دو ہزار تین سو برس قبل مسیح کا زمانہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس حساب سے حضرت ابراہیم کا ظہور نمرود سے کئی سو برس بعد ہوا ہے۔ اُن کے زمانہ میں نہ صرف نمرود کی ' بلکہ اُس کے خاندان کی بھی حکومت باقی نہیں رہی تھی۔

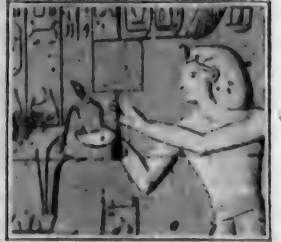
خاندان نمرود کے دو سو برس بعد بابل میں ایک نیا سلسلہ شاہی قائم ہوا جسے "ایلامی" خاندان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس خاندان کا ایک پادشاہ دو ہزار تین سو برس قبل مسیح بابل میں حکمران تھا جس کا نام "کادرا امر" تھا۔ غالباً یہی پادشاہ حضرت ابراہیم کا معاصر تھا ' اور اسی سے اُن کا یہ مکالمہ ہوا ہے۔ بابل کے آثار میں اس پادشاہ کی تصویریں اور بعض فرامین کی اینٹیں بھی ملی ہیں۔ ان کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت خود سر اور جبار تھا۔ اُس کی نسبت یقین کیا جاتا تھا کہ آسمانی دیوتاؤں کا قہر و جبروت اُس کے اندر مجسم ہو گیا ہے۔



علم الاثار مصر کا جدید ذخیرہ

فراعنہ مصر کے عظیم ہیكل

ریمسس ثانی اور اُسکی لڑکی کا مجسمہ جس کے محل میں
حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے !



جاتا تھا کہ ہر روز طلوع آفتاب کے وقت اس میں سے الہی نغموں کے ترانے بلند ہوتے تھے۔ اب یہ بالکل ٹوٹی پھوٹی حالت میں برآمد ہوا ہے۔ لیکن علم کی خوش قسمتی سے اس کے کتبے محفوظ ہیں اور پوری طرح پڑھے جاسکتے ہیں۔

ان کے بعد آپ دو بڑی تصویریں ابھر تے دیکھ رہے ہیں۔ پہلی تصویر ابیدیس مندر کی ایک دیوار پر کندہ ہے۔ اس میں مصریوں کے در دیوتا دکھائے گئے ہیں۔ ہورس اور ارساترس۔ ہورس ہر طرح کی اچھائیوں کا معبود تھا۔ ارساترس سورج دیوتا تھا۔ مصری یقین کرتے تھے کہ سورج دیوتا کی بہن اور لڑکی ”آئی سس“ نے اپنے مقدس آنسوؤں کے چند قطرے ملا کر ہمیشہ کیلئے دریائے نیل کو شیریں اور مقدس بنا دیا ہے !

دوسرا مرقع ایک عظیم مجسمہ کا نہایت قیمتی ٹکرا ہے جو الاقصر سے برآمد ہوا ہے۔ نقوش کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دراصل فرعون ریمسس دوم کا مجسمہ تھا۔ تصویر میں صرف کمر سے لیکر پانوں تک کا حصہ نمایاں ہے۔ پانوں کے پیچھے ایک عورت کا چہرہ سا مجسمہ ہے جو کھڑی ہے۔ یہ ریمسس کی لڑکی ہے۔ ریمسس دوم بھی فرعون ہے جس کے محل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہی لڑکی محل شاہی کی وہ عورت ہے جس نے دریا سے حضرت موسیٰ کو نکالا تھا !

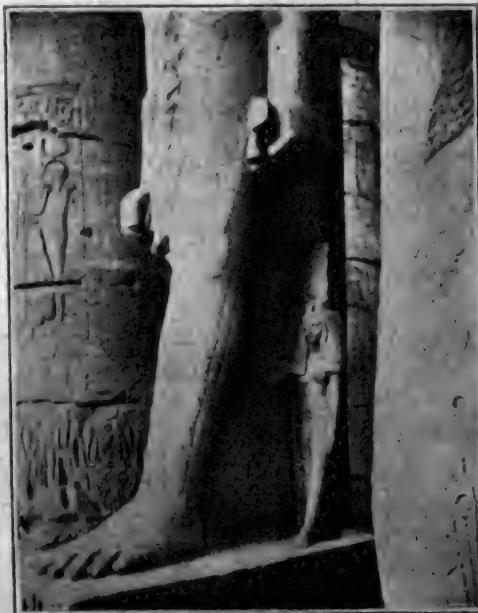


گذشتہ دس سال کے اندر علم الاثار مصر میں جدید انکشافات کا جو اضافہ ہوا ہے، وہ نہایت قیمتی ہے اور علماء آثار کا خیال ہے اس سے مصری اثربیات میں تحقیق و نظر کا ایک نیا دور شروع ہو چکا ہے۔ راندی الملوک اور الاقصر کے دو مقبروں کا حال نہایت تفصیل کے ساتھ دنیا کے علم میں لچکا ہے، لیکن ان مقبروں کے علاوہ آرز بھی بے شمار نئی نئی چیزیں ہیں جو تاریخ مصر کے بعض اہم زمانوں سے تعلق رکھتی ہیں اور اسلئے علماء آثار ان کے درس و مطالعہ میں مشغول ہیں۔

آج ہم قارئین الہلال کی دلچسپی کے لیے ان میں سے بعض اہم آثار کا مرقع شائع کرتے ہیں۔

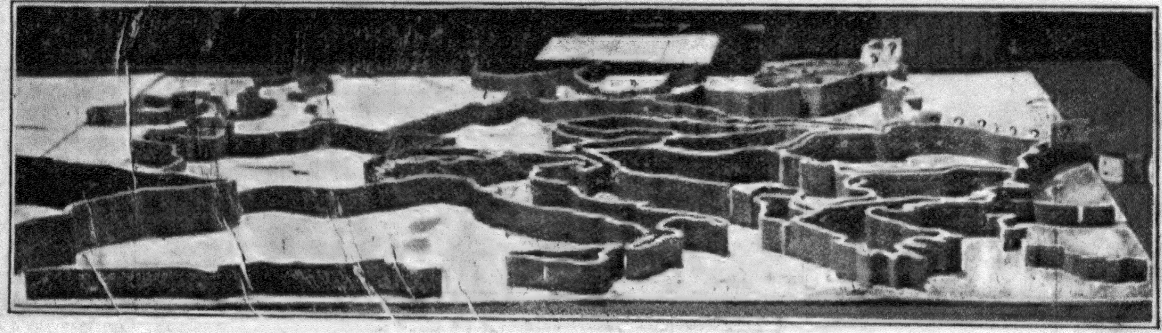
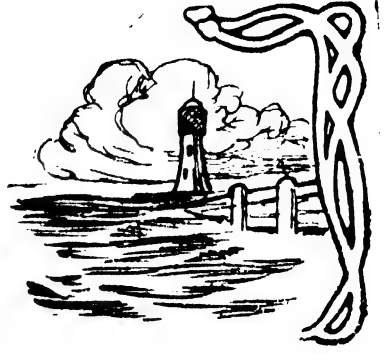
سب سے پہلے آپ کی نظر در چہرٹی چہرٹی تصویر پر پڑے گی، جن میں سے ایک پر منقش تصویریں ہیں۔ دوسری میں ایک شکستہ مجسمہ نظر آ رہا ہے۔ پہلی تصویر ابیدیس مندر کی ایک دیوار کا مرقع ہے جس میں فرعون ”ستی“ اور اسے نذر پیش کر رہا سامنے کھڑا ہے۔ اور اسے نذر پیش کر رہا ہے۔ مرقع میں فرعون کی صورت اور وضع اتنی نزاکت اور خوبی کے ساتھ کندہ کی گئی ہے کہ مصر کے تمام حجری مرقعوں میں صرف چند تصویریں ہی اس کا مقابلہ کرسکتی ہیں۔ اس مرقع میں ہمارے سامنے چار ہزار برس پہلے کا ایک انسان اپنی اصلی صورت و وضع میں کھڑا ہے !

دوسرا مرقع مصری دیوتا ”ممن“ کا بت ہے۔ اس کی نسبت یقین کیا





بریتنرنگ



حدود کی وضاحت کیلئے لکیریں کھینچ دی گئی ہیں۔ اس میں لکیروں کی جگہ دیواریں کھڑی ہیں۔ یہ دیواریں کیا ہیں؟ تجارت کی حفاظت کی دیواریں ہیں جنہوں نے ہر قوم کو دوسری قوم کا دائمی رقیب بنا دیا ہے۔ فوجی اور ملکی حفاظت کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے، تو یہی دیواریں متقابل دشمنوں اور حریصوں کو ایک دوسرے کے کچل ڈالنے سے رک رکھی ہیں۔ یہ دیواریں کب تک قائم رہیں گی؟ سر آرثر کہتے ہیں ”انہیں توڑ دو“ لیکن اگر انسان اس کے لیے آمادہ نہ ہو، تو عجب نہیں، قدرت کی خانہ بر اندازیاں خود ہی انہیں توڑ کر تمام یورپ کو ایک کھلی زمین کی شکل میں منقلب کر دیں!

یورپ کا ایک نیا نقشہ

تجارت کی حفاظت اور آزادی کا حصار

مطالب کے بیان و تفہیم کا ایک موثر ذریعہ

بحث طلب مطالب پر تقریر کرتے ہوئے مقرر اور مدرس عموماً شمار و اعداد کی جدولوں یا تناسب کے رنگوں اور نقشوں سے کام لیا کرتے تھے۔ پھر میجک لائنیں استعمال کیا جانے لگا۔ ایسے مطالب جن کے فہم میں تصاویر کا معائنہ مدد دیتا تھا، فانوس کی تصویروں کے ذریعہ ذہن نشین کیے جاتے تھے۔ حال میں سینما کی ایجاد نے بھی ایک زیادہ موثر اور اصلیت نما ذریعہ ہم پہنچا دیا ہے۔ امریکہ میں بحث و تقریر کے بے شمار کلب، سینما کا اسی طرح استعمال کرتے ہیں، جس طرح عام طور پر میجک لائنیں استعمال کیا جاتا ہے۔

لیکن جو طریقہ حال میں سر آرثر کلاپر ماریسن نے مجلس اقوام کے سامنے تقریر کرتے ہوئے تمثیل مطالب کے لیے اختیار کیا تھا، وہ ان تمام طریقوں سے جدا گانہ قسم کا ہے، اور چونکہ نہایت آسان اور سادہ قسم کا ہے، اس لیے نہایت درجہ پسند کیا گیا ہے۔ ان کی تقریر کا موضوع یہ تھا کہ تجارت کی آزادی اور بندش کے لحاظ سے اس وقت یورپ کی مختلف قوموں کا حال کیا ہے؟ اور کس طرح یہی چیز آئندہ ایک بین الاقوامی جنگ کا دروازہ کھول دینے والی ہے؟ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے انہوں نے یورپ کا ایک نقشہ اس طرح کا طیارہ کرایا، کہ سرحد کے خطوط کی جگہ حصار کی دیواریں کھڑی کر دی گئیں، اور تمام یورپ ٹیڑھی سیدھی چار دیواریں کا مجموعہ بن گیا۔ نقشہ کے بننے کے بعد جب اس پر نظر ڈالی گئی، تو معلوم ہوا، جو حقیقت ایک بہت بڑی کتاب لکھ کر بھی واضح نہیں کی جاسکتی تھی، اب وہ صرف اس نقشہ پر ایک نگاہ ڈال لینے سے سامنے آجاتی ہے۔ جنیوا کے پچھلے اجلاس کے موقع پر یہ نقشہ حاضرین کے معائنہ کے لیے ایک نمایاں موقع پر رکھ دیا گیا تھا۔

اس نقشہ کا عکس آپکے سامنے ہے۔ اگر یورپ کا نقشہ آپکے کمرے میں آریزاں ہے، تو پہلے اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ پھر اسے دیکھیے۔ یہ ٹھیک رہی نقشہ ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس میں

خریداران الہلال

ترجمہ فرمائیں

جن جن حضرات سے چھ ماہ کی قیمت وصول ہوئی تھی، ان کا حساب الہلال نمبر (۲۴) پر ختم ہو جایگا۔ یعنی آئندہ نمبر سے بعد کے نمبر پر۔ اگر وہ آئندہ بھی الہلال کا مطالعہ جاری رکھنا چاہتے ہیں، تو دفتر نہایت شکر گزار ہوگا اگر وہ پی کی درخواست کی جگہ وہ بذریعہ منی آرڈر قیمت روانہ کر دیں۔ پی کی رقم وصول ہونے میں بہت تاخیر ہوتی ہے، اور اس لیے پرچہ کے مسلسل اجراء میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ایک ہفتہ کے اندر قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں تو رجسٹر میں نمبر ۲۴ کے بعد سے انکی جدید خریداری کا اندراج ہو جائے، اور پرچہ کی ترسیل بغیر کسی انقطاع کے جاری رہے۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ نئی شش ماہی جلد سے الہلال کا نیا دور حیات شروع ہوگا، اور وہ اس حالت سے بالکل مختلف ہوگا، جس حالت میں اس وقت تک نکلتا رہا ہے۔

منیجر

علم اور مسیحی کلیسا

کتاب پیدائش اور تخلیق کائنات

برمنگھم کے بشپ کا کفر اور زندہ !

تھوڑا عرصہ گزرا ہے، لندن سے ریپٹر ایجنسی نے یہ خبر تمام دنیا میں مشہور کر دی تھی کہ برمنگھم کے لارڈ بشپ نے ریسٹ منسٹر میں تقریر کرتے ہوئے ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے جس نے یورپ کے تمام کلیسائی حلقوں میں ہلچل ڈال دی ہے۔ اس نے صاف صاف لفظوں میں اعتراف کر لیا ہے کہ پیدائش کائنات کا قدیم مسیحی اعتقاد (یعنی تورات کی کتاب پیدائش کا بیان) قابل ترمیم ہے اور

اب رقت آگیا ہے کہ ہم علمی تحقیقات کی مخالفت کرنے یا غلط مذہبی تاویلوں کے ذریعہ تطبیق دینے کی ناکام کوششوں سے باز آجائیں۔ یعنی تسلیم کر لیں کہ تورات کی کتاب پیدائش کا بیان ایک کہانی سے زیادہ نہیں ہے !

اس کے بعد ایک دوسرے واقعہ کی خبر مشتر ہوئی۔ یہی بشپ جب سینٹ پال چرچ میں وعظ کر رہا تھا تو اچانک ایک واقعہ نے تمام مجلس میں اضطراب پیدا دیا۔ ایک طرف سے تیز صدا آئی "یہ بدعت و زندہ کا معلم ہے" لوگوں نے جب اس طرف نظر اٹھائی تو معلوم ہوا پادری کینن ویسٹر غیظ و غضب کی شدت سے بے قابو ہو کر کہتا ہو گیا ہے "اور راعظ کے کفر و زندہ کا اعلان کر رہا ہے۔ اس پر غضب طریقہ سے مجلس کو اپنی طرف متوجہ کر کے اس نے بشپ پر لعن و طعن کی بوجھڑ شروع کر دی"

اور پھر یہ کہہ کر کہ "ایسے زندیق کا وعظ سننا جائز نہیں" اپنی جماعت کے ساتھ گرجے سے رخصت ہو گیا !

اب انگلستان کے اخبارات و رسائل میں اس معاملہ کی تمام تفصیلات آگئی ہیں۔ دراصل یہ معاملہ بھی اسی سلسلہ بحث کی ایک کڑی ہے جو سر آرثر کیتھ کے تقریر (مندرجہ الہلال) سے تمام یورپ اور امریکہ میں چھڑ گیا ہے۔ بشپ اف برمنگھم کا نام ڈاکٹر بارنس ہے۔ اس نے اسی تقریر کا حوالہ دیکر اپنے خیالات ظاہر کیے تھے۔ معاملہ کا اہم اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ یہ اعتراف برطانیہ کی کلیسا کے ایک بہت بڑے ذمہ دار شخص کی زبان سے ہوا ہے۔ اس نے پڑی دایری کے ساتھ وہ خیال علانیہ ظاہر کر دیا جو آج ہزاروں لاکھوں عیسائیوں کے دلوں پر ثبت ہے !

یقیناً قارئین الہلال خواہشمند ہونگے کہ بشپ کی تقریر سے واقفیت حاصل کریں۔ ہم اختصار کے ساتھ اس کا خلاصہ درج کر دیتے ہیں۔

بشپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا :

"اس عہد کے انسانوں سے میں کیا کہوں؟ کیا یہ کہوں کہ قدیم عقیدہ ہی پر استوار رہو؟ ہو گز نہیں۔ میں ان سے جو کچھ کہہ سکتا ہوں، وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ حق کی تلاش کرو۔ خوش ہو، کیونکہ تم ایک ایسی صدی کی مخلوق ہو جو اپنی علمی ترقیوں کی وجہ سے تاریخ کی سب سے زیادہ عظیم الشان صدی ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں، جدید انکشافات کا خیر مقدم بجا لاؤ۔ علماء عصر کی تعظیم کرو۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ اس تمام علمی ترقی کے پیچھے ہم برابر ایک کٹیف پردہ پڑا دیکھتے ہیں۔ یہ پردہ زندگی کے تمام بنیادی مسائل کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے، اور ہماری نظروں کو ان کی حقیقت معلوم کرنے سے رک رہا ہے۔ تم پر فرض ہے کہ ان مسائل سے قریب تر ہو۔ تمہارا قلب ایمان سے لبریز ہو جائے۔ تمہاری رہبر عقل ہو، نہ کہ خوش اعتقادی۔ اگر تم ایسا کر گے، تو تمہارا ایمان ان دوزخ جماعتوں سے مختلف ہوگا جن میں سے ایک نے مغرورانہ انکار کی اور دوسری نے جاہلانہ خوش اعتقادی کی غلطی کی ہے !"

"سر آرثر کیتھ کے خطبہ کے بارے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ مذہب نشو و ارتقاء کے مقابلہ میں ہمارا مسلک کیا ہونا چاہیے؟ کیا ہم حقیقت کو جدل کے موڑے پردوں میں چھپا دیں؟ میں تم سے آج یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم اس روشن زمانے کی مخلوق ہو کر حقائق سے تجاہل نہیں بہت سکتے !"

"کیا ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ لوگوں کی عقلوں میں شک پیدا کر دیں، حالانکہ یہاں شک کا کوئی مرقعہ ہی نہیں؟ کیا یہ مناسب ہے کہ مسیحی عقائد کی تاریخ

محض اس لیے بدل دی جائے کہ دوزخیں کا مذہب فیا نہیں ہے، پرانا مذہب ہے؟ یا یہ مناسب ہے کہ جدید حقائق تسلیم کرتے ہوئے حقیقت کا صاف صاف اعتراف کر لیں، اور تسلیم کر لیں کہ مسیحی عقائد کی بعض تقلیدی آراء قابل تبدیل ہیں؟"

"میرے خیال میں آخری تجویز بہتر اور مناسب ہے۔ آؤ، ہم بے خوف و خطر حقائق کا ویسا ہی خیر مقدم کریں، جیسا کہ وہ علمی حلقوں میں اپنا خیر مقدم دیکھ رہے ہیں۔ تمام اہل علم متفق ہیں کہ انسان نے بندر کی ایک قسم سے ترقی کی ہے ممکن ہے، انسان کی یہ ترقی دس لاکھ برس پہلے شروع ہوئی ہو۔ تمام حیوانی اصلوں نے مختلف سمتوں میں ترقی کی ہے، لیکن انسان کی حقیقی ترقی اس کے دماغ اور فکری مرکزوں میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لیے وہ اپنے ہم جنس حیوانوں پر بازی لیکھا۔ بندر کی دوسری قسموں نے آؤر قسم کی ترقی کی۔ چنانچہ



پادری کینن ویسٹر بشپ کے زندہ کا اعلان کرے
سینٹ پال سے واپس جا رہا ہے !

سے ہر ایسی تحریک کو انتہائی رنج و غم سے دیکھتا ہوں جو مسیحی دین کو معقول بنیادوں پر استوار کرنے سے روکتی ہے۔

”بے شمار دلائل سے ثابت ہو چکا ہے، اور متمدن دنیا میں ہر مستند عالم اس کا اعتراف کر رہا ہے، کہ انسان نے ایک ایسی مخلوق سے ترقی کی جو بندر سے مشابہ تھی، انگلستان میں ہر رزٹن خیال مسیحی کا اعتقاد یہی ہے۔ یہاں کے تمام مشاہیر لاهوتی علماء بھی اس رائے کو خیال صحیح سمجھتے ہیں۔ یہ اعتراف مسیحیت کو آرزو بھی زیادہ مستحکم کر دے گا۔ کیونکہ یہ اُس روحانی اساس کو جو ہم مسیح سے اخذ کرتے ہیں، اس درجہ معقول بنا دیتا ہے کہ کوئی بھی اُس سے انکار نہیں کر سکتا۔“

”ہم کتنا ہی انکار و مغالطہ کام میں لائیں، مگر مسیح کی تعلیمات سے جو عہد جدید میں موجود ہیں، ہرگز ثابت نہیں کر سکتے کہ عہد قدیم کی کتاب پیدائش حرف بحرف صحیح ہے۔ لوگ یہ بھول گئے کہ کتاب مقدس روحی حقائق کا خزانہ ہے، نہ کہ تعلیم و تدریس کی کوئی علمی کتاب ہے۔ لوگ یہ مسیحی عقیدہ بھی بالکل بھول گئے کہ ”روح القدس برابر لوگوں کی عقلیں وسیع کرتی رہیگی تاکہ وہ حق تک پہنچ سکیں“ یہ لوگ حق کے جاننے سے ڈرتے ہیں، کیونکہ سمجھتے ہیں، حق کے اعتراف سے مسیحی عقیدہ کمزور ہو جائے گا۔ مگر یہ اُن کی غلطی ہے۔ علم کی اس مقاومت کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ مہوار ہا طالب عام، مسیحیت کے دائرے سے یہ یقین کرتے ہوئے نکل جائیں کہ مسیحیت کی بنیاد سراسر جہل و خرافات پر ہے!“

کمپونزم یا اشتراکیت

کمپونزم کے مداحوں کے بعض اقوال

اشتراکیت کا مطمح نظر، خیر مشترک ہے (نارمن انجیل)

اشتراکیت کی سب سے بہتر معمول تعریف یہ ہے کہ وہ سوسائٹی کے مادی اقتصادی قویٰ کو منظم کر کے انسانی قویٰ کے ماتحت کر دینا چاہتی ہے (رامسے میکڈانلڈ)

اشتراکیت کی غرض بجز اسکے کچھ نہیں ہے کہ انسان کیلئے ایک نیا عالمگیر ضمیر پیدا کر دے (ولز)

اشتراکیت، تعلیمات مسیح کی عملی ضرورت ہے۔ (چارلس امون)

عملی اشتراکیت، حد سے زیادہ سادہ چیز ہے۔ یعنی عالمگیر انسانی تعاون کا نظام ایک حکومت کے ماتحت (رابرٹ)

اشتراکیت، ایک ایسی مثل اعلیٰ ہے جسے اب تک دنیا کی آنکھوں نے نہیں دیکھا (ہاتجس)

اشتراکیت، عنقریب محنت کو اس طور پر منظم کر دیگی، کہ ہر آدمی محسوس کرنے لگے گا، وہ اپنے عمل سے پوری نوع انسانی کی خدمت کر رہا ہے (روٹن)!

اشتراکیت کا مقصد یہ ہے کہ اعلیٰ نظام جمہوری کے ساتھ زمیں اور سرمایہ کو قوم کی ملکیت بنا دے (برٹنڈ رسل)

بندریج شہباز، گورنر، اورنگ، اور ارتان کی قسموں نے ظاہر کیا۔ یہ تمام بندر انسان کے قریبی عم زاد ہیں۔ علماء اس ترقی کی جزئیات میں کتنا ہی مختلف ہوں، لیکن کوئی دوسرا مستند عالم بھی اس معاملہ میں اختلاف نہیں رکھتے کہ انسان نے بگڑ ہی سے ترقی کی ہے۔ اور یہ، کہ یہ ترقی ایک مسلم ر ثابت حقیقت ہے۔ داروین کا مذہب پچاس برس سے موجود ہے اور پوری طرح صحیح ثابت ہو چکا ہے۔۔۔“

”علم الحیات کے مباحث سے ثابت ہو چکا ہے کہ شر اور برائی کا میلان انسان کی طبیعت میں فطری ہے، اور یہ اُس کے اپنے اسلاف سے ورثہ میں پایا ہے۔ یہ بالکل یقینی ہے کہ انسان، ایک حیوان ہی ہو، اور اپنے اعضاء اور روح میں بندریج ترقی کر کے خالص حیوانیت سے اس درجہ تک پہنچ گیا ہو۔ وہ کوئی دیوتا نہ تھا، جو طہارت و تقویٰ کے لباس میں ملبوس، آسمان سے زمین پر اتر پڑا ہو۔ انسان کی روحی ترقی ہی نے اُسے باقی تمام حیوانات سے ممتاز کر دیا ہے۔“

”ہمیں ہمیشہ حق کی جستجو میں لگے رہنا چاہیے۔ جب کبھی کسی حقیقت پر سے پردہ اٹے، تو قدیم سے قدیم تقلیدی خیال کے بھی ترک کر دینے میں ہمارے اندر کوئی پس ریش نہیں ہونا چاہیے، اور نہ اس تبدیلی پر کسی طرح کا رنج محسوس کرنا چاہیے۔“

جب کبھی کوئی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، تو ایک خاص قسم کے لوگ چلا اٹھتے ہیں: ”ایمان خطرے میں پڑ گیا ہے!“

”لیکن میرا تاریخی مطالعہ مجھے بتاتا ہے کہ ایمان صرف اُس وقت خطرے میں ہوتا ہے، جب عقل قید کر دی جاتی ہے، اور دماغ پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں ”ہمیں مسیحی حقائق کو اُسی طرح محفوظ رکھنا چاہیے، جس طرح ہمارے عقائد چلے آئے ہیں“ لیکن میں من کوہت حقائق کے وجود سے اپنی لاعلمی کا صریح اعلان کرتا ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں ”جدید خیالات کفر و العاد ہیں“ لیکن میں کہتا ہوں ”آج کا کفر ممکن ہے، کل کا ایک، راسخ دینی عقیدہ بن جائے!“

”تمام وہ مسیحی جو تقلیدی بندشوں سے آزاد ہیں، جانتے ہیں کہ مذہب، نشو و ارتقاء اور حقیقی مسیحی تعلیم میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ کیونکہ خدا اپنی قدرت تدریجی ترقی میں بھی اُسی طرح ظاہر کر سکتا ہے، جس طرح فوری تخلیق میں۔“

یہ پہلا موقعہ نہیں ہے کہ اس موضوع پر اس بَشپ نے اظہار خیال کیا ہے۔ اب سے دو سال پہلے بھی اُسی قسم کے خیالات ظاہر کیے تھے اُس زمانے میں امریکا کے پروفیسر سکوس پر اس لیے مقدمہ چلایا گیا تھا، کہ اُس نے ایک سرکاری مدرسہ میں اپنے شاگردوں کے سامنے داروین کا مذہب پیش کر دیا تھا۔ اس مناسبت سے رسالہ ”نیچر“ نے بَشپ مذکور سے اس مسئلہ کی نسبت استفتا کیا تھا۔ بَشپ کا جواب حسب ذیل تھا:

”یہ جاہلانہ تعصب جس نے مذہب نشو و ارتقاء کی تعلیم کو امریکا کے سرکاری مدارس میں ممنوع قرار دیدیا ہے، ایک سخت مذموم تعصب ہے۔ میں آزادی خیال کا حامی ہونے کی حیثیت سے نہایت نا پسند کرتا ہوں کہ ایک انگریز سکس جماعت قانون کے زور سے علم کی اشاعت روکے۔ میں ایک مسیحی ہونے کی حیثیت

تاریخ و عبر

تاریخ جنگ صلیبی کا ایک صفحہ

عربوں کے آتش بار اسلحہ

لونی نمن کے مورخ کا چشم دید بیان

صلیبی جنگوں میں بڑی جنگ ساتویں جنگ تھی۔ یہ معلوم ہو کہ ان جنگوں میں تھوڑی سی فتح تھی، بلکہ اسی پر گور بار تھا۔ لہذا صلیبی حکام و ملے نے خیال کیا کہ مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے خود تھوڑے حملہ کر دینا چاہئے۔ چنانچہ لونی نمن شاہ فرانس کی زیر قیادت ایک عظیم فوج یورپ سے روانہ ہوئی اور ساحل مدیترانہ پر آمدی گئی جہاں دریائے نیل سمندر میں گرنا پڑا۔

اس جنگ کی ایک مستند تاریخ لونی کی یادداشتوں میں ملتی ہے۔ یہ شخص لونی نمن کا مصاحب اور اس کی فوج کا چہرہ سالار تھا۔ دمیاط لونی جنگ میں یہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہا۔ اس کے بیانات چشم دید ہیں۔ بادشاہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے لونی سوم کا بھی مصاحب تھا۔ اس نے جو وہ ملکہ کے حکم سے یہ کتاب لکھی تھی جیسا کہ یاد ہے۔

یہ کتاب اس مہم کی تاریخ کے لئے ایک نہایت قیمتی دستاویز ہے۔ تاریخ کی خوش قسمتی سے یہ ضائع نہیں ہوئی، اور شاہی کتب خانہ میں محفوظ رہی۔

اقول کے بیان میں سب اہم واقعہ، مصری فوجوں کی جنگی استعداد اور آتشباروں کی صلیبیوں پر بادشہ کی ان آتشباروں کو مورخ لونی نے آگ سے تعبیر کرتا ہے۔ اس تعبیر کی بنیاد یہ ہو کہ آگ کی حقیقت یونانیوں کی ایجاد ہے۔ مسلمانوں کی غیر فطرتی عظمت کے پہلے اس سے واقف ہوئی، اور صدیوں تک بطور ایک راز کے محفوظ رکھا۔ یہی وہ بے پناہ اسلحہ تھا جس کے ذریعہ آسمانی مشعلوں اور شعلوں میں عربوں کو شکست دی تھی جنہوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا تھا۔

بیزنطینیوں کو اس آتشباروں کا یہ متعلقین چارم کے عہد میں لگا۔ یعنی ساتویں صدی عیسوی میں۔ اور تقریباً ۴۰۰ برس تک یہ وہی استعمال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ گیارہویں صدی کے آخر میں عربوں نے کسی ذریعہ سے اس کی حقیقت معلوم کر لی اور اپنی جنگوں میں استعمال کرنے لگے۔ جس طرح اس آگ نے بیزنطینیوں کے مقابلے میں عربوں کو نقصان پہنچایا تھا، اسی طرح عربوں کے مقابلے میں صلیبیوں کے لئے ہلک ثابت ہوئی۔ عربوں نے اس اسلحہ کو قدیم یونانی طریقہ سے زیادہ کھلی اور دھڑلے سے بنادیا تھا۔

اسلام (مسلما) میں صلیبی، دمیاط کی سرزمین پر آئے

یہ زمانہ، ملک صالح بن کامل کی حکومت کا تھا۔ بادشاہ اس وقت بید تھا۔ لونی نمن نے اسے سخت متدید آئینہ خط لکھا، اور سچی قوموں کے نام پر مطالبہ کیا کہ تمہارے اس کے حوالہ کرے۔ مہر بادشاہ نے قاضی ہمارا الدین زہیر سے جواب لکھوایا۔ یہ تاریخی جواب تاریخ کے صفحات میں اب تک محفوظ ہے!

ملک صالح کی باری کی وجہ سے دمیاط کی مداخلت نہیں کی جاسکتی اور صلیبیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اسلامی لشکر، مقام مصر میں جمع ہوا، اور بادشاہ کی وفات کے بعد ہی حملہ شروع کر دیا۔ اس حملے میں سے زیادہ خوفناک حربہ دہی یونانی آگ تھی، جس کی ہولناکی کا ہم اس مورخ کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

وہ لکھتا ہے: "ایک رات جبکہ ہم اپنے رجوں کی حفاظت میں سرگرم تھے مسلمان میدان جنگ میں ایک ایسا آگ لائے، جسے اب تک انہوں نے استعمال نہیں کیا تھا۔ پھر اس آگ کے ذریعہ یونانی آگ برسا شروع کر دیا۔ آگ آگے نامدار الشرد کی لے، جو میرے قریب ہی کھڑے تھے، یہ دیکھ کر کہا:

"بھائیو! اس وقت ہم ایک ایسے خطرے کے سامنے ہیں، جیسا کہ کبھی پیش نہیں آیا۔ اگر مسلمان ہمارے رجوں میں آگ لگا دینگے تو بڑی ہی مشکل پیش آئے گی۔ اگر ہم ہاں کھڑے رہیں گے تو جھلکناک باہر ہوجائیں گے۔ اگر بھاگ جائیں گے تو قتلے دشمن کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے اور اب الہ آباد تک ہماری ذلت در سوانی ہوجائے گی۔ لہذا اب اس کے ہواچارہ کار نہیں کر اپنے مہربان خدا کو بچاؤ! اور اس سے عزت و سلامتی کی دعائیں کریں۔ مرنے دی ہیں بھائیو! چنانچہ ہم نے اس دانشمند رائے پر عمل کیا۔ جب ہم پر آگ کی پہلی بادش ہوئی اور برج میں ہمارے سامنے آگ لگی، تو ہم نے خدا کے حضور سجدہ کیا اور اللہ کی دعاؤں سے آگ بجھانے والے پانی کھڑے تھے، اور پوری مستعدی سے اس کا کام کر رہے تھے۔

یونانی آگ کی کیفیت یہ ہو کہ وہ ایک عظیم مرتبان کی صورت میں میدی بنتی ہے۔ اسے نیرس کی طرح ایک بڑی سی دم اس کے پیچھے ہوتی ہے۔ اس کی آواز، بجلی کی لڑکائی کی طرح ہولناک ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کوئی جتنا ہی دیر ہمارے ہاتھوں میں آگ ہو، اتنی تیز ہوتی ہو کہ رات کی تاریکی میں بھی نہ چھل آتا ہو۔ مسلمانوں نے پھر

یہ آگ اس رات تین مرتبہ بڑے بڑے طغیوں سے بجلی اور ہاتھ سے بجھانے کی کوشش کی۔

ہمارا مقدس بادشاہ جب مستحکم یونانی آگ کو دیکھ کر تو اپنے رشتے سے آکر زمین پر گھڑا اور ہمارے نجات دہندہ خداوند سبحان کی طرف ہاتھ اٹھا کر چلا۔ اسے آگ اور ہمارے عظیم اپنے غلے میں کو بجھائے! مجھے یقین ہو کہ بادشاہ کی دعاؤں سے ہمیں بہت فائدہ پہنچا۔ جب آگ آگ لگی تھی، یہ مقدس بادشاہ فوراً آدی بجھ کر معلوم کر آتا کہ آگ نے کیا کیا اور ہماری حالت کیا ہے؟ ایک رات ایسا ہوا کہ آگ اس برج کے قریب آگ لگی جس کی حفاظت ایک انفرادی کورسی نامی کے ذریعہ تھی۔ فوراً ایک سوار دھڑلے سے میرے پاس آیا اور کہنے لگا: "اگر آپ فوراً مدد نہیں آئیں گے تو ہم سب قتل کر رہے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں نے بہت بڑی سی آگ میں آگ بھینکا شروع کر دی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے آگ کا دیر پا ہمارا ہاتھ آگ ہے!"

میں دھڑلے سے گیا۔ واقعی سوار کا بیان بالکل درست تھا۔ ہم فوراً آگ بجھا دی۔ لیکن ابھی ہم فائدہ ہی ہوئے تھے کہ مسلمانوں نے پھر بڑی شدت سے آتش باری شروع کر دی۔

بادشاہ کے بھائی، دن کے وقت رجوں کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ وہ رجوں پر چڑھ کر تاک مسلمانوں پر تیرس رہائیں۔ بادشاہ نے یہی لے کیا تھا کہ رات کو رجوں کی حفاظت ہم لوگ کریں اور دن کے شاہ بھائی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ شاہ بھائی پر ہوا۔ اچانک مسلمانوں نے اپنی جگہوں سے بہت سخت حملہ کر دیا اور تمام برج تقریباً ڈھلے۔ انہوں نے یہی نہیں کیا، بلکہ دن دہرے یونانی آگ کے آگے بھی نصب کر دیے۔ حالانکہ اب سے پہلے ہمیشہ رات ہی کو ان سے کام لیتے تھے۔ اب آگ برسنے لگی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہل کے قریب بھی بھینچیں لگا دیں۔ کئی مزدور ہمارے قتل ہوئے یہ حالت ہوئی کہ کوئی آدمی نہ مل کے قریب جاسکتا تھا، نہ رجوں کے قریب پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ ایک طرف بہت بڑے بڑے پتھر برسے تھے۔ دوسری طرف آگ کا طوفان برپا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برج جل گئے۔ شاہ بھائی غصے سے کہنے لگا: "آگ بجھانے کے لئے وہ خود آگ کے اندر کودنا چاہتا تھا کہ اسے بجھ لیا گیا!"

بادشاہ نے جب یہ حالت دیکھی، تو تمام سردار ملے اور دعا کی کہ تھوڑی تھوڑی لکڑی اپنے اپنے جہازوں سے شکار دیں تاکہ ایک نیا برج طیار کیا جائے اور نہ کہ بھوکا جاسکے۔ پھر بادشاہ نے فکر بیکار سے برج اس وقت چلا جائے جب شاہ بھائی کی باری ہو، تاکہ بجلی شکست کا دم اس سے دور ہو جائے چنانچہ یہی کیا گیا، اور برج اس مقام پر پہنچا گیا جہاں دوسرے برج جل گئے تھے۔

مسلمانوں نے یہ دیکھ کر اپنی ۱۲ بھینچیں نصب کر دیں اور ایک وقت سب کے ہاتھ کھول دیے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہمارے آدمی خوف زدہ ہو گئے ہیں تو فوراً یونانی آگ برسا شروع کر دی اور نیا برج بھی جل کر رہ گیا ہوا!

اسی طرح یہ مورخ بڑی تفصیل سے دوسرے تمام موقعوں میں بھی اس یونانی آگ کے ذکر کرتا ہے جتنی کہ اس کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ یہ آگ ہمارے سخی لشکر پر پھیل گئی تھی اور خود بادشاہ کا غیبی جلاؤ اٹھا!

مشرق میں بیزنطینیوں کے بعد سب سے پہلے مقررہ شاہ کے مسلمانوں نے شکار کیا، استعمال کی۔ پھر دوسری اسلامی سلطنتوں نے بھی اسے معلوم کر لیا۔ چنانچہ یونانی اس اور مکرش میں بھی پڑت

مسلمانوں کے مقابلے میں عربوں نے اسے استعمال کیا تھا۔ آئین بنی کا مسلمان اپنے لئے اسے اپنے ہاتھ میں لے کر لیا تھا۔

صوبہ	آمدنی	خرچ
ہماچل پردیش	۵۳۶۵۳۳۶۷	۵۱۳۱۲۳۹۲
سی پی	۵۲۵۳۲۲۱۰	۴۸۲۵۵۵۴
آسام	۲۳۰۴۸۶۶۱	۲۰۰۲۸۵۵۴۲

ہندوستانی صوبوں کی شرب اور شیشی اشیا میں سرکاری آمدنی ۱۹۲۵ء میں

صوبہ	شراب کی دکانیں	دیگر شیشی اشیا کی دکانیں	آمدنی تقریباً آمدنی
صوبہ سرحدی	۷۴	۱۸۲	۲۳۷۵۳۵
مدراں	۱۶۸۷۸	۱۰۲۸	۴۱۰۶۸۷۶
بمبئی	۶۲۱۰	۱۶۰۹	۵۹۸۰۴۹۰
بنگال	۳۵۵۸	۲۳۸۹	۸۰۵۷۲۳۷
لوہی	۴۳۳۹	۲۹۴۶	۵۶۳۶۲۳۴
پنجاب	۱۵۲۵	۱۱۷۸	۴۴۸۸۳۹
براہ	۱۲۵۶	۱۲۳	۳۶۸۱۷۳۹
ہماچل پردیش	۷۹۳۹	۲۳۰۷	۵۸۵۹۲۹۰
سی پی اور برار	۲۳۵۴	۲۰۱۹	۴۳۸۱۳۷۱
آسام	۳۰۸	۵۵۵	۴۷۳۴۹۰۱
دہلی	۲۲	۱۹	۲۵۲۵۰۸
کراچی	۸۱	۱۰	۱۶۴۲۲

برطانیہ ہندستان میں نیک کی سرکاری آمدنی

صوبہ	۱۹۲۲ء	۱۹۲۳ء	۱۹۲۴ء	۱۹۲۵ء
شمالی ہندستان	۱۸۴۷۵۷۷	۱۳۹۴۸۸۲	۳۱۸۰۶۸۶۹	۱۰۷۰۵۳۶۸
لوچیان	۱۸۵	۱۲۰	۳۱۰	۳۶۲
مدراں	۱۳۹۰۱۷۴۳	۱۵۱۷۵۹۷۵	۲۱۳۶۲۹۹۶	۱۸۹۹۱۷۲۷
بمبئی	۱۲۱۳۵۵۹۶	۱۲۲۲۰۷۴۲	۲۲۶۷۹۷۰۷	۱۷۳۳۳۶۷
بنگال	۱۵۷۷۷۶۹	۱۸۴۱۰۸۹۲	۱۸۱۶۱۵۲۳	۲۳۵۹۰۸۹۷
براہ	۲۳۴۵۷۲۳	۳۰۴۳۰۱۳	۶۱۳۹۱۸۷	۳۲۸۱۰۰۰
ہماچل پردیش	۲۲۹	۴۸۸	۲۷۸	۴۵۰
آسام	۱۱۵۴
میزان	۶۳۴۳۷۸۴۸	۶۸۲۴۶۱۱۲	۱۰۰۱۵۰۸۷۰	۷۳۹۰۴۸۶۰

ہندوستان کا قرضہ ۱۹۲۴ء و ۱۹۲۵ء میں

مرکزی حکومت

اندرونی قرضہ:	۵۱۷۰۰۰۰۰ - ۳۱۳۶۰۰۰ روپیہ
انگلستان سے لیا گیا:	۳۰۴۳۰۰۰ - ۳۰۴۳۰۰۰ روپیہ
میزان کل:	۸۲۱۶۱۴۶۲۳ - ۸۲۱۶۱۴۶۲۳ روپیہ

صوبوں پر

۱۲۱۹۳۵۵۲۱۰ - روپیہ

ہندوستان کی تجارت ۱۹۲۲ء میں

درآمد

۲۶۶۳۴۶۳۰۰۰ روپیہ

مجموعی درآمد:

تفصیل

لوہ اور آہنی مصنوعات	۲۱۱۳۳۸۰۰۰
دوسری دھاتیں اور ان کی مصنوعات	۵۳۷۵۰۰۰۰
کھیتی باڑی کے آلات	۳۲۲۴۷۰۰۰
شیشے اور پتھر کے آلات	۳۳۳۶۱۱۰۰۰

ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی

اور

اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۴)

برطانیہ ہندوستان کی سرکاری آمدنی اور خرچ ۱۹۲۴ء و ۱۹۲۵ء میں

مجموعی خرچ	مجموعی آمدنی	نمبر
۷۷۱۲۲۹۰	۲۵۷۵۳۱۵۱۶	جنگی
۶۰۳۷۵۳۱	۱۶۰۱۳۸۲۵۳	انکم ٹیکس
۱۲۰۲۰۷۲۰	۷۳۹۰۴۸۶۰	نیک
۲۳۵۷۷۱۲۷	۳۷۹۷۹۱۷۷	افینون
۱۱۲۶۶۹۵	۳۷۸۰۷۴۸	لگان
۲۲۸۲۰۶	۴۱۹۹۲۳۹	شراب
۱۱۹۷۸۷	۲۶۸۹۶۸۹	شیپ
۳۱۱۶۱۶۶	۱۶۱۴۶۹۸	جنگل
۲۹۰۵۳	۱۶۴۳۹۲	جغیریش
.....	۸۲۴۳۳۸۴	ہندوستانی ریاستوں کا خرچ
۳۰۴۳۵۳۰۱۵	۳۶۹۲۶۸۷۰	ریلے
۲۱۳۳۷۵۱	۱۰۹۱۹۲۵	آب پاشی
۳۷۷۲۱۸۰	۱۱۳۵۰۸۷	ڈاک اور تار
۱۸۶۸۲۲۸۵۷	۳۴۱۰۰۲۶۵	سود
۱۰۱۲۵۹۱۰۳	۷۳۹۷۵۳۳	شہری انتظام
۷۱۳۱۰۷۹	۳۹۹۳۲۸۹۴	نیکال اور شرح بٹا
۱۷۷۷۲۸۷۵	۱۳۲۱۶۳	رفاہ عام
۴۳۵۳۱۸۶۱	۴۵۸۹۶۷۱	متفرقات
۵۹۹۶۵۱۸۷۷	۴۰۳۱۱۶۵۹	فوج
.....	۸۷۴۴۶۸۱۳	صوبوں کا خرچ
۱۳۱۸۴۹۲۴۲۱	۱۳۷۵۳۱۰۱۱۹	میزان کل

صوبوں کی سرکاری آمدنی اور خرچ ۱۹۲۴ء و ۱۹۲۵ء میں

صوبہ	آمدنی	خرچ
مدراں	۱۲۷۹۰۳۱۵۸	۱۳۰۸۵۰۴۷۲
بمبئی	۱۴۹۹۱۷۷۷۱	۱۴۷۲۵۶۹۱
بنگال	۱۰۳۴۲۳۷۱۰	۹۷۶۰۱۷۳۸
لوہی	۹۹۹۵۳۱۱۵	۱۰۴۲۲۹۰۷۸
پنجاب	۹۷۷۷۸۴۰	۷۹۷۳۴۷۹
براہ	۹۸۷۷۲۲۹	۹۸۶۷۳۵۵۵

ملک	برآمد	درآمد	میزان
ٹچ بسٹ انڈیز	۹۹۳	۶۵۶۸	۱۶۶۶۱
اٹریلیا	۱۲۶۵۸	۱۰۳۶۱	۲۳۰۶۹
روس	۸۶۶	۲۹۶۳	۳۶۶۲
الجزیرہ	۱۰۵۶۰	۱۵۶۳۲	۲۶۶۳۲
اوقیانوس	۱۲۶۶۶	۱۳۹۶۳	۲۶۶۳۱
اطلی	۱۰۳۶۸	۱۶۰۶۶	۲۶۶۳۲
آئینڈ	۱۰۵۶۳	۱۶۶۶۲	۲۰۱۶۶
چین	۱۲۶۶۸	۱۶۶۶۲	۳۰۰۶۰
کنیڈا	۱۹۸۶۲	۱۶۰۶۸	۳۶۶۶۰
جاپان	۱۶۹۶۵	۲۰۶۶۳	۳۸۶۶۸
جرمنی	۱۹۶۶۳	۳۰۶۶۵	۴۹۶۶۸
فرانس	۳۶۶۶۹	۴۰۶۶۵	۸۱۶۶۳
دلیات متحدہ امریکہ	۸۶۶۶۰	۸۶۶۶۰	۱۶۹۶۶۰
برطانیہ	۸۶۶۶۲	۱۰۰۶۶۱	۱۸۶۶۶۳
ہندوستان	۱۸۰۶۹	۱۵۶۶۳	۳۳۸۶۳

چاول

دنیا میں چاول کی پیداوار (۱۹۲۲ء)

ملک	رقبہ بحساب ایکڑ
ہندوستان	۸۰۶۸۶۰۰۰
بنگلہ دیش	۱۰۰۰۰
مصر	۲۳۱۰۰۰
فادوسا	۱۳۱۰۰۰۰
اطلی	۳۳۰۰۰۰
انڈونیشیا	۱۱۶۸۲۰۰۰
جاپان	۶۶۹۹۰۰۰
اسپین	۱۱۶۰۰۰
دلیات متحدہ امریکہ	۸۹۲۰۰۰

برطانیہ ہندوستان میں چاول کی پیداوار (۱۹۲۲ء)

صوبہ	رقبہ بحساب ایکڑ	پیداوار بحساب ٹن
بنگلہ	۲۰۸۶۸۶۰۰	۴۹۰۸۰۰۰
مدرا	۱۰۸۶۰۶۳۰	۴۹۰۸۰۰۰
میسور	۳۰۶۲۵۶۶	۱۳۹۶۰۰۰
پونڈی	۶۱۰۵۴۱۶	۲۲۶۵۰۰۰
پنجاب	۶۶۹۶۲۶	۳۲۶۰۰۰
بہار اور آسٹریلیا	۱۴۵۴۲۰۰۰	۶۰۲۳۰۰۰
برما	۱۲۱۱۲۲۹۶	۵۰۶۶۰۰۰
سی، پی اور برار	۵۱۶۱۳۰۸	۱۱۶۴۰۰۰
آسام	۴۶۸۳۳۱۶	۱۵۰۶۰۰۰

ہندوستان میں چاول کے کارخانے

برما	کارخانے
۳۱۹	کارخانے
۱۳۰	کارخانے
۶۲	کارخانے

چاول کی برآمد

ہندوستان سے سالانہ تقریباً ۷ کروڑ من چاول باہر چلا جاتا ہے۔

ملک	برآمد	درآمد	میزان
جنوبی افریقہ	۶۰۶۳	۱۵۶۶	۱۱۱۶۹
کوبا	۶۳۶۱	۴۰۶۶	۱۱۳۶۸
برازیل	۶۸۶۶	۴۸۶۶	۱۱۶۶۲
ڈومینیکا	۵۸۶۶	۱۶۶۶	۱۲۶۶۸
سویڈن	۶۸۶۰	۶۸۶۶	۱۳۶۶۶
آسٹریا	۴۳۶۶	۶۶۶۳	۱۰۹۶۹
زیمبوسلوا	۹۱۶۶	۶۶۶۶	۱۵۶۶۳
اسپین	۵۰۶۸	۱۰۶۶۲	۱۵۶
سویڈن	۶۶۶۶	۸۶۶۸	۱۵۹
میکسیکو	۹۶۶۰	۶۶۶۶	۱۶۶۶۶

ملک	برآمد	درآمد	میزان
روسی	۶۱۰۹۹۱۰۰۰	۶۱۰۹۹۱۰۰۰	۶۱۰۹۹۱۰۰۰
جرمنی	۶۳۱۲۳۰۰۰	۶۳۱۲۳۰۰۰	۶۳۱۲۳۰۰۰
سوت	۱۳۱۵۹۳۰۰۰	۱۳۱۵۹۳۰۰۰	۱۳۱۵۹۳۰۰۰
ادن خام	۴۴۱۲۳۰۰۰	۴۴۱۲۳۰۰۰	۴۴۱۲۳۰۰۰
فلورڈا	۵۳۰۰۰۰۰	۵۳۰۰۰۰۰	۵۳۰۰۰۰۰
چائے	۲۲۰۴۰۰۰۰	۲۲۰۴۰۰۰۰	۲۲۰۴۰۰۰۰
خام چمڑا	۵۶۰۶۰۰۰	۵۶۰۶۰۰۰	۵۶۰۶۰۰۰
مربوط چمڑا	۵۰۵۶۱۰۰	۵۰۵۶۱۰۰	۵۰۵۶۱۰۰
بیج	۲۶۳۵۳۸۰۰۰	۲۶۳۵۳۸۰۰۰	۲۶۳۵۳۸۰۰۰
لین	۱۰۲۶۵۲۰۰۰	۱۰۲۶۵۲۰۰۰	۱۰۲۶۵۲۰۰۰
روغن، سبزی وغیرہ	۳۱۹۰۱۰۰۰	۳۱۹۰۱۰۰۰	۳۱۹۰۱۰۰۰
کیمیائی اجزاء، سیاحت اور دوائیں	۳۵۱۳۰۰۰	۳۵۱۳۰۰۰	۳۵۱۳۰۰۰
ابرک وغیرہ	۵۸۶۴۰۰۰۰	۵۸۶۴۰۰۰۰	۵۸۶۴۰۰۰۰

دنیا کے بڑے بڑے تجارتی ملکوں کی تجارت کا تناسب

۱۹۲۲ء میں

(بحساب ملین پونڈ، ایک ملین، دس لاکھ کا ہوتا ہے)

ملک	برآمد	درآمد	میزان
جنوبی افریقہ	۶۰۶۳	۱۵۶۶	۱۱۱۶۹
کوبا	۶۳۶۱	۴۰۶۶	۱۱۳۶۸
برازیل	۶۸۶۶	۴۸۶۶	۱۱۶۶۲
ڈومینیکا	۵۸۶۶	۱۶۶۶	۱۲۶۶۸
سویڈن	۶۸۶۰	۶۸۶۶	۱۳۶۶۶
آسٹریا	۴۳۶۶	۶۶۶۳	۱۰۹۶۹
زیمبوسلوا	۹۱۶۶	۶۶۶۶	۱۵۶۶۳
اسپین	۵۰۶۸	۱۰۶۶۲	۱۵۶
سویڈن	۶۶۶۶	۸۶۶۸	۱۵۹
میکسیکو	۹۶۶۰	۶۶۶۶	۱۶۶۶۶

برید شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی کے تاریخی خطبہ کا بقیہ حصہ سلسلہ خلافت خطبہ کا عام اثر جمہوری ترکی کا آئندہ مسلک - ترکی کی نئی مردم شناسی -

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے تاریخی اور ہفت روزہ خطبہ کا بڑا حصہ گزشتہ جہتی میں بھیج چکا ہوں۔ اب خطبہ کے صرف دو ضروری حصے باقی ہیں۔ ”مسئلہ خلافت“ اور ”خاتمہ کلام“۔

سلسلہ خلافت کے سلسلہ میں غازی نے جو کچھ بیان کیا، وہ ان کی تقریر کا نہایت اہم حصہ ہے۔ کیونکہ یہ پہلا موقع ہے کہ موجودہ ترکی حکومت کے سب سے بڑے آدمی نے صاف صاف غفلتوں میں مبتلا کر دیا کہ کون کون لوگ سوتونی خلافت کے مخالف تھے اور کون موافق تھے۔ پہلے خیال کیا گیا تھا کہ مخالفین سوتونی میں سب سے زیادہ نامور شخصیت روڈت بے کی تھی۔ اب خود غازی کی زبان سے بھی اسی تصدیق ہو گئی۔

سلسلہ خلافت کے بعد انھوں نے ان قوم کے داخلہ مسئلہ کی تفصیل بیان کی جو وطنی تحریک کے شروع ہونے کے بعد سے لیکر ان کے رئیس جمہوریت تکب ہونے تک ان کے اور آنکھ سے گزرنے کے تصرف میں آئی تھیں۔ ممکن ہو، آپ کے قارئین خیال کریں کہ ایک عظیم الشان رئیس جمہوریت کے لئے یہ بہت ہی ناموزوں بات تھی کہ کسی سکرٹری اور خزانچی کی طرح ایک ایک پیسہ کا حساب پیش کئے لیکن یہاں ترکی ملے عامر نے اسے دوسرے ہی نقطہ خیال سے دیکھا ہے۔ تمام اخبارات نے بالاتفاق اسے خطبہ کا ایک قبیح اور مضر حصہ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، اس طرز عمل کے ذریعہ غازی مصطفیٰ کمال نے ہیں یہ سبق سکھایا ہے کہ قوم کا رہنا قوم کا امین ہے، اور ہم حال میں اس کا فرض ہے کہ قومی امانت کا حساب، پیسہ پیسہ اور پانی پانی قوم کے سامنے پیش کر دے۔ اس بات سے کہ قوم نے اپنے رہنا کو اپنی حکومت کا بڑا سبب قرار دیا ہے، امین قوم ہونے کی ذمہ داریاں معدوم نہیں ہو جاتیں، بلکہ اور زیادہ بڑھ جاتی ہیں!

خاتمہ کلام میں انھوں نے ایک اور حقیقت بھی آشکارا کر دی انھوں نے کہا کہ ان کی رہنمائی اور ریاست کے زمانے میں قوم نے انھیں جتنی بھی سکانات اور آرمی دی ہیں، یا جس قدر جائداد انھوں نے اپنے جیب خاص سے خریدی ہے، وہ سب کی سب انھوں نے ”قومی جماعت“ کے نام منتقل کر دی ہے، اور اب ان کے پاس قوم کی خدمت اور محبت کے سوا، کوئی جائداد اور ملکیت باقی نہیں!

خلافت کی سوتونی

سلسلہ خلافت کی طرہ اشارہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا: ”لو زمان میں کیا مانی حاصل کرنے کے بعد ابھی مصطفیٰ پاشا انھوں نے بھی نہ تھے کہ روڈت بک وزارت سے مستعفی ہو گئے۔ اگر حکومت پاشا

کو مبارکباد دینے سے منع جاتیں۔ استغنا دینے کے بعد وہ غرض نہیں رہی بلکہ خلیفہ کا اقتدار بڑھانے کی کوششیں کرنے لگے، حالانکہ ملک میں عام رجحان، جمہوریت کی طرف پیدا ہو چکا تھا۔ روڈت بک کی جگہ بک وزیر اعظم ہوئے اور طویل مباحثہ کے بعد طے کیا کہ باوجود انھوں نے ہی ہے۔ مگر مخالف جماعت متحرک کی آواز دہرائی جانے لگی۔ لہذا اب ضروری ہو گیا کہ اس تمام جھگڑے کا ایک مرتبہ فیصلہ کیا کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے ۲۸ اکتوبر کو اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی کہ اعلان جمہوریت کے لئے تمام تدابیر مکمل ہو گئی ہیں۔ دوسرے دن جمہوریت کا اعلان ہو گیا، اور ادنیٰ رات کو تمام ملک میں خبر پھیل کر دی گئی۔ عصمت پاشا پہلی جمہوری وزارت کے صدر مقرر ہوئے، اور قلمی بک مجلس وطنی کے رئیس قرار پائے۔

پوری ترکی قوم نے اعلان جمہوریت، انتہائی مسرت کے ساتھ سنا مگر مخالف جماعت سخت برہم ہوئی، اور اخبارات میں اپنی دیرینہ وسیع بیان پر شروع کر دی۔ اس جماعت کے سرگروہ روڈت بک، پاشا، ڈاکٹر عدنان بک، کاظم قرہ بک پاشا، اور علی فواد پاشا تھے۔ یہ لوگ شب و روز مخالف کوششوں میں سرگرم تھے۔ یہ مشہور کرتے تھے کہ خلافت وہ رفیع مقام ہے جس کا تمام جان کے مسلمان احترام کرتے ہیں۔ وہ ترکی قوم کا سب سے زیادہ قیمتی خزانہ ہے، لہذا اسے اقتدار میں کسی قسم کی کمی نہیں کرنی چاہئے، نیز انھوں نے یہ بھی کہا شروع کیا کہ ترکستان میں اور پاشا، خلیفہ ہی کے نام پر جنگ کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی کوشش یہ تھی کہ ملک میں پھر شاہی دستور چھت کی طرہ لوٹا دیا جائے۔

ذاتی طور پر روڈت بک کی لئے یہ بھی کہ اقتدار قوم ہی کے ہاتھ میں ہے مگر حکومت کے سپروائل عثمان کا کوئی فرد ضرور رہنا چاہئے لطف یہ ہے کہ باوجود اس خیال کے وہ ہماری جماعت کے ایک کون ہونے کے بھی مدعی تھے۔ یقیناً ان کی نیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ ہم میں دیکر ہم میں پھوٹھا ڈال سکیں۔

اب یہ واضح ہو گیا تھا کہ آستان میں خلافت کا باقی نہ رہا تھا۔ کاموجوب ہو گا، لہذا میں سزا گیا اور یقیناً لیا کہ منصب خلافت کی منسوخی کا وقت آ گیا ہے۔ پھر میں نے عصمت پاشا، فوری پاشا، اور کاظم پاشا سے مشورہ کیا۔ یہی لئے قرار پائی کہ منصب خلافت منسوخ کر دیا جائے۔ چنانچہ یکم اپریل ۱۹۲۲ء کو مجلس وطنی میں جب ذیل تجویز پیش ہوئی،

(۱) منصب خلافت منسوخ کیا جائے اور خاندان عثمانی کو ترکی

سے باہر قیام کرنے کا حکم دیا جائے۔

(۲) امور شریعہ اور اوقاف کی ذمہ داریاں توڑ دی جائیں۔

(۳) ملک بھر میں تعلیم کا ایک ہی نظام جاری کیا جائے۔

یہ تجویز، مباحثہ کے بعد منظور ہو گئی۔ لیکن اسی وقت مجھ سے درخواست کی گئی کہ منصب خلافت میں اپنے لئے قبول کر لوں مگر میں نے ابن فضلین میں انکار کر دیا،

”دوستو! اگر لوگ مسلمانوں کو خلیفہ اور خلافت کے نام سے دھوکا دینا چاہتے ہیں، وہ اسلام اور مسلمانوں کے عام طور پر، اور ترکی قوم کے خاص طور پر سخت دشمن ہیں۔ اب خلافت کا کوئی عملی اور حقیقی وجود باقی نہیں رہا ہے۔ ان اہم پر یقین، سراسر غلطی و غلطی ہے۔“

اس طرح مخالف جماعت کو پوری شکست ہوئی۔ انھوں نے پوری کوششیں کیں۔ کئی علاقوں میں شورشیں بھی برپا کر دیں۔ مگر ہم نے سبکا سہا ب کر دیا۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ ان پر تمام دردانے بند ہو چکے ہیں، تو پھر میرے قتل کی سازش شروع کر دی یہ کہنا ضروری نہیں کہ ان سازشوں میں بھی کیے بعد دیگئے نہ پکڑا ہوئے۔

خاتمہ سخن

غازی نے اپنی تقریر ان الفاظ ختم کی،

”لو جو ان ٹرکی! تیرا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ترکی استقلال کی حفاظت کر اور ابد الایام تک جمہوریت برقرار رکھے! یہ کہتے ہوئے غازی کی آواز غناک ہو گئی۔ انھوں سے اس قدر جاری ہو گئے۔ پھر انھوں نے کہا:

”یہ میری زندگی کا اصل اصول ہے۔ یہی میرے مستقبل کا نصب العین ہے۔ لے لو جو ان قوم! یہی تیرا سب سے زیادہ قیمتی خزانہ ہے۔ ایسے لوگ پیدا ہو سکتے ہیں جو مستقبل میں اپنا خزانہ ملی طرہ ہاتھ بڑھائیں گے، تاکہ تجھے اس سے محروم کریں۔ اگر ایسی صورت نہ پیش لے اور تو اپنی آزادی اور جمہوریت کی حفاظت پر مجبور ہو گا تو ایک لمحہ کے لئے بھی پس پیش نہ کرنا۔ ممکن ہو، حالات اور صعوبات ہوں، ممکن ہو دنیا کی بے نظیر نعمتی حاصل کر چکا ہو ممکن ہو تجھے تمام قلعے دشمن کے ہاتھوں میں جا چکے ہوں، ممکن ہو تیری تمام فوجیں براگندہ ہو چکی ہوں، ممکن ہو تیری تمام زمین چھن گئی ہو، بلکہ میں کہتا ہوں، ممکن ہو اس سے بھی زیادہ کوئی بڑی مصیبت تیرے سامنے آگئی ہو۔ لیکن ان تمام مصائب پر بھی تیرا فرض یہی ہو گا کہ ترکی استقلال اور ترکی جمہوریت کی حفاظت میں لگا آ رہا ہو۔ تجھے جس قوت کی ضرورت ہو، وہ کس باہر نہیں ہو، خود میرے خون میں موجود ہے۔ وہ خون جو لے حصار! آپ سب کی رنگوں میں دوڑ رہا ہے!“

اس کے بعد غازی نے اس تمام ردیہ کا حساب پیش کیا جو ان کے ہاتھ میں شروع سے اب تک آیا ہے۔ پھر اس عبارت پر تقریر ختم کر دی،

”اب تم کے علاوہ میرے پاس وہ مکان ہے جو جاکھوٹ کے باشندوں نے مجھے دیا تھا۔ نیز برص، طرابزون، ارض روم، انطاکیہ، قونہ، اور ترائیں بھی ایک مکان وہاں کے باشندوں نے مجھے دیا ہے۔ تیرہ زمین بھی جو میں نے انگلہ کے مسافروں میں خریدی ہے کہ یہ تمام جائداد، میری نہیں ہے۔ میرا سب ملحقہ فرد سی“ (جمہوری پالی کی کہتے ہوئے چکا ہوں!)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے خطبہ کا اثر بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ اس خطبہ سے ان تمام لوگوں کے

عالم مطبوعات صحائف

روسی راہب راسبوتین کا قتل

پرنس یوسوف کا عترت

تاریخ الملل رڈس کے پراسرار راہب راسبوتین کے نام اور حالات سے ابھی طرح واقف ہیں: الملل نمبر (۹) میں اس کی پوری سرگزشت ان کی نظروں سے گزرنے لگی ہے۔ جو حیرت انگیز اقتدار اور تسلط اسے زار اور ملکہ رڈس پر حاصل ہو گیا تھا، اُنسی کوئی دوسری نظر میسویں صدی کی تاریخ میں موجود نہیں۔ یہ اُن کا مذہبی رہنما تھا۔ پھر روحانی معلم اور مرشد کی طرح اُنا جانے لگا، پھر شہر اور دیہات سب کچھ میں گیا۔ زار اور زارینہ بچان اُن کی طرح اس کی انگلیوں میں تھے۔ جس طرح چاہتا تھا، اُنھیں استیصال کرتا تھا۔ ملک میں مذہبی بہت سیاسی اصلاحات جو دیوا (روسی پارلیمنٹ) کی شکل میں جاری ہو گئی تھیں، اسی کے اشارے سے غارت ہوئیں، روشن خیال اور اصلاح پسند اُمراء کو اُنسی نے قتل اور جلاوطن کر دیا، زائد کے تہین دوست اور مدد العمر کے وفادار خادم اسی کے حکم سے سائبیریا بھیجے گئے۔ پھر جب عالمگیر جنگ عالم شروع ہوئی، تو جرمن نے بے شمار ردیہ خرچ کر کے اس کی خدمات حاصل کر لیں۔ یہ جرمن جاسوس تھا، لیکن رڈس کے تمام اسرار جنگ اسی کے قبضہ میں تھے۔ ایک طرف یہ زار کو یقین دلا کہ میری روحانی برکتوں اور دعاؤں سے جرمن فوجیں اور رڈس کے تمام حیرت پسند ہلاک ہو جائیں گے۔ دوسری طرف جرمن فوجیں کو فوجی نقل و حرکت کی بروقت خبریں بھیجتا تھا۔ تمام رڈی فوج کا خاتمہ کر دیں!

زار یہ حیرت انگیز اقتدار اُسے کیسے حاصل ہوا تھا، بلکہ اُن کے ذریعہ۔ بلکہ کیوں اُس کے احکام سے ہر موجد تاج نہیں کر سکتی تھی؟ خود راسبوتین کی لوط کی مونیانے اپنی دہشت انگیز اور آتشیں شائع کر کے دنیا کو بتلایا کہ ”اُس میں اور ملکہ میں جو تعلق تھا راسبوتین سے اُسے عقیدت ہی نہیں تھی، بلکہ ہوس پرستی کا تھا“

صوفیاء کے علاوہ ایک اور شخص بھی یورپ میں موجود ہے، جو رڈس کے شاہی خاندان سے قریبی تعلق رکھتا ہے، اور اس رڈی راہب کی تمام سرگزشت حیات سے واقف ہے۔ یہ پرنس یوسوف ہیں۔ اُن کا

بحث میرا کام نہیں ہے۔ میں نے غازی کے خطبہ کا خلاصہ اور خلقِ فرد سے اس کا مسلک پیش کر دیا۔ البتہ مجھے یہ کہنے میں تاہل نہیں کہ جماعتِ خلق کی موجودہ اجتماعی ذہنت سے اکثر مسلمان عالم کو اتفاق نہیں ہو گا۔ وہ اپنی جدید اجتماعی زندگی کے عناصر میں مذہب کو کوئی نایاب جگہ نہیں دیتی جاتے۔ خود ترکوں کی اکثریت اس وقت تک اس متفق نہیں ہے۔ بیرونی دنیا کی عام اسلامی رائے تو یقیناً مخالفت ہو گی، میں اپنے حدودِ مخالفت سے ایک دو قدم اُگے ہو کر، آئندہ تفصیل بکھاتا ہوں۔ اس موضوع پر لکھنے کی کوشش کر دوں گا۔

دوم نے ترکی کا آئندہ مسلک، مفصل طور پر شائع کر دیا ہے۔ ذیل میں اُس کا خلاصہ دیا جاتا ہے:

”خلقِ فرد سی“ کیا ہے؟

عصمت پاشا نے اپنا بیان، خلقِ فرد سی کی حقیقت کی تشریح سے شروع کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”یہ انجمن جمہوری ہے۔ کسی خاص مذہب سے تعلق نہیں رکھتی۔ وہ یقین کرتی ہے کہ قوم کا کامیابی کا راز، اُس کی اقتصادی حالت کی درستگی میں ہے۔ یہی باعث ہے کہ اُس کا پورا مسلک، اسی اصل پر بنی ہو اور اُس کے جملہ قوانین میں اسی کی رعایت کی جاتی ہے“

داخلی امن

”ملک میں امن امان برقرار رکھنا ہمارا اولین فرض ہے کہ قوم کا ہر فرد اپنی سعی و ذہنت کا ثمر بلا کسی اندیشہ کے حاصل کر سکے“

عدالتی مسلک

”مدنی قوانین کا اجراء اور ان قوانین کی جمہوری روح کی تعمیل، اُس کا عدالتی مسلک ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ جلد سے جلد اور زیادہ سوزناہ آسان طریقہ پر عدالتی فیصلے برائے انسان کے دسترس میں آجائے“

خارجی مسلک

”ترکی جمہوریت کی عزت کی حفاظت، ترکی قوم کے حقوق کی حالت وہ حقوق جو قوم نے طویل جہاد کے بعد حاصل کئے ہیں۔ تمام قوموں کے ساتھ مساوات کے دائرے میں دوستانہ تعلقات، اُس کا خارجی مسلک ہے“

تعلیمی مسلک

”ہمارا تعلیمی مسلک یہ ہے کہ تعلیم قومی ہواد مذہب اس سے الگ رکھا جائے۔ نظامِ تعلیم ایک ہو۔ نئی نسلوں کی ایسی تربیت کی جائے جس سے ہادی مدنی و اجتماعی برتری قائم ہوا اور اقتصادی زندگی مستحکم ہو جائے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ قوم ابتدائی مفت تعلیم سے فوری طرح مستفید ہو۔ غیر تعلیم یافتہ افراد کو شبیہ مدارس کے ذریعہ تعلیم دی جائے ترکی جاسوس کو فوری تعزیت دی جائے اور زیادہ سے زیادہ جدید تعلیم جاری کی جائے۔ ہم فنونِ جمیلہ کے بھی پرورش حامی ہیں۔ ترکی زبان کی ترقی و تہذیب کا ہمیں از حد اہتمام ہے۔ ترکی حرفت کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ اور ہم اس پر بھی غور کر رہے ہیں“

مردم شماری

”ترکی کی تاریخ میں اب پہلی مرتبہ مردم شماری ہوئی ہے۔ اسے پہلے ایک مرتبہ مردم شماری حکومت عثمانیہ نے اس کی کوشش کی تھی، مگر ننگ نظر علمائے اس کی سخت مخالفت کی، اور اسے دین کے خلاف قرار دیا۔ چنانچہ التانیہ اور بعض دوسرے علاقوں میں بغاوت شروع ہو گئی مجبوراً حکومت کو اس ”خلاف شرع“ فعل سے باز رہنا پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کو بھی ملک کی صحیح آبادی معلوم نہ تھی۔ خود ترکی حکومت بھی اپنی آبادی کی قوت سے ناواقف تھی۔ اور اس وجہ سے بے شمار سیاسی، اقتصادی، اور جنگی معضلات ملک کو بچا کر رہی تھیں۔

اب ترکی جمہوریت نے یہ اہم مسئلہ تعلیمی طور پر حل کر دیا۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء کی ترکی تاریخ مردم شماری کے لئے مقرر کی گئی۔ حکم تھا، کوئی شخص بھی اپنے گھر سے نہ بچھے، یہاں تک کہ توپ داغی جائے۔ اس حکم پر راجسی باشندوں نے یہ اعتراض کیا کہ دن بھر وہ اپنے کام مغل نہیں رہ سکتے۔ مگر حکومت نے کوئی اعتراض نہیں سنا اور مردم شماری پوری ہو گئی۔ ان سطحوں کی تحریر کے بعد معلوم ہوا کہ مردم شماری سے ثابت ہوا ہے کہ ترکی کی موجودہ آبادی اگر دوہرہ نہ لاکھ ہو تب تک یہ آبادی لاکھ ۵۰ ہزار ہے۔

میں ایک مٹائی کی طرح نقل و روایت کا فرض انجام دیتا ہوں نقد

سخت تکلیف پہنچی، جن کا ذکر مخالفانہ طریقہ پر کیا گیا ہے۔ لیکن اب تک صورتِ تین ہی آوازیں مخالفین بلند ہوئی ہیں: ایک اندرونِ ملک سے۔ دوسرے۔ اندرونِ ملک میں محمود پاشا جو رول صوبی کی آواز ہو کر ملک سے خالہ ادیب ہانے اعتراض کیا ہے اور اخبار لندن ٹائمز نے شکایت کی ہے جو گویا برطانیہ کی آواز ہے۔

محمود پاشا کی نسبت غازی نے اپنے خطبہ میں کہا تھا کہ اُنھوں نے ۱۹۱۹ء میں اخبار ”باسفورس“ کے نمائندے سے کہا ”ترکی اپنی جڑوں میں ایسی تبدیلی کر دینے پر راضی ہے، جس سے آرمی خوش ہو جائے“ محمود پاشا نے اس سے انکار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں میں نے ہمہ پہلچ ۱۹۱۹ء کو اخبار ”استقلال“ کے نمائندہ سے بیان کیا تھا کہ ترکی قوم اپنی سرزمین کا ایک بالشت بھی بھرنے کے لئے تیار نہیں ہے“

محمود پاشا کے جواب میں ”خلقِ فرد سی“ کے سرکاری نے اعلان کیا ہے کہ حضرت وہ تمام دستاویز شائع کر دی جائیں گی، جو غازی کے خطبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اُس وقت محمود پاشا کو معلوم ہو گا کہ غازی نے اپنے خطبہ میں اُن کی کس قدر رعایت کی ہے۔ ساتھ ہی ترکی اخبار نے محمود پاشا کا اصلی بیان بھی شائع کر دیا ہے، جو بعینہ وہی ہے جس کا نقل غازی نے اپنے خطبہ میں دیا ہے۔ اسی قدر میں بلکہ غازی کا وہ برقی پیغام بھی نقل کیا گیا ہے جو اُنھوں نے ۱۹۱۹ء کو محمود پاشا کو بھیجا تھا۔ اس میں لکھا ہے ”آپ کی تصریح سے مشرقی صوبوں کے باشندے سخت ناراض ہیں۔ ترکی قوم ہرگز ارمنوں کو اپنی ایک انچ زمین بھی نہیں دے گی، بلکہ اس کے برعکس اپنے خون سے اس کی حفاظت کرے گی“

خالہ ادیب ہانے اخبار ٹائمز میں اپنی برات ظاہر کرتے ہوئے غازی کے رد میں لکھا ہے ”میں ہرگز ارمنی حمایت کی مہینہ نہیں چھوڑا۔ غازی نے بیان کیا ہے۔ البتہ میں انجمنِ تن کی ایک رکن ضرور تھی۔ ہر انجمن کا مقصد یہ تھا کہ ترکی کے لئے آرمی سے مالی اور اقتصادی امداد حاصل کر جائے۔ خود غازی اس انجمن سے اور اس کے مقاصد واقف تھے۔ اُنھوں نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا“

لیکن خالہ ادیب کا یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ وہ اصل اُنھوں نے غازی کا پورا خطبہ پڑھنے سے پہلے ہی جواب لکھ مارا خطبہ میں وہ تمام خطوط بھی غازی نے نقل کئے تھے جو موصوفہ لے کر سرائی بک اور خود غازی کو لکھے تھے۔ ان خطوط سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ امریکین حکمرانی کو ترکی کے لئے ضروری خیال کرتی تھیں۔

برطانیہ بھی غازی کی صاف گوئی سے شاکہ ہو۔ لندن ٹائمز شیکا سے پہلے اقرا پر مجبور ہوا کہ ”خطبہ“ غازی کی غلط میں چار چاند لگا دیگا، کیونکہ اُنھوں نے اپنی ذرا بھی تعریف نہیں کی۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے، ترکی میں جو کچھ ہوا ہے، محض اُنسی کی ہمت و تدبیر سے ہوا ہے، لیکن ساتھ ہی ان غفلتوں میں شکایت بھی کرتا ہے:

”غازی نے اپنے خطبہ میں بار بار برطانیہ کا ذکر کیا ہے۔ ترکی کے ساتھ جو طرزِ عمل یورپ نے اختیار کیا تھا، وہ اُس کی ذمہ داری تمام اتحادیوں پر نہیں ڈالتے، بلکہ سراسر الزام برطانیہ ہی کو دیتے ہیں۔ گویا دوسرے اتحادیوں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ یہ افسوس کا مقام ہے کہ ترکی داغ میں اب تک برطانیہ کے خلاف زہر پھیلے انکار موجود ہیں!“

ان تین اعتراضوں کے علاوہ کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کیونکہ غازی نے جو کچھ کہا، دلائل کہا ہے۔ تمام ملک میں اُن کے خطبے کے بعد ایک نیا جوش پیدا ہو گیا ہے۔ اور ہر طرف اُن کے پاسنام آ رہے ہیں کہ ترکی قوم، قیامت تک اپنی جمہوریت برقرار رکھے گی۔ جمہوری ترکی کا مسلک

غازی کے خطبہ کے بعد خلقِ فرد سی کے لئے ضروری تھا کہ ان پر مسلک کا اعلان عام کرے۔ چنانچہ وزیرِ اعظم عصمت پاشا اور انجمن کے صدر

جس کا ذہنی اضطراب کی وجہ سے اُسے احساس نہیں ہوا۔ اس طرح کی صورت حال میں ایسی غلطی اکثر ہوجاتی ہے۔ دراصل خود دہشت اور اعتقادی کمزوری کی وجہ سے اُسوقت پرس کی ذہنی حالت متزلزل ہو چکی تھی۔ اُس نے اپنے بعد دیگرے جعفر قلاب اٹھاکر پیش کئے، اُن میں سے کوئی قاب بھی زہر آلود نہ تھا۔ ذہنی پٹائی کی وجہ سے اُس نے جسے زہر آلود سمجھا کر اٹھایا، وہ زہر آلود نہ تھا، اور جنس غیر زہر آلود سمجھ کر چھوڑ دیا، وہی زہر آلود تھے۔ اس طرح کی غلطی ذہنی اضطراب کی حالت میں ہر انسان سے ہوجاتی ہے۔

فلسطین میں آثار قدیمہ

(ہتیاروں کا قدیم ساچھ)

اخبارالسیاسہ رادیو ہرگزین محقق ڈاکٹر فلسطین کو بلاط (فلسطین) کے کھنڈروں میں مٹی کا ایک ساچھ ملا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے، یہ ساچھ ہتیار ڈھالنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

پتھر کی تپائیاں

اب سے پہلے یہ خبر شائع ہو چکی ہے کہ شرنائلس میں پتھر کی قدیم تپائیاں پائی گئی ہیں۔ پہلے خیال کیا جاتا تھا یہ کسی قدیم تپاشہ گاہ کا تھا، لیکن اب علماء آثار قدیمہ نے معلوم کر لیا ہے کہ یہ یو ارتمیس کے مندر کے آثار ہیں۔ یہ مندر، رومن شہنشاہ سپٹیم سوری نے تعمیر کیا تھا۔ (السیاسہ)

الہلال کے ابتدائی نمبر

الہلال سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر

۱۔ سے ۵۔ تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں

وہ

دوگنی

قیمت پر

خرینے کے لئے طیار ہیں۔ ذکر کو اطلاع دیجائے

مینجر



اٹھالیا۔ ”تھکاری خاطر سے!“ اور مکمل منہ میں کھلایا۔ پھر دہرایا اور کھلایا۔ میں بالکل خاموش تھا۔ ایک منٹ کا سا عالم بچہ طاری تھا۔ مجھے یقین تھا، اب نور زہر کا اثر اُس پر ظاہر ہو جائے گا۔ مگر سری حیرت کی کوئی حد نہ رہی، جب میں نے دیکھا، کہ وہ پورا طرح سندرت ہو۔ کوئی اثر بھی اُس پر ظاہر نہیں ہوا۔ مجھ کو ہنس ہنسنے لگا۔ ”مگر اُس پر زہر کا کوئی اثر نہ تھا!“

”پھر اُس نے سوسم شراب جام میں اٹھلی۔ میں فرط اضطراب سے کھڑا ہو گیا۔ اب مجھے یقین تھا کہ وہ نور اُمر جلے گا۔ مگر وہ طے اطمینان سے مزہ لے لے کر تیار ہوا۔ کئی جام خالی کر دئے۔ پھر وہ کمرے میں بیٹھ لگا۔ برابر باتیں کئے جاتا تھا۔ اب رات کے تین بج چکے تھے۔ مگر اُس پر زہر کا کوئی اثر نہ تھا!“

”بیٹھ بیٹھ اُس نے یہ کہہ کر مجھے بہت کرایا۔“ باقی رات، جلد رقص میں گزار دی چاہئے! اب میں جیب سے پستول نکال چکا تھا کیونکہ جب زہر کی اتنی بڑی مقدار لگ کر نہ ہوئی، تو بجز پستول کی کوئی کے اور کو نسا دینے کا کام نہ سکتا تھا۔ اُس کے جلد رقص کے جواب میں میں نے بے اختیار جھج اٹھا، ”خشب بھوت کیا ہے بہتر ہوگا کہ جلد رقص کی کو صلیب لکھ کر اور نماز پڑھ لے، کیونکہ ایک خط بعد تو پڑ پڑا ہوگا!“

اُس کی آنکھوں میں ایک ہولناک چمک پیدا ہوئی۔ پھر نور اُمر ایک تہہ کا خورج و خضوع طاری ہو گیا۔ وہ جلدی سے میرے قریب آیا۔ اپنی چمکی آنکھیں میرے چہرے پر گرا دیں۔ میں نے آہستہ سے اپنا پستول والا ہاتھ پیچھے سے سامنے کر دیا۔

”پستول دیکھ کر راسبوٹین بھاگا نہیں۔ نہ مقابلہ کی کوشش کی۔ اُس نے اپنی نظریں میرے چہرے سے ہٹائیں اور صلیب پر چڑھا جو اُس کے گلے میں پڑی تھی۔ وہ اب بھی بالکل خاموش تھا۔ میں نے پستول کی لمبی دبا کی اور گولی اُس کے سینے پر لگی۔ اُس نے بڑے زور سے چیخ ماری اور چٹ کر گرا۔ میں نے دھڑک زخم کا معائنہ کیا۔ گولی، دل چیر کر نکل گئی تھی۔ یہ بالکل یقینی تھا۔ راسبوٹین مر گیا!“

”میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اُس کے قریب کھڑا صلیب کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ قریب تھا، میں ہیوش ہو کر گر پڑا۔ راسبوٹین، بجلی کی سی تیزی سے اپنے پیروں پر سب اٹھ کھڑا ہو گیا! بڑے زور سے چلایا۔ تمام مکان اُس کی چیخ سے گونج اٹھا۔ پھر اُس نے اپنی ذرا سے بھی زیادہ مضبوط انگلیوں سے میرا بازو پکڑ لیا۔ مجھے یقین تھا، میری ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ اب اُس نے میری گردن پکڑنے کی کوشش کی۔ میں اپنی دہشت و خون کے بیان سے قطعاً قاصر ہوں۔ میں نے خیال کیا، یہ بھوت بھی اب ار ڈالے گا۔ مگر نور اُمر سے جسم میں بھی ایک عظیم قوت پیدا ہو گئی۔ میں نے زور لگا کر اپنے آپ کو پھرا دیا اور بھاگنے لگا۔“

”راسبوٹین بھی میرے قلاب میں دوڑا۔ وہ برابر چلائے جاتا تھا اور قتل کی دھمکی دیتا تھا۔ میں نے پے پر جا کر رکا۔ اُسوقت اُس کی صدمہ بالکل بھوت کی سی ہو گئی تھی۔ تمام لباس خون سے رنگین تھا، او سینہ سے خون کا فوارہ بہ رہا تھا!“

”وہ زینہ کے سامنے پہنچ کر رکا۔ پھر تیزی سے دروازے کی طرف دوڑ کر صحن میں پہنچ گیا۔ صحن میں تاریکی تھی۔ میرے نوکروں نے مسلسل تین گولیاں اُس پر چلائیں۔ اب وہ لڑکھڑایا، اور برن کے ایک ڈھیر کے سامنے پہنچ کر گر پڑا۔“

”اب واقعی راسبوٹین، دوس کا مہیب بھوت، مر چکا تھا!“ زہر آلود غذا کے عدم تاثر کی نسبت پرس نے جو کچھ کہا ہے، یہ راسبوٹین کا کوئی اعجاز نہ تھا، بلکہ خود پرس کی ایک ایسی غلطی تھی

نے سب سے پہلے اس راہب کی کارستانیوں سے دنیا کو واقف کیا تھا۔ اسی نے لکھ رکھ دیا کہ وہ تمام خطوط شائع کئے جن سے راسبوٹین سے اُس کی حیرت انگیز عقیدت و عبودیت پر روشنی پڑتی تھی۔

لیکن پرس یوٹوبون نے اس وقت تک دنیا کو اس راز سے واقف نہیں کیا تھا کہ راسبوٹین کا خاتمہ کیونکر ہوا؟ اُس نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ ”وہ قتل کر دیا گیا“ کچھ دنوں کے بعد جب صوفیا کی یادداشت شائع ہوئی، تو اس سے بھی صحت اتنی بات معلوم ہوئی کہ ”راسبوٹین قتل کر دیا گیا، اور اُس کی لڑکی (صوفیا) کو کئی طرح بان بچا کر نکل بھاگی، عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ راسبوٹین بھی انقلاب روس کے قتل عام میں قتل ہوا ہے۔“

لیکن اب اس سلسلہ میں ایک نیا انکشاف ہوا ہے۔ یعنی پرس یوٹوبون نے اپنی کتاب کا ایک تہہ اخبارات میں شائع کر لیا ہے۔ اس وہ اعتراف کرتا ہے کہ ”راسبوٹین کو خود میں نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا!“

پرس لکھتا ہے:

”میں نے اور میرے دوستوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس شیطان کے اقتدار سے روس کو نجات دلائیں، مگر کوشش ناکام رہی۔ لکھ رکھ دوس کچھ اس طرح اُس کے جال میں پھنس گئی تھی کہ کوئی بات اُس کے خلاف سننا گوارا نہیں کرتی تھی، اور زار اپنی لکھ رکھ کا غلام تھا مجھ ہو کر میں نے فیصلہ کیا کہ اس شیطان کو قتل کر ڈالاجائے۔ اس کے سوا خلاصہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ چونکہ اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی تھی، جب تک اُس کو بظاہر دوستی پیدا کر کے دام میں نہ لایا جائے۔ اس لئے میں نے کئی ماہ باہر مکرر تعلقات برپا کرنے میں صرف کر ڈالے۔ یہاں تک کہ اُسے پوری طرح مجھ پر بھروسہ ہو گیا، اور ایک دن میں نے اُس سے وعدہ لے لیا کہ وہ یک دم دسمبر ۱۹۱۷ء کو میرے محل میں آکر صیاف میں شریک ہوگا۔“

اس کے بعد پرس، قتل کا واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے:

”گیارہ بجے رات کو پیر کی (یعنی نصف شب کے کھلنے کی) تمام طیاریاں مکمل ہو گئیں۔ دعوت کی میز پر بہت بڑی بڑی قابیں بھی گئیں۔ ان میں مہتمم کے گوشت، جو راسبوٹین کو خاص طور پر مرغوع تھے لیا کر رکھے رکھے گئے تھے۔ اور روشنی ٹیکیاں اور نفیس لیک بھی موجود تھیں۔ نیز قہر قہر کی شرا میں اور نظریہ جام میا کے گئے تھے۔“

”میں نے الماری سے ایک صندوق نکالا۔ اس میں کئی قہر کے قاتل زہر مخفی تھے۔ پھر میں نے میز پر سے ایک قاب اٹھائی۔ اس میں ایک کیک تھی۔ ڈاکٹر لازدورس نے رط کے دستانے پہن لئے پھر ایک خاص نمبر ”سیاٹھ پلاس“ لے کر لیکوں پر چھڑک دیا۔ بعض دوسرے قہر کے زہر بھی شراب میں ملائے۔ ڈاکٹر نے مجھے یقین دلایا تھا کہ زہر اتنی زیادہ مقدار میں ڈال دیا گیا ہے کہ شراب کا ایک گھونٹ بھی آدمی کے قتل کے لئے کافی ہو۔ اس ڈاکٹر کی خدشات میں نے خاص دہشت و غش سے حاصل کر لی تھیں۔“

”جب راسبوٹین آیا تو میں اسے کھانے کے کمرے میں لے گیا۔ اُس نے اپنی پسند کا گوشت میرے ہوک کھایا۔ پھر میں نے روشنی روٹی کی بیٹھائے بڑھائی جس میں زہر تھا۔ میں نے مہتمم میں نے ایسا کیا کیا، لیکن یہ واقعہ جو کہ قصہ مجھ سے ایسا ہی ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے زہر ایک سامنے کئے اُس نے پہلی قاب سے روشنی سیکالے لی، لیکن زہر آلود ایک سے اٹکار کر دیا۔ اس اٹکار نے مجھ پر سخت رعب طاری کر دیا۔ میں ڈرا، شاید یہ شخص دلی اسد ہے، اور زہر سے واقف ہو گیا ہے۔ میں سب کا خون سے بچنے کے لئے تھا، اور دل دھڑک رہا تھا۔ اچانک اُس کے آنکھوں کو جھپٹا ہوا دیکھ کر اُس نے ایک لک

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و مقبول خاص و عام اسم باہمی

ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی کا

عیم المثال نادر الوجود سرائی تحفہ

”ہمدرد، دہلی“

تار کا کافی پتہ

ماہ الحکم دو آتشہ

زندگی جیسی غیز اور پیاری چیز جو وہ ظاہر ہو لیکن تندرستی بھی ایسا ہی نعمت ہو کہ بغیر اس کے زندگی بے طعم بلکہ بیکار ہو۔ تندرستی ہزار نعمت ہو۔ تندرستی جو قوت کچھ ہو۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشیدہ کیا ہوا ماہ الحکم استعمال کیجئے اور بری میں شباب کا طعم اٹھائے یہ امر تو مسلم ہو کہ ماہ الحکم مقوی اور داح ہے، بدن میں جستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا بھاننا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خامی تک ہو۔ مگر ہمارا ماہ الحکم خصوصیت کے ساتھ پردوں کو جو جان اور جواں کو نوجوان بناتا ہو اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطور خاص تیار کیا گیا ہو۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کافی نہیں ہو بلکہ عالیجناب شفاء الملک بساؤر غفران کا بے شمار علم دہلی کا خاص خانہ دانی نسخہ جو جناب مدوح نے بغرض رفاه عام ”ہمدرد و دوا خانہ“ کو مرحمت فرمایا ہو۔ ایک مرتبہ ماہ الحکم کا استعمال فرما کر خدا کی قدر کا شہادہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہو مگر معتد بہ اور پورا فائدہ ایک چار میں ہوتا ہو۔ پہلے کو صرف اپنی غلطی اور خوش بیاہی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہو۔ مگر بعض آدمی ہم کو اپنی کچی ہمدی کے انکار کا بلی منوع نہیں ہوتا ہو تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہو۔

ماہ الحکم کے استعمال کا یہی موسم ہو اور یہی زمانہ ہو شکائے اور آزمائے! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہو۔ شک آنت کو خود برباد۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہو مگر ایک چند اقسام کے علو سے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے اغوال و خواص آپ فرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دوا خانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فرست سلاخ سہ ہجری تیار ہو صفت طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ ”مینجر ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی“

مینجر ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی

بصرف سفید داغ ابیوم میں حشرے غائب

در نہ پوری قیمت داپس۔ اقرار نامہ کھالیں آئیں خوراک سمون سجا اور ایک شیشی روغن سجا جو پورے ۱۲ روز کافی ہوگی قیمت سہ پیسہ سا روپیہ پورے ۱۲

دقر معالج برص ہنسہ در بھنگہ (بہار)

پکوانہ

اپنی قیمت کا پہلا سال ملک اور قوم و ملت کا بچا پورے ۱۲ روپے اچھوٹے مضامین نظم و نثر سے لے کر نویر و نثر و نثر سے نہایت پابندی کے ساتھ شائع ہوگا کھالیں چھپائی اور کاغذ بہت نفیس چند سالانہ تین روپے (۱۲) طلب سے دو روپیہ (۱۲) ملک فیر سے پانچ روپیہ (۱۲)

مینجر ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی

گسکر آزما

دور و لے تولہ سونا

رنگ بیکار

جہنمی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سمنے کی نہایت خوبصورت نازک نقش چوڑیاں جوئی سے بنائی ہیں۔ چونکہ ان میں ایک نول کی صورت میں بنایا گیا ہو۔ انکے اندر رنگیں چوڑیاں آجاتی ہیں۔ امدیہ معلوم ہوتا ہو کہ بہترین اور بہت ادراقت کے نیچے پڑنے لگے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ دردن میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی پڑتی ہو۔ صنف نازک کے لئے بہترین قلم ہو۔ دھاتی روپیہ میں پانچ سو روپے کا کام بنایا جاسکتا ہو۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں ذرا فروخت ہوتی ہیں۔ جلد نکلوانے کا اشارت ختم نہ ہو جائے۔ ہر چوڑیوں کی قیمت دھاتی روپیہ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ جو بیس چوڑیوں کے ہر ملے سات روپے (۱۲)

مینجر گولڈن سٹور پوسٹ بکس ۱۲ لاہور

افیم چھپانے کی بے نظیر گولیاں جن کے استعمال سے صدمہ اعلیٰ آسانی سے انہم چھڑکے ہیں ایک روپیہ ہمارے علی کے کوٹہ کی گولیاں کافی ہو سکتی ہیں۔ لے کا پتہ۔ حکیم محمد عمر آئینہ سمنز موگا ضلع فیروز پور پنجاب

اشتہار
کے لئے

ان تمام صحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی شاہکار شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرائی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرائی تصویروں، پرائی سکے، اور نقوش، پرائی زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرائی صنعتی، عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فرسٹیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مسارت و سامان کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران،
ترکستان، چین، و غیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

بائیں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز مہلک آنداں ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام ٹپے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے
رہتے ہیں۔ قافلوں کے نئے ایوان شاہی کے نوادر بھی مال میں ہم سب سے زیادہ ہیں

اگر آپ کے پاس نفی اور موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے بل کے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی ہو گھر آگے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے جو
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتناہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں
شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کو مسلسل سلسلہ
بچھونکے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چھپا ہوا
کے بعد کو ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہو کر ہے

نیر عاصر ایڈن پینے پر ۱۶۔ لا مبر کوئریں میں ضرور ذیل دس ۲۹ نومبر ۱۹۳۵ء کے بعد کسی درخواست کنندہ کو رعایت نہ دیا گئی۔ مسئلہ پہلے کے رعایتی خریدار کو محصور لڈاک سٹاف ہوم مسئلہ پہلے کے رعایتی قیمت اور مسئلہ پہلے کے اصلی قیمت کے خریدار کو رسالہ انتخاب جواب جسکی قیمت سالانہ چھ سو چھ مہنت یا چار بیگ۔ مسئلہ پہلے کے رعایتی خریدار کو رسالہ انتخاب جواب کی مہنت چھ سو پہلے کے رعایتی خریدار کو ایک سو دو ہجری کی کوئی کتاب جو وہ چاہیں مفت دیا جائیگی یا ایک سو تیرہ سنی کا چنانچہ اور یا چنانچہ۔

سبیل و اسباب ان تھاری تجربوں پر مشتمل ہے۔
 جو سالہا سال تک ہر کسی کو
 تھاری کارخانوں و کارخانوں اور دفاتر کا اصول
 اور تجربہ ثابت ہے۔
 طریق دولت خشیں ہر دوش کے دینوں اور
 کے غلطیوں پر غور ہے۔ وہ نامی اس وقت
 سے دولت کمائی کی کر دیتی ہو گئی ہے علی حقیقت
 درج ہیں۔ ثابت صحت ۱۲۰ مطالعہ علی حقیقت
 کتابہ اور دولت۔ امریکہ کے مشہور مشہور
 کی کتاب ڈاکٹر اس کا ترجمہ اس میں دولت
 کمائی کے علی طریقے ظہور کئے گئے ہیں جن
 کی چوری سے وہ خود آدمی بن گیا۔ ان کے
 ہر کسی کے کامیاب لوگ۔ ان کے ہر
 دنیا میں سب سے زیادہ کامیاب اور
 لوگ امریکہ کے پیدا کئے گئے۔ اس میں امریکہ
 کے تمام جرنی کے کامیاب لوگوں کا حال اور
 ان کی کامیابی کے وسائل و طاقت ہے
 اور ج کئے گئے ہیں۔ ہر۔ توجہ کی یہی ہر
 دنیا کا روشن ہے۔ غور مطالعہ کامیاب
 آپنی امداد ہے۔ ہر۔ ہر غرضت و
 وقت امداد ہے۔ ہر غرضت ہے۔ ہر مطالعہ غرضت ہے۔

ذخیرہ صنعت و حرفت کا سرچشمہ **محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ**
 مطالعہ سے آپ کے اتھنا فائدہ اٹھانے کے لیے ہندوستان کے اعلیٰ ترین تعلیمی ادارے کے سامنے ایک نئی خدمت درخشاں ہے۔ ہر ایک طالب علم، جو اپنی تعلیمی و فنی صلاحیتوں کو فروغ دینا چاہتا ہے، اس خدمت کی طرف متوجہ ہو کر اپنی تعلیم کو مزید ترقی دے سکے گا۔ اس خدمت کے تحت اس کتاب کے ذریعے ہر ایک طالب علم کو اپنی تعلیم کو مزید ترقی دینا چاہتا ہے، اس خدمت کی طرف متوجہ ہو کر اپنی تعلیم کو مزید ترقی دے سکے گا۔ اس خدمت کے تحت اس کتاب کے ذریعے ہر ایک طالب علم کو اپنی تعلیم کو مزید ترقی دینا چاہتا ہے، اس خدمت کی طرف متوجہ ہو کر اپنی تعلیم کو مزید ترقی دے سکے گا۔

ہدایت نامہ باد و جہاں۔ ہر قسم کے
انگریزی اور دیسی کھانے پکوانے کے عملی
طریقہ۔ قیمت۔ ۱۰ روپے
مکملے حلوے اچار چٹنیاں۔ مزیدار اور
لذیذ مرچے، خوشگوار اور خوشبودار
جلب و ادب پٹی چٹنیاں نینتے کی گھٹ
غریب نئے درج میں۔ ۱۰ روپے
خاں لیما۔ ہستمانوں کے انواع و اقسام
کے صابن لذیذ کھانے، پلاؤ، زردہ، قورمہ
عشرت، کوٹھے وغیرہ بنانے کے دوران میں
مصلحہ ڈالنے اور پکانے کی پوری ترکیب
اس میں درج ہیں۔ ۸ روپے
بھوجن پرکاش۔ اس میں لذیذ اور
پرمزہ کشین اور شیریں کھانوں انواع و اقسام
کی کھانوں، حلوے، پڑیاں، کچریاں
وغیرہ درج ہیں۔ ۸ روپے

وہ اکثر ماضی صنف جناب رئیس العلماء و اب سہ
کتاب اور اولیام رئیس چند۔ و فیانی ہند
میدہ جات کی یہ شہرہ کتاب بھی ایڈیشنوں کی
چھپکر فروخت ہو چکی ہے مگر ہونے جا رہی ہے
اس میں تمام سیاحات کی کاشت اور جو
کی رئیس و تیسری بیوان کی بھی چھپلا
درختوں کو کھم کا۔ ان کی عام بیادیاں
نقصان ہونے کا اندیشہ جو تمام حالات
درج ہیں۔ اور وہ بان میں اس میں اس
پتہ کتاب اور کوئی موجود نہیں ہے۔
میوہ جات اس کتاب میں تمام میوہ
درختوں کے حالات سے ان کے ہونے اور
پر درخت سے عمدہ چل پیدا کر کے نقل
پھلواڑی تیسری کتاب چھپوں
میں ہے۔ اس میں صد قسم کے مہندتوں
اور لاتی چولہہ لہر وں کا ذکر ہے۔ باغی
کے شوشن اس کی مدد سے اچھا فائدہ
کئے ہیں۔ جنت
ذراعت کی پہلی کتاب باتصویر
سبزی ترکاریاں باتصویر
کے پائے ذراعت طبرہ کاشت اوروں

۸۸	پرتھان لہداد	۸۸	طایف و ظرایف آٹھ حصہ	۸۸	تاریخ مراکش	۸۸	حیات زب النساء	۸۸	مفتوح برہانیک سنہ
۸۸	مجموعہ دی	۸۸	ہر ایک حصہ پانچ سو	۸۸	تاریخ سیاحت	۸۸	چندین ہوا نوارث	۸۸	رسالہ تہذیبی
۸۸	چار چمن	۸۸	دو حصہ ہیں اور ہر ایک حصہ	۸۸	قوانین عثمانی	۸۸	جنرل کارنیل	۸۸	اور نادر علی
۸۸	دو بیڑوں کا بیڑہ	۸۸	کی نسبت	۸۸	تاریخ جنگ سالی لینڈ	۸۸	سربراہ برہنہ کارنیل	۸۸	اور ان کی تعلیم
۸۸	سبع شہستان	۸۸	چھ شہستان دسے	۸۸	اقوام اولیٰ	۸۸	نواب وقار الملک	۸۸	صفت الامدادان
۸۸	آلات شہیا کام	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	حالات ایران ہر دو حصہ	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	نیلگون نگر	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	وزارتہ کاظمی	۸۸	درازی کر کے ہر سال	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	دنگار	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	کارنامہ راجپوتان	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	اسرار اکھینڈ	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	نامہ خسرواں	۸۸	اردو بل ہال	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	سیر قلندر کاوی	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	صفتان اسلام	۸۸	غلات انجمن	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	مطلبہ حبیبان	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	تاریخ دربار احمد شہ	۸۸	عربی بل ہال	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	سلسلہ مقبول	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	مفتوح کتابیں	۸۸	فارسی بل ہال	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	یافیسوف	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	شکی بل ہال	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	وس بوڑھا کاٹھ	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	قواعد تہذیبی	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	نقلی نواب	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	انجمن تہذیبی	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	منزل مقصود	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	مفتوح انجمن	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	انقلاب یورپ	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	اردو زبان	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	ناول مصنفہ	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	ایٹالیائی زبان	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	درگش ندنی	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	آبہ برائے زبان	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	خردوس پری	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	نظم الاشغال	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	حسن صلیح	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	تعلیم نیتہ کلام	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	فخرا کورنڈا	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	سفر نامے اور تاریخ	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	کلیان و دھما	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	سفر نامہ نورد	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	حسن اکھینڈ	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	رہنما سفر	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	غیبہ و فاقہ	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	تاریخ اکویر	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	مصور موهنا	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	ہندوستان و جنوب مغرب	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	پیشہ و پیشہ	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	بار و نول	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی
۸۸	آئینہ روزگار	۸۸	ناول ڈرامے اوفسانے	۸۸	میرزا علی	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی	۸۸	طالعہ صلی تہذیبی

۱۰ مذہب اسلام
۹ شرح عقائد اسلامی
۸ ذمہ اسلام
۷ دلیل ایمان
۶ فضیل الرحمن فی فیض
۵ فضیل القرآن
۴ علم الکلام امام غزالی
۳ پنج پائے اسلام
۲ مشربیت اسلام
۱ حفظان صحت

طب لی کامیابی
 جزا تان حفظ صحت کے
 اٹھ چھان، اٹھ حصوں کا
 جزا دل جیتی اور جرب سے
 دین ہیں جو چالیس سال
 کی عمر تک سے نوجوان تک
 ہو سکتے ہیں۔ ہر مرض کے
 متعلق کوئی نسخہ کوئی جرب
 نسخہ کسی سے مستطاب
 ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی ان
 کے مطالعہ سے مکمل حکیم
 بن سکتا ہے قریب ہر ایک
 حصہ ایک روپیہ اٹھ حصوں
 کی قیمت اٹھ روپے (اسے)
 رنڈے کے غلطی ۱۰
 ذخیرہ الاطبا ۱۰
 قوت سلامت و دکان ۱۰
 گدھر موگریاں ۱۰
 غصہ ۱۰
 نادر زہر ۱۰
 نکلت اور اس علاج ۱۰
 جراحی بوئی ۱۰
 کرشتہ ۱۰
 صحت و بڑا ایک طریقہ ۱۰
 قلب اور اس کا عمل ۱۰
 جگہ سے تشخیص ۱۰
 قاعدہ تشخیص ۱۰
 مہلہ بلطانی کے اسرار ۱۰

اور ان کی تعلیم
صحت الابدان
خلو و جسم تندرستی
و بازی و حرکت ہر
طبعی حاصل
طبیعی نقیب
اسرار و کائنات
طالعون و اداس و سلطان
بازاری و دیات و غیر
سوا غفر علی
سوانح و تاریخ و سوانح
سمات و تغیراتی
ذکر جمعی کریم
پہنچبر اسلام
تاریخ و سوانح
البرکات و سوانح
علی بن ابی طالب
خالد بن ولید
حالات و سوانح
سلطان و کائنات
سلطان صلاح الدین
البرکات و سوانح
سلطان فتح
سلطان نصیر الدین
سلطان یحییٰ و سوانح

[illegible]

تاریخ جنگ ممالک لیبیہ
اقوام ملوکی
حالات ایران در دو صد و چهل
تاریخ کائنات و احوال
کازاندر امپراتور
نادر خسروان
حسنان اسلام
تاریخ دربار احمد قمر
متفرق کتابیں
عبداللہ الخاق
تغذیہ بنی نظم
جنگ و صلح
دینی گوری و زمین
تاریخ طبع
جادو کی جلی دوسری
نوشہ تقدیر
خط تقدیر
دہائے پریس
آئینہ سیم
علم ہنر و صنم
زنانہ تعلیم
مرتبہ نوان
علم فارسی

۱۲ فی بہشت
۶ بیستان دے
۶ ناول فرام اوفسانے
۱۲ تہ ویرا
۶ تاش کا عالم
۶ حق دار
۶ داستان عالم
۶ وار بین باہر
۶ سرگرفتہ شخص کے
۶ ناول بری پائیس کی
۶ نئی تہائی کا
۶ سٹاک فٹ
۶ فلسفہ محبت
۶ قدیم مذہب کے اثرات
۶ و حصول
۶ عبادت میں
۶ محبوبہ حسین
۶ روحانی سرمد خان
۶ بد الحاکم
۶ فریبی کورت
۶ سندھ پادشاہی
۶ اکبر انہر
۶ امریکہ کی نازین
۶ قدر کی پھر
۶ چٹا کدو
۶ زن مرید

۹ پیر یول کاجیرو
 ۹ سیم شستان
 ۱۲ آلات نیسیا کام
 ۱۲ نیگیون کمره
 ۱۸ دنگار
 ۱۷ اسرار الکلیه
 ۱۸ سیر قلند باغی
 ۱۸ ملوب حیثیات
 ۱۳ یافیسوت
 ۱۳ وس پورت کالوت
 ۱۳ نقلی نواب
 ۱۳ منزل مقصود
 ۱۳ انقلاب یوروب
 ۱۳ مادل مصطفی
 ۱۳ درکش نندی
 ۱۳ خردس بری
 ۱۳ حسن صلح
 ۱۳ فورا لوردا
 ۱۳ کی نرزد وچا
 ۱۳ حسن اهلنا
 ۱۳ فیهودا
 ۱۳ منصور موها
 ۱۳ یار وئل
 ۱۳ آینه روزگار

ناول
ممشوقه فرانس
مشیر اٹ ب
خضرت ناب
خبر بصورت نامن
نیز دزد مود
رئی غضب
محبت کا اہم
ذبح فائز
قدسیہ پاک کردن
قلم عشاق
سلیمان عذرا
ولادی کی حسن
نورانی کی حسن
محمد بانو
بو ابوس نواب
ممشوقہ عذر
جملہ
پرس کا عمدہ
اسکلیل صفیہ
ولایتی بصورت
نہید حسرت
قالب پیش واکو
بلوری آکلیل
ولعاشق
کیم گھناز

منیجر^{۲۰} البلاغ پوریس^{۲۱}

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

وزنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وسیع تبصرہ

دیتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رقص کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میوزوں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میوزوں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی معنیت اور تہذیب سا سرمایہ لیکر ایک وسیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گرو اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کونپنیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

المعالي

نمبر ۲۴

جلد ۱

فصل در حکمت

قیمت

۵ - انه

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع معصوم	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”منیجر الہلال“ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر ”ایڈیٹر“ کا نام ہونا چاہیے۔
(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاویل اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔

(۶) اگر آپ در تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کراپیے، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں۔

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کورن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں۔

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض، (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے تنگ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا۔

الھلال

ایک ہفتہ وار مضمون

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۶۔ جمادی الثانی ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۲۴

Calcutta : Friday, 2, December 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔ طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔ پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الھلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔ براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔ طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں۔

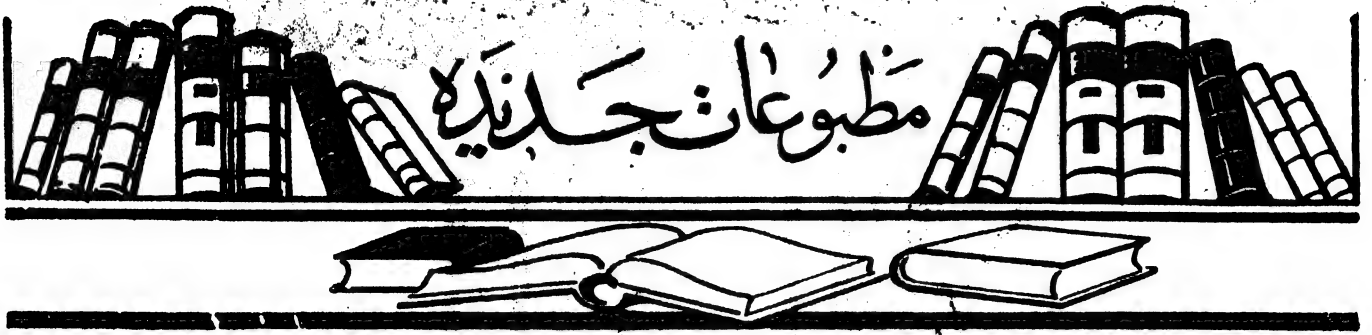
قارئین الھلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۸۴۰ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۲۵۰	اردو حروف کی حق میں	۵۰۲
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۷۲۰	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۹۰	نستعلیق ہون	۱۶۸

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔ الھلال



(۳)

نپولین اور اسکی اخلاقی زندگی



(انسانی عظمت اور اخلاقی ناسرمدی)



میدان جنگ اور حجلہ ہرس !



(میدم پولین سے محبت)

اس عورت سے نپولین کو مصر میں عشق ہوا تھا۔

کیرٹرڈ اریٹز Gertrude Aretez جسکی جدید الشیوع کتاب کا ذکر ان صفحات پر ہو چکا ہے، میڈم پولین کی نسبت لکھتا ہے :

اس معاملہ کی تفصیل یہ ہے کہ ۹ - مئی ۱۷۹۸ ع کو نپولین مصر کی فتح کیلئے روانہ ہوا۔ وہ اپنے دو دشمنوں سے بہت زیادہ خائف تھا، اور اُنکی آنکھ بچا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ یعنی انگریزی امیر البحر نلسن، اور انگریزی جاسوس جان ہارنٹ۔

اس سفر میں نپولین نے چند خاص عورتوں کے سوا عورتوں کی رفاقت ممنوع قرار دیدی تھی۔ جن عورتوں کو چلنے اجازت دی گئی تھی، ان میں خود اسکی داشتہ میڈم رزڈیا بھی تھی جسے وہ اٹلی سے اپنے ساتھ لے لایا تھا۔

(۲)

اس فوج میں لیو فریسی نامی ایک فرجی افسر تھا۔ اسنے حال ہی میں شادی کی تھی۔ اسکا دل اپنی بیوی کی جدائی پر کسی طرح راضی نہیں ہوتا تھا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ عورتوں کو ساتھ لیجانے کی ممانعت تھی۔ آخر اسنے یہ ترکیب نکالی کہ بیوی کو سپاہی کی زردی پہنا کر اپنے ساتھ لے لیا۔ تاکہ دونوں بے روک ٹوک ساتھ رہ سکیں !

اس وقت کے اکثر مورخین کا بیان ہے کہ ماہ اگست میں نپولین نے قاہرہ کے باہر ایک جلسہ کیا تھا، جس میں اسکا پورا جنگی اسٹاف اور تمام عورتیں شامل تھیں۔ اسی جلسہ کے موقع پر نپولین نے میدان میں اپنی فوج کا ایک دستہ گدھوں پر سوار دیکھا۔ سپاہیوں میں ایک شخص غایت درجہ خوش آواز، خوبصورت، اور دلربا تھا۔ نپولین نے جنرل برتھ کو حکم دیا کہ اس شخص کا پتہ لگائے۔ اسی دن شام کو جنرل نے یہ عجیب خبر سنائی کہ ”وہ سپاہی مرد نہیں ہے۔ عورت ہے۔ اور بالیھویں رسالہ کے ایک افسر کی بیوی ہے“

دوسرے دن نپولین نے جنرل کو ایک دعوت منعقد کرنے کا حکم دیا۔ اس میں بڑے بڑے جنرل، افسر، اور اُنکی عورتیں مدعو کی گئی تھیں۔ خصوصاً میڈم فریسی بھی خصوصیت کے ساتھ بلائی گئی تھی !

چنانچہ دعوت کا جلسہ منعقد ہوا۔ میڈم بغیر اپنے شوہر کے بلائی گئی تھی۔ اس کے شوہر نے شروع میں تو جانے سے منع کیا۔ لیکن پھر دُرا، اور اجازت دیدی۔ چنانچہ تمام مہمان جمع ہوئے۔ حسب معمول نپولین ہر آمد ہوا۔ سب تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ وہ لوگوں سے ہنسنا بولتا جنرل تک پہنچا، جسکے پاس میڈم فریسی اور متعدد ممتاز سپہ سالار کھڑے تھے۔ جنرل قائد اعظم کا خیر مقدم بجا لایا، تشریف آوری پر شکریہ ادا کیا، اور ایک پیالی چائے نوش کرلیں۔ درخواست کی۔ درخواست منظور ہوئی، اور نپولین بیٹھ گیا۔ میڈم بالکل اُسکے مقابل کھڑی تھی۔

میڈم فریسی نے دیکھا، سپہ سالار اسے پر معنی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ وہ بہت کم عمر تھی۔ شرما گئی۔ نپولین اسکی حالت کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔ مگر بالکل خاموش رہا۔ چائے جلدی سے پیلی، اور بغیر ایک لفظ کہے جلسہ سے اٹھ گیا۔

مہمانوں نے رات کا کھانا کھایا، اور کافی پینے لگے۔ میڈم فریسی جس میز پر تھی، اس کے ایک طرف جنرل دی بیوی بیٹھا تھا۔ دوسری طرف جنرل جنرو۔ آخر الذکر نے کافی کی بھری ہوئی پیالی جان بوجھ کر اس طرح میڈم فریسی پر گرا دی، کہ سب نے اسے اتفاقی حادثہ سمجھا۔ لگ لپکے اور خاتون کا لباس صاف کرنے لگے۔ جنرل جنرو نے اپنی غفلت پر بڑی فصاحت سے ندامت کا اظہار کیا۔ فوراً کافی کا دھبہ پانی سے دھلایا گیا جس سے میڈم کا لباس آرا زیادہ بھیک گیا۔ اس پر جنرل نے کہا ”آپ کپڑا خشک کرنے کے لیے مکان کی بالائی منزل پر چلی جائیے“ میڈم چلی گئی۔ وہاں نپولین منتظر بیٹھا تھا !

(۴)

دعوت کے تیسرے دن میڈم کے شوہر فریسی کو حکم ملا کہ جنرل برتھ سے ملاقات کرے۔ جنرل نے بڑی بشاشت سے افسر کا خیر مقدم کیا، اور کہا ”دوست ! تم بڑے ہی خوش نصیب ہو۔ کیونکہ فرانس جا رہے ہو۔ سپہ سالار تمہیں ایک خفیہ مہم پر پیرس بھیج رہا ہے۔ ایک گھنٹہ کے اندر روانہ ہو جاؤ۔ یہ لو، اسکندریہ کے سپہ سالار کے نام حکم ہے کہ تمہارے سفر کیلئے ہر طرح کی سہولتیں ہم پہنچا دے“

فریسی بد حواس ہو گیا۔ حیران تھا، کیا جواب دے؟ آخر کار افسردگی سے جنرل کا شکریہ ادا کیا اور کہا ”اگر مجھے فوراً ہی روانہ ہو جانا ہے تو میں اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جاؤنگا“

جنرل نے غصہ سے کہا ”بیوی ! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ایک ایسے نازک کام میں اپنے ساتھ اپنی بیوی کو لیجا سکتے ہو؟ خصوصاً جب کہ راستہ میں انگریزی بیڑے موجود ہیں اور تمہیں قید کر لے سکتا ہے“

”کیا آپ کا واقعی بھی مطلب ہے کہ یہ مراسلت میں لیلوں‘ اور مجھے مصر کے ساحل پر اتار دیا جائیگا؟“

”یقیناً“ انگریز جاسوس نے مسکراتے ہوئے کہا ”اس لیے کہ میرے دوست! جب تم قاہرہ واپس جاؤ گے‘ تو دیکھ لو گے کہ تمہاری بیوی بونا پارٹ کی افروش میں ہے!“

(۶)

اصل واقعہ یہ ہے کہ نپولین اور میڈم فریسیس کے تعلقات کی پوری سرگزشت انگریزی جاسوس نے معلوم کر لی تھی۔ اسکندریہ اور دمياط میں ان کے آدمی موجود تھے‘ اور الفی بک مملوک کی اعانت سے تمام مصر کی خبریں معلوم کرتے رہتے تھے۔ جب جان بارنت کو معلوم ہوا کہ نپولین نے فریسیس کو اس لیے روانہ کر دیا ہے تاکہ مصر سے دور ہو جائے اور وہ خود اُس کی بیوی کے ساتھ بے غل و غش عیش کرے‘ تو اُس نے انگریزی بیڑے کے انسرز کو اس کی اطلاع دیدی۔ جب فرانسیسی جہاز کی گرفتاری کے بعد فریسیس کا نام معلوم ہوا تو فوراً پہچان لیا گیا کہ میڈم فریسیس کا شوہر یہی ہے۔ وہ اُسے گرفتار رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ اس طرح وہ نپولین کے دلی مقصد کی تکمیل کر دیتے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ جہاز تک جلد ممکن ہو‘ اسے مصر واپس کر دیا جائے‘ تاکہ نپولین کے سر پر مسلط ہو جائے۔ انگریزوں کو یقین تھا کہ فریسیس جوش انتقام میں اپنے رقیب کو قتل کر ڈالیگا‘ اور اس طرح اس بلا سے انہیں نجات مل جائیگی۔

(۷)

اُدھر مصر میں یہ ہوا کہ فریسیس کے روانہ ہوتے ہی اُس کی بیوی نپولین کے قبضہ میں آگئی اور شب و روز ساتھ رہنے لگی۔ نپولین کا اب اُس سے تعلق بالکل علانیہ تھا۔ چند دن بعد تمام فوج میں یہ خبر پھیل گئی‘ اور سپاہی میڈم کو ”ہماری مشرق کی ملکہ“ کہہ پکارنے لگے!

لیکن ابھی چند ہفتے بھی اس حالت پر نہیں گزرے تھے کہ اچانک فریسیس قاہرہ پہنچ گیا۔ انگریزی جہاز نے نہ صرف اُسے مصر پہنچا دیا‘ بلکہ اسکندریہ میں ایک انگریزی جاسوس نے تمام ضروری معلومات بھی ہم پہنچا دیں۔ اُسے معلوم ہو گیا کہ نپولین نے قاہرہ میں ایک خاص مکان اُسکی بیوی کیلئے مخصوص کر دیا ہے‘ اور وہ بڑے امیرانہ ٹھاٹھ سے رہیں رہتی ہے۔

وہ سیدھا اُس مکان کی طرف چلا۔ واقعی اُسکی بیوی قیمتی لباس میں ملبوس موجود تھی۔ شوہر کو اس طرح اچانک دیکھ کر دڑکئی‘ اور صاف صاف نپولین کے تعلقات کا اقرار کر لیا۔ اب فریسیس کیلئے غیظ و غضب ضبط کرنا ناممکن تھا۔ اُس نے بے تحاشا مارنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ مارتے مارتے تھک گیا۔ اور عورت بے دم ہو کر گر پڑی۔

اسے بعد کیا واقعات پیش آئے؟ اُنکی تفصیلات تاریخ تک نہیں پہنچ سکیں۔ لیکن دو باتوں کا نپولین کے وٹالے نگاروں نے ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ فریسیس نے طلاق کی درخواست پیش کر کے اپنی بیوی سے علحدگی کر لی تھی۔ دوسری یہ کہ فریسیس مصر سے فرانس واپس آ کر عرصہ تک زندہ رہا تھا۔

جان بارنت کا خیال تھا کہ فریسیس نپولین کو قتل کر ڈالیگا‘ لیکن نپولین ایسی ہستی نہ تھی جو اُس آسانی سے قتل کر ڈالی جاتی۔ ابھی اُسے زندہ رہنا تھا اور تمام یورپ کو مقلوب کر دینا تھا!

اب غریب فریسیس کے لیے بجز اطاعت کے کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ ۱۸۔ دسمبر سنہ ۱۷۹۸ء کو اسکندریہ پہنچا اور فرانسیسی جہاز ”شاسور“ نامی پر سوار ہو گیا۔ اس جہاز کا کپتان لارنس تھا۔

لیکن فریسیس یہ دیکھ کر نہایت متعجب تھا کہ اُس کا جہاز سیدھا راستہ اختیار کرنے کی جگہ کچھ عجیب پیچ و خم کے ساتھ جا رہا ہے۔ اُس نے کپتان سے پوچھا‘ تو اُس نے کہا ”انگریزی بیڑے ہر طرف منڈلا رہا ہے۔ اُس سے بچ کر چلنا ضروری ہے“

کپتان دراصل سکھایا پڑھایا ہوا تھا۔ اُس سے کہ دیا گیا تھا کہ جہاز انگریزوں کے ہاتھ قضا گرفتار کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چند دنوں کے بعد فریسیس انگریزی بیڑے میں قید تھا۔ انگریزی جنگی جہاز ”لیون“ نے فرانسیسی جہاز دیکھ لیا تھا اور گرفتار کر لیا تھا!

(۵)

یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ اس حادثہ سے غریب فریسیس کو کس درجہ صدمہ ہوا؟ ایک طرف اپنی رفیق حیات کی جدائی کا صدمہ مارے ڈالتا تھا۔ دوسری طرف اپنی سرکاری مہم کی ناکامی کا داغ تھا۔ وہ انگریزی جہاز ”لیون“ کے ایک کمرے میں مقید تھا‘ اور وہ رہ کر کپتان لارنس کو کوس رہا تھا۔ اگر اس نے سمندر میں غلط راستہ اختیار نہ کیا ہوتا تو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔ بڑی مصیبت یہ تھی کہ اب ایک بڑی مدت تک کے لیے وہ آزادی سے محروم ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ جنگی قیدی تھا۔ اس لیے اس کی رہائی صرف دو ہی صورتوں میں ہوسکتی تھی۔ یا تو دونوں حکومتوں میں صلح ہو جائے‘ یا باہمدر جنگی قیدیوں کا مبادلہ کیا جائے۔ لیکن یہ دونوں صورتیں قریب الوقوع نہ تھیں!

فریسیس اپنے غم انگیز خیالات میں محو تھا۔ یکایک اُس کی کوٹھری کا دروازہ کھلا‘ اور ایک انگریز داخل ہوا۔ یہ اُس عہد کا مشہور انگریز جاسوس جان بارنت تھا‘ جسے نپولین نلسن سے کم خطرناک نہیں سمجھتا تھا۔

فریسیس نے اُس کی صورت دیکھتے ہی خیال کیا کہ غالباً یہ اُس مہم اور اس کے مقاصد کے نسبت سوالات کریگا۔ جو سرکاری مراسلت لیکر فریسیس فرانس جا رہا تھا‘ وہ گرفتاری کے وقت ہی اُس سے لیلی گئی تھی۔ سب سے زیادہ صدمہ اُسے اسی مراسلت کے دشمنوں کے ہاتھ پڑ جانے کا تھا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا ”نہیں معلوم اس مراسلت میں کیسے کیسے اہم راز ہو گئے جو انفسوس کہ دشمنوں کے علم میں آ گئے۔ بہر حال خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو“ میں ان کم بغضوں کے سوالات کا کوئی جواب نہیں درنگا“

لیکن شدت حیرت سے وہ مبہوت ہو گیا‘ جب اُس نے دیکھا کہ جان بارنت نے وہی مراسلت جیب سے نکالی‘ اور فریسیس کو دیتے ہوئے کہا:

”میرے دوست! یہ تمہارا سر بہ مہر لفافہ موجود ہے۔ دیکھ لو! ہم نے کھولنے کی بالکل کوشش نہیں کی۔ اس کی تمام مہریں اپنی اصلی حالت میں قائم ہیں۔ ہمیں کوئی ضرورت نہ تھی کہ اس کے مضامین سے واقف ہوں۔ یہ مراسلت تمہیں واپس دیدی جاتی ہے۔ اسے لیلو۔ شاہی حکم کی رو سے اب تم آزاد ہو۔ تمہیں علقرب مصر کے ساحل پر پہنچا کر رخصت کر دیا جائیگا“

یہ بات صورت حال کے اس درجہ خلاف تھی‘ کہ کئی لمحہ تک فریسیس باور نہ کرسکا۔ آخر اُس نے کہا:



حجة ابراہیمی

ایہ کریمہ ”الم تر الی الذی حاج ابراہیم“ کی تفسیر

قرآن حکیم کا أسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریقہ

(از مولانا ابر الہام)

(۴)

(ایہ زیر تدبر کی تفسیر)

اب آیت زیر تدبر پر غور کیجیے :

الم تر الی الذی حاج ابراہیم
فی ربہ أن اتاہ الله الملك ، اذ
قال ابراہیم : ربی الذی یحیی
و یمیت - قال : انا احی
و امیت - قال ابراہیم : فان
الله یأتی بالشمس من المشرق
فأت بها من المغرب ! فبہت
الذی کفر ، و الله لا یہدی
القوم الظالمین ! (۲ : ۲۶۰)

اے پیغمبر ! کیا تمہیں اُس
شخص کا حال نہیں معلوم جس
نے معص اِس رجہ سے کہ خدا نے
اُسے پادشاہت دے رکھی تھی ؟
جہل و غرور میں سرشار ہو کر ابراہیم
سے اُس کے پروردگار کے بارے میں
حجت کی ؟ جب ابراہیم نے
کہا : میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ
کرتا ہے اور مارتا ہے - تو اُس
نے کہا : یہ تو میں بھی کر سکتا
ہوں - میں جسے چاہوں ، مارتوں -
جسے چاہوں زندگی بخش دوں -
اِس پر ابراہیم نے کہا : اچھا ، اگر ایسا ہی ہے تو خدا ہمیشہ
سورج کو مشرق سے نکالتا ہے - تم مغرب سے نکال دکھاؤ ! یہ سن کر
وہ ہکا بکا رہ گیا - اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ ظلم کرنے والوں پر
ہدایت کی راہ کبھی نہیں کھلتی !

(۱) سب سے بڑا الجھاؤ جو اس آیت کی تفسیر میں پڑ گیا ہے
وہ حضرت ابراہیم کا انداز سخن ہے - جب مخاطب نے ایک ایسی
بات کے جواب میں جو اثبات مدعا کیلئے قطعی اور نہایت درجہ
واضح تھی ، جہل و غرور سے ایک نہایت لغو بات کہہ دی ،
تو حضرت ابراہیم نے نہ تو اپنی بات کی مزید تشریح کی ،
نہ مخاطب کو اُس کے جہل و نا فہمی پر متنبہ کیا ، بلکہ
غور پہلی بات چھوڑ کر ایک دوسری بات کہہ دی - ” فان الله
یأتی بالشمس - الخ “ مفسرین نے طرح طرح کی توجہیں کی

ہیں ، مگر سر رشته تفسیر میں کچھ ایسی کردہ ہو گئی ہے کہ
کوئی ناخن تاول بھی اُسے نہیں کھول سکتا - بڑی تحقیق کی
بات جو حضرت امام رازی نے تھوڑے نکلے سے کہی ہے ، یہ ہے کہ
یہ دو مختلف دلیلیں نہیں تھیں - ایک ہی دلیل کی
مختلف مثالیں تھیں - لیکن اول تو دونوں دلیلوں میں ربط
و مناسبت پیدا کرنے کے لیے سبب و واسطہ اور حرکت افلاک
کی بحثیں پیدا کی گئی ہیں ، اور وہ اس قدر دور لڑاکار اور
بے معنی ہیں کہ انہیں تسلیم کر لینا قرآن کو قرآن کی جگہ
کوئی دوسری چیز بنا دینا ہے - ثانیاً ، خود امام صاحب چار سطر
پہلے معترض کی زبانی ہمیں سنا چکے ہیں کہ رجوع خواء دلیل سے
کیا جائے خواء مثال سے ، لیکن مسئلہ کے لیے ضروری ہے کہ
معارض کے جواب کی غلطی ظاہر کر دے ، ورنہ اُس کا معجز
ثابت ہو جایگا - پس اگر دلیل کو مثال بنانے کی یہ ساری
مصیبت گوارا بھی کر لی جائے ، جب بھی بات بنتی نہیں -
اعتراض جوں کا ترن باقی رہ جاتا ہے -

اصل یہ ہے کہ یہ ساری مصیبت اسی لیے پیش آئی ہے کہ اس
مکالمہ کو منطقی ”مناظرہ“ قرار دے دیا گیا ہے - مناظرہ کا مقصد
انکشاف حق نہیں ہوتا - اسکاٹ خصم ہوتا ہے - اس لیے مناظرہ
فرض ہوتا ہے کہ ایک بات پیش کرے اُس پر اس طرح جم جائے ،
کہ خواء زمین و آسمان اپنی جگہ سے ٹل جائیں ، لیکن وہ اپنی جگہ
سے نہ ہلے - اگر مخاطب کی سمجھ ساتھ نہیں دیتی ، تو ہزار مرتبہ
نہ دے - اُس کی بلا سے - وہ اُس کا جہل ثابت کر دینگا ، اور مخاطب
کا جہل ثابت کرے اُسے دلیل اور لا جواب بنا دینا ہی اُس کی
بڑی سے بڑی جیت ہے - باقی رہی یہ بات کہ جوابات مخاطب کے
ذہن نشین کرنی تھی ، وہ اُس کے دل میں اُتر سکی یا نہیں ؟
تو مناظرہ کو نہ تو اِس کی پروا ہوتی ہے ، نہ فن مناظرہ کا یہ
مقصد ہے - مناظر صرف یہ چاہتا ہے کہ مخاطب کو میدان سخن
میں ہرا دے - یہ مقصد جس طرح بھی حاصل ہو جائے ، اُس
کی جیت ہے - ہمارے متکلمین کی نظر میں چونکہ انبیاء کرام
کی بھی سب سے بڑی فضیلت یہی تھی کہ وہ مناظر اور منطقی
ہوں ، اس لیے اِسی اعتبار سے اس مکالمہ پر بھی نظر ڈالتے ہیں ،
اور قدرتی طور پر چاہتے ہیں کہ ایک شاطر مناظر کی طرح حضرت
ابراہیم بھی اپنی بات پر از جائے ، اور خواء اُن کا مخاطب
سمجھہ سکتا یا نہ سمجھہ سکتا ، یہ اُسی پر لڑتے جھگڑتے رہتے - اگر
اُس نے جہل و غرور سے ایک لغو بات کہہ دی تھی ، تو چاہیے تھا کہ
یہ اُس کی لغویت اور جہالت پر ایک لہجی چوڑی تقریر فرمائے - پھر
اگر وہ اُس کے جواب میں بھی کوئی بکواس کر دیتا - تو یہ اُس کے
جواب الجواب میں استنہیں چڑھا لیتے - یہاں تک کہ صرف اپنی
دلیل کی شرح و توضیح اور رد و جواب ہی میں شام کر دیتے !

لیکن ہمارے مفسرین بھول گئے - انہیں یاد نہیں رہا کہ
ابراہیم خلیل ، داعی حق تھے - مناظر و مجادل نہ تھے - اور اِسی
ایک بنیادی فرق نے اُنکی راہ مناظرہ و مجادلہ کی ساری راہوں سے
الگ کر دی تھی - اُنکا نام یہ نہ تھا کہ کسی خاص دلیل پر از جائیں ،
یا مخاطب کے اظہار جہل و معجز کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ دیں -
اُن کا کام یہ تھا کہ برگشتہ دلوں کو سچائی کی راہ دکھلا دیں - وہ
دلیلوں کے تحفظ کیلئے بلکہ حق اور ایمان کی حفاظت کیلئے لڑتے
تھے - اِس مکالمہ میں تو حضرت ابراہیم نے صرف اِننا ہی کیا
کہ ایک بات چھوڑ کر دوسری بات کہہ دی ، اور اِسی پر ہمارے مفسرین

کہ پہلی غذا کیسے بدلتی ہے؟ اس لیے کہ مقصد کسی خاص غذا کا کوئی دینا نہیں ہے، بلکہ ایسی غذا کا کھانا ہے جو مریض ٹھیک طور پر ہضم کر سکے۔ ہضم کی استعداد کے لحاظ سے ہر مریض کی حالت یکساں نہیں ہوتی۔ ایک مریض کے لیے دودھ سے زیادہ زرد ہضم غذا کر لی نہ ہوگی۔ لیکن یہی دودھ دوسرے مریض کے لیے ناقابل ہضم ہوگا۔ جو حال جسم کے لیے معده کا ہے۔ وہی حال دماغ کے لیے فکر کا ہے۔ ذہن و فکر کا ایک بیمار ایسا ہوگا جو ایک خاص طرح کی دانائی قبول کر لے سکتا ہے، لیکن ایک دوسرے بیمار دل کے لیے وہی بات نازل فہم و تاثر ہوگی۔ انبیاء کرام علم و یقین کی بہتر سے بہتر دانائی رکھتے ہیں، لیکن دماغ و فکر پیدا نہیں کر سکتے۔ دودھ کے بہتر غذا ہونے پر کون حرف لاسکتا ہے؟ لیکن اس کا کیا علاج کہ بد نصیب مریض نے اپنا معده کھو دیا ہے۔ وہ جیسی مدہ اور زرد ہضم غذا بھی ہضم نہیں کر سکتا؟ یہی معنی ہیں اس آیت کریمہ کہ: انک لا تھدی من احببت، و لکن اللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم (۲۸: ۵۶) حالانکہ انبیاء کرام کے ہادی ہونے پر خود قرآن بار بار شہادت دے چکا ہے کہ: و انک لتھدی الی صراط مستقیم (۴۲: ۵۲) تو مطلب یہی ہے کہ پہلی قسم کی آیت میں استعداد اور قابلیت خالق کرنے کی نفی ہے، اور دوسری میں استعداد رکھنے والوں پر سچائی کی راہ کو دلینے کا اثبات ہے۔

(بابل کا طبیب حق)

کئی ہزار برس گزرے، اس بیمارستان ہستی میں ایک طبیب حق ابراہیم خلیل بھی تھے۔ ان کا سابقہ بابل کے ایک مریض سے پڑا۔ یہ پادشاہی کے گھمنڈ کا رنگی، اور جہل و طغیان کی بیماریوں سے بد حال تھا۔ انہوں نے اس کے سامنے علم و بصیرت کی ایک غذا رکھی: ”ربی الذی یحیی و یمیت“ میرا تو اس پروردگار پر ایمان ہے جس کے قبضہ و تصرف میں ہماری موت و حیات ہے۔ یہ بہتر سے بہتر غذا تھی جو شک اور انکار کے کسی مریض کے لیے ہوسکتی ہے۔ لیکن مریض اپنے معده کی صلاحیت بالکل کھو چکا تھا۔ وہ اتنی ہلکی اور سادہ غذا بھی ہضم نہ کر سکا۔ جہل و طغیان کے ہیجان میں بول اٹھا ”انا احی و امیت“ اگر تمہارے پروردگار کی یہی صفت ہے تو یہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے۔ لاکھوں انسانوں کی جان میرے قبضہ اختیار میں ہے۔ جسے چاہوں ہلاک کر دوں۔ جسے چاہوں زندگی بخش دوں۔ یہ جواب سن کر حضرت ابراہیم کو معلوم ہو گیا کہ غذا کو بہتر تھی، لیکن مریض کے معده میں اتنی بھی صلاحیت نہیں کہ اسے ہضم کر سکے۔ انہوں نے فوراً پہلی قاب ہٹائی، اور ایک دوسری غذا پیش کر دی: ”فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق، فأت بها من المغرب!“ اچھا، اگر ایسا ہی ہے، تو دیکھو، یہ سورج ہمارے سر پر چمک رہا ہے۔ یہ ہر روز پررب سے نکلتا ہے اور پچھم کی طرف قرب جاتا ہے۔ تم اسے ایک مرتبہ پچھم سے نکال دکھاؤ! یہ غذا ٹھیک اُسکے معده کی استعداد کے مطابق تھی۔ حلق سے آتری، اور ہضم ہو گئی: ”فہبت الذی کفر“ اب اس میں کچ بھٹی کا دم خم نہ رہا۔ دم بخود ہو کر رہ گیا!

خدا را غور کیجیے۔ بات کتنی صاف اور دلوریز تھی، اور مفسرین نے اسے کس طرح مشکوک اور پیچیدگیوں کا گورکھ دھندا بنا دیا ہے؟ اگر حضرت ابراہیم کا طریق بیان مجاہدانہ ہوتا۔ حدیث کا نہ ہوتا۔ تو وہ اپنی پہلی بات ہی پر مضام سے الجھ پڑے،

ہم نے یہ سوچا کہ ہمارے لیے انہیں معالج نہیں، انبیاء کرام کا طریق دعوت تو یہ ہے کہ اگر نو سو ننانوے باتیں کہہ کر چہرے دہکتے پڑیں، اور ہزاروں باتیں سے مخاطب کے اندر فہم و بصیرت پیدا ہو سکے، تو انہیں ایسا کرنے میں بھی کبھی ٹامل نہ ہوگا۔ وہ ایک کے بعد ایک، سینکڑوں باتیں چہرے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھل جائے اور حقیقت اور سچائی کی جہلک دیکھ لے!

(طیب اور داعی)

انسوس، قرآن کھل لیجانا چاہتا تھا، اور دنیا نے اسے سر پر رکھ کر کدھر کا رخ کیا! ہمارے مفسرین منکلمیں اسطور کی منطق اور یونانیوں کی دانش فریشیوں میں اسے گم ہو گئے کہ انہیں دوسری راہوں کی خبر ہی نہ رہی۔ حالانکہ دنیا میں صرف منظور اور منطقی ہی نہیں ہوتے۔ طبیب اور معالج بھی ہوتے ہیں۔ طبیب کا فرض کیا ہوتا ہے؟ کیا یہ ہوتا ہے کہ مریض سے اس کی جہالت اور نادانی کی ایک ایک بات پر لڑے اور مناظرہ کرے؟ نہیں، ہزار بار نہیں۔ اگر طبیب، طبیب صادق ہے، تو اس کی ساری قابلیت صرف اسی ایک نقطہ میں مرکوز رہیگی کہ کسی طرح مریض کو شفا حاصل ہو جائے، اور کسی طرح موت کی جگہ زندگی کا دروازہ اس پر کھل جائے۔ بسا اوقات ایسا ہوگا کہ وہ مریض کے لیے ایک غذا تجویز کریگا۔ اصول طب کے لحاظ سے غذا بہترین غذا ہوگی۔ لیکن طبیب بہتر نسخہ اور بہتر غذا تجویز کر سکتا ہے۔ بہتر معده خلق نہیں کر دے سکتا۔ بہت ممکن ہے، مریض کا معده اتنا قوی نہ ہو، کہ اس درجہ کی مقوی غذا کا متحمل ہو سکے۔ جونہی طبیب کو معلوم ہوگا کہ میری تجویز کی ہوئی غذا اسے بچ نہیں سکتی، وہ فوراً اسے ترک کر دیگا، اور دوسری غذا تجویز کر دیگا۔ اگر دوسری غذا بھی مریض ہضم نہ کر سکا، تو عجب نہیں تیسری غذا تجویز کر دے۔ بلکہ ہو سکتا ہے، چوتھی اور پانچویں تک نوبت پہنچے۔ جب تک مریض غذا ہضم نہ ہو سکے کی شکایت کرتا رہیگا، طبیب غذا بدلتا رہیگا۔ وہ کبھی یہ نہیں کریگا کہ ایک ہی غذا تجویز کرے اس پر آجائے، اور خواہ بدبخت مریض ہضم کر سکے یا نہ کر سکے؟ یہ وہی اقمے اُسکے حلق میں ٹھونسنا ہے۔ اگر ایسا کریگا، تو یقیناً وہ طبیب نہ ہوگا، نوع انسانی کا سب سے زیادہ جاہل فرد اور سب سے بڑا قاتل ہوگا!

انبیاء کرام کے اعمال دعوت کے لیے اگر انسانوں کے کسی عمل سے مشابہت پیدا کی جاسکتی ہے، تو وہ حکماء کی حکمت اور مناظرین کا مناظرہ نہیں ہے۔ اطباء کا معالجہ ہے۔ طبیب جسم کا علاج کرنا چاہتا ہے۔ انبیاء روح و دل کے رگ در رگ چاہتے ہیں۔ ان کا سلوک بھی اپنے مریضوں کے ساتھ ہمیشہ دلسا ہی ہوتا ہے۔ جیسا ایک طبیب کا ہونا چاہیے۔ وہ مریض سے مناظرہ کرنا نہیں چاہتے۔ اسے تندرست کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بسا اوقات علم و یقین کی ایک دماغی غذا مریض کے سامنے رکھتے ہیں۔ غذا ہر طرح مفید اور بہتر سے بہتر ہوتی ہے۔ لیکن انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ جہل و غلامی نے مریض کی فکری حالت اس درجہ خراب کر دی ہے، کہ یہ غذا اس کا دماغ ہضم نہیں کر سکتا۔ یعنی اس کی سمجھ کی کبھی اور دل کی کمرہی ساتھ نہیں دیتی۔ جونہی انہیں اس حالت کا احساس ہوتا ہے، ایک طبیب حلق کی طرح فوراً غذا تبدیل دیتے ہیں، اور کوئی دوسری غذا جو اس کا معده فکر ہضم کر سکے، سامنے رکھ دیتے ہیں۔ انہیں اس بات کی بالکل پروا نہیں ہوتی

عالم پر جس کے قبضہ و تصرف میں تمام مخلوقات کی موت و حیات ہے۔

حضرت ابراہیم کا یہ ارشاد کوئی فلسفیانہ استدلال نہ تھا۔ انہوں نے ایک ایسی سیدھی سادہ بات کہی تھی جس کا فطری طور پر ہر انسان کے دماغ میں اذعان موجود ہے۔ بشرطیکہ اُس نے اپنی خلقی بصیرت بالکل ضائع نہ کر دی ہو۔ ہر انسان وجدانی طور پر محسوس کرتا ہے کہ موت و حیات ایک ایسی چیز ہے جس کا اختیار صرف اُسی ذات کے ہاتھ میں ہے جو اس تمام کارخانہ هستی کی خالق ہے۔ اُس کے سوا کوئی نہیں جو زندگی کا بخشنے والا اور پھر زندگی پر موت طاری کر دینے والا ہو۔ بات بالکل صاف اور واضح تھی۔ لیکن بابل کا متکبر پادشاہ جو اپنی پادشاہی کی طاقتوں کے نشہ میں چور تھا، حضرت ابراہیم کو رک دینے کے لیے اور ان کی دعوت ایمانی کی تحقیر کے لیے بول اُٹھا ”انا اِحي و اميت“ ”راہ“ یہ تہہارے خدا کی کرنسی بڑی طاقت ہوئی کہ مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ یہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے۔ ہزاروں لاکھوں انسانوں کی جان میرے قبضہ و تصرف میں ہے۔ میں پادشاہ ہوں۔ جسے چاہوں قتل کر ڈالوں، جسے چاہوں بخش دوں۔

بلاشبہ یہ جواب انتہا درجہ جہل و ضلالت کا جواب تھا۔ حضرت ابراہیم نے کیا بات کہی تھی، اور اس مغرور نے اُس کا مطلب کیا سمجھا۔ لیکن چونکہ حضرت ابراہیم کا طریق مخاطبیت ”ہدایت“ کا طریقہ تھا۔ ”جدل“ کا نہ تھا، اس لیے اُسکی جاہلانہ بات پر بالکل مترجہ نہ ہوئے۔ وہ سمجھ گئے۔ غذا اگرچہ نہایت عمدہ غذا تھی، لیکن اس بیمار کا معدہ ہضم نہ کر سکا۔ اسے دوسری غذا دینی چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے فوراً دوسری بات فرما دی ”فان الله ياتي بالشمس الخ“ یہ بات سنکر اس متمرد کی ساری کج بعثی ختم ہو گئی، اور اچانک حقیقت کی جھلک سامنے آ گئی۔ موت اور حیات رالی بات اگرچہ ایک حق پسند انسان کیلئے نہایت واضح بات تھی، لیکن اس مغرور و جاہل کی فکری حالت شدت طغیان و غفلت سے اس قدر مسخ ہو چکی تھی، کہ کج بعثی کی ایک راہ نکال ہی لی۔ لیکن یہ دوسری بات اُس کی فکری حالت کے مطابق اس درجہ ارتقاع فی النفس تھی، کہ حقیقت کی طرف سے آنکھ بند کر لینے کا کوئی موقع باقی نہ رہا۔ سورج سر پر چمک رہا تھا، اور وہ ہر روز کی طرح آج بھی مشرق ہی سے نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا، اور مغرب ہی کی طرف غروب ہونے کیلئے ڈھل رہا تھا۔ صدیوں سے، ہزاروں برس سے، ہمیشہ سے، ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ اُسکی مقررہ رفتار میں یا طلوع و غروب کی جہتوں میں فرق پڑا ہو۔ پھر کیا دنیا کا کوئی حکمران، دنیا کا کوئی شہنشاہ، دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ایسی ہے جو ایک دن کیلئے اُس کا رخ بدل دے؟ ایک دن کے لیے نہیں، ایک گھنٹہ کیلئے، ایک دقیقہ کیلئے، اُسکی رفتار میں اپنی مرضی سے فرق ڈال دے؟ یہ حقیقت تھی جو اُس جاہل و مغرور کے سامنے نمایاں ہو گئی۔ اگرچہ اُس کی غفلت و شقاوت اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ وہ اب بھی سر جھکانے کیلئے طیار نہیں تھا، لیکن حقیقت کے سامنے آ جانے کے بعد شوخ چشمی سے کج بعثی کرنے کا دم خم بھی نہیں رہا تھا: ”فبہت الذي كفر“۔ اور چونکہ بارجون حقیقت کے نمایاں ہو جانے کے وہ اعتراف حق پر آمادہ نہیں ہوا، اس لیے فرمایا ”والله لا يهدي القوم الظالمين“ خدا کا قانون

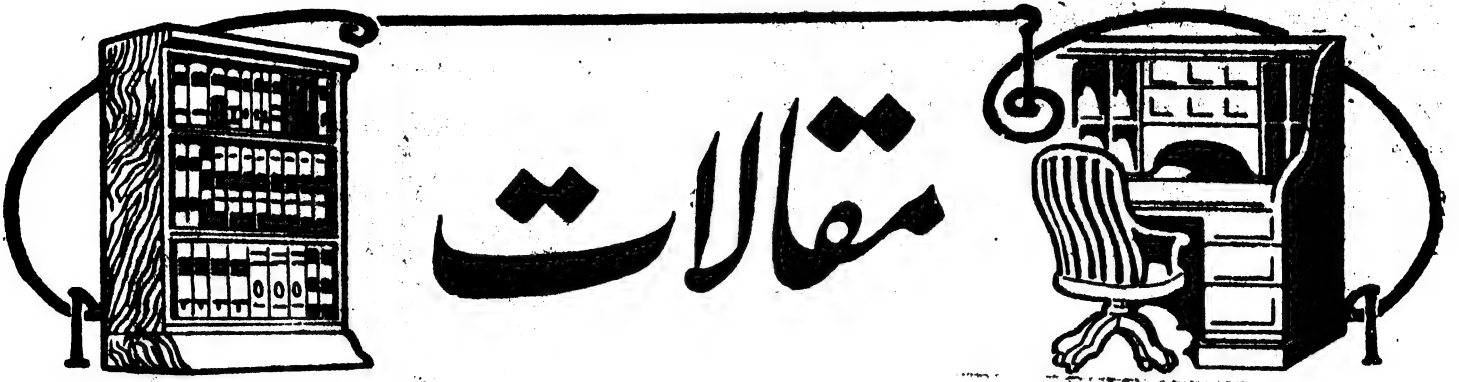
وہ کہتے: ”میرا مطلب جلانے مارنے سے یہ نہیں ہے جو تم سمجھتے ہو۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ اصل مدعا کی جگہ ایک خاص دلیل اور اس کے مفہوم کی بحث چھڑ جاتی، اور مخاصم کے لیے حقیقت کے فہم و بصیرت کا موقع ہی نہیں آتا۔ لیکن اُن کی راہ ہدایت و دعوت کی راہ تھی۔ انہوں نے ایک دقیقہ کے لیے بھی اپنی نظر اصل مدعا سے نہیں ہٹائی۔ جو بھی معلوم ہوا کہ پہلی بات اپنے جہل و غرور کی وجہ سے وہ نہیں سمجھ سکا ہے، تو بغیر کسی قائل کے اُسے چھوڑ دیا۔ ایک دوسری بات پیش کر دی۔ یہ بات اس کی فکری استعداد کے قہیک مطابق تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تیر نشانہ پر لگ گیا۔ اگر حضرت ابراہیم کو ایک بات چھوڑنے کی جگہ ایک ہزار باتیں چھوڑنی پڑیں، جب بھی انہیں اس میں قائل نہ ہوتا!

(مکالمہ کی تفسیر)

(۳) میں نے سب سے پہلے مکالمہ کے اسی پہلو پر نظر ڈالی، کیونکہ بغیر اس کے اُس کی حقیقی نوعیت واضح نہیں ہو سکتی تھی۔ اب آیات کی ترتیب بیان کے مطابق پورے مکالمہ کی تفسیر سمجھ لیجیے:

”ان اتاه الله الملك“ کی تفسیر اور اس کی ضمیر کے مرجع کے تعین میں مفسرین نے بیکار دماغ سوزی کی ہے۔ حالانکہ مطلب بالکل صاف تھا۔ یہ قرآن حکیم کا معجزانہ ایجاز بلاغت ہے کہ صرف ایک جملہ کہر معاملہ کی پوری نوعیت آشکارا کر دی۔ جس انسان نے حضرت ابراہیم سے اُن کے رب کے بارے میں کج بعثی کی تھی، قرآن واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اُس نے ایسا کیوں کیا تھا؟ کرنسی چیز تھی جس نے اُسے اندر گمراہی کا ایسا طغیان اور سرکشی کا ایسا ہیجان پیدا کر دیا کہ پروردگار عالم کا نام سنکر ہی اپنے تکبر اور خود پرستی کے دعوں سے باز نہیں آیا؟ ”ان اتاه الله الملك“!۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ وہ پادشاہ تھا۔ یعنی یہ تاج و تخت کی بڑائی اور حکومت کے فانی اختیارات کا گھمنڈ تھا، جس نے اُسے اس درجہ مغرور اور بر خود غلط بنا دیا تھا۔ اس تصریح سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قرآن حکیم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شخص شخصاً خدائی کا مدعی تھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کیوں کہا جاتا کہ ”ان اتاه الله الملك“ پس معلوم ہوا، یہ پادشاہ کا گھمنڈ تھا، اور پادشاہت کے گھمنڈ سے گمراہی کی ایسی ہی فکری حالت پیدا ہو جایا کرتی ہے۔

”حاج ابراہیم فی ربہ“ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم نے جب اُس پادشاہ کو ظلم و استبداد اور فساد و طغیان پر سرزنش کی، اور پروردگار عالم کے احکام سے سرکشی کرنے کے نتائج سے ڈرایا، تو وہ حضرت ابراہیم سے کج بعثی کرنے لگا۔ یعنی اُس خدا کے بارے میں کج بعثی کرنے لگا جس کی مدد و نصرت کے بھروسہ پر وہ تنہا ایک جابر و قاهر پادشاہ کا مقابلہ کر رہے تھے، اور ڈرنے کی جگہ ڈرا رہے تھے! چونکہ وہ اپنے دیوتاؤں کی پرستش کرنے کے سوا اور کسی طریق عبادت سے آشنا نہ تھا، اس لیے اُس نے کہا: وہ تمہارا خدا کون ہے اور کہاں ہے جس کی مدد کے بھروسے پر میرے سامنے آکھڑے ہوئے ہو، اور مجھے جیسے طاقتور پادشاہ کو بے باکانہ سرزنش کرنے کی جرأت کرتے ہو؟ حضرت ابراہیم نے اس کے جواب میں کہا: ”رَبِّي“ ”الذي يحيي ويميت“ تمہارے دیوتاؤں کی طرح میرا کوئی خاص دیوتا نہیں ہے۔ میرا ایمان تو اُس پروردگار



جدید مذہب روحی

تاریخ ظہور، موافقین و مخالفین، اور نقد و تبصرہ

تقریباً تین ماہ گزرے۔ مطبوعات جدیدہ کے سلسلہ میں ایک کتاب کا ذکر ان صفحات پر کیا گیا تھا جس میں سرکونن ڈالیل کے بعض مضامین یورپ کے جدید مذہب روحی کی تائید میں شائع ہوئے تھے۔ اس تحریر کے آخر میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ نظر ڈالینگے۔

اس تحریر کی اشاعت کے بعد، قارئین الہلال میں سے متعدد حضرات نے اس موضوع سے اپنی غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی اور بار بار اصرار کیا کہ اس بارے میں تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے۔ آج ہم چاہتے ہیں، ایک سلسلہ مقالات اس موضوع پر شروع کریں۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل امریکے بعد دیگرے بحث و بیان میں آئیے:

- (۱) جدید مذہب روحی کے ظہور و اشاعت کی مختصر تاریخ
- (۲) موافق اور مخالف علماء کے آراء
- (۳) بعض مشہور اور علمی نوعیت کے تجارب اور عملیات
- (۴) موافقین و مخالفین کی رائیں کا موازنہ اور تبصرہ

(ظہور و اشاعت کی تاریخ)

سنہ ۱۸۵۶ء - مین نیویارک امریکہ کے ایک گاؤں ہیڈس ویل نامی میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جان فاکس نامی ایک شخص کا خاندان ہر روز اپنے گھر میں ایک خاص قسم کی کہت کہت سنا کرتا تھا۔ ایک دن مسز فاکس نے جرات کر کے اس آواز کو مخاطب کیا:

”کیا تم کوئی روح ہو؟“

پھر اُس سے طے کیا کہ جواب میں اثبات کی علامت ایک خاص طرح کا کہنکا ہے، اور نفی کی علامت ایک خاص طرح کا۔ چنانچہ سوال و جواب ہوتے رہے، اور عورت کو معلوم ہو گیا کہ آواز واقعی ایک روح کی ہے جو اسی گھر میں رہتی ہے۔ پڑوسیوں نے ایک آدمی اس مکان میں قتل کر کے دفن کر دیا تھا اور اُس کا مال لوٹ لیا تھا۔ یہ اُسی کی روح ہے۔

عورت نے فوراً پولیس کو خبر پہنچائی۔ حکام نے اگر اُسی طریقے پر روح کا بیان اپنے کانوں سے سنا۔ پھر وہ مقام کھودا گیا جہاں روح نے لاش مدفون بنائی تھی۔ لاش مل گئی، اور بالآخر قاتلوں کا پتہ بھی چل گیا!

ہدایت یہی ہے کہ جن لوگوں نے ظلم و طغیان کی راہ اختیار کر لی ہے، اُن پر ہدایت و سعادت کی راہ نہیں کھلتی! (منطقی شبہات)

(۴) ہمارے مفسرین کو صرف اسی کی فکر نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم کو منطقی اور مناظر ثابت کر دکھائیں، بلکہ وہ نمرد کے لیے بھی بہت متفکر ہیں۔ اُن کی کوشش یہ ہے کہ اُس کی کوئی بات بھی فلسفیانہ دقیقہ سنجی سے خالی نہ جائے۔ چنانچہ اُس کے اس قول کی توجیہ میں کہ ”انا احي و امیت“ حضرت امام رازی نے بڑی بڑی کارشیں کی ہیں، اور بالآخر اسے واسطہ اور سبب کے جھگڑوں میں لے گئے ہیں۔ لیکن اب آپ سمجھ گئے ہونگے کہ یہ تمام کارشیں قطعاً دروازہ کار اور بے معنی ہیں۔ قرآن حکیم اس جاہل متمدن کا جہل و غرور دکھلا رہا ہے۔ ہمارے متکلمین کی طرح اُسے فیلسوف ثابت کرنا نہیں چاہتا۔ یہ تمام توجیہیں بھی کہ اُس نے ایک واجب القتل قیدی کو چھوڑ دیا تھا اور ایک کو قتل کر دیا تھا، قطعاً غیر ضروری اور مکالمہ کی حقیقت سے دور لیجانے والی ہیں۔ ”انا احي و امیت“ کا صاف مطلب یہی ہے جو ایک مغرور اور بر خود غلط پادشاہ کا ہمیشہ ایسے متکبرانہ دعویٰ سے ہوا کرتا ہے۔

(۵) اب آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ جس قدر شبہات پیدا ہوئے تھے، فی الحقیقت اُن میں سے کبھی شبہ کی بھی یہاں گنجائش نہیں۔ بڑے شبہات امام صاحب کے اور آپ کے پیدا کیے ہوئے یہ تھے کہ نمرد اگر مدعی تھا، تو دلیل اُسے پیش کرنی تھی، نہ کہ حضرت خلیل کو، اور جب حضرت خلیل نے ایک دلیل پیش کر دی تو اُس سے رجوع کیوں کیا؟ لیکن یہ تمام شبہات غیر متعلق ہوجاتے ہیں جب واضح ہوجاتا ہے کہ نہ تو یہ مناظرہ مصطلحہ فن تھا، نہ مخاصم کی حیثیت مدعی کی تھی، اور نہ انبیاء کرام مناظرانہ طریقہ سے رد رکد کرتے ہیں۔ باقی رہا یہ شبہ کہ جب مخاصم نے پہلی بات کے جواب میں ایک جاہلانہ دعویٰ کر دیا تھا، تو دوسری بات کے جواب میں بھی کوئی نہ کوئی بات کہہ دے سکتا تھا، تو اس شبہ کی بھی اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔ یہ شبہ اس لیے پیدا ہوا تھا کہ ”نہیت الذی کفر“ کے معنی مناظرہ میں لا جواب ہوجانے کے سمجھے گئے تھے۔ لیکن جب واضح ہو گیا کہ ”بہت“ سے یہاں مقصود بات بنانے میں لا جواب ہوجانا نہیں ہے، بلکہ ایک سچی بات سے متاثر ہو کر ہکا بکا ہوجانا ہے، تو ظاہر ہے، یہ شبہ کیوں وارد ہو؟ جب ایک حقیقت جس کے جھٹلانے اور نہ دیکھنے کی وہ کوشش کر رہا تھا، اس کے سامنے بے نقاب ہو گئی، تو اُس میں کج بحثی کا دم خم باقی نہ رہا۔ لاچار اور دم بخود ہو کر رہ گیا۔

ہر مرد بہار سے جانچ کی۔ لیکن بالآخر اس کی صحت پر ایمان لے آیا اور اپنی تحقیقات کے نتائج اختیارات میں شائع کر دیے۔ اس تجربے کے شائع ہونے ہی تمام امریکہ میں اہل علم پر گہری تاثیر کے برپا طرح اس پر لے دے شروع کر دی۔ بالآخر وہ مجبور ہوا کہ اپنے عہدے سے دست بردار ہو جائے اور آزادی کے ساتھ اس حقیقت کی مزید تحقیق و تجربہ میں مشغول ہو جائے۔ چنانچہ اس کی سعی و ہمت سے اس نئے مذہب کو بہت شہرت حاصل ہو گئی۔

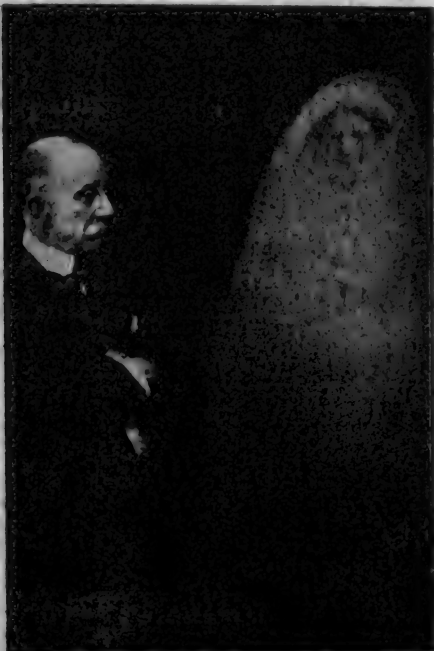
اس کے بعد پروفیسر مابس، جو امریکن اکادمی میں علم کیمیا کے ماہر تھے، اس جانب متوجہ ہوئے۔ انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی اور اپنے نتائج بحث پروری جرات سے شائع کر دیے۔

ان کے بعد پروفیسر روبرٹ ہیر اس میدان میں آئے۔ طویل بحث و نظر کے بعد یہ بھی اس کے قائل ہو گئے۔ اور ایک نفیس کتاب ”نفسی ظاہر پر مباحث“ کے نام سے شائع کی۔

ان تجربوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالم بحث شروع ہو گئی۔ امریکا میں کوئی عالم بھی ایسا نہ تھا جس نے مرافقت یا مخالفت میں کچھ نہ کچھ نہ لکھا ہو۔

امریکا سے یہ مذہب انگلستان پہنچا۔ یہاں سب سے پہلے مشہور کیمیائی ولیم کروکس نے اس پر نظر ڈالی۔ بعض انگریز رسیطوں کے ذریعہ خود بھی تجربے کیے۔ بالآخر اس کی صداقت کا معترف ہو گیا اور ایک کتاب بھی اس کی تائید میں لکھ کر شائع کی۔ اس کتاب کا نام بھی ”نفسی ظاہر پر مباحث“ تھا۔ اس میں وہ ایک مقام پر لکھتا ہے:

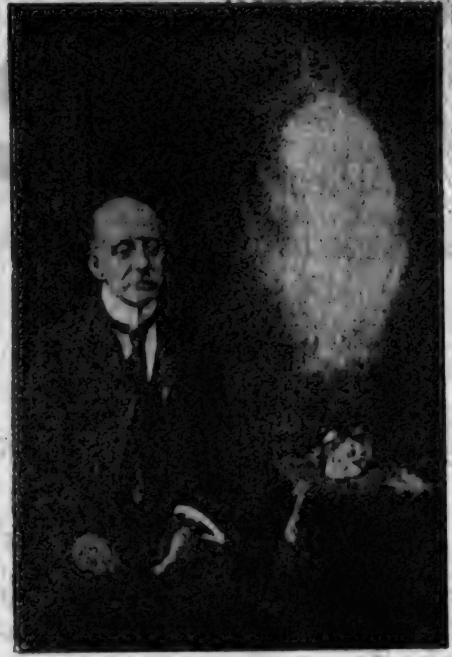
”چونکہ میں ان واقعات کی پوری طرح تحقیق کر چکا ہوں، اس لیے یہ میری سخت اخلاقی بزدلی ہو گئی اگر اپنی شہادت معض اس خوف سے مخفی رکھوں کہ لوگ اس کا مضحکہ اڑائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس بارے میں کوئی عام نہیں رکھتے۔ ان کے پاس کوئی یقین اور برہان نہیں ہے۔ لیکن میں نے اس معاملے کی پوری طرح تحقیق کر لی ہے اور اس کی حقانیت پر پختہ یقین رکھتا ہوں“



روح کا نمونہ اور تشکل

جیسا کہ اس مذہب کے معتقدین کا خیال ہے

روح کا ابتدائی ظہور
جیسا کہ معتقدین کا خیال ہے



اس واقعہ کے بعد روح کی بے قراری دور ہو گئی، لیکن مسٹر جان فاکس کی دونوں لڑکیوں کے پاس وہ برابر آتی جاتی رہی۔ یہاں تک کہ یہ لڑکیاں اس سے از حد مانوس ہو گئیں۔ پھر اس کے ساتھ کئی دوسری زوجیں بھی آنے لگیں اور بات چیت کا طریقہ بھی زیادہ صاف اور معین ہو گیا۔ صورت یہ ہو گئی کہ ایک بہن حرف ابجد ایک ایک کرتے پڑھتی جاتی تھی اور ہر حرف پر روح ایک یا دو مرتبہ کھٹکھٹا دیتی تھی۔ اس طرح تمام حرف کی علامتیں طے پا گئیں اور گفتگو آسانی سے سمجھی جانے لگی۔

ایک دن روح نے آکر دونوں بہنوں سے درخواست کی کہ وہ ایک اعلان عام کے ذریعہ نیویارک کے کسی بڑے اران میں لوگوں کو جمع کریں اور روح کے وجود و بقا کا ثبوت پیش کر دیں۔ مگر بہنوں نے اس سے انکار کیا۔ وہ ڈرتی تھیں، لوگ انہیں جادوگر خیال کریں گے۔ لیکن روح نے اصرار کیا ”میں انسانوں کو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ روح کبھی فنا نہیں ہوتی۔ معض اسی غرض سے میں نے تم سے تعلقات قائم کرنے کی یہ سخت تکلیف برداشت کی ہے۔ اب اگر تم میری درخواست منظور نہیں کر گئی، تو تم سے قطع تعلق کر لوں گی۔“ بہنوں نے اب بھی انکار کیا۔ اس پر روح نے اپنی آمد و رفت موقوف کر دی!

دونوں بہنیں روح کی ناراضگی سے نہایت غم کیں ہو گئیں۔ کیونکہ وہ اس سے حد درجہ مانوس ہو چکی تھیں۔ مجبوراً انہیں روح کا کہنا ماننا پڑا، مگر اس شرط پر کہ پہلے وہ تھوڑے آدمیوں کے زہر یہ بات پیش کریں گی۔ پھر بتدریج عام مجمعوں کے سامنے ظاہر ہو گئی۔ روح نے یہ شرط منظور کر لی اور دونوں بہنوں نے نج کے مکانوں میں خاص خاص علماء کے سامنے یہ حیرت انگیز امور ظاہر کرنا شروع کر دیے۔ پھر بتدریج جرات پا کر عام اجتماعوں میں بھی تقریریں کیں۔ لوگوں نے یہ تمام امر دیکھ کر ہر طرح کی احتیاطیں کی گئیں، مگر کسی فریب کا پتہ نہ لگا سکے۔ تھوڑی ہی مدت میں یہ خبریں تمام ملک میں مشہور ہو گئیں اور ہر جگہ ان کا چرچا ہونے لگا۔

سب سے پہلے مسٹر آرمونڈس امریکن مجلس خواص کے صدر کو اس معاملہ کی تحقیقات کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے علمی طور

مشہور فرانسیسی عالم فلسفہ ' جان رینو نے سنہ ۱۸۹۵ء میں کہا تھا :

" یہ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تمام علماء فریب اور تدلیس کے ذریعہ ' اراہم و خرافات کی دہرہ شدہ حکمرانی پھر قائم کر دینی چاہتے ہیں - اس خیال کی بھی گنجائش نہیں کہ یہ لوگ بالکل سادہ لوح ہیں ' اور اپنی حماقت کی وجہ سے ان امور پر یقین لے آئے ہیں ' کیونکہ علمی تجارب میں ان اابر علم کی دقت نظر معلوم و مسلم ہے "

عام نفسیات کا مشہور ماہر پیر جانی اپنی کتاب میں جو اسی موضوع پر ہے ' لکھتا ہے :

" مذہب روحی ' ہر اعتبار سے دقیق مطالعہ اور اصولی بحث کا مستحق ہے - اس میں شک اور تضحیک کی بالکل گنجائش نہیں ہے - ہمیشہ فریب ' فریب ' پکارتے رہنا بھی صحیح نہیں ہے - کیونکہ یہ تحریک جس نے یورپ میں اپنے بے شمار مراکز قائم کر لیے ہیں اور عقلاء و علماء کا ایک جم غفیر اس کا عام بردار بن گیا ہے ' سراسر دھوکا اور فریب نہیں ہوسکتی - ضرورت ہے کہ منکرین ایمانداری کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں "

پروفیسر چارلس ریشیے (رن فرانسیسی اکادمی اور مدرس طبی یونیورسٹی) اپنے ایک مقالہ میں جو اس کے مقالات کے مجموعہ مطبوعہ سنہ ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا ہے ' لکھتا ہے :

" یہ ناممکن ہے کہ انگلستان ' امریکا ' فرانس ' جرمنی ' اٹلی کے یہ تمام علماء و فلاسفہ فریب خوردہ ہوں - منکرین ' روحی مذہب پر جتنے بھی اعتراض کرتے ہیں ' سب کے سب ان علماء کے پیش نظر تھے - فریب سے بچنے کے لیے بھی یہ پوری احتیاط برتنے تھے - میں ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا کہ یہ تمام عقلاء سراسر دھوکہ و مکر کا شکار ہو گئے ہوں "

مشہور فرانسیسی عالم گبریل دولاں اپنی کتاب میں جو محاضرات اراج پر لکھی ہے ' لکھتا ہے :

" جب رابرٹ ہیر ' موابس ' اور آرمون کے درجہ کے لوگ امریکا میں ' اور کرکس ' ریاس ' لواج ' انگلستان میں ' اکزاوف ' بٹرلوف ' ررس میں ' فیشنر ' زولڈ ' جرمنی میں ' کسی بات کی صحت پر زور دیں ' تو ہم یہ تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جائینگے کہ یہ بات ضرور کوئی علمی حقیقت ہے ' اور ہر لحاظ سے بحث و نظر کی مستحق ہے - مذہب روحی کا بھی یہی حال ہے - یہ علماء اس کے معتقد ہیں - لہذا آئے سراسر خرافات قرار دینا ' عقلمندی سے بعید ہے "

یہ عجیب بات ہے کہ اس مذہب کے تقریباً تمام ماننے والے مشاہیر علماء ' شروع شروع میں اس کے سخت مخالف تھے ' اور اس کی تحقیق پر محض اس لیے مستعد ہوئے تھے کہ روحانیت کا فریب طلسم توڑ کر ضعیف الاعتقاد انسانوں کو نجات دلائیں ' مگر تحقیقات کے بعد ان کی رائے بدل گئی ' اور خود معترف و مصدقہ ہو گئے !

مذہب روحی عالم رائل سوسائٹی کا صدر منتخب ہوا ' تو اس نے اپنی صلیبوتی تقریر میں اس مذہب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :

" میں نے مسلسل ۳۵ سال اس مذہب کی تحقیق کی ہے - بہت سی نئی معلومات بھی حاصل کی ہیں - میں عنقریب ایک نئی کتاب شائع کرنے والا ہوں "

اس مذہب کے ابتدائی ماننے والوں میں ایک جلیل القدر نام الفرد رسل دیلس کا بھی ہے - یہی وہ مشہور عالم ہے جس نے ٹھیک اسی زمانہ میں مذہب نشو و ارتقاء کا اکتشاف کیا تھا ' جبکہ ڈارون کو اس کا سراغ ملا تھا - اس نے اس مذہب کے بارے میں دو مستند کتابیں " دور جدید کے معجزات " اور " مذہب روحی کی مدافعت " کے نام سے شائع کیں - اول الذکر کتاب میں لکھتا ہے :

" میں سراسر ملحد تھا - اپنے مادی مذہب کے سوا کسی بات پر بھی یقین نہیں رکھتا تھا - میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس عالم میں مادہ اور اس کی قوت کے سوا کوئی روحانی زندگی بھی موجود ہے - لیکن میں نے بے شمار تجربوں اور مشاہدوں کے بعد اپنے آپ کو مجبور پایا کہ اس جدید مذہب کی تصدیق کروں - یہ اس وقت کی بات ہے جب میں روح کے وجود کا قائل نہ تھا - بہت مدت کے بعد مجھے مان لینا پڑا کہ یہ امور واقعی روح ہی کے ذریعہ واقع ہوئے ہیں ' کیونکہ ان کی کوئی دوسری تعلیل ممکن ہی نہیں ہے "

مشاہیر علماء میں ایک اٹالین عالم لومبروزو Lombroso ہے - یہ عالم الجراثیم کا بانی ہے - پہلے یہ اس مذہب کا سخت مخالف تھا اور اس کے ماننے والوں کو مجھن قرار دیتا تھا - لیکن تحقیقات اور ذاتی تجربہ کے بعد اس کا پر جوش حامی بن گیا - اس نے مشہور فرنج عالم فلکیات فلا ماریو Camille Flammarion اور فرنج اکادمی کے پروفیسر چارلس ریشیے کے ساتھ ملکر اس مذہب کا طویل مطالعہ کیا اور اپنی تحقیقات کے نتائج ایک کتاب کی صورت میں شائع کیے - اس کتاب کے مقدمہ میں یہ لکھتا ہے :

" اپنی خاص علمی تربیت اور نفسی میلان کی بنا پر میں مذہب روحی کا سب سے بڑا دشمن تھا - مجھے یہ بات بالکل بدیہی معام ہوتی تھی کہ ہر قوت مادہ ہی کا ایک خاصہ ہے ' اور ہر فکر ' دعاغ ہی کا ایک فعل ہے - اس کے سوا میں کچھ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا - میں اس مذہب کے ماننے والوں کا مضحکہ اڑایا کرتا تھا - لیکن حق و حقیقت پر میری فریفتگی بالآخر میرے میلان نفس پر غالب آگئی - مسلسل تجربوں اور مشاہدوں کے بعد اب مجھے اس پر پورا یقین ہے "

ان کے بعد پروفیسر ہاتسن ' پروفیسر میرس (کیمبرج) سنٹون مرزس (آکسفورڈ) سر جان کاکس ' پروفیسر پارکس ' مسٹر کلاتسٹون ' مسٹر بالفور وغیرہ انگریز علماء اور مدبروں نے بھی اس کی تحقیقات کی ' اور اعتراف پر مجبور ہو گئے -

اسی طرح فرانسیسی علماء میں قابل ذکر چارلس ریشیے ' کیمیک فلا ماریو ' ڈاکٹر مکسویل ' پییر گانیہ ' پیر دورر ' پاراتوک وغیرہ ہیں - جرمنی اور امریکا کے بہت سے اقطاب علم بھی اس کے معتقد ہو چکے ہیں - ان کے نام اور مباحث آئندہ اپنے محل میں آئینگے -



فرانس کی نئی اثری دریافت

عہد حجری کی عجیب و غریب اشیاء

تاریخ عہد کی ہیں - یعنی دس سے تیرہ ہزار برس پیشتر تک کی پرانی ہیں - وہ اسے نیولیتھک (Neolithic) عہد کا بقایا قرار دیتے ہیں - یعنی ابتدائی انسان کے حجری عہد کا - جب کہ وہ اپنی ضروریات زندگی کے لیے صرف پتھر ہی استعمال کرنا جانتا تھا -

لیکن ایک دوسرا گروہ انہیں اس قدر اہمیت نہیں دیتا - وہ کہتا ہے ' یہ زیادہ سے زیادہ سولہ سترہ سو برس کی پرانی چیزیں ہیں جب سر زمین گال پر رومیوں کا قبضہ ہوا تھا - وہ اپنی اس رائے کے ثبوت میں دو چیزوں سے استدلال کرتا ہے - پتھر کی بنی ہوئی عجیب الہکیٹ صورتوں سے - اور پتھروں کے حروف و نقوش سے - انہی اور ایشائے کوچک سے بکثرت رومی عہد کی ایسی ہی عجیب الہکیٹ صورتیں نکل چکی ہیں ' اور ان کی نسبت طے پاچکا ہے کہ یہ رومی ساحروں کے آلات سحر تھے - وہ ان صورتوں کے ذریعہ اپنے سحری عملیات انجام دیا کرتے تھے - حروف جو ان پتھروں پر کندہ ہیں ' فینیقی خط کے ہیں ' اور ظاہر ہے کہ یہ خطوط صرف رومیوں ہی کے ذریعہ

فرانس پہنچ سکتے تھے - ان اشیاء میں مچھلی کے شکار کی ایک بنسی بھی نکلی ہے جو ہرن کی ہڈی کی بنی ہوئی ہے - اس سے بھی دوسرے گروہ کے خیال کی تصدیق ہوتی ہے -



گلزل کے آثار کا ایک حصہ ' جسمیں منقش پتھر دکھائے گئے ہیں -

لیکن پہلے گروہ کا استدلال پتھر کے ان بے شمار آلات سے ہے ' جن کی نوعیت ان کے حجری عہد سے تعلق رکھنے کا پوری طرح یقین دلاتی ہے -

حال میں ایک مشہور اور مستند اثری محقق ڈانٹر کیمیلے جولیاں نے ان آثار کی نسبت اپنی تحقیقات کا خلاصہ شائع کیا ہے - یہ تحقیقات ایک حد تک دینوں جماعتوں کے لیے تشفی بخش ہو سکتی ہے - ڈانٹر مرمروف کا خیال ہے کہ دینوں رائیں اپنی اپنے جگہ صحیح ہیں - اس لیے کہ دینوں کا استدلال برآمد شدہ اشیاء ہی پر مبنی ہے - پہلا گروہ حجری آلات و اسلحہ کی نوعیت اور قدامت سے استدلال کرتا ہے - دوسرا ان مورتیوں اور نقوش سے جو بلا شبہ رومی ساحروں کے آلات سحر ہیں - لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ قدیم زمانے کے کسی حدوتہ نے یہ دینوں قسم کی چیزیں اس محل میں یک جا کر دی ہوں ؟ حجری آلات و اسلحہ عہد حجری ہی کا بقایا ہوں ' اور مورتیاں اور نقوش رومی عہد کی ہوں ؟

حال میں فرانس کی ایک جدید اثری دریافت نے علماء آثار کی غیر معمولی توجہ حاصل کر لی ہے -

فرانس کے وسطی حصہ میں ایک غیر معروف قریہ گلزل Glazel نامی رانچ ہے - یہاں ایک کاشکار اپنی زمین کا ایک حصہ کسی ضرورت سے کھدوا رہا تھا - یکایک اس طرح کی علامتیں نمایاں ہوئیں ' جیسے یہاں کبھی پتھر کی دیواریں رہ چکی ہوں - زیادہ کھودنے سے ایک ایسی راہ پیدا ہو گئی ' جو کسی مصنوعی غار کے دھانے سے مشابہہ تھی !

جب یہ خبر مشہور ہوئی تو حکام نے موقع پر پہنچ کر تحقیقات کی - کھدائی کا کام جاری رکھا گیا ' اور غار میں آتھر کر اس کی اندرونی ساخت اور حالت کا پتہ لگایا گیا - مختصر یہ کہ معلوم ہو گیا ' یہ حصہ کسی قدیم زمانہ کی انسانی یادگاروں

کا ذخیرہ ہے جسے انقلابات زمانہ نے زیر زمین دفن کر دیا - یہاں نہ صرف پتھر کی دیواروں کے آثار ملے ' بلکہ تاریخی اشیاء کا ایک عجیب و غریب مجموعہ بھی برآمد ہوا - یہ پتھر کی بنی ہوئی بے شمار چیزیں ہیں جن میں سے کچھ تو اوزار ہیں جن کی نوعیت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے ' لیکن بڑی تعداد اس قسم کی چیزوں کی ہے ' جن کی وضع و شکل سے ان کی اصلیت کا پتہ لگانا دشوار ہے - بعض مدرہیں - بعض مربع ہیں - بعض پر اس طرح کے نقوش ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ' شاید ان کے ذریعہ کسی عجیب الہکیٹ انسان یا حیوان کے سر کا نقشہ دکھانا مقصود تھا - بعض پتھر کے ٹکڑے ایسے ہیں جنہیں کسی خاص وضع و ہئیت کی شکل نہیں دی گئی ہے ' مگر ان پر مختلف قسم کے خطوط کندہ ہیں -

یہ تمام چیزیں بعض محققین عام الآثار کے سامنے پیش ہوئیں اور انہوں نے علمی نظر سے ان کا مطالعہ شروع کر دیا -

علماء آثار میں سے ایک گروہ کی رائے میں یہ چیزیں قبل از



ہندوستان کیلئے

ہندوستانی نمونہ

— — —

”سنیٹا اور“ انور“

— — —

مٹان کا امریکن نژاد سنگ تراش
سنیٹا Jacob Elstein کچھ
”میکونا“ کا ایک نیا
طیار کرنے میں مشغول تھا
ہرت نے نہ صرف براعظم یورپ
مربکہ کے ماہرین فن کی بھی
دلچسپی حاصل کر لی تھی۔

رفتہ یہ شہرت یہاں تک بڑھی
سناج اپنے نام سے فارغ بھی نہیں
ہوا تھا کہ امریکہ کے صدر سمنسن نے
مجسمہ اپنی سرزمین کے لیے حاصل
کر لیا۔ اب مسٹر جیکب مجسمہ لیکر
نیویارک جا رہے ہیں تاکہ وہاں پہلی
مرتبہ اس کی نمائش کریں۔ تازہ ذات
کے اخبارات و رسائل میں کوئی پرچہ ایسا
نہیں ہے جس نے اس معاملہ سے اپنی
دلچسپی ظاہر نہ کی ہو۔

معاملہ کا نہایت دلچسپ پہلو یہ ہے
کہ صنایع نے ”میکونا“ اور اگلے بچے
کیلئے ایک ہندوستانی خاتون اور اس
کے دہ سالہ بچے کا چہرہ بطور نمونہ کے
استعمال کیا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ
اس یونانی دیوی اور مسیحیت کی
”مقدس کٹھالی“ کا یہ پہلا مجسمہ
ہے جس کے خال رخط میں ہندوستانی
چشم و ابرو کا عنصر آمیز کیا گیا ہے۔ یہ
آمیزش فن کے لحاظ سے کمال تک قابل
تحسین ہے؟ اس پر انگلستان اور امریکہ
کے ماہرین فن نے ایک طویل طویل
سلسلہ نزاع جاری کر دیا ہے۔ امید
کی جانی ہے کہ نیویارک کی نمائش
کے بعد یہ نزاع آرزو زیادہ وسعت اور اہمیت
پیدا کر لیگی!



حجاز اور سمرقند

— — —

یہ بین تفاوت رہ از کجاست

— — —

پچھلی ڈاک کے انگریزی

بعض مصر مضامین نہایت دلچسپ

ممکن ہے، بعض نگاہوں کیلئے

بھی ہوں!

ایک مصر رسالہ نے دو تصویریں

شائع کی ہیں، ’ازراں کے لیے

تجزیہ کی ہے: ”حجاز سے سمرقند

ایک طرف سلطان عبدالعزیز

کی تصویر ہے۔ اس کے نیچے حکمران

کے نئے احکام درج کیے ہیں جن میں

شرع کے اتباع و عمل پر زور دیا گیا ہے اور

وہ تمام باتیں قانوناً لائق تعزیر قرار دی ہیں

جو اخلاق و آداب شرع کے خلاف ہوں۔

حتیٰ کہ باشندگان حجاز کے لیے قازہ

منڈانا بھی حکماً روک دیا ہے۔

دوسری طرف ترکستان کے مشہور تاریخی

شہر سمرقند کے ایک اجتماع کا مرقع ہے۔

یہ اجتماع مردوں کا نہ تھا۔ خانہ نشین

عورتوں کا تھا اور ایک جلوس کی صورت

میں اس لیے ”بازار سراے“ میں جمع

ہوا تھا تاکہ ”آئندہ کے لیے نقاب اور برقع

کے استعمال سے عورتیں انکار کر دیں!

یہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا؟

اس واقعہ کی اطلاع خبر رساں ایجنسیوں

کے ذریعہ دنیا میں مشہور ہو چکی ہے

لیکن اب تفصیلات بھی یورپ کے اخبارات

میں آگئی ہیں۔

قارئین الہلال کی دلچسپی کیلئے

دونوں تصویریں نقل کر دی جانی ہیں۔

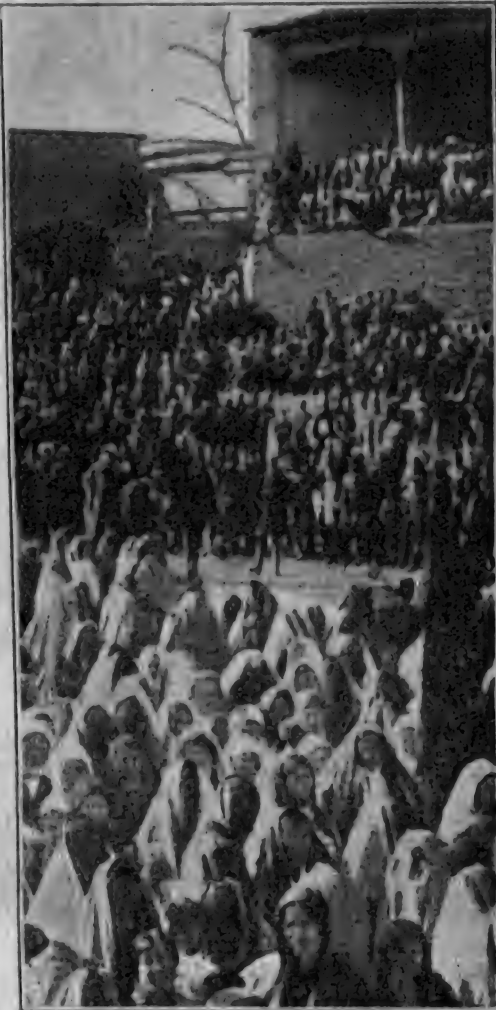
پہلی تصویر میں دروازہ قدرت صرورت سلطان ابن

سعود کی ہے۔ دوسرے مرقع میں سمرقند

کی خواتین کا ہجوم نمایاں ہے، جو ایک

جلوس کی صورت میں بازاروں سے گزر

رہا ہے۔



بادی کے لیے عنقریب ظہور
میں آنے والا ہے !

بات کتنی ہی عجیب
سمجھی جائے، لیکن واقعہ یہ
ہے کہ یورپ میں ایک جماعت
ایسی موجود ہے، اور وہ نہایت
خوف و اضطراب کے ساتھ اس
دوسرے عالمگیر طوفان کا انتظار
کر رہی ہے !

یہ یورپوں کا ایک فرقہ ہے۔
اس نے اپنا یہ ہولناک اعتقاد
عہد عتیق کی بعض پیشین
گوئیوں سے اخذ کیا ہے۔ انگلستان
میں اس فرقہ کی کافی تعداد
موجود ہے۔ اس فرقہ کے سردار
نے حال میں ایک نئی کشتی
میں طیار کرائی ہے جس کا نام
"ہاؤس آف ڈیوڈ" یعنی
"بیت داؤد" ہے۔ یہ کشتی
جکل دریائے ٹیمس میں
موجود ہے۔ یہ فرقہ یقین کرتا ہے
کہ آنے والے طوفان میں محفوظ
رہنے کے لیے نئی دنیا کے ترقی
پزیر جہاز اس قدر مفید ثابت
نہیں ہوں گے، جہتقد قدیم وضع
کی یہ کشتی مفید ہوگی۔
کیونکہ یہ "آن تفصیلات کے
ٹھیک ٹھیک مطابق طیار کی
گئی ہے، جو حضرت نوح علیہ
السلام کی کشتی کی نصبت
عہد عتیق میں موجود ہیں !

جو موقع آپ کے سامنے
ہے، اس میں آپ اس محتاط
اور دور اندیش فرقہ کے سردار
اور اسکے رفقاء کو مشغول اہتمام
دیکھ رہے ہیں !

الہلال

نمبر ۱ - سے نمبر ۵ - تک
جو حضرات فریخت کرنا چاہیں
دفتر الہلال کو اطلاع دیں۔

منیجر

بہر حال ہمارے لیے
لطیفہ کی اس سنجیدہ
میں تو کوئی دلچسپی
ہے، البتہ یہ سوال یقیناً دلچسپ
سے خالی نہیں کہ "مقد
کنواری" کے اس نئے مق
کے لیے جس ہندوستانی خ
کا چہرہ بطور نمونہ کے استم
کیا گیا ہے، وہ کون ہے؟
اسفیر ایک مرقع شائع
ہوئے ہمیں بتلاتا ہے کہ
ایک ہندو خاتون مقیم انگل
ہے جس کا نام سنیٹا nita
ہے، اور اس کے وہ سالہ ات
فام "انور" ہے۔ اگر اسفیر
ناصر کے نقل کرنے میں ک
غلطی نہیں کی ہے تو "سنی
کے ساتھ "انور" کا نام
خود ایک دلچسپ واقعہ
اور یقیناً قارئین الہلال کے
یہ کوئی ناپسندیدگی کی بات
ہوگی، اگر وہ ان دونوں صورا
کا نظارہ کر سکیں۔ ہم اسفیر
مرقع بجنسہ نقل کر دیتے ہیں
میں رہی ہوئے
صناع امریکہ کے لیے روانہ ہو رہے
ہے، اور اسفیر کے لفظوں میں
"ہندوستانی لیکٹی اور اس
کا لڑکا "انور" اس کے ساتھ
کہہ رہے ہیں۔

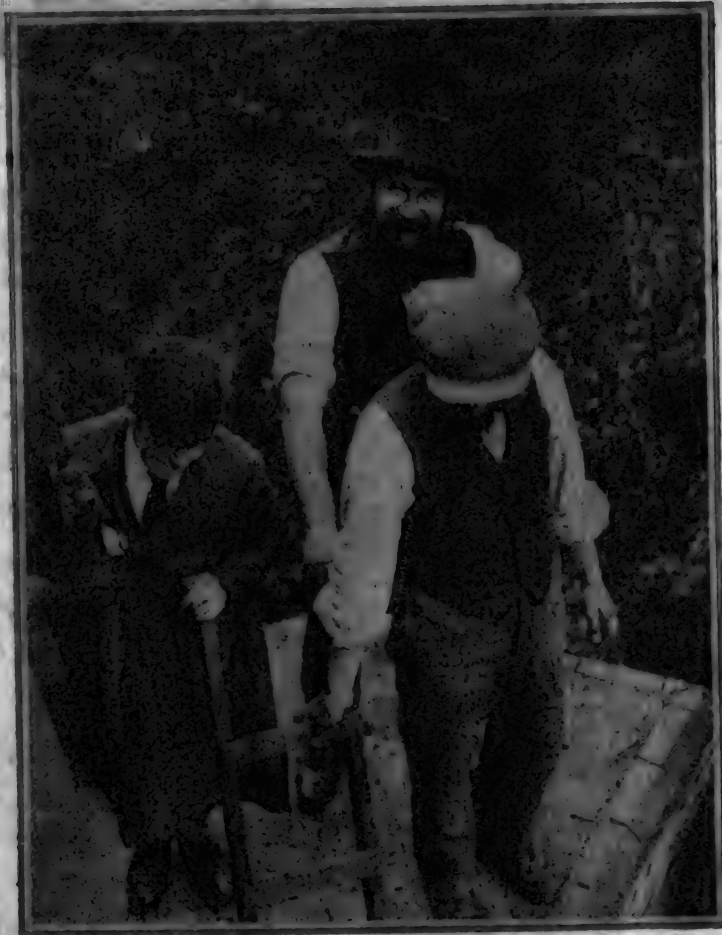
دوسرا طوفان

نوح

اور

کشتی جس کا نام "بیت داؤد" ہے !

موجودہ زمانہ میں یہ بات
کس درجہ عجیب سمجھی
جائیگی کہ انسانوں کی ایک
جماعت کو ارضی کی تمام
خشکیوں سے الگ ہو کر دریا میں
آباد ہوجانا چاہتی ہے۔ کیونکہ
"قدیم طوفان نوح کی طرح ایک
دوسرا طوفان تمام دنیا کی



ایک اسرائیلی فرقہ کا رہنما جو ایک عالمگیر طوفان
کے ظہور کا انتظار کر رہا ہے !

”اگر تو نے انصاف کیا ہوتا تو شورش نہ ہوتی۔ اگر حقوق ادا کئے ہوتے تو قتل نہ ٹوٹے“

ہارون الرشید

حاکم خراسان کو لکھا:

”اے گھادکا علاج کر، ورنہ ٹہرہ جائے گا“

خزیمہ بن حازم نے لکھا کہ میں نے ارمینیا میں داخل ہو کر قتل

عام کر دیا۔ خلیفہ نے لکھا:

”تیرا رہو، بے گنا ہوں کو کیوں مارا؟“

شاہ روم نے لکھا:

”میرا اپنی سلطنت کی ہر صلیب اور ہر بہاد کو لے کر تیرے مقابلے

پر آتا ہوں“

خلیفہ نے جواب دیا:

”عنقریب جان لے گا کہ خیر کیا ہوتا ہے؟“

ایک دوسرے خط میں لکھا:

”خط کے پیچھے میں آتا ہوں۔ فتح، خدا پر ہے“

ایک اور خط کے جواب میں لکھا:

”جواب، پڑھے گا نہیں، آنکھ سے دیکھ لے گا“

مامون الرشید

ایک شخص نے علی بن ہشام کی شکایت کی۔ مامون نے علی کو لکھا:

”شریف کی ملامت یہ ہو کہ بالادستوں پر ظلم کرتا ہو اور زیریں

کا ظلم مہنتا ہو“

ایک دوسرے خط کے جواب میں لکھا:

”میں تجھے اس وقت تک اپنے قریب آنے نہیں دوں گا جب

تک تیرا فریادی میرے دروازہ نہ پہنچے“

رستمی کی شکایت آئی۔ پھر لکھا:

”یہ مرد انجی کے خلاف ہو کہ میرے برتن سونے پانڈی کے

ہوں، اور تیرا ترخواہ سنی دست اور پڑوسی، فاقہ مست ہو“

عروبن سعدہ کی شکایت کے جواب میں لکھا:

”مے مر دوا اپنی خوشحالی کی عمارت، عدل سے قلم رکھ کر

ظلم لے کر ادا لے گا“

اپنے بھائی ابو عیسیٰ کی شکایت سن کر یہ آیت لکھ بھیجی۔

”فاذا نفع فی العو فلا انساب ہم یومئذ“ (ببصورہ بھوک

دیا جائے گا تو رشتے ناتے باقی نہیں رہیں گے)

ابراہیم بن ممدی نے لکھا۔

”اگر آپ معاف کریں تو یہ آپ کا احسان ہوگا، اگر نہ کریں

تو آپ کو اس کا حق ہے“

خلیفہ نے جواب لکھا۔

”اگر تم کام کی قدرت، کینہ کو دور کر دیتے ہو۔ خدا کا عفو ہے

بڑھ کر ہے“

ایک مرتبہ کسانوں نے شکایت کی کہ ٹاہلی نے کھیت کھا لیا۔

ماتون نے لکھا:

”کسانوں سے زیادہ ٹاہلیوں کی همان نوازی ہم پر واجب ہے

آدھا محصول معاف کر دیا جائے“

تاریخ و عبر

عرب خلفاء و سلاطین کے مختصر جواب

عرب خلفاء و سلاطین کی فصاحت و بلاغت مشہور ہے۔ یہ بلاغت سب سے زیادہ ان کے مختصر جوابات میں ظاہر ہوا کرتی تھی جو وہ درخواستوں پر لکھ دیا کرتے تھے۔ ذیل میں چند نمونے ملاحظہ ہوں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

عمر بن العاص کے جواب میں لکھا:

”اپنی رعیت کے ساتھ دیا ہی سلوک کرو، جیسا سلوک امیر کو اپنے ساتھ چاہتے ہو“

مصر کے بعض لوگوں نے مروان بن الحکم کی شکایت لکھ بھیجی۔

آپ نے جواب میں یہ آیت لکھ دی،

”فان عصوک نقل انی بری ماتملون“ (اگر وہ تیری نافرمانی

کریں تو کہہ دے، میں تمھارے عمل سے بری ہوں)

حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنے لئے گھربانے کی اجازت

طلب کی۔ آپ نے جواب دیا۔

”ایسا گھربانے جو تجھے با دسموم اور مینہ سے چھپائے“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

ایک شخص نے اپنی مالی شکایت کی شکایت بھیجی۔ آپ نے جواب دیا:

”ضرورت بھر کا حکم مہنے دے دیا ہو۔ اللہ کے مال میں اسرار

کی گنجائش نہیں“

حضرت علی علیہ السلام

حصین بن المنذر نے لکھا کہ قبائل ربیعہ کے بہت سے آدمی قتل

ہو چکے ہیں۔ آپ نے جواب دیا:

”بقیعتہ السیف میں زیادہ فراوانی ہوتی ہے“

اشتر سختی نے ایک شخص کی شکایت کی۔ آپ نے جواب لکھا۔

”کابل کل آدمی اس دنیا میں کہاں ہے؟“

امیر معاویہ بن ابی سفیان

ربیعہ ربوعی نے لکھا کہ ”میں بصرہ میں گھربنا چاہتا ہوں۔ آپ

مجھے کھجور کے بارہ ہزار تنے دیکر میری مدد کیجئے“

امیر معاویہ نے جواب لکھا:

”تمھارا گھر، بصرہ میں ہوگا، یا البصرہ، تمھارے گھر میں ہوگا؟“

عبدالملک بن مروان

حجاج بن یوسف دالی عراق نے عاقبتوں کی شکایت لکھی بعد

نے رقبہ کی پشت پر لکھ دیا:

”زمری کر، کیونکہ زمری میں بھلائی ہے۔ سختی میں بُرائی ہے“

ایک مرتبہ حجاج نے اجازت طلب کی کہ عراقی سرداروں کو قتل

کر دے۔ عبدالملک نے لکھا:

”سبا کہ حاکم وہ ہے جس سے مخالفوں کو بھی اُٹس ہو جائے جو

حاکم وہ ہے جس سے موافق بھی بدل ہو جائیں“

ابن الاشعث کے خط کی پشت پر یہ شعر جواب میں لکھا:

فما لبس اسی لاجب غلظہ حفاظاً دنیوی من مفاہج کبری

(اُس شخص کو کیا ہو گیا ہے جو حقائق سے بھجوتوڑنے کی کوشش کرتا

ہو، حالانکہ میں اُس کی ٹوٹی ہوئی مہی جوڑنے کی فکر میں ہوں؟)

عمر بن عبدالعزیز

حاکم عراق نے عاقبتوں کی شکایت بھیجی۔ آپ نے جواب دیا:

”جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، دہی اُن کے لئے پسند کرو۔ پھر بعض

جرم پر سزا دو“

ایک مظلوم نے فریاد لکھی۔ آپ نے جواب دیا:

”انصاف تیرے سامنے ہے“

ایک قیدی نے درخواست بھیجی۔ جواب لکھا:

”قویہ کر، رہا ہو جا“

ایک شخص نے اپنی بیوی کی شکایت بھیجی۔ جواب دیا:

”تم دونوں حق میں یکساں ہو“

ایک عورت نے اپنے شہر کے قیدی کی شکایت کی۔ جواب دیا:

”قید، حق پر ہونی چاہئے“

ایک شخص نے اپنے بیٹے کی فریاد کی۔ جواب دیا:

”اگر میں نے تیری فریاد نہ سنی تو ظالم ہوں“

حاکم حمص نے لکھا کہ شہر کو ایک قلعہ کی ضرورت ہے۔ جواب دیا:

”عدل اور سلامتی کا قلعہ اس میں تعمیر کرنے“

سفاح (اول خلیفہ عباسی)

اپنے ایک گورنر کو لکھا:

”میں گمراہوں کو پناہ دگا رہنا نہیں سکتا“

اہل انبار نے شکایت کی کہ حکومت کی عمارت میں اُن کی زمین

لے لی گئی ہے اور قیمت ادا نہیں کی گئی۔ جواب دیا:

”یہ عمارت تقویٰ پر قائم نہیں ہوئی“

پھر زمین کی قیمت ادا کر لینے کا حکم دیا۔

ابو جعفر منصور

ایک شخص نے اپنا وظیفہ بند ہو جانے کی شکایت بھیجی۔ جواب دیا:

”خدا کی رحمت کو کوئی روک نہیں سکتا“

حاکم مصر نے لکھا کہ اس سال دریا کے تیل میں طغیانی نہیں

آئی۔ جواب لکھا:

”اپنی فوج کو پاک کر تیل میں برکت آجائے گی“

حاکم حمص نے خط لکھا۔ اس میں عمارت غلط تھی۔ اس کو جواب دیا

”اپنی خبر بدل، ورنہ میں تجھے بدل دوں گا“

منہجہ کے حاکم نے لکھا کہ فوج نے شورش کردی ہے اور بیت المال

کے قفل توڑ ڈالے ہیں۔ خلیفہ نے جواب لکھا:



ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی،

اور

اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۵)

گیہوں

دنیا کے مختلف ملکوں میں گیہوں کی پیداوار ایکڑ کے حساب سے ۱۹۲۳ء میں

ملک	ایکڑ
ہندوستان	۳۰۳۰۳۰۰۰
ارجنٹائن	۱۷۷۸۵۰۰۰
کیوبا	۲۲۰۴۶۰۰۰
مصر	۱۴۱۵۰۰۰
فرانس	۱۳۶۱۴۰۰۰
اطلی	۱۱۲۷۹۰۰۰
جرمنی	۳۶۲۲۰۰۰
جاپان	۱۱۴۹۰۰۰
رومانیہ	۷۸۳۵۰۰۰
برطانیہ	۱۵۹۹۰۰۰
دولیات متحدہ امریکہ	۵۴۲۸۶۰۰۰
انجرائز	۳۴۹۱۰۰۰

ہندوستان میں گیہوں کی پیداوار ۱۹۲۳ء میں

صوبہ	پیداوار بجابٹن	رتبہ بجابٹن
مدراں	۰۰۰۰۰	۳۷۹۲
بیبئی	۳۷۸۰۰۰	۴۸۷۱۶۲
بنگلہ	۲۵۰۰۰	۱۲۹۰۰۸
یوپی	۲۴۱۹۰۰۰	۲۹۱۹۱۲۲
پنجاب	۵۸۱۰۰۰	۴۷۲۸۱۵۴
بہار و اڑیسہ	۴۷۳۰۰۰	۲۶۰۶۳۴
سی پی	۱۰۶۸۰۰۰	۳۶۴۶۰
صوبہ سرحد	۱۹۵۰۰۰	۳۱۹۱۲۵

دنیا میں جوار کی پیداوار

ملک	ایکڑ	پیداوار بجابٹن
ہندوستان	۷۸۵۰۰۰۰	۲۲۰۷۱۰۰
انجرائز	۲۴۰۰۰۰	۰۰۰۰
ارجنٹائن	۹۱۵۲۰۰۰	۲۶۱۰۰۰۰
آسٹریا	۱۴۷۰۰۰	۰۰۰۰

ملک	ایکڑ	پیداوار بجابٹن
بلغاریہ	۱۴۶۴۰۰۰	۹۹۱۰۰۰
کینیڈا	۲۹۵۰۰۰	۰۰۰۰
فرانس	۸۴۵۰۰۰	۳۴۱۰۰۰
اطلی	۲۸۰۵۰۰۰	۲۰۶۹۰۰۰
ہنگری	۲۴۷۸۰۰۰	۰۰۰۰۰
پولینڈ	۱۹۰۰۰۰	۰۰۰۰۰
رومانیہ	۸۹۴۵۰۰۰	۲۳۱۸۰۰۰
اسپین	۱۱۶۲۰۰۰	۶۷۶۰۰۰
سوئٹزرلینڈ	۴۰۰۰۰	۰۰۰۰
ٹونس	۴۱۰۰۰	۰۰۰۰
دولیات متحدہ امریکہ	۱۰۳۹۶۸۰۰۰	۷۱۸۵۹۰۰۰
جادا	۴۷۸۴۰۰۰	۲۹۳۰۰۰۰
بصر	۱۹۳۰۰۰۰	۱۹۵۸۰۰۰
جزیرہ آفریقہ	۳۳۵۰۰۰۰	۹۴۱۰۰۰۰

ہندوستان میں جوار کی پیداوار ۱۹۲۳ء میں

صوبہ	ایکڑ	پیداوار	ہر ایکڑ میں بجابٹن
مدراں	۱۰۳۸۵۱۶	۴۵۰۰۰	۶۳۶
بیبئی	۲۰۷۹۳۷	۷۶۰۰۰	۰۰۰۰
بنگلہ	۸۱۹۰۰	۲۷۰۰۰	۸۲۰
یوپی	۱۸۳۸۲۲۳	۸۸۶۰۰۰	۱۱۰۰
پنجاب	۱۰۵۰۲۸۳	۴۰۲۰۰۰	۹۶۲
بہار و اڑیسہ	۱۶۷۹۸۰۰	۵۳۹۰۰۰	۸۲۰
سی پی اور برار	۱۵۴۶۹۷	۰۰۰۰۰	۰۰۰
برا	۱۸۸۴۱۲	۴۸۰۰۰	۷۰۰
صوبہ سرحد	۴۳۸۴۲۳	۱۶۰۰۰	۱۱۱۰

ہندوستان میں شکر کی پیداوار ۱۹۲۳ء میں

صوبہ	ایکڑ	پیداوار بجابٹن	ہر ایکڑ کی پیداوار بجابٹن
مدراں	۱۲۱۲۹۸	۲۳۲۳۰۰	۶۴۲۰
بیبئی	۷۳۰۴۹	۲۴۸۱۰۰	۶۹۵۰
بنگلہ	۲۰۷۹۰۰	۲۴۵۷۰۰	۳۰۰۴
یوپی	۱۵۴۳۹۰۲	۱۲۲۰۳۰۰	۲۶۰۰
پنجاب	۴۸۳۱۶۱	۳۱۱۳۰۰۰	۲۱۹۱
بہار و اڑیسہ	۳۰۷۳۰۰	۲۹۰۷۰۰	۲۴۶۰

ہندوستان میں شکر کی درآمد و برآمد

برآمد	مقدار	قیمت	درآمد	مقدار	قیمت
۱۱۰۵ ٹن	۱۶۱۳۰۰۰ روپیہ	۱۰۰۸۶ ٹن	۱۵۳۱۹۸۰۰ روپیہ	۲۰۹۰۲۴۰۰	۷۲۸۳۰۰۰
۲۱۱۳۳ ٹن	۵۲۴۷۰۰۰ روپیہ	۷۲۹۰۰۰	۲۰۹۰۲۴۰۰	۷۲۸۳۰۰۰	۷۲۸۳۰۰۰
۳۵۹۱۸۹۲۳۲ ٹن	۱۷۷۷۳۱۰۰۰ روپیہ	۹۶۶۶۱۵	۹۰۸۳۰۰۰	۷۲۸۳۰۰۰	۷۲۸۳۰۰۰
۳۴۰۱۰۶۹۳۵ ٹن	۳۳۳۹۲۴۰۰۰ روپیہ	۷۲۸۳۰۰۰	۷۲۸۳۰۰۰	۷۲۸۳۰۰۰	۷۲۸۳۰۰۰

دنیا میں دہی کی پیداوار ۱۹۲۳ء میں بجابٹن

ملک	ایکڑ
ہندوستان	۲۲۰۹۴۰۰۰
برازیل	۱۵۷۳۰۰۰
مصر	۱۸۵۵۰۰۰
دولیات متحدہ امریکہ	۴۱۳۴۳۰۰۰

دنیا میں روٹی کی پیداوار بحساب ہنڈروٹ

مجموعی پیداوار: ۶۶۶۰۰۰۰ ہنڈروٹ

تفصیل

ملک	۱۹۲۲ء میں	۱۹۲۳ء میں
ہندوستان	۱۵۶۰۰۰۰ ہنڈروٹ	۲۱۳۰۰۰۰ ہنڈروٹ
برازیل	۲۶۰۰۰۰	۱۲۰۰۰۰
مصر	۳۲۰۰۰۰	۶۸۰۰۰۰
دولیات متحدہ امریکہ	۴۱۶۰۰۰۰	۶۱۳۰۰۰۰
دوسرے ممالک	۵۱۰۰۰۰	۴۶۰۰۰۰
میکسیکو	۱۵۰۰۰۰	۹۰۰۰۰

برطانیہ ہندوستان میں روٹی کی پیداوار ۱۹۲۳ء میں

صوبہ	ایکڑ	ہر ایکڑ میں پیداوار بحساب پونڈ
مدرا	۲۶۲۷۸۹۰	۷۸
بمبئی	۴۸۸۸۹۹۱	۱۰۲
بنگال	۵۵۰۰۰	۱۵۵
سی، پی اور برار	۴۹۳۲۸۷۷	۸۶
یوپی	۶۳۸۶۹۸	۱۷۰
پنجاب	۱۷۴۹۳۲۸	۱۳۸
آسام	۳۹۶۲۹۹	۱۵۳
برا	۳۰۰۷۹۰	۹۰

ہندوستان میں روٹی کے کارخانے

روٹی دھنے اور دالے والے کارخانے کاتنے اور بننے والے کارخانے

بمبئی	۵۲۱	۱۸۴
سی، پی اور برار	۴۲۶	۱۴
یوپی	۱۵۶	۱۸
مدرا	۱۳۹	۲۶
بنگال	۰۰۰	۱۲
پنجاب	۱۲۰	۰۰۰
نٹل اڈیا	۱۰۷	۰۰۰
حیدر آباد	۱۴۷	۰۰۰
پردہ	۸۳	۰۰۰

ہندوستان میں روٹی کی درآمد برآمد

درآمد	درآمد
سوت	۹۶۶۳۱۰۰۰
سوتی کپڑے	۷۶۶۶۲۰۰۰
برآمد	
خام روٹی	۹۱۴۷۰۳۰۰۰
سوت	۳۷۰۱۱۰۰۰
سوتی کپڑے	۷۵۷۳۶۰۰۰

دنیا کی ۱/۵ روٹی صرف ہندوستان میں پیدا ہوتی ہے۔

افسانہ

خط استوا کے افریقی قبائل

ملک نم

ایک افسانہ نمائریخی سرگذشت

املیل پاشا حیدر مصر کے زمانے میں مصری فوجیں فتح کرتی ہوئی خط استوا تک پہنچ گئیں یہ سرزمین ایسی تھی کہ مصریوں سے پہلے وہاں کوئی تمدن انسان بھی نہیں پہنچا تھا۔ صرف بعض قر بردہ فروش کبھی کبھی اُس کی سرحدوں تک پہنچ جاتے اور غلامی کے لئے آدمی پکڑ لاتے۔

اس سرزمین کی تمام قومیں اُس وقت (ادرا بھی) از حد وحشی تھیں۔ فارح فوجوں کو ناقابل بیان مصائب کا سامنا کرنا پڑا ایک طرف موسم اور آب ہوا برداشت سے باہر تھی۔ شب درو زانی برتا رہتا تھا۔ ہر طرف کچڑ اور دلدلیں تھیں۔ دوسری طرف بڑی و بھری درندے چلے کرتے تھے۔ چھوڑوں کی مصیبت بھی کچھ کم نہ تھی۔ ایسے قاتل پھر شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں ہوتے ہوں جیسے کہ اس لڑی زمین میں تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر خود وہاں کے باشندوں کا خطرناک دجود تھا۔ وہ کسی نظام جنگ سے واقف نہ تھے منظم فوجیں، باقاعدہ لڑائیوں کی عادی تھیں۔ مگر وہاں کے باشندے بے قاعدہ لڑائی میں اہر تھے۔ تیر انداز ایسے تھے کہ بندو قوں اور توپوں سے مسلح فوجوں کو جھکا دیتے تھے۔ اگر قیدی اُن کے ہاتھ پڑ جاتے تھے، تو اُن سے نہایت وحشیانہ سلوک کرتے تھے۔ ایسا دھیانہ سلوک جس کا تمدن دنیا تصور بھی نہیں کر سکتی!

(۲)

کابل ۱۰ ماہ کی ہولناک جدوجہد اور خوریز جنگوں کے بعد مصری فوجیں خط استوا کے ایک بیڑ علاقے میں پہنچیں۔ اُنھوں نے باشندوں کو اپنے مقابلے کے لئے مستعد پایا۔ فوجوں نے فوراً کمانڈو جمع کر کے مورچے بنائے اور رات بسر کرنا چاہی۔ مگر آدھی رات کو وحشی باشندوں نے حملہ کر دیا، تمام مورچے جلا دئے، اور پوری تین لمپٹن کاٹ کر ڈال دیں۔ بقیہ السیف قید کر لئے گئے۔ تمام قیدی راستے ہی میں مر گئے تھے۔ صرف تیس آدمی نیم جان حالت میں ان کے لشکر گاہ تک پہنچ سکے۔ ان میں سے دو شخصوں کا حال ہم لکھنا چاہتے ہیں۔

(۳)

ایک قیدی، مصری تھا۔ اُس کا نام "شعبان عدوی" تھا۔ دوسرا سوڈانی تھا۔ اُس کا نام نجبت کوکو" تھا۔ ان دونوں میں ایسی محبت اور دوستی تھی کہ اس کی نظریں دنیا میں کم لمیں گی۔ دوستی اس طرح شروع ہوئی کہ ایک مرتبہ نجبت کوکو کو خرطوم میں تھا اور دریائے نیل میں نہا رہا تھا۔ اچانک دریائی موجوں نے اُسے کھینچ لیا اور غرق ہونے لگا۔ فوج کے بہت سے آدمی موقع پر موجود تھے مگر کسی کو مدد کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن شعبان عدوی فوراً کود پڑا، اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر ڈوبتے ہوئے سوڈانی کو بچا لیا۔ اس خدمت کے صلے میں نجبت کوکو نے قمر کھائی کہ عمر بھر اُس کا دست بچے گا۔ اور ہمیشہ اُس کے ساتھ زندگی بسر کرے گا۔ نجبت کوکو کا کوئی بڑا عزیز متھر میں موجود نہ تھا۔ وہ دراصل ایک غلام تھا اور حکومت نے اُسے آزاد کر دیا تھا۔ اُس کا غلام خط استوا ہی کے ایک علاقے میں موجود تھا۔ مگر وہاں دالیں جانا نہیں چاہتا تھا۔

اس واقعہ کے بعد کبھی کسی نے ان دونوں دوستوں کو جدا ہونے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ ساتھ ہی رہتے تھے۔ حتیٰ کہ رات کو بھی ساتھ ہی سوتے تھے۔ اتفاق سے وہ دونوں ساتھ ہی قید بھی

الہلال کے ابتدائی نمبر

الہلال سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر ۱۔ سے ۵ تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دو گنی قیمت پر خریدنے کے لئے تیار ہیں۔ دفتر کو اطلاع دیجایا (منجبر)

ہوئے، اور ایک ہی رسی میں باندھ کر گئے۔ وحشی فاتح جیٹھیں اپنے لشکر میں لے جاتے تھے، تو بخت کو کوٹنے اپنے دوست شہان علی سے کہا "میں ان قیدیوں کی زبان اور عادات سے بخوبی واقف ہوں۔ یہ لوگ قیدیوں کو سخت تکلیف دینے کے بعد زندہ جلا دیتے ہیں۔ اگر تم منگوا کر دو ان سے میں درخواست کروں کہ ہم دونوں کو ساتھ ہی جلا دیں۔ لیکن میں کو شیش کر دوں گا، کسی تدبیر سے انھیں دھوکہ دیدوں" مصری از حد مخالفت تھا۔ تقریباً بھونچا ہوا تھا اُس نے اپنے دوست کی تائید کی۔

(۴)

وحشی فاتحوں نے اپنے لشکر میں ہنجر جشن شروع کیا۔ تقریباً آغا ز اس ہو گیا کہ دو قیدی افسروں کو برہنہ کر کے ایک درخت کے تنہ سے باندھ دیا گیا اور نوجوانوں نے ان پر تیر اندازی شروع کی۔ ہر تیر پر ظالم قیدیوں کی فریاد بلند ہوتی تھی، اور وحشی فاتحوں کے پیر مسرت فخر سے ہوا میں گونج اٹھتے تھے۔ ایک قیدی تو فوراً مر گیا مگر دوسرا دن تک زندہ رہا۔ روز صبح سے شام تک اُس کے زندہ جسم پر تیر انگنی کی شق کی جاتی تھی!

اس تماشہ کے بعد جتنے قیدی خوف و دہشت سے مر نہیں سکے تھے، زندہ جلا دیے گئے۔ پھر ان دونوں دوستوں، یعنی شہان علی و عدوی اور بخت کو کوئی باری آئی۔ بخت نے قبیلے کے سردار کو اُس کی زبان میں کہا "ہم دونوں ترک نہیں ہیں جیسا کہ تم خیال کرتے ہو ہم ملک کر کوٹوں کے پہنچے دالے ہیں۔ ہمیں ترک پکڑے گئے تھے اور زبردستی تم سے لڑنے پر مجبور کیا۔ مگر ہم نے کوئی ہتیار نہیں چلایا اور قید ہو گئے تاکہ تمہارے ساتھ بلکہ ترکوں سے لڑیں۔ اگر تم ہمیں ارد گئے نہیں تو ہمارے قبیلے بھی تمہاری مدد پر آ جائیں گے" طبری بخت و دھڑک کے بعد سردار نے دونوں قیدیوں کو زندہ رکھنا منظور کر لیا۔ زیادہ تر اس خیال سے کہ ان سے بطور ترجمان کے کام لیا جائے گا۔

(۵)

اس کے بعد دونوں قیدی وحشیوں کے ساتھ رہنے اور ان کی وحشیانہ رسوم میں شریک ہونے لگے۔ اس پر ایک مدت گزر گئی۔ اب شہان علی و عدوی اُداس رہنے لگا، کیونکہ نجات سے ناامید ہو گیا تھا۔ بخت کو کوئی ایک دن کسی مزدورت سے جدا ہوا۔ شہان علی نے بخت غنیمت سمجھا۔ درخت میں سی باندھی اور اپنے گلے میں پھندا لٹکا کر لٹک گیا۔ درخت پر لمبلیں اور غوغائیاں مچیں۔ اچانک جلا اٹھیں۔ اتفاق سے بخت کو کو بھی اب پہنچ چکا تھا۔ چڑیوں کا شور سن کر نظر اٹھائی تو اپنے دوست کو لٹکتے دیکھا۔ حیرت انگیز ٹھہرتی سے وہ درخت پر چڑھ گیا، اور اپنے تیز خنجر سے چھانسی کی رسی کاٹ دی شہان علی، اپنے گراؤ بخت بھی ساتھ ہی پھانسا اور دوست کی لاش پر نوہ کرنے لگا!

بخت کو کو ابھی نوہ و دغاں کر رہی رہا تھا کہ شہان علی نے آنکھ کھول دی۔ وہ مرا نہیں تھا۔ سر پہ ہوش ہو گیا تھا بخت بہت خوش ہوا اور بتایا کہ "میں نے قبیلے کے سردار کو راضی کر لیا کہ ہم دونوں، وحشیوں کو بند قید چلانا سکھادیں۔ جب ہتیار ہمارے ہاتھ آ جائیں گے تو میں تمھیں لے کر ملک تم کی طرف بھاگ جاؤں گا۔ وہ یہاں سے صرف ۲۰ دن کے فاصلے پر ہے۔ تمھیں راستہ اچھی طرح

ملہ کر کو ریا تو فرہ، خطا استوار پر بحر غزال کے مالک کا ایک جزا ہو۔ یہ عجیب بات ہو کہ یہاں کے باشندے بہت مریض مفید ہوتے ہیں۔ ان کے بال بھوک اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ بالکل یورپین معلوم ہوتے ہیں۔

معلوم ہو

"میں تم میں نہیں جاؤں گا کیونکہ وہاں آدمیوں کا گوشت کھایا جاتا ہے" شہان نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

"دوست! یہ تم سے کس نے کہا؟" بخت کو کو نے کہا "یہ بالکل جھوٹ ہے۔ تم میں صرف دو قبیلے، آدمی کھاتے ہیں۔ اور وہ بھی ہر طرح کا آدمی نہیں۔ صرف بیمار آدمیوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ ان میں کسی ایک قبیلے میں جب کوئی بیمار ہو جاتا ہے اور اچھا نہیں ہوتا، تو اُسے دوسرے قبیلے میں بھیجتے ہیں تاکہ اُسے بھون کر کھالیں۔ کیونکہ وہ آدمی کو دفن کرنا یا جلا، انسانیت کے خلاف سمجھتے ہیں!"

(۶)

یہ سن کر شہان بھاگنے پر راضی ہو گیا۔ کچھ مدت بعد لوٹ کی بند اور کار توں آ گئے۔ ایک رات جبکہ وحشی ناچ گانے میں مصروف تھے، دونوں دوستوں نے بند قیدی اٹھائیں، کار توں کی پٹلیں کمر میں باندھیں اور اندھیرے میں بھاگ کھڑے ہوئے۔

رات بھر چلنے کے بعد وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں ہر طرف دلدلیں تھیں۔ پورا ایک دن انہی دلدلوں کے عبور کرنے میں لگ گیا۔ اب وہ بہت تھک گئے تھے اور ٹھوک سے بے حال ہو رہے تھے۔ جوں ہی ایک خشک زمین پر پہنچے انھوں نے چاہا کہ سستالیں، بخت کو کو چلایا "فورا درخت پر چڑھ جاؤ" شہان، بدحواس ہو گیا۔ مگر بخت ڈر کر اُس کے پاس آیا اور اُسے گد میں اٹھا کر درخت پر چڑھا دیا، اور خود بھی اوپر پہنچ گیا۔ فورا ہی انھوں نے دیکھا کہ ایک عظیم الشان کرگدن، تیر کی طرح دوڑتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ آتے ہی اُسے قریب کے ایک درخت پر چل گیا اور پورا درخت اکھاڑ کر ٹھنک دیا۔ دونوں دوستوں کے پاس بند قیدی موجود تھیں۔ انھوں نے فریادیں اُڑائی اور مگولیوں میں حیران کر دیا۔ اب وہ خوش خوش آ کر اُداس کا گوشت بھون بھون کر کھانے لگے۔

مسلل کی دن تک انھوں نے جنگلی کیلے اور ام کے جنگلوں میں سفر کیا۔ راستے میں بہت سے ڈیرے لے۔ دونوں دوست درخت کاٹ کر کشتی بناتے تھے۔ اور دیرا بنو کر جاتے تھے۔

کئی ہفتے کے سخت ہولناک سفر کے بعد ملک تم کی سرحد پر پہنچ گئے۔ رات انھوں نے ایک اونچے پٹری کی شاخوں پر گزری۔ وہ مشورہ کرتے رہے کہ یہاں کے بادشاہ کو کیا ہدیہ پیش کرنا چاہیو؟ کیونکہ بادشاہ اگر یہ انصاف پسند تھا مگر کسی اجنبی کو بلا سبب ملک میں داخل ہونے نہیں دیتا تھا۔ آخر انھوں نے طے کیا کہ اپنے ہتیار اُس کے سامنے پیش کریں گے۔

صبح وہ چلے جاتے تھے کہ ناگاہ انھیں زمین پر ایک آدمی کی لاش نظر آئی۔ پاس ہی ایک گھڑی بھی رکھی تھی۔ قریب کے درخت سے گد بندا تھا۔ انھوں نے خیال کیا، کوئی مسافر تھا۔ گد باندہ اور گھڑی سر کے نیچے رکھ کر آرام کے لئے لیٹا ہوگا، مگر کسی زندہ اُسے مار ڈالا۔ پھر انھوں نے گھڑی کھولی تو اُس میں شیشی اور کھلاتی تھی کپڑے لٹکے تھے۔ وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے "بادشاہ کے لئے یہ اچھا تحفہ ہو گا۔ گد باندہ بہت خوش ہوگا۔ کیونکہ اس ملک میں گد باندہ پید ہو گا۔"

اب انھوں نے چاہا یہ مال غنیمت لے کر آگے بڑھیں! مگر فورا ہی پاس کی بھاری سے ایک شیر برہیب اُداس سے چلاتا باہر بھٹکا مگر وہ ڈر سے نہیں۔ فورا بند قید چلائی اور شیر کو مار ڈالا۔

(۷)

شاہ تم نام کا پائے تخت سامنے تھا۔ بند قید کی آواز وحشی باشندوں

کے لئے بالکل نئی تھی۔ بہت سے آدمی گاؤں سے بکھل گئے اور آواز کی طرف دوڑے۔ خود بادشاہ، سب سے آگے تھا۔ بخت کو کو نے بادشاہ کو دیکھا تو شاہانہ آداب و کورنش بجالایا، اور اپنا اپنے دوست کا پورا قصہ کہ سنایا۔ پھر اُسے کہا،

"میرا یہ دوست، اپنے وقت کا تم ہو۔ خود اعلیٰ حضرت علامہ فرمایا ہے میں کہ اسنے کس آسانی سے شیر مار ڈالا، اور اس عجیب مخلوق (یعنی گدھے) کو اپنی سواری بننے پر مجبور کر دیا!" بادشاہ بہت متحیر ہوا۔ گدھے کی صورت دیکھ کر اُس کی تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔

پھر بخت کو کو نے بادشاہ سے کہا "گدھا اصل میں میرے اس دوست کے بھائی کی سواری ہو۔ وہ اس پر سوار ہو کر تمام دنیا میں سفر کرتا رہا۔ وہ اپنے اس گم شدہ بھائی کو تلاش کر رہا تھا جسے وحشی لوگوں نے قید کر لیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ اعلیٰ حضرت کے لئے یہ کپڑے بھی لایا تھا۔ مگر افسوس کہ زندہ لے اُسے سوتے میں مار ڈالا۔ اب میرا دوست اعلیٰ حضرت کی خدمت میں یہ کپڑے نیز یہ جہیز لے گیا جس سے اُسے چشم زدن میں شیر مار ڈالا، ہدیہ پیش کرنا چاہیو" بادشاہ از حد سرور ہوا اور ہدیے قبول کر لئے۔ پھر بخت کو کو نے بادشاہ کی اجازت سے شہان کو حکم دیا کہ گدھے پر سوار ہو کر بادشاہ کے دُور در اُسے دوڑائے۔ شہان گدھے پر سوار ہو گیا۔ مگر سرور اتفاق سے گدھا چلائے لگا۔ اُس کی عجیب آواز سن کر وحشی باشندے اور خود بادشاہ پر سخت دہشت طاری ہوئی۔ وہ بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوئے۔ بخت کو کو نے ڈر کر بادشاہ کو روکا، اور عرض کیا "یہ حیوان، سفر میں اُٹھنے کی دھڑ سے بدتر ہو گیا ہے! چند دن آرام کرنے کے بعد ٹھیک ہو جائے گا!" بادشاہ نے اپنے کاہن سے مشورہ کیا۔ کاہن نے کہا "یہ مخلوق، اصل میں انسان ہی ہے اور جادو کے زور سے جانور بنا دیا گیا ہے"

تب بادشاہ کی آنکھوں میں غصہ ظاہر ہوا۔ بخت کو کو بھگ گیا۔ اُسے بند قید اٹھائی، اور گولی مار کر گدھے کا خاتمہ کر دیا۔ اب بادشاہ کے ہوش حواس دُست ہوئے۔ اُس کا عضو دُور ہو گیا۔ دونوں مہازوں کو اپنے قصر شاہی میں آتا رہا، جو بھونکنا ایک بھونکنا تھا۔ پھر ان کے اعزاز میں پر تکلف دعوت کی۔ انہو دس سب سے زیادہ موٹے کتے فوج کرائے اور ان کے کباب مہازوں کو کھلائے!

شاہی مہمان عزت و احترام سے رہنے لگے۔ انھیں ہر طرف پھرنے کی اجازت تھی۔ انھوں نے دیکھا، یہاں مرد بالکل برہنہ رہتے ہیں۔ عورتیں، صرٹ سبز تپے باندھ کر ستر پوشی کرتی ہیں۔ جب تپے خشک ہو جاتے ہیں تو انھیں پھینک کر نئے تپے باندھ لیتی ہیں۔ تعدد از دوادج کی عادت عام ہو۔ خود بادشاہ کے محل میں ۴۰۰ بیویاں تھیں۔ باشندے بہت مطمئن زندگی بسر کرتے ہیں۔ غذا وافر ہو۔ ہر گھر میں شہد با فراط موجود ہو۔

(۸)

چند ماہ قیام کے بعد دونوں دوست بادشاہ کی اجازت پر قلم روانہ ہوئے۔ وہاں سے پھر پہنچے شہان علی نے اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کر لی اور اپنے دوست بخت کو کو سے اپنی بہن بیاہ دی۔

اس سامان خورد و نوش تھا۔ نہ ہی انکے قیام کے لئے کوئی مکان تھا جو کچھ ان کا اثاثہ البت تھا، وہ انگریزی سپاہیوں نے لوٹ لیا تھا۔ انھوں نے دہلی کی فتح کے بعد ہر ایک مکان کی تلاشی لی تھی اور جو کچھ وہاں ملا تھا، لوٹ لے گئے تھے۔ عورتوں کی بڑی تعداد نے اپنے آپکو ہمارے رحم پر چھوڑ دیا تھا۔ ہم نے انہیں ایک محبہ دانا گریہ پہنچا دیا تھا۔ ہمیں ان دنوں ایسی شریف زادیوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوتا تھا، جو بڑی مشکل سے اپنے بچوں کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے رستوں پر ڈھنگاتی پھرتی تھیں کیونکہ وہ اپنے لگ کر کیا دیواری سے باہر چلنے کی عادی نہ تھیں!

رہمیش دت ہندوستان کی تاریخ کے صفحہ ۲۲۲ پر لکھتا ہے:

”ہر ایک ہندو اور انگریز اور ہندوستانی اس بات کا خواہاں ہو کر بغاوت کے امنو ناک حوادث کو عوام کی قلبی کتابوں سے حذف کر دیا جائے تاکہ بچوں کے دماغ میں یہ زہر سرایت نہ کر سکے۔ جب سے انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط ہونا شروع کیا، ان کی راجوں اور نوابوں سے ہمیشہ لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ ماننا پڑتا ہے کہ ان لڑائیوں میں فریقین نے اس قدر ظلم کرنا نہیں کرتے تھے، جیسے کہ اندر کے دلوں میں ہوئے۔ باغیوں نے اس خیال سے بغاوت کا علم لینا کیا تھا کہ وہ اپنے مذہب اور توحید کی خاطر لڑ رہے تھے۔ لیکن انھوں نے بے گناہ عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے اپنی قوم اور مذہب کی سخت توہین کی۔ دوسری طرف سے انگریزی فوجوں نے بھی سیکڑوں میلوں کے محاذ میں بے شمار گائوں، جلا ڈالے اور بے شمار گناہوں کا خون بہایا۔ انھوں نے دہلی کے باشندوں کا قتل عام کیا۔ حالانکہ باغی سپاہ (جو دراصل قتل تھی) شہر چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ اسی طرح انگریزی کشتروں نے شمالی ہند میں ہزاروں بے گناہ آدمیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ انھوں نے اندر میں مطلقاً حصہ نہیں لیا تھا۔“

جن واقعات کا میں نے ذکر کیا ہے انھیں کسی خاص شخصیت کی بنا پر منتخب نہیں کیا گیا۔ بہت سے حوادث غدر ان سے بھی زیادہ مہولناک قسم کے میرے علم میں آئے ہیں جن کا ذکر میں نے نہیں کیا۔ بعض لوگ خیال کر سکتے تھے، اس امنو ناک معاملہ کی یاد تازہ نہ کرنی تھی۔ لیکن میں نے اس لئے یہ داستان غم از سر نو پیش کرنا کہ ایک معاملہ فیصلہ ہو جائے۔ ایک طرف انگریز ہیں جو اننگ مشر کے ہندوستانی مظالم فراوان کرنا نہیں چاہتے اور دوسری طرف ایسی تاریخیں لکھی جا رہی ہیں جن میں صرف تصویر کا ایک ہی رخ نمایاں کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف ہندوستانی ہیں، اور وہ بجا طور پر محسوس کرتے ہیں کہ جنگ انکے خیالات و احساسات کا بالکل شواہد نہیں ہوئی۔ ایک موقع نے بھی اس کی ضرورت نہ سمجھی کہ انھوں کا دوسرا رخ دیکھنے کی بھی کوشش کرے۔ میری رائے میں انصاف اور دیانت داری کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو دونوں فریق یہ معاملہ یک قلم جھلا دیں۔ یا پھر دونوں کو اپنا اپنا نقطہ خیال ظاہر کرنے کا موقعہ دیا جائے۔

لارڈ رابرٹ کے وہ خطوط جو غدر ۱۸۵۷ء میں انھوں نے لکھے تھے، اب سلاسل میں چھاپ کر شائع کیے گئے ہیں۔ اگر برطانیہ کو ہندوستان سے ذرا بھی ہمدردی ہوتی تو یہ کتاب اب ہرگز شائع نہیں کی جاتی ہندوستانیوں کے خلاف سخت زہر اکھا ہے۔ میں نے جان بوجھ کر نیل (۱۸۵۷ء) کی سفارحہ حرکات کا (جو کانپور کے حادثہ سے بھی ہشتناک تھی) ذکر نہیں کیا ہے۔ نہ ہی میں نے ہاؤس کے شیخہ افعال کو (جسے ہاؤس کے مقبرے کے قریب داخل شاہزادوں کو بلاوجہ قتل کیا تھا) اس کتاب میں درج کرنا مناسب سمجھا ہے۔ میں نے

غدر ۱۸۵۷ء

تصویر کا دوسرا رخ

میری پہلے گزے، المال میں ایک امریکن مصنف کی ہمدرد شیعہ کی کہ بعض حصوں کا ترجمہ شائع کیا گیا تھا جو غدر ۱۸۵۷ء کے حوادث پر تاریخی حیثیت سے لکھی گئی تھی۔ یہ ترجمہ چودھری محمد علی صاحب کیل ایبٹ آباد کے قلم سے نکلا تھا۔ اب انھوں نے کتاب کے بعض دیگر حصوں کا ترجمہ بھی بعض اشاعت بھیج دیا۔ آج ہم یہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ پہلی قسط درج ذیل ہے۔

سپاہیوں نے وہ حقیقت بغاوت کے سخت مذہبی ثابت دیا۔ لیکن یہ سب سبکری چلنی تھی۔ توہین ان کی دفا داری پر قطعاً امید نہیں کرنی چاہئے تھی۔ کیونکہ وہ ہمارے ہم وطن نہ تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ہماری طاقت معدوم ہو چکی ہو تو پھر استغناء غیروں سے بالنا آنا سیکھ کر جرم نہ تھا، جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ بااں ہمیں ہر جہت سے بہت تھوڑی فوجوں نے بغاوت میں حصہ لیا۔ جہاں کہیں کوئی فوج بغاوت کرتی تھی، وہ عموماً اپنے انگریز افراد کو قتل کر دیتی تھی۔ لیکن وکلس اسکے عوام الناس نے اکثر ہماری امداد کرنے میں کوئی دقیقہ فرما کر گذشتہ نہیں کیا۔ کئی دفعہ ہندوستانیوں نے انگریزوں کی جان بچا کر اپنے آپ کو سمیت میں ڈال دیا۔ لیکن ہم نے ان لوگوں کی قربانی اور انسانیت کا بدلہ دیا۔ کہ باغی سپاہیوں کے ہمراہ انھیں بھی بلا ترحم قتل کر کے ڈالا۔ لارڈ رابرٹ اپنے خطوط میں (جو مال ہی میں کتاب کی شکل میں شائع ہوئے ہیں) غدر کے واقعات کے متعلق یوں لکھتی ہیں:

”ہماری فوجوں نے باغیوں سے سخت انتقام لیا۔ جس کی وجہ سے وہ سخت بدمعاش ہو گئے۔ کیونکہ انھوں نے سخت بے رحمی سے بدلہ لیا تھا۔ لارڈ کیننگ کو بھی اس کی نرم مزاجی کی وجہ سے یہاں امن طعن کیا جاتا ہے۔ عوام الناس کی لئے جو کہ فوج اور پول کے افسروں نے غدر کو بھل دینے کے لئے جو کچھ انتظامات کئے تھے، وہ بالکل ناکام تھے اور اگر یہ افسر سختی سے کام نہ لیتے۔ تو بغاوت اتنی جلد فروغ ہوتی۔ رسل نے اپنی ڈائری میں یہ سوال یوں حل کیا ہے:

”یا تو یہ محض ایک فوجی بغاوت تھی، یا عام بغاوت تھی۔ چونکہ یہ بغاوت محض فوجوں تک محدود تھی، اس لئے دیہات اور شہر کے باشندوں کو محض اس بنا پر موت کی سزائیں دینا کہ انھوں نے سپاہیوں کی بغاوت فرو کرنے میں انگریزوں کا ساتھ دیا، کسی قدر تہذیب سے گرا ہوا فعل تھا۔ ہم لوگوں کے ہمدردانہ جذبات کو جرم نہیں قرار دے سکتے۔ ہمیں چاہئے تو یہ تھا کہ اپنے دشمنوں کو جنگ کے میدان میں تباہ کر دیں۔ لیکن تمام علاقے کو محض اس بنا پر سزا دینا کہ انھیں کچھ جرائم واقع ہوئے تھے، یا باغی سپاہیوں نے اسیں ڈیرا ڈالا تھا۔ ایک ایسا شیخہ فعل جو کہ کوئی سمجھدار آدمی اس سے نفرت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس بغاوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر دو قوموں کے درمیان ایسی سخت نفرت قائم ہو گئی جو کہ اس کے دور کرنے کے واسطے بہت عرصہ لگتا ہے۔ یا ہی اعتبار بالکل ناکام ہو گیا ہے۔ اور امیدیں کہ وہ پھر عود کرے“

ہو مگر ایک جگہ لکھتا ہے:

دہلی کے باشندوں نے باغیوں کے جرائم کا کفارہ دیا۔ شاہزادوں کو ہزار ہا مرد اور عورتیں شہر کے مصافحات میں آوارہ پھرے تھے۔ نہ انکے

جن دنوں یہ وحشیانہ مظالم ظہور پذیر ہوئے تھے، بعض نامور انگریزوں نے انکے خلاف صدارت احتجاج لینڈ کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ ہم آج تک اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ اس قلیل جماعت نے اکثریت کی وحشیانہ بیگناہی کے خلاف نفرت کا اظہار کیا تھا۔ لارڈ کیننگ کیسرے ہند نے ۲۱ جولائی ۱۸۵۷ء کو دہلیوں کا جلا وطنی فرما دیا اور نئے آدمیوں کو سزا دینے سے بھی حکم روک دیا۔ جن افسروں نے عوام الناس سے وحشیانہ سلوک کیا تھا، ان سے اختیارات چھین لئے گئے۔ ۲۰ اگست ۱۸۵۷ء کو گرانٹ ہوجاٹ سمیت میں بطور لفظ گورنر تعین کیا گیا۔ تاکہ وہ الہ آباد اور دیگر مقامات میں ان لوگوں کو پھانسی دے دیا جائے، جو بلا ترحم پھانسی دے چاہتے تھے۔ لارڈ کیننگ اور گرانٹ ایسے نرم دل واقع ہوئے تھے کہ سخت افسران کے احکام کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے۔ بااں ہم انگریزوں نے ۳۰ گئے تھے۔ لارڈ کیننگ اور گرانٹ کو تو وہ نرم دل کیننگ کہا کرتے تھے!

ماہ اگست میں جب انگریزی فوج کا ایک دستہ کسی گاؤں کو جھلا کر واپس آ رہا تھا، راہ میں دفا دار سپاہیوں کی ایک تعداد مل گئی۔ وہ بھی انکی سنگینوں کا شکار ہوئے۔ جنرل اڈرم اس واقعہ جانکاہ کو شفا کا قتل سے تعبیر کیا کرتا تھا۔ لندن ٹائمز نے بھی ایسے بزدلانہ جرائم کے خلاف بہت کچھ لکھا تھا۔

یہ امر مسلم ہے کہ بہت سے ہندوستانی سپاہی ہمارے مظالم سے گھبرا گئے اور اپنی پلٹیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بعد ازاں وہ بغاوت کرنے پر مجبور ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے جان توڑ کر ہمارا مقابلہ کیا جس سے ہمیں سخت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ انہیں یقین تھا کہ جو کوئی بھی انگریزوں کے ہاتھ لگے گا اس کی جان سلامت نہیں ہوگی۔

لفظی رابرٹ جو بعد میں نیلڈ مارشل کے عہدے پر ممتاز ہوا، اپنی ہمیشہ کو ایک خط میں لکھتا ہے:

”میری پیاری ہرٹم کو ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ جو سپاہی ہمارے خلاف بغاوت کر رہے ہیں، میں ان پر ترس لکھتا ہوں۔ میں ایسا سنگدل ہو گیا ہوں کہ مجھے ان کی بے کسی پر مطلق رحم نہیں آتا۔ جب کوئی قیدی گرفتار کر کے پیش کیا جاتا ہے، تو سب سے پہلے میں ہی جلا

ڈہلی کے محاصرے کے دوران میں ایک افسر لکھتا ہے:

”دشمن نے صلح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انگریز بغیر قتل کئے اور کسی شرط پر راضی نہیں ہونگے اور ان کا خیال بالکل درست ہے۔“

گورنر نیلڈ ایک خط میں امریکن فر کے رائے کی تاکید کرتا ہے۔ سر جارج کیمبل اپنی مصلحتی عمر میں اس بات پر بڑا زور دیتا ہے کہ

کارروائی تھی!

سرچارلس میکلیگر جو لاہور کا برٹش کا چیف آف شان تھا اپنی سوانح عمری کے صفحہ ۱۳۶ میں مندرجہ ذیل فقرات لکھتا ہے۔ ”جب تک مجھے افغان قیدیوں کے جرم کا یقین نہ ہو جائے تب تک میں انہیں بے فائدہ سزا نہیں دوں گا۔ دفرامورخا کی لئے جو کہ ایسی سزائیں دی جائیں جو عمر بھر تک اور جان ہول لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہر ایک مقدمہ میں پوری تفتیش کرنی چاہئے۔ میں بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس سے بڑے تباہ کن نتائج نکلتے ہیں۔“

یہی جنرل اپنے روزنامہ میں ۲۲ اکتوبر کا یہ واقعہ لکھتا ہے۔ ”میں نے آج ۵ اسیوں کی زندگی بچائی ہے۔ یعنی اگر ملن کے مقدمات میں پوری طرح غور و خوض نہ کرتا۔ تو اسے یقیناً پھانسی دی جاتی۔ ان لمزموں میں سے ایک کا نام آکر تھا۔ جو سوداگر تھا۔ اسے خلاف مقدمہ صریحاً بنا دی تھا۔ کیونکہ اس کے جانی دشمن نے اسے خلاف جھوٹی شہادت تھی۔“

۱۰ دسمبر جنرل اخبار یا سٹارل آڈو کا اس جنگ میں لڑنا تھا ایک جگہ کابل کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

”کابل شہر خوشاں بنا ہوا ہے۔ وہ بازار اور کوچے جہاں ہر وقت خونریزی اور فساد کا بازار گرم رہتا تھا اب قبرستان کی آند چٹ چپا ہے۔ شہر کے باشندوں نے پہلے پہل ہماری زخمی سے فائدہ اٹھایا تھا۔ لیکن جب سے ہم نے انتقام لینا شروع کیا ہے، انھیں ہماری وحشیانہ طاقت کا پوری طرح احساس ہو گیا ہے۔“ جب ہماری فوجوں کی نظامۂ حرکات کی اطلاع انگلستان پہنچی۔ تو عوام الناس نے بڑا شہر مچایا۔ افغانستان میں اب تک ہمارے وحشیانہ افعال کی یاد تازہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارا قیدی دشمن چلا آتا ہے۔

خریداران الہلال توجہ فرمائیں

جن جن حضرات سے ۱۹۶۶ء کی قیمت وصول ہوئی تھی، ان کا حساب الہلال نمبر (۲۳) پر ختم ہو جائے گا۔ یعنی آئندہ نمبر سے بعد کے نمبر پر۔ اگر وہ آئندہ بھی الہلال کا مطالعہ جاری رکھنا چاہتے ہیں، تو قدر نہایت شکریہ ادا ہوگا اگر دی۔ پی کی درخواست کی جگہ وہ بذریعہ سی آرڈر قیمت رد واد کریں۔ دی۔ پی کی رقم وصول ہونے میں بہت تاخیر ہوتی ہے، اور اس لئے پرچہ کے سلسلہ اجراء میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ایک ہفتہ کے اندر قیمت بذریعہ سی آرڈر بھیجیں تو جبر میں نمبر ۲۳ کے بعد سے ان کی جدید خریداری کا اندراج ہو جائے، اور پرچہ کی ترسیل بغیر کسی انقطاع کے جاری ہے۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ نئی شش ماہی جلدی الہلال کا نیا دور حیات شروع ہوگا، اور وہ اس بات سے بالکل مختلف ہوگا، جس حالت میں اس وقت تک چلتا رہا ہے۔ (دیگر)

کہیں موقع پر موجود ہوں۔ اور میں ان قیدیوں کے مقدمات کا بغیر کسی تاخیر کے فیصلہ کر سکتا ہوں۔ مجھے اس وقت کسی فوری کارروائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ ممکن ہو اس سے جوش زیادہ پھیل جائے۔ لیکن جب ڈپٹی کمشنر نے اسے اطلاع دی کہ اس نے بہت سے قیدی قتل کر دئے ہیں۔ تو کمشنر نے اس کا جواب یوں دیا۔ ”میرے پائے کو دن۔ جو کچھ آپ نے کیا ہے۔ بہت اچھا کیا ہے۔ میں نے آپ کا طرز عمل نہایت پسند کیا۔ میں بھی آپ کی تقلید کر دوں گا۔“ چنانچہ جب بقیہ قیدی اس کے پاس بھیجے گئے تو اس نے بھی انہیں موت دے دی۔ جب گورنمنٹ آف انڈیا کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے ایک بڑا لمبا چوڑا حکم لکھا۔ اور کو دن کے قتل کی سخت مذمت کی۔ اور اسے وحشیانہ حرکت سے منسوب کیا۔ بالآخر کو دن گرفتار کیا گیا۔ کمشنر کو بھی سخت ملامت کی گئی اور اسے ایک دوسرے صوبے میں اسی عہدے پر تبدیل کر دیا گیا۔ جب لاہور وارتھ روڈک والسر لے ہوئے تو فارستہ نے اس حکم کے خلاف اپیل کی ڈائریکٹر نے اسے کاشف ایک سیاسی وفد کا سرکردہ بنا کر بھیجا جہاں اسے سیاسی خدمات کے عوض سرکار خطاب دیا گیا۔

اس وقت تمام انگریز افسروں اور اخبار نویس کو دن اور فارستہ سے ہمدردی ظاہر کی تھی۔ میں نے اپنی تمام زندگی میں ایسا دشمنی واقعہ نہیں دیکھا ہے۔ میری لئے اس گورنمنٹ نے ان دوافسروں کو برائے نام سزا دی۔ حالانکہ وہ سنگین سزا کے مستحق تھے۔

میں نے یہ تمام واقعہ حوت بھرت کاٹن کی کتاب ”یادایام“ (Indian & Home memories) سے اخذ کیا ہے۔ کیونکہ میں اس سے بہتر اس واقعہ کی تفصیل نہیں لکھ سکتا تھا! فارستہ اپنی سوانح عمری میں سی واقعہ کی متعلق یوں لکھتا ہے۔ ”جو دن میں کمشنر تھا اس نے مجھ کو قتل کرنے کے کلی اختیار تھے لیکن کو دن کو اس قسم کا کوئی اختیار نہ تھا۔ میں نے اسے لکھ دیا سے لکھ دیا تھا کہ وہ ان باغیوں کے مقدمہ کی سماعت کرے لیکن جب تک میں اس کے پاس نہ پہنچ جاؤں، وہ کسی صورت میں ان قیدیوں کو سزا نہ دے۔ لیکن اس نے میرے اختیارات چھین کر قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور بغیر مجھے حکم کے قتل کر دیا۔ ناچار اس کے قتل کی ذمہ داری مجھے اپنے سر لینی پڑی۔ اور اس کو متفق الرائے ہونا پڑا۔ کیونکہ میں اسے غلطی کے نتائج سے بچانا چاہتا تھا جب اسے ملازمت سے برطرف کیا گیا۔ تو میں نے اس کی ہر طرح سے امداد کی اور اسکے واسطے ہندوستان میں ہی ایک نہایت عمدہ ملازمت مہیا کر دی۔“

جنگ افغانستان

(۲) دوسرا واقعہ افغانستان کی دوسری جنگ سے متعلق رکھتا ہے میں اس وقت اس جنگ کے واقعات دہرائے نہیں جاتا۔ کیونکہ بڑی لمبی چوڑی داستان ہے۔ جب افغانستان اور برطانیہ کی آپس میں صلح ہو گئی۔ تو کوئیکوئی کو برطانیہ کی طرف سے بطور سفیر کابل میں تین کیا گیا۔ چند دنوں کے بعد کوئیکوئی مع اسطاف کے خود چٹانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ جنرل رابرٹ نے کابل پر چڑھائی کی۔ اور بڑی بہادری دکھا کر اکتوبر ۱۸۷۷ء میں فتح کر لیا۔ بعد ازاں استقلالہ کاردار بنا شروع ہو گئے۔ کیونکہ چٹانوں نے ہمارے سفیر کو قتل کر کے ہمارے جھنڈے کی بڑی توہین کی تھی۔ کائن اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۲ میں لکھتا ہے کہ مارشل لا (جنگی قانون) فوراً نافذ کیا گیا۔ لوگوں کو گروہ درگروہ پھانسی دی جاتی تھی۔ امیر یعقوب خاں کو جلاوطن کر کے ہندوستان بھیجا گیا۔ گروہ فوارخ کے علاقے سامان خور وٹو کی خاطر تباہ کئے جاتے تھے۔ دیہاتوں کا جلاوطن ایک روزمرہ کی

کئی چھتید گواہوں کے بیانات بھی حذف کر دئے ہیں جن کا بیان کہ سیکرٹوں دیات جلا دئے گئے اور ان میں بڑے ہمدرد اور پردہ نشین عورتیں بھی جھلک رہی ہیں۔

غدر کے تاثرات جنوی ہند اور بنگال تک نہیں پھیلے لیکن بہا سے لے کر شمال مغربی سرحد تک غدر کی یاد اب تک تازہ ہے۔ اس علاقہ کے ہندوستانیوں اور انگریزوں دونوں نے ابھی تک فراموش نہیں کیا ہے۔ اس لئے اس کی یاد ان دونوں قوموں کے باہمی تعلقات میں رخنہ اندازی کرتی رہتی ہے۔ جب کبھی کہیں ذرا سنا دیا ہوتا ہے ہندوستان کے انگریز باشندے چلا اٹھتے ہیں مارشل لا کی انصاف نافذ کیا جائے، کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جانوں کا خطرہ رہتا ہے اگر غدر کے افسانے انگریزی تواریخ میں ایسے خوفناک طریقہ سے درج نہ کئے جاتے تو انگریزوں کے دلوں میں اس قسم کا جہان پرگز پیدا نہ ہوتا۔ جب کبھی انگریز یہ جھوٹے قصے پڑھتے ہیں۔ تو ان کے دلوں میں ہندوستانیوں کے خلاف ایک عالمگیر نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خواہ مخواہ کوئی بہانہ پیدا کر کے انتقام لینے پر تل جاتے ہیں میں ذیل میں تین ایسے واقعات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس سے غدر کے بعد خیالات کا اندازہ لگ سکتا ہے:

تین واقعات

کوئیکوئی کی بغاوت

(۱) ”۱۳ جنوری ۱۸۷۷ء کو تقریباً ایک سو انتہا پسند رکھوں نے (دھیس پنجابی زبان میں کوئیکو بھی کہتے ہیں) مارکر کوئلہ کے شہر دھادا لارویا۔ فریقین کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ اور دونوں طرف سے بہت سے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ سکھوں کی طرف سے ۸ آدمی (جن میں ۲۲ مجروح بھی تھے) بھاگ کر ریاست پٹیالہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ لیکن دوسرے ہی دن انھوں نے انگریزوں کے سامنے ہتیار ڈال دیے اور انھیں شیر پور کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ کو دن نے جلد ہیہاں کا ڈپٹی کمشنر تھا، ان قیدیوں کو کوئلہ میں بلوایا (جہاں وہ خود ۱۹ تاریخ کو پہنچا تھا) اس نے اپنے کشتروں کو اسی وقت اطلاع بھیجی کہ اب اسن داماں ہو گیا ہے اور کل صبح قیدیوں کو توپ کے ذریعے اڑا دیا جائے گا۔ ۱۳ جنوری کو کمشنر نے کو دن کو حکم دیا کہ قیدی فی الحال شیر پور کے قلعہ ہی میں رکھے جائیں، لیکن کو دن نے تعمیل حکم سے گریز کیا اور اسی روز بغیر کسی تحقیقات کے ۲۳ قیدی توپ سے اڑا دیے گئے۔ شام کے، بچے کشتروں کا ایک اور حکم ملا۔ اس وقت ۶ قیدی توپ کے سامنے بند ہوئے تھے۔ کمشنر نے لکھا تھا کہ تمام قیدی بلاتواہ اس کے پاس بھیج دیے جائیں تاکہ ان کے مقدمہ کی سماعت کرے۔ لیکن کو دن نے اس حکم کی بھی مطلق برداندگی۔ او اس کردہ کو بھی توپ سے اڑا دیا۔ جب گورنمنٹ نے اس کی نافرمانی کے متعلق باز پرس کی۔ تو اس نے جواب دیا ”جب مجھ کو کشتروں کا حکم ملا تھا تو میں نے سوچا، اگر اس وقت ان ۶ آدمیوں کو (جو توپوں کو بندھے ہوئے ہیں) قتل نہ کیا گیا تو حاضرین پر بڑا اثر پڑے گا۔ اور اس تاخیر سے ہماری کمروری ثابت ہوگی۔ اس لئے میں نے انہیں قتل کر دیا“ ایک قیدی اپنے محافلوں سے بھاگ نکلا تھا اس نے آتے ہی کو دن پر حملہ کر کے اس کی دائی پٹائی۔ لیکن ہندوستانی افسروں نے اسے تلواروں سے ڈھیر کر دیا۔ فارستہ (کمشنر) نے کو دن کو کئی دفعہ حکم دیا تھا کہ قانون کے مطابق کارروائی کرنی چاہئے مگر اس نے نافرمانی کی۔ علاوہ انہیں کمشنر نے گورنمنٹ کو تار بھی دیا تھا

عام مطبوعات و صحائف

کیا چاند تک پہنچا ممکن ہے؟

امریکہ سی یورپ تک دو گھنٹے میں

امریکہ اور یورپ میں اب تک شہرِ فضائی سیاح نشہ بزرگ کا درجہ پہنچا ہوا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جو نیو یارک سے پیرس تک بغیر کپس رکنے کے اڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

لیکن اب یورپ اور امریکہ کے ہوائی سفر کے ماہرین، اس کامیابی پر متحجب نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے، بہت جلد یہ بات ممکن ہو جائیگی کہ امریکہ سے یورپ تک کی مسافت صرف دو گھنٹے میں طے کر لی جائے! اس وقت جرمنی میں تین شخص ایسے موجود ہیں جو چاند تک پہنچنے کے لئے علمی جدوجہد شروع کر چکے ہیں۔ یہ سب کے سب علوم کے بھی ماہر ہیں اور ان تمام برعریط طریقے سے غور کر چکے ہیں جن کے ذریعہ ہوائی جہاز کا چاند تک پہنچ جانا ممکن ہے۔

حال میں پروفیسر گس دلیر نے (جو ان تین میں سے ایک ہے) ایک بیان بعض علمی رسائل میں شائع کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”انسان اب اپنی ایجادات کے ذریعہ مسافت کی دوری پر غالب آ گیا ہے۔ خلاؤ سوسیل کی مسافت پہلے مہینوں میں طے کی جاتی تھی، اب اس کے لئے اب اسے ایک دن کی مسافت کر دیا۔ دین نے اب اسے ایک گھنٹہ کا سفر بنادیا۔ اور اب ہوائی جہاز کے لئے یہ صرف چند منٹوں کی بات ہے۔ پھر اگر توپ کے گولہ کی رفتار نظر دالی جائے، تو وہ سوسیل کی مسافت ۳ منٹ میں طے کر لیتا ہے“

”بلاشبہ موجودہ ہوائی جہاز توپ کے گولہ کی سی رفتار نہیں پیدا کر سکے ہیں۔ کیونکہ جہاز جو جوں جوں فضا میں بلند ہوتا جاتا ہے، ہوا طیف ہوتی جاتی ہے، اور جہاز کی قوت میں کمی آتی جاتی ہے۔ لیکن اس سے ہماری کوششوں میں فرق نہیں آسکتا۔ یہیل ہی سہی برابر جاری رکھنی چاہیے۔ ہم ضرور کوئی ایسا طریقہ پیدا کر لیں گے کہ توپ کے گولہ کی طرح ہوائی جہاز بھی فضا میں تیز رفتاری سے اڑ سکے۔“

”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ہوائی جہازوں میں ایسے بزرگ (موتور) لگائے جائیں جو لمبائی پر جاکے ہمیں کثافت پیدا کر سکیں تو یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ لیکن میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے۔ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ ۵۰ میل تک جہاز پہنچ سکے گا۔ اس کے بعد حرکت بے کار ہو جائے گا“

”یہ شکل صرف اس طرح حل کی جاسکتی ہے کہ محرک، خود جہاز میں نہیں بلکہ اس کے باہر ہو۔ یعنی ایسے آلات ایجاد کئے جائیں جو جہاز کو لمبائی پر اس طرح پہنچائیں، جس طرح توپ اپنا گولہ اڑاتی ہے۔ اس صورت میں ہوائی جہاز کی رفتار کوئی اثر نہیں پڑے گا“

ایک اور پروفیسر برٹول کا خیال ہے۔

”اگر ہوائی جہاز، ۵۰ میل کی لمبائی پر پہنچ سکے۔ اور اس کا محرک، ۵۰ میل دزن کا ہو، اور خود جہاز کا وزن کم و بیش ۵۰ ٹن سے زیادہ نہ ہو، تو وہ برلن سے نیو یارک تک ۵۰ منٹ میں طے کر سکتا ہے۔ لیکن اگر جہاز پروفیسر کے نظریہ کے مطابق یہ جہاز، توپ کے گولے کی طرح، درجہ ۵۰ کے ذریعہ جہاز میں پہنچایا جائے، تو وہ اس کے

مکتوب حجاز

(السلام کے مقالہ نگار مہتمم حجاز کے قلم سے)

لجنہ تفتیش مدینہ منورہ میں

قارئین السلام! لجنہ تفتیش کے نام اور مقاصد سے واقف ہو چکے ہیں کہ مغلہ اور جہ کے انتظامات و اصلاحات سے فارغ ہو کر اب یہ مجلس گزشتہ ہفتہ مدینہ منورہ گئی ہے۔ شیخ حافظ دہبہ اس کے صدر ہیں جس نے مدینہ منورہ میں پہنچتے ہی علماء و فضلاء اور شہر کے سربراہ اور وہ آدمیوں کو جمع کیا اور صدر مجلس نے ان کے رد و جذبہ میں تقریر کی:

”میں تمہیں حلالہ الملک کا سلام پہنچاتا ہوں۔ سلطان تمہارے لئے اور تمہارے پاک شہر کے لئے اپنے دل میں بہترین آرزوئیں رکھتے ہیں۔ سلطان نے ہمیں یہاں اس لئے بھیجا ہے کہ رعایا کے حالات اور جو کے معاملات کی تفتیش کریں۔ جتنی اچھائیاں ہیں نظر آئیں گی، برقرار رکھیں گے۔ جتنی بُرائیاں دکھائی دیں گی، دُور کر دیں گے۔ تم جانے ہو آدھی اپنی انفرادی حالت میں مکر رہو، لیکن جماعت کے ساتھ طاقتور ہو۔ پس ہم چاہتے ہیں تم اس مجلس میں شریک ہو۔ اس کی مدد کرو۔ اس کے سامنے اپنی شکایتیں پیش کرو۔ اپنے مشوروں سے اس کی رہنمائی کرو۔ ہم ہر معقول بات سننے اور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم ہر ظالم کو گرا دینے پر تیار ہیں۔ تم ہرگز کسی کا خوف اپنے دل میں نہ رکھو۔ بڑے سے بڑے حاکم نے بھی اگر زیادتی کی ہے، تو صاف صاف کہہ دو۔ ہم فوراً اس کے تدارک کریں گے۔ ہماری غرض اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس مقدس شہر کو ترقی اور اس کے باشندوں کو خوش حالی حاصل ہو۔ اس پیغام کے بعد سلطان کی ذمہ داری دُور ہو گئی ہے۔ اگر تم اب بھی خاموش رہو گے اور اپنی منشا میں پیش نہیں کر دو گے تو اس کی ذمہ داری سراسر تمہارے ہی سر ہوگی۔ پھر حکومت کو مات نہ کرنا، خود اپنی بُرلی اور غفلت پر - صاف کرنا“

اس کے بعد مجلس نے حکومت کے تمام شعبوں اور دُوروں کی جانچ کی۔ پھر اپنی تحقیقات قلم بند کر کے خفیہ طور پر سلطان کو بھیج دی۔ سلطان نے فوراً مدینہ منورہ کے حاکم اور سپہ سالار کو طلب فرمایا اور ان سے معزول کر کے اپنے قسریے بیٹے شاہزادہ محمد کو حاکم اعلیٰ، شیخ عبدالغفر ابراہیم کو نائب، اور شیخ یاسین رضان کو مساعدا مقرر کر دیا۔ نئے حاکم نے آئے ہی باشندوں کو جمع کیا اور سلطان کا حسب ذیل فرمان سنایا:

”اے اہل مدینہ! تم اور تمہارے حاکم باہم نیکی اور تقویٰ میں مددگار بن جائیں۔ ہواؤ ہوں اور اگر انہوں سے پرہیز کریں۔ باہم اتحاد رکھیں شقاق سے بچیں۔ قبل قتل چھوڑ دیں۔ خدا ہادی اور بھاری دستا گیری کرے، اور سب کو نیکی کی توفیق بخشے۔“

پھر سلطان کا وصیت نامہ پڑھا گیا جو انہوں نے حاکم مدینہ کے نائب

کے لئے لکھا ہے۔ وہ حسبِ ذیل ہے:

”امین! ان تمام کلمے میں پوری کوشش کرنا۔ تمام لوگوں کو نیکیاں بڑھاؤ کرنا، کیونکہ سب آدمی برابر ہیں۔ نہ عربی کو بھی پر کوئی فضیلت ہے، نہ بھی کو عربی پر کوئی امتیاز۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم طی کا پتلا تھا۔ ہاں، اگر کوئی امتیاز ہے تو وہ صرف تقویٰ کا امتیاز ہے۔ یہ مطالبہ یہ ہے کہ تمام رعایا تجھ سے خوش رہے۔ شہری باشندے بھی خوش رہیں، بددی باشندے بھی خوش رہیں۔ کوئی معاملہ بھی اپنی لئے سے انجام نہ دینا۔ ہمیشہ شرعی حاکم سے مشورہ کرو۔ کیونکہ اس میں اصلاح کی اطاعت زیادہ ہے اور مخلوق کی رضامندی بھی اسی ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ اپنے باپے میں لوگوں کا خیال بدل دو۔ تمہیں سب سخت گیر کہتے ہیں۔ نرم دل بن جاؤ میری سب سے بڑی وصیت یہ ہے کہ شعائرِ دین قائم کرو، اور امر الہی جاری کرو اور المعروف اور نہی عن المنکر قائم ہو جاؤ۔ شریعت کے نفاذ میں دستہ لازم کی بُرا نہ کرو۔ اپنے ماتحت عہدہ داروں کی نیکی میں مدد کرو۔ اگر ان کی کوئی قابل اعتراض بات نظر آئے تو عوام و خواص میں ان کی مذمت شروع نہ کرو، بلکہ انہیں اپنے پاس بلا کر نصیحت کرو۔ اگر اس پر بھی ان کی اصلاح نہ ہو تو مجھے یا میرے نائب عام کو اطلاع دو۔ عہدہ داروں کو اپنا جاسوس نہ بنانا۔ سب کو دُور سے اپنا دوست بنائے رکھو“

سلطان کا سفر نجد

سلطان اپنے نجدی پائے تخت ریاض کو روانہ ہو گئے ہیں۔ سفر سے پہلے حرم میں نماز پڑھی اور طوائف اوداع کیا۔ یہ سفر نجد میں بعض انتظامات کی تکمیل کے لئے ہے۔

عسیر کے لئے طبی وفد

عسیر کا علاقہ جس وقت سے سلطان ابن سعود کے زیرِ حکومت آیا ہے، سلطان اصلاح و ترقی کی کوششوں میں سرگرم ہیں۔ اس علاقہ میں اس وقت تک نہ کوئی باقاعدہ علاج تھا۔ نہ شفاخانہ۔ اب سلطان کے حکم سے ایک طبی وفد بھیجا جا رہا ہے تاکہ وہاں ایک شفاخانہ قائم کرے ڈاکٹر خیری بے اس وفد کے دیں ہیں جو کہ مغلہ کے محکمہ حفاظتِ صحت کے مہتمم تھے۔

عدل و امان

ابن ہنتہ ایک واقعہ ایسا پیش آیا جو اگرچہ حجاز میں اب کوئی غارت نہیں لکھتا۔ لیکن بیرونی دنیا کے لئے وہ ضرور قابلِ ذکر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مغلہ کا ایک صراف جہدہ سے آ رہا تھا۔ گھر پہنچا اسے دیکھا کہ مہترہ ہزار روپیہ کی خلیاں اسباب سے غائب ہیں! وہ سخت پریشان ہوا دوستوں نے مشورہ دیا کہ پولیس کو خبر کرے۔ مگر اسے ہنسا کر دیا۔ کہ ذکر اسے معلوم نہیں تھا، یہ دم کھان مٹا لے گا؟ اچانک اس کے بڑے

دور انداز و تدبیر کی گائی پھر لوہوں کے پیاہی ہزار کی خلیاں کو داہل چکے۔ انہوں نے کہا یہ تمہارا پیار ہے جو ہر مقام پر لایا جاوے!

اپنا نظریہ پیش کیا۔ جاپانی ڈاکٹر نے اس کی تائید کی اور بتلایا کہ اگر اچھ سنگھ میں ٹائیکو کے سب زلزلے سے ڈھائی گھنٹے پہلے زمین کی سطح ٹیٹو اور سونا کا ٹائیکو دو مقاموں میں بلند اور خمیدہ ہو گئی تھی۔ بلندی ایک میٹر سے بھی زیادہ دیکھی گئی تھی۔

نیز ڈاکٹر نے بیان کیا کہ اسے ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۷ء تک کے ہولناک جاپانی زلزلوں کی تفصیلاً جمع کر لی ہیں۔ ان سے ثابت ہوا ہے کہ ہر زلزلے سے پہلے زمین کی سطح بلند اور خمیدہ ہو گئی تھی۔ بلندی ایک میٹر سے دو میٹر تک نمایاں تھی۔ بعض حالتوں میں یہ حالت زلزلے سے ۵ گھنٹے پیشتر پیدا ہو گئی تھی۔ بعض حالتوں میں ایک دو گھنٹے پیشتر۔

ایک دوسرے جاپانی پرفیسر یچیونے ایک آلہ ایجاد کر لیا ہے اس کا نام "کلیڈرو گراف" ہے۔ یہ دیا آلہ ہے جس کا ذکر "نیچر" کے مقالہ نگار نے کیا ہے۔ اس آلہ سے سطح زمین کی ہر بلندی اور کجی معلوم ہو جاتی ہے۔

صناعی آفتاب

یہ رسالہ ناقل ہے کہ امریکہ میں ایک ایسا کربائی فائوسل بنایا گیا ہے جس میں ۱۳۸۵۰۰۰۰۰ بیٹوں کی قوت موجود ہے۔ اس کی حرارت دس ہزار درجہ تک کی ہے اور اس کی روشنی، فضا و آسمانی میں ایک ہزار میل تک پہنچتی ہے۔ یہ اندھیری رات کو ٹھیک اسی طرح روشن کر دیتا ہے جیسے دن کے وقت سورج کی دھوپ روشنی پھیلاتی ہے!

یہ عظیم الشان فائوس، شہر چارلس ویل میں نصب کیا گیا ہے۔ اس کے ایجاد سے مقصد ہے کہ فزک کے خواص پورے طور پر تحقیق کئے جائیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ زندگی اور آفتاب کے درمیان کیا علاقہ ہے؟ نیز بار بار ہفتی شاعروں اور کربائی اجزاء کی ترکیب کی بھی جانچ کی جائے۔

ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ اس لمپ کی حرارت، دس ہزار درجہ ہے۔ یہ حرارت کا وہ درجہ ہے جسے علمی اصطلاح میں "سفید حرارت" کہتے ہیں۔ یہ اتنی سخت حرارت ہوتی ہے کہ دہات کو پگھلا کر سفید رنگ کی آگ بنا دیتی ہے۔ چونکہ اس فائوس کی حرارت اس درجہ سے بھی زیادہ کام دے سکتی ہے اس لئے اس کا نام "نیلگوں حرارت" رکھا گیا ہے۔ اس سے زیادہ تیز حرارت کا آج تک تصور نہیں کیا جا سکا۔

حجاز کی علمی سرگرمی

مدت سے سلطان کا ارادہ تھا کہ نجد و حجاز کے فوجیوں کو علم و فن کی تحصیل کے لئے یورپ بھیجیں لیکن حالات نے ایسی ذمیت نہیں اٹھائی تھی کہ اس مقصد کے کام شروع کئے جاسکیں۔ اب سلطان نے نجد کے سفر سے پہلے ارکان حکومت سے اس بارے میں مشورہ کیا، اور بالاتفاق طے پایا کہ ایک کافی تعداد طلبہ کی اس غرض سے منتخب کرنی چاہئے۔ چنانچہ کمٹیک، مدیہ متورہ، اور جدہ سے ایک جماعت بالفعل شاہجی جاری ہوئی، تاکہ کچھ عرصہ وہاں تعلیم حاصل کر کے اس قابل ہو جائے کہ یورپ کی مشہور درس گاہوں میں داخل ہو سکے۔ امید ہے، اب سلسلہ برابر جاری رہے گا۔

میں جان پارٹو نامی ایک عالم نے ایک ایسی کربائی آنکھ ایجاد کر لی ہے جو تاریکی میں بھی بخوبی ہر چیز دیکھ سکتی ہے۔ یہ صناعی آنکھ اس درجہ حدید البصر ہے کہ تاریک شاعین، یعنی وہ شاعین جو سرخ رنگ کے نیچے ہیں۔ اسے سائز کر دیتی ہے۔ اس آنکھ کے فعل کا نام *Noctovision* (یعنی رات میں دیکھنا) تجویز کیا گیا ہے۔ تاہم الامال شاید واقف ہونے کے یہ موجد بھی نوجوان ہے جو کچھلے دنوں ایک نہایت مفید ایجاد کے سلسلہ میں شہو ہو چکا ہے۔ اس نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا جس سے دور کی چیزیں بھی دیکھی جاسکتی ہیں، جس طرح قریب کی چیزیں انسان دیکھ لیتا ہے لیکن یہ جدید ایجاد پہلی ایجاد سے زیادہ جرت آنکھ اور مفید ہے۔ یہ آلہ اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس میں سرخ رنگ کے نیچے کی شاعین جمع ہو جاتی ہیں، اور اسی طرح خارج ہوتی ہیں جس طرح چور لیٹے روشنی بکھلتی ہے۔ پھر سرخ شاعین اتنی زیادہ مقدار میں تاریک جسم پر سٹ آتی ہیں کہ کربائی آنکھ فوراً سائز ہو جاتی ہے، اور ایک خاص لوح پر صورتیں اسی طرح منعکس کرنے لگتی ہیں جس طرح سینما کے پردے پر صورتیں ظاہر ہوتی ہیں!

برطانی حکومت نے سرکاری طور پر اس ایجاد کا امتحان کیا تھا۔ ایجاد کا محاسب ثابت ہوئی۔ اور حکومت نے موجد سے اس کے حقوق ہما حاصل کرنے۔

زلزلے سے پہلے اس کا اعلان

تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ مندر کے مذکور کی طرح زلزلے میں مہجڑ ہوتا ہے۔ حالت مذ میں زلزلہ بجزت واقع ہوتے ہیں۔ حالت جز میں تقریباً مفقود ہوتے ہیں۔ ان دونوں حالتوں کی علامت علامت علامت ۷ سال، ۱۱ سال، ۱۱ سال قرار دی ہے۔

بعض ملکوں میں زلزلے زیادہ آیا کرتے ہیں۔ پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ زلزلے اور آتش فشاں پہاڑوں میں ابھڑ کر قوی علاقہ ہوں جن ملکوں میں یہ پہاڑ زیادہ تعداد میں موجود ہیں وہاں زلزلے بھی زیادہ آتے ہیں اگر آب آتش فشاں اور زلزلے کا باہمی علاقہ علمی طور پر ثابت نہیں ہوا ہے۔ اس لئے علماء یہ علاقہ تسلیم نہیں کرتے۔

حال میں علماء طبقات الاض کی ایک جماعت نے اعلان کیا ہے کہ وہ عقرب ایک ایسا طریقہ ایجاد کر سکیں گے جس سے زلزلے کا علم اسکے وقوع سے بہت پہلے ہو جایا کرے گا۔ اگر اس کوشش میں کامیابی ہو گئی، تو ایسے ملکوں کے لئے جیسا کہ جاپان ہے، یہ ایک عظیم انجمن ہوگا۔

چنانچہ انگریزی کے شہو علمی رسالہ "نیچر" میں ایک مقالہ لکھا گیا ہے:

"بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زلزلے سے پہلے زمین کی سطح میں کجی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ کجی بتدریج زیادہ ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ زلزلے پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ کجی، آنکھ سے بھی مشاہدہ کی جاسکتی ہے کیونکہ زمین کی ہموار سطح، نمایاں طور پر خم ہو جایا کرتی ہے۔ اگر یہ نظریہ صحیح ثابت ہو جائے، تو بآسانی ایک ایسا آلہ ایجاد کیا جاسکتا ہے جو زمین کی خفیف سے خفیف کجی بھی محسوس کرے اور ایک گھنٹی کے ذریعہ خطہ کا اعلان ہو جائے!"

گزشتہ ماہ شہر برگ میں علم مساحت ارض کے ماہرین کی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس میں جاپان کا ایک شہو اہر طبقات الاض ڈاکٹر اٹورا بھی شریک تھا۔ "نیچر" کے مقالہ نگار نے اس سے ملاقات کی اور

بعد وہ تین ہزار میٹر کی بلندی پر پہنچ جائیگا۔ اس کی تیزی ہر سکندس ۲۰۰ میٹر ہو جائے گی۔ ۳۵ سکندس کے بعد وہ ۲۰ میٹر بلندی پر ہوگا اور اس کی تیزی ہر سکندس ۸۰۰ میٹر زیادہ ہوتی جائے گی پھر ۴ سکندس کے بعد ۵۰ ہزار میٹر کی افقی بلندی پر پہنچ جائے گا۔ اور اس کی افقی سرعت، ہر سکندس میں دو ہزار میٹر ہو جائے گی۔ اسی صورت میں وہ ۱۰۰ ہزار میٹر سے نیو یارک صرت ۱۰ گھنٹے میں پہنچ جائے گا!"

ایک دوسرے جرمن پروفیسر ادہٹ کا خیال ہے۔

"دس ہزار برس کی مدت میں ایسے ہوائی جہاز بنائیں گے جو ہر سکندس میں ۱۲۸۰۰ میٹر مسافت طے کر سکیں گے۔ اس وقت یہ ممکن ہوگا کہ انسان چاند اور دوسرے کوکب تک پہنچ سکے"

لیکن بہت سے علماء یہ نظریہ تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے دعوے کے اعتراض میں جن کو اب تک کوئی شانی جواب نہیں ملا ہے۔ ایک یہ کہ جو جہاز اس قوت سے توپ کے گولے کی طرح فضا میں پھینکا جائے گا، وہ ایک معین حد پر پہنچ کر ضرور متزلزل ہو جائے گا۔ یعنی قبل جائے گا دوسرے یہ کہ اگر کوئی تدبیر ایسی کوئی لی جائے کہ جہاز متزلزل نہ ہو، جب بھی اس کے اترنے کی صورت کیا ہوگی؟ یقیناً وہ اسی تیزی سے نیچے گرے گا، جس تیزی سے اوپر پھینکا گیا ہے!

جرمن ہوا بازیہ اقراض تسلیم کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی امید کرتے ہیں کہ ہم جلد ان مشکلات پر غاب آجائیں گے۔

صناعی آنکھ جو تاریکی میں دیکھتی ہے!

Noctovision

جب آفتاب کا نور کسی مشویشیہ میں سے ہو کر گزرتا ہے، تو رنگ کا ظاہر ہوتا ہے۔ سب رنگ علیحدہ علیحدہ اور نیچے صفوں کی صورت میں ہوتے ہیں۔ سرخ رنگ سب سے نیچے ہوتا ہے۔ اس کے اوپر نارنجی، پھر زرد، پھر ہریلا، پھر نیلا، پھر بنفشی، یعنی بنفشی سب سے اوپر ہوتا ہے۔ سرخ سب سے نیچے۔ تو سرخ میں بھی یہی ساتوں رنگ دکھائی دیتے ہیں۔

لیکن تحقیقات سے ثابت ہوا کہ آفتاب کا نور، صرت ان ساتوں رنگوں میں تحلیل نہیں ہوتا، بلکہ ادھی بہت سے رنگ اختیار کرتا ہے۔ مگر وہ رنگ غیر مسلح آنکھ سے دکھائی نہیں دیتے۔ ان غیر مسلح رنگوں میں بعض رنگ سرخ رنگ کے نیچے ہوتے ہیں اور بعض بنفشی کے اوپر۔ سرخ شاعروں کے نیچے جو سنائیں ہیں، وہ گرم ہوتی ہیں۔ اگرچہ آنکھ سے دکھائی نہیں دیتے لیکن جلد پر محسوس ہوتی ہیں۔ یہ شاعین تاریک شاعین میں کھلائی ہیں۔ آفتاب کی جو قوت ہم تک پہنچتی ہے، اسکے اجزاء میں غالب حصہ انہی تاریک شاعروں کا ہوتا ہے۔

بنفشی شاعروں کے اوپر جو شاعین ہیں، ان کی مویں بہت ہی چھوٹی ہوتی ہیں۔ یہ بھی دکھائی نہیں دیتے۔ البتہ فوٹو گراف کی تختی پر ان کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ ان کا نام ہے "شعلہ مادہ بنفشی" یا "شعاع کیاری"۔

انسان کی آنکھ آفتاب کی انہی شاعروں سے متاثر ہوتی ہے جو سرخ اور بنفشی رنگوں کے درمیان ہیں۔ جب یہ تمام شاعین یا ان میں سے کوئی ایک شعلہ کسی جسم سے منعکس ہوتی ہے، تو آنکھ متاثر ہوتی ہے اور دیکھنے لگتی ہے۔ لیکن اگر ان ساتوں رنگوں کے علاوہ کجی دوسرے رنگ کی شعلہ جسم سے منعکس ہوتی ہے، تو آنکھ اس سے متاثر نہیں ہوتی، اس لئے وہ دیکھ بھی نہیں سکتی۔

لیکن اب انسان کی یہ مجبوری دور ہو جائے گی۔ کیونکہ آنکھ

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و معتبر مقبول خاص عام اسم باہمی

ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی کا

عید المثل نادر الوجود سرائی تحفہ

”ہمدرد، دہلی“

تار کا کافی پتہ

ماہ الحکم دو آتشہ

بہ نوحہ

زندگی جیسی غیز اور پیاری چیز جو وہ ظاہر ہو لیکن تندرستی بھی ایسا ہی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے طعم بلکہ بیکار ہے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہو تو ب کچھ ہو۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشید کیا ہو ماہ الحکم استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا طعم اٹھائے یہ امر تو مسلم ہو کہ ماہ الحکم معوی ارواح ہو، بدن میں خستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا بھاننا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا ماہ الحکم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو جوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور معوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطور خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہے بلکہ عالیجناب شفا الملک بہادر غفران آبائیں اعظم دہلی کا خاص خانہ دانی نسخہ جو جناب مولیٰ نے بغرض رفاه عام ”ہمدرد و دوا خانہ“ کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ماہ الحکم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر مستحبہ اور گوارا فائدہ ایک چلے میں ہوتا ہے۔ چلک کو صرف اپنی لغافتی اور خوش بیاہی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض اُمویں ہم کو اپنی کچی ہمدی کے انظار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

ماہ الحکم کے استعمال کا یہی موسم ہو اور یہی زمانہ ہو شکائے اور آزارائے و تجربہ بنا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچی ہو۔ شک آنت کو خود جوید قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہو ملا اسکے چند اقسام کے علم سے معوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پوئے اخلاص و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد مرکب دوائیں اس دوا خانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست ۱۹۲۷ء مکتبہ تیار ہے۔ مفت طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ ”منجر ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی“

منجر ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی

برص سفید داغ ابولوم میں خربسے غالب

درہ پوری قیمت دایس۔ اقرار نامہ نکالیں اکیس خوراک سمون سکا اور ایکیشی روغن سیکا جو پوسے ۲۱ روز کافی ہوگی قیمت مندرجہ سارہ پتہ روانہ

دقمر علاج برص ہبشہ در بھنگہ (سہار)

ہمدردانہ

اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ملک اور قوم دولت کا بچا پروانہ دلچسپ اچھوتے مضامین غلط فہمی سے لبریز نو برس ۱۹۲۷ء در بھنگہ سے نہایت پابندی کے ساتھ شائع ہوگا کھانی چھاپائی اور کاغذ بہت نفیس چندہ سالانہ تین پڑھئے طلبہ سے دو روپیہ (عام) ماکہ غیر سے پانچ روپیہ (مشر)

منجر رسالہ پروانہ در بھنگہ (سہار)

گھسکر آزالو

دورولے تولہ سونا

رنگین کیکو

جڑنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت نازک نقش چڑیاں جڑنی سے بن کر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ انکے اندر رنگیں چڑیاں آجاتی ہیں۔ امدیہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرد اور باقوت کے گیلے جڑے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ و رونق میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی پتی ہے۔ صنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ دھاتی روپیہ میں پانچ سو روپے کا کام بنگا لاجا سکتا ہے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکا بول کی تعداد میں دوا فروخت ہوتی ہیں۔ جلد نکوائے تاکا شات ختم نہ ہو جائے۔ ۸ چڑیوں کی قیمت دھاتی روپیہ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس چڑیوں کا دام بیلے سات روپے (مشر)

منجر گولڈن سٹور۔ پوسٹ بکس لاہور

افیم چھپانے کی بے نظیر گولیاں جن کے استعمال سے صد ہا علی آسانی سے افیم چھوڑ چکے ہیں ایک روپیہ ہمارے علی کے کوٹہ کی گولیاں کافی ہوسکتی ہیں۔ لئے کا پتہ۔ حکیم محمد عمر آئینہ سنر موگا ضلع قیرہ پور پنجاب

جمعیت علمائے ہند کے اخبار المجمع

کا

حبیب بنبر

ربیع میں شائع ہوگا

شیریں اور اچھوتے کے کوٹہ

نیل خاں دہلی میں علاء علیہ ہیں اشتہار دینا اور قیمت

حبیب بنبر

میں ایک صد ایک اشتہار دے دینا برابر ہوگا۔ تمام اشتہارات

شائع و تیر میں اصول چاہئے ہیں۔ اچھوتے کے کوٹہ

دقمر سے فوراً خط کتابت شروع کریں۔

خط کتابت کے لئے

منجر المجمع دہلی

ان تمام صحاب کے لئے

جو

قیمتی تین صنعت کی قیمتی شاہکار شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویروں، پرانے سکہ، اور آئینے، پرانے زور، آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی، عجیب و نادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش نگاہوں اور ذخائر کی فرستیں ہی سنا دلیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نواد عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی بصارت و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

بائیں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز مہد مل آراں ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نواد حاصل کرتے
رہتے ہیں۔ تاہم کے نئے ایران شاہی کے نواد بھی حال میں ہم سے فراہم ہو رہے ہیں

اگر آپ کے پاس نفی اور موجود ہوں

تو

آپ فرخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سو گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں
شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلہ
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چھ ماہ
کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما: دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ررنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رقیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رقص و غبار کے جاری اور زیر بحث ادبی نوالد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میوزوں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینیں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میوزوں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تہڑا سا سرمایہ لیکر ایک رقیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گرو اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کڑھیں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تہڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

السلامة

ابن عربی

قیمت

۵ - ۱۰

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع معقول	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لغافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے ۔
(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا ۔

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے ۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو قاریع اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا ۔

(۶) اگر آپ در تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کراہیے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے ۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں ۔

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کاپیوں پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں ۔

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جہاں تعلق دفتر کے دفتری فرامہ ، (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹھیک ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا ۔

الھلال

ایک ہفتہ وار موصوٰر سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۳ جمادی الثانیہ ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۲۵

Calcutta : Friday, 9, December 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الھلال
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی
تمام تقایم ایک بار دور کر دی جائیں۔

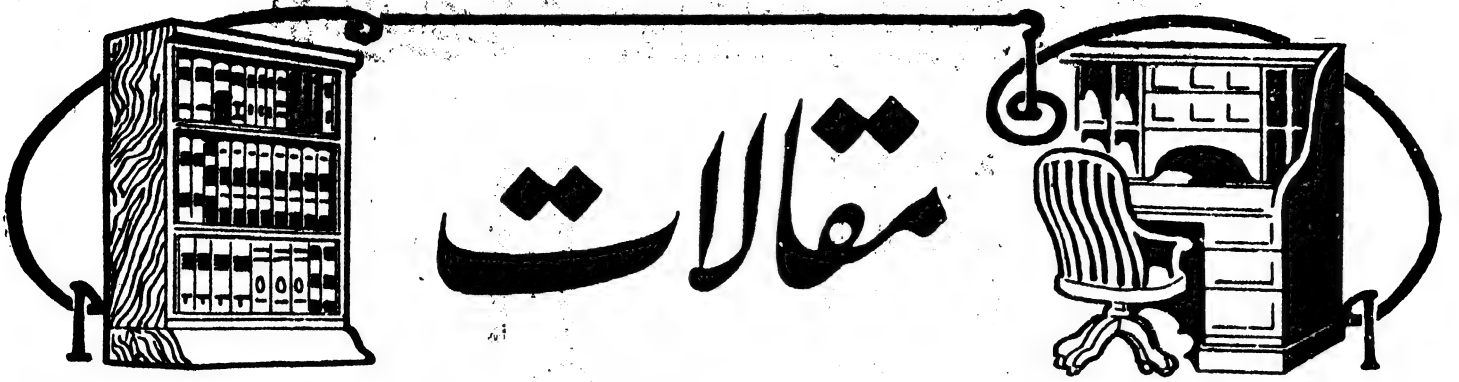
قارئین الھلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۲۰۲۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۲۵۵	اردو حروف کی حق میں	۵۳۵
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۸۰۲	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۳۲۰	نستعلیق ہوں	۱۹۰

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر
کریں گے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔ الھلال



انہوں نے بار بار دیکھا ہے ' وہ حقیقت ہے ' اور اُس کی صحت میں کلام کی گنجائش نہیں ... "

اسی قدر نہیں بلکہ سنہ ۱۸۸۲ - میں ایک انجمن لندن میں قائم ہوئی - اس کا نام " انجمن مباحثہ نفسیہ " رکھا گیا - اس کا مقصد یہ تھا کہ مذہبِ روحی کو رسمی علم سے قریب تر کیا جائے اور علمی اصول پر آئے۔ اس طرح مرتب کر دیا جائے کہ لوگوں کے لیے زیادہ قابل قبول بن جائے - اس انجمن میں انگلستان ' امریکا ' اور فرانس کے مشاہیر علماء و فلاسفہ داخل ہیں - اس وقت تک وہ بے شمار ضخیم جلدیں شایع کر چکی ہیں -

نمونہ کے طور پر اس انجمن کے بعض ارکان کی چند تصویروں کا ترجمہ دیا جاتا ہے - اس سے معلوم ہوگا کہ اُن کا طریق بحث کیا ہے :

پروفیسر میرس (پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی) جو اس انجمن کا ممتاز رکن ہے ' لکھتا ہے :

" سنہ ۱۸۷۳ء میں جبکہ مذہبِ مادی ہمارے ملک کی عقلوں پر پوری طرح حاکم ہو چکا تھا ' کیمبرج میں احباب کی ایک مجلس منعقد ہوئی ' اور طے کیا گیا کہ مذہبِ روحی ' جس پر اس قدر بحث و نزاع جاری ہے ' ہماری توجہ و تفتیش کا مستحق ہے - میری رائے تھی کہ اس مذہب کی بحث میں نہ تو اساطیر اولین کی ررق گردانی مفید ہو سکتی ہے ' نہ معتقدین کی روایات کی تحقیق ' اور نہ ملحدین کی تضحیک و انکار ہی کار آمد ہے - اس کی بحث و تحقیق کی صرف یہی ضرورت ہے کہ ہم خود تجربے کریں ' اور اپنی آنکھوں کے مشاہدات پر بھروسہ رکھیں - اگر عالمِ روحانی واقعی کوئی اصلیت رکھتا ہے ' تو تمام دوسری حقیقتوں کی طرح اُس کا ثبوت بھی تجربہ و مشاہدہ پر مبنی ہونا چاہیے - چنانچہ اسی اصول پر ہماری اس انجمن نے اپنی بحث و تحقیق کا سلسلہ جاری کر دیا "

اس کے بعد مصنف مہکریں کو مخاطب کر کے کہتا ہے :

" میں اس عقیدے کو کریں صحیح نہیں سمجھتا ؟ یہ سوال ہے جو ہر علمی بحث کے وقت ہر ایمان دار آدمی کے سامنے ہونا چاہیے - مذہبِ روحی کی بحث میں اس کی آرزو بھی زیادہ ضرورت ہے - مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ میرا علم اور میری معلومات جو یقینی نہیں ہیں ' بلکہ مرجح یا غیر مرجح ہیں ' کائنات کے رموز و اسرار کے فہم سے قاصر ہیں - اُن میں کوئی بھی علمی یا منطقی دلیل موجود نہیں ہے جس کی بنا پر میں اپنے مشاہدات کی تردید کر دوں - خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ دیکھتا ہوں ' یہ تمام مشاہدات دوسرے یقینی مشاہدات و اصول سے کوئی تناقض نہیں رکھتے - علمی دلائل و براہین کا دائرہ کلنا ہی وسیع اور یقینی ہو ' مگر پھر بھی تمام مستند علماء کے اعتراف کے مطابق ' وہ ناموس قدرت کے

جدید مذہبِ روحی

تاریخِ ظہور - موافقین و مخالفین - اور نقد و تبصرو

(۲)

جب انگلستان میں پہلے پہل یہ دعوت پہنچی ' تو علماء میں سخت بیچینی پیدا ہوئی - وہ دے کہ صدیوں کے جہادِ علم کے بعد خرافات و اڑھام کی جس سلطنت کا انہوں نے خاتمہ کر دیا تھا ' وہ اب پھر نئے ہتیاروں سے مسلح ہو کر علم کے مقابلے میں آ رہی ہے - لہذا انہوں نے چاہا ' قدم جمنے سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کر دیں - چنانچہ بے شمار علماء نے رائل سوسائٹی سے درخواست کی کہ اس مذہب کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرے - انجمن نے درخواست منظور کر لی ' اور تحقیقات کے لیے تیس علماء کی ایک منتخب مجلس قائم کر دی - اس مجلس میں رسل ویلس ' ولیم کرکس ' ٹنڈل ' لارڈ اڈبری ' اور ہکسل جیسے ائمہ علم و حکمت بھی شامل تھے - مسلسل اٹھارہ مہینے تک یہ مجلس تحقیقات کرتی رہی - چالیس جلسے منعقد کیے ' اور ایک ضخیم کتاب میں اُنکی روداد شایع کی - یہ روداد دنیا کی اکثر زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے - اس کی ذیل کی عبارت قابل غور ہے :

" مجلس نے اپنے جلسے ارکان کے خاص مکانات میں منعقد کیے تاکہ مخفی آلات کے ذریعہ قریب کھانے کا احتمال باقی نہ رہے - بھڑاں و سیٹروں سے بھی کام نہیں لیا جو پیشہ ور سیٹو سمجھے جاتے ہیں - خود ارکان ہی میں سے ایک شخص سیٹو بنایا تھا گیا - یہ شخص سوسائٹی میں بہت عزت و احترام رکھتا ہے - اپنی ایمانداری اور اخلاق میں غیر مشتبہ ہے - مال و دولت کی بھی اسے کوئی طمع نہیں - کیونکہ خود مالدار ہے - ہم نے وہ تمام احتیاطیں بھی برتیں ' جو ہمارے خیال میں قریب سے بچنے کے لیے ضروری تھیں - بار بار تجربے اور مشاہدے کیے - اس روداد میں ہم نے صرف انہیں مشاہدات کا ذکر کیا ہے جو حواس کے ذریعہ واقع ہوئے ' اور جن کی صحت پر ہمیں کامل یقین ہے "

" مجلس کے بہت سے ارکان نے خود تجربے کیے - یہ سب کے سب اس مذہب کے سخت مخالف تھے ' اور کامل یقین رکھتے تھے کہ یہ عجیب امر یا تردلیس کا نتیجہ ہیں یا وہم کا ' اور یا پھر عضلات و اعصاب جسم میں کسی غیر معمولی حرکت پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس طرح کی حرکات ظہور میں آجاتی ہیں - یہ حد سے زیادہ متحرک اُس وقت تک قائل نہ ہوئے ' جب تک کہ بکثرت مشاہدات انہوں نے اس طرح نہ دیکھے ' کہ کسی قسم کا شک و شبہ وارد نہیں ہو سکتا تھا - بالآخر انہیں تسلیم کر لینا پڑا کہ جو کچھ

آخری مہلوك سلطان مصر

—•••••

سازے چار سو برس پہلے ایک مغربی سیاح مشرق میں

—•••••

ایک سیاح کی چشم دید شہادت اور اہم تاریخی فوائد

—•••••

یورپ میں چہا پہ خانے کی صنعت کا رواج چودھویں صدی مسیحی سے شروع ہوا ہے۔ چودھویں صدی سے لیکر سترہویں صدی کے وسط تک مطبوعات کی رفتار بہت سست رہی۔ تاہم اس ابتدائی زمانے میں بھی ایک کافی تعداد ایسی کتابوں کی شائع ہوتی رہی ہے جو علمی اور تاریخی حیثیت سے موجودہ زمانے میں بھی اپنی قدر و قیمت رکھتی ہیں۔

جنیوا کی ایک علمی انجمن کچھ عرصہ سے اس قسم کی قدیم اور ناپید مطبوعات کا سراغ لگا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں کئی نادر اور قیمتی چیزیں کوشہ گمنامی سے نکل چکی ہیں۔ ازاجملہ مشرقی ممالک کے سفر نامے ہیں جو چودھویں اور پندرہویں صدی مسیحی میں لکھے گئے تھے اور جن میں مشرقی ممالک کے امراؤ سلاطین اور رہاں کے ادب و رسوم کے متعلق بعض ایسی چشم دید تفصیلات موجود ہیں جو کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ آج ہم ان میں سے ایک خاص سفر نامہ کا مختصراً ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

یہ سفرنامہ کئی اعتبار سے مخصوص تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ سنہ ۱۵۱۱ء میں وینس کی جمہوری حکومت نے (جو اس وقت یورپ کی ایک طاقتور حکومت تھی) ایک سفارتی وفد مصر بھیجا تھا جس کا رئیس اس عہد کا مشہور مدبر تومیلکو ٹریویزان تھا۔ یہ سفارت مصر پہنچی سلطان مصر کے دربار میں بارباب ہوئی اور ایک کافی عرصہ کے قیام کے بعد وینس واپس گئی۔ سفارت کا سربراہی وینس کا ایک امیر جاکر باگانی نامی تھا۔ اس شخص نے واپسی کے بعد اپنے سفر کی یادداشتیں سفرنامہ کی صورت میں مرتب کر لیں اور وہ تمام قلمی تصاویر بھی شامل کر دیں جو سلاطین و امراء مصر کی اس نے طیار کی تھیں۔ سفرنامہ کچھ عرصہ تک وینس کے سرکاری کتب خانہ میں محفوظ رہا۔ پھر سنہ ۱۵۳۵ء میں سفارت کے سفر سے تقریباً بالیس برس بعد حکومت نے اسے سرکاری مطبع میں چھپوا کر شائع کر دیا۔ اس مطبوعہ نسخہ کے ساتھ وہ تمام تصاویر بھی چھاپی گئی تھیں جو اصل نسخہ میں محفوظ تھیں۔

(سفرنامہ کی اہمیت)

یہ سفرنامہ فی الحقیقت ایک نہایت قیمتی تاریخی شہادت ہے۔ یہ اب سے ساڑھے چار سو برس پیشتر کی ایک اسلامی حکومت کے ان چشم دید حالات کا ذخیرہ ہے جن کا علم کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ مورخ اور سیاح میں یہی فرق ہے اور اسی لیے مورخ کی کتاب سے کہیں زیادہ ایک مستند سفرنامہ کا بیان قیمتی ہوتا ہے۔ مورخ کی نظر جزئیات پر نہیں جاتی۔ وہ صرف علمی ترتیب بیان کے ساتھ بڑے بڑے واقعات جمع کر دیتا ہے۔ لیکن سیاح زہر سیاحت شہر کے ایک ایک کونچہ کی سیر کرتا ہے اور ایک ایک جزئی معاملہ میں دلچسپی لیتا ہے۔ وہ بسا اوقات بہت سی ایسی جزئیات بیان کر دیتا ہے جن سے

لا متقلبی اور سراسر منجہول عالم پر سرسری نظر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

سراڈیور لاج اپنی کتاب ”روح انسانی کی ابدیت“ میں لکھتا ہے :

”بہت سے عجیب و غریب حوادث کی صحت ثابت ہو چکی ہے۔ یہ حوادث ہر قوم اور ہر زمانے میں پیش آتے رہے ہیں۔ ممکن ہے ان کا بڑا حصہ اوهام و خواطر پر معمول کر کے رد کر دیا جائے۔ مگر ان سب کا رد کر دینا ناممکن ہے۔ موجودہ علمی ترقی کی روشنی میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ انسانی روح کے تمام اعمال و خواص سے ہم واقف ہو چکے ہیں یا انسانی روح کا علم ہم نے اس درجہ منضبط اور آسان کر دیا ہے کہ ہر کس و نا کس اسے سمجھ لے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگ ایسا ہی یقین رکھتے ہیں۔ وہ ہر روز بغیر کسی اظہار حیرت کے علم الحیات، کیمیا اور علم الآلات کے زیادہ سے زیادہ معیہ العقل اکتشافات پر ایمان لاتے رہتے ہیں اور کہتی یہ نہیں کہتے کہ ہم قدرت کے تمام رازوں سے واقف ہو گئے اور اب کوئی نیا اکتشاف قبول نہیں کریں گے۔ لیکن مذہبِ روحی کا نام آتے ہی ان میں انکار اور تحدی کا جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ بغیر کسی تامل کے مدعیانہ انکار کر بیٹھتے ہیں۔ یہ یقیناً ایک سادہ لوح ایمان ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ بلا دلیل عقیدہ قائم کرنے کی کتنی زیادہ استعداد رکھتے ہیں؟ لیکن یاد رہے، ان کا یہ دعویٰ سراسر اساس علم کے خلاف ہے۔ وہ صرف اسی حال میں کیا جا سکتا ہے جبکہ اپنے مخالف دلائل و براہین سے بلا کھی بحث کے اعراض کر لیا جائے“

پروفیسر سڈرگک صدر ”انجمن مباحث نفسیہ“ اپنے سنہ ۱۸۸۲ء کے خطبہ صدارت میں لکھتا ہے :

”اب یہ سخت فضیحت کی بات ہوگی کہ ان روحی حوادث کی صحت میں جھگڑا کیا جائے جن کی تصدیق بڑے بڑے مسلم علماء کر چکے ہیں۔ یہ شرم کی بات ہے کہ مذہبِ روحی کے خلاف علمی دینا اپنے احقانہ انکار پر مصر رہے۔ اب سے تیس برس پہلے لوگ خیال کرتے تھے کہ مسمریزم اور متحرک میزوں کا اعتقاد عملی تہذیب کے نقص و فقدان کا کافی ثبوت ہے۔ لیکن جب مشہور حکماء نے یکے بعد دیگرے اپنے تجارب و مشاہدات کی بنا پر ان امور کی تصدیق کر دی تو منکروں نے اپنا انکار جاری رکھنے کیلئے نئے رجحان کی تلاش میں مضحکہ انگیز مہارت کا ثبوت پیش کیا۔ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ علماء علماء نہیں ہیں، بلکہ دجال ہیں۔ یا صرف عام کی بعض شاخوں میں داخل رکھتے ہیں۔ لہذا ان کی شہادت معتبر نہیں۔ پھر جب اسے بعد ایسا ہوا کہ ایسے ایسے لوگوں نے شہادت دی جن کی فضیلت عالمگیر طور پر مسلم ہے تو ان لوگوں نے رنج و الم کا اظہار شروع کر دیا اور اسے ایک افسوسناک واقعہ قرار دیا۔“

اس مجمل بیان سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مذہبِ روحی نے اس قلیل مدت میں کتنی ترقی حاصل کر لی ہے۔ پروفیسر رسل ولس اپنی کتاب ”عصر جدید کے معجزات“ میں کہتے ہیں کہ اس مذہب کے معتقد صرف یورپ میں اس وقت دو کروڑ سے بھی زیادہ آدمی ہیں!

واقعات ظہور میں آتے رہتے ہیں جن سے انکی معاندانہ سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ شام اور مصر سے تمام یورپین تاجر اور یورپین حکومتوں کے وکلاء چلے جائیں۔ اس سال کے بعد سے یورپ اور مصر کے تمام علاقے منقطع ہو گئے۔

یہی وہ صورت حال ہے جس نے یورپ کے در مختلف تجارتی حلقوں میں یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ قدیم عرب جغرافیہ نویس اور ملاحوں کے اشارات کے مطابق مشرق بعید کا براہ راست بحری راستہ تھوڑے نکالیں اور مصر کے محتاج نہ رہیں۔ چنانچہ کولمبس نے بحر اطلانک میں عرب روئے جا کر، مشرق کی جہت سے ہندوستان پہنچنا چاہا، اور پرتگالی یورپ نے افریقہ کے گرد طواف کرتے ہوئے بحر ہند کا نقطہ اتصال دریافت کرنا چاہا۔ کولمبس ہندوستان کی جگہ امریکہ پہنچ گیا۔ لیکن بر تلم دیاڑ نے سنہ ۱۴۸۶ء میں راس امید کا سراغ پا لیا۔ پھر سنہ ۱۴۹۷ء میں واسکو ٹی گاما اسے عبور کر کے مالا بار پہنچ گیا!

بہر حال تقریباً نصف صدی تک مصر اور یورپ کے علاقے (بلکہ کہنا چاہیے مشرق اور یورپ کے علاقے کیونکہ تمام مشرق اور یورپ کے

تجارتی علاقے مصر ہی کے ذریعہ تھے)

منقطع رہے۔ یہ صورت حال یورپ کیلئے ناقابل برداشت تھی۔ اس کے

تمام بازار بے رونق ہو گئے۔ بڑی بڑی منڈیاں بند ہو گئیں۔ یورپ اس وقت

تجارت اور مصنوعات میں مشرق کا اسی طرح محتاج تھا۔ جس طرح

آج مشرق یورپ کا محتاج ہے۔ بے شمار رز مہ کی ضرورتوں کی

مصنوعات تھیں، جو مشرق ہی سے جاتی تھیں اور یورپ کے ہر امیر

و غریب گھر میں برتی جاتی تھیں۔ اب انقطاع تجارت سے ایک عالمگیر

تجارتی قحط کی مصیبت پیدا ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر یورپ کی

تمام بڑی بڑی حکومتیں مجبور ہوئیں کہ کسی نہ کسی طرح

مصر کا بند دروازہ پھر کھلایا جائے۔ ان حکومتوں میں سب سے پیش

پیش وینس کی جمہوریت تھی۔ یہ اس وقت یورپ کی بحری تجارت کا سب سے بڑا طاقتور مرکز تھی۔ حکومت وینس نے بے دریغ

سفارتیں بھجوائیں۔ عثمانی اور صوفی حکومتوں کو درمیان ڈالا، قیمتی تحائف سے لبریز جہاز پر جہاز بھیجے، یورپ کی طرف سے

یہی پیام امن و صلح بھجوا دیا گیا۔ یورپ کی تجارت کے کھل جانے میں مصر، شام کے وطنی تاجروں کا بھی عظیم الشان نفع تھا۔

اسلئے انہوں نے بھی کوششیں کیں۔ غرضکہ ایک مدت کی سعی اور تدبیر کے بعد مصر اور یورپ کے تجارتی اور دوستانہ تعلقات پھر

اگر سر نو قائم ہو گئے۔

یہی زمانہ ہے جب مصر دنیا کا سب سے بڑا تجارتی مرکز بن گیا تھا۔ ہندوستان اور یورپ کی تجارتی کڑی یہیں آکر ملتی تھی۔

اس کے باشندوں کی خوشحالی اور تاجروں کی شاہانہ دولت کے انصافے جلیلا اور وینس کے بازاروں میں قہوں کی طرح سنائے جاتے تھے۔ یورپ میں عام طور پر قاہرہ کا نام "قاہرہ عظیم" تھا۔ یعنی

تاریخی مسائل کی عظیم کلیات طیار کر لی جاسکتی ہیں۔ ہندوستان کے عہد تغلق کی متعدد تاریخیں خود اسی عہد میں یا اس کے بعد لکھی گئی ہیں، لیکن ابن بطوطہ کی زبانی ہمیں جیسی چلتی پھرتی تصویر اس عہد کی نظر آجاتی ہے، وہ برنی اور فرشتہ کے صفحات پر نظر نہیں آسکتی!

(سفرنامہ کا عہد)

اس کے علاوہ اس عہد کی مخصوص اہمیت نے بھی اس سفر نامہ کی قدر و قیمت بڑھا دی ہے۔ یہ وہ وقت تھا، جب فی الحقیقت دنیا آئے والے انقلاب کے لیے پہلی کڑت بدل رہی تھی۔ مشرق کا دور اقبال رہ رہے تنزل تھا، اور یورپ کا عہد عروج طلوع ہو رہا تھا۔ اسپین میں اسلامی عہد تمدن کا آخری نقش قدم بھی مٹ چکا تھا، اور غرناطہ میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔ یورپ اور مشرق بعید کی راہ تجارت بھی ایک نئے انقلاب کی طیاریاں کر رہی تھی، اور پرتگالیوں کے بیڑے ہندوستان کی بحری راہ دریافت کرنے کے لیے ایک کے بعد ایک روانہ ہو رہے تھے۔ ٹھیک ٹھیک یہی زمانہ تاریخ تجارت عالم کا وہ عظیم الاثر زمانہ ہے، جب واسکو ٹی گاما نے ایک عرب معام کے ذریعہ

راس امید عبور کر کے سرحد ملابار کا رخ کیا تھا، اور اس ایک واقعہ نے

تمام دنیا کی سیاسی اور اقتصادی عظمت کی تاریخ پلٹ دی تھی!

(سفارت کا مقصد)

مصنف نے اس سفارت کے مقاصد شرح و بسط سے بیان کیے ہیں۔

مختصر لفظوں میں ان کی توضیح ہمارے لیے بھی ضروری ہے۔ کیونکہ

اس سے وقت کے بعض اہم تاریخی حالات پر روشنی پڑے گی۔

لیکن قبل اسکے کہ مصنف کے بیان کردہ اسباب پر متوجہ ہوں،

اس عہد کے ان سیاسی و تجارتی تعلقات کی مختصر تاریخ بیان

کر دینا ضروری ہے جو یورپ اور مصر میں قائم تھے۔

صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ تیرھویں صدی مسیحی تک جاری رہا۔ یورپ کا آخری صلیبی حملہ وہ تھا، جو فرانس کے لوئس نہم نے مصر پر کیا تھا۔ اس کا خاتمہ منصورہ کی لڑائی پر ہوا جس

میں توران شاہ نے لوئس کو گرفتار کر لیا۔ اسکے بعد سلطان بیبرس، سلطان منصور قلاؤں، اور ملک اشرف خلیل، بے بعد

دیگرے تخت مصر کے فرمانروا ہوئے، اور بے دریغ جنگوں کے بعد سنہ ۱۲۹۰ء میں تمام بلاد شام سے صلیبی خارج کر دیے گئے۔

آخری جالے پناہ جو انکے ہاتھ باقی رہ گئی تھی، عکا کا ساحلی شہر تھا۔ اسی کو انہوں نے اپنی مشرقی تجارت کا براخی محل

قرار دیا تھا۔ لیکن یہ بھی سنہ مذکور میں انکے ہاتھ سے نکل گیا۔ اسکے بعد کچھ عرصہ تک تخت مصر اپنے اندرونی مذاکشات میں

مشغول رہا۔ لیکن سنہ ۱۳۴۰ء میں جب ملک الناصر کی حکومت

استقرار ہوئی، تو اس نے معسوس کیا کہ یورپ کے صلیبی رولے اس وقت تک فرو نہیں ہو گئے ہیں۔ وہ دیکھ کر اس طرح کے



سلطان ملک الاشرف قانصو غوری

(آخری مملوک سلطان مصر)

Le Grand Caire' جیسا کہ خود اس سفر نامہ میں جا بجا یہی نام استعمال کیا گیا ہے۔

مصر اور یورپ کے تعلقات کی یہ ابتدائی تاریخ بیان کر دینے کے بعد ہم ان واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس سفر نامہ کے مصنف نے بیان کیے ہیں۔

سنہ ۱۵۰۵ء میں کئی سال کی پادشاہ گردی کے بعد سلطان ابو النصر ملک الاشرف قانصرہ غوری تخت نشین ہوا۔ اس پادشاہ کے زمانے میں یکے بعد دیگرے ایسے حوادث پیش آئے کہ یورپ اور مصر کے تعلقات پھر منقطع ہو گئے۔

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے، اُس زمانے میں مصر ہندوستان اور یورپ کی تجارت کی درمیانی کڑی تھا۔ سواحل عرب اور مصر کے عرب جہازران ہندوستانی مصنوعات مصر لے جاتے تھے۔ وہاں سے ویلس، جلیو، اور فرانس کے تاجر بیش قرار قیمتیں دیکر اپنے اپنے

ملکوں کیلئے حاصل کر لیتے تھے۔ خود مصری حکومت کے بھی بے شمار جہاز تھے۔ یہ سرٹز سے لیکر کالی کت اور چٹاکار تک سفر کرتے رہتے۔ سنہ ۱۵۰۳ء میں ایسا ہوا کہ راسکو قبی کاما کا بیڑہ بحر ہند میں پہنچ چکا تھا۔ مصری جہازوں سے اس کی مدد بھیج ہو گئی۔ یہ جہاز ہندوستان سے مال تجارت سرٹز لیجا رہے تھے۔ پرتگالی بیڑہ نے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا، ادھی گرفتار کر لیے، اور جہاز ڈبو دیے۔

یہ خبر جب سلطان غوری کو پہنچی، تو قدرتی طور پر نہایت برہم ہوا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ تمام یورپین تاجروں کو مصر و شام سے نکال دے۔ لیکن اس سفر نامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ "اُس غیر معمولی عقل و بصیرت سے کام لیکر جو مشرق کے اس عظیم الشان پادشاہ کے حصے میں آئی ہے، اُس نے اس کارروائی میں جلدی نہیں کی، اور خیال کیا کہ پہلے اصلاح حال کی کوشش کر لی جائے۔ چنانچہ اس نے ایک سفیر یورپ روانہ کیا تا کہ اٹلی،

فرانس، اور جلیو، جاکے، اور ان ملکوں کی حکومتوں کو پرتگال کی ان زیادتیوں پر توجہ دلائے۔ یہ مصری سفیر بیت المقدس کی مسیحی خانقاہوں کا رئیس اعظم تھا۔ سفیر پہلے ویلیس گیا۔ حکومت ویلیس نے اس کے استقبال کے لیے ایسے انتظامات کیے، جیسے پادشاہوں کے استقبال کے کیے جاتے ہیں۔ پھر جمہوریت کے دسوں ممبر جمع ہوئے، اور سفیر کے پیام پر غور کیا۔ سفیر کا پیام یہ تھا کہ "اگر حکومت پرتگال نے اس طرز عمل کی تلافی نہ کی اور آئندہ مصری جہازوں کو کسی طرح کا نقصان پہنچا، تو سلطان مصر نے ارادہ کر لیا ہے کہ بیت المقدس کا کلیسہ بند کر دیا، اور تمام یورپین تاجروں کو اپنی مملکت سے نکال دیا، حکومت جمہوریہ نے مصر کی شکایات کے حق بجانب ہونے کا اعتراف کیا، لیکن چونکہ اُسے پرتگال پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا، اس لیے سفیر کو یورپ و ویلیس درم کے پاس جانے کا مشورہ دیا، اور اپنے سفر بھی ساتھ کر دیے۔ یورپ نے سفیر

سے مل کر جب تمام حالات معلوم کیے، تو بہت خائف ہوا۔ رہ سلطان مصر کی ناراضی کے نتائج سے بے خبر نہ تھا۔ اس نے حکومت پرتگال کے نام ایک تہدیدی مراسلت روانہ کی۔ اس کے بعد مصر کا سفیر اسپین اور فرانس ہوتا ہوا مصر واپس آ گیا۔

لیکن ابھی مصری سفارت یورپ سے واپس پہنچی ہی تھی کہ اچانک بعض حوادث ایسے پیش آ گئے، جنکی وجہ سے سلطان کا غیظ و غضب پھر یورپ کے برخلاف ہو کر آٹھا، اور اصلاح حال کی رہ تمام کوششیں ضائع گئیں، جو مصری سفارت کے ذریعہ انجام پائی تھیں۔ ان حوادث میں سب سے زیادہ اہم حوادث چار ہیں، جنہیں اس سفر نامہ کے مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے:

سب سے پہلا حادثہ پرتگالیوں کی دوبارہ تعدی تھی جو مصری جہازوں پر کی گئی۔ یہ جہاز کالی کت سے سرٹز واپس جا رہے تھے۔

دوسرا حادثہ یہ پیش آیا کہ جزیرہ رودس کے نائٹوں کا ایک بیڑہ اسکندریہ کے قریب پہنچ گیا۔ انہوں نے سلطان مصر کے اُن جہازوں پر حملہ کر دیا جو مراکش کے حاجی واپس لیجا رہے تھے۔

اسی اثنا میں ایک تیسرا واقعہ بھی پیش آ گیا۔ مصر اور ترکوں میں مخالفت جاری تھی۔ سلطان مصر کو معلوم ہوا کہ کمال پاشا فوجی سامان و اسلحہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اناضول سے قسطنطنیہ لے جانے والا ہے۔ اس نے اپنے تیس جہاز کیلی پولی کی طرف روانہ کر دیے، تاکہ اس ذخیرہ پر قبضہ کر لیں۔ اتفاق سے رودس کے بحری نائٹوں کے ایک بیڑہ سے انکا مقابلہ ہو گیا۔ مقابلہ میں مصری جہازوں کو شکست ہوئی، اور کئی جہاز بالکل تباہ ہو گئے۔

چوتھے حادثہ کی نوعیت ان تمام حوادث سے مختلف قسم کی تھی، لیکن سلطان کی طبیعت پر اُس کا سب سے زیادہ اثر ہوا۔ عراق کے بعض سرحدی اضلاع میں مصری حاکم نے ایک یونانی کو مشتبہ حالات

میں دیکھا اور گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے بعد تلاشی لی گئی، تو اس کے کپڑوں میں سے ایک مخفی کاغذ نکلا۔ یہ شاہ اسماعیل مغربی کا خط تھا، جو ٹامس کونٹریں قنصل رینیس متعینہ اسکندریہ کے نام لکھا گیا تھا۔ حاکم نے یونانی قاصد مع خط کے قاہرہ بھیج دیا۔ جب سلطان نے یہ خط پڑھا، تو اسے معلوم ہو گیا کہ حکومت ایران، یورپ کی حکومتوں سے مل کر اُس کے خلاف سازش کر رہی ہے، اور ویلیس میں اور ایران میں عرصہ سے سلسلہ مراسلت جاری ہے۔

ان تمام واقعات نے سلطان کو یورپین حکومتوں کے برخلاف اس درجہ غضب ناک کر دیا، کہ اُس نے حکم دیا۔ بیت المقدس کا کلیسہ بند کر دیا جائے، تمام یورپین قنصل اور تاجر گرفتار کر لیے جائیں، اور آئندہ کوئی فرنگی حدود مملکت میں قدم نہ رکھے۔ اُس نے بیت المقدس اور شام کی مسیحی خانقاہوں کے تمام راہبوں کی گرفتاری کا بھی



سلطان مصر کے وزراء

”مرج دابق“ کے معرکہ میں یورپی شجاعت اور ہمت کے ساتھ لڑا، لیکن بالآخر شکست کھائی، اور میدان جنگ میں گھوڑے سے گر کر مارا گیا۔ اس کے بعد ملک اشرف ظہران باہلی نے کچھ عرصہ تک لڑائی جاری رکھی، لیکن مصر کی آخری لڑائی میں اس نے بھی شکست کھائی، اور ہمیشہ کیلئے چرچی مملوکوں کا سلطنت حکومت ختم ہو گیا۔

سلطان غوری سنہ ۹۰۶-ھجری مطابق ۱۵۰۱-ع میں تخت نشین ہوا تھا۔ اس حساب سے تقریباً پندرہ برس تک حکمران رہا

سفرنامہ کے مصنف نے اس سلطان کے غیر معمولی اوصاف شاہانہ کی بہت تعریف کی ہے، اور اسے ”حزم رائے اور دقت نظر“ میں اپنے عہد کا بہترین فرمانروا قرار دیا ہے۔ مصر کے عام مورخین بھی اس کے بعض اوصاف کا اعتراف کرتے ہیں۔

(سقوط غرناطہ اور مصر)

من جملہ تاریخی فوائد کے ایک نہایت اہم اور عبرت انگیز واقعہ اس سفارت کا ہے، جو غرناطہ اور مراکش کے امراء نے مصر بھیجی تھی، اور جسکی تفصیلات سے مصر کی تمام تاریخیں غاموش ہیں۔

اسپین سے مسلمانوں کا آخری اخراج سنہ ۱۴۹۱-ع میں ہوا ہے۔ یہی سنہ ہے جب تمام اسلامی حکومتوں کی اعانت سے ماہوس ہو کر ابو عبد اللہ نے غرناطہ فرڈینند کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد پچاس برس تک مسلمانوں پر ایسے ایسے وحشیانہ مظالم ہوئے رہے، جنکی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں۔ غرناطہ کے بقیۃ السیف مسلمانوں کے خلاف محکمۃ انکیزیشن Inquisition نے قتل و احراق کا آخری حکم سنہ ۱۵۰۹-ع میں صادر کیا تھا، اور کارڈنیل فرانسسکو زی میلنس اور فرڈینند تہی تالابوا نے سرزمین اسپین میں اسلامی تمدن و آبادی کا آخری نقش بھی مٹا دیا تھا۔ یہ زمانہ ٹھیک ٹھیک وہی زمانہ ہے، جب مصر میں سلطان محمد بن قاتیبائی کے بعد پادشاہ گردی شروع ہو گئی ہے، اور کئی سال کی طوائف الملکی کے بعد اعیان سلطنت کے سلطان قانصرہ غوری کر تخت نشین کیا ہے۔

تاریخ میں دو واقعات کا اجمالی ذکر ہم پڑھچکے تھے۔ ایک یہ کہ جب سلطان ابو عبد اللہ، فرڈینند کے مقابلہ سے عاجز ہو گیا، تو اس نے دو سال کیلئے عارضی صلح کر لی، اور تمام مسلمان سلاطین عالم کی طرف سفارتیں روانہ کیں تاکہ انہیں مسلمانان اندلس کی نصرت و حمایت پر آمادہ کیا جائے۔ مسلمانان اندلس کو خیریت کے ساتھ سلطان عثمانی اور سلطان مصر سے اعانت کی توقع تھی۔ لیکن دو سال کی مدت گزر گئی، اور کسی نے بھی انکی خبر نہیں لی۔ دوسرا واقعہ سقوط غرناطہ کے بعد کا ہے۔ جب ابو عبد اللہ کی جلا وطنی کے بعد اسپین کی حکومت نے وہ تمام عہد و پیمان بھلا دیے، جو مسلمانوں کی آزادی و حفاظت کیلئے کیے گئے تھے، اور انکا قتل عام شروع ہو گیا، تو یہ حالت دیکھ کر مراکش اور گیرنس کے سلاطین مضطرب ہو گئے۔ انہوں نے تمام مسلمان سلاطین عالم کے پاس رفقہ بھیجے، اور انہیں مستعان اندلس کی بے بسی اور مظلومیت پر توجہ دلائی۔ ایک خاص سفارت جو مراکش کے بعض اکابر علماء و امراء سے مرکب تھی، قاہرہ بھیجی گئی تھی۔ یہ سلطان قانصرہ غوری ہی کا زمانہ تھا۔ تاریخ کے صفحات ہمیں بتاتے ہیں کہ سفارت قاہرہ پہنچی، اور

حکم دہیا تھا، لیکن سفرنامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ ”انہیں نے خزان بیت المقدس کی بڑی مقدار دیکر اپنی جانیں بچا لیں“

اس واقعہ نے تمام یورپ میں اضطراب پیدا کر دیا۔ واسکو ڈی گاما نے اگرچہ ہندوستان کا براہ راست بحری راستہ معلوم کر لیا تھا، لیکن ابھی اس راہ سے ہندوستانی مال کی آمد و رفت شروع نہیں ہوئی تھی، اور یورپ کی مشرقی تجارت کا دار و مدار بدستور مصر پر تھا۔ جنوبی مصر کا دروازہ بند ہوا، یورپ نے محسوس کیا کہ تمام مشرق کا دروازہ اس پر بند ہو گیا ہے۔ ایک سال کے اندر وینیس اور جنوا کی تمام تجارتی منڈیاں بند ہو گئیں، اور یورپ میں مشرقی مصنوعات کا پھر قحط شروع ہو گیا۔

یہ حالت دیکھ کر وینیس اور فرانس کی حکومتیں مجبور ہو گئیں کہ کسی نہ کسی طرح حکومت مصر سے از سر نو دوستانہ تعلقات پیدا کریں۔ وینیس کی یہ سفارت (جس کی سیاحت مصر کی زلزلہ اس سفرنامہ میں قلمبند کی گئی ہے) اسی مقصد سے روانہ کی گئی تھی۔ قریب قریب اسی زمانے میں فرانس کی سفارت بھی روانہ ہوئی۔ سفرنامہ میں جا بجا فرانسیسی سفارت کے معاملات کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ انداز بیان مخالفانہ جذبات سے خالی نہیں ہے۔ فرانسیسی سفارت شویلیر کونت انڈری کی زیر ریاست بھیجی گئی تھی۔

وینیس کی یہ سفارت ۲۳ - جنوری سنہ ۱۵۱۲-ع - کو وینیس سے روانہ ہوئی، اور بے شمار مقامات میں ٹہرتی ہوئی، ۲۰ - مئی سنہ مذکور کو اسکندریہ پہنچی۔

(سفرنامہ کے تاریخی فوائد)

سفرنامہ اس عہد کی ملکی اور معاشرتی حالات کے بے شمار فوائد و معلومات سے مملو ہے۔ ان کا استقصاء ایک تحریر میں ممکن نہیں۔ ہم مختصراً بعض اہم فوائد کا ذکر کریں گے۔

(سلطان غوری اور وزراء کی تصاویر)

مصنف نے جا بجا لکھا ہے کہ اسے مصری میں کافی دخل تھا۔ اس کا ثبوت ان تصاویر سے ملتا ہے جو اس نے سفرنامہ کے ساتھ شامل کی ہیں۔ ہم ان میں سے دو تصویروں کی نقل اس تحریر کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ پہلی تصویر سلطان قانصرہ غوری کی ہے۔ دوسری اس کے وزراء کی ہے۔ مصنف لکھتا ہے ”میں نے سلطان سے اس کی اور اس کے درباریوں کی تصویر کھینچنے کی اجازت حاصل کر لی تھی“

ان تصاویر میں سلطان اور وزراء مصر کی جو وضع و ہیئت نظر آ رہی ہے، یہ اس عہد کے تمام ترک اور چوکس امراء کی عام وضع تھی۔ سلاطین و امراء عثمانیہ کا لباس اور عمامہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا۔ یہ عمامہ جو اسقدر بلند اور عریض ہوتا تھا، ایسے باریک کپڑے اور ہلکے مواد سے طیار کیا جاتا تھا، کہ کوئی غیر معمولی وزن سر پر محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ہندوستان میں یہ بت دلچسپی کے ساتھ معلوم کی جا چکی کہ اکثر حاکم میں یہ کپڑا ہندوستانی ساخت کا ہوتا تھا!

سلطان ملک الاشرف قانصرہ غوری جسکی تصویر آپ کے سامنے ہے، دراصل مصر کے چوکسی مملوکوں کا آخری فرمانروا ہے۔ سنہ ۹۲۲-ھجری مطابق ۱۵۱۶-ع میں جب سلطان سلیم اول نے مصر و شام پر حملہ کیا، تو تخت مصر پر بھی سلطان متمکن تھا۔ یہ

ما ذا التقاطع في الاسلام بينكم
و انتم يا عباد الله اخوان
الا نفوس أليات لها همم ؟
أما على الخير أنصار و أعوان ؟

لیکن اس پیام کا جواب ان مسلمان قوموں اور فرماں رواؤں نے کیا دیا جو بقول ابوالبقاء کے ”خوبصورت گھوڑوں پر سوار تھے“ ہندی تلواروں کی چمک دمک سے آگے ہاتھ شعلہ بارہتے تھے“ اور اپنے آزاد وطنوں میں عزت و فرمانروائی کی پر عیش زندگی بسر کر رہے تھے ؟ تاریخ کے اوراق ہمیشہ اس واقعہ پر ماتم کرینگے کہ تمام عالم اسلامی میں ایک صدا بھی انکی حمایت میں بلند نہ ہوئی !

بہر حال جہاننگ مصری حکومت کا تعلق ہے، اس سفر نامہ سے بعض ایسی تفصیلات روشنی میں آجاتی ہیں، جو اس وقت تک تاریکی میں تھیں۔ بلاشبہ یہ ایک قیمتی فائدہ ہے جو اس کتاب سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ سفر نامہ کا مصنف ان حالات کی تفصیل کرتا ہوا جو سلطان غوری کے تخت نشین ہونے کے بعد پیش آئے تھے، لکھتا ہے :

”یہ وہ وقت تھا کہ اسپین نے تمام موزوں (مسلمانوں) اور یہودیوں کو ملک سے نکال دیا تھا“ اور سیکڑوں برس کے بعد پھر یہ سرزمین صرف مسیحیوں ہی کیلئے مخصوص ہوگئی تھی۔ یہ حالت دیکھکر مراکش، ٹیونس، اور الجزائر کے مسلمان امیروں نے سلطان مصر کی خدمت میں وفود بھیجے، تاکہ اسپین کے مقابلہ میں انکی مدد کی جائے، اور انہیں اس قابل کر دیا جائے کہ یہ ملک دوبارہ مسلمانوں کیلئے حاصل کر لیں۔ جب یہ وفود قاہرہ پہنچے تو سلطان غوری نے ان کا بہت اچھی طرح استقبال کیا اور اس معاملہ میں پوری دلچسپی ظاہر کی۔ پہلے اس نے ارادہ کیا کہ اسپین سے انتقام لینے کیلئے اور تمام شاہان یورپ پر اثر ڈالنے کیلئے بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دے، اور یورپ کے تاجروں کو اپنی مملکت سے نکال دے۔ لیکن پھر جب اس کا رروائی کے نتائج پر نظر ڈالی، تو اس پر ظاہر ہوگیا کہ ایسا کرنا دانشمندی کے خلاف ہوا۔ اسی اثنا میں ایسا ہوا کہ حکومت اسپین بھی امراء مراکش کی کوششوں پر مطلع ہوگئی۔ شاہ فردی نند اور ملکہ ازبیل کو خبر ملگئی کہ امراء مراکش مصر کو اپنی اعانت پر ابھارنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے بھی فوراً ایک سفیر مصر بھیج دیا تاکہ سلطان سے ملکر اسے مسلمانان اندلس کی اعانت سے باز رکھے۔ اس سفیر کا نام کرنٹ پیٹر ڈینکر تھا۔ یہ اسکندریہ پہنچا، اور فلپ دی پیریتز کے یہاں آگرا جو اس وقت مصر میں فرانس اور اسپین کا مشترک قنصل تھا۔ قنصل نے سفیر کی آمد کی باقاعدہ اطلاع سلطان کو بھیج دی، اور درخواس کی کہ اسے لیے قاہرہ جائے کا پروانہ راہداری مرحمت ہو۔“

”سلطان کو جب اس معاملہ کی اطلاع ملی، تو اس نے امراء علماء سے مشورہ کیا۔ علماء چونکہ مراکشی وفد کے ذریعہ مسلمانان اسپین کے مصالح کے واقعات معلوم کرچکے تھے، اسلئے قدرتی طور پر اسپین کے خلاف انکے جذبات مشتعل ہو رہے تھے۔ انہوں نے بالاتفاق یہ رائے دی کہ سلطان کا اس سفارت سے ملاقات کرنا بہتر نہیں۔ اسے واپس کر دیا جائے۔ سلطان نے بھی اس مشورہ سے اتفاق کیا، اور سفیر کیلئے پروانہ راہداری نہیں بھیجا۔“

سلطان نے تمام حالات معلوم کیے۔ لیکن اسے بعد کیا ہوا ؟ اس کی کوئی تفصیل تاریخ میں نہیں ملتی۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصر کا جو سلطان اپنے جہازوں کی حفاظت اور اپنے تجارتی مال و متاع کے تحفظ کا اس طرح خیال رکھتا تھا، کہ جب کبھی یورپ کی کوئی قوم شرارت کرتی تھی، تو بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دیتے اور یورپین تاجروں کو نکال باہر کر دیتے کی دھمکی دیکر فوراً راہ راست پر لے آتا تھا، اس نے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کیلئے جو آٹھ سو برس کی حکومت کے بعد مسیحیت کے مجنونانہ تعصبات کا شکار ہوگئے تھے اور زندہ جلائے جارہے تھے، کیا کارروائی کی ؟

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رہے کہ ابوالبقاء صالح بن شریف الرندی کا وہ زہرہ گداز تاریخی مرثیہ جو دراصل مسلمانان عالم کے نام مسلمانان اندلس کا ایک مایوس استغاثہ تھا، اسی زمانہ میں لکھا گیا تھا جیسا کہ مقررے نے تصریح کی ہے، اور خود یورپ کے مورخین ہمیں بتاتے ہیں کہ سلطان مراکش نے اسکی نقلیں تمام مسلمان سلاطین عالم کے نام بھیج دی تھیں :

لکل شئی اذا ما تم نقصان
فلا یفر بطیب العیش انسان
اصابها العین فی الاسلام فارتزأت
حتى خلت منه أقطار و بلدان
على دیار من الاسلام خالیة
قد افقرت و لها بالکفر عمران
حيث المساجد قد صارت کنائس ما
فیہن الا نواقرس و صلبان
بالامس کانوا ملوکا فی منازلهم
والیوم فی بلاد الکفر عبدان
فلو تراهم حیارى لا دلیل لهم
علیہم فی نیاب الذل ألوان
لمثل هذا ینوب القلب من کمد
ان کان فی القلب اسلام و ایمان !

قصیدہ کے آخر میں یہ اشعار فی الحقیقت مسلمانان عالم کے نام مظلوموں کا پیام الغیاب تھا :

یا راکبین عناق الخیل ضامرة
کانہا فی مجال السبق عقبان
و حاملین سیوف الهند مرہقة
کانہا فی ظلام النقع فیران
و راعمین وراء البحر فی دمة
لہم باوطانہم عز و سلطان
أعندکم نباء من اهل اندلس ؟
فقد سری بحديث القوم رگبان
کم یستغیث بنا المستضعفون و هم
قتل و أسرى فما یجز انسان

مذاکرہ علمیہ

قدماء کی مفقود صنعتیں

یہ مسلم ہے کہ قدیم قومیں بہت سی ایسی صنعتوں سے رافف تھیں جو اب مفقود ہو چکی ہیں۔ حال میں امریکہ کے ایک محقق علوم قدیمہ نے ایک مقالہ میں ان پر نہایت دلچسپ بحث کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

بعض قدیم مصری قبروں میں قرمزی رنگ کا نہایت شفاف شیشہ پایا گیا ہے۔ علماء عصر حیران تھے کہ یہ کیونکر بنایا جاتا تھا؟ بیان کیا جاتا ہے کہ پندرہویں صدی میں چینلوں کو اس صنعت کا طریقہ معلوم تھا۔ خوش قسمتی سے اب سر ہربرٹ جیکسن نے اسے معلوم کر لیا ہے، اور لندن کی رائل سوسائٹی کے سامنے پیش کر کے اس کی تصدیق بھی حاصل کر لی ہے۔

یونانی اب سے دو ہزار برس پہلے بھیڑ کی ارن سے ایک خاص قسم کا تیل بناتے تھے۔ یونان کی بریانی کے بعد یہ صنعت مفقود ہو گئی۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی کے علماء اس کا کچھ پتہ نہ لگا سکے۔ یہ رزغن "لائولین" کے نام سے مشہور ہے۔

روم کے معمار ایک ایسا رزغن جانتے تھے جو دیوار پر لگاتے ہی فوراً خشک ہو جاتا تھا۔ صدیوں تک مفقود رہنے کے بعد یہ راز سنہ ۱۹۰۸ء میں ایک انگریز رنگ ساز نے اسے معلوم کر لیا۔

روم کے صنایع ایک ایسا شیشہ بھی بناتے تھے جو لچکدار ہوتا تھا۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں فلورنس کے ایک باشندے نے اس شیشے کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "شہنشاہ ٹیڈرس نے عہد میں روم والوں نے ایک لچکدار شیشہ ایجاد کیا تھا۔ مگر اب یہ راز گم ہو چکا ہے۔ اگر یہ ہمیں معلوم ہو جائے، تو شیشہ کی قیمت، چاندی سونے سے بھی زیادہ ہو جائیگی"۔

لیکن عین اسی زمانے میں جبکہ فلورنس کا باشندہ یہ سطور لکھ رہا تھا، ایران میں یہ صنعت موجود تھی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۰ء میں شاہ ایران نے فلیپ سوم شاہ اسپین کو لچکدار شیشے کے چھ جام بھیجے تھے۔ یہ جام کسی طرح بھی ٹوٹ نہیں سکتے تھے!

یہ راز صنعت بالاخر گم ہو گیا۔ یہاں تک کہ کئی صدی کے بعد اب پچھلے سال ایک استرین عالم نے اسے دوبارہ معلوم کر لیا ہے۔ اس شیشے کا خاصہ یہ ہے کہ شیشے کی طرح شفاف ہوتا ہے، مگر لچک اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ایک پورا قاب انگلی پر رکھ کر تھ کر لے سکتے ہیں! قاب تھ کر لینے کے بعد گیند کی طرح گول ہو جاتا ہے۔ یہ گیند اگر زمین پر رز سے مارا جائے تو ٹوٹتا نہیں، بلکہ اس طرح اچھلتا ہے، جیسے رز کا گیند اچھلتا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ موجودہ دنیا اس صنعت سے بہت فائدہ اٹھائیگی۔ اس سے موٹر میں ہلائی جائیگی، اور آگے ٹوٹ جانے کا خطرہ دور ہو جائے گا۔

اسی طرح قدیم زمانے میں تانبے کے آسترے بنائے جاتے تھے جو لوہے کے آستروں سے زیادہ اچھا کام دیتے تھے۔ مدتوں کے بعد اب معلوم ہوا ہے کہ امریکا کے ایک قیدی نے یہ صنعت زندہ کر لی ہے۔ آج قید سے رہا کر دیا گیا ہے تاکہ اسے مکمل کر لے۔

لیکن ساتھ ہی صاف لفظوں میں انکار بھی نہیں کیا۔ جب کبھی قنصل کی جانب سے عرضداشت پہنچی، کسی نہ کسی طرح ٹال دیا گیا۔

"لیکن کچھ عرصہ کے بعد سلطان نے محسوس کیا کہ علماء و امراء کا مشورہ مصالح حکومت کے مطابق نہیں ہے۔ یہ مصلحت کے خلاف ہوگا کہ حالات کے جو موقعہ یورپین حکومتوں سے مطلب برابری کا پیدا کر دیا ہے، اسے ضائع کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے اسپینی سفیر کے لیے پورا راہداری بھیجوا دیا۔ وہ اسکندریہ سے چل کر ۱۶ جنوری سنہ ۱۵۰۲ء کو قاہرہ پہنچا۔ قاہرہ میں سرکاری ترجمان اس کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ حسب معمول شاہی مہمانسرائے میں اتارا گیا۔ اور ایک ہفتہ کے بعد دربار شاہی میں پیش ہوا۔"

"اس موقعہ پر اس عظیم الشان مشرقی فرمانروا نے جو طرز عمل اختیار کیا، وہ اس کی سیاسی مہارت اور شاہانہ حکمت عملی کا بہترین نمونہ ہے۔ وہ علماء و اعیان سلطنت کو اپنا مخالف بنا لینا پسند نہیں کرتا تھا، جو قدرتی طور پر مسلمانان اسپین سے ہمدردی رکھتے تھے اور ان کی حمایت و اعانت کے دل سے خواہشمند تھے۔ دوسری طرف اس کے لیے بھی طیار نہ تھا کہ ایک دور دراز ملک کے مسلمانوں کے لیے خواہ مخواہ جنگ و خونریزی کے خطرات میں مبتلا ہو، اور اپنے مصالح و فوائد کو نقصان پہنچائے۔ پس اس نے ایسا طریقہ اختیار کیا، جس سے ایک طرف علماء و امراء سلطنت کو بھی شکایت کا موقعہ نہیں ملا۔ دوسری طرف یورپ سے بھی اچھے تعلقات قائم ہو گئے۔ اس نے اسپینی سفیر کو پہلی مرتبہ برسر دربار بلوایا۔ اس موقعہ پر تمام امراء و علماء سلطنت موجود تھے۔ جب اس نے اپنے پادشاہ کا سلام عرض کیا، تو سلطان نے نہایت غضب ناک لہجہ میں اس کا سلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا، میں ایسے پادشاہ کا سلام نہیں سن سکتا جس نے مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا ہے اور جس کی حکومت میں اس وقت تک مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ لیکن پھر در دن بعد پوشیدہ محل میں بلا کر دوبارہ ملاقات کی، اور اس ملاقات میں نہ صرف پادشاہ اسپین کا سلام پوری بشاشت و مرحمت کے ساتھ قبول کر لیا، بلکہ اس کے جواب میں اپنی جانب سے بھی دوستانہ تعلقات کا پوری طرح یقین دلایا۔ اس کے بعد سفیر اور سلطان میں آج بھی کئی پوشیدہ ملاقاتیں ہوئیں۔ بالاخر اس سفارت کا جو مقصد تھا وہ حاصل ہو گیا۔ یعنی سلطان نے اسپین سے دوستانہ معاہدہ کر لیا، اور کچھ عرصہ کے بعد تمام یورپ سے بھی اسے راز معاهدات کی تجدید ہو گئی۔ مراکش کا وفد کئی سال تک قاہرہ میں پڑا رہا۔ آخر مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔"

اس بیان پر کسی اظہار رائے اور بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ جو معاہدہ اسپین اور سلطان غوری میں اس سفارت کے ذریعہ ہوا تھا، اور سفارت نے جو تحریر سرکاری طور پر سلطان کے سامنے پیش کی تھی، اس کا اصلی نسخہ اس وقت تک اسپین کے شاہی کتب خانہ واقع اسکریبال میں موجود ہے۔



بریکنگ



روسی انقلاب کی جوبلی

(دسویں سالگرہ کا جشن)

قارئین الہلال کو اخبارات کے ذریعہ معلوم ہو چکا ہے کہ گذشتہ اکتوبر میں روس کی سرپرست حکومت نے آخری انقلاب روس کی دسویں سالگرہ منائی تھی اور اس تقریب کو "کمپوٹیزم" کی دہ سالہ جوبلی سے تعبیر کیا تھا۔ اس تقریب میں شرکت کیلئے بعض

ہندوستانی رہنماؤں کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ لیکن ان میں سے کوئی شخص بھی نہ جاسکا۔ وقت کی کمی حالات کی ناموافقت اور زیادہ تر ہندوستانی حکومت کے پرانے راہداری دینے کے اشتباہ سے کسی شخص نے قصد ہی نہیں کیا۔

اب یورپ کی پچھلی ڈاک کے اخبارات میں اس تقریب کی نہایت دلچسپ اور مرثر تفصیلات آگئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ موسکو کا یہ اجتماع دنیا کے عظیم الشان اجتماعات میں سے تھا۔ نہ صرف تمام روسی صوبوں سے بلکہ دنیا کے دروازہ حصر سے بھی نمائندوں کی بے شمار تعداد شریک ہوئی تھی۔ وسط ایشیا کی تمام حکومتوں اور قوموں کے رکلاہ موجود تھے۔ قفقاز اور ارمینیا نے

علاوہ اسمیں حصہ لیا تھا۔ ایران سے بھی ایک وفد گیا تھا۔ چین اور جاپان کے بھی نمائندے موجود تھے۔

تقریب کے رسوم و اعمال نہایت طویل تھے جو کئی دن تک متصل جاری رہے۔ سب سے زیادہ اہم اور عظیم اجتماع بین الاقوامی جلوس کا تھا جس سے جوبلی کی تقریب کا افتتاح ہوا۔ اس جلوس کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اسے شرکاء کی تعداد دس لاکھ آدمیوں سے بھی زیادہ تھی اور بیس گھنٹہ سے زیادہ وقت اسے گزرنے میں لگ گیا تھا۔ جو لوگ جلوس نکلتے وقت شریک ہوئے تھے انہوں نے پورا ایک دن اور ایک رات سڑکوں پر بسر کر دی۔ جلوس کا ایک سرا شہر کے ایک کنارے سے شروع ہوا تھا اور دوسرا سرا لگی چکر کھا کر دوسرے سرے پر ختم ہوا تھا۔

اس موقع پر یہ بات یاد رہے کہ موسکو کی آبادی عرض کی جگہ زیادہ تر طویل ہی میں واقع ہوئی ہے۔ وہ دنیا کے ان شہروں میں سے ایک ہے جو سب سے زیادہ لمبے واقع ہوئے ہیں۔

جلوس کے بعد سرپرست کی بین الاقوامی مرکزی



نقطہ خیال رکھتا ہے ' اور اسی کے مطابق صورت حال کا نقشہ کھینچنا چاہتا ہے - مثلاً جب کبھی موجودہ عہد کا کوئی یورپین سیاح ترکی اور مصر کی سیر کرے گا ' اور وہاں کی جدید معاشرتی تحریکات پر نظر ڈالے گا ' تو چونکہ پیشتر سے اس بارے میں ایک خاص نقطہ خیال قائم کر چکا ہے ' اس لیے تغیر و اصلاح کی ہر حرکت کو اسی روشنی میں دیکھے گا ' اور مجموعی حیثیت سے ایک ایسی تصویر طیار کر دے گا ' گویا ترکی اور مصر کی جدید جماعتوں نے وہ یک دفعہ ارادہ کر لیا ہے کہ مشرقیت اور اسلامیت کے تمام عقائد و افکار سے دست بردار ہو جائیں !

دوسری طرف بعض مسلمان اہل قلم ہیں ' جو ہندوستان کے قدامت پسند مسلمانوں کے افکار و جذبات کی رعایت کرنی چاہتے ہیں - اس لیے پسند نہیں کرتے کہ نئی تحریکات کی حد سے بڑھی ہوئی آزادانہ صورت آنے سامنے عرباں ہو - وہ ہمیشہ ان تحریکات کے متعلق ایسی مبہم اور گول مول باتیں کہہ جاتے ہیں ' جن سے صورت حال مشتبه ہو جاتی ہے ' اور لوگ خیال کرنے لگتے ہیں کہ ترکی اور مصر کی جدید تحریکات کی نسبت جو کچھ کہا جاتا ہے ' صداقت سے یک قلم خالی ہے -

جدید ترکی نسبت کئی سال سے ایسا ہی ہو رہا ہے - ایک طرف وہ بیانات ہیں جو دنیا کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ جدید ترکی اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے لیے بھی طیار نہیں - دوسری طرف وہ خوش عقیدہ مسلمان ہیں جو اور اخباروں کے مضامین پڑھ کر خیال کرنے لگتے ہیں کہ ترکی کے نئی معاشرتی انقلاب کی نسبت جو کچھ کہا جاتا ہے ' محض یورپین نامہ نگاروں کا سیاسی پروپگنڈا ہے - حقیقت سے اسے کوئی لگاؤ نہیں -

اس فرانسیسی مقالہ نگار کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اس نے اپنے تاثرات کو کافی حد تک اس طرح کی بے اعتدالیوں سے محفوظ رکھا ہے ' اور کوشش کی ہے کہ بلاد اسلامیہ کی موجودہ انقلابی ذہنیت کا صحت نظر و تشخیص کے ساتھ مطالعہ کیا جائے -

ہم اس مقالہ کا مختصر خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں ' تاکہ مسلمانان ہند جدید ترکی کے فکری تغیرات صحت کے ساتھ معلوم کر سکیں -

مقالہ نگار لکھتا ہے :

"گذشتہ دس سال کے اندر ترکی کی معاشرتی زندگی میں جو انقلاب رونما ہوا ہے ' اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمیں نوجوان ترک عورت کی نئی تاریخ حیات پر نظر ڈالنی چاہئے -



جدید ترکی خواتین
سنہ ۱۹۱۲ - ۱۹۲۵ - تک !

مجلس کا اجلاس شروع ہوا - ممکن نہ تھا کہ کوئی عمارت اتنے بڑے اجتماع کی گنجائش رکھتی - اس لیے ایک کھلے میدان میں منعقد ہوا - اجتماع کئی گھنٹوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا ' اور ہر گھر کے وسط میں لینین کا ایک مجسمہ رکھا گیا تھا - لینین کا ایک بہت بڑا مجسمہ میدان کے دروازہ پر بھی نصب کیا گیا تھا ' جو روس کے ایک بہت بڑے صنایع نے سنہ ۱۹۲۴ میں بنایا تھا - یہ ایک بہت بڑے قطر کا گرو ارضی ہے ' اور اس کے قطبی حصہ پر لینین کھڑا ہے - مجسمہ کی یہ صورت اس رمز کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کمیونزم کی دعوت تمام گرو ارضی کی سرمایہ پرستی پر غالب آگئی ہے !

ہم نے صفحات الہلال کے لیے درمقوعوں کا انتخاب کیا ہے - پہلا مرقع اس موقعہ کا ہے جب سوریہ کے اعلیٰ حکام جلوس میں شریک ہونے کی تیاری کر رہے ہیں - بالیں جانب سیاہ استر خانی ٹرپی اڑے ہوئے صدر سوریہ کھڑا ہے جسے آج کل تمام یورپ "کمیونزم کے زار" سے تعبیر کرتا ہے - اس کے ساتھ جدید کمیونسٹ فوج کی زردی پہلے ہوئے ' سوریہ ارکان حکومت ہیں -

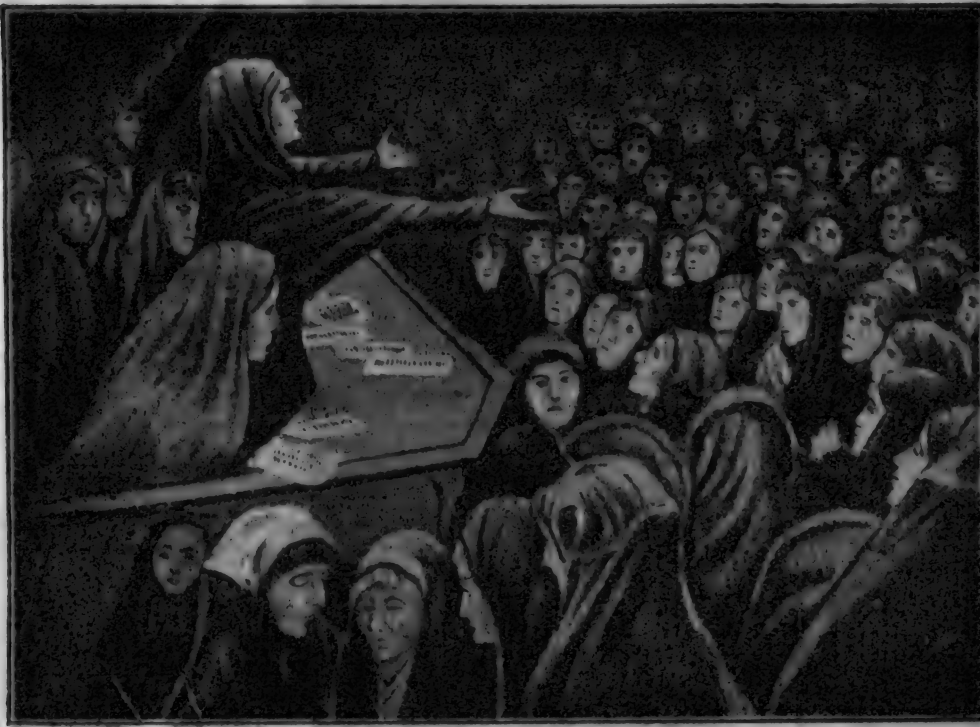
دوسرا مرقع جلوس کا ایک خاص حصہ ہے - اس میں زیادہ تر یورپ اور انگلستان کے نمائندے ہیں - اگر آپ بالیں جانب غور سے دیکھیں تو مسٹر سکلف والا کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا ہے -

ترکی کی نسوانی تحریکات

الہلال نمبر (۲۳) میں عنوان مندرجہ صدر سے ہم ایک فرانسیسی اہل قلم کے مقالات کا خلاصہ درج کر چکے ہیں - اب اس سلسلہ مقالات کی تیسری قسط بھی شائع ہوگئی ہے - اس میں زیادہ تر ترکی کی موجودہ نسوانی تحریکات اور ان کے مقاصد پر نظر ڈالی ہے -

بلاد اسلامیہ کے جدید معاشرتی تغیرات کے متعلق وقتاً فوقتاً جو مضامین مشرق و مغرب کے اخبارات میں شائع ہوئے رہتے ہیں ' اکثر حالتوں میں صورت حال کی معتدل اور حقیقی نوعیت پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں - عموماً ایسا ہوتا ہے کہ مضمون نگار کوئی خاص

سنہ ۱۹۱۳ء - میں ترک خواتین کی ایک انجمن کا اجلاس



سنہ ۱۹۰۸ء میں جب دستوری انقلاب ہوا، تو تمام قسطنطنیہ میں ایک مسلمان عورت بھی ایسی نہیں تھی جسے قسطنطنیہ کی سڑکوں پر بغیر یشمک (ہلکے نقاب) کے نکلنے کی جرأت ہو۔ لیکن پانچ سال کے اندر ہی اندر یہ حالت ہو گئی کہ: غی صدي پچھتر نوجوان لڑکیاں ایسی تھیں جنہوں نے یشمک کی جگہ ایک ایسا بالائی لباس اختیار کر لیا تھا جو ان کے چہرہ کے کناروں کو ڈھانپ لیتا تھا، اور درمیانی حصہ بالکل کھلا رہتا تھا۔ چند سالوں تک یہ وضع نہایت مقبول رہی۔ بڑے بڑے باشاؤں کے گہرانے میں بھی اسی وضع کا لباس ڈزایننگ روم کی ملاقاتوں کے لیے پہنا جاتا تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۱۴ء میں جب عالمگیر جنگ

شروع ہوئی، تو بہت سی نوجوان ترک عورتیں اس پرورش سے اکتا چکی تھیں۔ ایک بڑی تعداد ایسی لڑکیوں کی موجود تھی جس نے اسے ترک کر دیا تھا۔ وہ اپنے سرروں کو ایک خاص طریقہ سے اچھی طرح ڈھانپ لیتی تھیں، لیکن چہرہ ٹھنڈی کے پاس پوشیدہ نہیں کیا جاتا۔ وہ یورپی طرح کھلا رہتا تھا۔

”جہاں تک عام لباس کا تعلق ہے، ترکی کی شہری عورتیں، خصوصاً دارالحکومت کی عورتیں ایک عرصہ سے یورپین لباس کے غالب اجزاء اختیار کر چکی تھیں۔ لیکن سنہ ۱۹۰۸ء تک ایسی عورتیں زیادہ نہ تھیں، جنہوں نے کامل طور پر یورپین لباس اختیار کر لیا ہو۔ عموماً اس طرح کا لباس پہنا جاتا تھا، جو یورپین لباس ہونے پر بھی بعض مشرقی قسم کی خصوصیات رکھتا تھا۔ سنہ ۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد یہ خصوصیات رخصت ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۹۱۴ء میں دارالحکومت کے تمام گہرانوں میں نئی نسل کی

لڑکیوں نے کامل فرانسیسی لباس اختیار کر لیا۔ ترکی زبان میں بھی لباس اور فیشن کے ترکی رسائل آتی طرح نکلنے لگے، جس طرح فرانس اور انگلستان میں نکلتے ہیں۔ دارالحکومت سے باہر بھی تمام بڑے بڑے شہروں میں کامل قسم کا یورپین لباس رائج ہو گیا۔ گذشتہ سال مجمع ایک درس نے جو عرصہ سے سمرنا میں مقیم ہے، بتلایا تھا کہ سمرنا کے ترک گہرانوں میں پیرس کے تازہ ترین زمانہ فیشن سے دہسی ہی دلچسپی لی جاتی تھی، جیسی دلچسپی یورپ کے کسی شہر میں لی جاسکتی ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پیرس کا جو فیشن ایک ہفتہ کے اندر لندن اور برلن کے درزیوں کے یہاں پہنچ جاتا تھا، اُسے سمرنا تک پہنچتے پہنچتے کئی ہفتے لگ جاتے تھے!“

”تاہم یہ ساری تبدیلیاں گہر کی چار دیواری کے اندر ہی ہوتی رہیں۔ یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی ترک عورت گہر سے باہر بھی آتی لباس میں نکل سکے، جس لباس کے اندر وہ گہر میں اپنے درستوں کا استقبال کرتی تھی۔ باہر نکلنے کیلئے ایک خاص وضع کا بہت عریض فرغل استعمال کیا جاتا تھا، جسے کمر کے پاس پٹتی سے کس لیا جاتا تھا، اور وہ ہمارے ملک کے یادریوں کے گاؤں کی سی ہیٹس پیدا کر لیتا تھا۔ فرغل پہن لینے کے بعد نہ صرف جسم ہی کامل طور پر چھپ جاتا تھا، بلکہ لباس کی تمام آرائش بھی پوشیدہ ہو جاتی تھی۔ امیر ہو یا غریب، جوان ہو یا بوڑھی، تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ، لیکن گہر سے باہر ہر ترک عورت ایک ہی طرح کے لباس میں نظر آتی تھی۔ سنہ ۱۹۱۲ء - میں جب نوجوان



غازی مصطفیٰ کمال پاشا اور انکی سابق بیوی لطیفہ ہانم

طرح آزاد ہو چکی ہے۔ اُس میں ایک ایسے محسوس تذبذب اور اضطراب باقی تھا، جس کے اندر روح قدامت کی ایک دھندلی سی تصویر نظر آ جاتی تھی۔ لیکن سنہ ۱۹۲۷ء کی ترقی یافتہ ترک عورت کامل معنوں میں آزاد خیال ہے۔

اُس کا تذبذب مت چاہے۔ اُس میں اضطراب قدیم کی جگہ عزم اور فیصلہ پدید ہو گیا ہے۔ وہ وقت کی روح سے لبریز ہے، اور صرف مستقبل ہی کی طرف نگاہ رکھتی ہے۔ بلاشبہ یہ صورت حال اس وقت تک صرف اونچے طبقہ ہی میں محدود ہے۔ متوسط طبقہ کی عورتیں عموماً پچھلی حالت ہی میں رہتی ہیں۔ لیکن اگر ترکی کی موجودہ حکمران جماعت کو فوری زوال پیش نہ آگیا تو یہ بات یقینی ہے کہ بہت جلد یہ روح تمام ترکی میں پھیل جائیگی۔

اب نو جوان عورتیں پرانا فرغل بھی ترک کرتی جاتی ہیں جو باہر نکلنے کیلئے انکی لازمی پوشش تھی۔ اسکی جگہ ایک ایسا لباس وضع کر لیا گیا ہے جو گہرا اور گہرے سے باہر، دونوں حالتوں میں کام آدیسکتا ہے۔ گزشتہ سال انگریزوں میں یہ دیکھا مجھے نہایت حیرت ہوئی تھی کہ ارکان حکومت کی بیویاں بغیر فرغل پہنے ہوئے باہر نکلتی تھیں اور مجلس (پارلیمنٹ) کی گیلریوں میں بیٹھی نظر آتی تھیں۔ بعد کو مجھے بتلایا گیا کہ یہ طریقہ اب روز بروز مقبول ہوتا جاتا ہے، اور اعلیٰ طبقہ کی کوئی ترک عورت ایسی نہیں ہے جو قدیم فرغل استعمال کرتی ہو۔



جنگ سے پہلے ایک زمانہ، اسکول کی ترک لڑکیاں



خالہ ادیب خانم

عہد حاضر کی مشہور اہل قلم جو آجکل امریکہ میں مقیم ہے

لڑکیوں نے یشمک کا استعمال ترک کر دیا، اور غریب خاندانوں کی تعلیم یافتہ لڑکیاں تار اور ٹیلی فون کے مرکزوں میں کام کرنے لگیں، تو اُس وقت بھی انہیں اس بات کی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ یورپین عورتوں کی طرح اپنے آرائشی لباس میں باہر نکلیں۔ دولت مند گھرانوں کی بے شمار عورتیں ہیں، جو پیرس کے مشہور درزیوں کے یہاں اپنے کپڑے سلواتی ہیں، اور اپنی بالوں کی آرایش اور لباس کی دیکھ بھال کیلئے پیش قرار تنخواہوں پر فرانسیسی خادماں رکھتی ہیں، تاہم وہ بھی جب گھر سے باہر نکلتی ہیں، تو اپنا حسین اور فیشنبل فرانسیسی لباس سیاہ و عریض فرغل کے اندر چھپا لیتی ہیں۔ یہ فرغل اُس وقت تک اُنکے جسم سے الگ نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ گھر کی چار دیواری کے اندر واپس نہ آجائیں۔

اسکے بعد مقالہ نگار نے ان تغیرات کا ذکر کیا ہے جو جنگ کے بعد جدید قومی تحریک کے ساتھ ساتھ ظہور پذیر ہوئے، اور جو اب نہایت تیزی کے ساتھ عام ہو رہے ہیں:

”ان تغیرات میں سب سے زیادہ اہم چیز ترک عورتوں کی معاشرتی ذہنیت ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ گزشتہ چند سالوں کے اندر انہوں نے تغیر و انقلاب کی بہت بڑی مسافت طے کر لی ہے۔ سنہ ۱۹۱۴ء کی نوجوان ترک خاتون اگرچہ اپنی آزاد خیالی اور ذہنی استعداد کے لحاظ سے قدیم مشرقی عورتوں سے بالکل مختلف قسم کی ذہنیت رکھتی تھی، تاہم اُس میں موجودہ عہد کی وہ بے خوف روح نہیں پائی جاتی تھی جو قدامت کے دائرہ اثر سے پوری

تاریخ و عبر

غدر ۱۹۵۷ء

تصویر کا دوسرا رخ

(۲)

تین واقعات میں کس تیسرا واقعہ

جلیا نوالہ باغ کا قتل عام

(۳) تیسرا واقعہ جلیا نوالہ باغ کا قتل عام ہے۔ جو غدر سے ڈرے ہوئے دہشوں کے طفیل عالم وجود میں آیا تھا۔ یہ حادثہ جانکاہ اپریل ۱۹۵۷ء میں واقع ہوا۔ ہندوستانی اسے اس وقت تک فراموش نہیں کر سکتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جرنیل ڈاکٹر کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا تھا۔ کیونکہ امرتسر میں (جو اکالی سکھوں کا صدر مقام ہے) فسادات سے باہر ہو چکا تھا۔ لوگوں نے کئی انگریز قتل کر دیے تھے۔ اور صیالی لڑکیوں کی تیاگ گاہ جلانے کی بھی کوشش کی تھی۔ جلایا نوالہ باغ میں جو ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا، وہ امن پسند نہیں کہا جاسکتا۔ اگرچہ ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ جب ڈاکٹر موقع پر پہنچا، تو ایک شخص تعزیر کر رہا تھا۔ ڈاکٹر نے آتے ہی سپاہیوں کو فائر کرنے کا حکم دے دیا، اور وہ سٹلٹ کے اندر سیکڑوں آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ قریباً ایک ہزار آدمی زخمی بھی ہوئے تھے (لیکن ہندوستانی مقتولین اور مجروحین کی تعداد اس سے زیادہ بتاتے ہیں) جب سپاہیوں کے کار توں ختم ہو گئے تو قتل عام خود بخود بند ہو گیا۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ڈاکٹر نے مارشل لا کی حقیقتاتی کمیشن کے روبرو جرم ثابت نہیں کیا، اس سے آئسنے اپنے آپ کو سخت نقصان پہونچایا۔ کیونکہ وہ خود اذیتا ہو کر جرنیلانہ سزا دیکر لوگوں کے دلوں میں خوف اور دہشت پیدا کرنی چاہتا تھا۔

چونکہ مارشل لا کی وجہ سے لوگوں کو شام کے بعد گھر سے بچنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیے اس شام کو کوئی شخص جلایا نوالہ باغ کے مرنے اور جھڑپوں کے پاس جانے کی جرات نہ کر سکا، اور نہ ہی فوجی حکام نے ان کی طرف توجہ کی۔ میں اس وقت تمام خوفناک واقعات ازبیر زبان کرنا نہیں چاہتا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بجائے انگریز ڈاکٹر کے قتل کے خلاف اظہارِ نفیر نہ کرنے، انھوں نے یہ ممکن طریقہ سے اس کی تائید کی۔ اس قدر بھی انگریزوں نے ہندوستانیوں

سے وہی سلوک کیا جو غدر کے ایام میں کیا تھا۔ انھوں نے علانیہ طور پر یہ بات ثابت کر دی کہ وہ محض تلوار کے زور سے ہندوستان کو غلام کرنا چاہتے ہیں جب گورنمنٹ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ سخت گھبرائی لیکن اسے بھی مسئلہ ڈاکٹر کی حرکات کی تائید ہی کرنی پڑی۔ اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہندوستان میں اتحاد کی ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے باہمی نفاق بالائے طاق رکھ کر ایک متحدہ تحریک گورنمنٹ کے خلاف جاری کر دی۔ اور مقبوضے ہی عرصے میں اسے ایسی نظم و طاعت حاصل کر لی کہ تمام انگریز گھبر گئے۔ انھوں نے گورنمنٹ آف انڈیا کو بڑے زور سے مشورہ دیا کہ یہ تحریک بالکل کچل ڈالی جائے۔ انہی دنوں میں انگریزوں نے (جو ہندوستان میں مقیم تھے) جرنیل ڈاکٹر کے واسطے ۲۰ ہزار پونڈ جمع کر کے بھیجا۔ کیونکہ اسے گورنمنٹ نے ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہے ان میں سے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے جو ضرور خیال کرتے ہونگے کہ ان کی قوم نے ڈاکٹر کی تائید کر کے اپنی حماقت کا ثبوت دیا ہے جو جب تک ہم ہندوستانی معاملات کو ٹھنڈے دل سے نہ سمجھیں گے۔ ہم ذرا ایک معمولی بات پر ہتھیار ہو جائیں گے جس طرح کہ ہماری قوم کے ایک نمائندے (ڈاکٹر) نے امرتسر میں شعل ہو کر قتل عام کر دیا!

غدر کی انگریزی تاریخیں

میں جہان ہوں، میری قوم نے اس وقت تک تاریخی کتابوں میں غدر کے ایک طرف انسانوں کا اندراج کیوں جاری رکھا ہے؟ ان میں ہندوستانیوں کے خلاف اس قدر ذہن آگاہی کوئی انگریز لکھتا ہے ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کتابیں محض اس غرض سے لکھی گئی تھیں کہ انگریزوں کے دلوں میں ہندوستانیوں کے خلاف نفرت بیدار کی جائے۔ انگریز مورخوں نے بعض جرنیلوں کی شجاعت و بہت کی اس قدر تعریف کی ہے کہ وہ ان کے بڑے بڑے فاتحوں کی بھی اس قدر تعریفیں نہیں کی گئی ہوں گی۔ میں سمجھتی ہوں کہ ان کا نیت ملاح تھا۔ میں نے

اس کی سوانح حیات جو طراڑنے لکھی ہو کسی دہلیز پر ہے۔ مگر افسوس کہ اس میں اصل بھگتن کا خاکہ نظر نہیں آتا۔ اس کی مہم بہادری کے قصوں نے اس کی حقیقی زندگی چھادی ہو۔ بہتر تو یہ تھا کہ اس کی حقیقی سیرت لکھائی جاتی۔ اس میں شک نہیں، بھگتن ایک بہادر سپاہی تھا۔ وہ اپنی قوم کی خاطر بڑی بہادری سے لڑا۔ لیکن اسے دنیا کے عظیم سپہ سالاروں کے ذمہ میں شامل کرنا انصاف سے بعید ہے۔ سر جارج فارلٹ بھگتن کے متعلق اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ وہ ایک تندخو آدمی تھا۔ اور عام طور پر بدزبانی کیا کرتا تھا۔ اس کی بہادری مسلمہ تھی۔ لیکن وہ نافرمان بھی تھا۔ اس نے لارنس کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا تھا۔ کیمبل بھی ان انسانوں کو جو بھگتن کے متعلق مشہور تھے، بے بنیاد قرار دیتا ہے۔ اسی طرح تواریخ میں نیل، سید لاکا اور لارنس کے کارنامے نمایاں کے متعلق بے شمار لغو کہانیاں مورخانہ جرات و سنجیدگی کے ساتھ درج کر دی گئی ہیں!

نیل کی کارگذاری کے متعلق ہومز لکھتا ہے:

”بنارس کے باشندوں میں یہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ نیل شہر پر گولہ باری کرنے والا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے باشندے اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر شہر سے بھاگ گئے۔“

نارٹ بھی ہومز کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”نیل نے لوگوں پر ایسے مظالم برپا کئے تھے کہ اگر وہ زندہ رہتا، تو اس کی قوم بھی ضرور اسے لعن طعن کرتی۔ لیکن موت نے جلد ہی اس کے عیب و احباب لئے۔ میں نیل کو اس کے مظالم کی وجہ سے ہرگز سعادت نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ظلم نہ کرتا تو لہجہ کی بلبل بھی تباہ نہ ہوتی۔ الہ آباد میں بھی اسے فیروز پور کی بلبل کو اپنے ظالمانہ سلوک کی وجہ سے مخالفت بنالیا تھا۔ حالانکہ مجھے اس بلبل کی وفاداری پر پورا اعتماد تھا۔ نیل کی عادت یہ تھی کہ وہ کسی پر بھی اعتبار نہیں کرتا تھا۔ اور لوگوں سے بڑی بے رحمی سے پیش آتا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ مومنین کی آئندہ نسل اس شخص کو بے شمار خیرات و مظالم سے بری الذمہ ثابت کرنے کی جرات نہ کرے گی!“

برطانوی راست بیانی!

جنگِ یورپ میں بھی ہمارے اخباروں نے یہ افواہیں شہور کر رکھی تھیں کہ جرنی کے سپاہیوں کو ان کے افسر مار کے میدان میں بھجوتے تھے۔ کیونکہ وہ ایسے ڈر لوگ تھے کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کی جرات نہیں رکھتے تھے۔ لیکن یہ غلط بیانی جنگ کے واقعات سے بخوبی ثابت کر دی جرنی کی فوجیں ایسی جانفشانی سے لڑیں کہ ان کے دشمن بھی مش عرش کر گئے۔ اس قسم کی جھوٹی خبروں کے پھیلانے سے غا یہ ہوا ہے کہ دشمنوں کی تعزیر کی جگہ، اور ان کے خلاف نفرت کا جوش پیدا کر دیا جائے، اسی طرح غدر کے دنوں میں بھی انگریزوں نے اس قدر جھوٹے انسانے تاریخوں میں درج کر دالے کہ انھیں اصل واقعات پوشیدہ کر دیے!

بعض حقائق کا اعتراف

ہمارے غدر کے مورخ بھی کہیں کہیں کسی ہندوستانی کی تھوڑی سی تعریف کرتے ہیں۔ مثلاً جھاسی کی رانی کے متعلق تیسرا سب متفق ہیں کہ وہ ایک عظیم شخصیت تھی۔ سر سید ورنے (جس نے رانی موصوف کو شکست دی تھی) ایک دفعہ لکھا تھا:

”وہ سب سے زیادہ بہادر اور لائق جرنیل تھی اس نے لڑائی میں ایسے کارنامے دکھائے کہ انگریز بھی عین کئے بغیر ذرا سے۔“
انگریزوں نے اسے زندہ پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔ کیونکہ اس نے لڑائی کے میدان میں اپنی جان بے دری ہندوستانی ایسے بجا طور پر ہندوستان کی جوں آت انگ کہتے ہیں۔ ایک دن

ہیں یہ یقین کرنی پڑے گی کہ کیا وہ بھی کہ ہندوستانی عورتیں بھی ہمارے
خلاف لڑنے پر آمادہ ہوگی تھیں؟ جہاں کسی کی انگریز اور عورتیں
قتل کر دی گئی تھیں۔ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ رانی نے یہ خونریزی پسند
نہ کی ہوگی۔ جب جہاںسی فتح ہو گیا، تو اس کے باب کو سیکڑوں آدمیوں
کے ساتھ جہاںسی دی گئی۔

شہزادہ قندوز کے متعلق بھی عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ بڑا بہادر اور
جبار آدمی تھا۔ اسنے آسمانی میں نہاے آدمیوں کو بچانے کے لئے بڑی
کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ جنگ کے میدان میں بڑی ثابت قدمی
اور استقلال سے لڑتا رہا۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اگر ہمارے ہاتھوں
میں پھنس گیا تو اسے فوراً پھانسی دے دی جائے گی۔ خود سامنے
آدنی بھی خفیہ طور پر خوش تھے کہ وہ پکڑا نہیں گیا۔ اس کی شہسواری
اور اس کا سیرکون و خدمت کے سلسلے میں بال بال بچ جانا ایک نایاب
بن گیا ہے بعض سترے بھی اپنے اشعار میں اس کی بہادری کے
تذکرے کئے ہیں کما جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں تک ہندوستان کے جنگجو
میں مارا یا پھرتا رہا۔ بعد ازاں مسلمانوں میں وہ عرب میں آخری دفعہ
دیکھا گیا کہ کوئی دفعہ ایسا بھی اسے کا کہ ہندوستانی روایات بھی تاریخ
کی کتابوں میں مروج کی جائیں گی۔ اور صحیح واقعات کی طرح مستند
تجربے جائیں گی۔ وہ ہندوستان میں کسی قدر دلچسپی والی ہوگی!
ہمارے مورخین لکھتے ہیں کہ یہ ہندوستان کو آزاد کرانے
کی خاطر زبانی نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ شخص چند فوجوں کی بغاوت بھی
اچھا، اگر ایسا ہی تھا تو پھر لگے لگے آدھوں کو موت کے گھاٹ اتارا
اور غیر محارب جماعتوں کو بھی لائسنز قتل کر ڈالنا، کہ قدر انسانیت
سودھ نکالت تھیں! اگر اس قسم کے دردناک مظالم کسی دوسرے ملک میں
ہوتے تو یقیناً پورا ملک متحد ہو کر برسرِ بیکار ہو جاتا۔ گو یہ زیادہ تر
آگرہ کے صوبہ میں رہی۔ لیکن پھر بھی اس صوبہ کے عام لوگوں نے
اس میں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا۔ ہیں ناپا لائسنز کرنا پڑا ہے کہ انہی کو
نے بہت سے انگریزوں کی جائیں بجا کو اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے
حالانکہ ہندی سپاہی ان کے مخالفت ہو گئے تھے۔

فارسی میں اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱ پر لکھتا ہے:

”۱۰۔ دن کے اندر اودھ کے صوبہ میں انگریزی راج خواب کی
ماند غالب ہو گیا تھا۔ سپاہیوں نے بغاوت کا عالم بلند کر دیا تھا۔ اور
عوام الناس نے اطاعت کا جو آثار کہ دیکھنا دیکھنا لیکن کمال
کی بات یہ کہ پھر بھی کوئی ظلم نہ کیا نہ ہوا۔ نہ ہی کسی نے انتقام لینے کی
کوشش کی۔ انھوں نے انگریزوں کے ساتھ نہایت اعلیٰ درجہ کا سلوک
کیا۔ بلکہ انھوں نے ان کے ساتھ کمال شرافت سے پیش لے
رہے۔ حالانکہ ان میں سے بعض لوگوں کو انگریزوں سے بے لاد تھا“

میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں۔ کہ ہماری بے رحمی بلا وجہ نہ تھی کیونکہ
غدر کے ابتدائی مرحلوں میں ہیں استقلال دلایا گیا تھا۔ باغیہ
نے قتل کی ابتدا کی تھی۔ سب سے پہلے میٹھ کی ہندوستانی فوج کے ایک
دستے نے اپنے افسروں کو قتل کر ڈالا کیونکہ وہ اپنے ساتھ بھگت
غزنی گزرا نہیں کر سکتے تھے۔ بعد ازاں دہلی میں انہی باغیوں کے
ایسا سے فرنگیوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ اس کے بعد بغاوت کا
اثر دور دور پھیل گیا اور ۱۲ انگریزی چھائیوں اس سے متاثر ہو
گئیں۔ اس وقت دونوں طرف سے باقاعدہ خونریزی شروع ہو گئی تھی
اور جنگ کا میدان گرم ہو گیا تھا۔ جہاںسی اور کانپور میں انگریزوں
کو سخت جی سے قتل کیا گیا لیکن جب انگریزوں کی باری آئی
تو انھوں نے تمام علاقے زیرِ زیرِ کر دیے۔ جہاںسی اور کانپور کے عوام
تو بعد میں ملوث ہو گئے تھے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ فریقین کے باہمی غلط افواہیں پھیل گئی
جاتی تھیں جن سے خواہ مخواہ اشتعال پیدا ہو جاتا تھا۔ مثلاً باغیوں
کو یقین دلایا گیا تھا کہ انگریزی گورنمنٹ تمام ہندو مسلمانوں کی تباہی
پر آمادہ ہے، اور ان کا مذہب بگاڑنے کی تدابیر کر رہی ہے۔ اسی
طرح ہمیں بھی ہندوستانیوں کی بے رحمی کے زعمی جیسے شعلے جلتے تھے
جس سے ہمارا جام صبر لرز ہو جاتا تھا۔ جنگ کے ایام میں عموماً جھوٹی
خبریں محض اس غرض سے پھیلائی جاتی ہیں تاکہ دُشمنوں کے خلاف
سخت نفرت پھیل جائے۔ اس وقت کسی کو ٹھنڈے دل سے خبروں کی
چھان بین کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ یہی حال امرتسر کے فسادات
میں بھی ہوا۔ وہاں ایک ہم پر حملہ لگے جانے سے تمام انگریز فوجی اٹھ
اور ان کے غصے کی کچھ انتہا نہ رہی۔

لارڈ کیننگ نے غلط فہم کو ایک خط میں مفصل ذیل فقرات لکھے
تھے جو قابلِ غور ہیں:

”اگر وہ انگریز جن کے دل و خیال کو باغیوں کے ہاتھوں کچھ
نقصان پہنچا ہے، ان کے خلاف نفرت کا اظہار کریں، تو وہ حق بجانب
ہیں۔ لیکن حیرانگی کی بات یہ کہ سب سے زیادہ شور و داد لا دینے والے
نچارے ہیں جو بڑے آرام سے قدر کے حلقہ اثر سے دور اپنے اپنے
گھروں میں محفوظ ٹھہرے ہیں۔ مثلاً کلکتہ کی انگریزی آبادی فسادات
کے علاقے سے بہت دور تھی۔ بائیں سہہ وہ ہندوستانیوں کے خلاف
بڑا زہر اگل رہی ہے جو کہ ان کے معاذ خدا خیالات اس قدر کرنے
میں تباہ رہا ہو گئے۔ انگریزوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستانیوں کو
حقارت سے دیکھتی ہے اور ان سے قطع تعلق کرنے پر آمادہ ہے۔ لیکن
ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اگر برطانیہ کو ہندوستان پر حکومت
کرنی ہے تو ہندوستانیوں کو دیوانی اور فوجی ملازمین بیکار پر رہنا
کرنا پڑے گا کیونکہ ان کے بغیر حکومت کا انتظام ایک دن بھی نہیں
چل سکتا میں مبالغہ نہیں کرتا۔ یہ صحیح بات ہے کہ اگر ہم تمام ہندوستانیوں
کو سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیں تو بہت سے انگریزوں سے بے نظر
تھیں دیکھیں گے۔ کیونکہ وہ صاف طور پر اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ انگریز
اور ہندوستانیوں کے درمیان مستقل نفرت کی دیوار قائم کی جائے۔
بعض انگریز ہندوستانیوں کی وفاداری پر مطلق اعتبار نہیں کرتے حالانکہ
انہی فسادات میں بہت سے ہندو اور مسلمانوں نے انگریزوں کو باغیوں
کے مظالم سے بچایا ہے“

پنجاب کے فسادات کے دوران میں انگریزوں میں بہت جوش
پھیلا ہوا تھا۔ کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جانوں کی فکر تھی تھی لیکن
تعب کی بات یہ کہ شور مچانے والے زیادہ تر وہی لوگ تھے جو بہت
افراط پرستی مقامات پر پائے پڑے تھیں ان میں امین امان سے شتم
تھے۔ اور ان کی حفاظت کے واسطے کل فوجی انتظام موجود تھا۔

علاوہ بریں وہ خود بھی خاصی تعداد میں ایک ہی جگہ رہتے تھے۔ برطان
اس کے اضلاع کے حکام یا جانے کے کھیتوں کے مالکوں یا دیوبند
کی جماعت نے کبھی چھپ چھپ کر نہ کی۔ حالانکہ انھیں ہر وقت اپنی جان
کا خطرہ مناجا ہے تھا۔ وہ ایسے مقامات پر مقیم تھے جہاں کسی قسم کی
بروت آباد کا ہم پہنچا تقریباً ممکن تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مقدمہ لڑنے
لوگوں کو اپنے اوپر بھروسہ نہ تھا۔ وہ پھاڑوں اور شہروں میں ہندوستانیوں
سے بالکل الگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی طرز معاشرت بالکل غلط
ہے۔ ہندوستانیوں سے انہیں کسی قسم کی یکجہالت یا ہمدردی نہیں ہے۔
وہ اپنے حلقہ آغاب میں ایسی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں
جس طرح ان کے بھائی ہندوستان میں کرتے ہیں۔ وہ اس ملک کے
واقعات بھی دلالت ہی کے اخبارات میں پڑھنے کے عادی ہیں۔ لیکن
اضلاع کے افسروں یا دیوبند کو اپنے آپ پر کئی عقائد ہوتا ہے وہ اپنی

برادری سے غلط رہتے ہیں۔ بدین جہاں ہندوستانیوں سے معاشرتی
تعلقات پیدا کرنے پڑے ہیں، اور اپنے ساتھ ایسے احباب اکٹھے کر
لیتے ہیں۔ جو فسادات کے موقع پر بھی مدد کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں
جب ہم ہندوستان آتے ہیں تو ہم اس کے باشندوں کے متعلق
براہ راست تجربہ حاصل کرنے کی مطلق کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ چونکہ
ہمارے مصنفوں نے لکھ دیا ہے، وہی ہمارے داغوں میں گنجائش رکھتا
ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم ہر ہندوستانی کو یا تو دھیکھا دیکھنے والا یا تو
آمدنی یا داغ باز سمجھنے لگتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس ملک کے باشندوں
سے راہِ درم پیدا کریں تاکہ ان کے اصلی اخلاق و عادات سے واقف
ہو سکیں۔

ایک ناقابلِ فراموش شہادت

پنجاب کے فسادات میں ہندوستانیوں نے سب سے زیادہ یہ بات
محسوس کی کہ انگریز عورتوں نے بھی داخل لاکے مظالم کی ٹہری زور
سے تائید کی تھی۔ حالانکہ یہ قدرتی امر ہے کہ عورتیں دہشتناک ہتھ
سے نفرت کرتی ہیں۔ اور ان کے رفیق جذبات قتل و خونریزی کی
سخنیں کے متعلق نہیں ہو سکتے۔ مگر ذیل میں ایک ہندوستانی عورت
کامیاب جو اودھ دار بنام سنگرن آکر کے مقدمہ میں دیا گیا تھا، وجہ
کرنا ہوں۔ اس سے جلیاؤ لالہ بلو کے حادثہ کی نوعیت ظاہر ہوگی:
”سوال:- تھیں اپنے خاندان کے قتل کی کب اطلاع ملی؟
جواب:- جب جلیاؤ لالہ بلو میں گولی چلی۔ میں نے اپنے کچھ
کے باشندوں سے شاکہ ہزاروں آدمی مارے گئے ہیں۔ پھر سخت
تشویش ہوئی۔ کیونکہ میرا خاندان بھی اسی جگہ گیا ہوا تھا، میں نے اپنے
باغ میں چلی گئی۔ اس وقت شام ہو گئی تھی۔ تمام جگہ لاشوں کو لٹی
ہوئی تھی۔ میں نے ہر جگہ اپنے خاندان کی لاش تلاش کی۔ بالآخر
اُس کی لاش کوئی لاشوں کے نیچے سے برآمد ہوئی۔ زمینوں کے
دردناک نالوں اور قریب الموت انسانوں کی چیخوں سے آسمان
گونج رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی شخص میرے خاندان
کی لاش کی جرات نہ کی۔ کیونکہ حکام نے شام کے بعد ہر پھٹکا ممنوع
قرار دیا تھا۔ ناچار میں نے تمام رات اسی باغ میں اپنے خاندان
کی لاش کے پاس جا گئے گذرادی۔ کیونکہ کتنے بڑی تعداد میں اہم
اُمہر منڈ لاسے تھے۔ اور مجھے ہر وقت انھیں چھڑی سے جھکاتے
رہنا پڑا تھا۔ رات کے ۲ بجے مجھے ایک سکھ زخمی کے کراہنے کی آواز
آئی۔ میں نے اُس کی زخمی ٹانگ سیدھی کر دی۔ وہاں ایک بارہ
برس کا بچہ بھی زخمی تھا جو تمام رات درد کی دہ سے چیخا رہا تھا۔
ایک اور زخمی بھی بائیں کے اُسے لپٹا رہا تھا۔ چونکہ وہاں پانی
کا نام و نشان نہ تھا، اس واسطے میں لاچار تھی۔ میں تمام ملات دھوا
کے کراہنے کی آواز سنتی رہی جب صبح ہوئی تو سندر داس چالائی
لے کر آیا پھر میں اپنے خاندان کی لاش گھر لے گئی“

اس قدر کے تراش سے پتہ چلتا ہے کہ غدر کے تاثرات و فتنوں
تک بھی نہیں مٹ سکے۔ جب ہمیں کوئی شخص کتاب کہ ہم ہندوستانیوں
کے ساتھ غلاموں کی طرح سلوک کر رہی ہیں۔ تو ہم بڑے زور سے اس
کی تردید کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے باہمی تعلقات کو غور سے دیکھا
جائے۔ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کو غلاموں سے
بہتر نہیں سمجھتے۔ جب ہماری آپس میں ہی ہندوستانی کے متعلق بات
چیت ہوتی ہے، تو سب سے پہلے دریافت کرتے ہیں ”کیا وہ دغا
اور دغا مالاں بھی ہے؟“ ہمیں اس بات کی مطلق پرواہ نہیں۔
اگر وہ ایک نہایت لائق مدبر یا مشہور سیاست دان ہو۔

برید شرق

مکتوبات تانہ

(املا کے مقالہ نگار معتمد خطیہ کے نام سے)

ناؤی سلفیہ کمال پاشا کا ازہرہ انتخاب - سازشیوں کو - ترک کی آبادی - ترکی اور امریکہ - ترکی میزبان -

کی مقادمت کروں گا جو ترکی حکومت کو لاسی ہوگا۔ ترکی شرافت کی حفاظت، اس کی برتری اور اپنے فرائض ادا کرنے پر میں اپنی پوری زندگی وقف کروں گا۔

• حب غازی قسم کھا رہو تھے تو آگے بڑھ کر پانچوں کا ایک شہر بنے ہو جاتا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض سلفیوں کے سیر بھی نمایاں جانے میں شریک تھے۔

قسم کے بعد غازی نے خطبے پڑھتے ہوئے کہا:

”یہ منصب، صدر جمہوریت کا منصب، درحقیقت قوم کی پوری نصیحت استقامت، اور مصروفیت کا مظہر اور نمائندہ ہے۔ اس حقیقت سے میرا قلب و ضمیر پوری طرح باخبر ہے۔ میں ان تمام اہم فرائض اور نازک ذمہ داریوں سے کماحقہ آگاہ ہوں جو صدارت کی اس کرسی نے مجھ پر عائد کر دی ہیں۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ اس جدید اعتماد کو بھی سچا ثابت کروں جس سے قوم نے مجھے سرفراز کیا ہے۔ یہ اعتماد اس امر کا ثبوت ہے کہ قوم ہماری خاکسارہ کوششیں پسے اطمینان سے پسند کرتی ہے۔ میری مسلسل کوششیں سبھی کی قوم کی زیادہ سے زیادہ فوری حد تک انجام دیتا رہیں۔“

اس کے بعد غازی نے کہا:

”یہ جمہوریت، جو خود مختاری، قومیت، اور فتنہ پر قلم ہوئی ہے اور جسے گزشتہ برسوں میں اپنی اصلاحات و انقلابات سے اپنی قوت قاترہ ثابت کر دی ہے، قوم کی امیدوں اور آرزوؤں کے بالکل

غازی کا ازہرہ انتخاب

گزشتہ ہفتہ مجلس وطنی (پارلیمنٹ) کا ازہرہ افتتاح ہو گیا غازی کمال پاشا، دوبارہ، صدر جمہوریت منتخب کئے گئے۔ بصورت پاشا بدستور وزیر اعظم ہے۔ مجلس وطنی کے سابق صدر، کاظم پاشا بھی نئے انتخاب میں کامیاب ہوئے۔

مجلس وطنی کے تمام ارکان نے ایک ایک کر کے، صدر مجلس کے سامنے حسیل قسم کھائی:

”میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ کسی ایسے مقصد کے لئے کوشش نہیں کروں گا جو وطن کی سعادت، قوم کی سلامتی، اور اس کی بے قید و شرطیات کے منافی ہو۔ نیز میں جمہوریت کے اصول سے برابر وفادار رہوں گا۔“

خلق فرقدہ سی نے، جمہوریت کی صدارت کے لئے کوئی نام پیش نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے ارکان کو آزادی دیدی تھی کہ جس شخص کو پسند کریں اس منصب کے لئے منتخب کر لیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی غازی مصطفیٰ کمال پاشا ہی بالاتفاق صدر قرار دے دئے گئے۔ تب صدر مجلس وطنی نے انھیں قسم کھانے کے لئے طلب کیا۔ انھوں نے ان لفظوں میں قسم کھائی:

”میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ صدر جمہوریت ہونے کی حیثیت سے جمہوریت کے قوانین اور قومی سیادت کے اصول کی حفاظت و مدافعت کروں گا۔ میں اپنی پوری قوت سے اور پورے اخلاص سے ترکی قوم کی بھلائی کے لئے کوشش کروں گا۔ میں پوری شدت سے ہر اس خطرے

بھول چکے ہیں۔ ہمیں کا پورے مظالم پر بھی شورش برپا نہیں چاہئے جس طرح ہم دہلی، بنارس، الہ آباد وغیرہ میں اپنی کارگزاریاں فراموش کر چکے ہیں جب ہم اپنے مظالم بھول چکے ہیں تو کوئی دہشیں کہ ہندوؤں کی زیادتیاں ہر دم یاد رکھیں!

سرچارلس ایمپن نے لائسنس کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ اسے اس کے تحت کا بھی جولاہور کی ٹیٹنڈی ٹرک پر استاد ہو، ذکر کیا ہے اس بت پر یہ حروف کدہ ہیں کیا تم ہماری حکومت تلواری کے زور سے تسلیم کر دے گے یا قلم کے زور سے؟“ ان الفاظ سے ہندوستانی قوم کو دودھ رستے دکھائے جاتے ہیں۔ یا تو وہ خوشی سے ہماری اطاعت قبول کر لے یا تلوار کے زور سے حکم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر جھک کر قلم کے زور سے حکومت کی جا رہی ہے۔ لیکن تلوار بھی ہر وقت برسرِ ہمتی ہے۔ اس قسم کے کبتوں سے ہندوستانیوں کے دلوں میں غم کی آگ بجتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بت کی شب و روز حفاظت کی جاتی ہے۔ تاکہ

”کیا ٹیگور وفادار ہے؟“

میرا ایک دوست کسی پادری سے ٹیگور کے متعلق بات چیت کر رہا تھا وہ اس کی ادبی شہرت کا بہت معترف تھا۔ پادری نے بات کاٹ کر دیکھا ”آیا وہ وفادار بھی ہے؟“ اگر اس وقت سینٹ پال بھی برٹش گورنمنٹ کی رعیت ہوتا تو غالباً یہ پادری اس کے متعلق بھی یہی سوال کرتا۔ البتہ مجھے یقین ہے، وہ اسٹر لیا یا کیڈ کے کسی باشندے کے متعلق یہ سوال پوچھنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ جب تک انگریزوں کی ہندوستانی بریت کے متعلق یہ رائے ہے گی، تب تک فریقین میں ہمیشہ غلط فہمی قائم رہے گی اور ان کی باہمی مخالفت روز بروز بڑھتی جائے گی۔

پنجاب کے فسادات میں سب سے زیادہ فوجی فعل امر میں ہوا تھا۔ وہاں ایک کچہرے کے باشندوں کو حکم دیا گیا کہ گھر سے باہر نکلنے وقت یا گھر کی طرف جاتے وقت پیٹ کے بل ریگ کر چلیں۔ کیونکہ حکام کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس کچہرے کے بعض باشندوں نے ایک سیم بڑھلایا تھا۔ شہروں پر بھائی جہا زوں کے ذریعے گولہ باری کرنا چاہی اس سے کم خونناک واقعہ نہیں ہے۔ ہندوستانی کہتے ہیں کہ اگر گولہ بول یا پٹ میں سنا دھرجائے۔ تو بلاشبہ حکام حفظ عامہ کی خاطر مصنفوں پر گولی چلانے سے دریغ نہیں کریں گے لیکن وہ کسی حالت میں بھی یہ نہیں کر سکتے کہ اس شہر پر آسمان سے بے گولے پھینکیں۔ اس قسم کے مظالم صرف اس صورت میں رد کر سکتے ہیں جب قوموں کے درمیان جنگ چھڑ جائے۔

چوٹ نے ایک کتاب ”غدر کی کہانی“ میں مندرجہ ذیل سطور لکھی ہیں:

”ایشیائی دماغ کو سمجھنا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ کیونکہ کوئی آدمی اس کے اسرار نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن یہ مسلم امر ہے کہ غدر کی یاد لوگوں کے دلوں میں ہر وقت تازہ رہتی ہے۔ مجھے ایک پادری نے بتایا کہ اس نے ایک دفعہ اسکول کے طالب علموں کو غدر پر جواب مضمون لکھنے کا حکم دیا تھا۔ مگر تمام لڑکوں نے خالی کاغذ پیش کر دیے جس کو صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ یہ واقعہ اس قدر محسوس کرتے تھے کہ انہیں اپنے اندر کی خیالات سے آگاہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔“

بعض واقعات کار انگریزوں کی رائے ہے۔ کہ غدر کی یاد آتش چھڑنے کے بعد معدوم ہو جائے گی۔ لیکن میرے خیال میں جب تک ہماری کتابوں میں غدر کے انسانے موج رہیں گے، تب تک کوئی شخص بھی انھیں نہیں بھول سکتا۔ اس اسپرٹ کو زائل کرنے کے صرت دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ یا تو تمام اسکول اور کالج بند کر دئے جائیں تاکہ نئے نسلوں کو پچھلی صدی کے واقعات کے متعلق کچھ علم نہ ہو۔ یا ہمیں اپنی زبان واقعات کو ان کی اصلی صورت میں کھائیں اور اپنی طرز تحریر یکسٹم تبدیل کر دیں۔

سادہ کار نے غدر کو آزادی کی جنگ کے تعبیر کیا ہے۔ اسنے ایک مکمل تاریخ ہند لکھی تھی۔ لیکن گورنمنٹ نے اس کی اشاعت بند کر دی کیونکہ گورنمنٹ کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس میں غلط واقعات موج کوٹھے ہیں جن سے انگریزوں کے خلاف نفرت پھیلنے کا اندیشہ ہے!

چونکہ ہم تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی ہم سے انتقام لینے کی خاطر ہمارے خلاف ہر قسم کی غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہندوستانی اخبارات اور رسائل اٹھا کر دیکھئے ان میں ہمارے خلاف کس قدر زہر اٹھا جاتا ہے۔

خاتمہ سخن

ہمیں ملکہ ہول والا صواب بالکل بھول جانا چاہئے جس طرح کہ ہم شرمیلہ قیدیوں کا ریل گاڑی میں دم گھٹ کر مرنے کے واقعہ ذرا

اسے نقصان پہنچایا جائے۔

روشن و تے تاریخ ہند میں کیا خوب لکھا ہے کہ غدر کے خونناک مظالم کو اسکول کی کتابوں سے مٹا دینا چاہئے۔ کیونکہ جب ہندوستانی طلباء کو اسل جیسے ظالم انگریزوں کے کارنامے نہیں پڑائے جاتے۔ تو پھر انہیں کاتھور کے گنہگار کا ادناء کیوں سنایا جائے؟ میں یقین کرتا ہوں کہ اس وقت ہماری قوم ماضی کو فراموش کر دینے کے لئے طیار ہو۔ اگر انگریزوں کی موجودہ مسل کو یقین دلایا جائے کہ ان کے زنگول نے ہندوستانیوں پر کس قدر ظلم و ستم ڈھائے تھے، تو وہ ان کی تلافی کے لئے یقیناً طیار ہو جائے۔

(مترجمہ چوہدری محمد علی صاحب کیل ایڈٹ آباد)

ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۶)

دنیا بھر میں کوئلے کی پیداوار ۱۹۹۲ء میں مجموعی پیداوار: ۱۱۶۸۵۳۵۰۰ ٹن۔	ملک	بھارت
۲۴۴۹۳۳۰۰۰	برطانیہ	۲۴۴۹۳۳۰۰۰
۱۹۰۱۰۹۸۶	ہندوستان	۱۹۰۱۰۹۸۶
۱۱۸۸۲۹۰۰۰	جزیرہ	۱۱۸۸۲۹۰۰۰
۴۴۰۱۰۰۰۰	فرانس	۴۴۰۱۰۰۰۰
۵۰۵۸۴۶۰۰۰	دولیات متحدہ امریکہ	۵۰۵۸۴۶۰۰۰
دنیا بھر میں پٹرول کی پیداوار ۱۹۹۲ء میں مجموعی مقدار: ۱۳۳۶۴۳۵۰۰ میٹرک ٹن	ملک	بھارت
۹۹۶۲۲۰۰۰	دولیات متحدہ امریکہ	۹۹۶۲۲۰۰۰
۲۱۶۲۲۰۰۰	میکسیکو	۲۱۶۲۲۰۰۰
۶۶۵۳۳۳۰	روس	۶۶۵۳۳۳۰
۴۶۰۳۲۰۰	ایران	۴۶۰۳۲۰۰
۱۸۱۱۶۰۰	رومانیہ	۱۸۱۱۶۰۰
۱۱۵۴۰۰۰	ہندوستان	۱۱۵۴۰۰۰
۵۶۰۰۰	فرانس	۵۶۰۰۰
۴۵۴۰۰	جزیرہ	۴۵۴۰۰
۲۲۳۰۰	کینیڈا	۲۲۳۰۰
۲۲۰۱۰۰	جاپان	۲۲۰۱۰۰
دنیا کے مختلف ملکوں میں تعلیم یافتہ آبادی (۱۹۹۲ء)	ملک	بھارت
۹۱۵	انگلینڈ	۹۱۵
۹۳	دولیات متحدہ امریکہ	۹۳
۱۰۰	ڈنمارک	۱۰۰
۱۰۰	جزیرہ	۱۰۰
۹۸	جاپان	۹۸
۶۱	فلپائن	۶۱
۹۳	فرانس	۹۳

معدنیات	مقدار	قیمت
منگ	۱۴۹۲۸۰۶ ٹن	۱۰۵۴۳۳۳ روپے
کولر	۱۵۴۳۰۵۲۴	۵۵۵۴۳۳۳
سونا	۵۸۵۰۵۲	۳۳۴۵۳۰۰
پٹرول	۲۶۱۳۹۶۰۰۰	۱۵۰۱۲۰۰۰
قلی	۱۳۸۰۰	۱۸۳۰۰
تاجا	۵۴۴۳	۱۳۳۰۰
کالسا	۲۰۹۱	۱۱۵۰۰
لوہا	۳۳۳۳۴۰	۵۹۸۰۰۰
سیا	۱۱۹۴۸	۳۶۳۶۰۰۰
مٹھیس	۶۴۴۶۰۰	۱۵۴۵۵۰۰
ابرک	۲۸۵۰۰	۱۳۲۰۴۰۰
یاقوت زبر	۲۵۴۰۰۰	۴۸۸۰۰۰
شوری	۳۴۳۰۰۰	۵۴۰۴۰۰۰
چاندی	۶۰۳۰۰۰	۱۰۸۹۰۰۰
طین	۶۴۰۰	۳۸۵۰۰۰

دنیا بھر میں سونے کی پیداوار
مجموعی مقدار ۱۹۹۲ء میں: ۳۰۶۲۶۶ کلو

ملک	وزن بحساب کلو
ٹرانسوال	۲۸۳۰۶۸
روڈیسیا	۲۰۱۲۳
برطانیہ مشرقی افریقہ	۶۵۳۲
اٹریلیا	۲۴۱۰۵
ہندوستان	۱۱۸۳۲
کینیڈا	۳۶۵۴۸
دولیات متحدہ امریکہ	۴۴۶۲۶
میکسیکو	۲۴۲۶۱

مطابق ہے۔ ہماری حکومت کا آئندہ سالوں میں بھی یہی مسلک ہوگا کہ ہماری جمہوریت کی عزت، قوت، استقامت میں اضافہ ہونے کی قوم کی تمام قوتیں، خود اُس کی ترقی اور خوشحالی میں خرچ ہوں۔ ہمارے پیش نظر ہمیشہ یہی ہے کہ جمہوریت کی زندگی اور قوت بڑھتی جائے، ہر داخلی و خارجی خطرے سے قوم کے مفاد کی حفاظت کی جائے، مسک ہماری دوستی ہے۔ اس دامن کی کوششیں ہم کو ہر طرح کی اہماد حاصل کرتی رہیں گی۔ ہم چاہتے ہیں ہماری قوم ان دسمالوں کے ساتھ ترقی کرے۔

غازی کے انتخاب کے بعد ملک بھر میں مسرت کے مظاہرے برپا ہوئے اور ہر جگہ ۲۱-۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ پھر غازی قوم کے نام حسب ذیل اعلان شائع کیا:

”غزوان وطن! جمہوریت نے ترکی قوم کو خوشحالی اور بڑبڑانے کی کوششوں میں جو عظیم کامیابی حاصل کی ہے، اُس کی نظیر صدیوں کی تاریخ میں بھی موجود نہیں۔ قوم کی آرزو میں، ضرورتیں، اُس کی ترقی و سعادت کے اسباب کی تحقیق و بحث کے بعد جن نتائج جمہوریت پہنچی ہے، وہ قوم کے لئے ایک نہایت درخشاں مستقبل کی خوشخبری ہے۔ لہذا ہمیں جو اس جمہوریت کے زیر سایہ بہت جلد آنے والا ہے۔ یہ بالکل یقینی ہے کہ جمہوریت کی آئندہ نسلوں، ہم سے کس زیادہ خوشحال اور خوش نصیب ہونگی۔

”غزوان وطن! میرا اس دور جدید میں مسک ہمارا فرض ہے ہوگا کہ ملک میں ہر طرف امن و سکون اور زیادہ عام رودن۔ قومی وحدت کو قوی کر دوں۔ جمہوریت کی عزت بڑھاؤں۔ ہمارے لائحہ عمل کی بنیادی اصل یہ ہو کہ ہم مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ میں ہر طرح کی بہتری تصور کرتے ہیں۔ یہی باعث ہو کہ صد جمہوریت، جو اس ملک کا ایک باشندہ ہونے سے زیادہ کوئی وقت نہیں رکھتا، اپنے منصفیہ جملہ عظیم اختیارات پر غم و خرم کے ساتھ قوم کی بہتری اور مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ میں صرف کرے گا۔“

غازی کے اس آخری جملہ کو بہت اہمیت دی جا رہی ہے۔ کیونکہ اس اعلان سے اُنھوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ ترکی قوم کے ڈیکٹیٹر نہیں ہیں، جیسا کہ یورپ میں خیال کیا جاتا ہے، بلکہ وہ سرسرم مجلس وطنی کے قوانین کے پابند اور اُن کی تنفیذ کرنے والے ہیں، حالانکہ ڈیکٹیٹر کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ کسی بھی قانون کی پابند نہیں ہوتی۔ اُس کی زبان، ہی اُس کی نظریں قانون ہوتی ہے۔

نیز پھر اس تقریر سے غازی نے اُن تمام لوگوں کو بھی جواب دیا ہے جو موجودہ جمہوریت کو ملکیت کا ایک زینہ سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا یہ تمام سوگمراہ صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا، ترکی قوم کے بادشاہ بننے والے ہیں۔ اب اس تقریر کے بعد کسی کو یہ خیال کرنے کی جرات باقی نہیں رہے گی۔

سازشوں کو سزا

اپنے ایک پچھلے مکتوب میں اُس سائرس کا ذکر کیا تھا کہ وہوں میں پناہ گزین چند ترکی مجرموں نے غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے قتل کے لئے کی تھی۔ یہ لوگ، حاجی سامی بک کی زیر قیادت، یونان سے ترکی اس لئے آئے تھے کہ غازی جب آستانہ سے انکڑا دیا جائے تو ان کی گاڑی، ڈانٹا بیٹے سے اُڑا دیں۔ پھر سابق خلیفہ عبدالحمید کے نام پر انکڑا کی حکومت پر قبضہ کر لیں۔

لیکن اُن کی سازش، برداشت کھل گئی۔ پولیس ہی ایک محکمہ میں حاجی سامی ادا لیا۔ مگر اُس کے رفتار قید ہو گئے۔ عدالت نے تحقیقات کے بعد انھیں پچاس فیصد سزا کا حکم سنایا۔ عتقرب اس کا اجراء ہونے والا ہے۔

ترکی کی آبادی

ترکی کی پہلی مردم شماری کے سرکاری اعداد و شمار اب شائع ہو گئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ آبادی، ۱۳،۶۰،۰۰۰ سے بھی زیادہ ہے۔ یقیناً یہ اعداد، ترکی کے تمام دوستوں کے لئے موجب مسرت و اطمینان ہیں کیونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پچھلی سلسل اور طویل جنگوں کے بعد ترکی آبادی صرف ۸۰ لاکھ رہ گئی ہے۔

ترکی امداد کی

قارئین الملک! دانت ہو چکے ہیں کہ ترکی نے ساہوہ نوزائیدہ قتل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے سنی یہ تھوکر ترکی اد امریکہ کے ایجنٹ

سابق حالت جنگ بدستور قائم تھی۔ لیکن اب یہ یقین کرنے کے بعد کہ ترک ان سیاسی چالاکوں سے فریب کھانے والے نہیں ہیں، امریکہ نے از سر نو دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی خواہش کی ہے۔ چنانچہ اس نے سطر قزو کو اپنا سفیر بنا کر انکڑا بھیج دیا ہے۔ ترکی نے بھی امریکہ کی دوستی طلبی کا غیر مستقیم کیا ہے اور نختا ترک کسفر متروکہ کے دانشگاہوں کو دنا کر رہا ہے۔

ترکی میزبانہ

ترکی کا جدید میزبانہ، ۲۰۶۶۱۹۱۹۱۹ پونڈ (ترکی) ہے۔ پچھلا میزبانہ ۱۹۶۶۱۹۱۹۱۹ پونڈ (ترکی) تھا۔ اس میزبانہ میں دینی شعبہ کے لئے

برطانیہ ہندوستان میں مدینہ جانے والے ٹرکوں اور ٹرکیوں کی تعداد (۱۹۲۵ء)

[illegible]

برطانی ہندوستان میں قیام گاہیں ۱۹۲۲ء میں

کالج	خاص فنون کے مدرسے	قانون	ڈاکٹری	انجینیری	ٹریننگ	زراعتی	بیٹری	تجارتی	جنگلیروں کی تعلیم	ہائی اسکول	انگریزی اسکول	بسی ٹیٹر اسکول	ابتدائی مدارس	مجموعہ مدارس
آرٹس ادر سائنس ۲۱	۷۷۰ م	۱۳	۸	۷	۲۱	۵	۳	۱۳	۲	۲۶۰ م	۳۲۰	۲۲۹۰	۱۷۵۵۹۷	۰۰۰۰
مرفانہ	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۲۲۷۰	۲۹۹۸	۳۰۵۳	۱۵۰۹۱۹	۰۰۰۰۰
زمانہ	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۲۳۴	۲۵۲	۲۴۶	۲۴۶۷۷	۰۰۰۰
مدارس	۳۸۱	۱	۲	۱	۵	۱	۱	۱	۱	۳۸۰	۲۵۰	۰۰۰	۲۳۳۱۱	۷۲۷
بیسے	۲۲۲	۲	۱	۲	۱	۱	۰۰۰	۱	۰۰۰	۲۱۳	۲۶۵	۰۰۰	۱۲۸۹۲	۷۳۶
جنگل	۲۶۸۲	۳	۳	۱	۶	۰۰۰	۱	۵	۰۰۰	۹۰۶	۱۵۷۵	۱۱۶	۵۰۲۵۰	۹۶۵
یوپی	۵۱	۰۰۰	۰۰۰	۱	۲	۱	۰۰۰	۸	۱	۱۹۰	۱۱۲	۶۸۵	۱۷۷۹۴	۶۶۴
بہار، اٹھویہ	۲۵۲	۱	۰۰۰	۱	۲	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۱۲۷	۲۸۷	۲۱۹	۲۹۲۵۷	۵۶۲
پنجاب	۲۴۴۵	۱	۱	۱	۳	۱	۱	۰۰۰	۰۰۰	۲۷۳	۲۱۱	۱۲۷۴	۶۵۹۱	۴۶۸
سی پٹی	۵۰	۱	۰۰۰	۰۰	۱	۱	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۵۰	۱۶۴	۳۵۰	۲۶۹۵	۴۶۲
آسام	۱۲۰	۱	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۴۷	۱۵۲	۱۵۳	۲۵۹۷	۵۶۵
برما	۵۴۵	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۱۴۳	۰۰۰	۱۴۳۲	۴۱۶۸	۲۳۶۲

برطانی ہندوستان میں تعلیم کا ہونے کی آمدنی ۲۲۵۲۲ میں

صوبے	سرکاری امداد	پورڈ فنڈ سے	نیپول فنڈ سے	فیس سے	دوسرے ذرائع	مجموعی رقم
مدرا س	۱۲۸۵۴۸	۳۴۰۹۵۳۳	۱۲۲۳۲۶۱	۸۳۳۲۹۹۱	۸۸۳۳۱۱۸	۳۹۰۳۸۶۵۲
بیسئی	۱۸۳۴۱۶۵	۱۲۳۸۰۳۳	۳۹۱۸۴۱۲	۶۰۱۳۹۶۶	۲۲۵۴۸۵۴	۳۳۹۸۵۴۶۳
بنگلہ	۱۳۳۲۶۹۶۲	۱۵۳۵۸۰۵	۲۰۵۹۸۸	۱۲۶۳۶۱۲۶	۵۴۴۵۰۵۸	۳۵۶۳۵۹۳۹
پونہ	۱۴۲۲۸۴۹۰	۲۴۱۶۳۲۰	۹۸۶۲۱۲	۳۲۱۳۳۵۳	۵۲۳۰۲۲۰	۳۰۳۸۵۵۹۶
پنجاب	۸۸۳۳۳۶۳	۲۲۲۵۴۰۰۰	۹۲۶۱۰۵	۵۲۸۴۳۳۳	۲۱۲۱۵۹۳	۲۳۲۰۵۲۶۶
برما	۶۸۳۸۰۸	۱۵۱۲۵۳۶	۶۰۶۸۰۲	۲۹۲۰۱۲۵	۲۶۴۳۵۸۵	۱۳۵۵۱۰۵۳
سی پئی	۵۰۰۶۱۶۳	۱۳۹۸۰۵۹	۶۴۳۰۳۶	۱۱۰۸۸۳۶	۴۵۴۳۵۰	۹۰۳۰۳۳۳
سباز اور لیس	۲۹۹۱۵۴۰	۲۲۵۲۸۴۵	۲۳۳۸۴۰	۲۶۸۸۲۴۸	۲۲۳۱۳۲۴	۱۳۳۹۹۰۰۰
آسام	۲۲۳۳۳۶۶	۲۳۳۹۶۶۳	۴۱۲۸۴	۶۳۹۰۲۳	۲۲۸۸۲۵	۳۸۱۶۳۳۳
میزلاننگل	۹۹۸۰۱۵۶۳	۱۸۰۵۴۶۳۰	۹۲۶۸۳۵۶	۳۶۸۶۳۱۸۲	۳۴۵۴۳۴۴	۲۰۸۴۸۳۱۹

تحریری مقابلہ - انجمن اتحاد (جامعہ اسلامیہ) نے طے کیا کہ ہر سال ایک تحریری مقابلہ کیا جائے جس میں بہترین مضمون نویس کے جناب عبدالغیر صاحب الفاضل ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ کیل بارہوی کی جانب ہوا کے حرم دودا اور ملک کر شہید انشا پر داؤد اذنا جائے لای علی صاحبہم کی یادگار میں ایک ۵۰ روپیہ کا طلافی تمغہ دیا جائے۔ عنوان جنس فیل جو: ”سنتہ ام کہ جو مسلمانان ہند کی تعلیمی جدوجہد اور اس کے نتائج“ شرائط: (۱) مضمون تقریباً ۵ صفحات پر مشتمل ہو۔ (۲) مضمون اس پرچہ میں ۱۴۸۴ھ تک ناظم انجمن اتحاد جامعہ اسلامیہ قریب بلدی کے پتہ سے بجا نا چاہیے۔ (۳) طلباء اور دیگر تمام حضرات اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل حضرات سے درخواست کی گئی کہ وہ بہترین مضمون نویس کا فیصلہ کریں، مولوی عبدالحق صاحب، بی۔ اے، ناظم انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن۔ مولانا عبدالمجید صاحب، بی۔ اے، مدیر ”سچ“، لکھنؤ۔ ڈاکٹر اکر حسین خان منٹا ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (برسن)، شیخ المجاہد۔ مضمون کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے امید ہے کہ ملک کے اکثر ادیب اور طلباء اس طرٹ توجہ فرمائیں گے۔

ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۶)

دنیا بھر میں کوئلے کی پیداوار ۱۹۷۲ء میں	مجموعی پیداوار: ۱۱۶۸۵۳۵۰۰ ٹن۔
ملک	بحساب ٹن
برطانیہ	۲۷۹۳۳۰۰۰
ہندوستان	۱۹۰۱۰۹۸۶
جرمنی	۱۱۸۸۲۹۰۰۰
فرانس	۴۴۰۱۰۰۰۰
دولیات متحدہ امریکہ	۵۰۵۸۴۶۰۰۰
دنیا بھر میں پٹرول کی پیداوار ۱۹۷۲ء میں	مجموعی مقدار: ۱۳۳۶۳۳۵۰۰ میٹرک ٹن
ملک	وزن بحساب میٹرک ٹن
دولیات متحدہ امریکہ	۹۹۶۲۲۰۰۰
میکسیکو	۲۱۶۲۲۰۰۰
روس	۶۶۵۳۳۳۰
ایران	۴۶۰۳۲۰۰
رومانیہ	۱۸۱۱۶۰۰
ہندوستان	۱۱۵۴۰۰۰
فرانس	۵۶۰۰۰
جرمنی	۴۵۴۰۰
کینیڈا	۲۲۳۰۰
جاپان	۲۲۰۱۰۰
دنیا کے مختلف ملکوں میں تعلیم یافتہ آبادی (۱۹۷۲ء)	
مرد فی صدی	عورت فی صدی
۹۳.۲۴	۹۱.۵
۹۵.۵۵	۹۳
۱۰۰	۱۰۰
۱۰۰	۱۰۰
۹۸	۹۶
۷۰.۵	۶۱
۹۶.۵	۹۳

۱۷۵
۵۱۲
ہندوستان

کاشت

ہندوستان کی معدنی دولت (۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۳ء تک کے اعداد و شمار)

معدنیات	مقدار	قیمت
نمک	۱۴۹۲۸۰۶ ٹن	۱۰۵۴۴۳۴۴ روپیہ
کولر	۱۵۴۳.۵۲۷ ٹن	۵۵۵۴۴۳۴۴
سونا	۵۸۵.۵۲ اونس	۳۲۴۵۳۰۰۰
پٹرول	۲۶۱۳۹۶۰۰۰ گیلن	۱۵۰۱۲۰۰۰
قلعی	۱۳۸۰ ٹن	۱۸۳۰۰۰
تانبہ	۵۴۴۴ ٹن	۱۳۳۰۰۰
کالشا	۲۰۹۱ ٹن	۱۱۵۰۰۰
لوہا	۴۳۳۴۴۰ ٹن	۵۹۸۰۰۰
سیا	۱۱۹۴۸ ٹن	۳۶۳۶۰۰۰
تعلقیں	۶۴۴۶۰۰ ٹن	۱۵۴۵۵۰۰۰
ابرک	۳۸۵۰۰ ٹن	۱۳۲۰۴۰۰
یاوت، زمر	۲۵۴۰۰۰ ٹن	۷۸۸۰۰۰
شوری	۳۴۳۰۰۰ ٹن	۵۴۰۴۰۰۰
چاندی	۶۰۳۰۰۰ اونس	۱۰۸۹۰۰۰
مین	۶۴۰۰ ٹن	۴۸۵۰۰۰

دنیا بھر میں سونے کی پیداوار

مجموعی مقدار ۱۹۷۳ء میں: ۳۰۶۲۶۰ کلو

ملک	وزن بحساب کلو
ٹرینسوال	۲۸۴۰۶۸
ریپوبلیکا	۲۰۱۲۴
برطانیہ مشرقی افریقہ	۶۵۳۲
اٹریلیا	۲۴۱۰۵
ہندوستان	۱۱۸۳۲
کینڈا	۳۶۵۴۸
دولیات متحدہ امریکہ	۷۷۶۹۲
میکسیکو	۲۴۲۶۱

مطابقت ہے۔ ہماری حکومت کا آئندہ سالوں میں بھی یہی مسلک ہوگا۔ ہمارے جمہوریت کی عزت، قوت، استقامت میں اضافہ ہونے کی قوم کی تمام قوتیں، خود اس کی ترقی اور خوشحالی میں خرچ ہوں۔ ہمارے پیش نظر ہمیشہ یہی ہے کہ جمہوریت کی زندگی اور قوت برقی جائے، ہر داخلی و خارجی خطرے سے قوم کے مفاد کی حفاظت کی جائے، مسک ہماری دوستی ہے۔ اس دامن کی کوششیں ہم کو ہر طرح کی اہم ماحصل کرتی رہیں گی۔ ہم چاہتے ہیں ہماری قوم، ان دسامتی کے ساتھ ترقی کرے۔

غازی کے انتخاب کے بعد ملک بھر میں مسرت کے مظاہرے برپا ہوئے اور ہر جگہ ۲۱-۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ پھر غازی نے قوم کے نام میں اعلان شائع کیا:

”غزوان وطن! جمہوریت نے ترکی قوم کو خوشحالی اور ترقی دینے کی کوششوں میں جو عظیم کامیابی حاصل کی ہے، اس کی نظر، صدقہ کی تاریخ میں بھی موجود نہیں۔ قوم کی آرزو میں، ضرورتیں، اس کی ترقی و مسادت کے اسباب کی تحقیق و بحث کے بعد جن نتائج پر جمہوریت پہنچی ہے، وہ قوم کے لئے ایک نہایت درخشاں مستقبل کی خوشخبری ہے۔ لہذا ہمیں جو اس جمہوریت کے زیر سایہ بہت جلد آنے والا ہے۔ یہ بالکل یقینی ہے کہ جمہوریت کی آئندہ سلسل، ہم سے کس زیادہ خوشحال اور خوش نصیب ہو سکی۔“

”غزوان وطن! میرا اس دور جدید میں سب سے بڑا فرض یہ ہوگا کہ ملک میں ہر طرف امن و سکون اور زیادہ عام کردوں۔ قومی وحدت کو قومی کردوں۔ جمہوریت کی عزت بڑاؤں۔ ہمارے لائحہ عمل کی بنیادی اصل یہ ہے کہ ہم مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ میں ہی ہر طرح کی بہتری تصور کرتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ صدر جمہوریت، جو اس ملک کا ایک باشندہ ہونے سے زیادہ کوئی وقت نہیں رکھتا، اپنے منصب کے عظیم اختیارات دوسرے غم و حزن کے ساتھ قوم کی بہتری اور مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ میں صرف کرے گا۔“

غازی کے اس آخری جملہ کو بہت اہمیت دی جا رہی ہے۔ کیونکہ اس اعلان سے انھوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ ترکی قوم کے ڈیکٹیٹر نہیں ہیں، جیسا کہ یورپ میں خیال کیا جاتا ہے، بلکہ وہ سراسر مجلس وطنی کے قوانین کے پابند اور ان کی تنفیذ کرنے والے ہیں، حالانکہ ڈیکٹیٹر کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ کسی بھی قانون کی پابندی نہیں ہوتی۔ اس کی زبان، یہی اس کی نظریں قانون ہوتی ہے۔

نیز اس پر اس تقریر سے غازی نے ان تمام لوگوں کو بھی جواب دے دیا ہے جو موجودہ جمہوریت کو ملوکیت کا ایک زینہ سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ تمام سرانگ صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا، ترکی قوم کے بادشاہ بنے والے ہیں۔ اب اس تقریر کے بعد کسی کو یہ خیال کرنے کی جرأت باقی نہیں رہی۔

سازشوں کو سزا

اپنے ایک پچھلے مکتوب میں اس سائرس کا ذکر کیا تھا کہ وہ یوں یوں میں پناہ گزین جنہر ترکی مجرموں نے غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے قتل کے لئے کی تھی۔ لیکن، حاجی سامی بک کی زیر قیادت، یونان سے ترکی اس لئے آئے تھے کہ غازی جب آستانہ سے انکڑہ دایس جائیں تو ان کی گاڑی، ڈائنامیٹ سے آڑیں۔ پھر سابق خلیفہ عبد المجید کے نام پر انکڑہ کی حکومت پر قبضہ کر لیں۔

لیکن ان کی سازش، برداشت کھل گئی۔ پولیس ہی ایک محرم میں حاجی سامی آدھار لیا۔ مگر اس کے رقعہ قید ہو گئے۔ عدالت نے تحقیقات کے بعد انھیں پچانسی کی سزا کا حکم سنایا۔ عنقریب اس کا اجرا ہونے والا ہے۔

ٹرکی کی آبادی

ٹرکی کی پہلی مردم شماری کے سرکاری اعداد و شمار اب شائع ہو گئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ آبادی، ۱۰،۳۶،۰۰۰ سے بھی زیادہ ہے۔ یقیناً یہ اعداد، ٹرکی کے تمام دوستوں کے لئے موجب مسرت و اطمینان ہیں کیونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پچھلے سلسل اور طویل جنگوں کے بعد ترکی آبادی صرف ۸۰ لاکھ رہ گئی ہے۔

ٹرکی اعداد کی

قارئین الملک! دانت ہو چکے ہیں کہ ترکی نے ساہزہ نازان قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے سنی یہ جو کہ ٹرکی اہم امریکہ کے امین

سابق حالت جنگ بدستور قائم تھی۔ لیکن اب یہ یقین کرنے کے بعد کہ ترک ان سیاسی چالاکوں سے فریب کھانے والے نہیں ہیں، اگر کھینے از سر نو دستہ تعلقات قائم کرنے کی خواہش کی ہے۔ چنانچہ اس نے سطر قمر کو اپنا سفیر بنا کر انکڑہ بھیجا ہے۔ ٹرکی نے بھی امریکہ کی دوستی طلبی کا خیر مقدم کیا ہے اور مختار بک کو سفیر مقرر کر کے واشنگٹن روانہ کر دیا ہے۔

ترکی میزبانہ

ٹرکی کا جدید میزبانہ، ۲۰۶۹۱۹۱۹ پونڈ (ترکی) ہے۔ پچھلا میزبانہ ۱۹۶۹۱۹۱۹ پونڈ (ترکی) تھا۔ اس میزبانہ میں دینی شعبہ کے لئے

برطانی ہندوستان میں مدرسہ جانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد (۱۹۲۷ء)

۱۰-۱۱ برس کے لڑکے	مداس	بیبی	بنگلہ	یوپی	پنجاب	سی پی	بہار اور اڑیسہ	آسام	برما
۱۹۰۷۱۵	۶۴۲۰۰	۱۳۱۰۰۶	۹۲۱۵۶	۳۵۰۰۲۵	۳۵۰۰۲۵	۳۵۰۰۲۵	۳۵۰۰۲۵	۳۵۰۰۲۵	۳۵۰۰۲۵
۲۰۱۲۸۱	۱۱۵۱۸	۳۰۵۳۶	۴۴۴۰	۵۱۱۱۶	۱۱۱۱۶	۱۱۱۱۶	۱۱۱۱۶	۱۱۱۱۶	۱۱۱۱۶
۱۵۰۸۶۹	۱۶۶۶۰۰	۳۵۳۹۰۳	۱۱۰۰۱۳	۳۳۶۶۹۰	۳۳۶۶۹۰	۳۳۶۶۹۰	۳۳۶۶۹۰	۳۳۶۶۹۰	۳۳۶۶۹۰
۱۷۱۹۹	۱۱۴۶۶	۱۵۶۱۶	۲۰۶۶۶	۱۵۴۱۶	۱۵۴۱۶	۱۵۴۱۶	۱۵۴۱۶	۱۵۴۱۶	۱۵۴۱۶

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہیں ۱۹۲۷ء میں

کالج	خاص فرائض کے لئے	توازن	ڈاکٹری	انجینیری	ٹرنینگ	زراعتی	بیڑی	تجارتی	تجکر کی تعلیم	ہائی اسکول	انگریزی لڑکوں	دینی لڑکوں	مداس	تعداد لڑکوں
آرٹس اور سائنس ۲۱۱	۷۷۰۴	۱۳	۸	۷	۲۱	۵	۳	۱۳	۲	۲۶۰۴	۳۲۶۰	۲۲۹۰	۱۷۵۵۹۶	۰۰۰۰
مداس	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۲۲۶۰	۲۹۹۸	۳۰۵۳	۱۵۰۹۱۹	۰۰۰۰
بیبی	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۲۳۶۴	۲۵۲	۲۲۶	۲۲۶۶۷	۰۰۰۰
بنگلہ	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۳۸۰	۲۵۰	۰۰۰	۲۳۳۱۱	۶۲۷
یوپی	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۲۱۳	۲۶۵	۰۰۰	۱۲۸۹۲	۷۲۶
بہار، اڑیسہ	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۱۹۰	۱۵۷	۱۱۶	۵۰۳۵۰	۹۲۵
پنجاب	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۱۷۶	۲۸۷	۲۱۹	۲۹۳۵۷	۵۲۲
سی پی	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۲۷۳	۲۱۱	۱۲۷	۶۵۹۱	۴۵۸
آسام	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۵۰	۱۶۳	۳۵۰	۲۲۹۵	۴۵۲
برما	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۱۴۳	۱۵۲	۱۵۲	۲۵۹۷	۵۲۵
	۵۴۵	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۱۴۳	۰۰۰	۱۴۳۲	۲۱۹۸	۲۳۶۲

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہوں کی آمدنی ۱۹۲۷ء میں

صوبے	سرکاری امداد	بورڈ فنڈ سے	نیپول فنڈ سے	فیس سے	دوسرے ذرائع سے	مجموعی رقم
مداس	۷۱۳۸۵۴۸	۳۴۰۹۷۳۳	۱۲۲۳۶۶۱	۸۴۳۶۹۹۱	۸۸۳۳۱۱۸	۲۹۰۲۸۶۵۲
بیبی	۱۸۳۴۱۶۵	۱۲۳۸۰۳۳	۳۹۱۸۷۱۲	۶۰۱۳۹۶۶	۳۴۵۷۸۵۲	۲۳۹۸۵۷۶۳
بنگلہ	۱۳۳۸۲۹۶۲	۱۵۳۵۸۰۵	۳۰۵۹۸۸	۱۳۶۳۱۱۲۶	۵۷۷۵۰۵۸	۲۵۶۳۵۹۳۹
یوپی	۳۰۲۶۸۲۹۰	۲۷۱۶۳۲۰	۹۸۶۲۱۲	۲۲۱۳۳۵۳	۵۲۳۰۲۲۰	۳۰۳۸۵۵۹۶
پنجاب	۳۳۳۳۶۳۴	۲۲۲۵۷۰۰۰	۹۲۶۱۰۵	۵۲۸۷۳۳۳	۲۱۳۱۵۹۳	۲۳۳۰۵۲۶۶
برما	۶۸۳۸۰۸	۱۵۱۳۵۳۶	۶۰۶۸۰۲	۲۹۶۰۱۲۵	۲۶۳۵۵۵۵	۱۲۵۵۱۰۵۳
سی پی	۵۰۰۶۱۶۳	۳۹۸۰۵۹	۶۷۳۰۳۶	۱۱۰۸۸۳۶	۷۵۳۳۰۰	۹۰۳۰۳۳۳
بہار اور اڑیسہ	۲۹۹۱۵۴۰	۲۲۵۲۸۷۵	۲۳۳۸۷۰	۲۶۸۸۲۷۸	۲۲۳۱۳۲۷	۱۳۳۹۹۰۰۰
آسام	۲۲۶۳۳۶۶	۲۳۳۹۶۲۳	۲۱۲۸۷	۶۳۹۰۲۳	۲۳۸۸۲۵	۲۸۱۶۳۳۳
میزان کل	۹۹۸۰۱۵۹۳	۱۸۰۵۷۶۳۰	۹۲۶۸۴۵۶	۳۶۸۶۳۱۸۲	۷۷۷۷۷۷۷	۲۰۸۷۴۸۳۱۹

تجربہ متاثر۔ انجمن اتحاد (جامعہ اسلامیہ) نے طے کیا کہ اس سال ایک تجزیہ مقابلہ کیا جائے جس میں بہترین مضمون نویس کو خطاب عبدالعزیز صاحب انصاری ایم۔ اے، ایل، ایل، بی، کیل بارہ کی جانب سے اُن کے حرم دوا ملک کرشنہ پر مشتمل ہو۔ (۲) مضمون اسبابِ شہادت کا نام انجمن اتحاد جامعہ اسلامیہ قبولِ باغ دہلی کے چیرمے آجانا چاہیے۔ (۳) طلباء اور دیگر تمام حضرات اس میں حصے لے سکتے ہیں۔ مدرسہ ذیل حضرات سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ بہترین مضمون نویس کا فیصلہ کریں، مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے، ناظم انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد، دکن۔ مولانا عبدالمجید صاحب، بی، اے، مدیر "پیشہ" لکھنؤ۔ ڈاکٹر اکرم حسین خاں متا ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی (برلن)، شیخ المجاہد۔ مضمون کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے امید ہے کہ ملک کے اکثر ادیب اور طلباء اس طرے پر توجہ فرمائیں گے۔

”ناظم انجمن اتحاد“

مصر کی سیاسی بیداری کی تاریخ

مصطفیٰ نجاس باشا مصری سنہ کی زبانی

۱۳ نومبر ۱۹۱۸ء کا دن مصر کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار ہو گا۔ یہی تاریخ جو جب پہلے پہل مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کی بنیاد پڑی تھی۔ یہ دن ہر سال، ایک قومی عید کی طرح منایا جاتا ہے۔ اسرائیل بھی یہ عید مناتی گئی۔ مرحوم سعد باشا زغلول کے جانشین مصطفیٰ نجاس باشا نے اس موقع پر ایک نہایت اہم خطاب کیا۔ مصری لوگ اس میں ہم ٹیک ہو چکا ہے۔ اس میں موصوف نے مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کی تاریخ بیان کی ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ درج ہے:

سیاسی بیداری کا آغاز

”مصر ایسے سخت دور گزر چکے ہیں، جب رستادان طاقت کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کا جبر و تشدد، قومیت کا شرابہ بھجائے سکتا ہے اور دونوں پرنا امید کی موت طاری کرے سکتا ہے۔ حالانکہ اس کائنات میں کوئی قوت کبھی ہی عظیم کیوں نہ ہو، کسی زندہ قوم کی آرزو میں ہٹائیں سکتی، اور نہ قوم کا اتحاد شکست کر سکتی ہو۔ اب تو قوت کی یہ کوششیں کبھی زمانے میں بھی بار آور نہیں ہوئیں۔ کیونکہ یہ کوششیں قانون الہی کے خلاف ہیں، مشیت الہی کے عکس ہیں، خدا کی ٹھانی ہوئی فطرت میں تبدیل کرنے والی ہیں؛ دین تجدستہ اور تبدیلیا“

مصر میں یہ اجتماعی حقیقت ہم نے پوری طرح واضح صورت میں دیکھ لی۔ ظلم و جور، اگرچہ بے حساب تھا، مگر قوم میں آزادی کا جذبہ برابر زندہ رہا۔ ظلم جتنا زیادہ ہوتا جاتا تھا، یہ جذبہ بھی اتنا ہی زیادہ ابھرتا جاتا تھا۔

جنگ عظیم کا جب صوبہ یوٹیکا گیا، تو مصر، دول اتحاد کی صف میں کھڑا ہوا، حالانکہ آپریشن قزاقی کی گئی تھی۔ برطانیہ نے اس پر پورا قبضہ کر لیا تھا اور اس قبضہ کو جنگی ضرورت سے تعبیر کیا گیا تھا۔ جنگ میں مصر نے جان مال کی بڑی بڑی قربانیاں کیں اور اتحاد کو کا پلہ بھاری کر دیا۔ پھر جب جنگ کی آگ ٹھنڈی ہوئی، تو مصر نے اپنا حق مانگا۔ مگر اتحادی، حق لینے کے عادی تھے، حق دینے کا انہیں کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے مصر کی آواز سننے سے انکار کر دیا!

انہوں نے صحت انکار ہی نہیں کیا، بلکہ مصر کی زبان بھی بند کر دی گئی۔ پھر اس کی ہر ممکن تدبیر کی گئی۔ اس کی قومیت کا گلا گھونٹ ڈالنے کے لئے وہ ہاتھ آگے بڑھے جو فاتحانہ جنگ میں غن آلود ہو چکے تھے۔

اس وقت ہم چند دستوں نے باہم مشورہ کے بعد طے کیا کہ ملک کی نجات کے لئے ایک عام حرکت کی ضرورت ہے۔ مگر یہ حرکت شروع ہو؟ یہی سوال بنیادی سوال تھا۔ ہیں ایسے رہنماؤں کی ضرورت تھی جن کی شخصیت مسلم ہو۔ ایسی شخصیت صرف مرحوم احمد سعد زغلول باشا ہی کی تھی۔ ان میں وہ تمام صفات جمع تھیں جو ہماری سرداری کے لئے ضروری تھیں۔ وہ اس وقت مجلس تشریع (پارلیمنٹ) کے سربراہ بھی تھے۔

میں نے اس مجلس کے ایک کن سے درخواست کی کہ وہ سعد باشا سے ان کے کسی معتبر دوست کے ذریعہ گفت و شنید کرے۔ دوسرے دن اس کن نے ہیں اطلاع دی کہ سعد باشا کا دوست اس تجویز کے خلاف ہے

دوسرا بیان خود مسر کا ہے۔ پارلیمنٹ کا افتتاح کرتے ہوئے شاہ مصر کی تقریر میں حسب ذیل اعلان کیا گیا ہے:

”ہم اسے وزیر اعظم نے اپنی لندن میں موجودگی سے فائدہ اٹھا نہایت دوستانہ فضا میں انگریزی حکومت کے وزیر ناچہ سے طویل طویل گفت و شنید کی۔ اس گفت و شنید نے دونوں ملکوں پر عہد اثر ڈالا۔ اس سے غرض یہ تھی کہ برطانی اور مصری، دونوں حکومتیں متحرک اور سوڈان کے بارے میں ایک دوسرے کے نقطہ نظر سے واقف ہو جائیں، تاکہ اگر دونوں نقطہ ہائے نظر میں توافق ممکن ہو، تو ایک ایسے محاذ (حلفہ عینا) کے لئے گفت و شنید جاری کی جائے جس سے ہمارے ملک کی خود مختاری مکمل ہو جائے اور انجکستان کے علاقے بھی متعین ہو جائیں۔ لیکن یہ محاذ اس شرط سے ہو گا کہ ہمارا پارلیمنٹ بھی اسے منظور کرے“

”میں نہایت مسرت سے اس محبت آمیز روح کا ذکر کرتا ہوں جو اس نازک گفتگو میں جاری و ساری تھی۔ فریقین نے اخلاص و کوشش کی کہ دونوں کے نقطہ ہائے نظر زیادہ سے زیادہ قریب کر دیں تاکہ دونوں قوموں کی یہ آرزو پوری ہو سکے کہ ان کے درمیان دوئی کا ایک نیا عہد قائم ہو، دونوں اس سے مرتبط ہو جائیں، اور باہمی اعتماد سے فائدہ اٹھائیں“

ان دونوں بیانیوں کی روشنی میں امید بندھتی ہے کہ صدر برطانیہ اور مصر کے مابین کوئی ایسا معاہدہ ہو جائے گا، جس سے مصر کی آزادی زیادہ محفوظ اور نمایاں ہو جائے گی، سوڈان کا معاملہ اگر طے ہو جائے اور نہریں کی طرف سے برطانیہ کو اطمینان حاصل ہو جائے، تو پھر مصر کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ انجام پاسکا، تو یقیناً یہ مصر کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ لیکن یہ کامیابی، ہندوستان کے لئے ایک سخت ناز و اجرت ہوگی۔ کیونکہ ایک سطحی بھر مشرقی قوم جس کی آبادی سوا کر دسے بھی کم ہے، اپنی سچی وطنیت اور صداقت استقامت کے زور سے برطانیہ جیسے جبار سے اپنی آزادی تسلیم کر لے سکتی ہے۔ مگر ہندوستان، جو ایک لمبے براعظم کا دھبہ رکھتا ہے، اور ۳۲ کروڑ انسانوں کا وطن ہے، بدستور برطانیہ کی شرمناک غلامی پر قانع رہتا ہے؟

ہندوستان کو دھوکا دینے کے لئے ایک شاہی کیشن انجکستان سے آیا ہے۔ ایک ایسا ہی کیشن مصر میں بھی آیا تھا۔ یہ ”لرکیشن“ کے نام سے مشہور ہے۔ مصریوں نے اس مشکوک کیشن کا مقابلہ کیا۔ یہی دانشمند مقابلہ، ان کی سیاسی زندگی کا اصلی سرچشمہ ہے۔ اب ایک ایسا ہی موقع ہندوستان کو بھی حاصل ہو رہا ہے۔ دیکھا چاہئے؟

شاہ مصر کی سیاحت یورپ کی ایک غرض، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، یہ بھی تھی کہ وہ یورپ کو ان حاکمانہ امتیازات سے دست بردار ہوئے پر آمادہ کیا جائے، جو انہیں مصر میں حاصل ہیں۔ اس مقصد میں بھی کامیابی ہوئی ہے۔ شاہ مصر نے پارلیمنٹ کی تقریر میں اعلان کیا ہے کہ ”ہماری کوششیں کامیاب ہوئی ہیں۔ میری حکومت عتق ہے۔ کانفرنس میں دول یورپ کو مدعو کرنے والی ہے تاکہ اس مسئلہ کا آخری تصفیہ ہو جائے“

مصری پارلیمنٹ کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مصطفیٰ نجاس باشا اس کے بالاتفاق صدر قرار پائے۔ مصطفیٰ باشا جتنا دندے بھی صدر ہیں، یعنی مرحوم سعد باشا زغلول کی جگہ پر قوم کے رہنما منتخب کئے گئے ہیں۔ اب پارلیمنٹ کی صدارت کے بعد وہ مرحوم رہنما کے دونوں منصبوں میں جانشین ہو گا۔ لیکن جماعت وندیں بھی اور قومی پارلیمنٹ میں بھی۔

مکتوب مصر

(الملال کے مقالہ نگار قلم کا نام ہے)

مصر کی موجودہ سیاست پر ایک نظر

مصر کے فائدہ اہم واقعات، شاہ مصر اور وزیر اعظم کی یورپ واپسی ہے، اور مصری پارلیمنٹ کے تیسرے دور کا افتتاح ہے۔ تاہم الملال واقف ہیں کہ شاہ مصر، یورپ کے مختلف ممالک کی سیاحت پر وہاں کے بادشاہوں اور حکومتوں کی دعوت پر گئے تھے۔ سب سے پہلے شاہ انجکستان کی دعوت آئی، پھر صدمہوت فرانس، شاہ اٹلی، اور شاہ بلجیئم کی دعوتیں پہنچیں۔ اسی اثنا میں یورپ کی طرف سے بھی پیام دعوت روانہ کیا گیا۔

شاہ مصر کی یہ سیاحت، بے ضرورت نہ تھی۔ مصر کی موجودہ بیداری مطالبہ کر رہی ہے کہ ملک صحیح معنی میں آزاد ہو جائے۔ لیکن اس کی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رک، برطانیہ ہے۔ پھر وہ مختلف دول یورپ بھی ہیں جو قدیم معاہدوں کی بنا پر مصر میں حاکمانہ امتیازات رکھتی ہیں۔ شاہ مصر کی سیاحت کا اصلی مقصد یہی تھا کہ ان ممالک میں جا کر تھکر کے موافق عام رائے پراثر ڈالیں۔

بادشاہ کے ساتھ وزیر اعظم، عبدالحق ثروت باشا بھی تھے۔ ثروت باشا نے جس تہذیب و لیاقت سے یورپ کے ممبروں سے گفت و شنید کی، اس کا اعتراف خود یورپ میں اخبارات بھی کر رہے ہیں۔ ثروت باشا کے لئے سب سے پہلی اور سب سے بڑی مشکل، انجکستان میں تھی۔ انجکستان کی فطرت یہ ہے کہ طاقت کے ہوا کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا، اور ایک مرتبہ جب کوئی شکار پکڑ لیتا ہے، تو کسی طرح بھی چھڑا پسند نہیں کرتا۔ مصر تقریباً ہمہ برس سے اس کے پھنک میں ہے، اور وہ اس سے ہرگز دست بردار ہونا نہیں چاہتا۔

لیکن اب معلوم ہوتا ہے، انجکستان کو مصر سے سمجھوتہ کرنا چاہیے۔ گاہے ہتیاروں کی قوت سے زیادہ مؤثر، قوم کی معنوی قوت ہوتی ہے۔ مصری قوم پوری طرح بیدار ہو گئی ہے اور انجکستان کی غلامی سے قطعی طور پر انکار کر رہی ہے۔

سرکار انجکستان کے زبانی میں خود سعد زغلول باشا انجکستان کے لئے کوششیں کر رہے ہیں۔ انجکستان کے لئے کوششیں کر رہے ہیں، کیونکہ اس وقت مصر کی بیداری مکمل نہ تھی۔ اب حالات میں ظلم تبدیلی ہو چکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے، ان جدید حالات میں ثروت باشا نام کام نہ رہیں گے اور کوئی گوارا صداقت مفاہمت کی شکل لے لے گی۔

اس گفت و شنید کے نتائج پر پیشین گوئی کرنا قبل از وقت ہے۔ لیکن حالات امید افزا ضرور ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے طرہ اور متحرک، دونوں کے سرکاری بیان موجود ہیں۔ ستر بالڈین نے اپنی ایک تقریر میں مصر کے متعلق سب سے پہلے مصر کی ہی ہے:

”ہر اسلیسنی ثروت باشا کی انجکستان میں موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ہم نے دونوں ملکوں کے آئندہ تعلقات پر بحث کی ہے۔ امید ہے اس گفت و شنید نے ہیں اس طرح بنیاد تک پہنچا دیا ہو گا جو پھر مصر اور انجکستان کی دوستی کی ایسی محکم عمارت کھڑی ہوئی ہے جس سے ایک طرف، برطانیہ کی سلطنت کے سیاسی اعمال بھی محفوظ رہیں اور دوسری طرف، اپنی آزادی اور خود مختاری سے متبع ہونے اور قوموں کے مچ میں پسندیدہ مقام حاصل کرنے کا موقع بھی مل جائے“

دفعہ کو طلب کر کے تنبیہ کی کہ ”تم انگریزی حمایت کو اپنی گتہ کا بیڑا بناؤ۔ ورنہ سخت جنگی سزا دی جائے گی“۔ سعد باشا نے جواب دیا، چاہا، مگر تنبیہ سالانہ فوراً یہ کہہ کر ان کا منہ بند کر دیا۔ ”بس خاموش!“ سعد باشا چلے آئے اور اس ناہذب بڑاؤ پر بڑی سختی سے احتجاج کیا۔

سعد باشا کی جلاوطنی

اس واقعہ کے دو ہی دن بعد انگریز سپہ سالار نے سعد باشا احمد باسل باشا، اور اسٹیل صدیقی باشا کو گرفتار کر کے الٹا بیچ دیا۔

اس واقعہ کے تمام ملک میں سخت غیظ و غضب پیدا کر دیا۔ بہرین شورش برپا ہو گئیں۔ بہت سے مذاہنوں نے اپنی جائیں تک توڑ کر ڈالیں۔ انگریزی فوج نے دیکھ لیا کہ وہ اب قوم کو مرعوب نہیں کر سکتی۔ اب انگریزی سپہ سالار نے دفعہ کے باقی ارکان کو دھمکانا شروع کیا۔ ۱۶ مارچ کو یہ لوگ طلب کئے گئے اور انھیں کہا گیا کہ اس تمام شورش کے ذمہ دار تم ہی ہو۔

سنہ جواب دیا کہ اس بے صبری کی ذمہ داری انگریز سپہ سالار کو کیونکہ مصری وفد کو سفر سے روک دیا گیا ہو، اور سعد باشا اور ان کے رفقاء کو جلاوطن کر دیا گیا ہو۔

قوم کی پہلی رنج

ملک بھر میں سخت جہان تھا۔ عین اس وقت لاڈلہ مصر پہنچے اور انھوں نے یقین کر لیا کہ قوم کا یہ جوش مصنوعی نہیں ہو۔ اُسے کسی طرح باہر نہیں جاسکتا۔ چنانچہ عراق پر پل کو طعنہ دے کر قوت نے اپنی پہلی شکست تسلیم کی۔ جلاوطن قومی نمائندہ کو آزاد کر دیا گیا اور قریلوں کو سفر کی اجازت دیدی گئی۔ اس اولین فتح میں یہ قوم کی سرست بے حساب تھی۔ لیکن وہ اس پر قابض نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ ۱۱ اپریل کو مصری وفد، صلح کا نفرنس کے سامنے مصر کا دعویٰ پیش کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔

جب ہم آٹا پہنچے تو سعد باشا اور ان کے رفقاء ہمارے ساتھ ہو گئے۔ سعد باشا نے سب پہلی بات جو مجھ سے کہی، یہ تھی: ”ہماری جلاوطنی تو ختم ہو گئی، مگر اس کی خوشی نے ہمارے ذمہ داری سے غافل نہیں کیا جو اب ہمارے قوم کی جانب سے غلط ہو گئی ہو!“

اتحادیوں کے اخلاقی دعوؤں کی حقیقت

ہم تیس پہنچے تو معلوم ہوا، دول اتحادی کے مدد صلح کا نفرنس کے دروازے پہلے ہی سے بند کئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے لاکھ لاکھ کوشش کی، مگر کانفرنس کے ایران تک ہماری پکار نہیں پہنچ سکی۔ اسی وقت نہیں ملکہ اخبارات کے صفحات بھی ہمارے بند کئے گئے تھے۔ کوئی اخبار بھی ہماری فریاد شائع کرنے پر تیار نہ تھا۔ اس وقت ہم نے محسوس کیا کہ حق، عدل، آزادی، اخوت، یہ تمام الفاظ محض بے معنی ہیں ان الفاظ سے دول متحدہ کی غرض صرف یہ ہے کہ دنیا کو دھوکا دے کہ چنانچہ جنگ جیت لینے کے بعد حق و انصاف کے تمام دعوے پس پشت ڈال دئے گئے اور ظلم و جور کا دور دورہ شروع ہو گیا!

ہماری مصیبت میں بچہ نہیں ہو گئی، بلکہ بغیر صلح، انسانیت، مسروطن صد جمہوریت امریکہ نے مقبرہ انگریزی حمایت تسلیم کر کے ہمارے مصیبت میں ایک نیا اضافہ کر دیا۔ اسپر بھی ہم ناامید نہیں ہوئے۔ بارہ کوشش کرتے رہے۔ بالآخر ہماری کوششوں سے اسی صدر حال پیدا ہو گئی کہ برطانیہ کو ہماری آواز سننے پر مجبور ہو جانا پڑا۔ اُسے مجبوراً دینا چاہا تھا، اور امریکین کا کلہاڑا ہمارے کھیلنے کے لئے بھیج دیا تھا۔ لیکن اب ہم سات میں فغل کتبہ تھے کہ اس دلچسپ کھیلنے سے کھیلنے لگتے۔ مغربیش نے ہمیں اکر دہ نظر کیا، جس کی آہ

۳ دسمبر کو سعد باشا نے جواب دیا۔
”اس کا مجھے اختیار ہو، نہ وہ کہ کسی کس کو کہ ایسے معاملات پر گفت و شنید کریں جو قومی مطالبہ کے خلاف ہیں۔ قوم نے ہمارا نمائندہ بنایا ہو۔ ہم اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں سکتے۔“

سعد باشا کا ایک خطبہ

اس جواب پر ہائی کمانڈر نے خاموشی اختیار کر لی اور وفد نے اپنی جدہ دہد شروع کر دی۔ ۱۳ جنوری ۱۹۱۹ء کو سعد باشا نے حد باسل باشا کے مکان میں تقرر کرتے ہوئے اعلان کیا:

”خود مختاری کا خیال، مصر میں کوئی نیا خیال نہیں ہو۔ یہ مقبرہ کے دل میں قدیم زمانے سے موجود ہے۔ جب جب حالات مساعد ہوئے، اس جذبے نے ظاہر کیا، اور جب جب ظلم و قہر نے تسلط پایا، یہ جذبہ دب گیا۔ مگر کبھی مر نہیں۔ موجودہ وقت اس جذبہ کے پورا ہونے کے لئے بہترین وقت ہے، کیونکہ ترکی سیادت، ختم ہو چکی ہے۔ پس انگریزی سیادت کا بھی اب خاتمہ ہو جانا چاہئے۔ یہی وقت ہے جس میں لاڈلہ مصری کی یہ آرزو پوری ہو سکتی ہے کہ ”ہم اس کے ہوا اور کوئی آرزو نہیں رکھتے کہ مصر سے عزت کے ساتھ واپس چلے آئیں!“

”یہ انگریزی جنگی قبضہ جو سرسرا مسفحانہ تھا، حمایت (پڑوسی) کی صورت میں بدل دیا گیا۔ یہ تبدیلی، برطانیہ نے صرف اپنی لئے سے کر لی۔ مصر سے استعراج نہیں کیا گیا۔ لہذا سابق قبضہ کی طرح یہ حمایت بھی لغو در باطل ہے۔ بین الاقوامی قوانین کے درپردہ اس کی کوئی وقت نہیں۔ وہ جدید اصول و مبادی جو اس جنگ کے بعد پیدا ہو گئے ہیں ان کی نظر میں یہ حمایت بالکل بے معنی ہے۔ ہم انسانی قانون کی نظر میں ہر اجنبی تسلط و اقتدار سے آزاد ہیں۔ ہم کسی اجنبی کی قانونی آغا میں نہیں ہیں۔ ہمیں اب جس چیز کی ضرورت ہے، وہ صرف یہ ہے کہ صلح کا نفرنس بھی ہماری قانونی آزادی اور خود مختاری تسلیم کرے۔ اس کے بعد ہم علما اپنے حق آزادی سے مستمع ہونے لگیں گے۔ اسی بلند مقصد کے لئے جو تمام مصریوں کی دلی آرزو ہے اپنے اندر رکھتا ہو، میں نے اور میرے رفقاء نے ”مصری وفد“ مرتب کیا جو کہ مصر کی خود مختاری کا دنیا سے اعتراف کرائیں۔ اسی مقصد کے لئے قوم نے ہمیں اپنا نمائندہ بنایا ہو!“

یہ خطبہ، مصر کی جدید تاریخ میں ہمیشہ یادگار ہو گا، کیونکہ جنگ کے بعد سے کسی کو صاف صاف بولنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ سعد باشا نے انگریزی رعب کا باطل طلسم توڑ ڈالا، اور تمام مصری پوری جرأت کے ساتھ بولنے لگے۔

سعد باشا کی ایک اور تقریر

”رفدوی مسئلہ کو سعد باشا نے ایک اور یادگار تقریر کی مشرق پر نے جدید نوع جاری تواریں پر ایک خطبہ سنایا تھا۔ اس جلسہ میں وزیر عدالت اور بہت سے ارکان حکومت موجود تھے۔ خطبہ کے بعد سعد زغلول باشا کھڑے ہو گئے اور اپنی تقریر کے دوران میں کہا،

”برطانیہ نے مقبرہ حمایت اپنی لئے اور ارادے سے قائم کر دی ہے۔ مصر سے کبھی لئے نہیں لی گئی۔ لہذا یہ حمایت برابر باطل ہے اور قانوناً اس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ ایک جنگی ضرورت بتائی گئی تھی۔ اب چونکہ جنگ ختم ہو گئی ہے، اس لئے اس کی تمام ضرورتوں کے ساتھ یہ ضرورت بھی ختم ہو گئی۔ تاہم جو کہ جنگ کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی یہ ضرورت حال گوارا کی جائے“

سعد باشا کو تنبیہ

اس تقریر نے ملک میں سخت جوش پیدا کر دیا، اور بہرین سے آزادی کا اعلان ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر راجس سلطہ کو انگریزی سپہ سالار نے دیکر کہا کہ ”ہم مارشل لا ملک میں جلدی تھا“ سعد باشا اور ان کے

اسپرینے اس دوست سے ملاقات کی اور دیر تک بحث کرتے رہے۔ اس پر آخری سوال یہ کیا، ”اگر ظالم قوت اس حرکت کا فوراً سرکھل ڈالے گی تو پھر کیا ہو گا؟“ ہم نے فوراً جواب دیا، ”تم چلے جاؤ گے تو ہم تمہاری جگہ کھڑے ہو جائیں گے!“

ہمارے جواب پر شخص مذکور مطمئن ہو گیا۔ اُسے یقین آ گیا کہ ہم اپنے ارادے میں پختہ ہیں۔ تب اُسے یہیں بتایا کہ تمہاری یہ تجویز نئی نہیں ہے۔ اور بھی بہت سے لوگوں نے یہی تجویز پیش کی ہے، اور سعد باشا سے گفتگو جاری ہے۔

۱۰ نومبر ۱۹۱۸ء کو ہمیں ایک ذریعہ سے معلوم ہوا کہ انگریزی ہائی کمانڈر کو خبر پہنچی ہے کہ سعد باشا کے کھڑے چلنے سے ہو رہی ہیں اور وہ فوراً کوئی کارروائی کرنے والا ہے۔ ہم نے فوراً اپنی جماعت کو اکٹھا کر دیا۔ سب نے طے کیا کہ کل ہی ہائی کمانڈر کے سامنے علانیہ اپنا مطالبہ پیش کریں۔ ۱۱ نومبر کا دن تھا، اور ان دنوں کے جنگ کا مساعد وہی دن منعقد ہوا تھا، لہذا یہی دن مصر کے مطالبات پیش کرنے کے لئے نہایت موزوں ہی تھا۔

ہائی کمانڈر نے اس دن ملاقات سے انکار کر دیا اور ۱۳ نومبر ۱۹۱۸ء کی تاریخ مقرر کی۔ چنانچہ سعد باشا، علی شراوی باشا، اور عبدالغیر فہمی، ایک، انگریزی مستقر میں پہنچے۔ ہائی کمانڈر کو مطلع خبر بھی، یہ لوگ کیا کہنے والے ہیں۔ اُسے خیال کیا تھا یہ چالیں اس لئے آئے ہیں کہ فاتح برطانیہ کے حضور مبارکباد کا خاکہ سازانہ تحفہ پیش کرینگے۔ مگر یہ یہ دیکھ کر دمگ رہ گیا کہ یہ لوگ مصر کی کامل خود مختاری کا دعویٰ لیکر آئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ انھیں یورپ جانے کی اجازت دی جائے تاکہ اپنے حق کے لئے کوشش کریں۔ ہائی کمانڈر بہت چین بچیں ہوا، اور یہ کہہ کر انھیں رخصت کر دیا کہ ابھی حکومت سے گفت و شنید کرتے جواب دوں گا۔

مصری وفد کی تشکیل

چند روز بعد ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہائی کمانڈر وہ حیثیت معلوم کرنا چاہتا ہے جسے انھیں اس مطالبہ کا حق بخشتا ہے۔ جواب دیا گیا کہ سعد باشا، مجلس تشریع کے سکریٹری ہیں، اور ان کے باقی دو لوگ بین اس مجلس کے رکن ہیں۔ تینوں قوم کے منتخب نمائندہ ہیں، اور انھیں ملک کی طرف سے بولنے کا پورا امتیاز تھا۔

لیکن سعد باشا نے مناسب سمجھا کہ اس حیثیت کے ساتھ خاص اس مطالبہ میں بھی قوم کی طرف سے نمائندگی کا میرے حق حاصل کر لیں چنانچہ ساتھ آدھوں کا ایک وفد مرتب کیا گیا، اور قوم کے نام اعلان شائع کیا کہ اس وفد کو آزادی کی جدوجہد میں اپنا نمائندہ قرار دے۔ قوم نے اس عورت پر اتنی گرم جوشی سے لبیک کہا، کہ انگریز حکام خوف زدہ ہو گئے، اور باشندوں کو نمائندگی کے کاغذ پر دستخط کرنے سے جبراً روک لگے۔

انگریز حکام کی اس خلاف قانون حرکت پر سعد باشا نے وزیر اعظم حسین رشتی باشا کے سامنے صدائے احتجاج بلند کی۔ وزیر اعظم نے ۱۲ نومبر ۱۹۱۸ء کو جواب دیا کہ وزارت واخلیہ کے انگریز مشیر نے یہ کارروائی کی ہے اور دوسرے بتائی ہو کہ بے اسمی جیل جانے کا اندیشہ ہے۔ لیکن یہ ظالمانہ حرکت کچھ مفید نہ ہوئی۔ وفد بالآخر بن ہی گیا۔ قوم کی نمائندگی

وفد کی تشکیل کے بعد سعد باشا نے وفد کے نام سے ازبہر مطالبہ کیا کہ اُسے سفر یورپ کی اجازت دیکھائے۔ اسپر ہائی کمانڈر نے یہ دیکھ کر لکھا کہ وہ مصر کے نظام حکومت کے متعلق تمام تجویزیں تجاویز غور کرنے کے لئے تیار ہے، بشرطیکہ یہ تجویز اس مسلک کے خلاف نہ ہوں، جو برطانی حکومت، مصر کے لئے پہلے سے متین کر چکی ہو!

ہوتا ہے۔ یعنی اپنے قلبیں پر شری کارنگ مرکز کے مقابلہ میں کہیں باؤ
دھندلا بلکہ تاریک ہے۔ جو

مشتری کی حرکت
 مشتری کی اس درجہ چمک، اس امر کی دلیل ہو کہ اس کی سطح، دراصل ایک کثیف ابر ہو۔ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابرا آفتاب کی قوت سے نہیں بلکہ خود مشتری کی قوت سے بنتا ہے۔ مشتری کی یہ خصوصیت بھی عجیب ہو کہ اس کا پورا جسم ایک ساتھ اپنے خود پر گردش نہیں کرتا، بلکہ اس کے بعض اجزاء بہت تیزی سے حرکت کرتے ہیں، بعض سست رفتار ہیں!

شہری کی حرارت، باوجود اسکے کہ وہ آفتاب سے اس قدر دُری پر ہو، بہت ہی عظیم ہو۔ علماء کا خیال ہو کہ یہ حرارت آفتاب سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ خود شہری ہی سے پیدا ہوتی ہو۔

انسان کا مستقبل

سرفیلپ گنہگار، مسخِ دستان کا مشہور عالم اہل قلم ہو۔ پچھلے دنوں اس مذکورہ بالا عنوان پر ایک مضمون شائع کیا گیا ہو۔ وہ کھتا ہو:

”انسان، قدرت کی خفۃِ قوتیں بیدار کر کے سخت خطروں میں پڑ چکا ہو۔ اب اس کے لئے اسے ہوشیار کرنا چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو آخری طور پر مغلوب کر کے سحر کر لے، یا خود مغلوب ہو کر برا بد چلے حالات بنا لے جس کا انسان، علم کی رتنی کے ساتھ ساتھ قدرت کی قوتوں پر برابر غالب ہوتا ہے گا۔ یہاں تک کہ وہ زمین کا مطلق مالک و حاکم بن جائے گا۔ اسی غرض سے بعض علماء نے تجویز پیش کی ہے کہ قدرت سے جنگ کا یہ طویل سلسلہ دس برس کے لئے منقطع کر دیا جائے یعنی التوا جنگ ہو جائے، تاکہ اس دوران میں انسان اس وقت کی تمام علمی فتوحات اجمعی طبع استعمال میں لائے۔ اگر انسانی فتوحات کی یہ تیز رفتاری کچھ مدت کے لئے روکی نہ جائے گی، تو بہت جلد انسان کے دماغ کو عقل کر ڈالے گی۔ وہ بہت ہو کر رہ جائے گا اور فتح تباہ کن شکست بن جائے گی“

”لیکن یقین نہیں کروں گا اس تجویز پر عمل کر سکے۔ کیونکہ انسانی
 دماغ اب روکنے سے بھی ارحم نظر نہیں آتا۔ ہزار ہا برس کی قید کے
 بعد اب وہ آزاد ہو گیا ہو۔ اور برابر بے قیدی رہنا چاہتا ہو“
 ”اب انسان کی کرشمہ یہ ہو کہ قدرت کا وہ سب سے بڑا اختیار بھگا
 پھین لے جس پر تک نظر ڈھانے کی اس نے اجازت نہیں دی تھی۔ اب
 انسان چاہتا ہو کہ خود اپنی قسمت کا بھی حاکم بن جائے۔ اسے شرم آتی
 ہو کہ خود اس کی تخلیق وخلق اور اس کے نفس کی تکلیف کا معاملہ،
 قدرت کے ہاتھ میں ہی، چنانچہ اب وہ چاہتا ہو کہ اپنی پسند کے مطابق
 اپنی نسل پیدا کرے اور اپنی خواہش و ارادے سے اپنے اخلاق و اطوار بنا کر
 انسان نے اب معلوم کر لیا ہو کہ جسم اور اخلاق کی تخلیق کا معاملہ
 سرسراؤن غدد و گلیٹنوں کا وہی ہے جو جسم میں موجود ہوتی ہیں۔

اگر ادا کے جسم سے وہ خاص گھٹیاں نکال دی جائیں جنہوں نے اسے ادا بنا دیا ہو، اور ان کی جگہ وہ گھٹیاں لگا دی جائیں جن کی وجہ سے وہ بیوقوف نہ ہو کر تاجر، توفور، احسین بدل جائے گی۔ یعنی ادا، زیر خاں کے اسی طرح زکوٰۃ ادا بنایا جاسکتا ہو۔ اب معلوم ہو چکا ہو کہ سر کی ایک گھٹلی سے جو مادہ خارج ہوتا ہو، اس کی کمی بیشی سے انسان لانا ادا پست قد ہو جاتا ہو۔ اگر عمل جراحی کے ذریعہ اس گھٹلی کے عمل میں ترمیم کر دی جائے، تو جب مرضی قدر ازاد درست ہو جاسکتا ہو۔ اپنی طبی طور پر ثابت ہو چکا ہو کہ تمام چور دن کے جسم میں بعض خاص قسم کی گھٹیاں ہوتی ہیں۔ انھیں کے اثر سے وہ چوری کرتے ہیں۔ یہی اصل

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و مقبول خاص و عام اسم باہمی

ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی کا

عیدم الشال نادالہ جو سرکاری تحفہ

”ہمدرد، دہلی“

تار کا کافی پتہ

ماء اللحم دواخشہ

زندگی جیسی غیز اور پیاری چیز جو وہ ظاہر ہو لیکن تندرستی بھی ایسا ہی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے طاعت بلکہ بیکار ہے۔ تندرستی بڑا نعمت ہے۔ تندرستی ہو تو بے کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا نامہ لکھ کر یا ہمارا عالم استعمال کیجئے اور پری میں شاب کا طاعت آٹھائے یہ امر تو مسلم ہے کہ عالم معوی اور اح ہی، بدن میں تپتی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا بھجنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا دلالت اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا عالم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جان اور جوانوں کو جوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور معوی اور فحش اجزا سے بطور خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معوی اور کئی نہیں ہے بلکہ عالجیاب شفا الملک بہادر غفران تابش اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ جو جناب مدوح نے بمرض رفاه عام ”ہمدرد و دواخانہ“ کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ عالم کا استعمال فرما کر خدا کی قدر کا شاہد کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر مستحبہ اور پورا فائدہ ایک جلد میں ہوتا ہے۔ پہلے کو صرف اپنی غلطی اور خوش بیاہی سے خوش کر دینا ہمارا مشورہ نہیں ہے۔ مگر بعض امور میں ہم کو اپنی گئی ہمدی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اس شہتار دینا پڑتا ہے۔

ماء اللحم کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہے شکائے اور آزمائے اور تجربے کا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ شک آتے کہ خود بخود۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پا چھو پیہ فی دہلی معرکہ گئی ہو مٹا اسکے چند اہم کے طبع معوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے اغفال و خواص آپ نصرت میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں نیز ہر قسم کی مفرد مرکب دوا میں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ نصرت ملاحظہ معجزی تیار ہے۔ صفت طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی ہے۔ ”میجر ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی“

میجر ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی



جلد آرڈر دیجئے
سونے کی چوڑیاں

زبردست ترعا
یعنی

تین روپے کے بجائے سو روپیہ میں

مستورات کے لئے بہترین تحفے

نئی ایجاد

چوڑیاں: یہ نہایت خوبصورت نازک اور نقش چوڑیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ ان کے اندر رنگین ریشمی چوڑیاں ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین جوید یا قوت یلم اور کھراج کے نیچے چڑھنے گئے ہیں۔ برصوں استعمال کیجئے۔ لیکن رنگ روغن میں طلق قرین میں آتا۔ نہ یا ہی دیتی ہیں۔ مستورات کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ صرف ایک روپیہ میں ۵۰ روپیہ کا کام نکالا جاسکتا ہے دوسرے لوگ بھی چوڑیاں ڈھائی روپیہ کی ۸۔۸ فروخت کرتے ہیں لیکن ہمارے زیادہ بکری اور تھوڑے پانچ کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے قیمت بہت کم کر دی ہے۔ یعنی بارہ چوڑیوں کا سرٹ قیمت صرف ایک روپیہ اس شرط پر کہ ان کے ایک سٹ ضرور شکوئے۔ اگر آپ پسند ہوں تو واپس کر کے دام لے لیں۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں دو زمانہ فروخت ہوتی ہیں۔ جلد شکوئے تاکہ اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔

گولڈن انگوٹھیاں: ہر سائز کی نادر نہایت نفیس اور خوبصورت انگوٹھیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ خالص سونے کی انگوٹھی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ایک انگلی میں یہ انگوٹھی پہنے۔ اور ایک میں خالص سونے کی۔ اگر سچان لے۔ تو ہمارا ذہن کسی جوہری صراف کے پاس لے جائے۔ وہ بھی فوراً شناخت نہیں کر سکے گا۔ اگر آپ کو انگوٹھی کی ضرورت ہو۔ تو آپ لیں ناقص ۲۵۔۳۰ روپیے متاع کرتے ہیں، کریں نہیں صرف ایک روپیہ میں کام لیتے ہیں قیمت فی عدد ایک روپیہ۔ تین کے لئے ڈھائی روپیہ (بھاری)

خط و کتابت کا پتہ۔ میجر زمانہ کا رو بار لاہور

برص سفید داغ ۲۱ یوم میں جیسے غائب، در نہ پوری قیمت واپس۔ اقرار نامہ نکالیں کہیں خوراک بھجوا دیا کہ کبھی روغن بھاجوئے ۲۱ روز کافی ہوگی قیمت معراج سات روپیہ تیرہ (بھاری)۔ دفتر تھانہ جیس بڑا در بھونک (بھاری)۔

ایم جھرنے کی بے نظیر گولیاں، جن کے استعمال سے صدمہ علمی آسانی سے ختم ہو چکے ہیں ایک پائے ہمارے علمی کے لئے باریک گولیاں کافی ہوتی ہیں۔ بے کما حقہ حکیم محمد عمر ایڈمنسٹریٹر۔ موگا ضلع فیروز پور پنجاب

بھنے ال کی نکاسی کی غرض سے ان چوڑیوں کی قیمت میں خاص رعایت کر دی ہے۔ کیونکہ ہم براہ راست مال نکاتے ہیں اس لئے یہ رعایت کی گئی ہے یعنی بجائے تین روپیہ فی سٹ کے سو روپیہ فی سٹ۔ یہ چوڑیاں خول کی صورت میں بنائی گئی ہیں ان کے اندر ریشمی رنگین چوڑیاں آجاتی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین ہیرے جواہرات کے نیچے ان کے اندر چڑھنے گئے ہیں صنف نازک کے لئے عجیب تحفہ ہے اور سو روپیہ میں ڈھائی سو روپیہ کا کام نکالا جاسکتا ہے۔ برصوں استعمال کیجئے خراب نہیں ہوتیں۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ تاپ ضرور دو کریں۔ قیمت فی سٹ ۱۲ عدد سو روپیہ (بھاری) محصول ۹۔ ایکٹ جلد خط و کتابت بھکر بن۔ نونے کے ٹو ڈوالے (۲) کا ٹکٹ آنا چاہئے۔ ملنے کا پتہ۔ بی۔ کے برادر س ایڈ کو نمبر ۹ دہلی

ان تمام اصحاب کے لئے جو قیمتی ترین صنعت کی قیمتی شایہ کا شوق رکھتے ہیں دنیا میں عظیم الشان مقام I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے،
اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی،
عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش
کتابوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے
ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مسارت و ساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہیشہ گروش کرتے رہتے ہیں

بائیں ہمہ

قیمتیں تعجب آنے پر مہم آرزائیں!

بر عظیم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام طبعی بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے
رہتے ہیں۔ تاہم کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم تک نہیں پہنچے ہیں

اگر آپ کے پاس نقدی اور موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت
مکمل ہو کر ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے لئے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سو گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں
شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کو مسلسل سلسلہ
بچھونکے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے طبع
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چہاہ
کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل نمائندگی ہوا کرتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر مصلحتاً میں شائع ہونے لگی تھی جب راجگی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی روش سے سجدہ کن کن افراس کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح ایسی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا اختیار مذہب ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟ قیمت جلد آٹھ (۸۳) (میرالہلال کلکتہ)

اگر آپ کو

د

ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب

دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں

تو

یاد رکھئے

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنما

گاڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں

قابل دید مقامات،

اور

آمار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کر دے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے ایسی

مکمل گاڈ بک ضرور

ڈنلاپ گاڈ بک گریٹ بریٹن

*The Dunlop Guide
To Great Britain*

کا

دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے

ریلوے اسٹیشنوں کے بک شال میں مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین قانونی قلم

امریکن کارخانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“

قلم ہے؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ

ہونی کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کی زندگی بھر کم

دے سکتا ہے

(۳) آتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری ہیل بولوں

فرزین کہ آتنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان قلم لیں تو آپ کی

”شیفر“ کا

”لائف ٹائم“

لینا

چاہئے!

